JAHANGIR'S
World Times
PUBLICATIONS

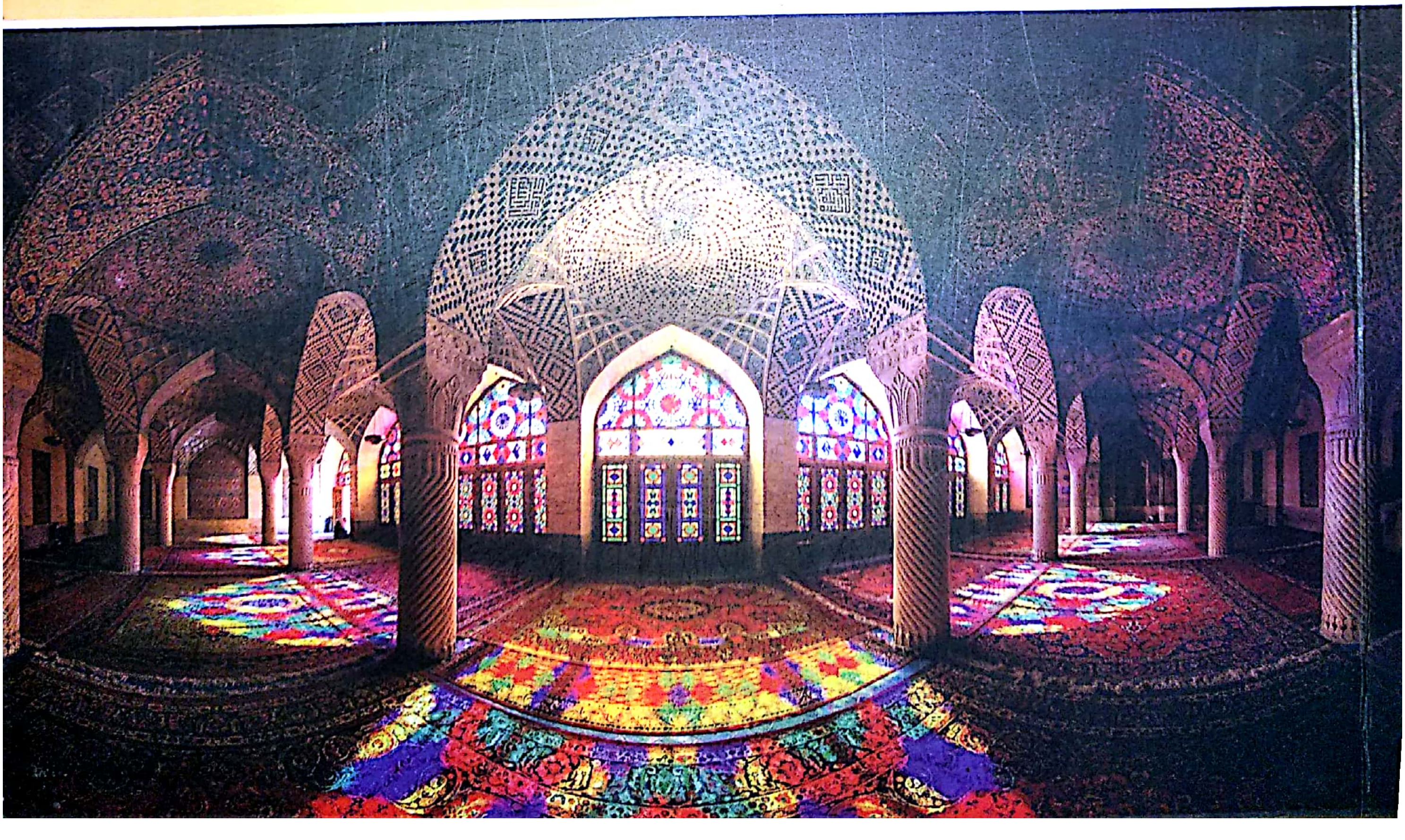
فارسی

برائے

PMS

سی ایس ایس، ایم اے، لیکچرر فارسی اور
دیگر مقابلے کے امتحانات وانٹرویوز کے لیے مفید ترین کتاب

سید رشید بخاری
اسسٹنٹ پروفیسر (فارسی زبان وادب)



JAHANGIR'S
World Times
PUBLICATIONS

فارسی

برائے

PMS

سی ایس ایس، ایم اے، لیکچرر فارسی اور
دیگر مقابلے کے امتحانات وانٹرویوز کے لیے مفید ترین کتاب

سید رشید بخاری
اسسٹنٹ پروفیسر (فارسی زبان وادب)

Since 1923
JAHANGIR BOOKS

ناشر: عدیل نیاز

قانونی مشیر: چودھری غلام سرور نہنگ، چوہدری ریاض اختر

Jahangir Books
info@jbdpress.com
www.jbdpress.com

قیمت

For suggestic ... plaints please contact
e.mail: info@jworldtimes.com
www.jbdpress.com

JAHANGIR'S
World Times
PUBLICATIONS

121-ڈی، گلبرگ II، لاہور۔ فون: 042-35754519

ڈسٹری بیوشن

لاہور: اردو بازار، فون: 042-37220879

لاہور: جہانگیر سنز، جوہر ٹاؤن، فون: 042-35290892-3

لاہور: جہانگیر سنز، گلبرگ، فون: 042-35771000

راولپنڈی: کتاب گھر، اقبال روڈ، نزد کمیٹی چوک، فون: 051-5539609

کراچی: اردو بازار، فون: 021-32765086

حیدر آباد: مکان نمبر 194/8 نزد علی مینشن، لجپت روڈ، فون: 022-2780128

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

شکرگزار ہوں تمام جہانوں کے خالق و مالک اور اُس پروردگار کا جس نے مجھے پی ایم ایس امتحان کے لیے فارسی کی پہلی کتاب تحریر کرنے کا اعزاز بخشا۔ سی ایس ایس کی طرح پی ایم ایس میں بھی فارسی بطور اختیاری مضمون شامل ہے۔ چونکہ فارسی اُن چند مضامین میں سے ایک ہے جن میں تھوڑی سی محنت سے زیادہ نمبر حاصل کیے جا سکتے ہیں اس لیے پی ایم ایس میں طلبا کی کثیر تعداد اختیاری مضامین میں فارسی کو اوّلین ترجیح دیتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ نمبر حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ طلبا ایسی کتب کا مطالعہ کریں جو خالصتاً امتحانی نقطہ نگاہ سے لکھی گئی ہوں اور ان میں مضامین کے بیان کرنے کا انداز ایسا ہو کہ پوری طرح پڑھنے والے کی سمجھ میں آ جائے۔

چونکہ پی ایم ایس فارسی کے لیے کوئی کتاب مارکیٹ میں موجود نہیں تھی اس لیے بہت سے طلبا و طالبات یہ آسان اور دلچسپ اور اچھے نمبر دینے والا مضمون اختیار کرنے سے محروم رہ جاتے تھے۔ میں نے اس کمی کو پورا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور الحمدللہ میری کاوشوں کا ثمر "فارسی برائے پی ایم ایس" کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ایک کتاب کسی صورت بھی اُستاد کا نعم البدل نہیں ہو سکتی تاہم کئی سالوں پر محیط میرے فارسی پڑھانے کے تجربے کی بدولت مجھے ان تمام مسائل کا بخوبی علم ہے جو فارسی کے طلبا خصوصاً پی ایم ایس کے امیدواران کو دوران تیاری درپیش آ سکتے ہیں۔ اس لیے اس کتاب کو تحریر کرتے ہوئے میں نے اس امر کا خاص خیال رکھا ہے کہ سلیبس کا کوئی جز یا حصہ تشنہ نہ رہ جائے اور طلبا کو کم وقت میں بھرپور تیاری کرنے میں آسانی بھی مہیا ہو۔

اس کتاب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں متون اور اشعار کا ترجمہ نہایت سادہ، آسان اور عام فہم زبان میں تحریر کیا گیا ہے نیز ترجمہ کے ہمراہ مشکل فارسی الفاظ کے معنی بھی دیے گئے ہیں تا کہ طالب علم تراجم از بر کرنے کے بجائے انھیں نہ صرف بہتر طور پر ذہن نشین کر سکیں بلکہ وہ خود بھی ترجمہ کرنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہو سکیں۔

آخر میں میں جناب عدیل نیاز، محمد شیراز، محمد علی جواد، عمران معراج اور افسر حفیظ کمبوہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی تجاویز کی روشنی اور تعاون کی بدولت کتاب مرتب کی گئی۔

سید رشید بخاری
اسسٹنٹ پروفیسر (فارسی زبان و ادب)
email: rashidbukhari22@yahoo.com
facebook: Professor Rasheed Bukhari
Ph: 0334-4001993
05-05-2016

فہرست

Persian Part-I

Persian Part-II

PERSIAN SYLLABUS FOR PMS

PERSIAN, PAPER-I

HISTORY OF PERSIAN LANGUAGE & LITERATURE

Total MARKS:100

(A) History of Persian Language. **(10)**

a. Avesta
b. Old Persian
c. Pahlavi
d. Dari
e. Modern Persian

(B) Persian and Pakistan. **(10)**

a. Persian`s Influence on Urdu.
b. Persian`s Importance for Pakistan
c. Persian`s Impact on Culture and Civilization of the Subcontinent.

(C) History of Persian Literature in Iran. **(20)**

a. Samanids
b. Ghaznavids
c. Saljuques
d. Mangols
e. Taimurids
f. Safrids
g. Qajars

(D) History of Persian Literature in the Sub-continent. **(10)**

a. Ghaznavids
b. Sultanates
c. Mughuls

(E) Special a Poets Study of Iranian Poets and Prose Writers. **(15)**

a. Poets

i. Firdousi
ii. Jalal-ud-Din Rumi
iii. Saadi Shirazi
iv. Hafiz Shirazi
v. Parveen Ietesami

b. **Prose Writers**

i. Attar Nishaburi (Tazkart-ul-Aoulia)

ii. Saadi Shirazi (Gulistan)

iii. Sadiq Hidayat (As a modern short story writer)

(F) Special Study of the Sub-continent`s Persian Poets and Prose Writers **(15)**

a. **Poets**

i. Masood Saad Salman

ii. Amir Khusrou

iii. Asad Ullah Khan Ghalib

iv. Allama Iqbal

b. **Prose Writers**

i. Muhammad Aoufi (Jawam-e-ul-Hikayat)

ii. Hassan Sajzi (Faiwaid-ul-Fawad)

(G) Short questian and answers from all the course of the "A" paper. **(20)**

(A) History of Persian Language

تاریخ زبان فارسی

تاریخی اعتبار سے فارسی زبان تین ہزار سال سے زیادہ پرانی ہے۔اس زبان کا نقطہ آغاز تقریباً ہزار سال قبل مسیح ہے۔درحقیقت یہ ایک آریائی زبان ہے اور اس کا تعلق ہندوایرانی زبانوں کے گروہ (Indo-Iranian Group of Languages) سے ہے۔اس زبان کی تاریخ ایران میں آریاؤں کی آمد کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔یہ مختلف گروہوں اور قبیلوں کی صورت میں ایران کی وسیع سرزمین پر پھیل گئے۔ان میں سے نمایاں ترین گروہ ''ماذ'' اور پارس'' تھے۔آٹھویں صدی قبل مسیح کے آخر میں دیوکس (Deioces) نے ہمدان میں مادحکومت کی بنیاد ڈالی۔یہ حکومت آشور حکومت کے تابع تھی۔ساتویں صدی قبل مسیح میں ھخامنشی نے شوش کے نزدیک ھخامنشی پارسی حکومت تشکیل دی۔ھخامنشی، مادحکومت کے تابع تھے۔550 قبل مسیح میں ھخامنشی حکمران کوروش نے ماد کے آخری بادشاہ استیاگس (Astyages) پر غلبہ حاصل کر کے مادحکومت ختم کر دی۔اس طرح ھخامنشیوں کی حکومت مضبوط ہوگئی اور انھوں نے دوسری قوموں پر بھی اپنی حکومت قائم کر لی یہاں تک کہ ھخامنشیوں کی حکومت مغرب میں حبشہ، مصر، لیبیا اور مشرق میں سندھ اور شمال میں قفقار کے پہاڑوں اور جنوب میں خلیج فارس اور بحر عمان تک پھیل گئی۔اس وسیع علاقے کی سرکاری زبان آرامی تھی جبکہ ھخامنش اپنی زبان یعنی ''فارسی باستان'' کے علاوہ دیگر زبانیں مثلاً اکدی، عیلامی اور یونانی بھی استعمال کرتے تھے۔اس زمانے میں ایران میں زرتشتی مذہب رائج تھا۔کہا جاتا ہے کہ خشایارشا جس کی حکومت 486 تا465 قبل مسیح تھی اُس نے یہ مذہب قبول کیا۔331 قبل مسیح میں سکندر نے ھخامنشیوں کو شکست دے کر ان کی حکومت ختم کر دی۔اس طرح 1000 سال قبل مسیح سے 331 قبل مسیح تک کا زمانہ ''باستانی دور'' کہلاتا ہے۔اس باستانی دور کی یادگار یہ چار زبانیں ہیں: سکایی، مادی، اوستائی اور فارسی باستان۔اس دور میں ان چار زبانوں کے علاوہ بھی یقیناً کئی اور زبانیں موجود ہوں گی مگر آج ان کا کوئی نام ونشان موجود نہیں ہے۔

سکایی زبان

سکایی لوگ ایک ہزار سال قبل مسیح سے لے کر پہلی صدی عیسوی کے آغاز تک چین کی سرحد کے قریب رہتے تھے۔اس زبان کی کوئی تحریر موجود نہیں ہے۔البتہ کچھ الفاظ ''اسم خاص'' کی صورت میں ہندی، یونانی اور لاطینی زبانوں میں باقی رہ گئے ہیں۔مثلاً گوش: gausa، بازو bazu، آذر atar، اسپ Aspa، ھفت hapta وغیرہ۔

مادی زبان

مادی زبان، مادقوم کی زبان تھی۔اس کی بھی کوئی تحریر باقی نہیں رہی۔اس زبان کے کچھ الفاظ یونانی اور فارسی باستان کی تحریروں میں باقی رہ گئے ہیں۔مثلاً مہر miera، سنگ Asan، بزرگ wazarka وغیرہ۔ھخامنشیوں کے بعد مادی زبان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

(a) Avesta

اوستایی زبان

اوستایی زبان مشرقی ایران کی ایک زبان تھی لیکن اس کا مکمل طور پر تعین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کس مخصوص علاقے کی زبان تھی۔اس زبان میں تحریر کردہ

اکلوتا نمونہ زرتشت مذہب کی مذہبی کتاب ''اوستا'' ہے۔ یہ کتاب 815 ابواب پر مشتمل تھی اور اسے 21 جلدوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ اس کتاب میں جن مقامات کا ذکر آیا ہے ان کا تعلق ایران کے مشرقی اور شمال مشرقی حصے سے ہے۔ یہاں تک کہ اکثر مذہبی واقعات اور کارناموں کا تعلق بھی مشرقی ایران سے ہے۔ اس لیے اس زبان کا تعلق مشرقی ایران کے علاقے سے جوڑا جاتا ہے۔ اوستائی زبان کس زمانے میں ایران میں رائج تھی؟ اس بارے میں بھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکی۔ البتہ زرتشت مذہب کی مقدس کتاب ''اوستا'' اسی زبان میں تحریر کی گئی ہے اور اس مقدس کتاب کا نام اسی زبان کے باعث اوستا رکھا گیا۔ اس لیے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اوستائی زبان اسی زمانے میں رائج تھی جب زرتشت مذہب کی مقدس کتاب اوستا لکھی گئی۔ محققین کے مطابق یہ زمانہ گیارہویں صدی قبل مسیح سے لے کر چھٹی صدی قبل مسیح کے درمیان کا ہے۔

اوستائی زبان کا شمار موجودہ فارسی کی بنیادی زبانوں میں ہوتا ہے۔ یہ فارسی باستان سے مشابہت رکھتی ہے۔ بعد میں اشکانی اور ساسانی دور میں زرتشت مذہب کے حوالے سے پہلوی زبان اور پہلوی خط میں تحریر کی جانے والی کتابوں میں اوستائی زبان کے کافی الفاظ استعمال کیے گئے۔ تاریخی اعتبار سے اوستا کا شمار ایران کی قدیم ترین یادگار زبانوں میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ زرتشت مذہبی کتاب اوستا سے ظاہر ہے کہ اوستائی زبان خط اوستائی میں تحریر کی جاتی تھی۔ خط اوستائی سامی خطوط سے لیا گیا اور یہ دیگر سامی خطوط کی طرح دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔ اس کے حروف کی تعداد 44 تھی اور اس کا ہر کلمہ ایک نقطہ کے ذریعے دوسرے سے جدا ہوتا تھا۔ خط اوستائی کو خط دین دبیری بھی کہتے ہیں۔

(b) Old Persian

فارسی باستان

فارسی باستان ایران کی قدیم ترین زبان ہے۔ اس کا تعلق ہند و یورپی زبانوں کے گروہ سے ہے۔ سنسکرت، لاطینی، یونانی، جرمن، انگریزی، فرانسیسی اور سکنڈے نیوین اس کی ہم عصر زبانیں ہیں اور زبانوں کے ایک ہی گروہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ مقام کے اعتبار سے اس زبان کا تعلق ایران کے جنوبی علاقے سے ہے جس صدر مقام شیراز ہے۔ اس علاقے کا نام مختلف زمانوں میں پارتھیا، پارتھ، پارس اور فارس رہا۔ اسی اعتبار سے اس علاقے کی زبان کا نام فارسی کہلایا۔ ہخامنشی دور اس زبان کے عروج کا زمانہ تھا اور یہ ہخامنشی دور کی سرکاری زبان تھی۔ ہخامنشی دور کے تمام آثار اور کتبے فارسی باستان اور خط میخی میں کندہ کیے گئے ہیں۔ جس زمانے میں اوستائی زبان زرتشت مذہب کی مذہبی کتاب اوستا تحریر کرنے کے کام آئی اسی زمانے میں ہخامنشی بادشاہوں کے پیغامات اور احکامات پہاڑوں پر اور دیگر مقامات پر فارسی باستان میں کندہ کیے گئے۔ ایران پر یونانیوں کے حملے کے بعد فارسی باستان کی اہمیت ایران میں کم ہوتی چلی گئی۔

فارسی باستان یا قدیم فارسی پارس قوم کی زبان تھی جو خط میخی میں لکھی جاتی تھی۔ فارسی باستان کا خط، خط اکدی اور خط سومری سے لیا گیا ہے۔ یہ خط 36 حروف، 2 جدا کرنے والے الفاظ اور 8 اندیشہ نگاروں پر مشتمل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ داریوش بادشاہ نے فارسی باستان تحریر کرنے کے لیے خط بنانے کا حکم دیا۔ فارسی باستان کی سب سے قدیمی اور اہم تحریر کوہ بیستون کے مقام پر داریوش اعظم کا کتبہ ہے۔ بیستون ہمدان اور کرمان شاہ کے درمیان قرار واقع ہے۔ یہ تحریریں تین زبانوں عیلامی، اکدی اور فارسی باستان میں کندہ کی گئی ہیں۔ ان کتبوں کے درمیان مختلف مناظر کی تصاویر بھی موجود ہیں۔ یہ کتبے خط میخی میں کندہ کیے گئے ہیں۔ خط میخی بائیں سے دائیں تحریر کیا جاتا تھا اور اس کا دوسرا نام خط ہجائی ہے۔ ان کتبوں کے علاوہ کچھ مہریں اور برتن بھی ملے ہیں جن پر فارسی باستان میں لکھی گئی تحریریں موجود ہیں۔

(c) Pahlavi

زبان فارسی میانہ یا پہلوی

331 قبل مسیح میں داریوش سوم (ھخامنشی) سکندر کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔اس کا قتل ایرانی زبانوں کے لیے ایک موڑ ثابت ہوا۔اس کے قتل سے لے کر 867 عیسوی تک کے دور کو ایرانی زبانوں کا ''میانہ'' دور کہتے ہیں۔سکندر 323 قبل مسیح میں بابل میں مر گیا۔ایران میں اس کا جرنیل سلوکس اس کا جانشین بن بیٹھا۔ایران پر سلوکس خاندان کی حکومت 247 قبل مسیح تک قائم رہی۔247 قبل مسیح میں اشک اوّل نے اشکانی حکومت تشکیل دی جو 224 عیسوی تک قائم رہی۔224 عیسوی میں آخری اشکانی بادشاہ اردوان پنجم جنگ میں اردشیر ساسانی کے ہاتھوں قتل ہوا اور اردشیر بابکان نے ساسانی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔651 عیسوی میں آخری ساسانی بادشاہ یزدگرد سوم مسلمانوں کے ہاتھوں مرو کے مقام پر قتل ہوا۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایران پر سکندر کے قبضہ کر لینے کے بعد فارسی باستان کی جگہ یونانی زبان نے لے لی اور یونانی زبان کے بعد اس کی جگہ پہلوی زبان نے لے لی۔پہلوی زبان پہلوی خط میں لکھی جاتی تھی۔اس کے حروف کی تعداد 22 تھی اور یہ خط دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔پہلوی کے علاوہ بھی ایران کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں مثلاً بلخی، سکایی، سغدی اور خوارزمی۔پہلوی زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔پہلوی اشکانی اور پہلوی ساسانی۔

پہلوی اشکانی

پہلوی اشکانی ''پھلہ'' کے نام سے پکاری جاتی تھی۔یہ زبان موجودہ خراسان، مازندران اور جنوبی ترکمنستان میں بولی جاتی تھی۔ایران میں مسلمانوں کی آمد پر یہ زبان ختم ہوگئی اور اس نے اپنی جگہ فارسی دری کو دے دی۔پہلوی اشکانی کو لکھنے کے لیے تین مختلف خط: پہلوی اشکانی خط، فارسی میانہ کتابی خط اور مانوی خط استعمال کیے جاتے تھے۔

پہلوی ساسانی

پہلوی ساسانی بھی فارسی باستان کی تبدیل شدہ شکل ہے۔یہ ساسانی دور کی سرکاری زبان رہی۔اسے لکھنے کے لیے چار مختلف خط استعمال کیے جاتے تھے:

خط آرامی: ساسانی بادشاہوں کے کتبے خط آرامی میں تحریر کیے گئے ہیں۔اس خط میں ھزوارش (ایسے الفاظ جنھیں لکھا کچھ جائے اور پڑھا کچھ اور جائے) موجود تھے اور یہ خط دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔اس خط کے حروف ایک دوسرے سے جدا لکھے جاتے تھے۔

زبوری خط: ساسانی دور میں ایران کے عیسائیوں نے فارسی میانہ میں کتابیں تحریر کی ہیں یا اپنی دینی کتابوں کو اس زبان میں ترجمہ کیا ہے۔یہ کتابیں زبوری خط میں تحریر کی گئی ہیں۔اس خط میں بھی ھزوارش استعمال ہوئے ہیں۔یہ خط دائیں سے بائیں تحریر کیا جاتا تھا۔

خط کتاب ہائے زرتشتی: ساسانی اور زرتشتی کتابیں جس زبان میں تحریر کی گئیں اسے پہلوی زرتشتی کہا جاتا ہے۔یہ کتابیں ایک ایسے خط میں تحریر کی گئیں جو خط آرامی سے لیا گیا ہے۔اس میں ھزوارش استعمال کیے گئے اور یہ خط دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔زرتشتوں کی مذہبی کتاب اوستا کا ترجمہ اور تفسیر اسی زبان میں تحریر کئے گئے۔

خط مانوی: مانی مذہب سے مربوط تصانیف خط مانوی میں تحریر کی گئی ہیں۔یہ خط خود مانی نے تدمری خط سے اقتباس کیا ہے۔اس خط میں ھزوارش موجود نہیں تھے اور یہ دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔اس کے حرف ایک دوسرے سے جدا لکھے جاتے تھے۔

(d) Dari

دری زبان

تاریخی اعتبار سے فارسی زبان3000 سال سے زیادہ پرانی ہے۔اس زبان کا نقطۂ آغاز تقریباً1000 سال قبل مسیح ہے۔سب سے قدیم فارسی ''فارسی باستان'' کی تاریخ ایران میں آریاؤں کی آمد کے ساتھ شروع ہوئی اور 331 قبل مسیح میں سکندر کے ایران پر قبضے تک جاری رہی۔پھر سکندر کے جرنیل سلوکس اوراس کے خاندان نے ایران پر تقریباً70 سال حکومت کی۔اس عرصہ میں ایران میں یونانی زبان اور یونانی خط رائج رہے۔248 قبل مسیح میں ''اشک'' نامی ایک پہلوان نے یونانیوں کو ایران کی سرزمین سے نکال باہر کرنے کا کام آغاز کیا اوراس میں کامیاب رہا۔جس کے نتیجہ میں 248 قبل مسیح تا226 عیسوی اشکانی خاندان نے اور پھر 226 تا652ء ساسانی خاندان نے ایران پر حکومت کی۔اشکانی دور کے آغاز سے لے کر ساسانی دور کے اختتام تک کے عرصہ میں ایران میں پہلوی زبان اور پہلوی خط رائج رہے۔عربوں کے ایران فتح کر لینے کے بعد فارسی دری کا آغاز ہوا۔دری کا نقطہ آغاز 254 ھجری ہے جب زرنج (سیستان بلوچستان) میں صفاریوں کی حکومت قائم ہوئی۔صفاری ایرانی الاصل تھے۔اپنے وطن اور زبان کے حوالے سے خاص تعصب رکھتے تھے۔یعقوب لیث صفاری نے فارسی دری کو ملک کی سرکاری زبان قرار دیا۔دری زبان عربی رسم الخط میں دائیں سے بائیں لکھی جاتی ہے اوراس کے حروف کی تعداد32 ہے۔اس زبان کو مختلف ناموں دری، پارسی دری، پارسی اور فارسی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔چونکہ یہ زبان دربار کی زبان تھی اس لیے شاعروں اور نثر نگاروں نے اس زبان میں کتابیں لکھیں اور شعر کہے۔دستوری اعتبار سے یہ زبان فارسی پہلوی سے زیادہ فرق نہیں کرتی۔البتہ فارسی پہلوی کے بعض الفاظ کے تلفظ میں فرق آ گیا۔مثلاً وس تبدیل ہو کر بس، وهشت تبدیل ہو کر بہشت بن گئے۔بعض الفاظ میں تلفظ اور معنی دونوں اعتبار سے تبدیلی پیدا ہوئی۔مثلاً ایزدان تبدیل ہو کر یزدان بن گیا۔یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فارسی دری اپنی ابتدائی اور اصلی حالت میں مکمل طور پر باقی نہیں رہی بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مختلف قسم کی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ایران میں اسلام کی آمد کے بعد عربی زبان کا اس زبان پر بہت گہرا اثر پڑا یہاں تک کہ مرحلہ وار بہت سے عربی الفاظ، ترکیبات، مفردات اور حتی صرف کے بعض اصول فارسی میں داخل ہو گئے۔مثلاً قلم، معلم، اخوان، امیر المومنین وغیرہ۔جب منگولوں نے ایران پر قبضہ کیا تو منگولی الفاظ فارسی زبان میں شامل ہو گئے۔مثلاً آقا، تومان اور بہادر وغیرہ۔اسلامی دور میں ایران میں جس زبان کو خاص طور پر فروغ حاصل ہوا اور وہ درخشاں اور ثروتمند ادب کی تخلیق کا باعث بنی وہ ''دری'' ہے۔دری آج بھی افغانستان کے متعدد علاقوں میں رائج ہے۔

(e) Modern Persian

جدید فارسی

ایران میں آج بولی جانے والی فارسی کو فارسی جدید کہتے ہیں فارسی جدید درحقیقت ھخامنشی دور کی فارسی باستان کی تبدیل شدہ اور ترقی یافتہ شکل ہے۔آج کی فارسی ھخامنشی دور کے پتھروں پر کندہ شدہ فارسی سے ظاہری طور پر بالکل مختلف ہے یا معمولی شباہت رکھتی ہے۔لیکن حقیقت میں آج کی فارسی وہی فارسی باستان ہے جو پہلے فارسی میانہ یا پہلوی بنی، پھر دری اور پھر فارسی جدید میں بدل گئی۔گزشتہ ڈیڑھ سو سال کے دوران ایران میں رونما ہونے والی معاشرتی، سیاسی، تجارتی، ثقافتی اور تمدنی تبدیلیوں کے اثرات دری زبان پر مرتب ہوئے۔جس کے نتیجے میں دری زبان میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔دیگر زبانوں کے الفاظ دری میں شامل ہوئے اور اس کی ارتقائی شکل جدید فارسی کی صورت میں سامنے آئی۔صفوی، افشاری اور زندی ترک تھے۔ان کے ذریعے

ترکی الفاظ فارسی میں رواج پا گئے۔مثلاً تمام اور دیگر الفاظ۔قاچاری دور میں ایران کے روابط روس اور فرانس سے مستحکم ہوئے۔جس کے نتیجہ میں روسی الفاظ مثلاً اسکناس، استکان، سماوار وغیرہ اور اسی طرح فرانسیسی الفاظ مثلاً۔مرسی، اسانسور، اتوبان اور لوستر وغیرہ فارسی میں شامل ہو گئے۔انگریزی زبان نے بھی دنیا کے دوسرے نقاط کی طرح فارسی پر بھی اپنا اثر چھوڑا ہے۔انگریزی ترکیبات جوں کی توں فارسی میں ترجمہ کی گئی ہیں۔مثلاً Second hand دست دوم، Under ground زیر زمین، To take Shower دوش گرفتن وغیرہ۔بعض انگریزی زبان کے الفاظ مفرس شکل میں فارسی میں رائج ہوئے مثلاً Hallo آلو، Democracy دموکراسی، Fantasy فانتزی، Dictator دیکتاتور وغیرہ۔

پہلوی دور میں فرہنگستان زبان فارسی کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا جس کا کام فارسی سے غیر فارسی الفاظ کو نکالنا اور ان کی جگہ نئے الفاظ بنانا تھا۔اس ادارے نے بہت سے نئے الفاظ اور نام رائج کیے ہیں۔مثلاً Fax۔نمابر، Computer۔رایانہ، Helecopter۔بال چرخ، SMS۔پیامک، Mobile phone۔تلفن ھمراہ، Wireless۔بی سیم وغیرہ۔

فارسی زبان میں کچھ غیر فارسی اجزاء داخل ہونے کے باوجود اس کی اصل حالت اور خصوصیات میں تبدیلی نہیں آئی۔محدود تعداد میں فارسی میں داخل ہونے والے الفاظ نے فارسی زبان کے ڈھانچے پر کوئی اثر مرتب نہیں کیا۔پشتو، کردی، آسی اور بلوچی فارسی زبان کی اہم شاخیں ہیں۔

(B) Persian and Pakistan

فارسی اور پاکستان

(a) Persian's Influence on Urdu

فارسی کے اردو پر اثرات

پاکستان میں فارسی کا پس منظر

برصغیر پاک و ہند اور بالخصوص پاکستان کے موجودہ علاقے میں فارسی زبان کی آمد کا سلسلہ مسلمان فاتحین کی یہاں آمد کے ساتھ شروع ہوا۔ 21 ہجری (642ء) میں جنگ نہاوند میں عربوں کے ہاتھوں ایران فتح ہوا۔ 23 ہجری میں عربوں نے ہندوستان کی جانب پیش قدمی کی اور مکران کا علاقہ فتح کر لیا۔ 93 ہجری (711ء) میں محمد قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور یہ علاقہ ملتان تک فتح کر لیا۔ اس کے بعد تقریباً 200 سال یہ علاقہ امویوں اور عباسیوں کے زیر تسلط رہا۔ محمد بن قاسم کے لشکر میں ایرانیوں کی موجودگی کے شواہد موجود ہیں۔ محمود غزنوی نے 401 ہجری (1011ء) کو ملتان اور 416 ہجری (1025ء) کو منصورہ کا علاقہ فتح کیا۔ 418 ہجری میں لاہور کو دارالحکومت بنا کر اپنی سلطنت قائم کی۔ غزنوی بادشاہوں کے دور حکومت میں اس علاقے کے اہم شہروں میں فارسی زبان کو بلند مقام حاصل ہوا۔ بالخصوص لاہور فارسی زبان اور ایرانی ثقافتی مرکز کے طور پر مشہور ہوا۔ اس لیے یہ "غزنین خرد" یعنی چھوٹا غزنی کہلایا جانے لگا۔ سینکڑوں خاندان غزنی سے سرکاری کام کی غرض سے یہاں آ کر مقیم ہوئے۔ سینکڑوں خاندان ایران کے دیگر حصوں سے ترک وطن کر کے اس علاقے میں آباد ہوئے۔ ان میں صوفیاء، علماء اور شعراء بھی شامل تھے۔ ان کی زبان فارسی تھی اور انہوں نے فارسی میں گرانقدر کتابیں لکھیں اور شعر کہے۔ ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں چنگیز خان کے ایرانی علاقوں پر حملوں کے باعث ایران اور وسطی ایشیا کے لوگوں کی ایک خاص تعداد اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے ہندوستان آ گئی۔ ان کی اس ہجرت اور اقامت نے فارسی کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ فارسی تقریباً 800 سال اس علاقے کی سرکاری اور ثقافتی زبان رہی۔ اس زبان کا ہندوستان کی دیگر زبان کی پر گہرا اثر ہوا اور انہی تبدیلیوں کے نتیجے میں اردو زبان وجود میں آئی۔

اردو زبان کا آغاز

فارسی اور اردو کا شمار آج کی نزدیک ترین زبانوں میں ہوتا ہے۔ اردو کا تعلق بنیادی طور پر ہندوستان کی آریائی زبانوں سے ہے اور اس نے سنسکرت زبان کی کوکھ سے جنم لیا۔ بناوٹ کے اعتبار سے اردو زبان ہندوستان کی زبانوں سے نزدیک تر ہے۔ لیکن اسے فارسی ماحول میں نشو ونما پانے کا موقع ملا۔ اس لیے اس پر فارسی زبان کے اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔

اردو زبان کے آغاز کے بارے میں کہ یہ زبان کب اور کہاں شروع ہوئی محققین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ نصیرالدین ہاشمی نے اُردو کے آغاز کا مقام دکن کو قرار دیا ہے اور وجہ طلوع اسلام سے پہلے وہاں عرب تاجروں کی آمد ورفت اور مقامی لوگوں سے میل جول بتائی ہے۔ سید سلیمان ندوی کے بقول مسلمان فاتحین جب سندھ پر حملہ آور ہوئے اور یہاں کچھ عرصے تک ان کی باقاعدہ حکومت رہی۔ ان کے مقامی لوگوں سے اختلاط اور ارتباط کے نتیجہ میں جو زبان ارتقاء پذیر ہوئی وہ اردو کی ابتدائی شکل تھی۔ بعض محققین (ڈاکٹر مسعود حسین، ڈاکٹر شوکت سبزواری) دہلی اور اس کے نواح کو اردو کے آغاز کے اعتبار سے

مرکزی حیثیت دیتے ہیں۔ حافظ محمود شیرانی کے مطابق اردو کی ابتداء پنجاب میں ہوئی۔ اس وقت جب سلطان محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری ہندوستان پر بار بار حملے کر رہے تھے۔ ان حملوں کے نتیجے میں فارسی بولنے والے مسلمانوں کی مستقل حکومت پنجاب میں قائم ہوئی۔ یہ فاتحین تقریباً 200 سال یہاں مقیم رہے اور ان کی زبان عربی، فارسی اور ترکی تھی۔ ان کے مقامی لوگوں کے ساتھ میل ملاپ کے نتیجہ میں ایک نئی ہندوی زبان کے خط وخال نمایاں ہوئے۔ حافظ محمود شیرانی کا نظریہ باقی نظریوں کی نسبت حقیقت سے قریب دکھائی دیتا ہے۔ ان نظریات میں ایک بات مشترک ہے اور وہ یہ کہ اُردو کی ابتداء برصغیر پاک و ہند میں مسلمان فاتحین کی ہند آمد اور مقامی لوگوں سے میل جول کا نتیجہ ہے اور یہی امر مقامی زبانوں پر فارسی کے گہرے اثرات کا باعث بنا۔

فارسی کے اردو پر اثرات

اردو ترکی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی لشکر کے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء میں اردو زبان لشکر اور لشکریوں کی زبان تھی۔ مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں اس زبان کو مختلف ناموں سے پہچانا گیا۔ مثلاً: ہندی، ہندوی، انڈوستانی، ریختہ، مورش وغیرہ۔ یہ حقیقت ہے کہ اردو کا چشمہ فارسی سے نہیں پھوٹا بلکہ سنسکرت سے پھوٹا ہے۔ کیونکہ فارسی اردو کی بناوٹ اور اس کی عمارت پر اثر انداز نہیں ہوئی۔ فارسی الفاظ کی کثیر تعداد اس میں شامل ہوگئی اور الفاظ کے اس سرمائے نے اردو کو بہت تقویت بخشی۔ اردو اور فارسی کے درمیان پہلوی اور دری جیسا رابطہ نہیں ہے جب کہ اردو اور سنسکرت کے درمیان ایسا رابطہ موجود ہے۔ اس بارے میں معروف زبان شناس شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد فرماتے ہیں کہ اردو کا پودا سنسکرت کی زمین سے اُگا ہے اور اس نے فارسی کی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مطابق اردو ہندوستانی زبان ہے مگر اس پر فارسی کا شدید اثر ہے۔ اردو پر فارسی کے اثرات مختلف جہتوں سے مرتب ہوئے ہیں جن میں چند کی وضاحت یہاں پیش کی جاتی ہے۔

حروف اور خط کے اعتبار سے اثرات

کسی بھی زبان کی بنیادی اکائی کو حرف کہتے ہیں جس کی جمع حروف ہے۔ ان حروف کو حروف تہجی، حروف ابجد اور الفبا بھی کہا جاتا ہے۔ اگر ہم ٹ، ڈ اور ڑ کو اردو حروف ابجد سے علیحدہ کر دیں تو باقی بچ جانے والے تمام حروف فارسی زبان کے حروف ابجد ہیں۔ حتیٰ ان کی ترتیب بھی یہی ہے۔ کسی زبان کو تحریر کرنے کے لیے بنیادی چیز اس کا خط (Script) ہوتا ہے کہ وہ کس خط میں تحریر کی جاتی ہے۔ ہم جس خط میں اردو تحریر کرتے ہیں یہ فارسی سے لیا گیا ہے۔ حتیٰ لکھنے کا انداز بھی فارسی جیسا ہے۔ یعنی ہم اسے فارسی کی طرح دائیں سے بائیں تحریر کرتے ہیں جبکہ سنسکرت زبان انگریزی کی طرح بائیں سے دائیں تحریر کی جاتی ہے۔

کلمات کے اعتبار سے اثرات

کلمات کے اعتبار سے اردو زبان فارسی، عربی، سنسکرت، ترکی اور دیگر کئی زبانوں کے الفاظ کا مجموعہ ہے۔ اردو کے تقریباً ستر فیصد کلمات کا تعلق فارسی زبان سے ہے اور یہ صدیوں سے اس میں استعمال ہو رہے ہیں۔ ان کلمات کی تین اقسام ہیں:

الف: اردو زبان میں موجود فارسی کے ایسے کلمات جو ابتداء سے لے کر اب تک انہی معنوں میں استعمال ہو رہے ہیں: کتاب، قلم، آسمان، زمین، دیوار، مرد، زن، پسر، دختر، عینک، لباس، درخت، شیر وغیرہ

ب: وہ فارسی کلمات جو اردو میں اب بھی استعمال ہوتے ہیں مگر آج کی فارسی میں ان کا استعمال نہ ہونے کے برابر ہے جیسے: باورچی (آشپز) آج کی فارسی میں باورچی کی جگہ آشپز کا لفظ استعمال ہوتا ہے، سبق (درس)، تکیہ (بالش)، تہ خانہ (زیر زمینی)، مرتبہ (رتبہ)، بیلدار (باغبان)، خرد (کوچک)، ناشپاتی (گلابی)، قالین (قالی)، سیاہی (جوھر)، رومال (دستمال)، تربوز (ھندوانہ)، حاجت خانہ (دستشوئی)، دوکان (دکان)، دریا (رودخانہ)، تیز (تند)، سوداگر (بازرگان)، کلان (بزرگ) وغیرہ۔

ج: دوسری زبانوں مثلاً عربی، ترکی، منگولی، یونانی، رومی، آرامی وغیرہ کے وہ کلمات جو ماضی میں فارسی زبان میں شامل ہوئے اور پھر اردو زبان میں شامل ہو گئے۔ عربی کے جو الفاظ آج اردو میں دکھائی دیتے ہیں اردو نے انہیں بلاواسطہ عربی سے قبول نہیں کیا بلکہ یہ فارسی کے راستے اردو میں آئے۔

- قابل ذکر ہے کہ عربی کے وہ تمام الفاظ جو فارسی میں استعمال ہوتے ہیں وہ سب کے سب اردو میں نہیں آئے۔ ان کی ایک خاص تعداد ضرور اردو میں شامل ہوئی ہے مثلاً: دعا، دوا، اساس، باب، عبارت، عبرت، قلم، عرفان، ذکر، عرق، علامہ، شال، طرف، علم، معنی، معراج، عزت، فکر، عشق، فقیر، قصیدہ وغیرہ۔ دیگر کئی زبانوں کے کلمات فارسی کے راستے اردو میں داخل ہوئے۔ مثلاً ترکی زبان کے الفاظ: چاقو، تومان، بیگم، خان، بیگ، بہادر، خانم، سوغات، اردو، باجی وغیرہ۔

اردو زبان میں موجود فارسی کلمات تین درجوں میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں: اسم، صفت، حرف اور قید۔

اسم: مثلاً ماهی، کوہ، ہوس، یزدان، نغمہ، درخت، شیر، نان، کاروان، فیل، سنگ، زمین، آسمان، ریگستان وغیرہ۔

صفت: مثلاً آسان، نیک، ہوشیار، گرم، فربہ، سادہ، کم، سرد، زرد، جوان، پختہ، بزرگ، خام وغیرہ۔

حرف اور قید: مثلاً الف ندا (پروردگارا) از، تا، اگرچہ، افسوس، برای، بلکہ، اگر، کہ، گویا، با، یعنی، ہرگز، لیکن، نیز، خواہ، پس، مبادا، مانند وغیرہ۔

اُردو کلمات سازی پر فارسی کا اثر

کلمات سازی یا لغت سازی کے میدان میں آریائی زبانوں کے مشترک اصول لاحقوں اور سابقوں کا استعمال ہے۔ یہ کسی لفظ کے آخر یا اس کے شروع میں لگتے ہیں اور ایک نیا لفظ یا کلمہ بن جاتا ہے۔ کلمات سازی کا یہ طریقہ نہایت آسان اور سادہ ہے جس سے ہزاروں نئے کلمات بنائے جا سکتے ہیں۔ یہ طریقہ آریائی زبانوں میں رائج ہے مگر عربی میں رائج نہیں ہے۔ چونکہ اردو زبان کا تعلق بنیادی طور پر آریائی زبانوں سے ہے اس لیے اس میں یہ طریقہ رائج ہے اور سابقے لاحقے موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ اردو زبان نے سنسکرت زبان سے وراثت میں لیے ہیں مگر زیادہ تر فارسی زبان سے آئے ہیں۔ کلمات سازی کا یہ عمل اردو زبان میں مختلف طریقوں سے انجام پاتا ہے۔ ان میں سے چند اہم طریقے یہ ہیں:

1۔ اردو کلمات کے ساتھ فارسی سابقے یا لاحقے لگانے سے۔ مثلاً: پان دان، بے بس، چوکیدار وغیرہ۔

2۔ کلمات فارسی اور سابقے لاحقے سنسکرت۔ مثلاً: شرماہٹ، مسخراپن۔

3۔ اردو کلمات میں فارسی مصادر کے بن مضارع کو لاحقے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر فارسی زبان میں یہ لاحقے کے طور پر استعمال نہیں ہوتے۔ جیسے: مصدر ''بستن'' سے بن مضارع ''بند'' (تلوار بند)، داشتن سے دار (روئی دار)، ساختن سے ساز (رنگ ساز)

فارسی سابقے اور ان کی ایک ایک مثال: با (با اختیار)، بر (برآمدات)، بی (بے شمار)، پر (پرنور)، در (درآمدات)، نا (ناہموار) ہم (ہم راہ)، غیر (غیر اسلامی)، لا (لا حاصل)

فارسی کلمات جنہیں اردو میں سابقے کہا جاتا ہے: از (از بر)، پا (پابند)، پس (پس ماندہ)، پنج (پنج گانہ)، تہ (تہ خانہ)، خر (خرگوش)، خود (خود پرستی)، خوش (خوش اخلاق)، زود (زود ہضم)، سر (سرگرم)، شاہ (شاہ رگ)، شش (ششماہی)، صدر (صدر مدرس)، میر (میر مجلس)، نو (نو آباد)، نیم (نیم حکیم)، ہر (ہر دل عزیز)، ہمہ (ہمہ گیر)، یک (یک رنگ)

اردو سابقے فارسی کلمات کے ساتھ: پر (پرسال)، ت، تین کا مخفف (تپائی) چو، چار کا مخفف (چوراہا)، ن (ندیدی) وغیرہ

فارسی لاحقے اوران کی ایک ایک مثال: آباد (اسلام آباد)، اک (پوشاک)، انہ (مجرمانہ)، بان (پاسبان)، چہ (باغیچہ)، چی (خزانچی)، دان (قلمدان)، زار (سبزہ زار)، سار (شرمسار)، ستان (پاکستان)، سرا (عشرت سرا)، ش (بندش)، فام (سیاہ فام)، ک (دخترک)، کار (تجربہ کار)، کدہ (نعمت کدہ)، گار (سازگار)، گاہ (آرام گاہ)، گر (بازی گر)، گون (دگرگون)، گی (آلودگی)، گین (غمگین)، گینہ (آبگینہ)، م (چہارم)، مند (دولت مند)، ندہ (شرمندہ)، ور (نامور)، وش (مہوش)، ی (سازشی)، ین (رنگین) وغیرہ

فارسی کلمات جواردوزبان میں لاحقے کےطور پراستعمال ہوتے ہیں: آرا (معرکہ آرا) آزار (دل آزار)، آزما (زور آزما)، آشام (خون آشام)، آفرین (ناز آفرین)، افروز (جلوہ افروز)، افزا (حوصلہ افزا)، افشان (نورافشان)، افگن (شیر افگن)، آگاہ (خود آگاہ)، آگین (عطر آگین)، آلود (زہر آلود)، آموز (نصیحت آموز)، آمیز (مصلحت آمیز)، بار (بردبار)، باز (ہواباز)، باش (خوش باش)، باف (شال باف)، بخش (فرحت بخش)، بردار (مشعل بردار)، برداشتہ (دل برداشتہ)، بستہ (کمر بستہ)، بوس (فلک بوس)، بند (صف بند)، پا (پسپا)، پاش (گلاب پاش)، پذیر (دل پذیر)، پرداز (انشا پرداز)، پرست (بت پرست)، پرور (تن پرور)، پسند (دل پسند)، پوش (زرہ پوش)، پیما (بادہ پیما)، تراش (سنگ تراش)، جو (جنگجو)، چین (گل چین)، خانہ (غسل خانہ)، خیز (زرخیز)، داد (قرارداد)، دار (ایمان دار)، دان (سیاستدان)، دوز (آبدوز)، ران (حکمران)، ربا (دلربا)، رس (فریادرس)، رسان (روزی رسان)، رسیدہ (عمر رسیدہ)، رو (پیشرو)، ریز (لبریز)، زاد (ہمزاد)، زادہ (نواب زادہ)، زدہ (آفت زدہ)، زنی (زنجیر زنی)، ساز (دمساز)، ستانی (رشوت ستانی)، سر (خودسر)، سرا (نغمہ سرا)، سنج (نکتہ سنج)، سوز (دل سوز)، شکن (دندان شکن)، شگاف (جگر شگاف)، شماری (مردم شماری)، شناس (نبض شناس)، طلب (آرام طلب)، فرسا (روح فرسا)، فرما (تشریف فرما)، فروش (سرفروش)، فریب (دلفریب)، فزا (راحت فزا)، فشان (آتش فشان)، فگن (سایہ فگن)، فہم (عام فہم)، کش کشیدن مصدر سے (دلکش)، کش کشتن مصدر سے (خودکش)، کشا (مشکل کشا)، کن (کان کن)، کوب (سرکوب)، کوش (وفا کوش)، گداز (دل گداز)، گرد (آوارہ گرد)، گردان (سرگردان)، گذار (خدمت گذار)، گزار (نماز گزار)، گزین (جاگزین)، گسار (غم گسار)، گشت (گل گشت)، گو (غزل گو)، گیر (بغل گیر)، مال (پامال)، نشین (صحرانشین)، نگار (مضمون نگار)، نما (جزیرہ نما)، نواز (مہمان نواز)، نورد (کوہ نورد)، نوش (مے نوش)، نویس (اخبارنویس)، یاب (صحت یاب)، یافتہ (تعلیم یافتہ)۔

اردو لاحقے اور فارسی کلمات: الف (بےفکرا)، انی (سیلانی)، چٹ (دماغ چٹ)، ن (باورچن)، نا (شرمانا)، نی (شیرنی)، و (بازارو)، وں (کتابوں)، ہ (زمیندارہ)، ی (بچی) (فتنی)، ی (آری)، یا (کبابیا)، یلا (زہریلا)، یں (رحمتیں)۔

اردو میں فارسی ضرب الامثال

اردو زبان کا آغاز اور نشو ونما مکمل فارسی ماحول میں ہوئی۔ اس لیے فارسی ضرب الامثال اردو زبان میں شامل ہو گئیں۔ اب برصغیر پاک و ہند میں فارسی کی شہرت کا وہ عالم نہیں رہا جو ماضی میں تھا لیکن فارسی ضرب الامثال آج بھی اردو زبان میں محفوظ ہیں۔ یہ ضرب الامثال وہ ہیں جو فارسی سے اپنی اصل حالت میں اردو میں منتقل ہوئیں۔ مثلاً: نیکی بر باد گناہ لازم، قہر درویش بر جان درویش، غم نداری بز بخر، زبان خلق نقارہ خدا، مدعی سست گواہ چست، خس کم جہان پاک، اول خویش بعد درویش، دروغ بر گردن راوی، دیر آید درست آید، سگ باش برادر خرد مباش، نیم حکیم خطرِ جان، نیم ملا خطرِ ایمان، تنگ آمد بجنگ آمد، پیش از مرگ واویلا، پدرم سلطان بود، یک انار صد بیمار، مال مفت دل بے رحم، چشم ما روشن دل ما شاد۔

اردو میں رائج فارسی ضرب الامثال کا ترجمہ

اردو زبان میں کافی زیادہ فارسی ضرب الامثال کا اردو ترجمہ رائج ہے۔ مثلاً اندھا کیا مانگے دو آنکھیں (چہ خواھد کور جز دو چشم بینا)، جب تک سانس ہے تب تک آس ہے (تا نفس ھست امید ھست)، ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا (عروس رقصیدن بلد نبود گفت زمین کج است)، خدا مہربان جگ مہربان (خدا داری چہ غم داری)، ایک انار سو بیمار (یک انار صد بیمار) آج کا کام کل پر مت چھوڑو (کار امروز بہ فردا مفگن)، دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں (دیوار ھم گوش دارد)، رسی جل گئی بل نہ گیا (ریسمان سوخت ولی کجی نرفت)، ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی (یک دست صدا ندارد)، اپنا کیا اپنے آگے (کردنی خویش آمدنی پیش)، پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتیں (خدا پنج انگشت را یکسان نیافرید)، چراغ تلے اندھیرا (پای چراغ تاریک است)، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے (دل بہ دل راہ دارد)، خالی گھر میں چوہیا چودھرانی (کس نباشد در سرا موش باشد کدخدا)، آج نقد کل ادھار (امروز نقد فردا نسیہ)، دور کے ڈھول سہانے (آواز دھل از دور خوش است)۔

فارسی اشعار کے مصرعے

معروف فارسی اشعار کے مصرعے اردو زبان میں ضرب الامثال کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم، کند ھم جنس باھم جنس پرواز، آوازسگان کم نکند رزق گدارا، چرا عاقل کند کاری کہ باز آرد پشیمانی؛ گندم ز گندم روید و جوز جو۔

فارسی نثر کے جملے

فارسی نثر کے بعض جملے اردو زبان میں ضرب الامثال کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً: دروغ مصلحت آمیز بہ ز راست فتنہ انگیز، توانگری بہ ہنر است نہ بمال، بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال، آن را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک است۔ وغیرہ

اردو ادبیات پر فارسی کے اثرات

اردو ادبیات کا آغاز اور بالخصوص اردو شاعری کی نشو ونما مکمل طور پر فارسی ماحول میں ہوئی۔ اس لیے اردو شاعری نے لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے فارسی کا نمایاں اثر قبول کیا۔ مولانا عبدالسلام ندوی نے اپنی کتاب ''شعر الھند'' میں اردو شاعری کو فارسی شاعری کا ''وجود ظلی'' قرار دیا ہے۔ یعنی فارسی شاعری کے وجود کا سایہ ہے۔ اردو کے ممتاز محقق ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنے مقالہ ''نفوذ فارسی اور شعر و ادب فارسی'' تحریر کیا ہے کہ اردو شعر و ادب فارسی کا اس حد تک مرہون منت ہے اور یہ اثر اس قدر وسیع اور عمیق ہے کہ اکثر لوگ اردو شاعری کو فارسی شاعری کا پرتو اور اردو زبان کو حقیقت میں فارسی زبان کی ایک شاخ سمجھتے ہیں۔

فارسی شاعری کے تمام قالب جیسے قصیدہ، غزل، مثنوی، رباعی، قطعہ، ترکیب بند، ترجیع بند، مسمط، مستزاد، شہر آشوب اور مرثیہ اردو میں منتقل ہوئے۔ اردو شاعری میں یہ تقلید صرف شاعری کے قالب کی حد تک نہیں تھی بلکہ فارسی کلمات اور ترکیبات کے ساتھ ساتھ موضوعات بھی اردو میں آ گئے۔ شاعری کی اقسام میں غزل سب سے اہم ہے اور اسے اردو شاعری کی آبرو کہا جاتا ہے۔ اس میں ہر لحاظ سے فارسی غزل کی پیروی کی گئی ہے۔ بالخصوص فارسی شاعری کی تعبیرات جوں کی توں اردو غزل میں آ گئیں مثلاً جام جم، جیجون و سیحون، لعل بدخشان، ید بیضا، حیلہ پرویز، کوہکن فرھاد، حسن شیرین، خاتم سلیمان، خوبان مرو، آھوی تتار، ترک شیرازی، داغ لالہ، مغ بچہ خرابات، خانقاہ پیر مغان، تسبیح و زنار، واعظ زاھد، نور و ظلمت وغیرہ۔

اردو شاعروں نے صرف مضامین، موضوعات اور شاعری کے قالب میں فارسی شاعری سے اثر قبول نہیں کیا بلکہ شعری وزن میں بھی فارسی عروض کی تقلید کی ہے۔ فارسی شاعری کی بحریں اردو شاعری میں منتقل ہوئی ہیں۔ تمام ایرانی سبک شعری (سبک خراسانی، سبک عراقی اور بالخصوص سبک ہندی) کی پیروی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اردو شاعروں نے قافیوں اور صنائع بدائع میں بھی فارسی سے بہرہ برداری کی ہے۔

اردو پر فارسی کے صوتی اثرات

اردو مختلف زبانوں فارسی، عربی، ترکی اور ہندوستانی زبانوں کے ملاپ سے وجود میں آئی ہے۔ اس لیے ان زبانوں کے صوتی اثرات کسی حد تک اردو زبان پر اثر انداز ہوئے ہیں۔ اردو میں زیر، زبر، پیش حمزہ، شد وغیرہ فارسی زبان سے لیے گئے ہیں۔ اگر چہ یہ عربی میں بھی موجود ہیں مگر ہمارے پاس فارسی کے راستے سے آئے ہیں۔ اسی طرح سے اردو میں شد صرف فارسی اور عربی الفاظ اور کلمات میں استعمال نہیں ہوئی بلکہ اصیل ہندی الفاظ میں بھی استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً اڈاہ، بھیا، جتھا، لٹھا، نیا۔ اردو میں الف مدا (آ) بھی صرف فارسی اور عربی کے الفاظ میں استعمال نہیں ہوا بلکہ ہندی الفاظ میں بھی استعمال ہوا مثلاً آم۔ آگ۔ آپ۔ آج وغیرہ۔ حروف تہجی کے اعتبار سے اردو نے تمام فارسی حروف کا اثر قبول کیا ہے: اب پ ت ث ج چ ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک گ ل م ن و ہ ی۔ ان میں سے 8 حروف کا تعلق عربی زبان سے ہے: ث ح ص ض ط ظ ع ق۔ اردو میں استعمال ہونے والے رموز اوقاف (علامتیں) بھی فارسی سے لی گئی ہیں۔

(b) Persian's Importance for Pakistan

فارسی کی پاکستان کے لیے اہمیت

پاکستان کے موجودہ علاقے میں فارسی زبان کی آمد کا سلسلہ مسلمان فاتحین کی آمد کے ساتھ شروع ہوا۔ 93 ہجری (711ء) میں محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور دیبل سے ملتان تک کا علاقہ فتح کیا۔ محمد بن قاسم کے لشکر میں ایرانیوں کی موجودگی کے شواہد موجود ہیں۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ محمود غزنوی نے 401 ہجری (1011ء) کو ملتان اور 416 ہجری (1025ء) کو منصورہ کا علاقہ فتح کیا۔ 418 ہجری میں لاہور کو دارالحکومت بنا کر اپنی سلطنت قائم کی۔ غزنوی بادشاہوں کے دور حکومت میں اس علاقے کے اہم شہروں بالخصوص لاہور میں فارسی زبان کو نہایت اہم مقام حاصل ہوا۔ اس دور میں نہ صرف سینکڑوں خاندان سرکاری کام کی غرض سے غزنی سے آ کر یہاں مقیم ہوئے بلکہ سینکڑوں علماء، صوفیا، شعراء اور ہنر مند ایران کے مختلف حصوں سے ترک وطن کر کے یہاں آباد ہو گئے۔ ان کی زبان فارسی تھی اور انہوں نے فارسی میں گرانقدر کتابیں تحریر کیں اور شعر کہے۔ ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں چنگیز خان کے ایرانی علاقوں پر حملوں کے باعث ایران اور وسطی ایشیا کے لوگوں کی ایک خاص تعداد اپنے علاقوں سے ہجرت کر کے ہندوستان آ گئی۔ ان کی اس ہجرت اور یہاں اقامت نے فارسی کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ فارسی غزنوی دور حکومت سے لے کر انگریزوں کے ہندوستان پر قبضہ کرنے تک تقریباً 800 سال اس علاقے کی سرکاری، ادبی اور ثقافتی زبان رہی۔ فارسی کا اس علاقے کی دیگر زبانوں پر گہرا اثر ہوا۔ جس کے نتیجے میں اردو زبان وجود میں آئی۔

مسلمانوں کی برصغیر پاک و ہند آمد کے بعد اس علاقے کو دو عظیم نعمتیں ایران کی طرف سے تحفے میں ملیں۔ ایک دین اسلام جو ایران کے راستے اس علاقے کی وسیع سرزمین پر پہنچا اور اس نے اس علاقے کو مذہبی، ثقافتی اور تمدنی اعتبار سے یکسر بدل کر رکھ دیا۔ دوسرا تحفہ دین اسلام کے ساتھ فارسی زبان کی اس علاقے میں آمد اور اس کی ترویج ہے۔ فارسی ہندوستان کی دیگر زبانوں پر اثر انداز ہوئی اور یوں اردو زبان کو نشو و نما پانے کا سازگار ماحول فراہم ہوا۔ فارسی کے اس تاریخی پس منظر کے باعث فارسی کی اہمیت پاکستان کے لیے بہت زیادہ ہے۔ یہ اہمیت کسی ایک پہلو کے اعتبار سے نہیں بلکہ گوناگوں پہلوؤں کے اعتبار

سے ہے۔ان میں سے چند اہم پہلوؤں کی یہاں وضاحت کی جاتی ہے۔

مذہب کے اعتبار سے اہمیت

پاکستان قائم ہونے کی بنیادی اساس مذہب اسلام ہے اور مذہب اسلام کو پاکستان میں پھیلانے کا باعث فارسی زبان ہے۔اس علاقے میں فارسی کی تاریخ کا باقاعدہ آغاز غزنوی دور سے ہوا۔جب دین مبین اسلام کی ترویج کے لیے علمائے اسلام اور صوفیا کرام لاہور تشریف لائے اور انہوں نے فارسی زبان کے ذریعے اسلام کی اشاعت کا کام شروع کیا۔اسلام نے اس علاقے کو مذہبی، ثقافتی اور تمدنی اعتبار سے یکسر بدل دیا۔شیخ اسماعیل بخارا سے اور شیخ علی ہجویری غزنی سے لاہور آئے جن کے ہاتھ پر بہت زیادہ لوگوں نے اسلام قبول کیا۔علماء اور صوفیاء نے نہ صرف فارسی وعظوں کے ذریعے فارسی کو لوگوں تک پہنچایا بلکہ تفاسیر قرآن اور احادیث نبوی کی معروف تاریخی کتب فارسی میں تحریر کی گئیں۔پاکستان میں مذہبی لحاظ سے فارسی کی بہت زیادہ اہمیت اس لیے ہے کہ ہم فارسی کے بغیر اپنے مذہبی ماخذات سے صحیح طور پر مستفید نہیں ہو سکتے اور اسی اعتبار سے آج بھی پاکستان کے تمام دینی مدارس میں فارسی پڑھائی جاتی ہے۔

اردو زبان کے اعتبار سے اہمیت

اردو پاکستان کی قومی زبان ہے۔اردو اور فارسی کا شمار آج کی نزدیک ترین زبانوں میں ہوتا ہے۔ویسے تو اردو نے سنسکرت زبان کی کوکھ سے جنم لیا مگر فارسی ماحول میں نشوونما پائی۔جس کے باعث اردو پر فارسی کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔اردو کے تقریباً ستر فیصد الفاظ کا تعلق فارسی زبان سے ہے جو صدیوں سے اس میں استعمال ہو رہے ہیں۔ہمارا قومی ترانہ 52 الفاظ پر مشتمل ہے جس میں صرف ایک لفظ "کا" اردو زبان سے ہے جبکہ باقی سب الفاظ فارسی کے ہیں۔اردو زبان کے حروف ابجد اور خط دونوں فارسی زبان سے لیے گئے ہیں اور ان کو لکھنے کا انداز (دائیں سے بائیں) بھی فارسی جیسا ہے۔کلمات سازی سے لے کر زبان کے صوتی اصولوں میں بھی فارسی کی تقلید کی جاتی ہے۔آج اگر ہم پاکستان کی قومی زبان اردو کو بہتر طریقے سے سیکھنا اور سمجھنا چاہیں تو یہ فارسی کے بغیر ممکن نہیں۔

ادب کے اعتبار سے اہمیت

پاکستان بننے سے پہلے اور پاکستان بننے کے بعد اس علاقے میں جتنا اردو ادب وجود میں آیا اس پر فارسی کا اثر اس حد تک ہے کہ اردو نثر اور شاعری کو فارسی ادب کا پرتو کہا جاتا ہے۔اردو ادب نے فارسی ادب کے بال و پر کے نیچے نشوونما پائی اور فارسی سے نظم و نثر، سبک و مضمون، بحر و قافیہ اور الفاظ و کلمات کا عظیم سرمایہ لیا۔اسماء و صفات، حروف و قیود، سابقے و لاحقے، امثال و حکم، استعارات و تشبیہات، تمثیلات و تلمیحات سب کا تعلق فارسی زبان سے ہے۔ان وجوہات کی بنیاد پر فارسی کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔پاکستان کے قومی شاعر علامہ محمد اقبال کا کلام دس شعری مجموعوں پر مشتمل ہے۔دس میں سے ساڑھے چھ شعری مجموعے تو ہیں ہی فارسی زبان میں۔باقی ساڑھے تین مجموعے کہنے کو اردو زبان میں ہیں مگر ان میں موجود کلمات اور ترکیبات کا تعلق بھی فارسی سے ہے۔فارسی سیکھے بغیر ہمارے لیے اپنے قومی شاعر کی بامقصد شاعری کی روح تک رسائی پانا ممکن نہیں۔

تاریخی اعتبار سے اہمیت

کسی بھی قوم کی تاریخ اس کے لیے اساس کا درجہ رکھتی ہے، کیونکہ تاریخ پر تحریر ہونے والی کتب کے ذریعے وہ اپنے گذشتہ کل سے آگاہ ہو کر اپنے آنے والے کل کو بہتر بنا سکتی ہے۔ماضی میں تحریر ہونے والی یہ کتب آج تاریخ کے طالبعلم کے لیے ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ان ماخذات تک رسائی فارسی کے بغیر ممکن نہیں۔تاج المآثر سے لے کر جتنی تاریخی کتب اس علاقے میں خاندان غلاماں، خلجی، تغلق، غوری اور بالخصوص مغلیہ دور میں تحریر کی گئیں وہ سب فارسی

زبان میں ہیں۔ اپنے اس تاریخی اور ثقافتی ورثے کے خزانے کو کھوجنے کے لیے فارسی ہمارے لیے ناگزیر حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔

کردار سازی کے اعتبار سے اہمیت

پاکستان کے آج کے بڑے بڑے مسائل دہشت گردی، تعصب گرائی، بدعنوانی اور خیانت کاری، مذہب سے دوری اور اخلاقی بے راہ روی کا نتیجہ ہیں۔ ماضی میں مغربی دنیا نے معاشی اور اقتصادی ترقی پر کام کیا اور انہیں اس میدان میں کامیابی حاصل ہوئی مگر اخلاقی لحاظ سے ان کا معاشرہ پسماندگی کا شکار ہوگیا۔ آج ان کی یونیورسٹیاں اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ سائنس کے مضامین پڑھنے والے طالبعلموں کو کم از کم ایک زبان کا ادب ضرور پڑھنا چاہیے تا کہ ان میں انسانی قدروں کی نشوونما ہو سکے۔ ہمارے ہاں بھی ماضی میں جب تک لوگ فارسی ادب کا مطالعہ کرتے رہے ان کے کردار میں مضبوطی کا پہلو موجود رہا۔ آج ہمارے تعلیمی نظام میں اقتصادی ترقی کے پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا ہے مگر کردار سازی کے حوالے سے اخلاقی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر ہم مسلمان ہیں۔ اسلام میں اخلاق اور کردار سازی کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے کردار کی درستی کے عمل کو "جہاد اکبر" کا نام دیا ہے۔ اسلامی تصوف اور طریقت کی بنیاد اسی پر ہے۔ فارسی زبان کے اہل علم و ادب نے اخلاق کے موضوع کو اپنا محور قرار دیا ہے۔ فارسی شاعری اور نثر میں یہ امر سند کے طور پر موجود ہے۔ آج ہم اپنی اور بالخصوص نوجوان نسل کی کردار سازی کے لیے فارسی ادب میں موجود اخلاقی تعلیمات کے عظیم خزانے سے مستفید ہو سکتے ہیں مگر اس وقت جب ہمیں فارسی کی اہمیت کا بخوبی احساس ہو جائے۔

تصوف کے اعتبار سے اہمیت

شیخ ابو محمد جریری سے کسی نے سوال کیا کہ تصوف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تصوف ہر اعلیٰ اخلاق کو اپنانے اور اخلاق رذیلہ کو ترک کرنے کا نام ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ عوام عبادات اور ریاضات بہت زیادہ کرتے ہیں اور خواص اپنے اخلاق کی اصلاح کرتے ہیں۔ یہ اس علاقے کے اولیاء اور صوفیا کرام کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ یہاں اسلام پھیلا۔ ان کے اسی عمل کی بنیاد پر ہم علیحدہ وطن پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ آج اسے مضبوط تر بنانے کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اولیاء اور صوفیا کے پیغام کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ تصوف کے موضوع پر سب سے پہلی اہم کتاب سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب کے عنوان سے لاہور میں تحریر کی جو فارسی زبان میں ہے۔ اس کے علاوہ فارسی زبان میں موجود تصوف سے متعلق ادب مقدار کے لحاظ سے نہایت وسیع اور معانی و مطالب کے اعتبار سے بہت عمیق ہے۔ فارسی نظم و نثر کی تمام اصناف میں صوفیانہ افکار بیان ہوئے ہیں۔ تصوف کے عام موضوعات پر تحریر شدہ کتب، صوفیا کے ملفوظات، مکاتیب اور تذکروں میں توحید خداوندی، وحدت بشری اور بشر دوستی کا درس دیا گیا ہے جو سراسر فارسی میں ہے۔ ہمیں گذشتہ کل سے زیادہ آج اس کی ضرورت ہے۔

ثقافت و تمدن کے اعتبار سے اہمیت

آج کا پاکستانی اپنے قدیم تمدن اور ثقافت سے نا آگاہ ہے۔ اس کی آنکھیں مغربی ثقافت کی روشنیوں سے چکا چوند ہیں۔ اس بارے میں علامہ محمد اقبال نے جاوید نامہ میں نئی نسل کے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا ہے:

ہم مسلمانان افرنگی مآب
چشمۂ کوثر بجویند از سراب

(مسلمان بھی افرنگ زدہ (یعنی انگریزوں کے زیر اثر) ہیں۔ سراب سے کوثر کا چشمہ ڈھونڈتے ہیں)

ذاتی طور پر غلام قوموں کی نشانی یہی ہے کہ وہ اپنی ثقافت ترک کر کے دوسروں کی ثقافت کی مقلد ہو جاتی ہیں۔ ہمارا ثقافتی ورثہ فارسی زبان میں محفوظ ہے۔ اپنے آباؤ اجداد کے اس ورثے تک رسائی کا راستہ فارسی زبان ہے۔

ملی یگانگی کے اعتبار سے اہمیت

فارسی تقریباً 800 سال تک اس علاقے کی مذہبی، ثقافتی اور سرکاری زبان رہی۔ انگریزوں نے جب یہ علاقہ اپنے قبضے میں لیا تو اس علاقے کے مسلمانوں کو عملی طور پر فارسی سے دور کر دیا۔ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ فارسی اس علاقے کے مسلمانوں کی وحدت کا باعث ہے اور انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں مسلمان متحد ہو کر اقتدار واپس نہ چھین لیں۔ اس لیے انہوں نے سب سے پہلے وحدت کی اس اکائی کو توڑا۔ علامہ محمد اقبال نے اپنی دور اندیشی اور بصیرت کے باعث انگریزوں کی اس حیلہ گری کو بھانپ لیا۔ انہوں نے مسلمان امت کو بیدار کرنے کے لیے اپنی بامقصد شاعری کے لیے فارسی کا انتخاب کیا اور اپنی آواز کو ہندوستان سے لے کر روسی ریاستوں تک کے مسلمانوں تک پہنچانے کے لیے فارسی کو وسیلہ بنایا۔ وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے۔ گویا جو رابطہ اور تعلق انگریزوں نے توڑا تھا علامہ اقبال اسے جوڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ آج بھی ہم مسلمان فارسی زبان کے ذریعے اپنی وحدت کو مستحکم کر سکتے ہیں۔

(c) Persian's Impact on culture and civilization of the Sub-continent

فارسی کے برصغیر کی ثقافت اور تمدن پر اثرات

کسی بھی ثقافت پر دوسری ثقافت اور تمدن کے اثرات مرتب ہونے کی بنیادی وجہ ان ثقافتوں کے درمیان موجود روابط بنتے ہیں۔ چاہے یہ روابط اچھے تعلقات کا نتیجہ ہوں یا کسی جنگ کی فتح یا شکست کا نتیجہ ہوں۔ ثقافت کسی قوم کے علم، دانش، ادب، معرفت، تعلیم و تربیت اور علمی و ادبی تصانیف کا مجموعہ ہوتی ہے اور تمدن کسی قوم کے رہن سہن، آداب و رسوم اور باہمی روابط کو ظاہر کرتا ہے۔ ایران اور برصغیر کے ثقافتی اور تمدنی روابط کی تاریخ ہندوستان میں آریائی تمدن کی آمد سے بھی پہلے تک جا پہنچتی ہے۔ وادی سندھ کے نہایت قدیم تمدن اور ایران کے قدیم تمدن کے درمیان روابط کے ان گنت ثبوت موجود ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں ایک درخشاں تمدن 2500 سے 500 قبل مسیح تک موجود رہا ہے۔ موہنجوڈارو اور ہڑپہ اس تمدن کے عظیم مراکز تھے۔ وہ اقوام جنہوں نے اس تمدن کو قائم کیا انہوں نے خوبصورت شہر بنائے۔ گھر، حمام، گلیاں اور پانی کے نکاس کے لیے نالیاں بنائیں۔ وہ گندم اور کپاس کاشت کرتے تھے اور مویشی پالتے تھے۔ گھوڑوں اور بیلوں سے نقل و حمل کا کام لیتے تھے اور ہاتھیوں سے وزنی سامان اٹھواتے تھے۔ انھوں نے کانسی اور تانبے کے اوزار بنائے۔ ان کے ہنرمند نقرہ کاری اور مینا کاری کا کام جانتے تھے۔ البتہ یہ تمدن آریاؤں کی برصغیر آمد کے بعد انہی کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ ان کے کچھ آثار سر جان مارشل اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے کھدائی کے نتیجے میں ہندوستان کے تقریباً 35 مقامات سے برآمد ہوئے ہیں۔ مٹی کے جو برتن ان مقامات سے برآمد ہوئے ان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نقوش اور بناوٹ کے اعتبار سے یہ ان برتنوں سے مماثلت اور شباہت رکھتے ہیں جو شمالی اور جنوبی ایران میں پائے گئے ہیں۔ ایرانی تمدن کے یہ آثار برصغیر پاک و ہند کے تمدن سے روابط کی تائید کرتے ہیں۔

موہنجوڈارو اور ہڑپہ تمدن کے بعد ہندوستان میں آریائی تمدن کا آغاز ہوا۔ یہ آریائی جو ہندوستان آئے ان کا تعلق بھی اسی آریا نسل سے تھا جو ایران آ کر مقیم ہوئی تھی۔ بلکہ ہندوستان تک پہنچنے والے آریا یہاں آنے سے پہلے ایران میں مقیم آریاؤں کے ساتھ مشترک زندگی گزارتے رہے۔ اس بارے میں معروف زبان شناس ماکس مولر نے اپنی کتاب علم زبان میں اس عقیدے کا اظہار کیا ہے کہ ایران میں آریائی قومیں زرتشت کے ظہور تک اکٹھی رہتی رہیں۔ لیکن زرتشت کا ظہور ان کے مابین اختلاف کا باعث بنا۔ اس اختلاف کے بعد ان میں سے ایک گروہ نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی۔ تمدنی اور مذہبی اعتبار

سے ان دونوں گروہوں میں مماثلت موجود ہے۔ مثلاً دونوں سورج اور آگ کی پوجا کرتے تھے اور آگ کو پاکیزہ سمجھتے تھے۔ ہندوؤں کی قدیم مذہبی کتاب ''رگ ویدا'' میں ایران کا ذکر موجود ہے اور ایرانیوں کو ''پارشاوا'' اور ''پارسیگا'' کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سنسکرت اور اوستائی زبان میں مماثلت موجود ہے۔ ودا اور اوستا (زرتشتوں کی مذہبی کتاب) کے مذہبی گیتوں میں شباہت موجود ہے۔

آل ماد نے ایران میں پہلی آریائی حکومت تشکیل دی۔ اس دور میں ایرانی تمدن نے برصغیر پر اثرات مرتب کیے۔ جن میں سے چند اہم یہ ہیں۔ ہوشنگ پیشدادی ہندوستان آ کر کچھ عرصہ یہاں مقیم رہا۔ لہراسپ بادشاہ کے دورِ حکومت کے دوران ہندوستان ایران کو ٹیکس ادا کرتا تھا۔ کیکاؤس بادشاہ نے ہندوستان میں ایک شہر تعمیر کیا جس کا نام کشمیر ہے۔ کیکاؤس بادشاہ کے بیٹے سیاوش نے سندھ میں ''مہرجان'' نامی شہر بسایا۔ بہمن اردشیر بادشاہ نے سندھ میں ''بہمن آباد'' نامی شہر بسایا جو بعد میں ''برہمن آباد'' کے نام سے مشہور ہوا۔ آٹھویں صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں ماد خاندان کی سلطنت موجود تھی۔ جس کا مرکز سیالکوٹ تھا۔

آل ماد کے بعد ایران میں ہخامنشی خاندان کی حکومت قائم ہوئی تو ایران اور برصغیر پاک و ہند کے روابط مزید مستحکم ہو گئے۔ 513 قبل مسیح سے پہلے سندھ کا علاقہ ہخامنشیوں کے ملک کا ایک صوبہ رہا۔ داریوش بادشاہ نے نقش رستم کے پہاڑ پر کندہ شدہ آثار میں ثاتا گوش (یعنی پنجاب) اور گندھارا (وادی پشاور) اور ہندوستان کو اپنے مفتوحہ علاقے ظاہر کیا ہے۔ خشایارشا بادشاہ کے دور میں ہندوستانی سپاہیوں نے ایرانی سپاہیوں کے شانہ بشانہ یونانیوں کے خلاف جنگ لڑی۔ اشوکا وہ پہلا ہندوستانی بادشاہ ہے جس نے اپنے احکامات اور وصیتیں پتھروں اور چٹانوں پر کندہ کرائیں۔ اشوکا کا ایسا کرنا ہخامنشی بادشاہوں کی تقلید اور ایرانی تمدن کے اثر کا ان مٹ ثبوت ہے۔

ساسانیوں کے دورِ حکومت کے دوران اردشیر بابکان کے دور میں پنجاب ساسانی سلطنت کا ایک صوبہ رہا ہے۔ ساسانی بادشاہ بہرام گور اور بلاش دونوں ہندوستان آئے اور ہندوستان کی شہزادیوں سے شادی کی۔ ہندوستان کے بادشاہ نے نہ صرف اپنی بیٹی کی شادی بہرام گور سے کی بلکہ دو شہر (مکران اور دیبل) بیٹی کے جہیز میں اسے دیئے۔ نوشیروان بادشاہ کی سلطنت میں پنجاب، سندھ اور کوہ ہمالیہ کے نواحی علاقے شامل تھے۔ نوشیروان کے دور میں ہندوستان سے دو تحفے ''شطرنج'' اور کہانیوں کی کتاب ''کلیلہ و دمنہ'' ایران پہنچے۔

عرب مسلمانوں کی ایران آمد کے بعد برصغیر پاک و ہند کو دو عظیم نعمتیں ایران سے تحفے میں ملیں۔ ایک دین اسلام جو ایران کے راستے برصغیر پاک و ہند کی وسیع سرزمین پر پہنچا اور اس نے اس علاقے کو ثقافتی اور تمدنی اعتبار سے یکسر بدل کر رکھ دیا۔ دین اسلام کے ساتھ دوسرا تحفہ فارسی زبان کا اس علاقے میں رواج پانا ہے۔ جو تقریباً 800 سال تک اس علاقے کی مذہبی، ثقافتی اور سرکاری زبان رہی۔ فارسی برصغیر پاک و ہند کی دوسری زبانوں پر اثر انداز ہوئی اور انہی تبدیلیوں کے نتیجے میں اردو زبان وجود میں آئی۔

21 ہجری میں عرب مسلمانوں کے ہاتھوں ایران فتح ہوا اور 23 ہجری میں عربوں نے ہندوستان کی جانب پیشقدمی کی اور مکران پر قبضہ کر لیا۔ 93 ہجری میں محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا اور اس علاقے کو ملتان تک اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس کے بعد یہ علاقہ تقریباً 200 سال امویوں اور عباسیوں کے زیر تسلط رہا۔ محمد بن قاسم کے لشکر میں ایرانیوں کی موجودگی کے شواہد موجود ہیں۔ محمود غزنوی نے 401 ہجری (1011ء) میں ملتان اور 416 ہجری (1025ء) میں منصورہ پر قبضہ کر لیا۔ عرب سیاحوں کی مختلف کتابوں میں اس بات کے ثبوت موجود ہیں کہ اس دور میں مکران اور ملتان کے لوگوں میں فارسی رواج پا گئی۔ غزنویوں نے باضابطہ طور پر فارسی کو ہندوستان میں متعارف کرایا اور اسے گسترش دی۔ اسی دور میں لاہور کو غزنویوں کا دارالحکومت بنا دیا گیا اور اس کے بعد یہ شہر فارسی زبان اور ایرانی ثقافتی مرکز کے طور پر معروف ہوا۔ سینکڑوں خاندان غزنی سے سرکاری کام کاج کی غرض سے یہاں آ کر مقیم ہوئے اور لاہور کو ''غزنین

خرد' یعنی چھوٹا غزنی بنادیا۔

دین مبین اسلام کی ترویج کے لیے علماء اور صوفیاء کرام لاہور تشریف لائے۔ شیخ اسماعیل، بخارا سے اور شیخ علی ہجویری، غزنی سے لاہور آئے جن کے ہاتھ پر لوگوں کی ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا۔ انہی علماء اور صوفیاء کی کوششوں سے فارسی زبان نے بھی نشو ونما پائی۔ جس کے نتیجے میں ابوعبداللہ روزبہ نکتی، ابوالفرج رونی، مسعود سعد سلمان، حمیدالدین مسعود اور دیگر کئی فارسی شاعر جلوہ نما ہوئے۔ سلاطین دہلی اور اس دور کے امراء نے بھی فارسی زبان وادبیات کی ترویج کے لیے شاعروں کی خوب حوصلہ افزائی کی جس کے نتیجے میں فارسی شعروادب نے خوب ترقی کی۔

ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ایران پر منگولوں کے حملے کے باعث ایران اور وسطی ایشیا کے لوگوں کی کثیر تعداد نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی۔ یہ وہی دور ہے جب امیر خسرو کے والد سیف الدین اور معروف ایرانی شاعر سدید الدین عوفی وغیرہ نے برصغیر کی طرف ہجرت کی۔ ایرانیوں کی اس ہجرت نے فارسی کی شہرت کو چار چاند لگادیے۔

درحقیقت فارسی، حملہ آور افواج کے ذریعے برصغیر پاک و ہند میں پہنچی اور مختلف ادوار میں مہاجرین کی امواج کے ذریعے اس نے تقویت حاصل کی۔ اس ہجرت کا آغاز غزنوی دور میں شروع ہوا اور سلاطین دہلی کے دور میں یہ ہجرت شدت پکڑ گئی۔ ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ایران پر منگولوں کے حملے کے باعث 15 شہزادوں نے صرف سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار میں پناہ لی اور دہلی میں پندرہ محلے آباد کیے۔ عباسی محلہ، سجزی محلہ، دیلمی محلہ، اتابکی محلہ وغیرہ اس دور کی یادگار ہیں۔ یہ شہزادے ترکستان، ماورالنہر، خراسان، عراق، آذربائیجان، فارس، روم اور شام سے آکر دہلی میں آباد ہوئے۔ یہ مہاجر مختلف اسلامی ممالک اور ایران سے برصغیر آئے۔ نہ صرف فارسی کی ترویج وتقویت کا باعث بنے بلکہ ثقافتی اور تمدنی لحاظ سے بہت زیادہ اثرانداز ہوئے۔

مغلیہ دور میں بھی ایرانیوں کی برصغیر ہجرت کا سلسلہ جاری رہا۔ ہمایوں نے جلاوطنی کے چودہ سال ایران میں گزارے اور پھر صفوی بادشاہ طہماسپ کی مدد سے ہندوستان کا تخت وتاج واپس لینے میں کامیاب ہوا۔ صفوی دور میں دربار سے ملک الشعراء کا عہدہ ختم کردیا گیا اور شاعروں کی حوصلہ افزائی سے ہاتھ کھینچ لیا گیا۔ اس کے برعکس مغلیہ بادشاہ شاعروں کی بہت زیادہ قدردانی کرتے تھے۔ اس لیے فارسی شاعروں کی کافی تعداد ایران سے ہجرت کر کے مغلیہ درباروں میں آگئی۔ یوں مغلیہ دور کے اختتام اور انگریزی حکومت کے آغاز تک برصغیر میں فارسی کا بازار گرم رہا۔

یہ وہ تمام واقعات اور حقائق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی کے ذریعے برصغیر پاک و ہند کے تمدن وثقافت میں انقلاب برپا ہوگیا۔ فارسی کی وساطت سے یہاں اسلام پھیلا اور فارسی ہی کے ذریعے اردو زبان نشو ونما پائی اور اس کے اردو ادب پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جو اس انقلاب کے اثر سے بچ پایا ہو۔ مذہب کے حوالے سے بت پرست توحید پرست ہوگئے۔ ان کا رہن سہن، رسوم ورواج، خط اور زبان، لباس، طرز تعمیر، بود وباش سب کچھ بدل گیا۔

(C) History of Persian Literature in Iran

ایرانی فارسی ادب کی تاریخ

(a) Samanids

سامانی دور میں فارسی ادب

تاریخی پس منظر

سامانی دور حکومت 128 سالوں (261 تا 389 ہجری) پر محیط ہے۔ سامانیوں کا تعلق ایک ایرانی خاندان سے تھا۔ عباسی دور حکومت میں خلیفہ مہدی کے زمانے میں بلخ شہر کا ایک رئیس سامان خدا خراسان کے حاکم اسد بن عبداللہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اپنے بیٹے کا نام بھی اسی حاکم کے نام پر اسد رکھا۔ اسی اسد کے چار بیٹوں: احمد، یحییٰ، الیاس اور نوح نے خراسان میں امن وامان قائم رکھنے میں خلیفہ وقت مامون کی مدد کی جنہیں طاہری دور میں مامون کی سفارش پر ماوراء النہر کے چند شہروں کی حکومت ملی۔ ماوراء النہر دریائے جیحون کے اس پار ایران کی شمال مشرقی سرزمینوں کو کہتے تھے۔ بخارا، سمرقند اور فرغانہ جیسے معروف شہروں کا تعلق اس سرزمین سے تھا۔ سامانی اس سرزمین کے پہلے مسلمان حاکم تھے۔ انہوں نے صفاریوں پر غلبہ پا کر طبرستان کے علویوں سے مقابلہ کے بعد اپنی حاکمیت کو ایران کے داخلی علاقوں تک پھیلا دیا۔

261 ہجری میں امیر نصر سامانی کو ماوراء النہر کی حکومت خلیفہ بغداد کی جانب سے ملی اور وہ سمرقند میں قیام پذیر ہوا۔ لیکن سامانی حکومت کا حقیقی دور امیر اسماعیل کے زمانے سے آغاز ہوا۔ بلکہ اس نے سامانیوں کی سلطنت کو وسعت دی اور ایران کے مشرقی علاقوں میں اسلام کے پھیلاؤ کے لیے زمین فراہم کی۔ اس کے بعد سامانی حکومت کا دارالحکومت بخارا منتقل ہو گیا۔ سامانیوں کی حکومت 389 ہجری تک قائم رہی۔

سامانی دور کے شعراء

رودکی

فارسی ادب کے معروف ترین اور نمایاں ترین پہلے صاحب دیوان شاعر ابوعبداللہ جعفر بن محمد رودکی کا تعلق سامانی دور سے ہے۔ وہ 246 ہجری (858ء) میں سمرقند کے ایک گاؤں ''رودک'' میں ایک عالم فاضل گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے حافظہ بہت اچھا پایا اور 8 سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور شعر لکھنے شروع کیے۔ ان کی آواز بہت اچھی تھی اور انہیں موسیقی سیکھنے کا شوق بھی تھا۔ یہی امر باعث بنا کہ انہوں نے موسیقی کے مختلف ساز اور آلات مثلاً چنگ، رود اور بربط بجانے سیکھے اور بالآخر بختیار نامی ایک شخص کی توسط سے بخارا کے بادشاہ نصر بن احمد کے دربار تک رسائی حاصل کی۔ گوناں گوں ہنر رکھنے کے باعث اسے دربار میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ دربار سے اتنے انعامات اور تحائف ملے کہ جلد ہی ان کا شمار بخارا کے ثروتمند ترین لوگوں میں ہونے لگا۔ رودکی نے 329 ہجری میں وفات پائی۔

رودکی کی شہرت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں ''پدر شعر فارسی'' اور ''سلطان شاعران'' جیسے القابات سے نوازا گیا۔ رودکی کے دیوان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا دیوان سو دفتروں پر مشتمل تھا مگر اب ان کے تقریباً 900 شعر باقی رہ گئے ہیں۔ آپ نے قصیدہ، غزل، قطعہ، رباعی اور مثنوی میں طبع آزمائی کی۔ کلیلہ و دمنہ کا فارسی منظوم ترجمہ اور منظومہ، سند بادنامہ آپ کی مشہور مثنویاں ہیں۔ آپ قصیدہ سرائی میں استاد تھے۔ انہوں نے سبک خراسانی یا ترکستانی میں شاعری کی۔ ان کا شعری تخیل بہت قوی اور ان کی زبان سادہ، رواں اور پر سوز تھی۔ رودکی قاری کو فطری مناظر کے قریب لے جاتے ہیں اور ان کی خوبصورتیوں کو اپنے خیال کی طاقت سے جلوہ نما کرتے ہیں۔

فردوسی

فارسی ادب کی طویل ترین مثنوی ''شاھنامہ'' تحریر کرنے والے ایران کے ''قومی شاعر''، حکیم ابو القاسم فردوسی 329 ہجری میں طوس کے ایک گاؤں ''باژ'' میں پیدا ہوئے اور 411 ہجری میں وفات پائی۔ فردوسی کا تعلق سامانی اور غزنوی دونوں ادوار سے ہے۔ فردوسی کو بچپن سے پرانی داستانیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ بالخصوص ایران کی تاریخ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ان کا یہی شوق شاھنامہ تحریر کرنے کا محرک بنا۔ وہ ایران کی پوری تاریخ منظوم کرنے کا عزم لے کر اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے نیشاپور، ہرات، بلخ، مرو اور دیگر کئی شہروں میں گئے۔ فردوسی کے ایک ہم عصر شاعر ابو منصور دقیقی طوسی نے مسعودی مروزی کے بعد ایران کی قومی داستانیں اشعار میں تحریر کرنے کا فیصلہ کیا اور بعد میں نوح بن منصور سامانی کے حکم پر نثر میں تحریر کردہ شاھنامہ ابو منصوری اشعار میں تبدیل کرنے کا کام شروع کیا۔ انہوں نے ابھی 1000 شعر تحریر کیے تھے کہ اپنے غلام کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ فردوسی نے دقیقی کے ادھورے کام کو مکمل کرنے کا کام اپنے ذمے لیا اور اسے شاھنامہ فردوسی کی صورت میں 60,000 اشعار پر مشتمل رزمیہ مثنوی کے طور پر پیش کیا۔ اس میں 50 فصلیں ہیں جن میں ایران کے پہلے بادشاہ کیومرث سے لے کر آخری بادشاہ یزدگرد سوم تک پچاس بادشاہوں کے حالات و واقعات بحر متقارب میں تحریر کیے ہیں۔ یہ نہ صرف قدیم ایران کی شاندار عظمت کا آئینہ دار ہے بلکہ فارسی زبان کی شان و شوکت کی سند ہے۔ اس میں ایک طرف وطن پرستی کا پہلو نمایاں ہے تو دوسری طرف اخلاقیات کا درس موجود ہے۔ بلاشبہ فردوسی نے نہایت امانت داری سے قدیم ایران کی تاریخ اور تمدن کو خالص فارسی زبان میں محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔

مسعودی مروزی

مسعودی مروزی فارسی زبان کے وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے شاھنامہ نظم کیا۔ وہ تیسری صدی ہجری کے آخر میں مرو میں پیدا ہوئے۔ ان کا تنظیم کیا ہوا منظوم شاھنامہ ان کی وفات کے دو صدیوں بعد تک لوگوں کی توجہ کا مرکز رہا۔ اب اس میں سے صرف تین شعر باقی رہ گئے ہیں۔

دقیقی

رودکی کے بعد سامانی دور کا دوسرا بڑا شاعر ابو منصور دقیقی طوسی ہے۔ دقیقی طوسی نے مسعودی مروزی کے بعد ایران کی قومی داستانیں اشعار میں تحریر کرنے کا فیصلہ کیا اور بعد میں نوح بن منصور سامانی کے حکم پر نثر میں تحریر کردہ شاھنامہ ابو منصوری اشعار میں تبدیل کرنے کا کام شروع کیا۔ انہوں نے ابھی 1000 شعر ''گشتاسپ نامہ'' کے نام سے تحریر کیے تھے کہ تقریباً 367 ہجری میں اپنے غلام کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ بعد میں فردوسی نے دقیقی کے ادھورے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

شہید بلخی

امیر نصر بن احمد سامانی کے دور کے معروف شاعر ابو الحسن شہید بلخی، فردوسی سے پہلے ''شاعر خرد'' کے نام سے مشہور تھے۔ خطاطی اور فلسفہ میں بھی مہارت

رکھتے تھے۔اس بارے میں ان کی تصانیف بھی تھیں مگراب ان کے صرف 100 شعر باقی رہ گئے ہیں،ان کے علم وفضل کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے دور کے نامور طبیب اور فلاسفر محمد بن زکریا رازی سے مناظرے کیے۔نہ صرف فارسی بلکہ عربی میں بھی شعر کہے۔325 ہجری میں وفات پائی۔ ان کی وفات پر رودکی نے مرثیہ کہا۔

رابعہ قزداری

رابعہ بنت کعب قزداری فارسی ادب کی پہلی شاعرہ ہیں جنہیں رودکی سمرقندی کا ہم عصر کہا جاتا ہے۔ان کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے ہے اور یہ بلوچستان کے ایک شہر خضدار میں پیدا ہوئیں۔علم وفضل کے ساتھ ساتھ حسن و جمال میں بھی مشہور تھیں۔انہیں اپنے بھائی حارث کے غلام بکتاش سے عشق ہو گیا۔بھائی نے غیرت کے نام پر قتل کر دیا۔''زین العرب'' کے نام سے مشہور تھیں۔مولانا عبدالرحمٰن جامی نے رابعہ کے عشق کو عشق حقیقی قرار دیا ہے اور انہیں صوفی عورتوں میں شمار کیا ہے۔رابعہ کے اسی عشق کے حوالہ سے انہوں نے ''گلستان ارم'' کے نام سے ایک مثنوی بھی تحریر کی ہے۔رابعہ قزداری کے کلام کی نمایاں خصوصیت سوز وگداز ہے۔

ابوشکور بلخی

ابوشکور بلخی کا شمار چوتھی صدی ہجری کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔منوچہری دامغانی نے انہیں رودکی سمرقندی کا ہم پایہ شاعر قرار دیا ہے۔چوتھی صدی ہجری کے وسط میں آپ کی شہرت عروج پر تھی۔343 ہجری تک سامانی بادشاہ نوح بن نصر کی خدمت میں رہے۔انہیں فارسی کا پہلا مثنوی سرا شاعر کہا جاتا ہے جب کہ آپ نے قصاید بھی کہے۔آپ کی مشہور مثنوی'' آفرین نامہ'' 333 سے 336 ہجری کے درمیان تحریر کی گئی جو پند ونصیحت اور حکمت کا انمول خزانہ ہے۔ اس وقت ان کے موجود اشعار کی تعداد 429 ہے جس میں سے 340 سے زائد اشعار کا موضوع پند ونصیحت اور اخلاقیات ہے۔

ان کے علاوہ کسایی مروزی،منجیک ترمذی،مرادی،ابوزراعہ معمری جرجانی،موسی فرالادی،ابوعباس زنجنی،خسروانی،ابوالموید بلخی اور والوالجی بھی سامانی دور کے کم وبیش مشہور شاعر ہیں۔

سامانی دور کی نثر

سامانی دور میں شاعری کی طرح نثر کے میدان میں بھی بہت کام انجام دیا گیا۔

شاھنامہ ابومنصوری

شاھنامہ ابومنصوری فارسی نثر کی پہلی کتاب ہے،جو ابومنصور عبدالرزاق کے حکم پر اس کے وزیر ابومنصور المعمری نے 352 ہجری میں تحریر کی۔شاھنامہ فردوسی کا اصل منبع یہی کتاب تھی۔وقت کے ساتھ ساتھ یہ شاھنامہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔اب صرف اس کا مقدمہ باقی رہ گیا ہے۔جو تقریباً 15 صفحات پر مشتمل ہے۔علامہ قزوینی کی کوشش سے یہ شایع ہو چکا ہے۔بعض محققین کے بقول شاھنامہ ابومنصوری سے قبل شاھنامۂ ابوالموید بلخی کے نام سے فارسی نثر میں ایک اور شاھنامہ موجود تھا لیکن وہ مکمل طور پر صفحۂ ہستی سے مٹ گیا اور اس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔شاھنامہ ابومنصوری کے مقدمہ میں عربی کلمات بہت کم ہیں اور اس کا طرز تحریر نہایت سادہ ہے۔یہ مقدمہ بہت سے پہلوؤں کے اعتبار سے پہلوی نثر کے نزدیک ہے۔

ترجمہ تفسیر طبری

فارسی نثر کی دوسری اہم کتاب جو سامانی دور میں تحریر کی گئی ''ترجمہ تفسیر طبری'' ہے۔یہ کتاب اس اعتبار سے بھی اہمیت رکھتی ہے کہ فارسی دینی نثر کی پہلی کتاب ہے۔خوش قسمتی سے آج بھی یہ کتاب مکمل طور پر موجود ہے۔یہ قرآن کی ایک تفسیر کا ترجمہ ہے جو تیسری صدی ہجری کے آخر میں ایک ایرانی دانشمند محمد

بن جریر طبری نے عربی زبان میں تالیف کی۔ سامانی بادشاہ منصور بن نوح سامانی نے اس عربی تفسیر کا ایک نسخہ حاصل کیا اور اس کو فارسی زبان میں ترجمہ کروانے کا ارادہ کیا۔ اس نے ماوراء النھر کے علمائے دین کو بلایا اور ان سے رائے طلب کی کہ قرآن پاک کی اس عربی تفسیر کو فارسی میں ترجمہ کروایا جاسکتا ہے؟ علماء نے فتوا دیا کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ علماء کے اسی گروہ کو اس کے ترجمہ کا کام سونپا گیا اور انہوں نے اسے چوتھی صدی ہجری کے وسط میں فارسی زبان میں ترجمہ کیا جو آج ترجمہ تفسیر طبری کے نام سے ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اس کتاب کی نثر سادہ اور رواں ہے۔ عربی الفاظ بہت کم استعمال کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب حبیب یغمایی کی کوشش سے سات جلدوں میں شایع ہو چکی ہے۔

تاریخ بلعمی یا ترجمۂ تاریخ طبری

325 ہجری میں سامانی بادشاہ منصور بن نوح سامانی نے اپنے دانشمند وزیر ابوعلی بلعمی کو حکم دیا کہ وہ محمد بن جریر طبری کی عربی زبان میں تحریر کردہ مفصل تاریخ ''تاریخ الرسل والملوک'' کا ترجمہ فارسی دری میں کرے۔ ترجمہ شروع کرنے کے بعد بلعمی کو ایران کی تاریخ کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں تو وہ انہوں نے اس ترجمہ میں شامل کر دیں اور کچھ موضوع ترجمہ سے خارج کر دیئے۔ درحقیقت انہوں نے تاریخ طبری کے فارسی ترجمہ کو ایک نئی شکل دے دی۔ اس کتاب نے ''تاریخ بلعمی'' کے نام سے شہرت پائی۔ یہ کتاب آج بھی موجود ہے اور اس کا شمار سامانی دور کی اہم تاریخ کی کتاب کے طور پر ہوتا ہے جو نثر میں تحریر کی گئی۔ کافی سال پہلے یہ کتاب ملک الشعراء بہار کی کوشش سے تہران میں شائع کی گئی۔

الابنیہ عن حقایق الادویہ

فارسی کی علمی نثر کا آغاز تقریباً اسی کتاب ''الابنیہ عن حقایق الادویہ'' سے ہوتا ہے۔ یہ کتاب جڑی بوٹیوں اور ادویات کی خصوصیات کے بارے میں ہے۔ درحقیقت یہ دوا سازی کے علم کی کتاب ہے۔ اس کا مصنف ابومنصور موفق ہروی ہے جس نے اسے منصور بن نوح سامانی کے عہد (350 سے 366 ہجری) میں تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کا موجودہ نسخہ معروف ایرانی شاعر اسدی طوسی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

ھدایۃ المتعلمین فی الطب

چوتھی صدی ہجری کے درمیان ابوبکر اخوینی بخارایی نے بخارا میں طب کی یہ کتاب اپنے بیٹے کے لیے تحریر کی۔ وہ نفسیاتی بیماریوں کے ماہر طبیب تھے۔ انہیں ''پزشک دیوانگان'' یعنی ''پاگلوں کا ڈاکٹر'' کہا جاتا تھا۔ یہ کتاب ڈاکٹر جلال متینی کی کوشش سے مشہد میں شائع ہوئی۔

حدود العالم من المشرق الی المغرب

یہ کتاب فارسی زبان میں جغرافیہ کی پہلی کتاب ہے۔ 372 ہجری میں کسی نامعلوم مصنف نے اسے تحریر کیا۔ یہ سادہ اور رواں نثر میں تحریر کی گئی ہے۔ یہ بالعموم جغرافیہ اور بالخصوص اسلامی سرزمینوں کا جغرافیہ ہے۔ اس میں صحیح اور بے مثال معلومات تحریر کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ڈاکٹر منوچہر ستودہ کی کوشش سے تہران میں شائع ہوئی ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ تفسیر پاک اور تفسیر کمبریج بھی سامانی دور کی کتابیں ہیں۔

سامانی دور کے ادب کی مجموعی صورتحال

سامانیوں کے دور اقتدار میں فارسی ادب کی صبح کا سورج طلوع ہوا اور اس نے خاصی ترقی پائی۔ سامانی بادشاہ ثقافت دوست تھے اور بالخصوص ثقافت اور فارسی زبان و ادب کی ترویج میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ شعرا اور ادباء کو نہ صرف اپنے درباروں میں عزت بخشتے بلکہ ان کو قیمتی انعامات اور کرامات سے نوازتے۔ سامانی دور کے 35 شاعروں کے تقریباً 2000 اشعار باقی رہ گئے ہیں۔ سامانی حکومت کو اس کے عروج تک پہنچانے میں اس دور کے عالم فاضل وزراء جیسے جیہانی، ابوالفضل بلعمی، ابوعلی بلعمی اور ابوحسین عتبی کا بہت اہم کردار تھا۔ سامانی بادشاہوں کی علم پروری کے باعث خراسان اور ماوراء النھر کے علاقے

میں بہت سے دانش مند سامنے آئے۔ سامانی سنی مسلک رکھتے تھے اور اسی نسبت سے عباسی خلافت کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ انہوں نے صفاریوں کے برعکس کبھی بھی عباسی خلفاء سے رسہ کشی نہیں کی۔ اس لیے سامانی فرمانرواؤں کی جانب سے ہر سال بہت سے تحائف بغداد بھیجے جاتے۔ نماز کے خطبوں اور اس دور کے رائج سکوں پر بھی سامانی بادشاہوں کے ناموں کے ساتھ خلفاء کے نام بھی آتے۔ درحقیقت سامانی ایرانی الاصل تھے اور وہ اپنے ماضی سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس ماضی کو محفوظ اور زندہ رکھنے کے لیے انہوں نے فارسی ادب کو فروغ دیا۔

(b) Ghaznavids

غزنوی دور میں فارسی ادب

تاریخی پس منظر

ایرانی غزنوی کا دورِ حکومت تقریباً 231 سالوں (351 تا 582 ہجری قمری) پر محیط ہے۔ ان سالوں میں غزنویوں کے دارالحکومت ''غزنی'' کو علم و ادب کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ باقی بادشاہوں کی نسبت محمود غزنوی کا دورِ حکومت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ محمود غزنوی کے بارے میں مشہور ہے کہ اسے جہاں کہیں علما کی موجودگی کا پتہ چلتا وہ انھیں اپنے دربار میں لانے کی کوشش کرتا۔ اسے خود شعر و شاعری سے بہت دلچسپی تھی اور اس کے دربار میں تقریباً 400 شاعر موجود تھے۔ محمود غزنوی کے شعر دوست اور علم دوست ہونے کے ناطے غزنوی عہد کو فارسی شعر و ادب کا زریں دور کہا جاتا ہے۔

غزنوی دور کے معروف شعراء

ابوالقاسم فردوسی۔ عنصری۔ فرخی۔ منوچہری

ابوالقاسم فردوسی

حکیم ابوالقاسم فردوسی کا شمار ایران کے عظیم ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ تقریباً 329 ہجری میں طوس کے ایک گاؤں ''باژ'' (جسے اب پاز کہتے ہیں) میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی زمانہ ہے جب رودکی جیسے عظیم شاعر اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ فردوسی نے ابتدائی تعلیم کے طور پر فارسی اور عربی ادب پڑھا۔ انھیں بچپن سے پرانی داستانیں پڑھنے کا شوق تھا اور بالخصوص ایران کی تاریخ سے انھیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ان کا یہی شوق فارسی ادب کی طولانی ترین رزمیہ مثنوی ''شاہنامہ'' لکھنے کا باعث بنا۔ وہ ایران کی پوری تاریخ اشعار میں قلم بند کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس بارے معلومات حاصل کرنے کے لیے انھوں نے نیشاپور، ہرات، بلخ، مرو اور دیگر کئی شہروں کا سفر کیا۔ اسی زمانے میں جب فردوسی قدیم فارسی داستانوں کو اشعار میں تحریر کرنا چاہتے تھے ان کے ایک ہم شہری ''دقیقی''، جو فارسی کی قدیم داستانوں کو اشعار میں لکھ رہے تھے، اپنے ہی غلام کے ہاتھوں قتل ہوگئے۔ فردوسی نے فیصلہ کیا کہ وہ دقیقی کے ادھورے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ اسی دوران فردوسی کے ایک دوست نے انھیں ایک کتاب تحفہ کے طور پر دی جس میں ایرانی بادشاہوں کے تاریخی اور جنگی واقعات تحریر تھے۔ اس کتاب کا نام ''شاہنامہ ابو منصوری'' تھا اور یہ نثر میں تحریر کی گئی تھی۔ فردوسی نے اس کتاب کی مدد سے تاریخی واقعات نظم کرنے کا کام شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنی زندگی کے 30 سے 35 سال ''شاہنامہ'' تحریر کرنے پر لگا دیئے۔ فردوسی نے 411 ہجری میں وفات پائی اور اپنی جائے پیدائش باژ میں دفن ہوئے جو ایران کے مشہور شہر مشہد سے 20 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

شاہنامہ فردوسی

فردوسی نے ''شاہنامہ'' نظم کرنے کا کام 370 ہجری میں شروع کیا جو تقریباً 402 ہجری میں مکمل ہوا اور اس وقت فردوسی نے اسے سلطان محمود غزنوی کی خدمت میں پیش کیا۔ شاہنامہ، ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ایک رزمیہ مثنوی ہے۔ اس میں ایران کے پہلے بادشاہ کیومرث سے لے کر آخری ساسانی بادشاہ یزدگردسوم تک پچاس بادشاہوں کے حالات و واقعات، بحر متقارب میں نظم کیے گئے ہیں۔ شاہنامہ پچاس فصلوں پر مشتمل ہے اور ہر فصل میں ایک بادشاہ کے حالات و واقعات نظم کیے گئے ہیں۔ شاہنامہ لکھنے کا کام سامانی دور میں شروع ہوا اور غزنوی دور میں اختتام پذیر ہوا۔ اس لیے اس کا تعلق سامانی اور غزنوی دونوں ادوار سے ہے۔

یہ شاہنامہ نہ صرف قدیم ایران کی عظمت کا آئینہ دار ہے بلکہ فارسی زبان کی شان و شوکت کی ایک عظیم سند ہے۔ اس میں ایک طرف وطن پرستی کا پہلو نمایاں ہے تو دوسری طرف اخلاقیات کا درس دیا گیا ہے۔ فردوسی نے اسے لکھنے کے لیے قدیم ایران کی تاریخ کے معتبر ماخذات سے استفادہ کیا اور نہایت امانت داری کے ساتھ قدیم ایران کی تاریخ اور تمدن کو محفوظ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ چونکہ ایران میں عربوں کی آمد کے بعد عربی زبان کے الفاظ کی ایک خاص تعداد فارسی میں شامل ہوگئی تھی لہٰذا فردوسی نے جذبۂ حب الوطنی کے تحت ایران کی قومی تاریخ اپنی قومی زبان میں پیش کی اور شاہنامہ میں عربی الفاظ کا استعمال بہت کم کیا۔ اس طرح فردوسی نے قومی تاریخ لکھنے کے ساتھ ساتھ اپنی قومی زبان کو بھی ایک نئی زندگی عطا کی۔ اس لیے انھیں ایران میں قومی شاعر کا درجہ حاصل ہے۔

شاہنامہ فردوسی کا طرز تحریر نہایت سادہ، رواں اور دل چسپ ہے۔ ان خوبیوں کے باعث جو شہرت اور قبولیت شاہنامہ فردوسی کو حاصل ہوئی وہ کسی اور شاہنامہ کو حاصل نہیں ہوئی۔ شاہنامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی ایک پاک اور لطیف طبیعت کے مالک تھے۔ انھوں نے اس مثنوی میں نہ چاپلوسی کی اور نہ ہی کسی کی بدخوئی کی۔ وہ درحقیقت ایک محب الوطن ایرانی تھے اور انھیں ایران کے قدیم بادشاہوں، سرداروں اور جنگجوؤں سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ البتہ انھیں ایران کو نقصان پہنچانے والوں سے شدید نفرت تھی جس کا اظہار انھوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔

عنصری

غزنوی دور کے اہم شاعر ابوالقاسم حسن بن احمد عنصری 350 ہجری میں بلخ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ ان کے والد تاجر تھے جن کی وفات کے بعد اُن کا سرمایہ اور مال ان کے بیٹے عنصری کو ملا۔ اس سرمائے سے عنصری نے تجارت شروع کی لیکن سفر کے دوران ڈاکوؤں نے ان کے قافلے پر حملہ کر دیا اور تمام مال اور سرمایہ لوٹ لیا۔ اس واقعہ کے بعد عنصری شعر و ادب کی طرف مائل ہو گئے۔ محمود غزنوی کی حکومت کے آغاز میں محمود کے بھائی امیر نصر نے انھیں غزنی کے سلطان سے متعارف کروایا۔ عنصری کو سلطان محمود غزنوی کی قربت میسر آئی تو روز بروز دربار میں ان کا مقام بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ''ملک الشعرا'' کے رتبہ پر پہنچے۔ دربار کے تمام شعراء ان کا بے حد احترام کرتے تھے یہاں تک کہ بعد میں آنے والے شعراء کے لیے بھی ان کا مقام قابل رشک تھا۔ وہ 431 ہجری میں وفات پا گئے۔

صفحۂ ہستی پر باقی رہ جانے والے عنصری کے اشعار کی تعداد تقریباً 2000 ہے۔ ان کا کلام قصائد پر مشتمل ہے جن میں سے اکثر سلطان محمود، سلطان مسعود اور غزنوی دور کے دیگر شہزادوں کی شان، اوصاف، کارناموں اور ان کی فتوحات پر لکھے گئے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں بلند معانی الفاظ استعمال کیے ہیں جن کے باعث ان کا شمار فارسی ادب کے درجۂ اول کے قصیدہ سراؤں میں ہوتا ہے۔ اگر عنصری کے قصائد کا موازنہ ان سے پہلے کے شعرا کے کلام سے کیا جائے تو عنصری کی برتری نمایاں طور پر سامنے آتی ہے کہ انھیں نہ صرف فنونِ شعر پر کمال حاصل تھا بلکہ وہ اپنے زمانے کے علوم سے بھی بہرہ مند تھے۔ وہ اپنے اشعار میں حکمت اور منطق کی اصطلاحات کا بھرپور استعمال کرتے تھے۔

عنصری کے قصائد اعلیٰ پایہ کے اور استوار ہیں۔ان میں انھوں نے منطق اور برہان کو شامل کیا ہے۔قصیدہ شروع کرتے وقت وہ فرخی کی طرح تغزل کا رخ نہیں کرتے بلکہ ممدوح (جس کا قصیدہ کہہ رہے ہوں) کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔اس طرح وہ اپنے قصائد کا آغاز کسی مقدمہ کے بغیر کرتے ہیں اور یہ شاعر کے پختہ ہونے کی دلیل ہے۔قصیدہ کے علاوہ عنصری کو غزل، رباعی اور مثنوی گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔انھوں نے یونانی داستان "قصۂ وامق وعذرا" اشعار کی صورت میں پیش کیا۔اب اصل کتاب تو موجود نہیں ہے مگر اس کے 500 اشعار مختلف کتابوں میں درج ہیں۔شاد بہر، عین الحیات، سرخ بت اور خنگ بت ان کی دیگر مثنویوں کے نام ہیں۔پانچویں صدی ہجری میں ان مثنویوں کی موجودگی اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ اس دور میں فارسی میں داستان سرائی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔عنصری کا دیوان ڈاکٹر محمد دبیر ساقی نے تہران سے شائع کیا۔

فرخی سیستانی

فرخی سیستانی جن کا تعلق چغانی اور غزنوی دور سے تھا، تیسری صدی ہجری کے آخر میں سیستان میں پیدا ہوئے۔آپ کا نام علی، کنیت ابوالحسن اور تخلص فرخی تھا۔باپ کا نام جولوغ تھا جو حاکم سیستان امیر خلف بن احمد کی خدمت پر مامور تھے۔فرخی نے 429 ہجری میں وفات پائی ان کے دوست اور ہم عصر شاعر لبیبی کے مطابق فرخی اپنی جوانی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

فرخی گاؤں میں ایک زمیندار کے ہاں ملازم تھے جہاں سے انھیں غلہ اور کچھ رقم نقد ملتی تھی۔جب ان کی شادی ہوئی تو ان کے اخراجات بڑھ گئے اور اس تنخواہ میں زندگی بسر کرنا مشکل ہو گیا۔انھوں نے زمیندار کی خدمت میں درخواست تحریر کی اور تنخواہ بڑھانے کا مطالبہ کیا۔مگر زمیندار نے تنخواہ بڑھانے سے صاف انکار کر دیا۔فرخی شعر و شاعری میں مہارت رکھتے تھے اور اس وقت شاعری کا بازار گرم تھا۔حاکم چغانیان، امیر ابوالمظفر احمد بن محمد چغانی نہایت شعر دوست اور سخی بادشاہ تھا۔جب فرخی نے اس کے بارے میں سنا تو اس کے لیے ایک قصیدہ "با کاروان حلہ" لکھا اور چغانیان کی طرف چل پڑے۔بہار کا موسم تھا اور امیر ابوالمظفر داغ گاہ میں گھوڑوں اور بچھڑوں کو داغ لگوار ہا تھا۔فرخی کی ملاقات امیر ابوالمظفر کے مصاحب خواجہ عمید اسعد سے ہوئی۔جب اس نے فرخی کا لایا ہوا قصیدہ پڑھا تو ان کی ظاہری حالت دیکھ کر اس کو یقین نہ آیا کہ اتنے عمدہ شعر انھوں نے کہے ہیں۔اس نے فرخی سے کہا کہ جاؤ اور "داغ گاہ" پر قصیدہ لکھ لاؤ پھر میں تمھیں خود امیر کی خدمت میں لے جاؤں گا۔فرخی نے رات کو "داغ گاہ" پر قصیدہ لکھا اور اگلی صبح اسے خواجہ عمید اسعد کی خدمت میں لے گئے جو اسے بے حد پسند آیا اور وہ فرخی کا ہاتھ تھام کر بادشاہ کی خدمت میں لے گیا اور تمام ماجرا تعریف کیا۔امیر ابوالمظفر نے انھیں مناسب جگہ پر بٹھایا اور ان پر مہربانیوں کے دروازے کھول دیئے۔فرخی نے دربار میں قصیدہ "با کاروان حلہ" اپنی دل کش اور سریلی آواز میں سنایا۔امیر نہ صرف شعر شناس تھا بلکہ خود بھی شاعر تھا۔اسے یہ قصیدہ بے حد پسند آیا اور اس نے فرخی پر انعامات کی بارش کر دی۔

کچھ مدت چغانی دربار میں رہنے کے بعد فرخی سلطان محمود غزنوی کے دربار میں پہنچے جہاں اس نے فرخی کو بہت عزت دی اور اعلیٰ رتبہ عطا کیا۔یہاں تک کہ محمود غزنوی کے دربار میں چاندی کی کمر بند والے غلام ان کے آگے پیچھے ہوتے تھے۔عنصری، لبیبی، زینبی، مسعود رازی، غضایری، عسجدی اور منوچہری جیسے نامور شعراء فرخی کے ہم عصر تھے۔تقریباً 13 سال محمود غزنوی کے دربار سے وابستہ رہے اور جب محمود غزنوی نے وفات پائی تو انھوں نے ان کی وفات کے غم میں بہت سے مرثیے کہے۔بعد میں اُن کے جانشینوں، محمد غزنوی اور مسعود غزنوی کی شان میں قصیدے کہے۔فرخی کا دیوان قصائد، غزلیات، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔اسی طرح ایک اور کتاب "ترجمان البلاغہ" فرخی سیستانی کے نام سے منسوب کی جاتی ہے مگر اس کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا۔

فرخی کے کلام کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے اشعار میں سادگی، سلاست اور روانی پائی جاتی ہے۔ان کی شاعری میں خوش مزاجی کی جھلک نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔وہ فن موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے اس لیے انھوں نے اپنے کلام میں ایسے اوزان استعمال کیے ہیں جو نشاط آور ہیں اور شادمانی پیدا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ترنم بھی رکھتے ہیں۔فرخی نے اپنے اشعار میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور تلمیح کا استعمال کثرت سے کیا ہے جس سے معلوم

ہوتا ہے کہ وہ علم معانی و بیان سے نہ صرف بخوبی آگاہ تھے بلکہ اس میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ وہ فطری مناظر کا بخوبی مشاہدہ کرتے تھے اور پھر ان کی اپنے اشعار میں خوبصورت انداز سے منظر کشی کرتے تھے۔ اسی طرح واقعات کے مشاہدے میں بھی وقت نظر اور باریک بینی سے کام لیتے تھے اور انھیں خوبصورت انداز میں اپنے اشعار میں پیش کرتے تھے۔ قصیدہ فتح سومنات اور قصیدہ فتح کشمیر میں فرخی کا یہ ہنر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے اشعار میں انسانی جذبات کی بھرپور انداز میں عکاسی کرتے تھے۔ سلطان محمود کی وفات پر جو مرثیہ فرخی سیستانی نے لکھا، اس میں صرف ایک شخص کے رنج و غم کی عکاسی نہیں کی بلکہ پوری قوم کے دکھ کی عکاسی کی ہے۔ شاعری میں فرخی نے سبک خراسانی کی پیروی کی۔

منوچہری دامغانی

منوچہری کا اصل نام ابوالنجم احمد بن قوص بن احمد منوچہری دامغانی ہے۔ وہ چوتھی صدی ہجری کے اختتام یا پانچویں صدی ہجری کے آغاز پر دامغان میں پیدا ہوئے۔ منوچہری نے اپنا تخلص پانچویں زیاری امیر فلک المعالی منوچہر بن قابوس بن دشمگیر زیار دیلمی کے نام سے لیا ہے۔ ابتدا میں منوچہری اسی امیر کے دربار سے وابستہ تھے۔ اس امیر کی وفات کے بعد انھوں نے ''ری'' شہر کا رخ کیا جہاں سے سلطان مسعود نے انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ منوچہری شہر ''ساری'' میں سلطان مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں سے غزنوی دربار میں داخل ہوئے اور صاحب احترام بنے۔ جب وہ غزنوی دربار میں پہنچے تو ابھی جوان تھے مگر انھوں نے بڑے بڑے شعراء کے مقابلے میں ایک خاص روش اختیار کر کے اپنی انفرادیت قائم کی۔ اس وقت جب تقریباً اکثر شعراء سبک خراسانی میں شاعری کر رہے تھے، منوچہری نے سبک عرب کی پیروی کی اور اپنی شاعری میں عربی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا۔ منوچہری نے جوانی میں ہی 432 ہجری کو وفات پائی۔

منوچہری کی شاعری پر فکر و فن اور زبان کے حوالہ سے عربی شاعری کا اثر بہت زیادہ نمایاں ہے۔ عربی کے نامانوس الفاظ اور تراکیب کے استعمال کے باوجود منوچہری کا کلام سادہ اور رواں ہے۔ اسی خصوصیت کے باعث ان کا شمار صف اول کے شعرا میں ہوتا ہے۔ منوچہری کو مسمط کا موجد کہا جاتا ہے۔ (مسمط میں چند بند ہوتے ہیں اور ہر بند پانچ یا چھ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر بند کے مصرعوں کا ایک قافیہ ہوتا ہے۔ صرف آخری مصرع کا قافیہ مختلف ہوتا ہے) منوچہری سے پہلے فارسی شاعری میں مسمط کہنے کا رواج نہیں تھا۔ منوچہری نے ساری زندگی عیش و عشرت میں گزاری جس کی وجہ سے ان کی شاعری میں مسرت اور شادمانی کا رنگ نمایاں ہے۔ خمریات میں انھیں فارسی شاعری کا ''ابونواس'' کہا جاتا ہے۔ منوچہری کو فطری مناظر کی منظر کشی میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کے کلام میں فطرت اپنی تمام تر خوبصورتیوں اور رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔

ان شعراء کے علاوہ غضایری رازی، عسجدی، لبیبی، زینبی علوی، منشوری، سنائی، سمرقندی، مسعودی غزنوی، عطاردی، مسعود سعد سلمان، بالیث طبری اور لاہور کے شاعر ابوعبداللہ روزبہ نکتی کا تعلق غزنوی دور سے ہے۔ ابوعبداللہ نکتی کا شمار فارسی کے قدیم ترین شعراء میں ہوتا ہے۔

غزنوی دور کے اہم نثر نگار

ابن سینا

معروف ایرانی دانش ور اور طبیب ابوعلی حسین ابن عبداللہ بن سینا جنہیں ''حکیم شرق'' اور ''نابغہ دہر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے 370 ہجری میں بخارا کے قریب ایک قصبے میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شیخ الرئیس اور ابوعلی سینا کے نام سے شہرت پائی۔ بچپن میں بخارا سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی پھر ابراہیم ناتلی سے ریاضی اور ہنر کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد طب کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے مکتب پہنچ کر اپنی قابلیت اور استعداد کے خوب

جوہر دکھائے۔20 سال کی عمر میں وہ ایک ماہر طبیب بن گئے۔انھوں نے سامانی بادشاہ کا علاج کیا جس کے باعث انھیں سامانی دربار تک رسائی حاصل ہو گئی۔بعد میں وہ خوارزمشاہیوں، آل زیار اور دیلمیوں کے درباروں سے بھی وابستہ رہے۔جب سلطان محمود حکومت میں آیا تو ابوعلی سینا نے آل زیار کے سلاطین کا رخ کیا اور اس مقصد کے لیے گرگان اور طبرستان کی طرف چل پڑے۔ابھی منزل مقصود تک نہیں پہنچے تھے کہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر کے قتل ہونے کی خبر ملی۔اس لیے ابوعلی نے دیلمان کی سرزمین پر جانے کا فیصلہ کیا۔آپ اصفحان، رے اور قزوین سے ہوتے ہوئے ہمدان پہنچے اور کافی عرصہ ہمدان میں تالیفات تحریر کیں۔آخر کار بدخواہوں کی بدگوئی کے باعث حاکم ہمدان نے ان کو قید میں ڈال دیا۔آپ 6 ماہ قید رہے مگر وہاں بھی لکھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب قید سے رہا ہوئے تو خفیہ راستے سے اصفہان پہنچے۔حاکم اصفہان علاؤالدولہ نے آپ کی بہت عزت کی۔جب اس نے ہمدان جانے کا ارادہ کیا تو ابوعلی سینا بھی اس کے ساتھ ہمدان کی طرف روانہ ہوئے مگر راستے میں بیمار ہو گئے اور 58 سال کی عمر میں 428 ہجری کو ہمدان میں وفات پائی۔وہ محمود غزنوی کی خواہش کے باوجود اس کے دربار غزنی نہ گئے۔

ابوعلی سینا نے طب، فلسفہ، ریاضیات اور دیگر علوم پر متعدد کتابیں تحریر کیں جن میں سے زیادہ تر کا تعلق عربی زبان سے ہے۔انھوں نے فارسی زبان میں چند رسائل اور دائرۃ المعارف، ایک دیلمی امیر علاء الدولہ کا کویہ کی خواہش پر ''دانش نامہ علائی'' کے نام سے تحریر کیا جسے ''حکمت علائی'' بھی کہتے ہیں۔اس کتاب کا موضوع فلسفہ اور طبیعات ہے۔یہ کتاب سادہ اور رواں فارسی زبان میں تحریر کی گئی ہے اور عربی الفاظ بہت کم شامل کیے گئے ہیں۔اس میں فارسی زبان کی منطق اور فلسفہ سے مربوط اصطلاحات کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔اس کے علاوہ منطق، طبیعات اور ریاضی کی کتاب ''شفا''، طب کی کتاب ''قانون'' اور فلسفہ کی کتاب ''اشارات''، رسالہ نبضیہ اور قراضۂ طبیعات کا تعلق بھی ابن سینا سے ہے۔ابن سینا سے 72 اشعار منسوب کیے جاتے ہیں مگر بعض محققین کا خیال ہے کہ یہ سارے اشعار ابن سینا کے نہیں ہیں۔

ابوریحان البیرونی

ابوریحان محمد بن احمد بیرونی 362 ہجری میں خوارزم میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ان کا شمار اپنے دور کے عظیم ترین علماء اور دانش وروں میں ہوتا ہے۔انھوں نے طب، جغرافیہ، ریاضی اور فلسفہ کے موضوعات پر عربی میں کتب تحریر کیں۔البیرونی، مامون قابوس بن وشمگیر اور محمود غزنوی کے ساتھ وابستہ رہے اور محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان بھی آئے۔یہاں انھوں نے سنسکرت زبان کی تعلیم حاصل کی اور ''ماللھند'' کے نام سے عربی زبان میں ہندوستان پر ایک اہم کتاب تحریر کی۔420 ہجری میں حسین خوارزمی کی بیٹی ریحانہ کی خواہش پر ایک کتاب ''التفہیم'' فارسی میں تحریر کی اور بعد میں خود ہی اس کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔اس کتاب کا پورا نام ''التفھیم لا وایل صناعة التنجیم '' ہے۔التفہیم، علم نجوم، ہندسہ اور حساب کے موضوع پر فارسی زبان میں تحریر کی جانے والی پہلی اور اہم کتاب ہے۔انھوں نے علم نجوم کے موضوع پر ایک اور کتاب ''قانون مسعودی'' بھی تحریر کی۔البیرونی کی تحریر کردہ کتب کی تعداد 130 کے قریب بتائی جاتی ہے۔ان کے دور میں علمی موضوعات پر تحریر کی جانے والی کتابیں زیادہ تر عربی زبان میں تحریر کی جاتی تھیں مگر انھوں نے علمی موضوعات کی کتابیں فارسی زبان میں تحریر کیں۔البیرونی نے 440 ہجری میں خوارزم میں وفات پائی۔

خواجہ ابوالفضل بیہقی

ابوالفضل بیہقی حارث آباد کے ایک دیہات بیہق (موجودہ نام سبزوار) کو 385 ہجری کو پیدا ہوئے۔آپ نیشاپور کو علم و دانش حاصل کرنے کے بعد سلطان محمود غزنوی اور پھر اس کے بیٹے مسعود کے دربار سے دبیر کے طور پر وابستہ رہے۔ابوالفضل کو غزنوی دور کے ممتاز دبیر بونصر مشکان کا شاگرد ہونے کا

اعزاز حاصل ہے۔ان دنوں جب وہ محمود غزنوی اور مسعود غزنوی کے درباروں میں بہت سے واقعات کے چشم دید گواہ تھے،انھوں نے غزنویوں کی تاریخ تحریر کرنے کا فیصلہ کیا۔غزنوی دور کے آخر میں غزنویوں کے وفادار کی حیثیت سے انھیں بھی قید کرلیا گیا۔رہائی کے بعد آپ نے دربار سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور تحریر و تالیف کا کام کرتے رہے۔ابوالفضل بیہقی نے 470 ہجری میں وفات پائی۔

ابوالفضل نے آل سبکتگین کی حکومت کے زمانے سے لے کر غزنوی حکومت کی تشکیل اور سلطان ابراہیم بن مسعود کے زمانے تک کے حالات و واقعات تفصیل سے تیس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب کی صورت میں تحریر کیے جس کا نام ''تاریخ بیہقی'' ہے لیکن افسوس کہ یہ کتاب مکمل حالت میں ہم تک نہیں پہنچی بلکہ اس کے کئی اہم حصے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہوگئے۔جو کچھ تاریخ بیہقی سے باقی بچا ہے،وہ سلطان مسعود غزنوی کے دور حکومت (421 تا 432 ہجری) کے بارے میں ہے جو آل سلجوق کے غلبہ سے اختتام پذیر ہوا۔اسی وجہ سے اسے ''تاریخ مسعودی'' بھی کہتے ہیں۔ابوالفضل جو مسعود غزنوی کی حکومت کے تمام امور سے بخوبی آگاہ تھے،سفر اور جنگوں میں مسعود غزنوی کے ہم رکاب رہے۔اس دوران پیش آنے والے تمام وہ واقعات جو ابوالفضل نے خود دیکھے ہیں نہایت صداقت سے بیان کیے ہیں۔وہ واقعات جو انھوں نے خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے،انھیں مطمئن افراد کی زبانی نقل کیا ہے۔اس طرح اس زمانے کے واقعات اور تاریخی معلومات ابوالفضل نے نہایت محنت اور توجہ سے مرتب کی ہیں۔اسی وجہ سے اس کتاب کو فارسی اور حتیٰ کہ عربی کی تاریخی تصانیف میں بھی ایک اہم مقام حاصل ہے۔ابوالفضل نہ صرف ایک بلند پایہ اور امین مؤرخ ہیں بلکہ توانا اور ماہر مصنف بھی ہیں۔انھوں نے تمام واقعات داستانی صورت میں بیان کیے ہیں جس سے قاری کی دل چسپی کتاب کے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ان کی نثر کے ساتھ اشعار کی آمیزش دکھائی دیتی ہے جو ان سے پہلے عہد میں مرسوم نہ تھی۔موقع کی مناسبت سے تحریر کو عربی اشعار اور ضرب الامثال سے مزین کیا گیا ہے جبکہ آیات اور احادیث کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کتاب کا پڑھنا زیادہ آسان نہیں مگر کلیلہ ودمنہ کی طرح دشوار بھی نہیں ہے۔''تاریخ بیہقی'' فارسی نثر کی شاہکار کتابوں میں سے ہے۔ابوالفضل بیہقی کی ایک اور کتاب کا نام ''زینتہ الکتاب'' ہے جو آداب کتابت کے موضوع پر تحریر کی گئی۔

ان نثر نگاروں کے علاوہ ''نور العلوم'' کے مصنف ابوالحسن خرقانی، ''کشف المحجوب'' کے مصنف علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور ابو علی مسکویہ بھی اس دور کے اہم نثر نگار ہیں۔

غزنوی دور میں فارسی ادب کا مختصر جائزہ

غزنوی دور کو مختلف حوالوں سے فارسی ادب کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔سلطان محمود نہ صرف خود عالم تھا بلکہ اپنے دربار میں علماء، فضلاء اور شعراء کی قدر دانی کرتا تھا۔سامانی دور میں فارسی ادب کی زمین ہموار ہو چکی تھی۔اس کی بنیاد پر غزنوی دور میں اس ادب کی ترقی کا دور دورا ہوا۔غزنوی دور قصیدے کے شباب کا دور ہے۔قصیدہ سرائی میں سامانی دور میں رودکی نے جو بنیاد فراہم کی عنصری، فرخی، عسجدی اور منوچہری نے اسے مزید ترقی دی۔زیادہ تر شعرا نے سبک خراسانی میں شاعری کی جبکہ منوچہری نے سبک عرب میں قصیدہ سرائی کی۔مثنوی سرائی میں مسعودی مروزی اور دقیقی نے جو بنیاد سامانی دور میں فراہم کی اس پر فردوسی نے شاہنامہ کی عظیم عمارت کھڑی کی۔فردوسی کے علاوہ اسدی طوسی، عنصری اور اس دور کے دیگر شعرا نے پچاس کے قریب مثنویاں تحریر کیں۔غزنوی دور میں غزل کی کوئی جداگانہ حیثیت نہیں تھی مگر عنصری، فرخی، عسجدی اور منوچہری کے قصیدوں میں موجود تشبیبوں کو غزل کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔اس دور میں ترجیع بند اور ترکیب بند کے نمونے موجود ہیں مگر قطعہ سرائی رواج نہ پا سکی۔مسمط کا آغاز بھی غزنوی دور میں ہوا۔نثر کے اعتبار سے غزنوی دور میں مذہب اور تاریخ کے موضوع پر گرانقدر کتابیں تحریر کی گئیں۔نثر نگاروں نے اپنی تصانیف میں زبان و بیان کی سادگی کو زیادہ اہمیت دی۔

(c) Saljuques

سلجوقی دور میں فارسی ادب

سلجوقیوں کا تعلق ترکمانوں کے ایک قبیلہ سے تھا۔ ان کا نسب ''سلجوق'' نامی ایک شخص سے جا ملتا تھا اور یہ اسی نسبت سے سلجوقی کہلاتے تھے۔ یہ دریائے جیحون کے شمالی حصے میں مقیم تھے۔ ایران میں اسلام کی اشاعت کے بعد سلجوقی ماوراءالنہر میں مسلمان ہو گئے۔ خراسان میں داخل ہونے سے پہلے وہ ماوراءالنہر کے علاقے میں مقیم رہے۔ کچھ عرصہ بعد انھوں نے سلطان محمود غزنوی سے خراسان کے شمالی علاقوں میں رہائش پذیر ہونے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر سلطان محمود ہماری درخواست قبول کر لے تو ہم لشکر کشیوں میں سلطان محمود کا ساتھ دیں گے، آباد سرزمینوں اور شہروں پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔ سلطان محمود نے انھیں وہاں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ کچھ عرصہ بعد انھوں نے خراسان کے دیگر علاقوں میں لوٹ مار شروع کر دی اور تجارتی قافلوں کو بھی لوٹا۔ سلطان محمود نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر اس کی وفات کے بعد سلجوقیوں کے حملوں میں شدت آ گئی۔ ترکمانوں کے کئی اور گروہ اور قبیلے خراسان میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے مسعود غزنوی کی حکومت کے آغاز میں شمالی خراسان کے کئی اہم علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ مرو اور نیشاپور خراسان کے اہم ترین شہر تھے جو سلجوقیوں کے ہاتھ آ گئے۔ نیشاپور فتح کرنے کے ساتھ ہی 429 ہجری میں سلجوقیوں کے پہلے بادشاہ طغرل نے سلجوقی حکومت قائم کر لی۔ مسعود غزنوی نے سلجوقیوں کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر اسے طغرل سے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور سلجوقیوں نے غزنویوں کو مکمل طور پر خراسان سے باہر نکال دیا۔

سلجوقی دور حکومت جس کا آغاز 429 ہجری کو ہوا تھا 590 ہجری تک جاری رہا۔ سلجوقیوں کے اس 161 سالہ دور حکومت میں فارسی نظم و نثر نے خوب ترقی کی۔ اس دور میں صوفیانہ افکار کو فروغ حاصل ہوا اور تصوف کے موضوع پر تالیفات تحریر ہوئیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ علم و ادب کی اس ترقی میں صرف سلجوقی بادشاہوں کی سرپرستی کا عمل دخل نہیں ہے۔ غوریوں، اتابکوں اور خوارزمشاہیوں کی حکومتیں بھی سلجوقیوں کی ہم عصر رہی ہیں اور انھوں نے بھی شاعروں اور نثر نگاروں کی حمایت اور سرپرستی کی ہے۔ یہاں اس دور کے شعرا اور نثر نگاروں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

باباطاہر عریان

باباطاہر عریان پانچویں صدی ہجری میں ہمدان میں رہتے تھے۔ انھوں نے اپنی تمام زندگی درویشانہ انداز میں گزاری۔ جوانی میں سیر و سیاحت کی۔ اصفہان، تبریز اور شیراز گئے اور پھر اپنے شہر ہمدان میں تادم مرگ گوشہ نشین رہے۔ آپ عارف کامل تھے۔ آپ کی رباعیات جنھیں دو بیتیاں بھی کہتے ہیں، ہمدان کی مقامی زبان ''لری'' میں ہیں جو فارسی سے کچھ مختلف ہے۔ آپ نے عربی اور فارسی زبان میں چند رسالے بھی تحریر کیے۔

ابوسعید ابوالخیر

آپ کا مکمل نام ابوسعید فضل اللہ بن شیخ ابوالخیر تھا۔ آپ 357 ہجری بمطابق 967 عیسوی ترکمانستان کے دارالحکومت اشک آباد سے آٹھ کلومیٹر دور میہنہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کی شخصیت پر صوفیانہ عقائد کا گہرا اثر تھا۔ آپ ابوعبدالرحمٰن سلمی کے مرید تھے۔ ابوسعید ابوالخیر کی رباعیات کا ایک مجموعہ 92 رباعیات پر مشتمل ہے جو ایتے نے مختلف تذکروں سے اکٹھی کی ہیں۔ ڈاکٹر نکلسن کے مطابق مطبوعہ رباعیات ابوسعید کی اپنی نہیں ہیں بلکہ دوسروں کی ہیں۔ ابوسعید کے پوتے محمد بن منور نے اپنی کتاب اسرارالتوحید میں تحریر کیا ہے کہ ان کے دادا شاعر نہیں تھے۔ اس لیے اس نے صرف ایک رباعی اور ایک فرد کو ابوسعید کی تصنیف تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے 440 ہجری میں وفات پائی۔

حکیم ناصر خسرو

ناصر خسرو وقبادیانی 394 ہجری میں مرو کے ماتحت علاقے کے ایک گاؤں قبادیان میں پیدا ہوئے۔ تعلیم حاصل کرنے اور قرآن حفظ کرنے کے بعد انھوں نے دبیری کا کام شروع کیا۔ آپ نوجوانی کے دنوں میں مسعود غزنوی کے دربار سے وابستہ ہوئے اور جلد ہی صاحب جاہ و مال بن گئے۔ مسعود کی شکست کے بعد طغرل اور چغری بیگ کے سرکاری کاموں میں مشغول ہوگئے۔ 437 ہجری میں اپنے بھائی ابوسعید کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے اور سات سال تک سفر میں رہے۔ حجاز، شام، مصر اور مغرب گئے۔ 4 بار حج کیا اور تقریباً تین سال مصر میں قیام کیا۔ وہاں فاطمی خلیفہ سے ملاقات ہوئی اور آپ نے اسماعیلی مذہب اختیار کرلیا۔ فاطمی خلیفہ کے حکم پر ''حجت خراسان'' کے لقب کے ساتھ خراسان میں اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کا کام اپنے ذمہ لیا۔ 444 ہجری میں آپ وطن واپس آ گئے۔ اسماعیلی مذہب کی تبلیغ کے باعث لوگ ان کی جان کے دشمن ہوگئے۔ انہوں نے درہ یمگان میں پناہ لی اور وہیں 481 ہجری میں وفات پائی۔

ناصر خسرو کی تصانیف میں ایک ''سفرنامہ'' ہے جو نثر میں فارسی ادب کا سب سے پہلا سفرنامہ ہے۔ اس میں ناصر خسرو کے سات سالہ سفر کے حالات درج ہیں۔ ''دیوان ناصر خسرو'' تقریباً 11048 اشعار پر مشتمل ہے جس میں 278 قصیدے اور 4 رباعیاں ہیں۔ کتاب ''زاد المسافرین'' ناصر خسرو نے 453 ہجری میں اسماعیلی عقائد کے بارے میں تحریر کی۔ ''جامع الحکمتین''، ''گشایش و رہائش، خوان اخوان، وجہ دین، مثنوی روشنائی نامہ اور مثنوی سعادت نامہ بھی حکیم ناصر خسرو کی اہم تصانیف ہیں۔

عمر خیام

عمر بن خیام نیشاپوری ایران کے عظیم حکیم، فلسفی، ریاضی دان، نجومی اور رباعی گو شاعر تھے۔ آپ کا نام عمر، کنیت ابوالفتح، لقب غیاث الدین اور تخلص خیام تھا۔ آپ پانچویں صدی ہجری کے آخر میں (481 ہجری یا 489 ہجری) میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ وہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ترکستان چلے گئے۔ انھوں نے ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں بہت قدر و منزلت پائی۔ آپ کی وجہ شہرت آپ کی رباعیات اور خمریات ہیں۔ عمر خیام نے 530 ہجری میں وفات پائی اور ''حیرہ'' کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ تقویم جلالی، نوروز نامہ، رباعیات (تقریباً ۱۰۰۰) اور کئی رسالے آپ کی تصانیف میں شامل ہیں۔

حکیم سنایی

حکیم ابوالمجد مجدود بن آدم سنایی کا شمار فارسی کے شعر و ادب کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ وہ چھٹی صدی ہجری کے گرانقدر شاعر اور عالی مقام عارف تھے۔ آپ تقریباً 473 ہجری میں غزنہ میں پیدا ہوئے اور وہیں سے علم حاصل کیا۔ سنایی ابتدا میں غزنوی دربار سے وابستہ رہے۔ ان کے دیوان میں سلطان مسعود بن ابراہیم، عین الدولہ بہرام شاہ بن مسعود کی مدح میں کہے گئے قصاید شامل ہیں۔ بعد میں انھوں نے مدح گوئی مکمل طور پر ترک کردی اور درویشی اختیار کرلی۔ ان کے شعروں میں مدح سرائی کی جگہ پند و حکمت نے لے لی۔ آپ ابو یوسف ہمدانی کے مرید تھے۔ کئی سال بلخ، ہرات، سرخس اور نیشاپور میں قیام کے بعد حج کے لیے روانہ ہوئے۔ حج سے واپسی پر خواجہ عمید احمد بن مسعود کے کہنے پر انہوں نے اپنا دیوان مرتب کیا اور گوشہ نشینی میں ''مثنوی حدیقۃ الحقیقۃ'' تحریر کی۔ 532 ہجری میں غزنہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ''حدیقۃ الحقیقۃ'' سنایی کی اہم ترین مثنوی ہے۔ جو 525 ہجری میں مکمل ہوئی اسے ''الٰہی نامہ'' بھی کہتے ہیں۔ اس کے اشعار کی تعداد دس ہزار ہے۔ اسے قدیم ترین عارفانہ مثنوی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ دیوان اشعار سنایی، قصاید، غزلیات، قطعات، رباعیات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس میں چودہ ہزار سے زائد اشعار موجود ہیں۔ مثنوی سیر العباد الی المعاد تقریباً سات سو اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا موضوع خلقت انسان اور اخلاق ہے۔ عقل نامہ، عشق نامہ، کارنامۂ بلخ اور تحریمۃ القلم سنائی کی دیگر مثنویوں کے نام ہیں۔

شیخ فریدالدین عطار

فریدالدین عطار 540 ہجری میں نیشاپور کے ایک گاؤں ''کدکن'' میں پیدا ہوئے۔انھوں نے ابتدا میں اپنے والد کا پیشہ عطاری (دوافروشی) اختیار کیا اور طبابت میں مشغول رہے۔اپنی عمر کے درمیانی حصے میں تصوف کی طرف مائل ہو گئے اور عارف بن گئے۔618 ہجری میں تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔دیوان عطار عارفانہ اور صوفیانہ قصائد اور غزلیات پر مشتمل ہے۔عطار کی اہم ترین اور نمایاں ترین عارفانہ مثنوی ''منطق الطیر'' ہے جو 4600 اشعار پر مشتمل ہے۔ان کی دیگر مثنویوں کے نام الٰہی نامہ، مصیبت نامہ اور اسرار نامہ ہیں۔مختار نامہ ان کی رباعیوں کے مجموعے کا نام ہے۔

انوری

فارسی ادب میں قصیدہ کا پیامبر اوحدالدین علی طوس اور سرخس کے درمیان خاوران کی سرزمین پر میھنہ کے قریب ایک گاؤں ''بدنہ'' میں پیدا ہوئے۔ابتداء میں خاوران کی نسبت سے ''خاوری'' تخلص اختیار کیا۔سلطان سنجر کے دربار سے وابستہ رہے۔انوری کی اصل وجہ شہرت اُن کے قصاید ہیں مگر انھیں بادشاہوں اور بزرگوں کی تعریف کرنے، مناظر فطرت کی منظر کشی اور دشمنوں کی ہجو سرائی میں کمال حاصل تھا۔ان کا دیوان، غزلیات، قصائد، قطعات اور تلخ ہجو پر مشتمل ہے۔انوری نے 583 ہجری میں وفات پائی۔

نظامی گنجوی

فارسی ادب میں عاشقانہ داستان سرائی کے میدان میں سب سے زیادہ تلاش اور کوشش کرنے والے شاعر کا نام ابومحمد الیاس نظامی گنجوی ہے۔آپ آذربائیجان کے شہر گنجہ میں 530 سے 540 ہجری کے درمیان پیدا ہوئے۔والدین بچپن میں فوت ہو جانے کے باعث اپنے ماموں کے پاس پرورش پائی۔آپ نہایت پرہیزگار اور متقی شخص تھے۔614 ہجری میں گنجہ میں وفات پائی۔نظامی گنجوی نے غزلیں اور قصاید کہے اور ان میں حکیم سنائی کی پیروی کی مگر ان کی اصل وجہ شہرت ان کی پانچ مثنویاں: مخزن الاسرار، خسرو و شیرین، لیلیٰ و مجنون، ھفت پیکر یا بہرام نامہ اور اسکندر نامہ ہیں۔یہ پانچ مثنویاں پنج گنج، گنج نامہ یا خمسہ نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔پہلی مثنوی مخزن الاسرار 2260 اشعار پر مشتمل ہے اور تقریباً 570 ہجری میں لکھی گئی۔یہ تعلیمی اور اخلاقی اشعار پر مشتمل ہے۔دوسری مثنوی خسرو و شیرین 576 ہجری میں مکمل ہوئی اور اس کے اشعار کی تعداد 6500 ہے۔اس میں خسرو اور شیریں کی داستان اشعار میں بیان کی گئی ہے۔تیسری مثنوی لیلیٰ و مجنون 4700 اشعار پر مشتمل ہے اور 588 ہجری میں مکمل ہوئی اس میں لیلی اور مجنوں کی مشہور داستان نظم کی گئی ہے۔چوتھی مثنوی ہفت پیکر یا بہرام نامہ یا ہفت گنبد بہرام گور ساسانی کی کہانی ہے جو 593 ہجری میں تحریر کی گئی۔پانچویں مثنوی ''اسکندر نامہ'' کے اشعار کی تعداد 10500 ہے۔جس کے دو حصے شرف نامہ اور اقبال نامہ ہیں۔اس میں شاعر ایک ایسے کردار کو پیش کرتا ہے جو مظلوموں کی حمایت کرتا ہے۔نظامی کو ''منظومہ سرائی'' کا بادشاہ کہتے ہیں۔(منظومہ اس طویل داستان کو کہتے ہیں جو اشعار میں بیان کی جائے)

خاقانی

افضل الدین بدیل (ابراہیم) بن علی خاقانی کا شمار ایران کے مشہور ترین اور درجہ اول کے قصیدہ سراؤں میں ہوتا ہے۔استاد فروزانفر کے بقول خاقانی 520 ہجری میں پیدا ہوئے جبکہ خاقانی نے خود اپنے چند اشعار میں اپنے سال پیدائش کی طرف اشارہ کیا ہے جو 500 ہجری ہے۔خاقانی کی جائے پیدائش شروان شہر ہے۔آپ کے والد علی بڑھئی تھے اور والدہ روم کی عیسائی خاتون تھیں جو بعد میں مسلمان ہو گئیں۔خاقانی نے پہلے اپنا تخلص ''حقایقی'' رکھا۔

شروان کے بادشاہ خاقان منوچہر کے دربار میں پہنچے تو اس کے نام کی نسبت سے اپنا تخلص ''خاقانی'' رکھ لیا۔595 ہجری میں تبریز میں وفات پائی۔ان

کی قبر ''مقبرہ الشعرای سرخاب'' تبریز میں ادیبوں اور صاحب دل لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔ خاقانی کا دیوان سترہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں 106 طویل قصیدے، 110 مختصر قصیدے، 330 غزلیں، 300 رباعیاں، 290 قطعات اور 450 عربی اشعار ہیں۔ یہ دیوان پہلے ہندوستان میں اور پھر تہران میں شایع ہوا۔ خاقانی کی مثنوی ''تحفتہ العراقین'' فارسی ادب کا پہلا منظوم سفرنامہ ہے جو 3200 اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی خاقانی نے 551 ہجری میں حج کے پہلے سفر کے دوران تحریر کی۔ ان کی ایک اور معروف مثنوی کا نام ''ختم الغرائب'' ہے۔ خاقانی کے خطوط کے مجموعے کا نام ''منشات'' ہے۔ یہ خطوط انھوں نے اپنے دور میں دوستوں، بزرگوں اور بادشاہوں کے نام تحریر کیے تھے۔

عبداللہ انصاری، اسدی طوسی، امیر معزی، فخرالدین گرگانی، سنائی، ازرقی، ادیب صابر سیفی، رشید وطواط، اثیر، قوامی رازی، ظہیر فاریابی، جمال الدین اصفہانی، سید حسن غزنوی، سوزنی سمرقندی، فلکی شروانی اس دور کے معروف شاعر ہیں۔

سلجوقی دور کی اہم کتابیں اور نثر نگار

قابوس نامہ

یہ عنصر المعالی کیکاوس کی تحریر ہے جو 475 ہجری میں انھوں نے اپنے بیٹے گیلان شاہ کو نصیحت کرنے کی غرض سے تحریر کی۔ اس میں قدیم ایرانیوں کے آداب و رسوم اور تہذیب و تمدن کی معلومات موجود ہیں۔ یہ کتاب چوالیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا دوسرا نام ''نصیحت نامہ'' ہے۔

سیاستنامہ

یہ کتاب الپ ارسلان اور ملکشاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی کی ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں سلطان ملکشاہ کی فرمائش پر تحریر کی گئی۔ اس کتاب کا دوسرا نام ''سیر الملوک'' ہے اور یہ پچاس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں انبیا کے قصے اور عادل بادشاہوں کی حکایات بھی موجود ہیں۔ اسے نہایت سادہ اور رواں نثر میں تحریر کیا گیا ہے۔

چہار مقالہ

یہ نظامی عروضی سمرقندی کی تصنیف ہے جسے انھوں نے تقریباً 551 ہجری میں تحریر کیا۔ اس کتاب کا اصل نام ''مجمع النوادر'' ہے مگر اس میں موجود دبیری، شاعری، نجوم اور طب کے موضوع پر تحریر شدہ چار مقالوں کے باعث اسے چہار مقالہ کہا جاتا ہے۔ اسے فنی نثر میں تحریر کیا گیا ہے البتہ اس میں موجود حکایات سادہ اور رواں نثر میں ہیں۔ یہ کتاب تاریخی اور ادبی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے۔

کیمیائے سعادت

کیمیائے سعادت امام محمد غزالی کی نہایت مشہور کتاب ہے جو ان کی اپنی شہرہ آفاق عربی کتاب ''احیاء العلوم فی الدین'' کا فارسی زبان میں خلاصہ ہے۔ انھوں نے یہ کتاب پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں مرتب کی۔ کتاب کے مقدمہ کے چار عنوان ہیں: خود شناسی، خدا شناسی، دنیا شناسی اور آخرت شناسی۔ کتاب کے متن کے ''احیاء العلوم'' کی طرح چار ارکان ہیں: عبادات، معاملات، مہلکات اور منجیات۔ اس کتاب کی بنیاد دین پر ہے مگر اسے صوفیانہ نقطۂ نظر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کا موضوع اخلاقیات ہے مگر یہ فلسفہ اور مذہب کا خوبصورت اور لطیف امتزاج ہے۔ امام محمد غزالی کا انداز بیان نہایت سادہ، رواں اور دل کش ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت پرتاثیر ہے۔

کلیلہ ودمنہ بہرام شاہی

کلیلہ ودمنہ کا کچھ حصہ انوشیروان کے حکم سے ساسانی دور میں ہندوستان سے لایا گیا اور اسے فارسی پہلوی میں ترجمہ کیا گیا۔ ہندوستان میں یہ کتاب ''وشنوشرما'' نے سنسکرت زبان میں تحریر کی جو'پنج تنتر'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ دوسری صدی ہجری میں ابن مقفع نے اسے عربی میں ترجمہ کیا۔ سامانی دور میں معروف شاعر رودکی نے اس کا منظوم ترجمہ فارسی میں کیا جس کا کچھ حصہ باقی بچا ہے۔ 536 ہجری میں بہرام شاہ غزنوی کے دبیر ابوالمعالی نصراللہ نے ابن مقفع کے عربی ترجمہ سے اسے فارسی نثر میں ترجمہ کیا۔ البتہ انھوں نے اس میں کچھ چیزوں کا اضافہ بھی کیا۔ اس لیے اسے کلیلہ ودمنہ بہرام شاہی کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں تمثیلیں اور کہانیاں جانوروں کی زبانی بیان کی گئی ہیں۔ کلیلہ اور دمنہ بھی دو گیدڑوں کے نام ہیں جو اس کتاب کی ایک کہانی کے کردار ہیں۔

مرزبان نامہ

چوتھی صدی ہجری کے اختتام پر مازندران کے سپہ سالار مرزبان بن رستم نے کلیلہ ودمنہ کے انداز میں نصیحت آموز تمثیلات اور داستانوں پر مشتمل انسانوں اور جانوروں کی زبانی مازندرانی زبان ''طبری'' میں ایک دلچسپ کتاب تحریر کی تھی جسے بعد میں سعدالدین ورامینی نے فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ ورامینی کی یہ کتاب ''مرزبان نامہ'' نو ابواب، ایک مقدمہ اور ایک ذیل (اختتام) پر مشتمل ہے۔ انھوں نے بعض حکایات فارسی میں نقل نہیں کیں۔ یہ درحقیقت طبری زبان کی کتاب ''مرزبان نامہ'' کا فارسی خلاصہ ہے اور ''مصنوع نثر'' کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ (مصنوع کا لفظی مطلب ہے بنائی گئی)۔

تذکرۃ الاولیاء

فریدالدین عطار نے یہ کتاب اولیا اور صوفیا کے حالات زندگی پر سادہ اور عارفانہ نثر میں چھٹی صدی ہجری کے اختتام پر تحریر کی۔ اس میں 96 اولیا اور مشائخ کا ذکر موجود ہے۔ کتاب کی زبان سادہ اور شیریں ہے۔

مجمل التواریخ

اس کتاب کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ کتاب میں موجود معلومات سے یہ بات معلوم ہوتی کہ مصنف کا تعلق ہمدان یا اسدآباد سے تھا۔ اس نے سلطان سنجر سلجوقی کے عہد میں 520 ہجری میں تاریخ کے موضوع پر یہ کتاب تالیف کی۔ اس میں عربی الفاظ کم استعمال کیے گئے ہیں۔

ان کے علاوہ مقامات حمیدی، سندباد نامہ، سمک عیار، تاریخ برامکہ، فارس نامہ، حدائق السحر، راحۃ الصدور، تاریخ بخارا، روضات الجنان، بیان الادیان، طبقات صوفیہ، اسرارالتوحید، نوروز نامہ، ذخیرہ خوارزم شاہی، لغت فُرس، زین الاخبار اور ترجمان البلاغہ سلجوقی دور کی اہم کتابیں ہیں۔

سلجوقی دور میں فارسی ادب کا مختصر جائزہ

سلجوقی دور حکومت میں فارسی زبان وادب کو بہت ترقی حاصل ہوئی۔ اس دور میں فارسی ادب کو نشوونما پانے کا سازگار ماحول فراہم ہوا۔ سلجوقی بادشاہ ادب دوست، شعر پرور اور علم نواز تھے۔ نہ صرف بادشاہ بلکہ وزرا اور امراء شاعری کی حوصلہ افزائی اور قدردانی کرتے تھے۔ بادشاہی درباروں کے علاوہ شاعری خانقاہوں تک پہنچی جس سے شاعری کو مزید فروغ حاصل ہوا۔ سلجوقی دور میں فارسی ادب، خراسان تک محدود نہ رہا بلکہ ہمدان کے علاقے تک پھیل گیا۔ سامانی اور غزنوی دور میں قصیدہ سرائی کو ترقی حاصل ہوئی مگر سلجوقی دور میں انوری، خاقانی اور ظہیر فاریابی جیسے قصیدہ گو عظیم شاعروں نے اسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ عمر خیام کے باعث سلجوقی دور میں رباعی بھی شہرت کی بلندیوں کو چھوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ سلجوقی دور سے پہلے سبک خراسانی کا دور دورہ تھا۔ مگر اسی دور میں ایک نئی سبک کا آغاز عمل میں آیا جسے سبک عراقی کہتے ہیں۔ شاعروں کے کلام میں فکری گہرائی پیدا ہوئی۔ نئی صنف شعری مستزاد کا آغاز اسی دور میں ہوا۔ نثر کے میدان میں قابوس نامہ، سیاستنامہ، کیمیای سعادت اور چہار مقالہ جیسی علمی وادبی کتابیں سلجوقی دور میں تحریر کی گئیں۔

(d) Mangols

منگول یا ایلخانی دور

تاریخی پس منظر

651 ہجری (1253ء) میں ہلاکو خان نے ایران پر حملہ کیا۔ اس سے پہلے بھی منگولوں نے ایران پر حملہ کیا تھا مگر اس وقت حملہ آور چنگیز خان تھا اور یہ حملہ خوارزم شاہیوں پر کیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں 628 ہجری میں آخری خوارزمشاہی بادشاہ جلال الدین کی کردستان کے پہاڑوں میں وفات کے بعد خوارزمشاہیوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ اس دفعہ ہلاکو خاں نے قلعہ الموت کا محاصرہ کیا۔ اسماعیلیوں کے آخری تاجدار رکن الدین خورشاہ کی شکست کے بعد ہلاکو خاں نے بغداد کا رخ کیا آخری عباسی خلیفہ مستعصم کو شکست دینے کے بعد بغداد پر قبضہ کرلیا۔ عباسیوں کی پانچ سو سالہ خلافت 656 ہجری میں ختم ہوگئی۔ ایلخانیوں نے ایران پر تقریباً 651 ہجری (1253ء) سے 736 ہجری (1336ء) تک حکومت کی۔ اس دور کے نامور حکمران ہلاکو خاں (651 تا 663 ہجری)، آباقاخان (663 تا 680 ہجری)، احمد تکودار (680 تا 683 ہجری)، ارغون (683 تا 690 ہجری)، غازان خان (694 تا 703 ہجری) اور ابوسعید (716 تا 736 ہجری) تھے۔ ان کی اپنی زبان منگولی تھی اور فارسی سے نا آشنا تھے۔ صحرانشین ہونے کے باعث انہیں شعروادب سے دلچسپی نہیں تھی البتہ یہ خواہش رکھتے تھے کہ ان کا نام اور خاندان کے کارنامے دنیا میں زندہ رہیں۔ اس لیے انہوں نے تاریخ نویسی کے لیے مؤرخین کی حوصلہ افزائی کی۔

ایلخانی دور کے اہم شعراء

مولانا روم

جلال الدین 6 ربیع الاول 604 ہجری (7 اکتوبر 1207ء) کو بلخ میں پیدا ہوئے۔ بلخ اس وقت خوارزمشاہی دورِ حکومت کا ایک نمایاں شہر تھا اور اب افغانستان میں قرار واقع ہے۔ ان کے والد بہاء الدین ولد نامور واعظ، عالم اور ''سلطان العلما'' کے نام سے معروف تھے۔ ان کے واعظوں کا مجموعہ اب تک باقی ہے اور ''معارف بہاء ولد'' کے عنوان سے تہران سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کے بلخ چھوڑنے کے حوالے سے مختلف روایات ہیں۔ خوارزم شاہ سے اختلاف کے باعث یا ایلخانیوں کے حملے کے خطرے سے وہ بلخ چھوڑ کر حج کو روانہ ہوگئے۔ اس سفر میں نوجوان جلال الدین بھی ان کے ہمراہ تھے۔ جب نیشاپور پہنچے تو مولانا کے والد ان کے ہمراہ اس وقت کے صوفی شاعر فریدالدین عطار سے ملنے گئے۔ جہاں فریدالدین نے مولانا کو اپنی کتاب ''اسرارنامہ'' کا ایک نسخہ دیا۔ حج کے بعد اس خاندان نے قونیہ میں سکونت اختیار کرلی۔ اپنے والد کی وفات پر مولانا چوبیس سالہ نوجوان تھے۔ وہ مریدوں کی درخواست پر اپنے والد کی مسند تدریس اور منبر وعظ پر بیٹھ گئے۔ آپ نے ایک عالم دین اور مفتی کی حیثیت سے شہرت پائی۔ 26 جمادی الثانی 642 ہجری (6 دسمبر 1244ء) کو مولانا کی ملاقات شمس تبریز سے ہوئی جس نے مولانا کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ شمس تبریز نے اس عالم دین کو سرگشتہ عاشق بنا دیا اور وہ درس و تدریس اور وعظ کو چھوڑ کر شمس تبریز کا گرویدہ ہو بیٹھے۔ اہل قونیہ کے اعتراض پر شمس تبریز وہاں سے خاموشی سے چلے گئے اور مولانا نے ان کے ہجر اور فراق میں جذبات اور احساسات سے لبریز غزلیں کہیں۔ یہ غزلیں دیوان شمس تبریز کی صورت میں موجود ہیں۔ مولانا نے 4 جمادی الثانی 672 ہجری (23 دسمبر 1273ء) کو قونیہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ قونیہ اس وقت ترکی میں قرار واقع ہے۔

مولانا کی تصانیف

دیوان شمس تبریز

دیوان شمس تبریز کا دوسرا نام ''دیوان کبیر'' ہے۔ استاد بدیع الزمان فروزان فر کے نسخے کے مطابق غزلیات دیوان شمس کے اشعار کی تعداد تقریباً 36360 ہے۔ اکثر غزلوں میں مولانا نے اپنا تخلص لانے کی بجائے شمس کا تخلص استعمال کیا ہے۔ ان غزلیات میں کہیں خوشی اور سرور اپنے عروج پر پہنچا دکھائی دیتا ہے تو کہیں غم کی اتھاہ گہرائیاں دکھائی دیتی ہیں اور یہ دونوں ایک عاشق کی علامتیں ہیں۔

مثنوی معنوی

یہ مثنوی تقریباً 26000 اشعار اور 6 دفاتر پر مشتمل ہے۔ شہرت اور مقبولیت کے اعتبار سے فارسی ادب کی کوئی کتاب اس کے ہم پلہ نہیں ہے۔ یہ مثنوی ایک سرگشتہ روح کی داستان ہے جو اپنے معشوق حقیقی سے جدا ہو کر بے قراری اور اضطراب کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ اس مثنوی میں مولانا نے عظیم ترین اخلاقی اور عارفانہ نکات نہایت خوبصورت اور آسان ترین شکل میں بیان کیے ہیں۔

رباعیات

مولانا کی رباعیات کا وہ مجموعہ جو 1312 ہجری میں استنبول سے شائع ہوا اس میں رباعیات کی تعداد 1659 اور استاد بدیع الزمان فروزانفر کے مرتب کردہ نسخے میں رباعیات کی تعداد 1983 ہے۔

فیہ مافیہ

یہ مولانا کی فارسی تقاریر کا مجموعہ ہے جو ان کے بیٹے بہاء الدین (سلطان ولد) نے مولانا کے ایک مرید کی مدد سے شائع کیا۔ نثر کی اس کتاب کا دوسرا نام ''اسرار الجلالیہ'' ہے۔

مجالس سبعہ

فارسی نثر کی یہ کتاب مولانا کی سات مجالس کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں مولانا کے وہی ارشادات اور نکات تحریر کیے گئے ہیں جو وہ منبر پر بیان کیا کرتے تھے۔

مکاتیب

یہ مولانا کے 144 خطوط کا مجموعہ ہے جو انہوں نے مختلف اوقات میں علماء، صوفیا، بادشاہوں اور وزیروں کو تحریر کیے تھے۔

سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

ابو محمد مشرف الدین مصلح بن عبداللہ 606 ہجری (1209ء) کو شیراز کے ایک عالم فاضل گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مصلح الدین محمد عبداللہ سے حاصل کی اور بعد میں 621 ہجری میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ تعلیم حاصل کرنے اور کچھ عرصہ اسی مدرسہ میں تدریس کرنے کے بعد آپ نے سیر و سیاحت کا سلسلہ شروع کیا جو تیس سال سے زیادہ عرصہ تک جاری رہا۔ سعدی شیرازی کا شمار نہ صرف ایران بلکہ دنیا بھر کے عظیم شاعروں اور نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہیں غزل کا امام کہا جاتا ہے۔ سعدی نے غزل کو وہ اہمیت بخشی جس کا پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انہوں نے اخلاق

کے موضوع پر ایک مثنوی تحریر کی جسے بوستان کہتے ہیں۔سعدی کی شہرت شاعری سے زیادہ نثر کے میدان میں ہے اور ان کی کتاب ''گلستان'' کے باعث ہے۔
691 ہجری کو سعدی شیرازی کا سال وفات قرار دیا جاتا ہے اور آپ کا مزار شیراز میں ہے۔

تصانیف

کلیات سعدی

کلیات سعدی 650 غزلیات، 700 عربی و فارسی قصاید اور ان کے علاوہ ملمات، ترجیعات، مثلثات، رباعیات اور مثنویات پر مشتمل ہے۔

بوستان

بوستان کا دوسرا نام سعدی نامہ ہے اور یہ ایک دیباچہ اور دس ابواب پر مشتمل اخلاقیات کے موضوع پر مثنوی ہے۔سعدی نے اسے 655 ہجری میں مکمل کر کے ابوبکر بن سعد بن زنگی کے نام منسوب کیا۔

گلستان

یہ کتاب 656 ہجری میں تحریر کی گئی۔اس شہرہ آفاق کتاب کی نثر کو اشعار سے مزین کیا گیا ہے۔یہ 8 ابواب پر مشتمل ہے۔سعدی نے اسے اتابک مظفر الدین سعد بن ابوبکر کے نام منسوب کیا۔اس کا موضوع بھی اخلاقیات ہے۔

فخر الدین عراقی

ایران پر منگولوں کے حملے سے قبل 610 ہجری (1213ء) میں فراھان کے قصبوں میں سے ایک قصبے کُمجان کے ایک عالم گھرانے میں بچہ پیدا ہوا جس کا نام ابراہیم رکھا گیا۔یہ بچہ بڑا ہو کر نامور شاعر بنا اور عراقی کے نام سے شہرت پائی۔انہوں نے بچپن اور جوانی کا دور ہمدان اور اصفہان میں گزارا اور علم و معرفت میں مشغول رہے۔اس کے بعد عراقی ملتان چلے گئے اور تقریباً پچیس سال خواجہ بہاء الدین زکریا کی خدمت میں رہے۔انہوں نے اپنی بیٹی کا نکاح فخر الدین عراقی سے کر دیا جس سے ان کا ایک بیٹا بھی ہوا۔اس کے بعد وہ دمشق چلے گئے اور وہیں 688 ہجری (1289ء) میں وفات پائی۔

تصانیف

دیوان عراقی: دیوان عراقی میں تقریباً پانچ ہزار شعر قصیدہ، غزل، ترانہ، قطعہ اور مثنوی کے قالب میں موجود ہیں۔غزلوں کی مقدار اور ان کی تاثیر دیگر اشعار کی نسبت زیادہ ہے۔

عشاق نامہ: اس کا دوسرا نام دہ نامہ ہے۔اس میں مثنوی کے قالب میں اشعار اور سنائی کی مثنوی حدیقۃ الحقیقہ کے وزن پر چند غزلیں ہیں۔

لمعات: عراقی نے لمعات کے نام سے نثر اور نظم کی ایک کتاب عرفان اور عارفانہ سیر و سلوک کے موضوع پر تحریر کی۔عراقی کی شاعری اور نثر دونوں گرم اور دلپذیر ہیں۔ان کا کلام سادہ، استوار اور پر تاثیر ہے۔

خواجوی کرمانی

کمال الدین ابوالعطا محمود بن علی بن محمود مرشدی کرمانی آٹھویں صدی ہجری کے نامور شاعر اور عارف ہیں۔ان کا تخلص خواجو ہے۔وہ 689 ہجری (1290ء) میں کرمان میں پیدا ہوئے۔انہوں نے بچپن اور جوانی کرمان میں گزاری اور اس دور کے وہاں کے مدرسوں میں علم حاصل کیا۔بعد میں

سیر وسیاحت کا سلسلہ شروع کیا۔کعبہ کی زیارت کے علاوہ شام، بیت المقدس، عراق، عرب وعجم اور خلیج فارس کے جزائر کا سفر کیا۔ 750 ہجری (1349ء) میں شیراز میں وفات پائی اور وہیں قرآن دروازہ کے قریب تنگ اللہ اکبر کے مقام پر دفن ہوئے۔خواجوی کرمانی فارسی غزل اور مثنوی کے معروف شاعر ہیں۔فارسی کے عظیم شاعر حافظ شیرازی نے غزل سرائی میں خواجوی کرمانی کی تقلید کی ہے اور انہیں اپنا استاد مانا ہے۔ان کی غزلوں میں سادگی، روانی، لطافت اور زبان و بیان کی شائستگی نمایاں ہے۔

تصانیف

دیوان خواجوی کرمانی

یہ دیوان غزلیات، قصاید، قطعات، ترجیعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔اور اسے دو حصوں صنایع الکمال اور بدایع الجمال میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مثنویات

یہ ان چھ مثنویوں کا مجموعہ ہے جنہیں مختلف اوزان میں تحریر کیا گیا ہے: سام نامہ، ھمای ھمایون، گل ونوروز، روضۃ الانوار، کمال نامہ اور گوھر نامہ۔

سہ مناظرہ

خواجوی کرمانی کے منثور آثار میں "سہ مناظرہ" سب سے اہم ہے۔ان مناظروں کی نثر کو اشعار سے مزین کیا گیا ہے۔

شیخ محمود شبستری

شیخ محمود شبستری ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے صوفی شاعر تھے۔ان کا تعلق ایران کے علاقے آذربائیجان سے تھا اور وہ 687 ہجری (1288ء) میں تبریز کے نواحی علاقے شبستر میں پیدا ہوئے۔متوسط اور اہل دین خاندان سے تعلق تھا۔اپنے آبائی علاقے میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور بعد میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے تبریز آ گئے۔تبریز میں اپنے زمانے کے مشہور عالم کے طور پر معروف ہوئے۔ان کی شہرت کا دائرہ آذربائیجان سے نکل کر پورے ایران تک پھیل گیا۔شیخ شبستری کے بقول وہ شعر کہنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے مگر ساتویں صدی کے نامور شاعر صوفی امیر حسینی ھروی نے شیخ شبستری سے اشعار کی صورت میں تصوف کے سوال پوچھے تو آپ نے ان کا جواب شعروں ہی میں دیا اور یوں ان اشعار کا مجموعہ "گلشن راز" کی صورت میں سامنے آیا۔ بیسویں صدی کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ محمد اقبال نے اپنی ایک مثنوی کا نام "گلشن راز جدید" رکھا۔شیخ شبستری نے سعادت نامہ اور شاہد نامہ کے عنوان سے دو اور منظومے بھی تحریر کیے۔ان میں بھی انہوں نے شاعر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

ان شاعروں کے علاوہ سلمان ساوجی، ہمام تبریزی، اوحدی مراغی اور مجد ہمگر وغیرہ ایلخانی دور کے معروف شاعر ہیں۔

ایلخانی دور کی نثر

تاریخ جہانگشای جوینی

یہ ایلخانی دور کی نہایت اہم تاریخ کی کتاب ہے جسے عطا ملک جوینی نے تحریر کیا۔عطا ملک 654 ہجری (1256ء) میں ہلاکو خاں سے متعارف ہوئے اور اس کے بعد ان کا شمار منگولوں کے نزدیکی افراد میں ہونے لگا۔نوجوانی سے دربار میں دبیر کی حیثیت سے کام کیا۔عطا ملک بغداد کی لشکرکشی میں ہلاکو خاں کے

همراہ تھے۔بغداد کی فتح کے ایک سال بعد کچھ عرصہ کے لیے ایلخانیوں کی جانب سے بغداد،عراق اور خوزستان کے حاکم رہے۔ان کے عہد میں بغداد کی تعمیر نو کا کام انجام پایا۔تاریخ جانگشا میں چنگیز خاں کو جہانگشا کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔پہلا حصہ چنگیز خاں کے دور سے چغتائی دور تک،دوسرا خوارزم شاہیوں سے جلال الدین تک اور تیسرا اسماعیلیوں کے قلعوں کی فتوحات کے بارے میں ہے۔یہ تاریخ دشوار اور فنی نثر کا خوبصورت نمونہ ہے۔اس میں عربی لغات اور منگولی کلمات کثرت سے استعمال ہوئے ہیں۔اس کا شمار فارسی نثر کی اہم کتابوں میں ہوتا ہے۔

تاریخ وصاف

یہ تاریخ شرف الدین عبداللہ شیرازی نے تحریر کی ہے جن کا لقب ''وصاف الحضرہ'' تھا۔اس کتاب کا اصل نام ''تجزیۃ الامصار وتزجیۃ الاعصار'' ہے مگر یہ تاریخ وصاف کے نام سے مشہور ہوئی۔پانچ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کی تالیف کا کام 699 ہجری (1300ء) میں شروع ہوا۔اس میں منگولوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔انداز بیان تاریخ جہانگشا جیسا ہے خاصا مشکل اور پیچیدہ۔یہ کتاب فنی اور مصنوعی نثر کا نمونہ ہے۔تاریخی لحاظ سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ملک الشعرا بہار نے تاریخ وصاف کی تعریف کی ہے اور اسے فنی نثر کا آخری اور نمایاں نمونہ قرار دیا ہے۔

تاریخ گزیدہ

اس کتاب کے مولف حمداللہ مستوفی قزوین شہر کے رہنے والے تھے اور اپنے دور کے عظیم مورخ اور انشا پرداز تھے۔وہ جوانی سے عدالتی کاموں پر مامور رہے۔انہوں نے تین اہم کتابیں تحریر کیں: نزھۃ القلوب۔یہ فارسی نثر میں جغرافیہ کی کتاب ہے۔ظفر نامہ،اشعار میں عرب وعجم کی تاریخ ہے۔تاریخ گزیدہ دراصل تاریخ عالم کا خلاصہ ہے جسے خواجہ غیاث الدین محمد نے 730 ہجری میں مکمل کیا۔اس کتاب میں عمومی تاریخ،تاریخ اسلام اور تاریخ ایران مولف کے دور تک موجود ہے۔تاریخ گزیدہ،تاریخ جہانگشا اور تاریخ وصاف کی طرح پیچیدہ اور دشوار تو نہیں ہے مگر تاریخ بیہقی جیسی سادہ اور رواں بھی نہیں ہے۔

گلستان

اخلاقیات کے موضوع پر سعدی شیرازی نے آٹھ ابواب پر مشتمل کتاب ''گلستان'' 656 ہجری میں تحریر کی۔اس میں سعدی نے اپنی زندگی کے تمام تجربات کا نچوڑ نہایت سادہ اور دلکش انداز میں حکایات کی صورت میں پیش کیا ہے۔انہوں نے نثر میں تحریر کی گئی اس کتاب میں موقع کی مناسبت سے اشعار بھی تحریر کیے ہیں۔یہ کتاب مسجع نثر کا شاہکار ہونے کے باوجود تکلف اور تصنع یعنی بناوٹ سے پاک ہے۔ایران میں گلستان کے اکثر جملے ضرب الامثال کا درجہ حاصل کر گئے ہیں۔تقریباً آٹھ سو سال گزرنے کے باوجود اس کتاب کی شہرت میں کمی نہیں آئی۔صدیوں سے یہ کتاب برصغیر میں نصابی کتاب کے طور پر پڑھائی جارہی ہے۔سعدی شیرازی بنیادی طور پر ایک شاعر تھے اس لیے گلستان کی بہت سی عبارتوں میں عروضی وزن دکھائی دیتے ہیں۔

جامع التواریخ

اسے خواجہ رشید الدین فضل اللہ ہمدانی نے تحریر کیا ہے۔اس کا دوسرا نام تاریخ غازانی ہے۔خواجہ رشید الدین نے طبابت کے شغل کے ذریعے ایلخانی دربار تک رسائی حاصل کی اور آہستہ آہستہ وزارت کے عہدے تک جا پہنچے۔انہوں نے غازان خان کے حکم پر 702 ہجری (1303ء) میں یہ عجیب کتاب تحریر کرنا شروع کی۔یہ دنیا کی عمومی تاریخ ہے۔مولف نے اسے تحریر کرنے کی غرض سے دربار میں موجود چینی،تاتاری،فرنگی اور یہودی فضلاء سے مدد لی۔اس کتاب کے تاریخ ایران کے حصے میں انہوں نے تاریخ طبری،راحۃ الصدور اور تاریخ جہانگشا کو مدنظر رکھا۔مجموعی طور پر یہ کتاب سادہ نثر میں تحریر کی گئی ہے۔

فیہ مافیہ

یہ کتاب مولانا جلال الدین رومی کے ان خطبوں اور تقاریر پر مشتمل ہے جو وہ اپنے مریدوں کو دیا کرتے تھے۔فارسی نثر میں تحریر کی گئی اس کتاب کا دوسرا

نام ''اسرار الجلالیہ'' ہے۔مولانا کے فرزند بہاء الدین المعروف سلطان ولد نے مولانا کے ایک مرید کی مدد سے شائع کی۔ یہ کتاب شکل، ترتیب اور تنظیم کے اعتبار سے مولانا کے والد کی کتاب ''معارف'' سے شباہت رکھتی ہے۔اس کتاب کی نثر سادہ، رواں اور قابل فہم ہے۔اس میں مولانا نے عارفانہ اور صوفیانہ مقدمات نہایت سادہ زبان میں پیش کیے ہیں۔اس کی نثر بہت دلکش ہے اور جذباتی رنگ رکھتی ہے۔اہل عرفان کے ہاں اس کتاب کو اہم مقام حاصل ہے۔

اخلاق ناصری

اسے ہلاکو خان کے وزیر خواجہ نصیر الدین طوسی نے تحریر کیا اور اس کا موضوع تہذیب واخلاق ہے۔اس میں اسمٰعیلی عقاید کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ تحریر میں عربی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور جملے لمبے ہیں۔خواجہ نصیر الدین طوسی، مسکویہ کا مقلد قرار دیا جاتا ہے مگر پھر بھی فارسی زبان میں تہذیب نفس کے موضوع پر فلسفیانہ انداز میں لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب ہے۔اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ بعد میں اس کتاب کی تقلید میں اخلاق محسنی اور اخلاق جلالی جیسی اہم کتابیں تحریر کی گئیں۔

ان کتابوں کے علاوہ تاریخ بناکتی، مجمع الانساب، تجارب السلف، مرصاد العباد، مناقب العارفین، مقالات شمس تبریزی، خلاصۃ المناقب وغیرہ اس دور کی اہم نثری کتابیں ہیں۔

ایلخانی دور کے ادب کی مجموعی صورتحال

ساتویں صدی ہجری میں چنگیز خان کی قیادت میں بے رحم منگولوں نے عالم اسلام بالخصوص ایران اور وسطی ایشیا کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔اس کے بعد ہلاکو خان نے بھی وحشت، بربریت، قتل وغارت اور لوٹ مار کی ایسی تاریخ رقم کی کہ لوگ علم وادب اور دانش وحکمت کی باتیں چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی باتیں کرنے لگے۔شاہی درباروں میں فارسی شعروادب کی سرپرستی ختم ہوگئی۔غزنوی اور سلجوقی دور میں قصیدے کا قالب اپنے عروج کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ منگولوں کے حملوں کے بعد زوال کا شکار ہوگیا۔ایلخانی دور میں رودکی، عنصری، فرخی، انوری اور خاقانی جیسا کوئی قصیدہ سرا دکھائی نہیں دیتا۔قدرت نے اس دور میں ایسی شخصیات بھیجیں جنھوں نے ایرانیوں کے مجروح دلوں پر مرہم رکھا۔ان میں نمایاں ترین مولانا روم اور سعدی شیرازی ہیں۔

ایلخانی دور میں مولانا روم نے فارسی شاعری کی تاریخ کی اہم ترین مثنوی ''مثنوی معنوی'' تحریر کی۔سعدی شیرازی نے فارسی ادب کی نثر کی شاہکار کتاب ''گلستان'' تحریر کی، اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے مثنوی بوستان اور شیخ شبستری نے مثنوی ''گلشن راز'' پیش کی۔اس دور میں قصیدے کے زوال پذیر ہونے کے باعث غزل ترقی کی منازل طے کرنے لگی۔غزل سرائی میں مولانا روم، سعدی شیرازی، خواجوی کرمانی اور فخر الدین عراقی نے بڑا نام کمایا اور سعدی شیرازی نے غزل کا امام ہونے کا درجہ پایا۔رباعی، مرثیہ اور قطعہ کی حیثیت برقرار رہی۔قصیدے کی بنیادی حیثیت ختم ہونے اور غزل کے نشوونما پانے کے باعث سبک عراقی رواج پا گیا۔شاہی درباروں میں فارسی شاعری کی سرپرستی ختم ہوجانے کے باعث شاعری خانقاہوں تک جا پہنچی۔اخلاقی موضوع کی شاعری اور نثر رواج پا گئی۔اپنے نام اور کارناموں کو دنیا میں زندہ رکھنے کے لیے ایلخانیوں نے تاریخ نویسی کی حوصلہ افزائی کی۔فارسی ادب میں آیات، احادیث اور تاریخی واقعات کا ذکر بڑھ گیا۔عشق مجازی میں شاعری کی گئی مگر عشق حقیقی کا رنگ غالب رہا۔شعروشاعری صرف وزراء اور امراء تک محدود نہ رہی بلکہ عام لوگوں تک پہنچ گئی اور اخلاقی وعرفانی موضوعات کو پہلی بار زیادہ اہمیت دی گئی۔

(e) Taimurids

تیموری دور کا ادب

تاریخی پس منظر

ایران پر تیموریوں کی حکومت تقریباً 141 سال (771 تا 912 ہجری) برقرار رہی۔ اس حکومت کا بانی تیمور تھا جو تیمور لنگ کے نام سے مشہور تھا۔ تیمور سمرقند کے نواح میں پیدا ہوا اور دعویٰ کیا کہ اس کا تعلق چنگیز خان کی نسل سے ہے۔ ایک جنگ میں زخمی ہو جانے کے باعث وہ لنگڑا کر چلتا تھا اس لیے ''تیمور لنگ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ تیمور نے سب سے پہلے بلخ شہر فتح کیا اور اس کے بعد چند سال تک اپنی سلطنت بڑھانے کے لیے ماوراء النہر میں جنگ لڑتا رہا۔ اس کے بعد اس کے حملوں کا سلسلہ دوسرے شہروں تک پہنچ گیا۔ اس نے نہ صرف ایران پر قبضہ کیا بلکہ ہندوستان پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان لشکر کشیوں سے اس کا سب سے بڑا مقصد اپنی جائے پیدائش سمرقند کو عظیم بنانا تھا۔ وہ دوسری سرزمینوں پر ہر حملے کے بعد ان جگہوں کو تباہ و برباد کر دیتا مگر صنعت کاروں، معماروں، دانشمندوں، ہنرمندوں کو سمرقند روانہ کر دیتا۔ لوٹ مار سے جو دولت ہاتھ آتی اسے سمرقند کی آرائش و زیبائش اور نظام آبپاشی کو بہتر کرنے کے لیے خرچ کرتا اور ماوراالنہر میں جدید آبادیاں بساتا، تیمور کے بعد اس دور کے نمایاں فرمانروا شاہرخ، اُلغ بیگ اور سلطان حسین بایقرا تھے۔

تیموری دور کے اہم شعراء

عبید زاکانی

عبید زاکانی آٹھویں صدی ہجری کے معروف شاعر، نثر نگار، نقاد اور نکتہ پرداز تھے۔ قزوین میں پیدا ہوئے۔ زاکانیان خاندان سے نسبت کے باعث زاکانی کہلائے۔ ان کے خاندان کا تعلق عرب قبیلے خفاجہ سے تھا جنہوں نے ہجرت کر کے قزوین کے قریب سکونت اختیار کی۔ دربار میں دبیر کے عہدے پر فائز رہے۔ دبیر ہونے کے ساتھ خوشخطی کا ہنر بھی جانتے تھے۔ عبید زاکانی طنز پرداز اور ہجوگو شاعر کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ معاشرے کے دکھ اور درد اپنے شعروں میں بیان کرتے تھے اور معاشرتی برائیوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔

تالیفات

عبید زاکانی کی تالیفات نظم و نثر دونوں میں موجود ہیں۔ ان کی شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: سنجیدہ شاعری اور طنز آمیز شاعری۔ دیوان عبید زاکانی سنجیدہ قصاید، غزلیات، ترجیعات، قطعات، رباعیات اور مثنوی ''عشاق نامہ'' پر مشتمل ہے اور اشعار کی تعداد تین ہزار کے قریب ہے۔ ان کی طنز آمیز شاعری ایک تمثیلی حکایت ''موش و گربہ'' (چوہا اور بلی) ہے۔ نثر میں ان کی طنز آمیز تحریریں اور رسالے یہ ہیں: اخلاق الاشراف، صد پند، رسالہ دلگشا، رسالہ تعریفات وغیرہ۔

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی فارسی ادب کے گلستان کا وہ بلبل ہے جو لسان الغیب کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ 726 ہجری (1326ء) کو شیراز میں پیدا ہوئے اور 792 ہجری (1390ء) کو شیراز میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ حافظ کی شہرت کی اصل وجہ ان کی غزلیات کا دیوان ہے جو تقریباً 500

غزلوں پر مشتمل ہے اور اسے محمد گل اندام نے مرتب کیا ہے۔اس کے علاوہ حافظ معروف شاعر، عظیم عارف اور سلجھے ہوئے انسان تھے۔ وہ شعر کہتے وقت اس ہستی کے خالق کے خیال میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ شعر پڑھنے والے کو اپنے ساتھ آسمانی کی بلندیوں پر لے جاتے ہیں۔ حافظ کے کلام میں عشق مجازی اور عشق حقیقی شانہ بشانہ دکھائی دیتے ہیں۔ یہی ابہام اور ایہام حافظ کی شاعری کا حاصل ہے۔

عبدالرحمٰن جامی

''خاتم الشعراء'' عبدالرحمٰن جامی نویں صدی ہجری کے نامور شاعر تھے۔ وہ 817 ہجری (1414ء) جام کے ماتحت علاقہ کے ایک گاؤں خرجرد میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں والد کے ساتھ ہرات آئے اور اس شہر میں سکونت اختیار کر لی، جامی نے اپنی زندگی کے ادوار علم ودانش میں صرف کیے۔ اس کے باوجود کہ ان کا شمار اپنے زمانے کے معروف ترین علماء اور شعراء میں ہوتا تھا انہوں نے اپنی سادہ زندگی ہرگز نہیں چھوڑی۔ وہ 898 ہجری (1493ء) میں تقریباً 81 سال کی عمر میں وفات پا گئے اور ہرات میں مقبرہ سعد الدین کاشغری میں دفن ہوئے۔ مولانا جامی کی تالیفات میں ایک اہم تالیف ''ھفت اورنگ'' ہے جو ان سات مثنویوں پر مشتمل ہے: سلامان وابسال، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، یوسف وزلیخا، لیلیٰ ومجنون اور خردنامہ اسکندری۔ جامی کا دیوان قصاید اور پرمعنی عارفانہ غزلیات پر مشتمل ہے۔ قصاید میں انہوں نے فرخی، انوری اور خاقانی کی پیروی کی اور غزل میں سعدی اور حافظ کی تقلید کی۔ مولانا جامی نے نثر میں معروف کتاب ''بہارستان'' تحریر کی جو انہوں نے سعدی شیرازی کی کتاب ''گلستان'' کی پیروی میں لکھی۔

سلمان ساوجی

جمال الدین سلمان ساوجی کا شمار آٹھویں صدی ہجری کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔ اسی صدی کے آغاز میں وہ ساوہ شہر میں پیدا ہوئے۔ ان کی غزلیں بہت اعلیٰ پایہ کی ہیں۔ انہیں عاشقانہ افکار کے بیان اور عارفانہ اشعار تحریر کرنے میں خاص مہارت حاصل تھی۔ غزل سرائی میں ان کا مقام اتنا بلند ہے کہ کافی عرصہ تک دیوان حافظ کی بعض غزلیں ان کے دیوان میں اور بعض ان کی غزلیں دیوان حافظ میں موجود رہیں لیکن سبک شناس اور فارسی شعر کے استادان کو صحیح طور پر نہ پہچان سکے۔ ساوجی کا دیوان غزلیات، قصاید، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ دیوان کے علاوہ بھی ان کے چند شعری مجموعے ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں: بدایع الاسحار، جمشید وخورشید اور فراقنامہ۔

ابن یمین

فارسی شاعری میں ابن یمین کی شہرت قطعہ گو شاعر کی حیثیت سے ہے۔ ان کے قطعات میں تندی اور تلخی نمایاں ہے۔ ان کا قلم معاشرتی موضوعات پر بہت زیادہ روانی سے چلتا ہے۔ شعروں کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔ ان کے قطعات تیموری دور کی معاشرتی منظر کشی کرتے ہیں۔

کمال خجندی

عارفانہ غزل کے معروف شاعر کمال خجندی کا تعلق تیموری دور سے ہے اور وہ خجند کے مقام پر پیدا ہوئے۔ اسی نسبت سے خجندی تخلص پایا۔ ان کے شعروں کی زبان سادہ، رواں اور دلچسپ ہے۔

تیموری دور میں فارسی نثر

تیموری دور کو فارسی تاریخ نویسی کا سنہری دور کہا جاتا ہے کیونکہ اس دور میں بھی ایلخانی دور کی طرح تاریخ نویسی کو خاصا عروج حاصل ہوا۔ اس دور کی چند اہم کتابیں یہ ہیں:

ظفر نامہ شامی

یہ نظام الدین شنب غازانی (جو نظام شامی کے نام سے معروف تھے) کی تحریر کردہ تاریخ ہے۔ یہ امیر تیمور کے بارے میں قدیم ترین تاریخ ہے۔ اس کی نثر سادہ ہے اور شامی نے اس کتاب کے مقدمے میں تحریر کیا ہے کہ خود امیر تیمور نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے سادہ (زبان) میں لکھوں تاکہ عام لوگ سمجھ سکیں۔

ظفر نامہ تیموری

شرف الدین علی یزدی نے 828 ہجری (1425ء) میں تاریخ کی کتاب ظفر نامہ شامی کو مدنظر رکھ کر تیموری تاریخ کی اس کتاب کو مفصل تر تحریر کیا ہے۔ یہ کتاب جہان گشای جوینی کی تقلید میں فنی نثر میں تحریر کی گئی۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تاریخی اعتبار سے معروف کتابوں روضۃ الصفا اور حبیب السیر میں بہت سے مطالب اور حتیٰ عبارات ظفر نامہ تیموری سے اقتباس اور نقل کیے گئے ہیں۔

مطلع السعدین

یہ تیموری بادشاہوں کی تاریخ ہے جسے کمال الدین عبدالرزاق نے سادہ اور رواں نثر میں تحریر کیا۔ تاریخی مطالب کے لحاظ سے یہ کتاب تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔

زبدۃ التواریخ

یہ کتاب تاریخ کے موضوع پر حافظ ابرو نے تحریر کی ہے جو تیموری اور شاہرخی دور کے مورخ تھے۔ انہوں نے آفرینش زمان سے لے کر تیموری دور تک کی تاریخ قلمبند کی ہے جس میں تسلسل اور تاریخی واقعات کا خیال رکھا ہے۔ اس کا شمار تیموری دور کی اہم تواریخ میں ہوتا ہے۔ حافظ ابرو نے تاریخ کے موضوع پر چند اور کتابیں بھی تحریر کیں جن کے نام یہ ہیں: جامع التواریخ (تاریخ رشیدی) اور مجمع التواریخ۔ یہ کتابیں سادہ اور رواں نثر میں تحریر کی گئی ہیں۔

مجمل فصیحی

مجمل فصیحی کے مصنف فصیح خوانی ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا نام مجمل التواریخ ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں ہر سال رونما ہونے والے واقعات کو تاریخ کی کتابوں کی مدد سے قلمبند کیا ہے۔ کتاب کے مقدمہ کے علاوہ سارا متن سادہ اور رواں نثر میں تحریر کیا گیا ہے۔

تذکرۃ الشعرا

دولتشاہ سمرقندی نے 892 ہجری میں تذکرۃ الشعرا تحریر کیا جس میں پرانے شاعروں سے لے کر اپنے ہم عصر شاعروں تک کے حالات زندگی قلمبند کیے۔ محمد سدید الدین عوفی کے تذکرہ لباب الالباب کے بعد فارسی زبان کا قدیم ترین تذکرہ ہے۔ البتہ ملک الشعراء بہار کے بقول دولتشاہ سمرقندی کا تذکرہ چھوٹی بڑی تاریخی اور ادبی غلطیوں سے خالی نہیں ہے۔ مصنف نے شاعروں کے حالات زندگی قلمبند کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا نمونہ کلام پیش کیا ہے اور ان کی شاعری پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔

بہارستان

عبدالرحمٰن جامی نویں صدی ہجری کے معروف شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ نثر نگار بھی تھے۔ انہوں نے اخلاقیات کے موضوع پر سعدی شیرازی کی کتاب گلستان کی تقلید میں فارسی نثر کی کتاب ''بہارستان'' تحریر کی۔ اس کتاب کی نثر گلستان سے زیادہ سادہ ہے۔ گلستان کی طرح اس کے بھی آٹھ باب ہیں اور اسی کے انداز میں اپنا مفہوم واضح کرنے کے لیے حکایات کو آیات قرآنی، احادیث اور اشعار سے مزین کیا ہے۔ کتاب کی زبان رواں اور سلیس ہے۔

بہارستان کو گلستان جتنی شہرت میسر نہیں آئی۔

نفحات الانس

مولانا جامی نے سادہ فارسی نثر میں اپنے دور تک کے 611 عارفوں اور صوفیوں کے حالات زندگی تحریر کیے ہیں۔ درحقیقت یہ کتاب خواجہ عبداللہ انصاری کی کتاب طبقات الصوفیہ کا ترجمہ اور اقتباس ہے۔

اخلاق جلالی

اس کتاب کا اصل نام لوامع الاشراق فی مکارم الاخلاق ہے جسے علامہ جلال الدین دوانی نے تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کو ان تین عنوانات کے تحت (تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدن) تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ اخلاق ناصری اور اخلاق محسنی کے طرز پر تحریر کی گئی ہے۔ اخلاق جلالی کو تہذیب اخلاق اور تہذیب نفس کے موضوع پر تحریر شدہ نیم فلسفیانہ کتابوں میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ فلسفیانہ ہونے کے بعد اس کا اسلوب قدرے دشوار ہے اور اس میں عربی الفاظ کثرت سے استعمال کیے گئے ہیں۔

المعجم

کتاب کا پورا نام المعجم فی معاییر شعر العجم ہے جسے شمس الدین محمد بن قیس رازی نے تحریر کی۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ فن عروض سے متعلق ہے اور دوسرا علم قافیہ اور نقد شعر کے بارے میں ہے۔ یہ اپنے موضوع کی جامع ترین کتاب ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے یہ کتاب سادہ ہے مگر عربی الفاظ کثرت سے موجود ہیں۔

انوار سہیلی

حسین واعظ کاشفی نے یہ کتاب کلیلہ ودمنہ کی پیروی میں لکھی ہے۔ درحقیقت مولف نے کلیلہ ودمنہ کو آسان زبان میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں جانوروں کی زبانی اصول اخلاق اور سیاسیات بیان کیے گئے ہیں۔ کلیلہ ودمنہ کی تقلید میں بہت سی کتابیں تحریر کی گئیں ان میں انوار سہیلی کا مقام نمایاں ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ یہ کتابیں بھی تیموری دور کی اہم کتب ہیں: لوائح، اشعۃ اللمعات، فتوت نامہ، اخلاق محسنی، لطائف الطوائف، روضۃ الشہدا، ریش نامہ، اخلاق الاشراف وغیرہ۔

تیموری دور کے فارسی ادب کا مجموعی جائزہ

تیموری دور میں قتل وغارت اور پریشان حالی کے باوجود فارسی ادب کا دامن مزید وسیع ہوا۔ حافظ شیرازی اور مولانا جامی جیسے روشن ستاروں نے اس دور کے ادب کو اپنے بابرکت نور سے منور کیا۔ ایلخانی دور میں خانقاہی نظام کو تقویت حاصل ہوئی اور یہ سلسلہ تیموری دور میں بھی جاری رہا۔ ادبیات کی تاریخ میں پہلی مرتبہ لوگوں کے مسائل اور مشکلات خاص طور پر اخلاقی برائیاں فارسی شعر اور نثر میں تنقید کا نشانہ بنائی گئیں۔ قصیدہ جو ایلخانی دور میں انحطاط کا شکار ہو رہا تھا۔ اس کی اہمیت مزید کم ہو گئی اور وہ غزنوی اور سلجوقی دور جیسی اہمیت دوبارہ حاصل نہ کرسکا۔ کوئی بادشاہ ایسا نہ تھا جو دربار میں شاعری کی حوصلہ افزائی کرے۔ بعض شاعروں نے قصیدے تو کہے لیکن ان میں بے باکی اور مبالغہ آرائی موجود نہ تھی۔ البتہ حافظ شیرازی کے باعث فارسی غزل اپنے معراج کو پہنچی۔ حقیقت میں تیموری دور کی مقبول ترین صنف سخن یہی غزل ہے۔ تمام شاعروں نے اسی صنف سخن میں خوبصورت ترین شعر کہے ہیں۔ مثنوی نے بھی اپنے وجود کی اہمیت

کو منوایا۔ اس دور کے سب سے بڑے مثنوی سرا مولانا عبدالرحمٰن جامی ہیں۔ تمام شاعروں نے رباعیاں بھی لکھیں مگر رباعی میں کوئی شاعر خیام، باباطاہر عریان یا ابوسعید ابوالخیر کے پایہ تک نہ پہنچ سکا۔ قطعہ گوئی بھی رواج پا گئی اور ''ابن یمین'' کے قطعات نے بہت شہرت سمیٹی۔ مرثیہ سرائی بھی جاری رہی اور مرثیہ غزل کی شکل میں لکھا گیا۔ تیموری دور میں شاعری پر سبک عراقی کا رنگ نمایاں رہا۔ اس دور میں فارسی نثر کے عمدہ نمونے تحریر کیے گئے اور ان کے موضوعات میں بھی نمایاں اضافہ دیکھنے میں آیا۔

(f) Safvids

عہد صفوی میں فارسی ادب

شاہ اسماعیل صفوی 907 ہجری (1501ء) میں قزلباشوں کی مدد سے آذربائیجان پر قبضہ کر کے تبریز پہنچا اور رسمی طور پر تاج گزاری کی رسم ادا کر کے ایران کا بادشاہ بن گیا۔ صفویوں کی حکومت 907 ہجری سے 1135 ہجری تقریباً 228 سال قائم رہی۔ اس دور میں ایران میں سیاسی استحکام آیا۔ شیعہ مذہب کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا اور سنیوں پر بے پناہ مظالم کیے گئے۔ دربار سے شعرا کی سرپرستی ختم ہوگئی اور انھیں قصیدہ سرائی کی بجائے منقبت سرائی، مدح اہل بیت اور مرثیہ گوئی کی طرف رغبت دلائی گئی۔ اس بارے میں ایک واقعہ مشہور ہے کہ جب محتشم کاشانی نے ماضی کی روایات کے مطابق بادشاہ تہماسب (طہماسپ) صفوی کا قصیدہ کہا تو اس نے کہا: میں اس بات پر راضی نہیں کہ شاعر میری تعریف اور ستائش کے لیے لب کشائی کریں، بہتر ہے کہ حضرت علیؓ اور اماموں کی شان میں قصیدے پڑھیں اور اپنا انعام ان کی ارواح مقدس سے اور پھر اس کے بعد ہم سے لیں۔

اس لیے جو شعرا اماموں کی ستائش اور مذہب کی ترویج کے علاوہ کسی موضوع پر شعر کہتے ان کے لیے صفوی بادشاہوں کے دل میں کوئی جگہ نہ بنتی۔ ان کے اس رویے کے باعث ایران کے شاعروں نے ہندوستان کے مغلیہ درباروں کا رخ کیا جہاں انھیں بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ مغلیہ سلاطین شاعروں کا احترام کرتے تھے اور خود بھی شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اپنے اس ذاتی ذوق اور شعر دوستی کے باعث شاعروں کو اپنے درباروں میں جگہ دیتے تھے اور ان پر نوازشات کی بارش کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ہندوستان میں انگریزوں کی آمد تک جاری رہا۔

صفوی دور کے معروف شعراء

فغانی شیرازی

فغانی شیرازی کا شمار ایران کے دسویں صدی ہجری کے معروف غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ انھوں نے حافظ، صائب اور کلیم کی سبک میں ایک توازن قائم کیا۔ انھیں ''حافظ کوچک'' یعنی چھوٹا حافظ بھی کہتے ہیں۔ ان کی غزلیات سادہ، سوزناک اور پرتاثیر ہیں۔ فغانی کو اس دور کے نئے اسلوب یعنی ''سبک ہندی'' کا بانی کہتے ہیں۔ ہندوستان میں عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری، غالب اور ایران میں محتشم کاشانی، وحشی بافقی، طالب آملی اور شفائی اصفہانی جیسے بڑے شاعروں نے فغانی کی طرز پر شعر کہے۔ دسویں صدی ہجری کے اکثر شاعر ان کی پیروی کرتے تھے۔ صائب تبریزی نے انھیں ''آتشین دم'' کا نام دیا۔ وہ فغانی کے بارے میں کہتے ہیں:

از آتشین دمان بہ فغانی کن اقتدا
صائب اگر تتبع دیوان کس کنی

بابا فغانی کے مخالف ان کے اشعار کو طنزاً ''بدفغانیانہ'' کہتے تھے۔ ان کی زندگی کا زیادہ عرصہ شیراز، تبریز اور ہرات میں گزرا۔

وحشی بافقی

ان کا اصل نام شمس الدین (یا کمال الدین) محمد بافقی ہے۔ 939ہجری میں یزد کے قریب ایک شہر بافق میں پیدا ہوئے۔ معلوم نہیں کہ اس نازک دل، پر احساس اور سوز و گداز سے لبریز شعر کہنے والے اس شاعر نے اپنا نام ''وحشی'' کیوں انتخاب کیا۔ انھوں نے اپنی زندگی کا کچھ حصہ کاشان میں مکتب دار کی حیثیت سے گزارا۔ پھر یزد آئے اور اسی شہر میں شاعری کرتے رہے۔ 991ہجری میں وفات پائی اور یزد میں دفن ہوئے۔

ان کے زمانے میں نظامی گنجوی کے انداز میں مثنوی سرائی کا سلسلہ جاری تھا۔ وحشی بافقی نے بھی نظامی گنجوی کے انداز میں دو مثنویاں: خلد برین اور ناظر و منظور، تحریر کیں۔ انھوں نے شاہ تہماسب اور یزد کے دیگر حکام اور امراء کی شان میں قصیدے بھی کہے لیکن ان کی زیادہ شہرت ان کی پر سوز و گداز غزلیات کے باعث ہے۔ ان کی ایک ادھوری مثنوی کا نام ''فرہاد و شیرین'' ہے جسے بعد میں وصال شیرازی نے مکمل کیا۔

محتشم کاشانی

محتشم کاشانی کا نام کمال الدین ہے اور وہ کاشان میں کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، شعر و شاعری سے انھیں بہت دلچسپی تھی۔ شاہ تہماسب کی تخت نشینی پر ایک مدحیہ قصیدہ میں بادشاہ کی تعریف کی تو اس نے شیعہ اماموں کی منقبت شعروں میں بیان کرنے کی ترغیب دی۔ اس طرح محتشم کاشانی نے دینی اشعار کہنا شروع کیے۔ انھیں ''پدر مرثیہ سرائی''، یعنی مرثیہ سرائی کا باپ کہا جاتا ہے۔ ان کا معروف مرثیہ ''دوازدہ بند'' واقعہ کربلا کے بارے میں ہے جو اب بھی محرم کی عزاداری کی مجالس میں پڑھا جاتا ہے۔ محتشم کاشانی کی زیادہ شہرت مرثیہ اور منقبت سرائی کے باعث ہے۔ بنیادی طور پر وہ قصیدہ گو اور مدح سرا شاعر ہیں۔ ''جلالیہ'' کے نام سے ان کی غزلیات کا مجموعہ بھی ہے۔

کلیم ہمدانی (کلیم کاشانی)

میرزا ابو طالب کلیم جو بعد میں ''طالبا'' کے نام سے معروف ہوئے، 990ہجری (1582ء) میں ہمدان میں پیدا ہوئے۔ چونکہ ایک عرصہ کاشان میں مقیم رہے اس لیے انھیں کلیم کاشانی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ وہ کچھ عرصہ شیراز میں بھی رہے۔ مغل بادشاہ جہانگیر کے دور میں ہندوستان آ گئے اور بعد میں شاہ جہان کے دور میں اس کے دربار کے ''ملک الشعراء'' کا عہدہ حاصل کیا۔ وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں مثنوی فتوحات شاہ جہانی تحریر کرنے پر مامور ہوئے اور بادشاہ کی اجازت سے کشمیر میں اقامت اختیار کی اور 1061ہجری (1651ء) میں کشمیر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

کلیم کی شہرت ان کی غزلیات کے باعث ہے۔ ان کا شمار سبک ہندی کے استاد شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کی غزلوں میں ضرب الامثال، ہندی الفاظ اور عام محاورے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے کلام کی ایک اہم خصوصیات برجستگی ہے۔ اپنی غزلوں میں گوناگوں قسم کی مضمون آفرینی کے باعث انھیں ''خلاق المعانی ثانی'' کا لقب دیا گیا ہے۔

صایب تبریزی

میرزا محمد علی صایب 1016 ہجری (1607ء) کو اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ''صایب'' اور ''صایبا'' کے نام سے شہرت پائی۔ ان کے والد میرزا عبدالرحیم کا تعلق تبریز سے تھا اور وہ تجارت کی غرض سے اصفہان منتقل ہو گئے۔ صایب نے بھی پہلے اپنے والد کی طرح تجارت کو اپنا پیشہ بنایا۔ آپ تجارت یا سیاحت کی غرض سے ہندوستان روانہ ہوئے۔ راستے میں کابل کے حاکم ظفر خان احسن کے پاس رہے اور پھر وہاں سے شاہ جہان کے دربار کا رخ کیا۔ وہ سات سال سفر میں رہنے کے بعد اپنے وطن واپس آ گئے اور اصفہان میں شاہ عباس دوم کی خدمت میں پہنچے اور اس کے دربار میں ''ملک الشعرا'' کا عنوان حاصل کیا اور اس بادشاہ کا عہد ختم ہونے تک زندہ رہے۔ ان کی عمر کے آخری دو تین سال فراغت میں گزرے۔ انھوں نے 1086ہجری (1675ء) میں

وفات پائی اور اصفہان کے ایک باغ میں جواب ''قبر آ قا'' کے نام سے موسوم ہے، دفن ہوئے۔

صایب کے اشعار کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔ آج جو باقی موجود ہیں وہ اس کے نصف سے بھی کم ہیں۔ ان کے اشعار، مثنویوں، قصائد اور غزلیات پر مشتمل ہیں۔ مثنویاں ''قندھار نامہ'' اور ''محمود وایاز'' کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ نے بادشاہوں کی شان میں مدحیہ شاعری کی ہے اور اماموں کی منقبت بھی لکھی ہے لیکن ان کی شاعری کا شاہکار ان کی غزلیات ہیں جن میں عرفان، حکمت اور معنی آفرینی دکھائی دیتی ہے۔

ان کے علاوہ حکیم شفائی، ہلالی چغتائی، زلالی خوانساری اور ہاتف اصفہانی کا تعلق بھی صفوی دور کے شعرا سے ہے۔

صفوی دور کی نثر اور نثر نگار

صفوی دور میں سرکاری سرپرستی نہ ہونے کے باعث شاعری کے ساتھ ساتھ نثر بھی نسبتاً زوال پذیر رہی اور گزشتہ ادوار کے مقابلے میں نثر کی بہت کم کتابیں تحریر کی گئیں۔ اس دور کی چند اہم کتابیں یہ ہیں:

خواند میر کی کتابیں

غیاث الدین محمد شیرازی جو ''خواند میر'' کے نام سے مشہور تھے، ان کا تعلق تیموری دور کے آخری حصہ سے ہے جبکہ وہ صفوی کے دور حکومت میں بھی چند سال زندہ رہے۔ انھوں نے 941 ہجری میں وفات پائی۔ ان کی سب سے اہم کتاب ''حبیب السیر'' ہے۔ یہ کتاب 6 جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آغاز آفرینش سے لے کر شاہ اسماعیل صفوی کی عمر کے آخری حصے یعنی 930 ہجری تک کے اہم واقعات شامل کیے گئے ہیں۔ تاریخی مطالب کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں بزرگان ادب کے احوال و آثار بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی زبان سادہ اور دل پذیر ہے۔ خواند میر کے نانا ''میر خواند'' نے ایک کتاب ''روضۃ الصفا'' تحریر کی تھی۔ خواند میر نے اپنی کتاب ''خلاصۃ الاخبار'' میں ''روضۃ الصفا'' کی تلخیص پیش کی ہے اور اس میں ساتویں جلد کا اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح دستور الوزرا اور مکارم اخلاق، خواند میر کی نیم تاریخی کتابیں ہیں۔

عالم آرای عباسی

صفوی دور کی ایک اور مشہور تاریخ کا نام ''تاریخ عالم آرای عباسی'' ہے جو شاہ عباس بزرگ کے دور میں 1038 ہجری میں تحریر کی گئی۔ اس کتاب کا مصنف اسکندر بیگ ہے جو شاہ عباس کے دور میں دربار کا منشی تھا۔ اس کتاب میں شاہ عباس کبیر کے دور حکومت کے تاریخی واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

تذکرہ نصر آبادی

محمد طاہر نصر آبادی کی تصنیف ہے جو 1083 ہجری میں مکمل ہوئی۔ اس میں فارسی شاعروں کے احوال و آثار اور ان کے کلام کے نمونے پیش کیے گئے ہیں۔ مصنف نے بعض جگہوں پر اپنی ناقدانہ رائے بھی تحریر کی ہے جس سے اس کتاب کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

تذکرہ ہفت اقلیم

یہ کتاب امین احمد رازی نے گیارہویں صدی ہجری کے آغاز میں تحریر کی۔ اسے فارسی شعرا کے ایک اہم تذکرے کا درجہ حاصل ہے۔ مصنف نے شاعروں کے احوال و آثار کے ساتھ ساتھ ان کے کلام کے نمونے بھی تحریر کیے ہیں۔ کتاب کا اسلوب سادہ اور دلکش ہے۔

تحفہ سامی

یہ کتاب شاہ اسماعیل صفوی کے بیٹے سام میرزا کی تصنیف ہے۔ اس میں نویں صدی ہجری سے لے کر دسویں صدی ہجری کے آخر تک کے شعرا کے

احوال وآثار بیان کیے گئے ہیں۔ یہ تقریباً سات سو شعرا کا تذکرہ ہے جس میں ان کے کلام کے نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں۔

صفوی دور میں فارسی ادب کا مختصر جائزہ

صفوی بادشاہوں کے درباروں میں شعراء کی سرپرستی ختم ہوگئی۔ ملک الشعراء کا عہدہ دربار سے ختم کر دیا گیا۔ قصیدہ سرائی کی جگہ اہل بیت کی مدح سرائی اور مرثیہ گوئی نے لے لی۔ شاعری کی بجائے فن تعمیر، مصوری خطاطی اور نقاشی پر توجہ دی گئی۔ اسی دور میں ایرانی شعراء نے برصغیر میں مغلیہ درباروں میں اپنی جگہ بنائی۔ محتشم کاشانی اور حکیم شفائی کے مراثی مقبول ہوئے۔ غزل میں خیال بندی کا عنصر غالب آیا اور سبک ہندی کا آغاز ہوا۔ نثر کے میدان میں تاریخ نویسی، انشاء اور مکاتیب نویسی کا کام جاری رہا۔ مذہبی کتابیں، داستانیں، تذکرے اور تفاسیر تحریر کی گئیں۔

(g) Qajars

قاچاری دور میں فارسی ادب

تاریخی پس منظر

کریم خان زند کی وفات کے بعد تقریباً دس سال ایران میں حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی کشمکش چلتی رہی۔ اس دوران آقا محمد خان قاچار نے اپنے مخالفین کا سر کچلنے کے لیے گرگان میں فوجی طاقت حاصل کر لی۔ زند کے آخری بادشاہ لطفعلی (لطف علی) خان نے چند سال آقا محمد خان قاچار کا مقابلہ کیا۔ آخر کار آقا محمد خان کو فتح حاصل ہوئی اور لطفعلی خان کے قتل سے قاچاری حکومت تشکیل دینے کی راہ ہموار ہوگئی۔ 1210 ہجری (1795ء) میں آقا محمد خان کی رسم تاجپوشی تہران میں منعقد ہوئی۔ قاچاری دور حکومت (1344 ہجری یعنی 1925ء تک) تقریباً 130 سال پر محیط ہے۔ فتحعلی شاہ، محمد شاہ، ناصرالدین شاہ اور مظفرالدین شاہ قاچاری دور کے اہم بادشاہ تھے۔

ایران کی سیاسی اور ادبی تاریخ میں مختلف جہتوں سے قاچاری دور کو اہمیت حاصل ہے۔ اس دور میں ایران پر غیر ملکیوں یعنی روسیوں اور فرانسیسیوں کے تسلط میں اضافہ ہوا۔ نئی صنعتیں قائم ہوئیں۔ ایران کے اہل یورپ سے گہرے روابط قائم ہوئے۔ نئے اخبار اور رسائل شائع ہونے کے باعث لوگوں میں تحریک پیدا ہوئی۔ ناصرالدین شاہ قاچار کے دور میں شروع ہونے والی تحریک مشروطیت ناصرالدین شاہ قاچار کے دور میں کامیابی سے اپنے منطقی انجام کو پہنچی۔ فارسی شعروادب میں ان سیاسی تبدیلیوں کے اثرات مرتب ہوئے۔ اس طرح قاچاری دور فارسی ادب کے لیے ایک نئے عہد کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

قاچاری دور کے اہم شعرا

فتحعلی خان صبا

فتحعلی (فتح علی) خان صبا سبک بازگشت کے نمایاں ترین شاعر تھے۔ وہ 1211 ہجری (1796ء) کو کاشان میں پیدا ہوئے۔ ان کی اپنی جائے پیدائش کاشان اور اسی طرح قم میں صباحی اور اس کے دوستوں کے ساتھ نزدیکی روابط تھے۔ جس کے زیر اثر وہ قدیم شاعروں کی سبک کی جانب مائل ہوئے۔ کچھ عرصہ اصفہان، شیراز اور یزد کی سیر و سیاحت میں مشغول رہے۔ 1833ء میں قاچاری بادشاہ فتح علیشاہ (فتح علی شاہ) نے انہیں ملک الشعرا کا عنوان دیا۔ بعد میں کچھ عرصہ کے لیے صبا کو قم اور کاشان کی حکومت بھی سونپی۔ تقریباً 63 سال کی عمر میں 1276 ہجری (1859ء) کو تہران میں وفات پائی اور یہیں

دفن ہوئے۔ صبا نے مثنوی، قصیدہ اور غزل میں طبع آزمائی کی۔ ان کا دیوان تقریباً 16500 اشعار پر مشتمل ہے۔ جن میں زیادہ تر غزلیں اور قصیدے ہیں۔ شاعری میں انہوں نے صباحی اور آذر کے مکتب کی پیروی کی۔ خداوندنامہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کی دلیری اور حضرت علیؓ کی مذہبی جنگوں کے واقعات اشعار کے پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ مثنوی عبرت نامہ فتحعلی شاہ کی مدح میں تحریر کی۔ بوستان سعدی کی تقلید میں مثنوی گلشن صبا لکھی۔ شاہنامہ کے وزن پر بحر منقارب میں شہنشاہ نامہ تحریر کیا۔ جس میں فتحعلی شاہ کے دور حکومت کے واقعات اور روسی سپاہیوں کے ساتھ عباس مرزا کی جنگوں کے واقعات قلمبند کیے۔

قاآنی

مرزا حبیب قاآنی شیراز کے علاقے کے نامور ترین شاعروں میں سے ہیں۔ 1223 ہجری (1808ء) میں ایران کے شاعر پرور شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں اپنا تخلص ''حبیب'' رکھا۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے خراسان کے مرکزی شہر مشہد گئے۔ خراسان میں شہزادہ حسنعلی (حسن علی) مرزا کی صحبت میسر آئی۔ اس کی صحبت میں ''قاآنی'' تخلص رکھ لیا۔ بعد میں خاقان کی خدمت میں تہران آ گئے۔ خاقان کی وفات کے بعد حاجی مرزا آقاسی کی خدمت میں رہے اور ''حسان العجم'' کا لقب پایا۔ قاآنی شاید قاچاری دور کے پہلے شاعر ہیں جو مغربی زبانوں: فرانسیسی اور انگریزی سے آشنائی رکھتے تھے۔ لیکن اس آشنائی کا کوئی اثر ان کی شعر و شاعری میں دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ انہوں نے زراعت اور کھیتی باڑی کے موضوع پر لکھی گئی ایک فرانسیسی زبان کی کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ 5 شعبان 1270 ہجری (3 مئی 1854ء) کو تقریباً 47 سال کی عمر میں وفات پائی۔ دیوان قاآنی میں 20,000 سے زائد اشعار موجود ہیں جو غزلیات، مسمطات، قطعات اور قصائد پر مشتمل ہیں۔ لیکن وہ صنف سخن جس نے سب سے زیادہ شہرت بخشی وہ قصیدہ ہے۔ انہوں نے قصیدہ سرائی میں انوری، معزی اور خاقانی کی پیروی کی۔ ان کی شاعری میں قومی داستانیں اور روایات دکھائی دیتی ہیں۔ جبکہ فلسفیانہ اور عارفانہ رنگ بہت کم ہے۔ قاآنی نے گلستان کی تقلید میں فارسی نثر میں کتاب تحریر کی جس کا نام پریشان ہے۔

سروش اصفہانی

مرزا محمد علی سروش اصفہانی 1228 ہجری (1813ء) میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تربیت اپنے والد سے حاصل کی۔ انہیں بچپن سے ہی شعر و شاعری کا شوق تھا۔ اصفہان سے قم اور پھر قم سے کاشان ہجرت کی۔ انہیں ناصر الدین شاہ قاچار کے دربار سے شمس الشعراء کا لقب حاصل ہوا۔ سروش اصفہانی کو قصیدہ، فتحنامہ، مثنوی اور مرثیہ سرائی میں مہارت حاصل تھی۔ 1285 ہجری (1868ء) میں وفات پائی۔ ان کے ایک شعری مجموعے کا نام شمس المناقب ہے۔ جس میں انہوں نے پیغمبر اکرم ﷺ اور آئمہ اطہار کی ستائش کی ہے۔ ان کے ایک اور شعری مجموعے کا نام روضۃ الانوار ہے جس کا موضوع فاجعۂ کربلا ہے۔ سروش نے قصیدہ سرائی میں قدیم شعراء انوری، فرخی اور معزی کو مدنظر رکھا۔

قرۃ العین

قرۃ العین طاہرہ کا اصل نام ابوسلمہ فاطمہ لقب زریں تاج اور تخلص طاہرہ تھا۔ وہ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد اپنے دور کے عالم تھے۔ ان کی شادی بھی ایک عالم ملا محمد قزوینی سے ہوئی۔ زیادہ عرصہ میکے رہیں اور بالآخر نوبت طلاق پر پہنچی۔ انہیں فن خطابت میں کمال حاصل تھا۔ بابی تحریک کے بانی سید علی محمد باب سے متاثر ہو کر بابی تحریک میں شامل ہو گئیں۔ ان کے فن خطابت کے زور سے بہت سے لوگ بابی تحریک میں داخل ہوئے۔ علی محمد باب نے اسے قرۃ العین کا لقب عطا کیا۔ باب کے قتل کے بعد اس دور کے علماء نے اسے بھی واجب القتل قرار دیا۔ مگر قاچاری بادشاہ ناصر الدین شاہ نے دو سال کوشش کی کہ طاہرہ تائب ہو کر اس کی ملکہ بن جائے مگر وہ نہ مانی۔ بالآخر 1268 ہجری (1852ء) میں اسے قتل کر دیا گیا۔ قرۃ العین فارسی کی عظیم شاعرہ ہیں اور انہیں غزل سرائی میں اہم مقام حاصل ہے۔ علامہ محمد اقبال نے اپنے شعری مجموعے جاوید نامہ میں قرۃ العین کی ایک غزل شامل کی ہے جو اسے خراج تحسین پیش

کرنے کے لیے کافی ہے۔شاعری میں قرۃ العینینے صنائع بدائع کا استعمال نہایت مہارت سے کیا ہے۔ملمع گوئی میں بھی ان کو کمال حاصل ہے۔ان کی شاعری میں دلکشی، روانی، سلاست، پختگی موجود ہے مگر عربی کلمات اور تراکیب کثرت سے دکھائی دیتی ہیں۔

وصال شیرازی

قاجاری دور کے قصیدہ سرا اور مداح شاعروں میں سے ایک عظیم شاعر کا نام وصال شیرازی ہے۔1193 ہجری (1779ء) کو شیراز میں پیدا ہوئے اور 1262 ہجری (1846ء) میں وفات پائی۔وصال کا شمار تحریک بازگشت ادبی کے نمایاں شاعروں میں ہوتا ہے۔غزل سرائی میں انہوں نے سعدی اور حافظ کی پیروی کی جبکہ قصیدہ میں فرخی اور انوری کی تقلید کی۔شاعری کے علاوہ انہوں نے حکمت، موسیقی، کلام، عروض اور احادیث نبوی کی تفسیر پر رسالے تحریر کیے اور گلستان کی سبک پر کتاب ''صبح وصال'' مرتب کی۔شاہنامہ کی تقلید میں مثنوی بزم وصال بھی تحریر کی۔

نشاط اصفہانی

مرزا عبدالوہاب نشاط اصفہانی 1175 ہجری (1762ء) میں اصفہان کے ایک صاحب حشمت خاندان میں پیدا ہوئے۔یہ بھی تحریک بازگشت ادبی کے نمایاں شاعروں میں سے ہیں۔نشاط کی شاعری قصیدے اور غزل پر محیط ہے۔ان کو شعر کہنے میں کمال حاصل تھا۔شاعری کے علاوہ فن خطاطی میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ان کی شاعری میں سادگی اور روانی کے ساتھ ساتھ پختگی کا عنصر موجود ہے۔نشاط نے 1244 ہجری (1828ء) میں وفات پائی۔

ایرج مرزا

ایرج مرزا 1291 ہجری (1874ء) میں تبریز میں نامور شاعر غلامحسین (غلام حسین) مرزا کے گھر پیدا ہوئے۔غلامحسین کا شمار قاجاری دور کے شہزادوں میں ہوتا تھا۔علمی ادبی ماحول میں پرورش پائی۔عربی، فارسی اور فرانسیسی زبان سیکھی۔والد کی وفات کے بعد وزارتِ ثقافت میں ملازمت اختیار کی اور بعد میں کسٹم اور دیگر محکموں میں مشغول رہے۔قاجاری بادشاہ مظفرالدین نے ایرج مرزا کو صدرالشعرا کا لقب عطا کیا۔مجموعی طور پر ایرج مرزا کا تعلق حسب نسب کے اعتبار سے بادشاہوں کے ساتھ تھا۔لیکن ان کے اشعار گلی اور بازار کے عام لوگوں کے لیے تھے۔انہوں نے اپنے آپ کو دربار اور سلاطین کی خدمت کے لیے وقف نہیں کیا اور ہمیشہ اس کام سے دور رہے۔ایرج مرزا نے اپنے کلام میں معاشرتی برائیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔مثلاً منافقت، دھوکہ دہی، تعصب، خرافات اور بری عادات وغیرہ۔آپ کے اشعار سادہ اور رواں ہیں۔آپ کی زیادہ شہرت قطعات کے حوالے سے ہے۔1343 ہجری (1925ء) میں وفات پائی۔

عارف قزوینی

ابوالقاسم عارف قزوینی تقریباً 1300 ہجری (1883ء) میں قزوین شہر میں پیدا ہوئے۔خطاطی اور موسیقی سے آشنائی رکھتے تھے۔آواز بہت خوبصورت تھی۔ماں باپ کے درمیان اختلاف کے باعث بچپن سے تلخ زندگی گزاری۔قزوین سے تہران منتقل ہو گئے۔عارف سولہ سال کی عمر سے شعر کہنے لگے۔ابتدائی دور کے اشعار مذہبی نوعیت کے ہیں جو مجالس میں پڑھے جاتے تھے۔تحریک مشروطیت کا آغاز ہوا تو اپنی شاعری اور آواز کو لوگوں کی حمایت اور انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لیے استعمال کیا۔جس کے باعث انہیں سختیاں اور سزائیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔بعد میں وہ ہمدان منتقل ہو گئے۔1352 ہجری (1933ء) کو ہمدان میں وفات پا گئے۔انہیں ابن سینا کی قبر کے قریب دفن کیا گیا۔عارف کے شعروں میں افکار کی گہرائی نہیں ہے۔مگر ان کے دل سے بلند ہونے والے آہ و نالے شعروں کا روپ دھار کر پڑھنے والے کے دل پر اثر کرتے ہیں۔شاعری میں تصنیف سازی کی صنف پہلی بار عارف نے

متعارف کرائی۔ عارف نے اس صنف کو ملی موضوعات اور مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ یہ وطنی تصنیفات ان کی غزلوں اور دیگر اشعار سے زیادہ سادہ ہیں۔

ملک الشعراء بہار

محمد تقی 1304 ہجری (1887ء) میں مشہد میں پیدا ہوئے۔ بچپن اور جوانی مشہد میں گزارے۔ ان کے والد کا نام محمد کاظم صبوری تھا جو استان قدس کے ملک الشعراء تھے۔ انہوں نے والد سے شاعری اور فنون ادب سیکھے، ان کے والد کی وفات کے بعد قاچاری بادشاہ مظفر الدین شاہ نے محمد تقی بہار کو ملک الشعراء کا عنوان دیا۔ بہار نے اپنے والد کے علاوہ ادیب نیشاپوری سے بھی عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ نوجوانی سے ہی خراسان میں منعقد ہونے والی آزادی طلبی کی محافل میں شرکت کی۔ عملی سیاست اور اپنے دور کے مسائل سے آگاہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے آزادی پسندانہ افکار اور اشعار خراسان کے مقامی اخباروں میں شائع کیے۔ بعد میں اپنا اخبار ''روزمہ نو بہار'' کے نام سے جاری کیا۔ اس اخبار کے روس مخالف ہونے کے باعث حکومت نے اسے بند کر دیا۔ آپ نے تازہ بہار کے نام دوسرا اخبار شروع کیا تو وہ بھی پابندی کی زد میں آ کر بند ہو گیا۔ انہیں خراسان کے علاقے سے دور رکھنے کے لیے شہر بدر کر دیا گیا اور آپ تہران منتقل ہو گئے۔ تہران میں ادبی رسالہ دانشکدہ شائع کیا۔ آزادی پسندوں کی حمایت میں انہیں جیل بھی جانا پڑا۔ آپ نے 1370 ہجری (1951ء) میں وفات پائی اور انہیں ظہیر الدولہ کے قبرستان ''صفا'' میں دفن کیا گیا۔ آپ کی نمایاں تصانیف یہ ہیں: دیوان بہار (دو جلد)، تاریخ احزاب سیاسی، سبک شناسی (تین جلد)، تاریخ تطور نظم فارسی، بہار و ادب فارسی (دو جلد)، تصحیح تاریخ بلعمی، تاریخ سیستان اور مجمل التواریخ والقصص۔ بہار نے مختلف اصناف شعری میں طبع آزمائی کی جیسے قصیدہ، غزل، مثنوی، ترجیع بند، ترکیب بند وغیرہ۔ مگر انہیں اپنے دور کا نمایاں ترین قصیدہ سرا شاعر کا عنوان دیا جاتا ہے۔

قاچاری دور کی نثر

منشات

قاچاری دور کے معروف ترین نثر نگار مرزا ابوالقاسم قائم مقام فراہانی ہیں جو محمد شاہ قاچار کے وزیر تھے۔ ان کی کتاب کا نام ''منشات'' ہے جسے انہوں نے گلستان سعدی کی سبک میں تحریر کیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں اپنے دور کے مسائل کو اپنے ہی دور میں رائج زبان اور اصطلاحات میں قلمبند کیا ہے۔ اس کتاب کی نثر کو ابوالقاسم فراہانی نے اشعار اور ضرب الامثال سے مزین کیا ہے۔ انہوں نے اپنی نثر میں عام لوگوں میں رائج اصطلاحات استعمال کی ہیں۔

پریشان

معروف شاعر قاآنی نے گلستان سعدی کی پیروی میں نثر کی کتاب ''پریشان'' تحریر کی ہے جسے انہوں نے محمد شاہ قاچار کے نام سے منسوب کیا ہے۔ گلستان سعدی کی طرح پریشان بھی آٹھ ابواب پر مشتمل ہے اور حکایات کو اشعار اور ضرب الامثال سے مزین کیا ہے۔ اس کتاب کا موضوع اخلاقیات ہے۔

انجمن خاقان

اس کتاب کے مصنف کا نام فاضل خاں گروسی ہے جو فتحعلیشاہ (فتح علی شاہ) کے ہم عصر تھے۔ انہوں نے ان تمام شاعروں کے حالات زندگی قلمبند کیے ہیں جنہوں نے فتحعلیشاہ کی مدح میں قصیدے لکھے۔ اس کتاب کو تحریر کرتے وقت انہوں نے دہلی، نشاط اور سعدی کے سبک کی پیروی کی ہے۔

ناسخ التواریخ

یہ تاریخ ایران کی کتاب ہے جسے مرزا محمد تقی خاں لسان الملک سپھر کاشانی نے جامع التواریخ رشیدی کی سبک پر تحریر کیا ہے۔ ان کی ایک اور کتاب علم قافیہ پر ہے جس کا نام ''براھین العجم'' ہے۔

رضا قلی خان ھدایت کی کتب

رضا قلی خان ھدایت نے کئی کتابیں تحریر کی ہیں جن میں سے زیادہ معروف شاعروں کا تذکرہ مجمع الفصحا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے ریاض العارفین کے عنوان سے عرفاء کا تذکرہ تحریر کیا ہے اور ایک فارسی کی لغت ''انجمن آرای ناصری'' مرتب کی ہے۔اس میں مشکل فارسی الفاظ کے معانی فارسی میں لکھے گئے ہیں۔رضا قلی خان ہدایت نے ایک سفرنامہ بھی تحریر کیا۔یہ ان کے ایک سیاسی سفر کی روداد ہے۔انہیں ناصرالدین شاہ کی جانب سے خوارزم اور نواحی علاقوں کے ایک سیاسی سفر پر مامور کیا گیا۔انہوں نے اس سفر کی کہانی ''سفرنامہ خوارزم'' کے نام سے قلمبند کی۔اس سفرنامے کی زبان سادہ اور رواں ہے۔

قاچاری دور میں فارسی ادب کا مجموعی جائزہ

ایران کی سیاسی اور ادبی تاریخ میں قاچاری دور کئی اعتبار سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔یہ عہد فارسی ادب یعنی شاعری اور نثر نگاری دونوں میں ایک نئے دور اور تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔اس تبدیلی کی وجہ دنیا اور ملک کے سیاسی حالات تھے۔دنیا میں اخبار اور رسالے شائع ہونے شروع ہوئے تو اس سے ایرانی عوام میں بھی جمہوریت کی لہر پیدا ہوئی۔وہ فرد واحد کی بادشاہت اور آمریت کی بجائے تبدیلی اور عوامی حکومت کی باتیں کرنے لگے۔اسی دور میں صنعتی ترقی ہوئی۔ایران کے تعلقات مغربی ممالک اور بالخصوص روس اور فرانس کے ساتھ مستحکم ہوئے۔جس کے نتیجے میں روس اور فرانس ایرانی بادشاہ کی طرف سے کیے جانے والے فیصلوں پر اثر انداز ہونے لگے۔ایرانی طلباء یورپ جا کر پڑھنے لگے۔انھوں نے ایران واپس آ کر یورپی طرز کی شاعری میں شعر کہنے شروع کیے۔نثر میں سفرنامے لکھے گئے۔افسانہ اور ناول نویسی کا سلسلہ شروع ہوا۔قاچاریوں سے پہلے صفوی دور میں سبک ہندی رواج پا گیا۔اس سبک کو ہندوستان میں بے حد پذیرائی ملی مگر یہ ایرانیوں کے مزاج پر پورا نہ اترا۔جس کے نتیجہ میں ایرانیوں نے واپس سبک خراسانی اور سبک عراقی کا رخ کیا۔جیسا کہ سبک خراسانی میں مرکزی حیثیت قصیدے کو حاصل ہے اور سبک عراقی میں غزل کو ہے۔اس لیے قاچاری دور میں تقریباً سب نامور شعراء نے قصاید کہے اور غزلیات تحریر کیں۔قصیدے میں قاآنی کے سوا کوئی شاعر خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔کیونکہ ان کی شاعری میں کسی اعتبار سے جدت خیال دکھائی نہیں دیتی۔غزل کے میدان میں تقریباً سب شاعروں نے سعدی اور حافظ کی پیروی تو کی لیکن کوئی شاعری سعدی اور حافظ جیسی غزل سرائی کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔مثنوی زوال پذیر رہی۔شاعروں نے مثنویاں لکھیں مگر کوئی مثنوی اپنا یا اپنے شاعر کا نام روشن نہ کر سکی۔اسی طرح رباعیات، ترکیب بند اور ترجیع بند میں بھی شاعروں نے طبع آزمائی تو کی مگر اس میدان میں کوئی خاص شہرت نہیں پائی۔ایک نئی صنف شعر کو قاچاری دور میں مقبولیت حاصل ہوئی اور وہ ہے ''تصنیف'' جس کے بانی عارف قزوینی ہیں۔

(D) History of Persian Literature the Sub-continent

برصغیر پاک وہند فارسی ادب کی تاریخ

(a) Ghaznavids

غزنوی دور میں فارسی ادب

تاریخی پس منظر

برصغیر میں غزنوی خاندان کے پہلے فاتح امیر سبکتگین تھے جنہوں نے 369 ہجری (976ء) میں ہندوستان پر حملہ کیا اور پشاور پر قبضہ کرلیا۔ 418 ہجری (1027ء) میں سلطان محمود نے پنجاب اور سرحد کا علاقہ غزنوی سلطنت کا حصہ بنا دیا اور لاہور کو ان مفتوحہ علاقوں کا صدر مقام بنالیا۔ اس کے بعد غزنی سے لاہور کے لیے سپہ سالار یا حکمران مقرر ہوکر آتے رہے۔ 425 ہجری (1034ء) میں سلطان مسعود نے اپنے بیٹے شہزادہ مجدود کو لاہور کا نائب السلطنت بنا کر بھیجا۔ جب ایران کے علاقوں میں سلاجقہ اور غوری خاندانوں کی قوت میں اضافہ ہوا تو غزنوی خاندان غزنی چھوڑ کر لاہور آ گیا اور یوں غزنویوں کا دور حکومت 582 ہجری (1186ء) میں آخری غزنوی بادشاہ خسرو ملک کی شہاب الدین محمد غوری کے ہاتھوں گرفتاری تک جاری رہا۔

برصغیر میں فارسی ادب کے فروغ کے حوالے سے غزنوی دور کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ غزنوی حکمرانوں کے ساتھ ان کے امراء، وزراء اور ان کے خاندان بھی غزنی سے لاہور آ کر رہنے لگے۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ انہوں نے اسلامی طرز تعمیر کے مطابق نئی عمارتیں تعمیر کرائیں۔ تعلیم کے لیے نئے مدارس قائم کیے۔ عدالتی نظام اس علاقے میں پھیلایا۔ لوگوں کے لیے نئے فرمان وقتاً فوقتاً فارسی میں جاری ہوئے۔ رعایا کو بھی اپنی گزارشات حاکموں تک پہنچانے کے لیے فارسی زبان کا سہارا لینا پڑا۔ علماء اور اولیاء کرام اس علاقے میں آ کر اسلام کی تبلیغ میں مصروف ہو گئے اور ان کی کوششوں سے لوگوں کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا۔ علماء نے قرآن، احادیث اور ارکان اسلام کی وضاحت اپنی تقریر و تحریر میں کی جس کا ذریعہ فارسی زبان تھی۔ عام لوگوں نے شوق سے اپنے پیر و مرشد کی زبان سیکھی۔ لاہور میں حکمرانوں کے دربار آباد ہوئے تو ان میں شاعروں نے اپنے کلام پیش کیے۔ محمود غزنوی کی جنگوں کے حال کو اپنے قصیدوں میں لکھا۔ مختصر یہ کہ شاید ہی کوئی معاشرتی پہلو ایسا ہو جسے فارسی زبان اور فارسی زبان بولنے والوں نے متاثر نہ کیا ہو۔ بالخصوص ادبی، مذہبی، ثقافتی، تمدنی، سیاسی اور لسانی اعتبار سے برصغیر میں تبدیلی آ گئی۔

غزنوی دور کے اہم مقامی شاعر

ابوعبداللہ روزبہ

برصغیر کے پہلے فارسی شاعر کا نام ابوعبداللہ روزبہ بن عبداللہ نکتی ہے۔ یہ لاہور کے رہنے والے تھے اور انہوں نے مسعود غزنوی کی شان میں قصیدہ کہا۔ اس قصیدے کے چند شعر سدید الدین عوفی نے اپنے تذکرہ لباب الالباب میں نقل کیے ہیں۔

ابوالفرج رونی

برصغیر میں فارسی کے معروف شاعر ابوالفرج بن مسعود رونی گیارہویں صدی عیسوی میں رونہ میں پیدا ہوئے۔ رونہ کے محل وقوع کے بارے میں تذکرہ

نویسوں اور محققین نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔شاعروں کے پہلے معروف تذکرے ''لباب الالباب'' کے مصنف محمد سدید الدین عوفی نے رونہ کا تعلق لاہور شہر سے ظاہر کیا ہے۔جبکہ رضا قلی ہدایت نے نیشاپور کا ایک گاؤں تحریر کیا ہے۔ڈاکٹر صفا بھی اسی بات کی تائید کرتے ہوئے رونہ کا تعلق نیشاپور سے جوڑتے ہیں۔لطف علی بیگ آذر نے مجمع الصفحا میں رونہ کو خراسان کے دشت کویر کا ایک علاقہ قرار دیا ہے۔فرہنگ رشیدی کے مؤلف عبدالرشید مدنی ٹھٹھوی نے رونہ کو ہندوستان کا ایک علاقہ تحریر کیا ہے۔اس بارے میں بدایونی کے مطابق لاہور کے قریب ایک گاؤں روئن ہے۔اس لیے انہیں ابوالفرج روئنی لکھا جانا چاہیے۔ محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق رونی 497ہجری (1104ء) تک زندہ تھے۔

سب تذکرہ نویس اور محقق اس بات پر اتفاق رائے رکھتے ہیں کہ ابوالفرج رونی نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ لاہور میں غزنوی دربار میں گزارا۔انہوں نے سلطان ابراہیم بن مسعود (451 تا 492ہجری/1059 تا 1099ء) اور مسعود بن ابراہیم (499 تا 508ہجری 1099 تا 1114ء) کی شان میں قصیدہ سرائی کی۔مسعود سعد سلمان کے دیوان میں ایک ایسا قطعہ موجود ہے جس میں انہوں نے اس بات کا شکوہ کیا ہے کہ وہ ابوالفرج کی سازش کے باعث قید ہوئے۔اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ قطعہ ابوالفرج رونی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ ابوالفرج نصر بن رستم کے بارے میں ہے۔ابوالفرج رونی کے ساتھ مسعود سعد سلمان کے تعلقات بہت دوستانہ تھے اور انہوں نے ایک شاگرد کے طور پر رونی کا ذکر احترام سے کیا ہے۔

ابوالفرج رونی کا دیوان پروفیسر چایکین کی کوششوں سے تہران میں شائع ہوا۔اس دیوان میں رونی کے باقی ماندہ تقریباً 2000 اشعار ہیں۔یہ اشعار قصاید، 57 رباعیات، 18 قطعات اور تین نامکمل غزلوں پر مشتمل ہیں۔رونی غزنوی دور کے نمایاں اور عظیم شاعر تھے۔ان کی عظمت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انوری جیسے عظیم قصیدہ گو شاعر ان کے دیوان کے مطالعے اور پیروی پر فخر کرتے ہیں۔محمد سدید الدین عوفی کے بقول انوری اور ظہیر فاریابی دونوں ان کے دیوان کا مطالعہ کرتے تھے۔مغل بادشاہ اکبر کے دربار کے دو عظیم شاعر عرفی شیرازی اور فیاضی نے بھی رونی کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ابوالفرج رونی نے سلطان ابراہیم بن مسعود اور سلطان مسعود بن ابراہیم کے علاوہ ان کے امراء کی بھی مدح سرائی کی ہے۔ان کے قصاید زیادہ طویل نہیں ہیں۔انہوں نے قصیدوں میں اپنے ممدوح کی تعریف میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔درحقیقت انوری نے قصیدہ سرائی کی جس روش کو اس کے عروج تک پہنچایا رونی اس کے موجد تھے۔ابوالفرج رونی نے دوسرے غزنوی شعراء کی روش سے ہٹ کر قصیدے کہے۔عام طور پر قصیدے کا آغاز تشبیب سے کیا جاتا ہے۔مگر رونی کے کلام میں کئی قصاید ایسے ہیں جن میں قصیدے کے روایتی آغاز سے ہٹ کر انہوں نے قصیدے کو شروع کیا ہے۔

ان کے کلام میں نئی تراکیب، علمی اصطلاحات، دلکش تشبیہات اور نازک خیالی عام ہے۔اسی نازک خیالی کو مسعود سعد سلمان اور انوری نے ترقی دی۔ یہی نازک خیالی بعد میں سبک ہندی کا خاصا بنی۔الفاظ کے انتخاب میں رونی نے بہت دقت سے کام لیا ہے۔مشکل بحریں اور طویل ردیفیں وہ اکثر استعمال کرتے ہیں۔رونی کی رباعیات نہایت شاندار ہیں اور ان میں بعض تو خیام کی رباعیات کے ہم پایہ دکھائی دیتی ہیں۔انہوں نے اپنی تین نامکمل غزلوں میں نوجوان محبوبہ کی خوبصورتی کی تعریف، محبوب اور زمانے کی بے وفائی کی شکایت کی ہے۔غزلیات میں رونی نے جو مرکزی خیال پیش کیا ہے بعد میں وہی مرکزی خیال ایران اور ہندوستان میں مستقبل کے شعراء کی غزل سرائی کے لیے مشعل راہ بنا۔

مسعود سعد سلمان

غزنوی دور کے نامور شاعر مسعود سعد سلمان تقریباً 440ہجری (1048ء) کو لاہور میں ہوئے۔ان کے والد سعد بن سلمان غزنوی دربار میں اہم عہدہ رکھتے تھے۔وہ ایران کے شہر ہمدان سے لاہور غزنوی دربار میں آئے۔مسعود نے علم نجوم، فلسفہ، خطاطی، ادبیات، عربی اور ہندی زبان کی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے ہندوستان کے غزنوی فرمانروا سیف الدولہ محمود کے دربار میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔وہ سفر اور حضر میں بادشاہ کے ہم رکاب رہے۔حتیٰ جنگی سفر میں بھی اس سے جدا نہیں ہوتے تھے۔مسعود خود شاعر تھے لیکن اس دور کے شاعر مسعود کی مدح میں شعر کہتے۔480ہجری (1087ء) کو سیف الدولہ کے والد

سلطان ابراہیم غزنوی نے مسعود کو قید میں ڈال دیا۔ وہ سات سال سو اور دھک کے قلعوں میں جبکہ 3 سال نای کے قلعہ میں قید رہے۔ 490ہجری (1097ء) میں رہائی ملی تو لاہور آئے۔ دو سال بعد اس دور کے سیاسی حالات بدلنے کے باعث دوبارہ گرفتار ہوئے اور تقریباً آٹھ سال قید میں رہے۔ مسعود سعد اپنی جوانی کے 18 سے 19 سال قید میں رہنے اور رہائی پانے کے بعد تقریباً 15 سال زندہ رہے۔ 515ہجری (1121ء) میں وفات پائی۔

مسعود سعد سلمان کا شمار غزنوی دور کے برصغیر کے نامور ترین شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کی اصل وجہ شہرت ان کی حبسیات ہیں۔ حبسیات ایسے شعروں کو کہتے ہیں جو قید و بند میں کہے جائیں۔ مسعود کے ان حبسیہ شعروں کی فارسی ادب میں خاص اہمیت ہے۔ دکھ اور رنج جو حبسیات میں دکھائی دیتا ہے وہ پڑھنے والوں کے دل پر گہرا اثر کرتا ہے۔ مسعود سعد پہلا فارسی شاعر ہے جس نے پہلا مکمل شہر آشوب لکھا۔ اپنے دور کے شاعروں ابوالفرج رونی، سنائی، امیر معزی اور عثمان مختاری سے ان کے دوستانہ روابط تھے۔ ان کے دیوان کو حکیم سنائی نے مرتب کیا۔ مسعود سعد نے عربی، ہندی اور فارسی میں شعر کہے جو ظاہری طور پر تحریری شکل میں موجود تھے مگر اب صرف فارسی اشعار کا دیوان موجود ہے جس میں چند اشعار عربی زبان کے ہیں۔ ان کے فارسی اشعار کی تعداد تقریباً 16000 ہے جو قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات، ترجیع بند، مسمط اور رباعیات پر مشتمل ہیں۔

غزنوی دور میں نثر

کشف المحجوب

یہ کتاب ابوالحسن جلابی، ہجویری کی بہت معروف تصنیف ہے جو چوتھی صدی ہجری کے اختتام پر غزنہ میں پیدا ہوئے۔ تقریباً 431ہجری میں اسلام کی تبلیغ کی غرض سے لاہور آئے اور مرتے دم تک مقیم رہے۔ 465ہجری میں لاہور میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ کشف المحجوب، فارسی نثر کی تصوف کے موضوع پر معتبر ترین اور قدیم ترین کتاب ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ابوسعید ہجویری کی خواہش پر ان کے عارفانہ سوالوں کے جواب میں 440 سے 450ہجری کے درمیان تحریر کی۔ اصول تصوف اور طریقت کے موضوع پر یہ کتاب ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ چونکہ اس کتاب میں حقیقت سے پردے اٹھائے گئے ہیں اس لیے اس کا نام ''کشف المحجوب'' رکھا گیا۔ یہ کتاب 34 ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں تصوف کی مبادیات، دوسرے حصے میں صوفیا کے احوال، تیسرے حصے میں مسائل تصوف اور اصطلاحات صوفیہ کا ذکر موجود ہے۔ دوسرے حصے میں 130 صوفیاء کرام کے حالات زندگی تحریر کیے گئے ہیں۔

کتاب کشف المحجوب کا مقدمہ شاعرانہ اور موزوں دکھائی دیتا ہے۔ انداز نگارش تقریباً سادہ ہے ماسوائے اس کے کہ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے ہم عصر نثر نگاروں کی نسبت عربی مفردات اور ترکیبات زیادہ استعمال کی ہیں۔ جن کی شاید کتاب کے موضوع کے اعتبار سے ضرورت تھی۔ خاص طور پر وہ ترکیبات اور اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جو صوفیوں کے درمیان رائج ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب ''موزوں نثر'' کا انمول نمونہ ہے۔ حضرت ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب میں بار بار اپنا نام لائے ہیں تاکہ اس کے متن کو سرقت سے بچایا جا سکے۔ انہوں نے یہ عظیم کتاب بڑے عالمانہ انداز میں تحریر کی ہے۔ ہر موضوع سے پہلے قرآنی آیات، احادیث نبوی اور بزرگوں کے اقوال تحریر کیے ہیں اور ہر مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ جس مسئلہ میں اختلافی پہلو سامنے آیا ہے اس پر انہوں نے کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔ کتاب کی تحریر کو دلچسپ بنانے کے لیے جا بجا عربی زبان کے شعر تحریر کیے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ہر موضوع کا باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے۔ منطقیانہ استدلال سے دوسروں کے عقائد اور آرا پر تنقید کی ہے۔ کتاب کے آخر میں صوفیا کرام کا مختصر ذکر ہے اور اس کے بعد تصوف کے مختلف گروہوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ مثلاً محاسبیہ، قصاریہ، طیفوریہ، جنیدیہ، نوریہ، حکیمیہ، خرازیہ، خفیفیہ اور سیاریہ وغیرہ۔ کتاب کا انداز آسان، نہایت سادہ اور قابل ستائش ہے۔

کشف المحجوب کے علاوہ نو اور کتابوں کا نام بھی ان کے نام کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے: کشف الاسرار، کتاب البیان، منہاج الدین، اسرار الحزق، کتاب الفنا، شرح کلام منصور الحلاج، بیان ایمان، الرعایہ۔ ان میں سے کشف الاسرار موجود ہے مگر اس کے بارے میں بھی محققین کی رائے یہ ہے کہ کشف الاسرار کو ان کے نام کے ساتھ منسوب کرنا درست نہیں۔

غزنوی دور کے فارسی ادب کا مجموعی جائزہ

برصغیر میں فارسی شاعری کا آغاز یہاں غزنویوں کی حکومت قائم ہونے کے بعد ہوا۔ پہلے شاعر کا نام ابوعبداللہ روز بہ بن عبداللہ نکتی ہے جو لاہور کے رہنے والے ہیں اور انہوں نے سلطان مسعود کی شان میں قصیدہ تحریر کیا جس کے چند شعر محمد سدید الدین عوفی نے اپنے تذکرے لباب الالباب میں قلمبند کیے ہیں۔ ویسے تو کئی شاعر محمود غزنوی کے ساتھ برصغیر آئے اور جنگوں میں بھی محمود غزنوں کے ہم رکاب رہے جیسے فرخی اور عنصری وغیرہ۔ مگر یہ برصغیر کے رہنے والے نہیں اور نہ ہی انہوں نے یہاں سکونت اختیار کی۔ البتہ ان کے تحریر کردہ قصیدے موجود ہیں۔ اس دور کی اہم پیشرفت غزل کا آغاز ہے۔ مسعود سعد اور ابوالفرج رونی دونوں کے ہاں کہیں کہیں غزل دکھائی دیتی ہے۔ وگرنہ اس سے پہلے فارسی ادب میں غزل جداگانہ شکل میں موجود نہیں تھی۔ قصیدہ کا پہلا حصہ تشبیب، قصیدے سے علیحدہ ہو کر غزل کی صورت اختیار کر گیا۔ ابوالفرج رونی نے اپنی چند غزلوں میں جو مرکزی خیال پیش کیا وہی بعد میں نہ صرف برصغیر بلکہ ایران کے غزل سراؤں کے لیے بھی چراغ راہ ثابت ہوا۔

غزنوی دور میں قصیدہ گو شاعروں نے رباعیات پر بھی طبع آزمائی کی۔ مسعود سعد نے مدحیہ، عشقیہ اور حبسیہ مضامین رباعی میں پیش کیے۔ جب کہ ابوالفرج رونی نے عشقیہ اور مدحیہ موضوعات کے ساتھ ساتھ حکیمانہ افکار کو بھی رباعی کی زینت بنایا۔ مضمون کے اعتبار سے ان میں جدت موجود ہے۔ ابوالفرج رونی قصیدہ سرائی میں بھی برصغیر کے پہلے شاعر ہیں اور یہ ایرانی شعراء کے لیے قابل تقلید رہے۔ فارسی نثر کے میدان میں حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی شاہکار کتاب کشف المحجوب تصوف کے موضوع پر نہ صرف برصغیر میں پہلی کتاب ہے بلکہ ایران میں بھی اس سے پہلے اس موضوع پر کوئی معتبر کتاب دکھائی نہیں دیتی۔

(b) Sultanates

سلاطین دہلی کے دور میں فارسی ادب

تاریخی پس منظر

سلاطین دہلی کا دور 602 ہجری (1206ء) سے 930 ہجری (1524ء) تقریباً 328 سالوں پر محیط رہا ہے۔ اس دور میں مملوک، خلجی، تغلق، سادات اور لودھی خاندان کے بادشاہوں نے ہندوستان پر حکومت کی۔ شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، جلال الدین خلجی، علاؤ الدین خلجی، غیاث تغلق، محمد تغلق اور سلطان سکندر اس دور کے نمایاں ترین بادشاہ تھے۔ انہوں نے اپنی سلطنت کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے بہت کام انجام دیئے۔ مدارس اور مکتب بنائے۔ علماء، ادباء اور شعراء کی سرپرستی کی۔ ان کو اولیاء کرام سے خاص عقیدت تھی۔ ان کی اس علم دوستی کے باعث فارسی زبان و ادب نے بہت ترقی کی۔ تفسیر، فقہ، صرف و نحو، تصوف اور دیگر علوم پر کتابیں تحریر کی گئیں۔ دوسری زبانوں سے فارسی زبان میں ترجمے کا کام انجام پایا۔

سلاطین دہلی کے دور میں اصناف شعری

قصیدہ

اس دور میں قصیدے کو مقبول ترین صنف کی حیثیت سے شہرت حاصل ہوئی۔ اس دور کے معروف قصیدہ سرا شمس الدین، فضلی ملتانی، ناصری، روحانی سمر

قندی، ضیاء الدین سجزی، تاج الدین ریزہ، شہاب الدین مہرہ اور عمید سنامی تھے۔ اس دور کے قادر الکلام شاعر عمید سنامی تھے جنہوں نے کشتی، ناخن اور آ ھو جیسی خشک ردیفوں میں بلند پایہ شعر کہے۔ عمید پہلے ہندوستانی شاعر ہیں جنہوں قصائد میں صنعت مناظرہ ایجاد کی۔ وہ اپنی زندگی کے آخری حصے میں حمد اور نعت سرائی کی جانب مائل ہوئے۔ ایک اور اہم شاعر شہاب الدین مہرہ ہیں۔ امیر خسرو دہلوی جیسے عظیم شاعران کی قابلیت کے معترف تھے۔ شہاب الدین نے امیر خسرو کی مثنوی 'ھشت بھشت'' کی اصلاح کی۔ اس لحاظ سے امیر خسرو، ان کے شاگرد ہونے کا اعتراف کرتے تھے۔ برصغیر کی شاعری میں پہلی بار شہاب الدین کی شاعری میں ایسے الفاظ دکھائی دیتے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔ یہ صفت ان کے کلام میں نمایاں ہے۔ انہوں نے حمد، نعت اور صوفیانہ افکار سے لبریز اشعار بھی کہے ہیں۔ امیر خسرو دہلوی، بدر چاچ اور حسن سجزی خلجی اور تغلق دور کے شاعر ہیں۔ امیر خسرو دہلوی سلاطین دہلی دور کے نمایاں ترین شاعروں میں سے ہیں۔ انہوں نے ضرورت کے تحت دربار میں قصائد کہے ہیں۔ البتہ ذاتی طور پر وہ مدح سرائی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ساتھ عقیدت مندی کے باعث عارفانہ اور صوفیانہ قصیدے بھی تحریر کیے ہیں جو در حقیقت ان کے اپنے دل کی آواز ہیں۔ ان کے قصائد غزل سے نزدیک تر ہیں۔ حسن سجزی کے قصائد کا شمار درجہ اول کے قصائد میں نہیں ہوتا۔ برصغیر کے شاعر بدر چاچ کا نام برصغیر میں مشکل قصائد کہنے کے اعتبار سے معروف ہے۔ ان کے اشعار میں جا بجا تصنع دکھائی دیتا ہے۔ صنائع بدائع اور علم نجوم کی اصطلاحات کے استعمال سے ان کا کلام مشکل گرائی کی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ اسی طرح مبالغہ آرائی بھی عروج پر پہنچی دکھائی دیتی ہے۔ معروف شاعر جمالی دہلوی کا تعلق لودھی دور حکومت سے ہے۔ انہوں نے بابر اور ہمایوں کا دور بھی دیکھا ہے۔ درحقیقت وہ سلطان سکندر لودھی کے استاد اور مقرب تھے۔ جمالی کے قصاید سادہ اور رواں ہیں۔ ان کے اشعار میں مبالغہ اور اغراق نہیں ہے۔ انہوں نے حاکموں کی سادہ اور رواں مگر خلوص کے ساتھ مدح سرائی کی ہے۔ سلاست کے اعتبار سے ان کے قصاید سعدی شیرازی کے قصاید سے شباہت رکھتے ہیں۔ اسی سلاست، روانی اور اخلاص نے ان کے قصائد کو نہایت دلچسپ بنا دیا ہے۔

غزل

سلاطین دہلی کے دور میں برصغیر میں غزل اپنے عروج کو پہنچی۔ ایرانی کہتے ہیں کہ فارسی غزل کے امام یا بانی سعدی شیرازی ہیں جب کہ سعدی شیرازی کی پیدائش (606 ہجری) سے پہلے ہندوستان میں ابوالفرج رونی اور مسعود سعد سلمان کے ہاں غزل موجود تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ فارسی غزل کو حافظ شیرازی نے اس کے عروج تک پہنچایا۔ لیکن حقیقت یہ ہے امیر خسرو دہلوی (طوطی ہند) حافظ کی ولادت (726 ہجری) سے پہلے فارسی غزل کو اس کے عروج تک پہنچا چکے تھے۔ حافظ شیرازی 726 ہجری میں پیدا ہوئے جب کہ امیر خسرو نے 725 ہجری کو دہلی میں وفات پائی۔ حافظ شیرازی نے اپنی پوری زندگی میں غزلیات کا ایک دیوان لکھا جس میں 500 سے کم غزلیں ہیں۔ امیر خسرو نے 5 دیوان تحریر کیے اور ان 5 دیوانوں میں تقریباً 500,000 فارسی شعر موجود ہیں۔ امیر خسرو کی غزلیات میں رومی کا سوز اور مستی اور سعدی کی غزلوں کی سلاست اور روانی موجود ہے۔ انہیں موسیقی سے مکمل آشنائی حاصل تھی اس لیے ان کے اشعار میں موسیقی کا رنگ نمایاں ہے:

نمی دانم چہ منزل بود شب جای کہ من بودم

بہ ہر سو رقص بسمل بود شب جای کہ من بودم

اس دور کے دوسرے بڑے شاعر حسن سجزی ہیں جو ''سعدی ہند'' کے نام سے مشہور ہیں۔ غزلیات میں انہوں نے قلبی عشق کو سوز، گداز اور روانی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ مولانا جامی نے حسن سجزی کے کلام کو سہل ممتنع کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا ہے۔ جمالی دہلوی نے اپنی غزلوں میں اپنے سے پہلے شاعروں کے موضوعات سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی غزلیں سوز و گداز رکھتی ہیں اور بعض غزلیں واقعی شاندار ہیں۔ شیخ بو علی شاہ کی غزلیں جذب و کیف سے لبریز ہیں۔ ان کی غزلوں میں عراقی کی غزلوں جیسی قلندرانہ شان دکھائی دیتی ہے۔

مثنوی

فارسی مثنوی کے میدان میں برصغیر کا کامیاب ترین شاعر امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ انہوں نے خمسہ نظامی کی پیروی میں پانچ مثنویاں لکھی ہیں۔ جنہیں خمسہ امیر خسرو کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے خسرو کا شمار گنجوی کے عظیم ترین پیروکاروں میں ہوتا ہے۔ بعض محققین نے امیر خسرو کے خمسہ کو نظامی کے خمسہ سے برتر کہا ہے۔ امیر خسرو کی مثنویوں کے نام یہ ہیں: مفتاح الفتوح، قرآن السعدین، دولرانی خضر خان، تغلق نامہ اور نہ سپھر۔ درحقیقت حسن سنجری غزل سرا شاعر ہیں لیکن ان کے دیوان میں چند جگہ مثنوی بھی دکھائی دیتی ہے۔ انہیں امیر خسرو کی طرح مثنوی سرائی میں کمال حاصل نہ تھا۔ سلاطین دہلی کے دور میں امیر خسرو کے بعد مثنوی کے دوسرے بڑے شاعر جمالی دہلوی ہیں۔ ان کی عاشقانہ مثنوی ''مہر و ماہ'' اور عارفانہ مثنوی ''مراۃ المعانی'' بہت مشہور ہیں۔ بدر چاچ نے بھی ''شاہنامہ'' کے عنوان سے ایک مثنوی تحریر کی ہے۔ بوعلی شاہ قلندر کا بھی مثنوی سراؤں کے درمیان ایک خاص مقام ہے۔ انہوں نے سادہ، رواں اور سلیس زبان میں مثنوی سرائی کی ہے۔ ان کی معروف مثنویاں ''عشقیہ'' اور ''کنز الاسرار'' ہیں۔

فارسی نثر

سلاطین دہلی کے دور میں مختلف موضوعات پر اہمیت کی حامل فارسی نثر تحریر کی گئی مثلاً مذہب، تصوف، تاریخ، طب، انشا، لغت، ملفوظات اور تراجم وغیرہ۔ اس دور میں تحریر کی گئی کتب میں سے اہم ترین مندرجہ ذیل ہیں:

لباب الالباب

یہ فارسی زبان کے شعراء کا قدیم ترین تذکرہ ہے جو اب تک موجود ہے۔ محمد سدید الدین عوفی نے اسے ''اچ'' میں 617 ہجری (1220ء) میں تحریر کیا۔ خود عوفی کے بقول انہوں نے اپنی یہ یادداشتیں بخارا کی لائبریریوں سے اکٹھی کیں۔ یہ تذکرہ تقریباً 600 شاعروں کے نمونہ کلام پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے صنائع و بدائع کا استعمال کیا ہے۔

جوامع الحکایات ولوامع الروایات

عوفی اہل بخارا تھے لیکن منگولوں کے ایران پر حملے کے وقت وہ سندھ میں تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب ''جوامع الحکایات ولوامع الروایات'' یہیں شروع کی اور 630 ہجری (1233ء) میں دہلی میں مکمل کی۔ یہ کتاب مختلف حکایات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے ادھر ادھر سے اکٹھی کیں۔ ان حکایات میں عوفی کا سبک تشخیص نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اس کتاب کا مقدمہ مصنوع نثر میں اور کتاب کا زیادہ تر متن سادہ نثر میں تحریر کیا گیا ہے۔ عوفی نے یہ کتاب التمش کے وزیر ''نظام الملک'' کے نام منسوب کی ہے۔

خزائن الفتوح

فارسی نثر کی اس کتاب کے مصنف امیر خسرو دہلوی ہیں۔ یہ علاؤالدین خلجی کے دور کی مختصر تاریخ ہے۔ اس میں اس دور کے واقعات قلمبند کیے گئے ہیں۔

اعجاز خسروی

یہ کتاب بھی امیر خسرو نے فارسی نثر میں تحریر کی ہے۔ اس میں امیر خسرو نے نثر نویسی کے گوناگوں اسالیب اور محاسن پر بحث کی ہے۔ امیر خسرو نے اس کے علاوہ بھی فارسی نثر تحریر کی ہے مثلاً افضل الفوائد جو ان کے مرشد خواجہ نظام الدین اولیا کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اپنے پانچ فارسی دیوانوں کے مقدمے بھی فارسی نثر میں تحریر کیے ہیں۔

طبقات ناصری

فارسی کی اس کتاب طبقات ناصری کے مولف مولانا ابوعمر عثمان بن منہاج سراج ہیں۔ یہ کتاب 23 جزو پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں آغاز سے لے کر 658 ہجری (1260ء) تک کی تاریخ قلم بند کی گئی ہے۔

طوطی نامہ

طوطی نامہ ضیاء الدین نخشبی کی تالیف ہے جو 721 ہجری (1321ء) میں تحریر کی گئی۔ اس کتاب کا اصل ماخذ سنسکرت زبان کی کتاب "شک سپ تتی" ہے جو 70 داستانوں پر مشتمل ہے۔ لیکن طوطی نامہ میں صرف 53 داستانیں تحریر کی گئی ہیں۔ ان میں سے 50 کہانیاں سنسکرت زبان کی کتاب سے اور تین کہانیاں بختیار نامہ سے لی گئی ہیں۔

انشای ماھرو

عین الملک ماھرو تغلق اور خلجی دور کے انشا پرداز تھے۔ ماھرو کی نثر، نثر فنی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ مصنف نے عربی زبان کے کلمات اپنی نثر میں کثرت سے استعمال کیے ہیں۔ نثر کے جملے بے حد طویل ہیں۔ ماھرو کا مقام امیر خسرو اور ابوالفضل جیسے نثر نگاروں کے ہم پلہ ہے۔

راحت القلوب

یہ کتاب شیخ مسعود فریدالدین گنج شکر کے ملفوظات پر مشتمل ہے جنہیں خواجہ نظام الدین اولیاء نے مرتب کیا ہے۔

فوائد الفواد

فوائد الفواد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل کتاب ہے۔ جسے ان کے مرید حسن سنجری نے مرتب کیا ہے۔ کسی نثر نگار نے ملفوظات میں اتنی شہرت حاصل نہیں کی جو حسن سنجری کو حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے 15 سال کی مدت میں یہ کتاب تحریر کی۔ اس کی نثر سادہ اور رواں ہے۔

سیر العارفین

اس تذکرہ کے مصنف جمال دہلوی ہیں۔ یہ ہندوستان کے اولیائے کرام کا تذکرہ ہے۔ اس میں زیادہ تر چشتیہ سلسلے کے بزرگوں کے بارے میں گفتگو انجام دی گئی ہے۔ بعض سہروردی اولیائے کرام کا ذکر بھی اس کتاب میں موجود ہے۔ ان کتابوں کا تعلق بھی سلاطین دہلی کے دور سے ہے: دلایل فیروز شاھی، خیر المجالس، سراج الہدایہ، سیر الاولیاء، فوایدِ فیروز شاہی، تفسیر تا تارخانی، فرہنگ قواسی (یہ برصغیر پاک و ہند کی پہلی فارسی لغت ہے) اور تغلق نامہ۔

سلاطین دہلی کے ادب کا مجموعی جائزہ

اس دور میں دہلی کو دار الحکومت بنایا گیا۔ اس لیے دہلی میں فارسی زبان وادب کو فروغ حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ ملتان، اوچ، دیپالپور، ہانسی، سیالکوٹ، اجودھن (پاکپتن) وغیرہ صوبائی صدر مقام یا لشکرگاہ کا درجہ رکھتے تھے۔ یہاں بھی فارسی ادب نے خوب ترقی پائی۔ ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ایران پر منگولوں کے حملے شروع ہوئے تو وہاں سے بہت سے شہزادے، شاعر، ادیب، علماء وغیرہ ایران سے آ کر ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ ان کی زبان فارسی تھی اس لیے فارسی ادب کو مزید نشو و نما پانے کا موقع میسر آیا۔ اس عہد میں شعراء نے زیادہ تر قصیدہ سرائی کی اور اپنے ممدوحین کی جنگی مہمات اور کارناموں کا ذکر کیا۔ اسی طرح تاریخی واقعات کو رباعیوں میں پیش کیا گیا۔ نثر کے میدان میں ادبی کتب کے مقابلے میں تاریخی کتب کا تناسب زیادہ ہے اور یہ تاریخیں مختلف بادشاہوں کے نام سے منسوب کی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ صوفیانہ موضوعات کو بھی نثر میں پیش کیا گیا۔

(C) Mughals

مغلیہ دور میں فارسی ادب

تاریخی پس منظر

مغلیہ دور حکومت کا بانی ظہیرالدین محمد بابر تھا جس نے 932 ہجری (1526ء) میں پانی پت کے مقام پر لودھی بادشاہ کو شکست دے کر مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان پر مغلیہ خاندان کی حکومت 1273 ہجری (1857ء) کی جنگ آزادی تک قائم رہی۔ ماسوائے ان پندرہ سالوں کے جو مغل بادشاہ ہمایوں نے ایران میں جلاوطنی کے گزارے۔ نصیرالدین ہمایوں، جلال الدین اکبر، نورالدین جہانگیر، شہاب الدین شاہجہان، محی الدین اورنگ زیب عالمگیر اور بہادر شاہ ظفر اس دور کے نمایاں بادشاہ ہیں۔

مغلیہ دور کے اہم فارسی شعراء

عرفی شیرازی

سید جمال الدین عرفی شیرازی کا شمار دسویں صدی ہجری کے معروف شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ 952 ہجری (1545ء) کو شیراز میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے شہر سے حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے ہندوستان چلے گئے اور دکن میں اقامت اختیار کی۔ وہاں کے علماء اور شعراء کی قربت میں رہے۔ ان کا شمار سبک ہندی کے بانی شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کو قصیدہ اور غزل سرائی میں کمال حاصل تھا۔ ان کے اشعار میں خاص مٹھاس پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہوسکتی ہے کہ وہ دوسروں پر خاص توجہ نہیں دیتے تھے اور خود پسند طبیعت رکھتے تھے۔ عرفی کا دیوان تقریباً پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ہے جس میں قصاید، غزلیات اور مثنویاں موجود ہیں۔ غزلیات کے اشعار خوبصورت ہیں۔ مگر قصاید ویسے نہیں ہیں جیسے ہونے چاہیں۔ انہوں نے خمسہ نظامی کی طرز پر شعر لکھنے شروع کیے۔ لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا اور ان کے ادھورے اشعار خسرو شیریں اور مخزن الاسرار کی سبک پر موجود ہیں۔ عرفی 999 ہجری (1591ء) میں لاہور میں فوت ہوئے اور اسی شہر میں دفن ہوئے۔

نظیری نیشاپوری

محمد حسین نظیری دسویں صدی ہجری کو نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ اپنی جوانی میں 992 ہجری میں ہندوستان آ گئے۔ مرزا عبدالرحیم خانخاناں نے ان کی سرپرستی کی۔ انہی کے ذریعے نظیری نے مغل بادشاہ اکبر کے دربار تک رسائی حاصل کی۔ انہوں نے زیادہ وقت خانخاناں کے دربار میں گزارا۔ نظیری نے خانخاناں، اکبر، جہانگیر اور شہزادہ مراد وغیرہ کی شان میں قصاید لکھے۔ ان کا دیوان قصاید، غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ غزل میں وہ حافظ شیرازی کی تقلید کرتے تھے اور اپنی اس تقلید پر فخر کیا کرتے تھے۔ اپنی آخری عمر میں حج کیا جس کے بعد انہوں نے صوفیانہ زندگی اختیار کر لی۔ 1021 ہجری (1612ء) میں احمد آباد گجرات (ہندوستان) میں وفات پائی۔

حکیم ابوالفیض فیضی

نام ابوالفیض اور تخلص فیضی تھا۔ 954 ہجری (1554ء) کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد شیخ مبارک سے حاصل کی جو علوم معقول اور منقول کے ماہر تھے اور چاروں فقہوں پر عبور رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ تصوف کے معروف سلسلوں کا علم بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے ''منبع نفیس العیون'' کے نام

سے قرآن کی تفسیر عربی زبان میں تحریر کی۔فیضی ان کے والد مبارک شاہ اور بھائی ابوالفضل علامی کو مغل بادشاہ اکبر کے دربار میں خاص مقام حاصل تھا۔فیضی اکبر کے دربار کے ملک الشعراء تھے۔وہ ویسے تو شاعر اور طبیب تھے مگر بادشاہ کی قربت کے باعث انہیں مختلف کاموں پر مامور کیا گیا۔ان پر الزام ہے کہ انہوں نے اکبر کو دین اسلام سے منحرف کرنے میں حصہ لیا۔فیضی نے تمام اصناف سخن میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔وہ امیر خسرو اور خواجہ حسن دہلوی کے مقلد تھے۔فیضی نے خمسہ نظامی کی پیروی میں مثنویاں لکھیں۔انہوں نے ''سواطع الہام'' کے نام سے قرآن مجید کی بے نقطہ تفسیر تحریر کی۔یعنی اس تفسیر میں کوئی نقطے والا لفظ استعمال نہیں کیا۔فیضی کے قصاید صرف مدحیہ نہیں بلکہ مختلف موضوعات مثلاً پندوموعظت ،عظمت آدم، خدا کی حمد اور فخر و توصیف پر مشتمل ہیں۔ان کے دیوان کا زیادہ تر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔جس میں ان کی مکمل غزلوں کی تعداد 764 ہے۔انہوں نے 1004 ہجری (1591ء) کو وفات پائی۔

کلیم کاشانی

مرزا ابوطالب کلیم جو بعد میں ''طالبا'' کے نام سے معروف ہوئے۔تقریباً 990 ہجری (1582ء) کو ہمدان میں پیدا ہوئے۔کچھ عرصہ کاشان میں مقیم رہنے کے باعث انہیں ''کاشانی'' کہا جاتا ہے۔وہ کاشان کے علاوہ کچھ مدت شیراز میں رہے اور وہیں ابتدائی علوم حاصل کیے۔مغل بادشاہ جہانگیر کے دور میں ہندوستان آئے اور بعد میں شاہ جہاں سے ملک الشعراء کا لقب حاصل کیا۔اپنی عمر کے آخری حصے میں شاہ جہانی فتوحات کو مثنوی کی صورت میں قلمبند کرنے کے لیے بادشاہ کی اجازت سے کشمیر گئے اور وہاں اقامت اختیار کر لی۔ بالآخر 1061 ہجری (1651ء) میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور کشمیر میں دفن ہوئے۔ان کی وجہ شہرت ان کی غزلیات ہیں۔انہوں نے اپنی غزلوں میں رنگین خیالی،ضرب الامثال اور محاورے کی زبان اور الفاظ استعمال کر کے انہیں عام لوگوں کے خیال اور سوچ کے افق سے نزدیک کر دیا ہے۔انہوں نے اپنے اشعار میں ہندی کلمات، وہاں کے پھولوں اور پودوں کے نام اور وہاں کی باتیں تحریر کی ہیں۔جس سے شاعری میں نئے مضمون ایجاد ہوئے ہیں۔اسی وجہ سے انہیں ''خلاق المعانی ثانی'' کا لقب دیا گیا۔

منیر لاہوری

ابوالبرکات منیر لاہوری 12 رمضان 1019 ہجری (28 نومبر 1610ء) کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام عبدالجلیل بن حافظ ابواسحاق لاہوری تھا۔جن کا شمار ہندوستان کے معروف خطاطوں میں ہوتا تھا۔منیر پانچ سال کی عمر میں مکتب گئے۔وہاں لکھنا پڑھنا سیکھا۔گلستان سعدی پڑھی اور اس کے بہت سے شعر حفظ کیے۔چودہ سال کی عمر میں سنائی اور انوری کی تقلید میں شعر کہنے شروع کیے۔اور منیر تخلص اختیار کیا۔1045 ہجری (1635ء) میں آگرہ جا کر سیف خان کی ملازمت اختیار کی اور بعد میں سیف خان کے ساتھ بنگال گئے۔بنگال کی آب و ہوا ان کے لیے سازگار نہ تھی اس لیے بنگال سے الہ آباد پہنچے۔7 رجب 1054 ہجری (9 ستمبر 1644ء) کو آگرہ میں انتقال پا گئے۔ان کا جسد خاکی وہاں سے لاہور لا کر دفن کیا گیا۔1050 ہجری (1640ء) میں جب منیر بنگال سے واپس آئے تو انہوں نے اپنی کلیات مرتب کی اور اس کا نام ''کلیات اولیٰ'' رکھا۔اس میں ستائیس سال تک کی عمر کا کلام اور نثر شامل کی گئی۔انہوں نے شاعری کی تقریباً تمام اصناف قصیدہ، قطعہ، ترجیع بند، ترکیب بند، غزل، مثنوی، رباعی اور مفردات میں طبع آزمائی کی۔کارستان، کارنامہ اور تذکرہ شعراء ان کی اہم نثری تصانیف ہیں۔

بیدل عظیم آبادی

مرزا عبدالقادر 1054 ہجری (1644ء) کو عظیم آباد پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ان کے آباؤ اجداد ترک چغتائی تھے جو بخارا کی سرزمین سے ہندوستان آئے اور یہاں اقامت پذیر ہو گئے۔عبدالقادر نے ''بیدل'' تخلص سے شہرت پائی۔ 1096 ہجری (1685ء) سے دہلی آ کر مقیم ہو گئے۔ 1133 ہجری

(1721ء) میں وفات پائی۔ بیدل کی کلیات زخیم ہے۔اس میں کئی قسم کی شاعری اور نثر موجود ہے۔نثر میں نکات و مراسلات معروف ہے اور مثنویوں میں عرفات اور محیط اعظم مشہور ہیں۔مگر بیدل کی اصل شہرت ان کی خیال انگیز اور گوناں گوں مضامین کی غزلوں کے باعث ہے۔خیال بندی میں انہیں ملکہ حاصل ہے۔ بیدل کی شاعری کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ پیچیدہ مضامین کو رنگین استعاروں، رمز آمیز شاعرانہ تخیلات ایہام کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔مگر ان کی شاعری میں ایسا کلام بھی موجود ہے جو سادہ، آسان اور عام فہم ہے اور ان کی زبان اور ذہن کی خاص پیچیدگیوں سے عاری ہے۔

غالب دہلوی

مرزا نوشہ اسداللہ خاں غالب 1212 ہجری (1797ء) کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ پہلے تخلص اسد تھا بعد میں غالب رکھا۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ چند سال تک اپنے چچا کی سرپرستی میں پرورش پائی۔ تقریباً پندرہ سال کی عمر میں دہلی چلے گئے اور باقی عمر وہاں گزاری۔ یہاں تک کہ 1285 ہجری (1869ء) کو دہلی میں وفات پائی اور دہلی شہر کے باہر امیر خسرو اور نظام الدین اولیاء کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ غالب نے دوزبانوں اردو اور فارسی میں شاعری کی۔ اردو شاعری میں انہوں نے سبک جدید کے شاعروں کی پیروی کی جبکہ فارسی شاعری میں قدیم شاعروں کی تقلید کی اور سبک ہندی میں شعر کہے۔ ان کی فارسی کلیات قصاید، غزلیات، مثنویات اور قطعات پر مشتمل ہے۔ قاطع برہان، مہر نیمروز، مکاتیب اور کلیات نثر فارسی ان کی زندہ جاوید یادگاریں ہیں۔ غالب نے فارسی کے متعدد نامور شعرا کا کلام تضمین کیا جیسے سعدی، رومی، امیر خسرو، حافظ شیرازی، جامی، عرفی، فیضی، نظیری، ظہوری اور بیدل۔ ان کو بیدل سے دلی لگاؤ تھا۔

مغلیہ دور میں فارسی نثر

مغلیہ دور میں مختلف موضوعات پر فارسی نثر کی متعدد کتابیں تحریر کی گئیں۔ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

تاریخ کی کتب

ابوالفضل علامی کی تواریخ

ابوالفضل علامی نے دو تاریخ کی کتابیں اکبر نامہ اور آئین اکبری تحریر کی ہیں۔ اکبر نامہ کی پہلی جلد میں تیموری خاندان کی تاریخ، اکبر کی تخت نشینی تک قلمبند کی گئی ہے۔ دوسری اور تیسری جلد میں اکبر کے دور کے حالات و واقعات مفصل تحریر کیے گئے ہیں۔ آئین اکبری در حقیقت اکبر نامہ کی ہی چوتھی جلد ہے۔ اس کے پانچ حصے ہیں۔ پہلی تین جلدیں اکبر کے دور کے امراء، فضلاء، شعراء، افواج اور اکبر کی ذاتی زندگی پر قلمبند کی گئی ہیں۔ آخری دو جلدیں علمی اور ادبی تاریخ پر مشتمل ہیں۔ ابوالفضل کی یہ کتابیں معانی اور موضوعات کے اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہیں۔

تاریخ رشیدی

اس تاریخ کے مصنف مرزا حیدر ہیں جو مغل بادشاہ ہمایوں کے خالہ زاد بھائی تھے۔ انہوں نے کئی سال کشمیر پر حکمرانی کی۔ تاریخ رشیدی کے پہلے حصے میں منگولوں کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے جبکہ دوسرا حصہ مرزا حیدر کی یاداشتوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کی زبان سادہ اور رواں ہے۔

مآثر رحیمی

مآثر رحیمی کے مولف خواجہ عبدالباقی نہاوندی ہیں۔ یہ کتاب ویسے تو عبدالرحیم خان خاناں کی سوانح عمری ہے مگر اس میں برصغیر کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ

موجود ہے۔اس کتاب کی چار فصلیں ہیں۔جن میں عبدالرحیم خان خاناں، بیرم خاں اور دیگر عمائدین کے حالات زندگی اور غزنوی دور حکومت سے لے کر جہانگیر کے عصر تک کی تاریخ موجود ہے۔یہ کتاب بھی آسان اور رواں نثر میں تحریر کی گئی ہے۔

تاریخ بدایونی

اس کتاب کا دوسرا نام منتخب تواریخ ہے۔اس تاریخ کو عبدالقادر بدایونی نے مغلیہ بادشاہ اکبر کے دور میں تحریر کیا ہے۔یہ کتاب اپنے دور کی اہم تاریخوں میں سے ہے۔اس میں سبکتگین کے آغاز سلطنت سے لے کر اکبر کے چالیسویں جلوس تک کی ناقدانہ تاریخ قلمبند کی گئی ہے۔کتاب کی زبان سادہ اور آسان ہے۔انداز بیان جرات مندانہ ہے۔یہاں تک کہ اکبر کی بدعات اور دین الٰہی پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے۔

تاریخ الفی

یہ اکبر بادشاہ کے عہد کی مفصل ترین تاریخ ہے جسے کئی اشخاص نے ترتیب دیا ہے۔ان افراد میں مُلا احمد ٹھٹھوی اور مُلا عبدالقادر بدایونی شامل ہیں۔اس کتاب میں اسلام کی ابتداء سے لے کر 996 ہجری (1588ء) تک کے تاریخی واقعات قلمبند کیے گئے ہیں۔کتاب کی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔

تاریخ فرشتہ

اس کتاب کا دوسرا نام گلشن ابراہیمی ہے جسے میر قاسم فرشتہ استرآبادی نے 1018 ہجری (1609ء) میں پایہ تکمیل کو پہنچایا۔سنوں کی غلطیوں کے باوجود یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے۔ایک مقدمہ اور ایک خاتمہ کے علاوہ بارہ مقالوں پر مشتمل ہے۔اس میں نہ صرف مسلمان حکام کے ادوار کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے بلکہ مختلف ریاستوں مثلاً لاہور، دہلی، ملتان، بنگال، گجرات، کشمیر وغیرہ کے حکام کے بارے میں معلومات موجود ہیں۔

طبقات اکبری

تاریخ کی یہ کتاب خواجہ نظام الدین احمد کی تالیف ہے۔جسے طبقات اکبری شاہی اور تاریخ نظامی بھی کہا جاتا ہے۔یہ کتاب نو طبقات پر مشتمل ہے اور اس کے آخر میں جغرافیائی معلومات بھی قلمبند کی گئی ہیں۔اس میں اس دور کے سلاطین اور حکام کے حالات تحریر کیے گئے ہیں۔یہ کتاب سادہ اور رواں فارسی میں تحریر کی گئی ہے۔

ان کے علاوہ مغلیہ دور میں تاریخ کے موضوع پر تحریر کی جانے والی اہم کتب اور ان کے مصنفین کے نام یہ ہیں۔ہمایوں نامہ (گلبدن بیگم)، نفائس المآثر (میر علاؤالدولہ)، تاریخ ہمایوں (بایزید بیات)، ذکر الملوک (شیخ عبدالحق حقی)، تاریخ کشمیر (حیدر ملک)، پادشاہ نامہ (محمد امین قزوینی)، عمل صالح (محمد صالح کنبوہ)، صبح صادق (مرزا محمد صادق صادقی)، زبدۃ التواریخ (نورالحق المشرقی)، مہر نیمروز (اسداللہ خاں غالب)۔

تذکرے

مجمع الاولیاء

یہ 1500 صوفیا اور عرفاء کا تذکرہ ہے جسے میر اکبر علی حسین نے 1044 ہجری (1634ء) میں مکمل کیا۔اس میں تصوف کے مختلف سلسلوں کا ذکر جداگانہ طور پر موجود ہے۔

عرفات العارفین

اس تذکرے کا پورا نام عرفات العارفین و عرصۃ العاشقین ہے۔جسے تقی اوحدی نے 1024 ہجری (1615ء) کو آگرہ میں مکمل کیا۔اس میں تین ہزار

عرفا کے احوال وآثار موجود ہیں۔

مجمع النفائس

پندرہویں صدی ہجری میں سراج الدین علی خاں آرزو نے مجمع النفائس کے عنوان سے شعراء کا قابل قدر تذکرہ تحریر کیا۔اس میں انہوں نے شعراء کے مختصر حالات زندگی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا نمونہ کلام بھی پیش کیا ہے۔

ان کے علاوہ یہ تذکرے بھی مغلیہ دور کے اہم تذکرے ہیں: مخبرالواصلین (محمد فاضل اکبرآبادی)، حضرات القدس (شیخ بدرالدین سرہندی)، ذخیرۃ الخوانین (شیخ فرید)، تذکرۃ الواقعات (جوہرآفتابچی)، تذکرہ ہمیشہ بہار (کشن چنداخلاص)، تذکرۃ الشعرای کشمیر (اصلح مرزا)، تذکرہ حسینی (میر حسین دوست)، تذکرہ مردم دیدہ (ملاعبدالحکیم حاکم)، گلزارابراہیم (علی ابراہیم خان) وغیرہ۔

ادب وانشا

ابولفضل علامی کی کتب

وشنوشرما کی سنسکرت زبان میں تحریر کی گئی کتاب ''پنچ تنترا'' کے فارسی اور عربی تراجم کلیلہ ودمنہ کے عنوان سے موجود ہیں۔مولانا حسین واعظ کاشفی نے ان کی مدد سے ''انوار سہیلی'' ترتیب دی۔ابوالفضل علامی نے اسے ''عیار دانش'' کے نام سے از سرنو ترتیب دیا۔انشاء ابوالفضل خطوط کا مجموعہ ہے جو تین دفتروں پر مشتمل ہے۔یہ خطوط مسجع فارسی کا انمول شاہکار ہیں۔''کشکول'' ابوالفضل کا مرتب کردہ نظم ونثر کا انتخاب ہے۔

سہ نثر

مُلا نورالدین محمد ظہوری کی تین دیباچوں پر مشتمل نثر کو سہ نثر ظہوری کہتے ہیں۔ان دیباچوں کا متن مشکل اور مسجع عبارت میں تحریر کیا گیا ہے۔

مکتوبات امام ربانی

شہنشاہ اکبر اور جہانگیر کے دور میں تحریر کیے گئے یہ خطوط حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے ہیں۔یہ خطوط اس دور کے علماء، امراء، اور اہم شخصیات کو تحریر کیے گئے ہیں۔یہ مکتوبات فارسی ادب کا عظیم سرمایہ ہیں۔خطوط کے اس مجموعے کے تین حصے ہیں۔انہیں نہایت ایمان افروز اور دلآویز اسلوب میں تحریر کیا گیا ہے۔

انشاء فارسی

یہ فیضی فیاضی اکبرآباد کے خطوط کا مجموعہ ہے۔انھوں نے یہ خطوط نہایت سادہ اور رواں فارسی نثر میں تحریر کیے ہیں۔

رقعات عالمگیری

شہنشاہ محمد اورنگ زیب عالمگیر کے مکتوبات کے مجموعے کو رقعات عالمگیری کہتے ہیں۔یہ خطوط ادبی فارسی میں تحریر کیے گئے ہیں۔ان کا موضوع نہایت دل آویز ہے۔ان مکتوبات سے اورنگ زیب عالمگیر کی حق پرست سیرت جلوہ نما ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ مغلیہ دور کے ادب اور انشاء کے اہم شاہکار یہ ہیں:

انشائے منشی (محمد رفیع منشی)، رقعات گیلانی (حکیم ابوالفتح گیلانی)، رقعات مرزا کمال (لچھرام)، دستنبو (مرزا غالب) وغیرہ۔

لغت وفرہنگ

فرہنگ جہانگیری

اس لغت کا تعلق جہانگیر کے دور سے ہے۔اسے میر جمال الدین حسین شیرازی (معروف بہ میر عضدولہ) نے مرتب کیا۔انہوں نے اس پر 12 سال کام کیا اور یہ 1017 ہجری (1608ء) میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔یہ ایک ضخیم لغت ہے اور اس میں مولف نے الفاظ کے معنی شواہد شعر کے ذریعے پیش کیے ہیں۔ مولف نے اس لغت کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے کہ اس نے اس لغت کی تیاری میں 44 لغت کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔جہانگیر نے ''توزک جہانگیری'' میں اس لغت کی تعریف کی ہے۔

فرہنگ رشیدی

یہ لغت عبدالرشید مدنی ٹھٹھوی نے 1064 ہجری (1654ء) میں تالیف کی ہے۔یہ ایک قابل اعتماد لغت ہے اور اسے تہران سے شائع کیا گیا ہے۔ مولف نے فرہنگ جہانگیری اور کئی دیگر لغت مدنظر رکھ کر فرہنگ رشیدی کو مرتب کیا ہے۔

غیاث اللغات

یہ لغت 1242 ہجری (1827ء) میں محمد غیاث الدین رام پوری نے مرتب کی۔اس میں ترکی، عربی اور فارسی زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔مولف نے اسے چودہ سالوں میں مکمل کیا ہے۔یہ فرہنگ ہندوستان اور ایران دونوں ملکوں میں شائع ہو چکا ہے۔

ان کے علاوہ یہ بھی مغلیہ عہد کے اہم لغت ہیں:

جامع اللغات علامی (ابوالفضل)، قاطع برہان (مرزا غالب)، بہار عجم (ٹیک چند بہار) وغیرہ۔

دین وتصوف

فتاویٰ عالمگیری

یہ کتاب شیخ نظام کی سربراہی میں متعدد علماء کرام نے مرتب کی۔اسے عالمگیری دور کا لازوال کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔یہ فقہ کی معتبر کتاب ہے۔برصغیر کے حنفیہ عقیدے کے لوگوں کے نزدیک ہدایہ کے بعد یہ دوسری اہم کتاب ہے۔

قرآن کا فارسی ترجمہ

حکیم الامت شاہ ولی اللہ کا شمار مغلیہ دور کی اہم ترین شخصیات میں ہوتا ہے۔انہوں نے قرآن پاک کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے اس کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔فارسی میں قرآن پاک کا یہ پہلا ترجمہ ہے۔

مراۃ طیبہ

خواجہ معین الدین نقشبندی کا تعلق اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سے ہے۔انہوں نے مراۃ طیبہ کے نام سے عرفانی کتاب تحریر کی۔اس کتاب کو عالمانہ انداز میں قلمبند کیا گیا ہے۔

مغلیہ دور کے فارسی ادب کا مختصر جائزہ

مغلیہ دور کو فارسی ادب کے عروج کا زمانہ کہا جاتا ہے۔شہنشاہ اکبر کے دور سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر کے دور تک ایرانی شعراء کی ایک خاص تعداد برصغیر پاک وہند میں آئی۔ان کے آنے سے فارسی ادب کو چار چاند لگ گئے۔اس دور میں غزل میں عشقیہ اور خمریہ مضامین کثرت سے آجانے کے باعث غزل محفلوں کی رونق بنی۔دوسری طرف اکثر شعراء نے عشق الٰہی، معرفت خداوندی، وحدت الوجود، محبت اور درویشی جیسے نفیس نکات غزل میں پیش کیے اور غزل میں صحیح معنوں میں واردات عشق، سوز اور درد جیسے جذبات بھرے۔سبک ہندی کے فروغ سے معنی آفرینی، ابہام اور پیچیدگی پیدا ہوئی۔بیدل اور عرفی جیسے شاعروں کا کلام سمجھنا مشکل ہو گیا۔مغلیہ دور میں تقریباً ہر شاعر نے رباعی میں طبع آزمائی کی۔ان رباعیوں میں حیات و کائنات کے ہر گوشے کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا۔مرزا بیدل نے اپنی ساڑھے تین ہزار رباعیات میں اسرار و رموز اور تصوف نہایت دانشمندی سے حکیمانہ انداز میں پیش کیا ہے۔اس دور میں اخلاق و تصوف اور لوک داستانوں پر عشقیہ اور رزمیہ مثنویاں تحریر کی گئیں۔کئی شاعروں نے خمسہ نظامی کی تقلید میں طبع آزمائی کی۔قصیدے کے حوالے سے ایرانی شعراء جو روایت اپنے ساتھ برصغیر پاک وہند میں لائے تھے وہ اپنی جگہ پر قائم رہی۔یہاں کے شعراء نے انوری، خاقانی اور ظہیر فاریابی کی پیروی میں قصیدہ سرائی کی۔حتیٰ انہی کے بحور و قوافی میں طبع آزمائی کی۔البتہ اورنگ زیب کے دور میں ملک الشعراء کا عہدہ دربار میں ختم کر دیا گیا اور قصیدہ سرائی کو زوال آگیا۔اس کے برعکس باقی مغلیہ شہنشاہوں کے دور میں قصیدہ سرائی عروج پر رہی کیونکہ ایک تو یہ بادشاہ مدح اور ستائش کے لائق تھے۔دوسرا یہ کہ ادب وفن کے قدردان تھے اور ان میں سے اکثر نقاد اور شعر فہم تھے۔

(E) Special Study of Iranian Poets and Prose Writers.

ایرانی شعراء، نثر نگاران

(a) Poets

(i) Firdousi

ابوالقاسم فردوسی

بـــه نــام خــداونــد جــان و خــرد   کــزیــن بــرتــر انــدیشــه بــرنگــذرد

(فردوسی)

حکیم ابوالقاسم فردوسی ایرانی ادب کے آسمان کا ایک درخشاں ستارہ ہیں جو ماضی کے تمام ادوار سے لے کر اب تک اپنی نہایت اہم کتاب ''شاہنامہ'' کے ساتھ لوگوں میں محبوبیت اور شہرت رکھتے ہیں۔ فردوسی کی کنیت ابوالقاسم، نام منصور بن حسن اور تخلص فردوسی تھا۔ وہ 329 ہجری (941ء) کو طوس کے علاقے طابران کے ایک گاؤں ''باز'' میں پیدا ہوئے جسے اب ''پاز'' کہتے ہیں اور یہ ایران کے مشہور شہر مشہد سے 20 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ فردوسی کا تعلق ایران کے دو ادوار ''سامانی اور غزنوی'' سے ہے۔ فردوسی کو جو عظمت اور شہرت حاصل ہوئی وہ شاید ہی کسی اور شاعر کو میسر آئی ہو۔ انہیں ایران کے قومی شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

فردوسی نے اپنی عمر کے آخری سال تنگدستی، کمزوری، بیماری اور اداسی میں گزارے اور بالآخر تقریباً 80 سال کی عمر میں 411 ہجری (1020ء) کو وفات پائی اور اپنے آبائی شہر طوس میں دفن ہوئے۔ ان کا مزار آج بھی صاحب دل اور ادب دوست افراد کی زیارت گاہ ہے۔

شاھنامہ فردوسی

شاہنامہ فردوسی ایران کی وہ عظیم کتاب ہے جسے حکیم ابوالقاسم فردوسی نے شعروں کے پیرایہ میں سامانی اور غزنوی دور میں تحریر کیا۔ فردوسی ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اسی زمین اور جائیداد کی بدولت فردوسی نے اپنی جوانی کا زمانہ آرام و آسائش میں گزارا۔ فارسی اور عربی ادب ابتدائی تعلیم کے طور پر پڑھا۔ فردوسی کو بچپن سے پرانی داستانیں پڑھنے کا بہت شوق تھا اور بالخصوص ایران کی تاریخ سے انھیں عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ان کا یہی شوق شاہنامہ فردوسی لکھنے کا محرک بنا۔ وہ ایران کی پوری تاریخ منظوم کرنے کا عزم لے کر اس بارے معلومات حاصل کرنے کے لیے نیشاپور، ہرات، بلخ، مرو اور دیگر کئی شہروں میں گئے۔ فردوسی کے ایک ہم عصر شاعر ابومنصور دقیقی طوسی نے مسعودی مروزی کے بعد ایران کی قومی داستانیں اشعار میں تحریر کرنے کا فیصلہ کیا اور بعد میں نوح بن منصور سامانی کے حکم پر نثر میں تحریر کردہ شاہنامہ ابومنصوری کو اشعار میں تبدیل کرنے کا کام شروع کیا۔ انہوں نے ابھی ایک ہزار شعر تحریر کیے تھے کہ اپنے غلام کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ فردوسی طوسی نے دقیقی کے ادھورے کام کو مکمل کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا اور اسے شاہنامہ فردوسی کی صورت میں مکمل کیا۔ وہ اس عظیم کام میں تقریباً تیس سال سے پینتیس سال تک مصروف رہے۔ ان پر جوانی سے بڑھاپا آ گیا۔ ان کا تمام مال و اسباب ختم ہو گیا اور وہ مفلسی کا شکار ہو گئے۔ اس خیال سے کہ سلطان محمود علم دوست ہے اور وہ ان کے شاہکار کی قدردانی کرے گا، فردوسی نے شاہنامہ سلطان محمود کے نام سے منسوب کیا اور غزنی جا پہنچے۔

سلطان محمود کی شان میں چند مدحیہ شعر تحریر کر کے شاہنامہ میں شامل کیے اور شاہنامہ کا کچھ حصہ دربار میں پڑھ کر سنایا۔ مگر غزنی کے دربار میں ان کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں ہوئی۔

شاہنامہ فردوسی ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل فارسی ادب کی ایک طولانی ترین رزمیہ مثنوی ہے۔ اس میں ایران کے پہلے بادشاہ کیومرث سے لے کر آخری بادشاہ یزدگرد سوم تک پچاس بادشاہوں کے حالات و واقعات بحر متقارب میں تحریر کیے گئے ہیں۔ اس میں پچاس فصلیں ہیں اور ہر فصل میں ایک بادشاہ کے حالات و واقعات تحریر کیے گئے ہیں۔ یہ نہ صرف قدیم ایران کی شاندار عظمت کا آئینہ دار ہے بلکہ فارسی زبان کی شان و شوکت کی سند ہے۔ اس میں ایک طرف وطن پرستی کا پہلو نمایاں ہے تو دوسری طرف اخلاقیات کا درس موجود ہے۔ بلاشبہ فردوسی نے نہایت امانت داری سے قدیم ایران کی تاریخ اور تمدن کو محفوظ کرنے کی کوشش کی۔

شاہنامہ فردوسی کی نمایاں خصوصیات

شاہنامہ کی تقسیم بندی

شاہنامہ فردوسی مختلف داستانوں کا مجموعہ ہے۔ اقسام کے اعتبار سے ان داستانوں کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اساطیری داستانیں، پہلوانوں کی داستانیں، تاریخی داستانیں، عامیانہ داستانیں، جنگی داستانیں اور عاشقانہ داستانیں۔

i۔ اساطیری داستانیں

اساطیری داستانیں ان داستانوں کو کہا جاتا ہے جو انسانی زندگی کی تاریخ سے پہلے انسانوں کے ذہن میں موجود تھیں اور سینہ بہ سینہ بعد میں آنے والے انسانوں تک منتقل ہوئیں۔ مثلاً آگ کی پیدائش کی داستان، کندھوں پر سانپ اٹھائے ضحاک کی داستان، اکوان دیو کی داستان، کاووس کے آسمان پر جانے کی داستان، اسکندر کی داستان، یہ وہ داستانیں ہیں جو شاہنامہ فردوسی میں اسطورہ کی شکل میں پیش کی گئی ہیں۔

ii۔ پہلوانوں کی داستانیں

شاہنامہ کی سب سے خوبصورت کہانیاں پہلوانوں کی داستانیں ہیں۔ ان داستانوں کی بنیاد محبت اور کینہ پر ہے۔ دلیری، بردباری، محبت اور اپنے آباء و اجداد کی سرزمین سے دشمنوں کی بیخ کنی ان داستانوں کے اہم موضوعات ہیں۔ شاہنامہ کے جاذب ترین اور یادگار ترین اشعار انہی داستانوں میں ہیں۔ رستم اور افراسیاب کی جنگ، رستم اور سہراب کی جنگ، گشتاسب اور ارجاسب کی جنگیں، رستم اور اسفندیار کی جنگ، یہ سب پہلوانوں کی داستانیں ہیں جو شاہنامہ میں بیان ہوئی ہیں۔

iii۔ تاریخی داستانیں

رستم کی موت کے بعد شاہنامہ کا پہلوانوں والا حصہ اپنے اختتام کو پہنچتا ہے اور اس کے بعد تاریخی داستانوں کا آغاز ہوتا ہے۔ گلنار اور اردشیر کی داستان، اردشیر اور اردوان کی بیٹی یزدگرد کی داستان، کلیلہ و دمنہ تحریر کرنے کی داستان، شاپور اور مہرک نوش زادہ کی بیٹی کی داستان۔ یہ سب تاریخی داستانیں ہیں جو شاہنامہ میں اشعار کی صورت میں بیان کی گئی ہیں۔

iv۔ عامیانہ داستانیں

یہ وہ داستانیں ہیں جو عوام یا عام لوگوں کی زبان پر موجود تو ہوتی ہیں لیکن ان کے سچ یا حقیقی ہونے کے بارے میں حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔

شاہنامہ میں یہ داستانیں لہراسپ بادشاہ کے دور سے شروع ہوتی ہیں۔لہراسپ کے بیٹے گشتاسب کی داستان، اسکندر کی بادشاہت کی داستان، بہرام اور مہر بنداد کی داستان، بہرام گور کی داستان، رستم اور شغاد کی داستان، رستم کی موت پر اس کی ماں رودابہ کی عزاداری، عامیانہ داستانیں ہیں۔

v۔ جنگی داستانیں

فردوسی جنگی داستانوں میں پہلوانوں اور سورماؤں کے درمیان جنگ کی منظر کشی کرتے ہیں۔ان داستانوں میں فردوسی نے زیادہ باریک بینی سے کام لیا ہے۔دو پہلوانوں کے درمیان جنگ کی منظر کشی کرتے ہوئے فردوسی ان کے لباس، اسلحہ سے لے کر ان کے کھڑے ہونے کی جگہ اور حرکات وسکنات کے بارے بھی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔رستم وسہراب، رستم واسفندیار، گشتاسب کی جنگیں، اسکندر، بہرام گور، کسرا اور نوش زاد، ہرمز اور بہرام چوبین جنگی داستانیں ہیں۔

vi۔ عاشقانہ داستانیں

فردوسی نے شاہنامہ میں عاشقانہ داستانیں نہایت خوبصورتی سے تحریر کی ہیں البتہ یہ داستانیں زیادہ تعداد میں موجود نہیں ہیں لیکن جو موجود ہیں ان سے فردوسی کی مہارت اور بیان کی خوبصورتی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔یہ داستانیں ہر ہنر دوست اور صاحب ذوق کو متاثر کرتی ہیں۔زال و رودابہ، سیاوش وسودابہ، بیژن ومنیژہ، اسکندر وقیدافہ، گلنار واردشیر، بہرام وآرزو، بہرام وسپینود عاشقانہ داستانیں ہیں۔

سادہ وروان اسلوب

شاہنامہ فردوسی کا اسلوب سادہ، رواں اور دل چسپ ہے۔انہی خصوصیات کی بنیاد پر جو شہرت اور مقبولیت شاہنامہ فردوسی کو حاصل ہوئی، وہ کسی اور شاہنامہ کو نہیں ملی۔اس میں بعض جگہوں پر صنایع لفظی موجود تو ہے مگر اس سے شاہنامہ کی سلاست اور روانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بدگوئی اور خوشامد سے گریز

شاہنامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی پاکیزہ اور لطیف طبیعت کے مالک تھے۔انھوں نے شاہنامہ میں بدگوئی اور خوشامد سے گریز کیا ہے۔ بنیادی طور پر وہ ایک محب وطن ایرانی تھے۔اس لیے انھیں اپنے ملک اور اس کے قدیم بادشاہوں، سرداروں اور دلاوروں سے عشق کی حد تک پیار تھا۔جن لوگوں نے ایران کو نقصان پہنچایا، ان سے انھیں نفرت تھی۔

داستان سرائی

فردوسی کو داستان سرائی میں مہارت حاصل تھی اس لیے شاہنامہ میں ان کا کلام دل چسپ داستانوں سے مزین ہے۔یہ صرف داستانیں ہی نہیں بلکہ ان داستانوں میں ایران کی قدیم تاریخ رقم کردی گئی ہے۔اسی وجہ سے ایرانیوں نے ابوالقاسم فردوسی کو اپنا قومی شاعر قرار دیا ہے۔

منظر کشی

شاہنامہ فردوسی کے اشعار میں پختگی، شیرینی اور منظر نگاری نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔وہ میدان جنگ کی منظر کشی اس دل چسپ انداز سے کرتے ہیں کہ قاری خود کو اسی میدان جنگ میں موجود احساس کرتا ہے۔لونگینوس (Longinus) شاہنامہ کو ادب عالیہ کا مظہر قرار دیتا ہے کیونکہ یہ الفاظ کا ایک عظیم خزانہ اور فصاحت و بلاغت کا ایک وسیع سمندر ہے۔

شاہنامہ کی زبان

ایران میں عربوں کی آمد کے بعد عربی الفاظ فارسی میں داخل ہو گئے جس کے نتیجہ میں عربی الفاظ فارسی نظم ونثر میں کثرت سے نظر آنے لگے۔فردوسی جو

جذبہ حب الوطنی سے سرشار تھے انھوں نے ایران کی قومی تاریخ اپنی قومی زبان میں پیش کی۔ اس وقت جب شاعر اور نثر نگار عربی الفاظ کو فارسی میں بڑے فخر سے استعمال کرتے تھے، فردوسی نے شاہنامہ میں عربی الفاظ بہت کم اور ضرورت کے تحت ہی استعمال کیے۔ اس طرح انھوں نے قومی تاریخ تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی قومی زبان فارسی کو بھی خالص رکھا اور اسے ایک نئی زندگی عطا کی۔ انہوں نے ایسی تشبیہات اور استعارے استعمال کیے جن کا تعلق خالصاً ایرانی ماحول سے ہے۔

ثقافتی اور معاشرتی معلومات کا خزانہ

فردوسی نے شاہنامہ میں جہاں ایران کے قدیم بادشاہوں کے حالات و واقعات بیان کیے وہاں اس زمانے کی تہذیب اور معاشرت کی تصویر کشی بھی کی ہے۔ اس زمانے کی تقریبات، بادشاہوں کے جنگ اور صلح کے طریقے، عدالتی نظام، دینی تعلیمات، شکار کے طریقے، کھیلوں اور رسومات کا نقشہ پیش کیا ہے۔ شاہنامہ کے اشعار سے قدیم زمانہ کی معاشرتی اور ثقافتی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

اخلاقی پہلو

شاہنامہ اگرچہ ایک رزمیہ مثنوی ہے مگر اس میں دینی اور اخلاقی مطالب بھی بیان کیے گئے ہیں جو نہایت دل کش، مفید اور باارزش ہیں۔ چوتھی صدی ہجری کے آغاز ہی سے فارسی شاعری میں حکمت و اخلاق کے موضوعات شامل ہو گئے تھے لیکن شاہنامہ فردوسی پہلی مکمل موجود منظوم کتاب ہے جس میں اخلاقی موضوعات پائے جاتے ہیں۔ یہ مطالب داستانوں کے ضمن میں آئے ہیں۔ کبھی فردوسی اپنی جانب سے قصے کی مناسبت سے وعظ و حکمت و پند و نصائح بیان کرتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بادشاہ یا وزیر کی جانب سے مطالب حکمت و موعظت بیان کیے جاتے ہیں۔

شاہنامہ پر اعتراضات

پروفیسر براؤن کے بقول ساٹھ ہزار اشعار کا ایک بحر میں موجود ہونا قاری کی اکتاہٹ کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ شاہنامہ میں بعض اشعار یا مصرعے ایسے ہیں جو تکرار کیے گئے ہیں یا بعض اشعار کا قافیہ درست نہیں ہے۔ اس میں بعض تخیلاتی واقعات بیان کیے گئے ہیں جنھیں عقل قبول نہیں کرتی۔ پروفیسر ہادی حسن مرحوم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ شاہنامہ میں فردوسی میدان جنگ کی منظر کشی تو خوب کرتے ہیں مگر میدان جنگ کی آوازوں پر ان کی توجہ مرکوز نہیں ہوتی بلکہ وہ آوازیں نہ تو خود سنتے ہیں اور نہ ہمیں سناتے ہیں۔

ایک عظیم کتاب جو تیس سال کے عرصے میں تحریر ہوئی اس میں ان جزوی قسم کی کوتاہیوں کا پایا جانا زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ شاہنامہ کی خوبیاں اور محاسن اس کی کوتاہیوں اور خامیوں سے کئی گنا زیادہ ہیں۔

(ii) Jalal-ud-Din Rumi

مولانا جلال الدین رومی (رحمۃ اللہ علیہ)

حالات زندگی

مثنوی معنوی جیسی عظیم کتاب کے شاعر جلال الدین محمد تقریباً 6 ربیع الاوّل 604 ہجری (17 اکتوبر 1207ء) کو بلخ جو اس وقت خوارزم شاہیوں کے ماتحت تھا اور آج کل افغانستان میں شامل ہے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد اور لقب جلال الدین رکھا گیا جو بعد میں مولوی کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ کے والد کا نام محمد بن حسین خطیبی تھا جو بعد میں بہاء الدین ولد اور سلطان العلما کے ناموں سے معروف ہوئے۔ بہاؤالدین ولد کا شمار اپنے دور کے علماء

اور صوفیا میں ہوتا تھا۔ آپ لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے اور مجالس میں تقاریر کرتے۔ اس وقت جلال الدین کی عمر پانچ سال تھی جب ان کے والد کو بلخ سے ہجرت کرنا پڑی اور بعد میں وہ قونیہ منتقل ہو گئے۔ مولانا کی زندگی کا زیادہ حصہ قونیہ میں گزرا۔ آپ نے اسی شہر میں وفات پائی اور یہیں آپ کا مقبرہ بنا۔ قونیہ موجودہ ترکی کے علاقے ارض روم کا ایک شہر ہے اور اسی نسبت سے جلال الدین نے ''مولانا روم'' کے نام سے شہرت پائی۔ اسی دوران جب مولانا کے والد نے بلخ سے ہجرت کر کے بغداد کا رُخ کیا تو ان کا گزر نیشاپور سے ہوا۔ انہوں نے وہاں فرید الدین عطار سے ملاقات کی۔ فرید الدین نے اپنی کتاب ''اسرار نامہ'' کا ایک نسخہ جلال الدین کو تحفہ کے طور پر دیا اور ان کے والد سے کہا کہ: ''جلد ہی تیرا یہ بیٹا دُنیا کے دل جلوں میں آگ لگا دے گا۔'' یہ مولانا کی فرید الدین عطار کے ساتھ پہلی اور شاید آخری ملاقات تھی۔ مولانا نے 4 جمادی الآخر 672 ہجری (23 دسمبر 1273ء) کو وفات پائی اور قونیہ میں دفن ہوئے۔

برہان الدین کی شاگردی

برہان الدین محقق ترمذی مولانا کے والد بہاء الدین ولد کے شاگرد تھے۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم تو اپنے والد سے حاصل کی مگر والد کی وفات کے بعد برہان الدین ترمذی کی شاگردی اختیار کی۔ وہ نو سال تک مولانا کی تربیت اور رہنمائی کرتے رہے۔ برہان الدین 638 ہجری میں قیصریہ میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد مولانا پانچ سال تک فقہ اور دینی علوم پڑھانے میں مشغول رہے۔ برہان الدین ترمذی نے مولانا کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے ساتھ ساتھ چلہ نشینی اور خلوت نشینی کی جانب مائل کیا تاکہ مجاہدت اور ریاضت کا عمل پورا ہو سکے۔

شمس تبریز سے ملاقات

شمس تبریز کا مکمل نام شمس الدین محمد بن علی ملک داد تھا اور وہ تبریز کے رہنے والے تھے۔ جب وہ تبریز سے بغداد آئے اور پھر وہاں سے دمشق کی طرف سفر کرتے ہوئے قونیہ پہنچے تو ایک دن اتفاقاً ان کی ملاقات مولانا روم سے ہوئی۔ شمس تبریز کو دیکھ کر مولانا کی روح میں ایسا انقلاب برپا ہوا کہ وہ مسجد و منبر اور درس و تدریس چھوڑ کر شمس تبریز کے پیچھے چل دیئے اور ان کے ساتھ رہنے لگے۔ مولانا کے مرید اور شاگرد اس بات کو برداشت نہ کر سکے اور شمس تبریز کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب شمس تبریز کو ان کے ارادے کا علم ہوا تو وہ خاموشی سے دمشق کی طرف چلے گئے۔ مولانا نے 40 سال کی عمر تک کوئی شعر نہیں کہا۔ شمس تبریز کی جدائی اور فراق میں انہوں نے پہلی مرتبہ غزل سرائی کی اور نہایت پرسوز غزلیں کہیں۔ ان میں سے بیشتر غزلوں میں اپنا تخلص بھی ''شمس'' لکھا۔ بعد میں دمشق سے ایک قافلہ قونیہ آیا تو اس کے لوگوں نے شمس تبریز کی خبر دی کہ وہ دمشق میں ہیں۔ مولانا نے فوراً اپنے بیٹے سلطان ولد کو دمشق بھیجا جو شمس تبریز کو واپس قونیہ لے آئے اور مولانا دوبارہ ان کی صحبت میں رہنے لگے۔ وعظ و تدریس اور مجالس ترک کر کے سماع کا راستہ اختیار کرنے پر قونیہ کے لوگ دوبارہ مشتعل ہو گئے اور شمس تبریز کی جان کے دشمن بن گئے۔ 645 ہجری میں شمس تبریز ہمیشہ کے لیے قونیہ سے چلے گئے اور پھر واپس نہیں آئے۔

صلاح الدین زرکوب سے ملاقات

شمس تبریز کے چلے جانے کے بعد مولانا نے صلاح الدین زرکوب کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنا لیا۔ درحقیقت صلاح الدین زرکوب مولانا کے اُستاد برہان الدین محقق کے شاگرد تھے۔ مولانا نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ معرفت الٰہی کے حصول کے لیے اس پیر یعنی صلاح الدین زرکوب کی مدد حاصل کریں۔ مولانا کی تحریر کردہ غزلیات میں اکہتر غزلیں ایسی ہیں جن میں صلاح الدین کا نام آیا ہے۔ ان کے ساتھ مولانا کی صحبت اور ہم نشینی کا عرصہ تقریباً دس سال پر محیط ہے۔

حسام الدین چلپی سے ملاقات

جب مولانا کے جانشین اور خلیفہ صلاح الدین زرکوب علالت کے بعد وفات پا گئے تو انہوں نے صلاح الدین زرکوب کے شاگرد حسان الدین چلپی کو

اپنا جدید خلیفہ بنالیا۔مولانا انہیں اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔اپنی زندگی کے اہم ترین مسائل پر ان سے گفتگو کرتے اور مشورہ لیتے۔اگر کسی مجلس میں جاتے اور وہاں حسام الدین نہ ہوتے تو تقریر نہ کرتے اور کہتے کہ جو میری باتوں کو سمجھتا ہے اور درک کرتا ہے وہ آپ کے درمیان نہیں ہے۔مولانا پندرہ سال کا عرصہ ان کے ساتھ رہے۔حسام الدین چلپی نے مولانا کو مثنوی معنوی لکھنے کی جانب مائل کیا۔

مولانا کی تصانیف

دیوان شمس

دیوان شمس یا کلیات شمس کا دوسرا نام دیوان کبیر ہے۔مولانا نے اس دیوان کی اکثر غزلیات میں اپنا تخلص شمس تحریر کیا ہے۔ان غزلیات میں کہیں خوشی اور سرور عروج پر دکھائی دیتا ہے تو کہیں غم کی اتھاہ گہرائیاں نظر آتی ہیں۔البتہ یہ دونوں ہی عشق کی علامتیں ہیں جو عاشق پر طاری ہوتی ہیں۔

مثنوی معنوی

مثنوی معنوی ایران کی عظیم ترین عارفانہ کتابوں میں سے ایک ہے۔یہ چھ جلدوں میں تحریر کی گئی ہے اور اس کے اشعار کی تعداد تقریباً 26000 ہے۔ مثنوی معنوی کے پہلے 18 اشعار ''نی نامہ'' یعنی بانسری نامہ کے نام سے مشہور ہیں۔یہ مثنوی مولانا کے دوست حسام الدین چلپی کے کہنے پر تحریر کی گئی۔مولانا نے اس میں عارفانہ نکتے مثالوں اور حکایات کے ذریعے بیان کیے ہیں۔گویا مولانا نے عظیم ترین عارفانہ مسائل دلچسپ اور آسان شکل میں پیش کیے ہیں۔

رباعیات

مولانا کی رباعیات کا مجموعہ 1312 ہجری میں استنبول سے شائع ہوا جس میں رباعیات کی تعداد 1659 ہے۔استاد بدیع الزمان فروزان فر نے غزلیات شمس کے ساتھ رباعیات بھی شائع کی ہیں۔ان رباعیات کی تعداد 1983 ہے۔مولانا کے نام سے منسوب چند رباعیات معمولی فرق کے ساتھ سنائی اور فرید الدین عطار کی تصانیف میں بھی موجود ہیں۔

فیہ مافیہ

یہ کتاب مولانا کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔جسے مولانا کے فرزند بہاالدین سلطان ولد نے مولانا کے ایک مرید کی مدد سے شائع کیا ہے۔فیہ مافیہ کا دوسرا نام ''الاسرار الجلالیہ'' ہے۔ترتیب و تنظیم کے اعتبار سے یہ کتاب مولانا کے والد کی کتاب ''معارف'' سے شباہت رکھتی ہے۔یہ نہایت سادہ اور روان فارسی نثر میں تحریر کی گئی ہے۔

مکاتیب

مولانا نے اپنی زندگی میں بہت سے بادشاہوں، وزیروں، علماء اور عظیم صوفیوں کو تحریر کیے جو نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور مولانا کے اپنے ہاتھ کی تحریر ہیں۔ان 144 خطوط کی نثر نہایت سادہ اور رواں ہے۔مولانا نے انہیں آیات، احادیث اور اشعار سے مزین کیا ہے۔

مجالس سبعہ

یہ کتاب مولانا کی سات مجالس کا مجموعہ ہے۔یہ وہی مجالس ہیں جنہیں مولانا نے منبر پر بیان کیا۔مولانا کے شاگردوں اور مریدوں نے ان مجالس کو اُس وقت تحریر کرلیا۔اس طرح مولانا کی یہ سات مجالس تحریری صورت میں قلمبند کرلی گئیں۔ان میں بھی آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے حوالہ جات کثرت سے موجود ہیں۔

رومی کا عارفانہ کلام

مولانا جلال الدین رومی اپنے عارفانہ کلام کے اعتبار سے فارسی زبان کے ایک نمایاں ترین شاعر ہیں۔ان کے کلام کی فکر وفن اور تصوف کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت ہے۔مولانا کا اہم ترین مجموعہ کلام ''مثنوی معنوی'' ہے جو چھ دفتروں پر مشتمل ہے۔اس مثنوی کو ایرانیوں کی عظیم ترین عارفانہ مثنوی ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔مولوی نے یہ مثنوی اپنے دوست حسام الدین چلپی کے کہنے پر تحریر کی۔انہوں نے مولانا سے کہا کہ آپ کے شاگردوں کو تصوف کی تعلیم کے لیے فریدالدین عطار کی مثنوی ''منطق الطیر'' کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔اگر آپ کوئی ایسی عارفانہ مثنوی لکھ دیں تو شاگرد اس سے علم تصوف کی پیاس بجھالیں گے۔ مولانا نے پہلی نشست میں 18 شعر لکھوا دیے جنہیں ''نی نامہ'' یعنی بانسری نامہ کہتے ہیں۔مثنوی کا آغاز اس پر معنی شعر سے ہوتا ہے:

بشنو از نی چون حکایت می کند

از جدایی ها شکایت می کند

اس مثنوی میں مولانا نے انسانی روح کو ایک بانسری کی مانند قرار دیا ہے جو اپنے مرکز اور محور کی جدائی اور فراق میں روتی ہے اور اسے اس بات کی شدید آرزو ہے کہ وہ اپنی اصل کے ساتھ وصل ہو جائے۔بانسری مولانا کی نظر میں وہی انسان کامل اور عارف ہے جس نے کمال کے مراحل طے کیے ہیں اور وہ ہستی کے رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے۔بالاخر یہ بانسری خود مولانا پر ختم ہوتی ہے جس نے اس مثنوی کے چھ دفتروں میں 26000 سے زائد شعر کہے ہیں۔اس زمانے میں جب یہ مثنوی تحریر کی گئی ہر رات مولانا کے دوست حسام الدین چلپی مولانا کے پاس آجاتے۔مولانا مثنوی کہتے جاتے اور وہ یہ مثنوی لکھتے جاتے۔یہ سلسلہ 657 سے 666 ہجری دس سال جاری رہا۔اگر مولانا زندہ رہتے تو مثنوی لکھنے کا یہ سلسلہ مزید جاری رہتا۔

مولانا نے اپنی اس مثنوی میں سادہ اور مختصر قصوں اور داستانوں میں لوگوں کے لیے اپنے نظریات اور عقاید بیان کیے ہیں۔مثنوی معنوی نوآموز عارفوں اور صوفیوں کے نصاب کی معروف ترین کتاب ہے۔مثنوی کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں تقریباً 745 احادیث نبوی اور 528 قرآنی آیات کا حوالہ دیا گیا ہے یا ان کی وضاحت کی گئی ہے۔اسی وجہ سے مثنوی معنوی کو ''پہلوی زبان میں قرآن'' کا درجہ دیا جاتا ہے۔اس بارے میں مولانا جامی فرماتے ہیں:

مثنوی مولوی معنوی

هست قرآن در زبان پهلوی

اس عارفانہ مثنوی کی اہم ترین خصوصیت مولانا روم کا استدلال اور طرز بیان ہے۔مولانا اس امر سے آگاہ تھے کہ فلسفیانہ موضوع عمیق ہونے کی وجہ سے آسانی سے نہیں سمجھا جاسکتا۔اس لیے جب مولانا کوئی بحث شروع کرتے ہیں تو اسے تشبیہات اور امثال کے ذریعے قاری کی سوچ میں جاگزیں کرتے ہیں اور حکایات کی مدد سے اسے دلچسپ بناتے ہیں۔مثنوی کے موضوعات میں ایک خاص ربط اور تسلسل موجود ہے اور پڑھنے والے کے لیے تھکاوٹ یا اکتاہٹ کا باعث نہیں بنتے۔وحدت الوجود، عشق حقیقی، روح بشری، حرکت اور جدوجہد مولانا کی مثنوی کے اہم ترین موضوعات ہیں۔اسلامی تصوف کے میدان میں مثنوی معنوی پرتاثیر ترین مثنوی ہے۔اس مثنوی کا شاعر مشرق علامہ محمد اقبال پر اس قدر گہرا اثر ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مولانا روم کا عقیدت مند اور پیروکار کہتے ہیں اور اپنے اس کہے پر فخر کرتے ہیں۔مثنوی معنوی درحقیقت حکمت، فلسفہ، اخلاق، ذوق علم تربیت اجتماعی اور نفسیات کی کتاب ہے۔

مثنوی معنوی میں مولانا کسی داستان کے ایک موضوع کو آغاز کرتے ہیں اور اس داستان کو بیان کرتے ہوئے اپنی اصل بات اور مقصد بیان کرجاتے ہیں۔اسی دلچسپ طریقے کے باعث مثنوی معنوی تمام طرح کے لوگوں کے لیے دلچسپی کا پہلو رکھتی ہے اور کسی خاص گروہ یا طائفہ سے وابستگی نہیں رکھتی۔کبھی وہ حکایت کو اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں تا کہ قاری خود اس حکایت سے اخلاقی نکات کھوج نکالے۔یہ مولانا ہی کا کمال ہے کہ انہوں نے ہستی کے عظیم ترین

مسائل کو سادہ ترین شکل میں بیان کر کے لوگوں کے لیے عام فہم بنایا ہے۔

مولانا کے اشعار کی زبان درحقیقت دل کی زبان ہے۔ آتش عشق میں جلے ہوئے ایک بے قرار دل کی زبان۔ مولانا کے کلام میں موسیقیت اور کلمات کی خوبصورتی بے مثال ہے۔ مولانا نے اپنی زندگی میں مثنوی کے علاوہ غزلیات اور رباعیات بھی کہی ہیں۔ ان کا اصل موضوع بھی عارفانہ مسایل کی وضاحت ہے۔ ان میں بھی دنیاوی وابستگیوں کو ترک کرنے کا سبق دیا گیا ہے۔ مولانا اپنے کلام میں انسان کو حق تعالیٰ کی سمت پرواز کرنے کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اسی لیے جو کوئی مولانا کا کلام پڑھتا ہے وہ زندگی کے وسوسوں سے رہائی پا لیتا ہے۔ اسے یہ راستہ مل جاتا ہے کہ وہ خدا کی توجہ کی پناہ میں ابدی آرام اور آسودگی حاصل کرے۔ حتیٰ آج بھی بے شمار لوگ ایسے ہیں جو زندگی کے شدید دباؤ میں مولانا کے کلام کا رخ کرتے ہیں اور ایک لمحہ کے لیے ہی سہی خود کو عالم معنوی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس لیے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ مولانا مرے نہیں بلکہ وہ اپنے عارفانہ کلام کے باعث تاابد زندہ رہیں گے۔

(iii) Saadi Shirazi

سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

(بعنوان شاعر)

مردم همه دانند که در نامهء سعدی
مشکی است که در طبلهء عطار نباشد

ایلخانی دور سے تعلق رکھنے والے سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ایران کے نامور ترین شاعروں اور نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کا مکمل نام ابو محمد مشرف الدین مصلح بن عبداللہ اور تخلص سعدی ہے۔ انہیں اپنے زمانے کے حکمران سعد بن زنگی سے بہت عقیدت تھی۔ جس کے باعث انہوں نے اپنا تخلص سعدی رکھا۔

حالات زندگی

سعدی 606 ہجری (1209ء) ایران کے معروف شہر شیراز میں عالموں کے ایک گھرانہ میں پیدا ہوئے جس کا اظہار انہوں نے اپنے اس شعر میں کیا ہے:

همه قبیله من عالمان دین بودند
مرا معلم عشق تو شاعری آموخت
(میرے قبیلے والے سب عالمان دین تھے مجھے تیرے عشق کے معلم نے شاعری سکھادی)

سعدی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مصلح الدین عبداللہ سے حاصل کی۔ جنہوں نے سعدی کی شخصیت کو نکھار بخشنے کے لیے علم و فضل کی ایک مستحکم بنیاد فراہم کی۔ والد کی وفات کے بعد انہوں نے شیراز کے معروف علماء سے تعلیم حاصل کی۔ بعد میں نظام الملک طوسی کے قائم کردہ "مدرسہ نظامیہ بغداد" میں داخلہ لے لیا جسے اس دور میں یونیورسٹی کا درجہ حاصل تھا۔ اس مدرسہ میں انہوں نے معروف علماء ابو حامد غزالی، جمال الدین عبدالرحمٰن ابوالفرج بن جوزی اور عبدالقادر سہروردی سے حدیث اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔ سہروردیہ مسلک کے بانی جناب شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد سہروردی سے تصوف کی تعلیم و تربیت کا دور مکمل کیا اور سلوک کی منازل طے کیں۔ آپ نے بعد میں اسی مدرسہ میں استاد کے طور پر کچھ عرصہ پڑھایا۔

تعلیم و تربیت کا مرحلہ مکمل کر لینے کے بعد سعدی نے تقریباً 35 سال دنیا میں سفر کیا۔ اس عرصہ میں انہوں نے ایشیا، جنوبی افریقہ اور شام کا سفر کیا۔ اسی دوران چودہ مرتبہ پیدل حج کا سفر بھی کیا۔ سیر و سیاحت کے دوران آپ کو بہت سی پریشانیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس سے آپ میں صبر و تحمل اور برداشت کی

قوت پیدا ہوئی۔اس جہاں بینی نے سعدی کی شخصیت کو نکھار بخشا اوران میں وسعت قلب ونظر پیدا کی۔تقریباً655 ہجری میں اپنے وطن شیراز واپس آئے اور اپنی باقی عمر شیراز سے ڈیڑھ میل دور رکن آباد کے کنارے ایک خانقاہ میں گوشہ نشینی کی حالت میں گزاری اور مرتے دم تک وہیں رہے۔سعدی نے 690 ہجری (1291ء) کو تقریباً 84 سال کی عمر میں وفات پائی اور انہیں وہیں دفن کیا گیا جہاں وہ اپنی عمر کا آخری حصہ گوشہ نشین رہے۔اس جگہ کو انہی کے نام کی مناسبت سے آج کل سعدیہ کہا جاتا ہے۔

تصانیف

''معلم اخلاق'' سعدی شیرازی کی زندگی تقریباً 84 سال بنتی ہے اس کو اگر ہم تین برابر حصوں میں تقسیم کریں تو اپنی زندگی کے پہلے حصے میں انہوں نے علم پڑھا اور پڑھایا اور دوسرے حصے میں مختلف ممالک کا سفر کیا۔زندگی کے پہلے حصے کے علم (یعنی Theory) اور دوسرے حصے کے سفر (یعنی Practical) سے جو تجربات حاصل کیے ان کا نچوڑ انہوں نے اپنی دو شہرہ آفاق تصانیف ''بوستان'' اور ''گلستان'' کی صورت میں پیش کیا۔آپ کی تصانیف کی تفصیل یوں ہے:

کلیات سعدی

کلیات سعدی تقریباً 650 غزلیات، 700 عربی و فارسی قصاید اور ان کے علاوہ ملعمات، مثلثات، ترجیعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔اسے ابتداء میں خود سعدی شیرازی نے اور بعد میں ابوبکر بیستون نے مدون کیا جو ایران میں متعدد بار شائع ہوئی۔

بوستان

مثنوی بوستان یا سعدی نامہ فارسی زبان و ادب کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔جسے سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے 655 ہجری میں تحریر کیا۔یہ مثنوی تقریباً 4000 اشعار پر مشتمل ہے اور اس کا ایک دیباچہ اور دس باب ہیں۔ان ابواب میں نصیحت آموز حکایات اشعار کی صورت میں پیش کی گئی ہیں۔مثنوی بوستان کا موضوع بھی گلستان کی طرح اخلاقیات ہے اور پند و حکمت، اخلاقی فضائل، اصول سیاست، مملکت داری، گھر اور خاندان کی حفاظت، کردار سازی اور احترام آدمیت اس کے بھی اہم موضوعات ہیں۔سعدی نے اپنے اس فن پارہ کو ابوبکر بن سعد بن زنگی کے نام سے منسوب کیا۔بوستان کے الفاظ میں سادگی، بیان میں روانی، سلاست، دل نشینی اور حسن ترتیب موجود ہے۔سعدی شیرازی نے اسے خوبصورت تشبیہات اور دلکش کنایات سے سجایا ہے۔بوستان کے بہت سے اشعار فارسی زبان میں ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں۔

سعدی کہیں کسی عام میاں بیوی کا قصہ حکایت کی صورت میں بیان کرتے ہیں تو کہیں کوئی اہم تاریخی واقعہ اشعار کی زینت بناتے ہیں۔محققین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ بوستان کے اشعار تحریر کرتے وقت سعدی شیرازی نے بزرگوں کی اخلاقی اور علمی تصانیف کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کے موضوعات کو اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے جیسے محمد غزالی کی کتابیں نصیحۃ الملوک، کیمیای سعادت اور حکیم ابوالقاسم فردوسی کا شاھنامہ وغیرہ۔

نصیحت کرنے میں بھی سعدی نے منفرد روش اپنائی ہے۔اچھے لوگوں سے اچھائی کرنے کی نصیحت تو ہر کوئی کرتا ہے مگر بوستان میں سعدی بدفطرت لوگوں سے بھی برائی نہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔''مرد صحرا نشین'' کے عنوان سے ایک حکایت میں وہ کہتے ہیں۔

توان کرد با ناکسان بدرگی
ولیکن نیاید ز مردم سگی

(بدفطرت لوگوں سے برائی کی جاسکتی ہے لیکن انسان کتوں جیسا رویہ نہیں اپنا سکتے)

یعنی کسی کو دکھ دینا کتوں کا کام ہے کوئی انسان بدفطرت شخص سے بھی یہ رویہ نہیں اپناتا۔

بوستان کے باب اول ''درعدل وتدبیر ورای'' میں اخلاقیات کا درس دیتے ہوئے سعدی فرماتے ہیں:

نخواهی کـه نـفـریـن کـنـنـد از پـسـت

نـکـو بـاش تـا بـد نـگـویـد کـسـت

(اگر تو نہیں چاہتا کہ (لوگ) تجھے پیچھے سے بددعائیں دیں تو اچھا رہ تا کہ کوئی تجھے برانہ کہے)

گلستان

گلستان سعدی شیرازی کی وہ زندہ وجاوید شاہکار کتاب ہے جو سعدی شیرازی کی وجہ شہرت بنی۔ یہ کتاب 656 ہجری میں تحریر کی گئی اور اس میں نثر کو اشعار کی آمیزش سے مزین کیا گیا ہے۔ سعدی نے اس کتاب کو اتابک مظفر الدین سعد بن ابوبکر کے نام منسوب کیا۔ یہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پند وحکمت، اخلاقی فضائل، اصول سیاست، مملکت داری، گھر اور خاندان کی حفاظت، کردار سازی اور احترام آدمیت گلستان کے اہم موضوعات ہیں۔ فارسی ادبیات کی تاریخ سینکڑوں نہیں ہزاروں سالوں پر محیط ہے مگر اس میں شک نہیں کہ یہ ایران میں تہذیب واخلاق کے موضوع پر تحریر کی جانے والی بہترین کتاب ہے یہاں تک کہ اس میں تحریر کردہ جملے ضرب الامثال کا درجہ رکھتے ہیں۔

خصوصیات کلام سعدی

سعدی شیرازی کی غزل

ہم شعر کے میدان میں سعدی شیرازی کے ادبی مقام کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سعدی شیرازی ''غزل کے امام'' ہیں۔ ان سے پہلے انوری اور ظہیر فاریابی نے قصیدے سے جدا غزلیں لکھیں لیکن ان میں قصیدے کی شان پائی جاتی تھی۔ مولانا روم اور حکیم سنائی نے بھی غزلیں کہیں مگر ان کی غزل کا موضوع تصوف اور معرفت حق تھا۔ سعدی شیرازی ایران کے وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے غزل کو صحیح معنوں میں غزل بنایا۔

سعدی شیرازی کا قصیدہ

قصیدہ سرائی میں سعدی شیرازی نے منفرد انداز اپنایا اور اس میں بھی ایک نئی راہ نکالی۔ سعدی کے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے ساتھ قریبی تعلقات تھے اور وہ سب ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ مگر اتنے اچھے تعلقات ہونے کے باوجود آپ نے عزت نفس اور قناعت کے دائرے سے ایک قدم باہر نہیں رکھا۔ سعدی نے ان کے لیے قصیدے تحریر کیے مگر ان قصاید میں انہوں نے کسی بادشاہ یا حاکم کی تعریف، مدح سرائی یا خوشامد نہیں کی۔ انہوں نے قصیدہ سرائی میں بے جا خوشامد کی بجائے پند ونصیحت کا پہلو مدنظر رکھتے ہوئے بادشاہوں، حکام اور امراء کو فرض شناسی، عدل اور رعایا پروری کی تلقین کی ہے۔ آپ کی پیشانی کبھی کسی بادشاہ کی چوکھٹ پر نہیں جھکی۔ آپ نے ہوس زر یا دنیاوی منفعت کے لیے نہیں بلکہ محض اخلاقی ضروریات کو مدنظر رکھنے کے لیے قصیدے تحریر کیے۔

سعدی شیرازی کی مرثیہ گوئی

سعدی شیرازی نے مرثیہ سرائی بھی کی لیکن اس میں بھی جدت سے کام لیا۔ سعدی وہ پہلے شاعر ہیں جس نے فرد کا مرثیہ تحریر کرتے ہوئے پوری قوم کی نوحہ خوانی کی۔ ہلاکو خان کے ہاتھوں عباسی خلافت کا خاتمہ ایک بہت بڑا قومی سانحہ تھا۔ سعدی نے اس حکومت کے آخری تاجدار خلیفہ مستعصم باللہ کا مرثیہ تحریر

کیا جو ایک شخص کا نہیں بلکہ پوری قوم اور ملک کا مرثیہ تھا۔

سعدی شیرازی کی مثنوی سرائی

فارسی زبان وادب میں چار مثنویاں شاھنامہ فردوسی، مثنوی معنوی مولانا، سکندر نامہ گنجوی اور بوستان سعدی شہرت اور مقبولیت میں ایک دوسرے کے ہم پایہ ہیں۔ بوستان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے بہت سے اشعار فارسی میں ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں۔

سعدی کے کلام کی دیگر خصوصیات

سادگی اور روانی

سعدی کا کلام سادگی اور روانی کے ساتھ فصاحت اور بلاغت کا خوبصورت نمونہ ہے۔ سعدی کے زمانہ میں عربی، منگولی اور دیگر زبانوں کے الفاظ فارسی میں داخل ہو چکے تھے۔ شاعر مشکل عربی الفاظ کو اپنے شعروں میں لا کر فخر محسوس کرتے تھے۔ مگر ان کے برعکس سعدی نے اپنے اشعار میں سادہ اور رواں ادبی زبان استعمال کی۔ الفاظ سادہ ہیں مگر معنی کے اعتبار سے گہرائی رکھتے ہیں۔

اخلاق کا درس

سعدی شیرازی ''معلم اخلاق'' ہیں۔ انہوں نے اپنے اشعار میں بھی اخلاق کا موثر درس دیا ہے۔ اپنے چشم دید حالات اور واقعات سچائی اور خلوص کے ساتھ اپنے اشعار میں بیان کیے ہیں۔ اس لیے ان کے اشعار نہ صرف ایران بلکہ دیگر مما لک میں بھی مقبول ہیں۔

داستان پردازی

اخلاقیات ایک خشک اور سنجیدہ موضوع ہے۔ سعدی شیرازی نے داستان پردازی کے فن کے ذریعے اسے دلچسپ اور ہر دلعزیز بنایا ہے۔ مفاہیم سمجھانے کے لیے اپنے اشعار میں حکایات بیان کی ہیں۔ بوستان کی اکثر حکایات اپنے اندر سادگی کا پہلو رکھنے کے باوجود ہنر نمائی بھی رکھتی ہیں۔ سعدی کے داستان پردازی کے اس ہنر سے قاری کی دلچسپی ہمیشہ برقرار رہتی ہے اور بوریت کا احساس نہیں ہوتا۔

سبک شعر سعدی

سبک کی نظر سے سعدی ان شاعروں میں سے ہیں کہ سادگی اور روانی کے اعتبار سے ان کی نظر سبک خراسانی پر تھی۔ سعدی نے مبہم اور پیچیدہ شعر کہنے سے گریز کیا۔ سعدی کی شاعری سہل اور ممتنع ہے۔ سہل اس اعتبار سے کہ ظاہری طور پر آسان دکھائی دیتی ہے مگر معنی کے اعتبار سے اس میں معنی کے سمندر پوشیدہ ہیں۔ مجموعی طور پر سعدی کو سبک خراسانی کا ایک عظیم شاعر کہا جاسکتا ہے جو سبک خراسانی کے دور میں نہیں رہتا تھا۔ یا اسے یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ اگر سبک خراسانی کا کوئی بڑا شاعر مثلاً فرخی قصیدہ کی بجائے غزل کہتا اور وہ ساتویں صدی ہجری میں ہوتا تو سعدی بن جاتا۔

معانی و بیان

سعدی کو علم معانی و بیان کے استعمال میں مہارت حاصل تھی ان کا کلام صنایع بدایع اور معانی و بیان کا عمدہ نمونہ ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ، ایہام وغیرہ کا استعمال نہایت خوبصورتی سے کیا ہے۔ سعدی کا کلام عام لوگوں کے لیے سادہ ترین اور اہل ہنر کے لیے ہنر نمائی کا عظیم نمونہ ہے۔

قرآنی آیات اوراحادیث کاحوالہ

سعدی کی شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اشعار کو جامع اور مدلل بنانے کے لیے قرآنی آیات اوراحادیث نبوی کا حوالہ دیا ہے۔ جس سے اشعار میں مضمون کے اعتبار سے وسعت اور بلندی پیدا ہوگئی ہے۔

درس اخلاق وآدمیت

سعدی شیرازی کو ''معلم اخلاق'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔سعدی شیرازی نے اپنے کلام میں نہ صرف کسی نہ کسی اخلاقی مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے بلکہ اخلاقی درس کو بیان کرنے میں دلچسپ پہلو اختیار کیے ہیں۔اپنی شاعری میں سعدی نے ایک اور نکتہ پر بہت زیادہ تاکید ہے وہ ہے احترام آدمیت یا انسان دوستی۔انہوں نے انسان دوستی کا درس نہایت خوبصورت انداز میں دیا ہے۔

سعدی کے کلام کانمونہ

شب فراق کہ داند کہ تا سحر چندست
مگر کسی کہ بہ زندان عشق در بندست
گرفتم از غم دل راہ بوستان گیرم
کدام سرو بہ بالای دوست مانندست

(iv) Hafiz Sherazi

حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

ایران میں فارسی غزل کو اس کے عروج کی بلندیوں تک لے جانے والے شاعر کا نام محمد، لقب شمس الدین اور تخلص حافظ تھا۔726 ہجری(1326ء) کو وہ شیراز میں پیدا ہوئے۔حافظ کا والد اصفہان میں رہتا تھا مگر تجارت کی غرض سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ شیراز منتقل ہوگیا۔والد کے وفات پا جانے کے بعد حافظ کی ماں اور دو بھائی باقی رہ گئے۔بڑے بھائی خواجہ خلیل عادل کی وفات کے بعد دوسرا بھائی ماں اور بھائی کو تنہا چھوڑ گیا۔حافظ خمیر گیری کا کام کرتے اور فرصت کے وقت ایک قریبی مدرسہ سے علم حاصل کرتے۔وہ اپنی قلیل آمدنی سے اپنی بوڑھی ماں کو خرچہ دیتے۔انہوں نے شیراز ہی میں قرآن حفظ کیا اور اسی نسبت سے حافظ تخلص اپنایا۔

حافظ شیراز میں ابواسحاق کے دربار سے وابستہ رہے۔اس کے بعد امیر مبارز الدین تخت نشین ہوا جو کٹر مذہبی اور متعصب تھا۔اس کی سخت گیری کے باعث حافظ نے دربار سے علیحدگی اختیار کرلی اور اپنے اشعار میں اس کی سخت گیری کے باعث اسے ''محتسب'' کہا۔امیر مبارز کے بعد اس کا بیٹا شاہ شجاع تخت نشین ہوا جو ادب پرور اور شعر دوست تھا۔حافظ شیرازی اس کے دربار سے بھی منسلک رہے۔قرآن پاک حفظ کرنے کے علاوہ انہوں نے تفسیر، فقہ اور حکمت کا مطالعہ بھی کیا۔علم ہندسہ اور موسیقی سے بھی آپ کو گہرا لگاؤ تھا۔حافظ کو شیراز سے بے حد محبت تھی۔وہ تمام عمر شیراز میں رہے اور 792 ہجری(1390ء) کو شیراز میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

حافظ کی زندہ جاوید تصنیف ان کا دیوان ہے جو غزلیات، قصاید، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔دیوان غزلیات حافظ، ان کے دوست اور شاگرد محمد گل اندام نے مرتب کیا۔حافظ نے قرآن کی ایک تفسیر بھی تحریر کی۔محمد گل اندام کے بقول حافظ شیرازی نے کشاف اور مصباح کے حواشی بھی تحریر کیے۔ان کے

بقول حافظ درس قرآن، تقویٰ اور احسان میں اس قدر محو تھے کہ وہ اپنا دیوان بھی مرتب نہ کر سکے۔ حافظ کو ''لسان الغیب'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔
عشق، عاشقی، رندی اور سرمستی حافظ کے کلام کے اہم موضوعات ہیں۔ ''بادہ حافظ'' یعنی حافظ کی شراب کے بارے میں اکثر بحث کی جاتی ہے کہ بادہ حافظ حقیقی ہے یا مجازی۔ ان کی زیادہ تر غزلیات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ بادہ حافظ حقیقی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ حافظ قرآن تھے اور انہیں قرآن، حکمت اور تفسیر سے گہرا لگاؤ تھا۔ مگر حافظ کے بعض اشعار سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ شراب ونشاط کے دلدادہ تھے اور انہوں نے مجازی شراب کی بھی بات کی۔ چونکہ حافظ کے اشعار کو تفسیر کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں اس لیے کوئی حتمی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔
سعدی کو غزل کا امام کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے غزل کو جداگانہ پہچان دی اور ساتویں صدی ہجری میں عاشقانہ غزلیں کہیں۔ اسی صدی میں مولانا روم نے عارفانہ غزلیں تحریر کیں۔ آٹھویں صدی ہجری میں حافظ نے غزل سرائی میں میانہ روی اختیار کرتے ہوئے اپنے کلام کو عاشقانہ اور عارفانہ رنگ سے آراستہ کیا۔ حافظ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے دونوں موضوعات میں ایک توازن برقرار رکھا اور غزل کو عروج کی بلندیوں تک پہنچایا۔ اسی لیے حافظ شیرازی کو ''غزل کا بادشاہ'' بھی کہتے ہیں۔

بادہ حافظ

غزلیات حافظ میں حافظ کے اہم ترین موضوعات عشق، عاشقی، رندی اور سرمستی ہیں۔ ''بادۂ حافظ'' یعنی حافظ کی شراب کے بارے میں اکثر سوال اٹھایا جاتا ہے کہ بادۂ حافظ حقیقی ہے یا مجازی؟ جیسا کہ ان کی غزلیات سے معلوم ہے کہ ''بادۂ حافظ'' حقیقی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ حافظ قرآن تھے۔ انھیں قرآن، حکمت اور تفسیر سے گہرا لگاؤ تھا۔ بقول محمد گل اندام، وہ درس قرآن اور تقویٰ و احسان میں اس قدر مگن تھے کہ وہ اپنا دیوان بھی مرتب نہ کر سکے۔ حافظ کے اشعار سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ شراب ونشاط کے دلدادہ تھے جیسا کہ ان چند اشعار سے ظاہر ہوتا ہے:

۱۔ مـی دو سـالـه و معشوق چار ده سـالـه
همین بـس است مـرا صحبت صغیر و کبیر

۲۔ اگـرچـه بـاده فـرح بـخـش و بـاد گل بیز است
بـه بـانگ چنگ مخور می که محتسب تیز است

۳۔ سـاقـی بیـار بـاده کـه مـاه صیـام رفـت
درده قـدح کـه مـوسـم نـامـوس و نـام رفـت

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ حافظ کے اشعار کو تفسیر کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

دیوان حافظ میں عشق کا موضوع

حافظ شیرازی کا زندہ جاوید شاہکاران کا دیوان ہے جو غزلیات، قصاید، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ غزلیات کے اہم ترین موضوعات عشق، عاشقی، رندی اور سرمستی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حافظ نہ صرف حافظ قرآن تھے بلکہ پاک باطن درویش اور صوفی بھی تھے۔ لیکن ان کے ساتھ ساتھ ایک حساس دل بھی رکھتے تھے اور ان کا دل عشق جیسے لطیف احساسات اور جذبات سے خالی نہ تھا۔ حافظ اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ یہ عشق بشریت کی مشترک متاع ہے۔ وہ خوبصورتی کے عاشق تھے۔ اس لیے جہاں کہیں خوبصورتی دیکھتے اس کی تعریف کرتے، اس سے لطف اندوز ہوتے اور کبھی کبھار مستی سے سرشار ہو جاتے۔ اسی مستی اور مدہوشی میں انہوں نے بے باکانہ انداز میں کہا ہے:

من آدم بهشتیم اما درین سفر
حالی اسیر عشق جوانان مهوشم

(میں بہشتی آدم ہوں لیکن اس سفر میں اب میں چاند جیسے نو جوانوں کے عشق میں گرفتار ہوں)

حافظ شیرازی کا کلام عشق مجازی اور عشق حقیقی دونوں رنگ رکھتا ہے لیکن وہ ایک دوسرے میں اس قدر گھل مل گئے ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے اشعار میں زیادہ تر انسانی حسن و جمال اور زمینی خوبصورتی کی علامتیں اور رموز پائے جاتے ہیں جو ہمیشہ نشاط اور سرمستی کے اسباب فراہم کرتے ہیں اور حافظ کی شخصیت کو آشکار اور نمایاں کرتے ہیں۔ حافظ اپنے اشعار میں زندگی اور کائنات کے حقائق بھی آشکار کرتے ہیں۔ درحقیقت، حافظ مجاز میں بھی حقیقت کا عکس دیکھتے ہیں۔ حافظ کے بقولٗ ازلی خوبصورتی بشری خوبصورتی سے نسبت رکھتی ہے بلکہ ان کے عقیدے کے مطابق دونوں ایک ہی ہیں۔ اس لیے حافظ کہتے ہیں:

این همه عکس می و نقش نگارین که نمود
یك فروغ رخ ساقی است که درجام افتاد

(شرابوں کے عکس اور محبوبوں کے نقش یہ سارے کس نے بنائے۔ ساقی کے رخ کی ایک روشنی ہے جو جام میں آ گئی)

ما در پیاله عکس رخ یار دیده ایم
ای بی خبر زلذت شرب مدام ما

(اے ہماری مسلسل پینے کی لذت سے بے خبر (شخص) ہم نے جام میں رخ یار کا عکس دیکھا ہے)

حافظ کے مطابق عشق بھی دیگر ہنروں کی طرح ایک ہنر ہے جو خوبصورتی اور زیبائی کے بغیر اپنے مقصد تک نہیں پہنچتا۔ وہ عشق کو اس لیے اور اس امید پر اپنے دامن میں جگہ دیتے ہیں کہ یہ ہنر شریف دوسرے ہنروں کی طرح محرومی کا باعث نہیں بنے گا۔ اس بارے میں وہ کہتے ہیں:

عشق می ورزم و امید که این فن شریف
چون هنر هایئ دگر موجب حرمان نشود

(میں عشق کرتا ہوں اور امید ہے کہ یہ ہنر شریف دوسرے ہنروں کی طرح محرومی کا باعث نہیں بنے گا)

ایک اور جگہ حافظ فرماتے ہیں:

میخواره و سرگشته و رندیم و نظر باز
و آن کس که چو مانیست درین شهر کدام است

(ہم میخوار، حیران، رند اور نظر باز ہیں اور وہ جو کوئی ہم جیسا نہیں وہ اس شہر میں کون سا ہے)

جب کوئی نصیحت کرنے والا حافظ شیرازی سے یہ کہتا ہے کہ عشق کے ہنر کا حاصل غم واندوہ کے سوا کچھ نہیں تو حافظ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس سے بہتر تو کوئی ہنر نہیں ہے:

ناصح هم گفت که جز غم چه هنر دارد عشق
گفتم ای خواجه عاقل هنری بهتر ازین

(نصیحت کرنے والے نے بھی کہا کہ عشق غم کے سوا کیا ہنر رکھتا ہے۔ میں نے کہا اے عقلمند آقا کوئی ہنر اس سے بہتر بھی ہے)

حافظ کے کلام میں حسن و عشق زندگی کی شکلیں ہیں۔ ان کے ذریعے کائنات کے سربستہ رازوں کو کشف کیا جاسکتا ہے۔ حافظ کے عقیدے کے مطابق یہ

صرف عشق ہے جو کائنات کے حسن کو کشف اور آشکار کرتا ہے۔ عشق سراپا مہر ہے اور ذوق کے جذبات کی ایسی شدت رکھتا ہے جو مجاز اور حقیقت دونوں پر حاوی ہے۔ حافظ کے روحانی تجربوں نے مجاز اور حقیقت دونوں میں جدت پیدا کی ہے۔ اس لیے حافظ کے کلام میں جوانی اور بڑھاپے کے درمیان سرحدیں یا درجہ بندی دکھائی نہیں دیتی۔ اس عشق کے باعث جو حافظ دل میں رکھتا ہے ان کے کلام سے معلوم یہ نہیں ہو پاتا کہ وہ کب بوڑھے ہوئے۔ بلکہ عشق کے باعث وہ تو بڑھاپے میں بھی جوانوں کی طرح جوانی کو محسوس کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

ھر چند پیر و خستہ دل و ناتوان شدم

ھر گہ کہ یاد روی تو کردم جوان شدم

(اگر چہ میں بوڑھا، زخمی دل اور کمزور ہو گیا مگر جب بھی میں نے تیرے چہرے کو یاد کیا میں جوان ہو گیا)

ایک اور جگہ حافظ فرماتے ہیں کہ سال اور مہینوں یعنی میری عمر کے زیادہ ہونے نے مجھے بوڑھا نہیں کیا ہے بلکہ میرے یار کی بے وفائی نے مجھے بوڑھا بنا دیا ہے:

من پیر سال و ماہ نیم یار بی وفا است

برمن چو عمر می گذرد، پیر ازان شدم

(میں سال اور مہینوں کا بوڑھا نہیں ہوں، میرا یار بے وفا ہے۔ وہ مجھ سے عمر کی طرح گزر جاتا ہے۔ میں اس لیے بوڑھا ہو گیا)

حافظ محبوب کے چہرہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی صنعت کی جلوہ گری دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں:

در خرابات مغان نور خدا می بینم

وین عجب بین کہ چہ نوری ز کجا می بینم

(میں پیر مغاں کے شرابخانے میں خدا کا نور دیکھتا ہوں۔ اور یہ عجیب بات دیکھ کہ میں کون سا نور کہاں دیکھتا ہوں)

حافظ کے کلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ کی زندگی میں مجاز اور حقیقت کے داخلی تجربے بیک وقت مراحل طے کرتے ہیں، حافظ کے کلام میں کبھی ایک رنگ دکھائی دیتا ہے تو کبھی دوسرا۔ گویا حافظ کے کلام میں مجاز اور حقیقت ایک دوسرے کے ساتھ نا صرف وابستہ ہیں بلکہ ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ یہی حافظ کا ہنر ہے۔ وہ عاشق کو معشوق کا محتاج اور معشوق کو عاشق کا مشتاق دیکھتے ہیں:

سایۂ معشوق اگر افتاد بر عاشق چہ شد

مابہ او محتاج بودیم، اوبہ ما مشتاق بود

(معشوق کا سایہ اگر عاشق پر پڑا تو کیا ہوا ہم اس کے محتاج تھے (اور) وہ ہمارا مشتاق تھا)

یہ صوفیاء کرام کا قول ہے کہ کائنات کا حسن اور زیبائی دراصل حسن ازل کی شعاع ہے جو انسان کے دل کو معرفت الٰہی کی جانب مائل کرتی ہے۔ صوفیاء اور اہل عرفان فطری اور انسانی حسن میں خدا کے جلوے دیکھتے ہیں۔ حافظ کے کلام میں بھی عشق مجازی گویا عشق حقیقی کی سیڑھی ہے۔ حافظ حسن و جمال سے لطف اندوز تو ہوتے ہیں لیکن پاکدامنی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اپنے دامن کو آلودہ نہیں کرتے:

آشنایان رہ عشق درین بحر عمیق

غرق گشتند و نگشتند بآب آلودہ

(عشق کے راستے کے آشنا اس گہرے سمندر میں غرق تو ہوئے اور (لیکن) پانی سے آلودہ نہیں ہوئے)

(v) Parveen Ietesami

پروین اعتصامی

پروین اعتصامی 1285 ہجری شمسی (1906ء) کو ایران کے شہر تبریز میں پیدا ہوئیں۔ ان کا خاندان علم و ادب اور ثقافت سے آشنائی رکھتا تھا۔ انہوں نے اپنے والد یوسف اعتصامی آشتیانی جن کا لقب اعتصام الملک تھا، کی سرپرستی میں پرورش پائی۔ ان کے والد محقق، مدیر، مدبر اور ادیب تھے۔ ان کا شمار اپنے دور کے ادباء میں ہوتا تھا۔ وہ عربی، ترکی اور فرانسیسی زبان سے آشنا تھے۔ خطاطی اور خوشنویسی کے ہنر سے بھی آراستہ تھے۔ پروین اعتصامی کی نوجوانی کے دور میں وہ رسالہ ''بہار'' کی سرپرستی کر رہے تھے۔ پروین خود بہت باذوق خاتون تھیں مگر اپنے والد کے ساتھ رہنے سے ان کی صلاحیتوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔

پروین بچپن میں اپنے والد کے ساتھ تبریز سے تہران آ گئیں۔ انہوں نے عربی اور فارسی زبان و ادب کی تعلیم اپنے والد اور دیگر استادوں سے حاصل کی۔ امریکی دخترانہ سکول میں انگریزی اور فرانسیسی سے آشنائی حاصل کی۔ اس دور کی ملک الشعراء بہار اور علی اکبر دھخدا جیسی معروف شخصیات پروین کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کرتیں۔ پروین نے 1313 ہجری شمسی (1934ء) کو اپنے چچازاد کے ساتھ شادی کی اور اس کے شہر کرمانشاھان چلی گئیں۔ لیکن ایک سال بعد اپنے شوہر سے جدا ہو گئیں۔ 1320 ہجری شمسی (1941ء) میں پہلے سے کسی بیماری کے بغیر انہیں ٹائیفائیڈ بخار ہوا اور وہ اس بیماری سے جانبر نہ ہو سکیں۔ انہیں قم میں ان کے والد کے پہلو میں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

پروین کی شاعری

پروین اعتصامی کا دیوان قصاید، مثنویات اور قطعات پر مشتمل ہے اور اس میں غزلیں موجود نہیں ہیں۔ دیوان کے اشعار کی تعداد تقریباً 7000 ہے۔ یہ دیوان پہلی مرتبہ تہران میں شائع ہوا اور اس کا دیباچہ ملک الشعراء محمد تقی بہار نے تحریر کیا۔ پروین اعتصامی کے اشعار معاشرتی، اخلاقی اور تربیتی ہیں اور معاشرے کے درد و رنج کی خبر دیتے ہیں۔ اسلوب کے اعتبار سے قدیم شاعروں جیسا کہ ناصر خسرو، دقیقی، سنائی، سعدی، خاقانی اور ظہیر سے وابستگی اور ان کے کلام سے شباہت ظاہر کرتے ہیں۔ علی اکبر دھخدا پروین اعتصامی کے کلام کے بارے میں کہتے ہیں:

''قصاید وی غالباً بہ شیوہ اشعار ناصر خسرو و نزدیک بہ شیوۂ بیان سنائی می باشد و نشانہ ھایی از شعر مسعود سعد سلمان در آن موج می زند، قطعاتش از تاثیر کلام انوری خالی نیست و مثنویاتش یادآور نظامی و مولانا و سعدی می باشد''۔ (اس کے قصاید ناصر خسرو کے اشعار کی روش پر ہیں اور سنائی کے طرز بیان سے نزدیک ہیں اور ان میں مسعود سعد سلمان کی شاعری کی نشانیاں کثرت سے دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے قطعات انوری کے کلام کے اثر سے خالی نہیں ہیں اور اس کی مثنویاں نظامی، مولانا اور سعدی کی یاد دلاتی ہیں)۔ یہ ساری خوبیاں جو ایک جگہ اکٹھی ہو گئی ہیں۔ بے شک یہ امر اتفاقی نہیں ہے۔

پروین ان شعراء میں سے ہیں جو بہت جلد لوگوں میں محبوب ہو گئے۔ کیونکہ وہ مداح نہ تھیں اور انہوں نے امراء، سلاطین اور طاقتوروں کی مدح سرائی نہیں کی۔ پروین معاشرے کی خدمت گزار تھیں اور ان کے اکثر مخاطب معاشرے کے محروم طبقات تھے۔ وہ ان محروم طبقات کی بات کرتی ہیں۔ ان کے پامال شدہ حقوق کی بحالی کا مطالبہ کرتی ہیں اور اپنے ذہن میں ستمکاروں کو عدلِ الٰہی کی عدالت میں کھینچ لاتی ہیں اور یہ بات ان کی حساس روح کی نشاندہی کرتی ہے۔ پروین اپنے قطعہ ''ای زنجیر'' میں نہ صرف مظلوم کی مظلومیت اور ظالم کا ظلم ظاہر کرتی ہیں بلکہ مظلوم کو ظالم سے اپنا حق لینے پر اُکساتی ہیں۔ پروین اپنے اشعار کے ذریعے محروم طبقے کو سمجھاتی ہے کہ کسی کو بھی آپ کا خیال نہیں ہے۔ آپ خود اپنا حق طلب کریں اور اگر وہ نہ دیں تو ان سے چھین لیں۔ پروین کی اس دل سوزی کے باعث شہریور ماہ 1320 ہجری شمسی (1941ء) کے بعد ان کے اشعار کو اچانک شہرت حاصل ہو گئی اور وہ لوگوں کی زبانوں پر جاری ہو گئے۔

قصاید

پروین اعتصامی کے قصاید ساخت اور بافت کے لحاظ سے قصیدہ تو ہیں مگر وہ مدح سرائی سے خالی ہیں۔ قصاید سرائی میں انہوں نے ناصر خسرو اور سعدی شیرازی کی پیروی کی ہے۔ سعدی کا اثر ان کے اشعار میں نمایاں ہے۔ یعنی پروین نے پند و نصیحت کا راستہ اختیار کیا ہے اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ اس فانی دنیا پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے اور عیش و نشاط میں زندگی بسر نہیں کر دینی چاہیے۔ حرص اور لالچ میں گرفتار ہو کر شیطان کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ پروین مجسمہ اخلاق تھیں، وہ ایک درویش صفت، پاکباز، آبرومند اور خدمت گزار عورت تھیں۔ پروین کا پیغام آرزو، عمل، کسب کمال و ہنر، نیکی اور ہمت تھا۔ پروین آہستہ آہستہ عرفان کی جانب چلی گئیں اور انہوں نے مادی دنیا سے فاصلہ اختیار کر لیا اور عارفانہ شعر کہنا شروع کر دیئے۔

قطعات اور مثنویات

پروین اعتصامی کے بیشتر قطعات اور مثنویات مناظرہ اور سوال جواب کی صورت میں ہیں۔ مناظرہ سرائی کا رواج اسدی طوسی سے شروع ہوا اور پھر سعدی اور خواجوی کرمانی تک جاری رہا۔ اس کے بعد ایسا لگتا ہے کہ مناظرہ سرائی کی روش بھلا دی گئی۔ پروین کی شاعری میں کبھی دو شخص محو گفتگو ہیں اور کبھی جانور مثلاً پرندہ اور مچھلی، چیونٹی اور سانپ اور حتیٰ کبھی جمادات اور نباتات بھی گفتگو کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً خاک اور ہوا، جال اور دانہ، آنکھ اور پلکیں، بادل اور بارش وغیرہ۔ انسانوں کی ان موجودات سے دلچسپ گفتگو موضوع کو دلچسپ اور دلپذیر بنا دیتی ہے۔ اسی طرح جمادات اور حیوانات کے درمیان مناظرہ قاری کو کلیلہ و دمنہ کی یاد دلاتا ہے۔ پروین اعتصامی نے مختلف قصوں اور مثالوں کی مدد سے معاشرتی اور سیاسی سبق دیا ہے۔ ان کے اس طریقہ کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں ہر شخص اپنے آپ کو دانشمند، ہوشیار اور جہاندیدہ گمان کرتا ہے۔ اس کے لیے پند و نصیحت کا خشک موضوع پڑھنا دشوار ہے۔ پروین نے حسن تخیل اور لطافت بیان کے ذریعے اپنے اشعار میں تلخ نصیحتوں کو شیریں بنا دیا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر نوجوانوں، عورتوں اور بچوں کو مخاطب کیا ہے۔ ان کی پند و نصیحت کا طریقہ نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ سودمند بھی ہے۔

پروین اعتصامی ایک دل سوز اور دور اندیش ماں ہے۔ ایک انسان دوست بہن کی حیثیت سے وہ اپنے اشعار ''زن در ایران'' میں ایرانی خواتین سے کہتی ہیں کہ وہ ظاہری حجاب کی بجائے آنکھوں اور دل کا پردہ اختیار کریں۔ سونے کے زیورات کی بجائے عصمت، آبرو، پاکیزگی اور سادگی کے زیور اپنائیں۔ پروین اپنے ''اشک یتیم'' جیسے اشعار میں یتیموں اور بیواؤں کی حالت پر خود بھی روتی ہیں اور پڑھنے والوں کو بھی رلاتی ہیں۔ وہ ظالموں اور جابروں کو طنز کے نشتروں سے شرمندہ کرتی ہیں۔ اگرچہ پروین نے وطن کی آزادی، قومی بیداری اور ملکی امور کے بارے میں اشعار نہیں کہے مگر اپنی مثنویوں میں حکمرانوں اور صاحب اختیار لوگوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان کے عیب بے باکی سے بیان کیے ہیں۔ کعبہ دل، روح آزاد، سفر اشک، اشکِ یتیم، حدیث مہر، گوہر و سنگ اور دیدہ دل وہ اشعار ہیں جنہوں نے پروین اعتصامی کے نام کو ایک عرصہ گزرنے کے باوجود زندہ رکھا ہے۔

نمونہ کلام

ہر قطرہ سرشک یتیمان نظارہ کن
تابنگری کہ روشنی گوہر از کجاست

پروین بہ کجروان سخن از راستی چہ سود
کو آن چنان کسی کہ نرنجد ز حرف راست

(b) Prose writers

(i) Attar Nishaburi (Tazkart-ul-Aoulia)

فریدالدین عطار نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

عطار روح بود و سنایی دو چشم او
ما از پی سنایی و عطار آمدیم
(مولانا روم)

حالات زندگی

فریدالدین ابوحامد محمد بن ابوبکر ابراہیم بن اسحاق عطار کدکنی نیشاپوری ایران کے چھٹی صدی ہجری کے وسط اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز کے عظیم ترین عارفوں اور شاعروں میں سے تھے۔ وہ تقریباً 540 ہجری (1145ء) کو کدکن (شہر نیشاپور کے نواح) میں پیدا ہوئے۔ ان کے ماں باپ ان کی جوانی کے اختتام تک حیات تھے۔ عطار کے والد کا نام ابراہیم تھا اور ان کا پیشہ عطاری یعنی دوافروشی تھا۔ عطار کے ماں باپ دونوں اہل زہد وتقوی تھے اور وہ عطار کی تربیت پر کافی حد تک اثر انداز ہوئے۔ عطار نے اپنی جوانی کے دور سے اپنے والد کا پیشہ طبابت اور دواسازی اپنایا اور کئی سالوں تک اس کام میں مشغول رہے۔ عطار اپنے پیشہ اور اس کا بازار گرم ہونے کے بارے میں کہتے ہیں:

بہ داروخانہ پانصد شخص بودند
کہ در ہر روز نبضم می نمودند
(دواخانہ میں پانچ سوافراد تھے جو ہر روز مجھے نبض دکھاتے تھے)

عطار نے تعلیم حاصل کرنے کے لیے بچپن اور نوجوانی کا زمانہ طب کے استادوں کے پاس گزارا۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، نجوم اور کلام وادب سے بھی آشنائی حاصل کی اور ان سے مانوس تھے۔ وہ 617 ہجری (1220ء) میں منگولوں کے حملہ کے دوران نیشاپور میں شہید ہوئے۔ البتہ اس بارے میں کوئی مضبوط تاریخی دلیل موجود نہیں ہے۔

راہ تصوف کا آغاز

عطار اپنی عمر کے آغاز اور بچپن ہی سے صوفیا کرام کی باتوں سے انس رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنی دکان پر طبابت میں مصروف تھے۔ ایک درویش وہاں آیا اور اس نے چند بار "شی للہ" کہا۔ عطار نے اس کے کہنے پر توجہ نہ دی۔ درویش نے کہا کہ اے آقا! تو کیسے مرے گا؟ عطار نے کہا جیسے تو مرے گا۔ درویش نے کہا تو میری طرح مرسکتا ہے؟ عطار نے کہا ہاں۔ درویش نے لکڑی کا پیالہ جو اس کے پاس تھا اسے سر کے نیچے رکھا "اللہ" کہا اور مرگیا۔ عطار نے جب یہ دیکھا تو ان کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ انہوں نے مطب چھوڑ کر تصوف کا راستہ اختیار کرلیا۔ ممکن ہے اس واقعہ میں صداقت ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ طبابت اور دوافروشی کے کام کے دوران ان کی حالت میں انقلاب برپا ہوا۔ اس بارے میں عطار نے "خسرونامہ" میں یوں بیان کیا ہے:

مصیبت نامہ کاندوہ جہان است
الٰہی نامہ کاسرار عیان است
بہ داروخانہ کردم ہر دو آغاز
چہ گویم زود رستم ز آن و این باز

(مثنوی مصیبت نامہ جو دنیا کا غم ہے، مثنوی الٰہی نامہ جو عیاں رازوں پر مشتمل ہے۔ میں نے دونوں کا آغاز مطب میں کیا۔ میں کیا کہوں، میں نے جلد اِس اور اُس سے نجات پالی)

عطار کی طریقت کا سلسلہ نجم الدین کبریٰ تک جا پہنچتا ہے۔ البتہ وہ دیگر افراد جیسے ابوسعید فضل اللہ بن الخیر میھنی اور ابوالفضل ابن الربیب سے بھی عقیدت رکھتے تھے۔

شخصیت عطار

عطار سرزمین ایران کی ان عظیم ترین ادبی اور عرفانی شخصیات میں سے ہیں جنھیں انسان کامل کا لقب دیا جا سکتا ہے۔ ان کی رُوح عرفان و دانش سے سرشار تھی۔ انہوں نے اپنی ساری عمر خدا کی عبادت اور لوگوں کی خدمت میں صرف کی۔ وہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ شعر کہتے تھے اور کتاب بھی لکھتے تھے۔ وہ روزی کی طلب کے لیے اپنے دور کے دیگر شاعروں کی طرح اپنے اشعار میں دوسروں کی تعریفیں نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنی سحر انگیز اور شاعرانہ زبان کو اپنے معاشرے کے لوگوں کی تعلیم و تربیت اور اخلاق کی تہذیب کے لیے استعمال کرتے تھے۔ عطار ایک حقیقت پسند عارف تھے اور وہ دنیا کو اپنی تمام تر عظمت کے ساتھ خدا کا عطیہ سمجھتے تھے کہ جسے خالق عظیم نے انسانوں کے مستفید ہونے کے لیے بنایا ہے۔ اسی عرفان کی وجہ سے ان کے اشعار رواں اور دلچسپ ہیں۔ عطار معتقد تھے کہ انسان کا وجود یعنی اس کا اشرف مخلوقات ہونا خالق عظیم کی نظروں میں بہت اہمیت رکھتا ہے اور اس کرہ زمین کا واحد ذی روح ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی محبت کو بہترین اور احسن طریقے سے قبول کیا ہے اور عبادت، زہد اور تقویٰ کو اپنی جگہ پر بروئے کار لاتا ہے۔ عطار عشق الٰہی تک رسائی کے لئے اس کی سات وادیوں: طلب، عشق، معرفت، استغنا، توحید، حیرت اور فقر و فنا سے گزرتے ہیں اور آخری مرحلہ میں خود کو فانی جانتے ہیں اور اس کے بعد حق میں فنا ہونے کو ہی اپنی منزل سمجھتے ہیں کیونکہ فقط اللہ کی ذات ہمیشہ رہنے والی ہے۔ عطار کا تصوف شریعت سے جدا نہیں بلکہ عین شریعت ہے۔ یہ راستہ اگرچہ بہت دشوار اور کٹھن ہے مگر عطار اسے طے ہو جانے والا راستہ قرار دیتے ہیں۔

عطار کا عارفانہ اور دینی کلام

جب ہم فارسی ادبیات کی تاریخ پڑھتے ہیں اور عارفانہ شاعری کے آغاز کے بارے میں تحقیق کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ حکیم سنائی ایران کے پہلے اور معروف ترین شاعر تھے جنہوں نے مثنوی "حدیقۃ الحقیقہ" کی شکل میں تصوف کے میدان میں عارفانہ شعر کہے۔ اسی بنیاد پر انہیں "پدر شعر عرفانی" یعنی عارفانہ اشعار کا باپ کہا جاتا ہے۔ فریدالدین عطار نے عارفانہ شعروں کی نشوونما کی اور انہیں وسعت اور گہرائی بخشی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ عطار کا تصوف اور عرفان شریعت کے راستے سے جدا نہیں ہوتا اور اس کے ساتھ ساتھ عشق کا درد، سوز اور شور رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنے اشعار میں اپنی خودنمائی نہیں کی اور اخلاص کا راستہ اختیار کیا ہے۔ اس امر نے ان کے شعروں میں خاص تاثیر پیدا کر دی ہے۔

عطار کی مولانا سے ملاقات

جب مولانا اپنے والد بہاء ولد کے ہمراہ بلخ سے نیشاپور پہنچے تو وہاں انہوں نے فریدالدین عطار سے ملاقات کی۔ کیونکہ عطار اس زمانے کے نامور مردوں اور عظیم شاعروں میں سے تھے۔ عطار نے اس لڑکے (مولانا روم) کو عام انسانوں سے برتر پایا اور مولانا کے والد کو یہ نوید دی کہ جلد ہی یہ بچہ سوختگان عالم میں آگ لگا دے گا اور طریقت کے راستے پر چلنے والوں کے درمیان غوغا برپا کر دے گا۔ عطار نے اپنی مثنوی "اسرار نامہ" کا ایک نسخہ اس بچے کو تحفہ کے طور پر دیا۔ اسی وجہ سے مولانا کو فریدالدین عطار کی تصانیف سے بے انتہا انس اور محبت تھی اور انہوں نے اپنی غزلیات اور مثنوی معنوی میں شیخ عطار کی تصانیف کا اقتباس پیش کیا ہے۔ مولانا عشق کے میدان میں جب اپنا موازنہ عطار سے کرتے ہیں تو ان کی عظمت کو ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں:

هفت شہر عشق را عطار گشت
ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

عطار کی تصانیف

تذکرۃ الاولیا

شیخ فریدالدین عطار نیشاپوری کی تصانیف میں فارسی نثر کی کتاب ''تذکرۃ الاولیا'' ان کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو چھٹی صدی ہجری کے آخر میں تحریر کی گئی۔ یہ کتاب 97 ابواب پر مشتمل ہے۔ عطار نے اس کتاب کے مقدمہ میں اور اپنے دیگر آثار میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انھیں صوفیاء، مشائخ اور اولیاء کرام کے حالات زندگی اور ان کے اقوال اکٹھے کرنے کا عشق کی حد تک شوق تھا اور انھوں نے اپنی عمر کا ایک حصہ ان بزرگوں سے متعلق معلومات اکٹھا کرنے پر صرف کیا جس کے نتیجہ میں یہ کتاب ''تذکرۃ الاولیا'' مرتب ہوئی۔ عطار نے اس کتاب میں 988 حکایات اور اس کے ساتھ ساتھ صوفیا اور اولیا کرام کے تقریباً 2864 اقوال تحریر کیے ہیں۔

فارسی ادب کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیاء اور اولیاء کرام نے مختلف موضوعات کی وضاحت کے لیے حکایات اور داستانوں کا سہارا لیا ہے کیوں کہ لوگ کہانیوں قصوں کی جانب آسانی سے مائل ہو جاتے ہیں۔ عطار نے بھی اپنی کتاب میں اسی روش کو اپنایا۔ اپنی اس تصنیف میں انہوں نے 97 نامور اولیاء کرام کے حالات و واقعات بیان کیے۔ مثلاً حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ، رابعہ عدویہ رحمتہ اللہ علیہ، ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ، فضیل عیاض رحمتہ اللہ علیہ، بشر حافی رحمتہ اللہ علیہ، بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ، حسین بن منصور حلاج وغیرہ۔

فارسی زبان میں تصوف اور اولیاء کرام کے حوالہ سے حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی ''کشف المحجوب'' اور عبدالرحمان سلمی کی کتاب ''طبقات الصوفیاء'' کے بعد عطار کی کتاب تذکرۃ الاولیاء کی باری آتی ہے۔ عطار اپنی اس کتاب میں بہت سے مقامات پر کشف المحجوب کی عبارات کو ان کے ماخذ کا ذکر کیے بغیر لائے ہیں اور بعض جگہوں پر ان میں مختصر سی تبدیلی کی ہے۔ انداز بیان کے اعتبار سے یہ کتاب سادہ اور شیریں ہے۔ اولیاء اور صوفیاء کے احوال و آثار تحریر کرتے وقت ہر بزرگ کے حالات زندگی کے آغاز میں عطار نے چند جملے مسجع اور مقفی تحریر کیے ہیں جب کہ کتاب کی باقی عبارت سادہ اور دلنشین ہے۔ اس لیے اسے بے حد مقبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔

منطق الطیر

مثنوی ''منطق الطیر'' فریدالدین عطار کی تصنیف ہے جو 4600 اشعار پر مشتمل ہے۔ عطار کی عارفانہ اور دل انگیز مثنویوں میں اہم ترین ''منطق الطیر'' ہے۔ اسے عطار کی مثنویوں کا تاج کہتے ہیں۔ کلمہ منطق الطیر قرآن کریم کی سورۃ نمل کی آیت 16 وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ ۔۔۔۔ سے لیا گیا ہے۔ اس سورۃ میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے چیونٹیوں کی وادی میں سفر کی حکایت بیان کی گئی ہے۔ یہ مثنوی تحریر کرتے وقت عطار نے نہایت شایستہ طریقے سے اس قرآنی حکایت سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ منطق الطیر جسے عطار نے بعض جگہوں پر ''مقامات طیور'' کا نام بھی دیا ہے، لفظ اور معنی کے اعتبار سے اس کا شمار دلکش ترین کتابوں میں ہوتا ہے جو اب تک فارسی زبان میں تحریر کی گئی ہیں۔ منطق الطیر پرندوں کے ایک گروہ کی داستان ہے جو اپنے بادشاہ ''سیمرغ'' کی تلاش اور اسے پانے کے لیے ہدہد کی رہنمائی میں سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ وہ راستے میں سات خوفناک مرحلوں سے گزرتے ہیں اور ہر مرحلہ میں پرندوں کا ایک گروہ راستے سے پیچھے رہ جاتا ہے اور مختلف بہانوں سے اپنے پاؤں واپس کھینچ لیتا ہے۔ یہاں تک کہ ان سات قسم کے مرحلوں کو عبور کرنے کے بعد ''سیمرغ'' کی جستجو میں صرف ''سی مرغ'' یعنی تیس پرندے باقی رہ جاتے ہیں اور جب وہ خود کو دیکھتے ہیں تو اس

منطق الطیر کی داستان تمثیلی ہے۔ پرندوں سے عطار کی مراد سالک راہ ہے اور ''سیمرغ'' سے مراد خدا کے وہ بندے جو اس کی جستجو میں سلوک کے سات مراحل طے کرتے ہیں یعنی طلب، عشق، معرفت، استغنا، توحید، حیرت اور فقر وفنا۔ بالآخر وہ حقیقت کو اپنے اندر کشف کرتے ہیں۔ نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ جس کی وہ خود سے باہر تلاش کر رہے تھے وہ سی مرغ (سیمرغ) اب خود ان کے اندر موجود ہے۔

الٰہی نامہ

مثنوی الٰہی نامہ میں فرید الدین عطار نے 282 حکایات 6511 اشعار میں بیان کی ہیں۔ یہ منظومہ درحقیقت مختلف قسم کے مختصر قصوں کا مجموعہ ہے جو ایک والد کی اپنے نوجوان بیٹوں کے ساتھ گفتگو پر مبنی ہے۔ وہ بیہودہ چیزوں کی جستجو میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ مثنوی خدا کی حمد وثنا اور نعت رسول اکرم ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں عطار نے تکلف سے عاری سادہ زبان استعمال کی ہے۔ لیکن جو چیز اس کتاب میں مشاہدہ کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ الٰہی نامہ میں عطار کی زیادہ توجہ قومی داستانوں کی جانب رہی ہے۔ لیکن منطقی نظم وترتیب کے اعتبار سے الٰہی نامہ کی حکایات کے مطالب و بیان منطق الطیر کے درجہ تک نہیں پہنچتے۔

مصیبت نامہ

مصیبت نامہ عطار کے عظیم شاہکاروں میں سے ایک ہے جو 7000 اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو ''مصیبت نامہ'' نام دینے کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ شاعر اپنی مشکل کو ہر کسی کے پاس لے گیا اور ناامید واپس لوٹا۔ ان کے رنجیدہ دل کو کسی نے شفا نہیں بخشی لہٰذا انہوں نے اس کتاب کا نام ''مصیبت نامہ'' رکھا۔ لیکن خود عطار اس کا یہ نام رکھنے کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس مثنوی کے معانی درک کرنے اور موضوعات اور ترکیبات کو ترتیب دینے میں بہت تکالیف اٹھائی ہیں اور ہر شعر کے لیے ماتم سے دوچار ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کتاب کا نام مصیبت نامہ رکھا ہے۔ اس کتاب میں عطار قارئین کو تاکید کرتے ہیں کہ وہ ظاہر پر فریفتہ نہ ہوں اور ظاہر سے اشیاء کی حقیقت اور ان کے معنی تک رسائی حاصل کریں۔ مصیبت نامہ 40 مقالوں پر مشتمل ہے اور عطار نے اپنے صوفیانہ تصورات اس کتاب میں نہایت خوبصورتی سے بیان کیے ہیں۔ ایک اور نمایاں نکتہ یہ ہے کہ مصیبت نامہ میں صوفیوں کی بعض اصطلاحات مثلاً صوفی، عدل، دنیا، شریعت، طریقت اور حقیقت کی وضاحت پیش کی گئی ہے۔

مختار نامہ

عطار رباعی سرائی سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے انہوں نے ایک علیحدہ کتاب رباعی کے قالب میں ''مختار نامہ'' کے نام سے تحریر کی ہے۔ یہ کتاب 2000 رباعیوں پر مشتمل ہے۔ یہ رباعیاں درحقیقت ایک عارف شاعر سے نسبت رکھتی ہیں لیکن ان میں عاشقانہ اور فلسفیانہ رباعیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ عطار نے خود انہیں اکٹھا کیا ہے۔ عطار کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ خیام کے افکار ان رباعیوں میں کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔

دیوان عطار

عطار کا دیوان عاشقانہ، عارفانہ اور قلندرانہ قصاید اور غزلیات پر مشتمل ہے۔ دیوان میں 30 قصیدے موجود ہیں جن میں زیادہ تر پند ونصیحت کا موضوع اختیار کیا گیا ہے لیکن عطار کی غزلیات ایک اور طرح کا شور اور سوز رکھتی ہیں۔ عطار اپنی غزلوں میں خدا کے عشق میں غرق اور محو ہونے، وصل کا زمانہ دوبارہ تلاش کرنے، ازلی معشوق پالینے اور اس میں فنا ہو جانے جیسے موضوعات بیان کرتے ہیں۔ عطار کی غزلیں ان کی مثنویوں کی طرح دلنواز ہیں۔ ان کی زبان سادہ، بے تکلف اور نامانوس کلمات سے خالی ہے۔ عطار نے غزل سرائی کے میدان میں سنائی اور خاقانی کی تقلید کی ہے۔ عطار کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ عطار کا عشق دوسرے شاعروں کے عشق سے عمیق تر اور وسیع تر ہے۔

(ii) Saadi Shirazi (Gulistan)

سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

(بعنوان نثر نگار)

مردم ہمہ دانند کہ در نامہء سعدی
مشکی است کہ در طبلہء عطار نباشد

ایلخانی دور سے تعلق رکھنے والے سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ایران کے نامور ترین شاعروں اور نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ان کا مکمل نام ابو محمد مشرف الدین مصلح بن عبداللہ اور تخلص سعدی ہے۔انہیں اپنے زمانے کے حکمران سعد بن زنگی سے بہت عقیدت تھی۔جس کے باعث انہوں نے اپنا تخلص سعدی رکھا۔

حالات زندگی

سعدی 606 ہجری (1209ء) کو ایران کے معروف شہر شیراز میں عالموں کے ایک گھرانہ میں پیدا ہوئے جس کا اظہار انہوں نے اپنے اس شعر میں کیا ہے:

ہمہ قبیلہ من عالمان دین بودند
مرا معلم عشق تو شاعری آموخت
(میرے قبیلے والے سب عالمان دین تھے مجھے تیرے عشق کے معلم نے شاعری سکھا دی)

سعدی نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مصلح الدین عبداللہ سے حاصل کی۔جنہوں نے سعدی کی شخصیت کو نکھار بخشنے کے لیے علم و فضل کی ایک مستحکم بنیاد فراہم کی۔والد کی وفات کے بعد انہوں نے شیراز کے معروف علماء سے تعلیم حاصل کی۔بعد میں نظام الملک طوسی کے قائم کردہ "مدرسہ نظامیہ بغداد" میں داخلہ لے لیا جسے اس دور میں یونیورسٹی کا درجہ حاصل تھا۔اس مدرسہ میں انہوں نے معروف علماء ابو حامد غزالی، جمال الدین عبدالرحمٰن ابوالفرج بن جوزی اور عبدالقار سہروردی سے حدیث اور تفسیر کی تعلیم حاصل کی۔سہروردیہ مسلک کے بانی جناب شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہروردی سے تصوف کی تعلیم و تربیت کا دور مکمل کیا اور سلوک کی منازل طے کیں۔آپ نے بعد میں اسی مدرسہ میں استاد کے طور پر کچھ عرصہ پڑھایا۔

تعلیم و تربیت کا مرحلہ مکمل کر لینے کے بعد سعدی نے تقریباً 35 سال دنیا میں سفر کیا۔اس عرصہ میں انہوں نے ایشیا، جنوبی افریقہ اور شام کا سفر کیا۔اسی دوران چودہ مرتبہ پیدل حج کا سفر بھی کیا۔سیر و سیاحت کے دوران آپ کو بہت سی پریشانیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔اس سے آپ میں صبر و تحمل اور برداشت کی قوت پیدا ہوئی۔اس جہاں بینی نے سعدی کی شخصیت کو نکھار بخشا اور ان میں وسعت قلب و نظر پیدا کی۔تقریباً 655 ہجری میں اپنے وطن شیراز واپس آئے اور اپنی باقی عمر شیراز سے ڈیڑھ میل دور رکن آباد کے کنارے ایک خانقاہ میں گوشہ نشینی کی حالت میں گزاری اور مرتے دم تک وہیں رہے۔سعدی نے 690 ہجری (1291ء) کو تقریباً 84 سال کی عمر میں وفات پائی اور انہیں وہیں دفن کیا گیا جہاں وہ اپنی عمر کا آخری حصہ گوشہ نشین رہے۔اس جگہ کو انہی کے نام کی مناسبت سے آج کل سعدیہ کہا جاتا ہے۔

تصانیف

"معلم اخلاق" سعدی شیراز کی زندگی تقریباً 84 سال بنتی ہے اس کو اگر ہم تین برابر حصوں میں تقسیم کریں تو اپنی زندگی کے پہلے حصے میں انہوں نے علم

پڑھااور پڑھایااور دوسرے حصے میں مختلف ممالک کا سفر کیا۔زندگی کے پہلے حصے کے علم (یعنی Theory) اور دوسرے حصے کے سفر (یعنی Practical) سے جو تجربات حاصل کیے ان کا نچوڑ انھوں نے اپنی دو شہرہ آفاق تصانیف ''بوستان'' اور ''گلستان'' کی صورت میں پیش کیا۔آپ کی تصانیف کی تفصیل یوں ہے:

کلیات سعدی

کلیات سعدی تقریباً 650 غزلیات، 700 عربی و فارسی قصاید اور ان کے علاوہ ملمعات، مثلثات، ترجیعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔اسے ابتداء میں خود سعدی شیرازی نے اور بعد میں ابوبکر بیستون نے مدون کیا جو ایران میں متعدد بار شائع ہوئی۔

بوستان

مثنوی بوستان یا سعدی نامہ فارسی زبان وادب کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ جسے سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ نے 655 ہجری میں تحریر کیا۔ یہ مثنوی تقریباً 4000 اشعار پر مشتمل ہے اور اس کا ایک دیباچہ اور دس باب ہیں۔ان ابواب میں نصیحت آموز حکایات اشعار کی صورت میں پیش کی گئی ہیں۔ مثنوی بوستان کا موضوع بھی گلستان کی طرح اخلاقیات ہے اور پند و حکمت، اخلاقی فضائل، اصول سیاست، مملکت داری، گھر اور خاندان کی حفاظت، کردار سازی اور احترام آدمیت اس کے بھی اہم موضوعات ہیں۔سعدی نے اپنے اس فن پارہ کو ابوبکر بن سعد بن زنگی کے نام سے منسوب کیا۔بوستان کے الفاظ میں سادگی، بیان میں روانی، سلاست، دل نشینی اور حسن ترتیب موجود ہے۔سعدی شیرازی نے اسے خوبصورت تشبیہات اور دلکش کنایات سے سجایا ہے۔بوستان کے بہت سے اشعار فارسی زبان میں ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں۔

بوستان میں سعدی کہیں کسی عام میاں بیوی کا قصہ حکایت کی صورت میں بیان کرتے ہیں تو کہیں کوئی اہم تاریخی واقعہ اشعار کی زینت بناتے ہیں۔ محققین اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ بوستان کے اشعار تحریر کرتے وقت سعدی شیرازی نے بزرگوں کی اخلاقی اور علمی تصانیف کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کے موضوعات کو اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے جیسے محمد غزالی کی کتابیں نصیحۃ الملوک، کیمیائی سعادت اور حکیم ابوالقاسم فردوسی کا شاھنامہ وغیرہ۔

نصیحت کرنے میں بھی سعدی نے منفرد روش اپنائی ہے۔اچھے لوگوں سے اچھائی کرنے کی نصیحت تو ہر کوئی کرتا ہے مگر بوستان میں سعدی بدفطرت لوگوں سے بھی برائی نہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ ''مرد صحرا نشین'' کے عنوان سے ایک حکایت میں وہ کہتے ہیں۔

توان کرد با ناکسان بدرگی
ولیکن نیاید ز مردم سگی

(بدفطرت لوگوں سے برائی کی جاسکتی ہے لیکن انسان کتوں جیسا رویہ نہیں اپنا سکتے)

یعنی کسی کو دکھ دینا کتوں کا کام ہے کوئی انسان بدفطرت شخص سے بھی یہ رویہ نہیں اپناتا۔

بوستان کے باب اول ''در عدل و تدبیر و رای'' میں اخلاقیات کا درس دیتے ہوئے سعدی فرماتے ہیں:

نخواهی که نفرین کنند از پست
نکو باش تا بد نگوید کست

(اگر تو نہیں چاہتا کہ (لوگ) تجھے پیچھے سے بد دعائیں دیں تو اچھا رہ تا کہ کوئی تجھے برا نہ کہے)

گلستان

گلستان سعدی شیرازی کی وہ زندہ و جاوید شاہکار کتاب ہے جو سعدی شیرازی کی وجہ شہرت بنی۔ یہ کتاب 656 ہجری میں تحریر کی گئی اور اس میں نثر کو اشعار کی آمیزش سے مزین کیا گیا ہے۔سعدی نے اس کتاب کو اتابک مظفر الدین سعد بن ابوبکر کے نام منسوب کیا۔ یہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پند و حکمت،

اخلاقی فضائل، اصول سیاست، مملکت داری، گھر اور خاندان کی حفاظت، کردار سازی اور احترام آدمیت گلستان کے اہم موضوعات ہیں۔ فارسی ادبیات کی تاریخ سینکڑوں نہیں ہزاروں سالوں پر محیط ہے مگر اس میں شک نہیں کہ یہ ایران میں تہذیب و اخلاق کے موضوع پر تحریر کی جانے والی بہترین کتاب ہے یہاں تک کہ اس میں تحریر کردہ جملے ضرب الامثال کا درجہ رکھتے ہیں۔

سعدی شیرازی کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں اخلاقیات جیسے خشک اور سنجیدہ موضوع کو اپنے فن نثر سے نہایت دل چسپ اور ہر دل عزیز بنا دیا ہے۔ گلستان کے ہر باب میں متعدد حکایات پیش کی گئی ہیں جنھیں فارسی و عربی اشعار، ضرب الامثال اور محاوروں سے مزین کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے ہر صفحہ پر کسی نہ کسی اخلاقی مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اخلاقی تربیت کا مؤثر درس دیا گیا ہے۔ اس لیے سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کو "معلم اخلاق" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اخلاقی درس میں بھی دل چسپ پہلو یہ ہے کہ یہ درس نظریہ اخلاق سے ہٹ کر دیا گیا ہے۔ مثلاً عام اخلاقی نظریہ یہ ہے کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہیے، جھوٹ بولنا بری بات ہے مگر سعدی شیرازی تحریر فرماتے ہیں:

"دروغ مصلحت آمیز به ز راست فتنه انگیز"

(مصلحت آمیز جھوٹ، فتنہ انگیز سچ سے بہتر ہے)

گلستان سعدی میں جس نکتہ پر زیادہ تاکید کی گئی ہے وہ احترام آدمیت اور انسان دوستی ہے۔ انھوں نے انسان دوستی کا درس نہایت خوبصورت انداز میں دیا ہے۔ مثال کے طور پر گلستان سے ان کا ایک شعر پیش کیا جاتا ہے:

بنی آدم اعضای یک دیگرند

که در آفرینش ز یک گوهرند

(آدم کی اولاد ایک ہی جسم کے اعضا ہیں کیونکہ پیدائشی طور پر ایک ہی جوہر سے ہیں)

سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں لوگوں کو تکلیف اور دکھ دینے والوں کی جا بجا مذمت کی ہے۔ شدید تنقید کے ساتھ انھیں اس مکروہ فعل سے باز رہنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ وہ گلستان کے ان اشعار میں فرماتے ہیں:

ای زبردست زیردست آزار — گرم تا کی بماند این بازار؟

بچه کار آیدت جهانداری — مردنت به که مردم آزاری

(اے ماتحتوں کو دکھ دینے والے زبردست، یہ بازار کب تک گرم رہے گا۔ یہ حکمرانی تیرے کس کام آئے گی۔ لوگوں کو دکھ دینے سے تیرا مر جانا بہتر ہے)

گلستان کی نثر کے محاسن

گلستان خوبصورت فارسی میں لکھے گئے ایک دیباچہ اور آٹھ ابواب پر مشتمل ہے جن کے عنوانات یہ ہیں:

پہلا باب:	در سیرت پادشاهان (بادشاہوں کی سیرت کے بارے میں)	41 حکایات
دوسرا باب:	در اخلاق درویشان (درویشوں کے اخلاق کے بارے میں)	48 حکایات
تیسرا باب:	در فضیلت قناعت (قناعت کی فضیلت کے بارے میں)	28 حکایات
چوتھا باب:	در فواید خاموشی (خاموشی کے فوائد کے بارے میں)	14 حکایات
پانچواں باب:	در عشق و جوانی (عشق و جوانی کے بارے میں)	21 حکایات

چھٹا باب: درضعف وپیری (کمزوری اور بڑھاپے کے بارے میں) 9 حکایات

ساتواں باب: درتاثیر تربیت (تربیت کے اثر کے بارے میں) 19 حکایات اور ایک جھگڑا

آٹھواں باب: درآداب صحبت (صحبت کے آداب کے بارے میں) 109 حکمت

گلستان کے آٹھ ابواب میں حکایات کو عربی وفارسی اشعار، ضرب الامثال اور محاوروں سے آراستہ کیا گیا ہے۔اس کتاب کی چند نمایاں ترین خصوصیات اور محاسن یہ ہیں:

آئینہ نمائی

غلام حسین یوسفی کے بقول وہ چیز جو گلستان میں سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ سعدی کی زندگی کے بے شمار اور گونا گوں تجربات ہیں۔ سعدی نے اس کتاب میں ایک جہاں دیدہ، پختہ اور تجربہ کار شخص کی آئینہ نمائی کی ہے جس نے زندگی میں بہت زیادہ نشیب وفراز دیکھے ہیں۔وہ شعروشاعری کے شہر شیراز میں عشق سے بہرہ مند ہوئے۔اس زمانہ کے اہم شہروں میں بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہے اور ان کی ہمنشینی میں بہت سے دقیق نکتے سیکھے۔وہ جب بھی ایک شہر سے دوسرے شہر گئے لوگوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے۔راستے میں ان کی ملاقات عام لوگوں کے علاوہ وزیروں اور بادشاہوں سے بھی ہوئی۔انہوں نے کتابیں پڑھنے کے ساتھ دنیا اور اس کے لوگوں کو براہ راست تجربات سے پہچانا اور انہیں ایک شفاف آئینہ کی طرح سب کے سامنے ویسا پیش کیا جیسا پایا۔سعدی کے اس عمل میں ان کا صرف سفر کر لینا کافی نہیں بلکہ اس میں ان کی دانائی، بصیرت اور باریک بینی نے اہم کردار انجام دیا اور یوں گلستان جیسا شاہکار سعدی کے قلم سے تخلیق ہوا۔

نثر میں اشعار کی آمیزش

محمد علی فروغی کے بقول گلستان فارسی نثر کی خوبصورت ترین کتاب ہے اور شاید یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا کے ادب کی بے نظیر کتاب ہے۔اس کتاب کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس کی نثر میں اشعار کی آمیزش کی گئی ہے۔فارسی ادب میں کلیلہ ودمنہ کے علاوہ فارسی نثر کی کتابوں میں اشعار کی اس قدر آمیزش نہیں کی گئی جتنی گلستان میں کی گئی ہے۔سعدی نے موقع کی مناسبت سے فارسی اور عربی اشعار اس انداز سے پیش کیے ہیں کہ گلستان کی نثر دلچسپ اور باوقار بن گئی ہے۔یہ اشعار آج بھی ایرانی معاشرے میں ہر دلعزیز ہیں اور فارسی ضرب الامثال کا درجہ رکھتے ہیں۔مثلاً

نکویی بابدان کردن چنان است   که بد کردن بجای نیکمر دان

(بروں کے ساتھ نیکی کرنا ایسے ہے جیسے نیکوں کے ساتھ برائی کرنا)

ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں:

اگر بمرد عدو، جای شادمانی نیست

که زندگانی ما نیز جاو دانی نیست

(اگر دشمن مر گیا تو خوشی کی بات نہیں ہے کیونکہ ہماری زندگانی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے)

گلستان کی زبان

گلستان کی ایک نمایاں خصوصیت خود اس میں تحریر کی جانے والی زبان ہے۔گلستان نہایت سادہ اور رواں زبان میں لکھی گئی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ اس میں فصاحت، بلاغت، استحکام اور ظرافت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

گلستان کی زبان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے اور اہل ذوق وادب اس بات پر تعجب کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ سعدی نے تقریباً آٹھ سو

سال پہلے آج کی فارسی زبان میں گلستان تحریر کی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ سعدی نے آج کی فارسی زبان میں گلستان تحریر نہیں کی بلکہ ایرانی آج آٹھ سو سال گزرنے کے باوجود اس زبان میں بات کرتے ہیں جو انہیں سعدی نے سکھائی ہے۔سعدی نے فارسی نثر کو اس قدر دلنشین بنایا ہے کہ وہ ایرانی معاشرے میں رائج ہوگئی ہے۔سعدی کے زمانہ میں عربی، منگولی اور دیگر زبانوں کے الفاظ فارسی میں داخل ہو چکے تھے۔مگر سعدی نے دیگر زبانوں کے الفاظ کو گلستان میں استعمال کرنے سے گریز کیا۔صرف عربی الفاظ حسب ضرورت استعمال کیے۔سعدی کا ہنر یہ ہے کہ انہوں نے گلستان کی نثر نہایت سادہ اور رواں ادبی فارسی میں تحریر کی۔

سچائی اور اخلاص

گلستان کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سعدی شیرازی نے اپنے چشم دید واقعات اور مشاہدات کو نہایت صداقت، اخلاص اور سچائی سے بیان کیا ہے۔گلستان کی نثر اور اشعار دونوں میں تحریر شدہ تمام باتیں ان کی اپنی ہیں۔ان کے مشاہدات اور ذہن کی اختراع ہیں۔انہوں نے کوئی چیز کسی سے مستعار نہیں لی بلکہ ان کی اپنی سوچ کی پیداوار ہے۔موضوعات تازہ اور جدید ہیں اور دلچسپی سے خالی نہیں۔

پند و نصیحت

سعدی شیرازی نے گلستان میں شخصیت سازی، آدمیت اور اخلاق کا درس دیا ہے اور پند و نصیحت سے کام لیا ہے۔پند و نصیحت نہایت سنجیدہ موضوع ہے مگر سعدی نے اس سنجیدہ موضوع کو اپنی دلچسپ نصیحت آموز حکایات کے ذریعے نہایت دلپذیر بنا دیا ہے۔یہ روش لوگوں کو بہت پسند آئی۔جس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ سعدی شیرازی کی وفات کے بعد بہت سے نثر نگاروں نے طبع آزمائی کی اور گلستان کی روش پر کئی کتابیں تحریر کیں مثلاً معین الدین جوینی نے نگارستان، مولانا عبدالرحمٰن جامی نے بہارستان، قاآنی شیرازی نے پریشان، مجدالدین خوانی نے خارستان اور میر قمرالدین دہلوی نے شکرستان تحریر کی مگر ان میں سے کوئی ایک گلستان جیسی شہرت اور مقبولیت حاصل نہ کر سکی۔

(iii) Sadiq Hidayat (As a modern Short Story Writer)

صادق ہدایت

(بعنوان جدید افسانہ نگار)

صادق ہدایت 18 بہمن 1281 ہجری شمسی (8 فروری 1903ء) کو تہران کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام اعتضادالملک تھا جو مدرسہ نظامی کے ہیڈ ماسٹر تھے اور مجمع الصفا کے مولف رضا قلی خاں ہدایت کے پوتے تھے۔خود رضا قلی خاں نے اپنے حالات زندگی میں اپنی نسبت آٹھویں صدی ہجری کے شاعر کمال خجندی سے جوڑی ہے۔صادق ہدایت کے خاندان میں زیادہ لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ان میں سے بعض نے تو یورپ سے تعلیم حاصل کی تھی۔انہوں نے تحریک مشروطہ اور قانون اساسی کی تدوین میں اہم کردار ادا کیا۔

1304 ہجری شمسی (1925ء) میں صادق ہدایت ایک گروہ کے ساتھ حکومت کے خرچ پر یورپ گئے تاکہ دانتوں کے ڈاکٹر بن سکیں۔لیکن جلد ہی ان کا دل اس مضمون سے اکتا گیا اور انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔یہ تعلیم بھی ان کو راس نہ آئی۔انہوں نے فیصلہ کیا کہ ثقافت اور ایران کی قدیم زبانوں کا مطالعہ کریں۔فرانس میں ان کی دلچسپی ادب اور فلسفے کی طرف بڑھ گئی اور رسمی تعلیم چھوڑ دی۔1309ء ہجری شمسی (1930ء) میں وہ ایران واپس آ گئے۔پہلے ملی بنک میں کام کیا اور چند بار پیشہ بدلا۔صادق ہدایت نے یورپ سے واپس آ کر 1309ء ہجری شمسی (1930ء) میں ''زندہ بہ گور'' کے نام سے اپنے افسانوں کا پہلا مجموعہ شائع کیا۔اس کتاب کے شائع ہونے سے ان کی ہنری تخلیق کاری کا آغاز ہوا۔وہ روشن فکر اشخاص کی انجمنوں اور ادبی محافل میں شرکت

کرتے رہے مگران کو بے حرکت دیکھ کرانہوں نے اپنے ہم فکر لوگوں کا گروہ تشکیل دیا۔ ہدایت کو اس گروہ میں رہنما کی حیثیت حاصل تھی۔ وہ دوستوں کو نئے ادبی کاموں کی طرف راغب کرتے رہے۔ سایہ مغول (1310 ہجری شمسی/ 1931ء)، تاریخی ڈرامہ مازیار (1313 ہجری شمسی/ 1934ء) اور وغ وغ ساھاب (1313 ہجری شمسی/1934ء) ان سالوں کی کوششوں کا نتیجہ تھے۔ اوسانہ (1310 ہجری شمسی/ 1931ء)، سہ قطرہ خون (1311 ہجری شمسی/ 1932ء)، اصفہان نصف جہان (1311 ہجری شمسی/ 1932ء)، سایہ روشن (1312 ہجری شمسی/ 1933ء) نیرنگستان (1312 ہجری شمسی 1933ء)، علویہ خانم (1312 ہجری شمسی/ 1933ء)، ترانہ ھای خیام (1313 ہجری شمسی/ 1934ء)، روی جادۂ نمناک (1314 ہجری شمسی/ 1935ء) اور بوف کور (1315 ہجری شمسی/ 1936ء) سب اس دور میں تحریر ہوئے۔ افسانہ بوف کور فارسی زبان کے شاہکار کے طور پر معروف ہوا۔ اس وقت صادق ہدایت پہلوی زبان سیکھنے کے لیے ہندوستان میں مقیم تھے اور پہلوی کی قدیم تحریروں کو فارسی میں ترجمہ کرنے میں مشغول تھے جو بعد میں آنے والے سالوں میں ایران سے شائع ہوئے۔ ان میں سے اہم متون یہ ہیں: گجستگ اپالیش (1318 ہجری شمسی/ 1939ء) کارنامہ اردشیر بابکان (1322 ہجری شمسی/ 1943ء)، گزارش گمان شکن (1322 ہجری شمسی/ 1943ء)، زند وہومن یسن (1323 ہجری شمسی/ 1944ء) شھرستانھای ایران (1323 ہجری شمسی/ 1944ء) وغیرہ۔

صادق ہدایت نے ہندوستان سے واپسی پر ایران کی سیاسی اور معاشرتی حالت کو ماضی سے زیادہ بدتر پایا۔ مطبوعات پر سنسر اور شدید دباؤ موجود تھا۔ صادق ہدایت کے دوستوں کی محفل جو ''گروہ ربعہ'' کے نام سے مشہور تھی برخاست ہو چکی تھی۔ صادق ہدایت نے شراب اور منشیات کا رخ کیا۔ انہوں نے اخباروں کے لیے چند مقالے لکھے اور پہلوی سے فارسی میں چند ترجمے کرنے کے علاوہ کوئی ادبی سرگرمی انجام نہیں دی۔ 1321 ہجری شمسی (1942ء) میں انہوں نے افسانوں کا ایک مجموعہ ''سگ ولگرد'' کے نام سے شائع ہوا۔ اس مجموعے کے بہترین افسانے ''سگ ولگرد'' اور ''بن بست'' ہیں۔ سگ ولگرد ایک کتے کی کہانی ہے جو مالک سے جدا ہو کر سختیاں برداشت کرتا ہے۔ اس میں انہوں نے ایک جانور کو پہنچنے والی تکالیف کو نہایت عمدہ طریقے سے قلمبند کیا ہے۔ 1324 ہجری شمسی (1345ء) میں ''حاجی آقا'' کے نام سے ایک شاہکار تحریر کیا جس میں ایک کم پڑھے لکھے دولت پرست، ریاکار بازاری شخص کے کردار کو نہایت عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے۔ صادق ہدایت نے اپنی زندگی کے آخری چار سالوں 1326 تا 1330 ہجری شمسی (1947ء تا 1951ء) میں دو اور کتابیں توپ مرواری اور پیام کافکا کے نام سے شائع کیں۔

اپنی زندگی کے آخری حصے میں صادق ہدایت پیرس واپس چلے گئے۔ فرانس پہنچنے کے چار ماہ بعد 1330 ہجری شمسی (10 اپریل 1951ء) کو شامپیونہ سٹریٹ (Shampionnet Street) پیرس میں اپنے ایک عام سے فلیٹ میں گیس کی ٹونٹی کھول کر خودکشی کر لی اور پیرس کے ''پرلاشز'' قبرستان میں دفن ہوئے۔ خودکشی کی سوچ شروع ہی سے صادق ہدایت کی تصانیف، کاموں اور زندگی میں چھپی ہوئی تھی۔ جب وہ پہلی مرتبہ فرانس گئے تو انہوں نے اس وقت بھی خودکشی کی کوشش کی۔ اپنی کتاب زندہ بہ گور میں وہ خودکشی کو اپنی تقدیر میں اس طرح دیکھتے ہیں۔ ''کسی تصمیم بہ خودکشی رانمی گیرد، خودکشی با بعضی ھاھست'' (کوئی خودکشی کا فیصلہ نہیں کرتا، بعض افراد کے ساتھ خودکشی موجود ہے)۔

مجموعی طور پر صادق ہدایت ایک نئی سوچ رکھنے والے، ایران پسند، عرب مخالف اور بدبین تھے۔ ان کی تمام تالیفات میں ایک راستہ معین ہے اور وہ اسی پر چلتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہیں جانوروں سے بہت پیار تھا۔ انہوں نے جب لکھنا شروع کیا تو انسان وحیوان کے نام سے کتاب تحریر کی۔ گوشت چھوڑ کر سبزی خور بن گئے۔ اور تین سال بعد 1306 ہجری شمسی (1927ء) میں ''فوائد گیاھخواری'' کے عنوان سے پیرس میں ایک کتاب شائع کی۔ ان کی ہر داستان میں کسی نہ کسی جانور یا پرندے کا کردار ضرور ہوتا ہے۔ ناول اور افسانوں کے علاوہ انہوں نے 1309 ہجری شمسی (1930ء) میں ایک ڈرامہ ''افسانہ آفرینش'' کے عنوان سے تحریر کیا۔ اس ڈرامے میں ایسے مناظر موجود ہیں جو مذہبی نظر سے مکمل طور پر توہین آمیز ہیں۔

صادق ہدایت ایک کامیاب افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ مصلح قوم ہیں۔ان کا دل معاشرے اور قوم کی خرابیوں پر جلتا ہے۔ان کے نزدیک زندگی دکھ، رنج اور درد سہنے کا نام ہے۔معاشرے میں غربت، بھوک اور پیاس ہے۔شہوت رانی کا دور دورہ ہے۔ظالم طاقت کے زور پر کمزوروں اور مظلوموں کو کچل دیتا ہے۔انہیں اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے۔البتہ وہ اس معاشرتی رنج اور درد کو نہایت دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ان کی کہانیوں کے کردار خاموش نہیں بلکہ بولتے ہیں اور معاشرے کے عام لوگوں کی زبان بولتے ہیں۔صادق ہدایت کے افسانوں میں ایرانی عوام کے دلوں کی دھڑکنیں صاف سنائی دیتی ہیں۔ انہوں نے اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے نئی اصطلاحات، کنائے اور استعارے استعمال کیے ہیں۔ان افسانوں کی زبان عام فہم ہی نہیں بلکہ عام لوگوں کی زبان ہے۔ان کے افسانوں کی کہانیوں کا تانا بانا اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ قاری اس کے سحر سے نکل نہیں پاتا اور اپنے آپ کو ان کی کہانی کا ایک کردار سمجھنے لگتا ہے۔ان کی کہانیوں سے نا اُمیدی اور موت کی بو آتی ہے۔صادق ہدایت بے علم، جاہل اور توہم پرست لوگوں کو ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ خیال کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ عقلمند اور غیرت مند نوجوان ان وطن فروشوں، مجرموں اور ریاکاروں کا محاسبہ کریں اوران کی عملاً سرکوبی کریں۔

(E) Special Study of the Sub-continetns Persian Poet and Prose Writer

برصغیر پاک و ہند کے شاعر

(a) Poets

(i) Masood Saad Salman

مسعود سعد سلمان

مسعود سعد سلمان 440 ہجری (1048ء) کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سعد بن سلمان غزنوی دربار میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ اس لیے مسعود کا بچپن شہزادوں کی طرح عیش و آرام میں گزرا۔ سلطان ابراہیم کے دور میں شاعری کی بنیاد پر ان کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ جب شہزادہ سیف الدولہ محمود نائب السلطنت بن کر لاہور آیا تو مسعود ان کے دربار سے وابستہ ہوگئے اور سیف الدولہ کی قربت حاصل کر لینے کے باعث بالاترین رتبے تک پہنچے۔ ان کا شمار ملک کے نامور ترین افراد میں ہوتا تھا۔ وہ سفر اور حضر میں بادشاہ کے ہم رکاب رہے۔ یہاں تک کہ جنگی سفروں میں بھی سلطان سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ مسعود سعد سلمان خود شاعر تھے مگر اس دور کے شاعر اپنے شعروں میں مسعود سعد کی مدح کرتے تھے۔ جنگ میں ان کی شجاعت کے واقعات شعروں میں بیان کرتے تھے۔

480 ہجری (1087ء) میں سیف الدولہ کے والد سلطان ابراہیم غزنوی اپنے بیٹے کے کاموں پر شک کرنے لگے۔ ان کے بیٹے کے سلجوقیوں کی طرف مائل ہونے کی خبریں ان تک پہنچیں۔ لہٰذا ان کے حکم پر سیف الدولہ اور اس کے ساتھیوں اور دوستوں کو اچانک گرفتار کر لیا گیا اور انہیں جیل میں بند کر دیا گیا۔ مسعود سعد سلمان ان میں سے ایک تھے جو گرفتار ہوئے۔ وہ سات سال سو اور دہک کے قلعوں میں اور تین سال ''نای'' کے قلعہ میں قید رہے۔ وہ خود ایک شعر میں اس قید کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

هفت سالم بکوفت سو و دهك

پس از آنم سه سال قلعه نای

(میں سات سال سو اور دہک کے قلعوں میں اور اس کے بعد تین سال نای کے قلعہ میں قید رہا)

یہ واقعہ حاسدوں کی تہمت کے باعث اور بالخصوص مسعود کے رقیب اور سلطان ابراہیم کے دربار کے شاعر ''راشدی'' کے مخبری کرنے پر رونما ہوا۔ بالآخر 490 ہجری (1097ء) کو سلطان کے خاص رفقاء میں سے ایک جن کا نام عمیر الملک تھا کی سفارش پر مسعود کو قید سے رہائی ملی۔ اور وہ لاہور آئے۔ اس دوران وہ نظام الدین ابونصر فارسی کی حمایت کے باعث ہندوستان کے فرمانروا شیر زاد کے ساتھ وابستہ ہوگئے اور دربار میں بلند مقام پایا۔ کچھ عرصے بعد سلطان کی ابونصر سے ناراضگی کے باعث مسعود سعد بھی زیر عتاب آ گئے اور اس مرتبہ تو قید ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی جائیداد بھی ضبط کر لی گئی۔ کہتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ مسعود کو قید کیا گیا تو اس قید میں ایک نجومی بھی تھا۔ جس نے پیشگوئی کی تھی کہ مسعود کی عمر 80 سال ہوگی اور وہ اس وقت قید سے رہا ہو

گا جب بڑھاپے کی قید میں گرفتار ہو جائے گا، جو قلعہ کی قید سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ اس مرتبہ مسعود کو مرنج جیل میں رکھا گیا۔ جہاں سیاسی قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔ اور یہ فلک بوس پہاڑوں کے درمیان ہے۔ اس بار تو مسعود یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ اسے کس جرم میں قید کیا گیا ہے۔ وہ اپنے شعر میں کہتے ہیں:

محبوس چرا شدم نمی دانم
دانم کہ نہ دزدم و نہ عیارم

(میں قید کیوں ہوا میں نہیں جانتا۔ میں جانتا ہوں کہ نہ میں چور ہوں اور نہ عیار ہوں)

تقریباً 8 سال قید رہنے کے بعد انہیں رہائی ملی۔ وہ دن جو شاید مسعود کی زندگی کے بہترین ایام تھے انہوں نے غزنی کے نزدیک پتھروں کی فصیلوں اور فلک بوس پہاڑوں کے درمیان قید میں گزارے اور ان مقامات پر بہت سے حبسیہ شعر کہے۔ انہوں نے 515 ہجری (1121ء) میں وفات پائی۔ مسعود سعد نے عربی، فارسی، ہندی تین زبانوں میں شعر کہے جو ظاہری طور پر علیحدہ علیحدہ کتابی صورت میں موجود تھے۔ ان میں سے اب فارسی اشعار دیوان کی صورت میں موجود ہیں۔ اسی دیوان میں چند عربی شعر بھی موجود ہیں۔ مسعود سعد کے فارسی اشعار کی تعداد 16000 ہے جو قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات، ترجیع بند، مسمط اور رباعیات کی صورت میں ہیں۔

درحقیقت مسعود سعد سلمان کا شمار دوسرے غزنوی دور کے نامور ترین شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کی اصل شہرت کا باعث ان کے حبسیہ شعر ہیں۔ حبسیہ ایسے شعروں کو کہا جاتا ہے جو قید و بند میں کہے گئے ہوں۔ مسعود کے یہ حبسیہ شعر فارسی ادب میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں حبسیات میں موجود رنج و غم قاری کے دل پر گہرا اثر قائم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مسعود سعد سلمان فارسی کے وہ پہلے شعر ہیں جنہوں نے پہلا مکمل شہر آشوب تحریر کیا۔ ان کے اپنے ہم عصر شاعروں امیر معزی، سنائی اور عثمان مختاری کے ساتھ دوستانہ تعلقات تھے۔ مسعود کا دیوان ان کے دوست اور ہم عصر شاعر حکیم سنائی نے مرتب کیا۔

نمونہ کلام:

نالم ز دل چو نای من اندر حصار نای
پستی گرفت همت من زین بلند جای
آرد هوای نای مرا ناله های زار
جز ناله های زار چه آرد هوای نای

(ii) Amir Khusrou

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

طوطی ہند امیر خسرو کا اصل نام ابوالحسن اور لقب یمین الدین تھا مگر امیر خسرو کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان کے والد سیف الدین محمود ترک النسل تھے اور ترکستان کے ایک شہر "کش" میں رہتے تھے۔ چنگیزی حملوں کے دوران ترک وطن کر کے ہندوستان آ گئے۔ سلطان شمس الدین التمش نے ان کی قدر دانی کی اور فوج میں ایک ذمہ دار عہدے پر فائز کیا۔ امیر دربار عماد الملک نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی اور وہ ہندوستان کے ایک قصبے پٹیالی میں مقیم ہو گئے۔ امیر خسرو 651 ہجری (1253ء) کو پٹیالی کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ کے دو بڑے بھائی تھے۔ جب امیر خسرو سات سال کے ہوئے تو ان کے والد سیف الدین محمود ایک جنگی مہم میں شہید ہو گئے۔ آپ کی تربیت آپ کے نانا عماد الملک نے کی۔ ذہین اتنے تھے کہ تقریباً بیس سال کی عمر میں تمام مروجہ علوم پر عبور حاصل کر لیا اور خطاطی بھی سیکھی۔ چھوٹی عمر میں ہی موزوں شعر کہنے لگے۔ آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کے باعث مختلف امراء اور بادشاہوں کے ساتھ نہ صرف وابستہ رہے بلکہ

ان کے منظور نظر رہے۔ مثلاً امیر کتلو خان (چھجو خان)، معز الدین کیقباد، بغرا خان، محمد قا آن، علاؤ الدین خلجی، جلال الدین خلجی، غیاث الدین تغلق اور قطب الدین مبارک شاہ۔

امیر خسرو اپنے زمانے کے مشہور و معروف صوفی بزرگ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ 671 ہجری (1273ء) کو حضرت نظام الدین اولیاء کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضرت آپ سے بہت محبت کرتے تھے اور انہوں نے آپ کو "ترک اللہ" کا لقب دیا۔ امیر خسرو کشتۂ محبت محبوب الٰہی تھے۔ جو دل پر گزرتی تھی وہ شعر کی زبان میں بیان کر دیتے تھے۔ اس لیے ان کی غزلیات واردات قلبی کی عکاس ہیں۔ آپ کے کلام میں جو شیرینی، لطافت اور سوز و گداز دکھائی دیتا ہے، وہ اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیاء سے محبت کا نتیجہ ہے۔ امیر خسرو بنگال پر فوج کشی میں غیاث الدین تغلق کے ہم رکاب تھے۔ جب آپ کو اپنے مرشد کے انتقال کی خبر ملی۔ تو فوراً دہلی پہنچے اور چھ ماہ تک مرشد کے مزار کی مجاوری کی۔ امیر خسرو نے 725 ہجری (1325ء) میں وفات پائی اور مرشد کی وصیت کے مطابق آپ کو حضرت نظام الدین اولیا کے قدموں کی جانب دفن کیا گیا۔

دیوان

امیر خسرو کے غزلیات اور قصاید پر مشتمل پانچ دیوان ہیں اور ہر دیوان کا الگ نام ہے:

1۔ تحفۃ الصغر (نوعمری کا کلام)
2۔ وسط الحیات (جوانی کا کلام)
3۔ غرۃ الکمال (تیس سے چالیس سال کی عمر کا کلام)
4۔ بقیہ نقیہ (بڑھاپے کی عمر کا کلام)
5۔ نھایۃ الکمال (زندگی کے آخری دور کا کلام)

مثنویاں

امیر خسرو نے خمسہ نظامی گنجوی کے مقابل یہ پانچ مثنویاں لکھی ہیں جن میں 18000 شعر ہیں:

1۔ مخزن الاسرار کے جواب میں مطلع الانوار تحریر کی۔
2۔ خسرو شیریں کے جواب میں شیریں و خسرو۔
3۔ لیلیٰ و مجنوں کے جواب میں مجنوں و لیلیٰ۔
4۔ سکندر نامہ کے جواب میں آئینۂ سکندری۔
5۔ ہفت پیکر کے جواب میں ہشت بہشت۔

ان کے علاوہ امیر خسرو نے پانچ تاریخی مثنویاں تحریر کیں:

1۔ مثنوی نہ سپہر (یہ مثنوی نو بحروں میں تحریر کی گئی)
2۔ تاج الفتوح (یہ مثنوی جلال الدین خلجی کی فتوحات پر تحریر کی گئی)
3۔ قرآن السعدین (معز الدین کیقباد کی اپنے باپ بغرا خان سے صلح پر تحریر کی گئی)
4۔ تغلق نامہ (غیاث الدین تغلق کی فتوحات کے بارے میں تحریر کی گئی)
5۔ دولرانی خضر خان (جلال الدین خلجی کے بیٹے خضر خان کی گجرات کے راجہ کی بیٹی دولرانی سے معاشقہ کی داستان ہے)۔

نثری تصانیف

نثر میں امیر خسرو کی بلند پایہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **اعجاز خسروی:** اسے رسائل الاعجاز بھی کہتے ہیں۔اس میں نثر نویسی کے اصول وقواعد بیان کیے گئے ہیں۔

۲۔ **افضل الفوائد:** یہ کتاب امیر خسرو کے مرشد خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔

۳۔ **خزائن الفتوح:** یہ تاریخ کی مختصری کتاب ہے جس کا تعلق علاؤالدین خلجی کے دور سے ہے۔

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا مقام

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے پہلے عظیم اور نامور فارسی شاعر ہیں۔تقریباً آٹھ سو سال گزرنے کے باوجود ہندوستان میں ان کے پایہ کا جامع اور گونا گوں صفات رکھنے والا شاعر پیدا نہیں ہوا۔امیر خسرو کو ''طوطی ہند'' (ہندوستان کا طوطا) کہا جاتا ہے۔ایران میں فارسی کے نامور شاعر پیدا ہوئے جیسے قصیدہ سرائی میں رودکی اور فرخی، رباعی گوئی میں عمر خیام، مثنوی سرائی میں فردوسی اور مولانا روم، غزل سرائی میں سعدی اور حافظ شیرازی، ان تمام شاعروں کا نام شاعری کی کسی ایک یا دو صنف میں مشہور تھا جب کہ امیر خسرو کی شہرت قصیدہ، غزل، رباعی اور حتیٰ کہ نثر نویسی میں بھی ہے۔فردوسی جسے ایران کا ''شاعر ملی'' (قومی شاعر) کہا جاتا ہے، صرف مثنوی سرائی میں شہرت رکھتا ہے اور اس نے تقریباً ستر ہزار شعر کہے ہیں جبکہ امیر خسرو کے اشعار کی تعداد تقریباً تین لاکھ ہے۔سعدی شیرازی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے غزل کو جداگانہ حیثیت دی اور حافظ شیرازی نے غزل کو نقطۂ عروج تک پہنچایا مگر حقیقت یہ ہے کہ امیر خسرو نے حافظ شیرازی سے پہلے غزل کو نقطۂ عروج تک پہنچایا۔کیونکہ امیر خسرو کی تاریخ وفات 725 ہجری اور حافظ شیرازی کی تاریخ پیدائش 726 ہجری ہے۔گویا حافظ شیرازی امیر خسرو کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔مولانا جامی نے اپنی کتاب ''بہارستان'' میں تحریر کیا ہے کہ خمسہ نظامی کا جواب امیر خسرو سے بہتر کسی نے نہیں لکھا۔غزل سرائی میں امیر خسرو نے سعدی شیرازی کی پیروی کی لیکن آہستہ آہستہ انھوں نے اس صنف میں اپنا ایک الگ راستہ بنالیا۔ان کی غزلیں موسیقیت اور عارفانہ چاشنی کی وجہ سے بہت معروف ہوئیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر خسرو نہایت قادر الکلام اور پر گو شاعر تھے۔ان جیسا شاعر شاید ہی ہندوستان میں پیدا ہو۔

امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی خصوصیات

جدید اسلوب

سعدی شیرازی نے غزل کو جداگانہ حیثیت دی مگر امیر خسرو نے جدت گرائی کے ذریعے غزل کو آگے بڑھایا۔نئے نئے پیرائے اختیار کیے اور جدید اسلوب اپنائے جیسے یہاں محبوب کے ظلم وستم کو جدید اسلوب میں پیش کیا ہے:

دل ز تن بردی و در جانی هنوز
دردها دادی و درمانی هنوز
آشکارا سینه ام بشگافتی
همچنان در سینه پنهانی هنوز

(تو دل جسم سے لے گیا اور ابھی تک جان میں (موجود) ہے۔تو نے درد دیے اور ابھی تک تو درمان ہے۔تو نے آشکارا میرا سینہ چاک کر دیا اسی طرح تو ابھی تک سینے میں چھپا ہوا ہے)

موزوں بحریں

امیر خسرو کے کلام میں بحروں کی موزونیت نمایاں دکھائی دیتی ہے۔وہ اپنے اشعار کے لیے چھوٹی چھوٹی بحریں استعمال کرتے ہیں اور ان میں صفائی، سادگی اور اختصار سے حال دل بیان کر دیتے ہیں:

یار من دل ز دوستان برداشت
مهر دیرینه از میان برداشت

(میرے یار نے دوستوں سے دل اٹھا لیا۔دیرینہ محبت درمیان سے اٹھالی)

ترنم

امیر خسرو موسیقی میں بہت مہارت رکھتے تھے اس لیے ان کے اشعار میں موسیقیت کا رنگ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔وہ اپنے اشعار کے لیے ایسے موزوں الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں کہ ان سے مصرعوں میں ترنم پیدا ہو جاتا ہے۔جیسے ان کی اس مشہور غزل میں ہے:

خبرم رسید امشب که نگار خواهی آمد
سر من فدای راهی که سوار خواهی آمد
همه آهوان صحرا سر خود نهاده بر کف
به امید آنکه روزی به شکار خواهی آمد

(مجھے آج رات خبر پہنچی کہ محبوب تو آئے گا۔میرا سر اس راستے پر قربان جس پر تو سوار ہو کر آئے گا۔جنگل کے تمام ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا ہے اس امید پر کہ تو کسی دن شکار کو آئے گا)

جدید تشبیہات اور استعارات

اشعار میں تشبیہات اور استعارات کا استعمال ان کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتا ہے۔امیر خسرو نے اپنے اشعار میں نہایت خوبصورت اور جدید تشبیہات اور استعارات کا استعمال کیا ہے جن سے ان کے کلام میں تازگی اور جدت پیدا ہوگئی ہے:

ای راحت و آرام جان، با قد چون سرو روان
زینسان مرو دامن کشان، کارام جانم می بری

(اے روح کے آرام اور سکون، چلتے سرو جیسے قد کے ساتھ اس طرح دامن کھینچ کر مت جا کیونکہ تو میری روح کے آرام کو لے جا رہا ہے)

روزمرہ گفتگو کی زبان

امیر خسرو کے اشعار کی سادگی، روانی اور بے ساختگی کی سب سے بڑی وجہ اشعار میں روزمرہ کی زبان کا استعمال ہے۔اشعار میں بے تکلف اور سیدھی سادی باتیں بیان کی گئی ہیں جو مؤثر طریقے سے دل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

بوی خوشم آید از تو، در جیب
گل داری یا همین است بویت

(مجھے تجھ سے خوشبو آتی ہے۔تو جیب میں پھول رکھتا ہے یا تیری خوشبو یہی ہے)

مضمون آفرینی

امیر خسرو کو نت نئے مضامین اور اسلوب ایجاد کرنے میں ملکہ حاصل تھا۔ اپنے اسی فن کے باعث وہ غزل سرائی میں سعدی شیرازی سے بھی آگے نکل گئے۔ گو کہ بعد میں آنے والے شاعروں نے بھی مضمون آفرینی کی مگر امیر خسرو کے مقام کو نہ پہنچ سکے۔

زلف ازاں می برد آں شوخ کہ شبہای غمم
گر شود کوتہ ازاں جا ہمہ پیوند کند

(وہ شوخ اپنی زلف اس لیے تراشتا ہے کہ اگر میرے غم کی راتیں چھوٹی ہو جائیں تو ان میں جوڑ لگا دے)

(iii) Asad Ullah Khan Ghalib

مرزا اسداللہ خان غالب

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

مرزا غالب فارسی اور بالخصوص اردو کے بہترین شاعر اور انشا پرداز تھے۔ اردو زبان میں انہیں ایک آفاقی شاعر کا مقام حاصل ہے۔ غالب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ کسی ایک عہد کے نہیں بلکہ ہر عہد اور ہر زمانہ کے شاعر ہیں۔ غالب کو اپنی فارسی پر بڑا ناز تھا لیکن ان کی شہرت دوام اور مقبولیت عام کا اصل سبب ان کا اردو دیوان (دیوان غالب) اور خطوط "مکاتیب غالب" ہیں۔

حالات زندگی

آپ کا نام اسداللہ خان عرف مرزا نوشہ اور تخلص غالب تھا۔ کافی عرصہ اسد بھی تخلص رہا۔ 27 دسمبر 1797ء کو یو پی کے شہر آگرہ کے کالا محل میں پیدا ہوئے۔ قومی لحاظ سے ایبک (سلجوق) ترک تھے۔ سلجوقی حکومت کے زوال پر ان کے دادا مرزا قوقان بیگ خاں احمد شاہ کے دور (54-1748ء) میں سمرقند سے (جو اس وقت ازبکستان میں ہے) ہجرت کر کے ہندوستان آ گئے۔ ان کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ مرزا غالب کے والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ تھا۔ وہ لکھنو میں آصف الدولہ کے ملازم رہے۔ بعد میں حیدر آباد میں نظام علی خان کی ملازمت اختیار کی۔ کئی سال وہاں مقیم رہنے کے بعد خانہ جنگی کے باعث ملازمت ختم ہو گئی۔ اس کے بعد راؤ راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت میں آ گئے۔ وہاں 1803ء میں الوار کے مقام پر ایک لڑائی میں بہادری سے لڑتے ہوئے مارے گئے اور راج گڑھ میں دفن ہوئے۔ اس وقت مرزا غالب کی عمر صرف 5 سال تھی۔ والد کی وفات کے بعد چچا مرزا نصر اللہ بیگ نے غالب کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ مرزا نصر اللہ بیگ مرہٹوں کے ماتحت آگرہ کے گورنر رہے۔ نو سال کی عمر میں چچا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ مرزا غالب نے ابتدائی تعلیم آگرہ سے حاصل کی۔ تیرہ سال کی عمر میں ان کی شادی نواب الٰہی بخش کی بیٹی امراؤ بیگم سے ہوئی۔ جس کے بعد وہ اپنے چھوٹے بھائی مرزا یوسف کے ساتھ دہلی آ گئے اور باقی عمر یہیں گزار دی۔ تقریباً 30 سال کی عمر تک غالب کے ہاں سات بچے ہوئے مگر کوئی زندہ نہ بچا۔

علمی لحاظ سے غالب کی زندگی میں ایک عالم و فاضل ایرانی سیاح عبدالصمد نے نمایاں کردار ادا کیا۔ عبدالصمد جو زرتشت مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوا تھا تقریباً دو سال غالب کے گھر مقیم رہا اور غالب کو فارسی، عربی، فلسفہ اور منطق کی تعلیم دی۔ 1847ء میں غالب قمار بازی کے الزام میں گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا تو چھ ماہ قید اور 10 روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔ تاہم تین ماہ بعد ایک سرجن کی سفارش پر رہائی مل گئی۔ 4 جولائی 1850ء کو دہلی میں بہادر شاہ ظفر ثانی کے دربار

میں ملازمت شروع کر دی۔ یہاں انہیں دبیر الملک اور نجم الدولہ جیسے خطابات سے نوازا گیا اور شاہی مورخ کے طور پر تاریخ نگاری کا کام سونپا گیا۔ اس کے علاوہ دربار میں آپ کی حیثیت بادشاہ اور شہزادوں کے استاد شاعر کی رہی۔ ذوق کی وفات کے بعد بادشاہ نے انہیں شاعری میں اپنا استاد مقرر کر دیا۔ اس زمانہ میں اردو زبان کا نام ریختہ تھا۔ غالب جب دربار میں حاضر ہوتے تو بادشاہ اکثر ریختہ میں شعر سننے کی فرمائش کرتے اور آپ غزلیں سناتے۔ بادشاہ کے دربار میں ایک ماہ میں دو مشاعرے ہوتے۔ ان میں ایک مصرع طرح کیا جاتا اور پھر شاعر اس پر غزل فی البدیہہ باندھتے۔ آپ نے اس دربار میں اپنے کلام کے ذریعے بہت شہرت پائی۔

1857ء کی جنگ آزادی میں ان کے بہت سے شاگرد، دوست اور عزیز مارے گئے جس کا انہیں دلی صدمہ ہوا۔ انہوں نے اپنی باقی زندگی گوناگوں مشکلات میں گزاری۔ آخری عمر میں صحت خراب ہوگئی۔ بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ آخر کار دماغ پر فالج کا حملہ ہوا اور مرزا غالب تقریباً 71 سال دو ماہ زندگی گزارنے کے بعد بے ہوشی کے عالم میں 15 فروری 1869ء کو خالق حقیقی سے جا ملے اور دہلی میں نظام الدین اولیا کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ دہلی میں آپ کا گھر گلی قاسم جان، بلی ماران، چاندنی چوک، پرانی دہلی میں تھا جو غالب کی حویلی کے نام سے مشہور ہوا۔ اب یہ جگہ غالب میموریل کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔

غالب کی مالی مشکلات

انگریزوں نے غالب کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ خان کو 400 فوجیوں کا افسر مقرر کیا اور ان کی 17000 روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کی۔ 1806ء میں جب وہ فوت ہوئے تو ان کی پنشن 10,000 روپے سالانہ مقرر ہوئی جو بعد میں کم کر کے 3000 روپے سالانہ کر دی گئی۔ غالب کے حصے میں باسٹھ روپے پچاس پیسے (62.50 روپے) آتے تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد شاہی خاندان سے آپ کی مالی امداد روک دی گئی۔ پھر برطانیہ کی حکومت نے آپ کی پنشن روک دی۔ اس طرح آپ کو صرف رام پور کے وظیفے پر اکتفا کرنا پڑا۔ آپ پنشن کے لیے کلکتہ بھی گئی مگر کچھ نہ بنا۔ 3 سال بعد آپ کی پنشن بحال ہوئی جو پرانے قرضے اتارنے پر صرف ہوگئی۔

غالب کی شاعری

مرزا غالب نے گیارہ برس کی عمر میں شاعری شروع کی۔ شاعری کی پہلی زبان اردو تھی مگر گھر میں فارسی اور ترکی زبان بولی جاتی تھی۔ ابتداء میں بیدل کا رنگ نمایاں تھا۔ انہیں بیدل سے دلی لگاؤ تھا۔ مگر وہ بیدل کی دشوار پسندی کو قابل تقلید نہیں سمجھتے تھے۔ پھر بھی وہ ساری زندگی بیدل کی تقلید سے آزاد نہ ہو سکے۔ غالب کی زیادہ تر توجہ فارسی شاعری کی طرف رہی۔ ان کو فارسی سے دلچسپی شیخ معظم کی شاگردی کے زمانہ سے ہوئی۔ ان کی فارسی کلیات اردو مجموعہ کلام کے مقابلہ میں بہت ضخیم ہے۔ انہوں نے فارسی میں تقریباً 11337 اشعار کہے اور اردو میں ان کے اشعار کی تعداد تقریباً 1792 ہے۔ مرزا غالب نے فارسی شاعری میں بیدل کے علاوہ ظہوری، نظیری اور عرفی سے بہت زیادہ اثر قبول کیا۔ البتہ بعد میں ان کا اپنا انفرادی اور ذاتی رنگ شکل اختیار کر گیا۔ کلیات غالب غزل، قصیدہ، رباعی اور قطعات پر مشتمل ہے۔ ان کی شاعری کے نمایاں ترین موضوعات عشق، فلسفہ اور تصوف ہیں۔ مرزا غالب ایک ایسے شاعر ہیں جو نہ صرف انسانی فطرت کی نبض تک رسائی رکھتے تھے بلکہ انہیں نفسیاتی حقائق کا گہرا ادراک تھا۔ وہ مسائل تصوف بالخصوص فلسفہ وحدت الوجود سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ دیوان اردو، کلیات فارسی، اردوئے معلیٰ اور عود ہندی ان کی نمایاں تصانیف ہیں۔

غالب کی انشا پردازی

غالب کے رقعات اور مکتوبات اردو اور فارسی زبان میں تحریر کیے گئے ہیں۔ یہ مکتوبات زبان وبیان کی شائستگی، سادگی اور بے تکلفی کے اعتبار سے اب

تک اردو انشا پردازوں کے لیے سرمشق ہیں۔ ان کے خطوط کی بے تکلفی کا یہ عالم ہے کہ پڑھنے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ان سے باتیں کر رہے ہوں۔ بعض خطوط میں تو مخص کا نام لکھ کر خط لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ خطوط میں ان کی شوخی اور ظرافت کا پہلو نمایاں ہے جس کے باعث ان کے خطوط دلچسپی سے خالی نہیں ہیں۔ اس بارے میں مرزا غالب کہتے ہیں ''میں کوشش کرتا ہوں کہ کوئی ایسی بات لکھوں جو پڑھے خوش ہو جائے''۔

کلام غالب کی خصوصیات

جدت اور بانکپن

مرزا غالب نے شاعری کو تازہ زندگی بخشی اور اس کو بہترین اور بلند ترین مطالب کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ ان کی طرز ادا میں جدت اور بانکپن موجود ہے۔ اسی جدت اور بانکپن نے ان کے اشعار کو ایک دائمی تازگی بخشی ہے۔

رنج والم کا پہلو

غالب کے کلام میں رنج والم کا پہلو نمایاں ہے۔ شاید اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کی زندگی رنج والم اور تنگدستی میں بسر ہوئی ہے۔ بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چچا نے سر پر ہاتھ رکھا مگر غالب نو سال کے ہوئے تو ان کے چچا بھی خالق حقیقی سے جا ملے۔ غالب کے گھر سات بچے پیدا ہوئے مگر کوئی زندہ نہ بچ سکا۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ان کے بہت سے دوست، عزیز اور شاگرد مارے گئے۔ اس رنج والم کی جھلک ان کے کلام میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ اپنے اشعار میں وہ بعض اوقات اللہ تعالی سے رنج وغم کا گلہ کرتے ہیں تو کبھی غم ملنے پر شکر گزار دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے مطابق غم انسان کو عقل وشعور سکھانے کا ایک وسیلہ ہیں۔

تصوف کا رنگ

مرزا غالب فلسفہ اور تصوف کی باریکیاں شعر میں نہایت دلآویزی سے بیان کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہیں مسائل تصوف بالخصوص فلسفہ وحدت الوجود سے گہری دلچسپی تھی۔ اس لیے ان کے اشعار میں جا بجا تصوف کی جھلک دکھائی دیتی ہے اور انہوں نے اپنی غزلیات میں نظریہ وحدت الوجود بھی پیش کیا ہے۔

جدید تشبیہات وتراکیب

جدید تشبیہات اور ترکیبات نے ان کے اشعار کو ایک دائمی تازگی بخشی ہے۔ غالب اپنے خیال کے اظہار کے لیے خاص اور جدید الفاظ وترکیبات استعمال میں لاتے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ اکثر شعراء وسیع مضمون کو مختصر بنانے کے لیے تشبیہ اور استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ مگر غالب ان کے برعکس مضمون کو بلندی بخشنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ انہیں جدید تراکیب کے استعمال میں مہارت حاصل ہے۔

جذبات نگاری

برصغیر کی شعر وادب کی دنیا میں غالب کو اس اعتبار سے نمایاں مقام حاصل ہے کہ جب وہ اپنے اشعار میں اپنی دلی کیفیت بیان کرتے ہیں تو ان کا قلم مصور کے موقلم کی طرح کام کرتا ہے۔ وہ اپنے احساسات اور جذبات کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ اشعار میں سموتے ہیں۔ ان کے اشعار جذبات اور احساسات کے آئینہ دار ہیں۔

سبک غالب

اپنی غزلیات میں مرزا غالب نے سبک ھندی کی پیروی کی ہے۔ غالب اپنے اشعار میں زندگی کے مسائل کو استدلال کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اشعار میں فلسفیانہ توجیہات اور استدلال پیش کرنا سبک ہندی کا خاصہ ہے۔ غالب اپنی غزلوں میں حروف کی تکرار سے ترنم اور موسیقی ایجاد کرتے ہیں۔ وہ فلسفیانہ موضوعات کو شعر کے سانچے میں ڈھالنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔

(iv) Allama Iqbal

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ ولادت

شاعر مشرق اور حکیم الامت علامہ محمد اقبال ہمارے قومی شاعر ہیں۔ انہوں نے اپنے اشعار کو مسلمان قوم کی بیداری کا وسیلہ بنایا۔ علامہ محمد اقبال کی تاریخ ولادت محققین کی نظر میں مختلف رہی ہے۔ وہ کتابیں اور مقالہ جات جو علامہ محمد اقبال کی اپنی زندگی میں تحریر کیے گئے ہیں ان میں علامہ اقبال کا سال پیدائش 1870، 1876 اور 1877ء تحریر ہے۔ علامہ محمد اقبال اس امر میں دلچسپی نہ رکھتے تھے کہ اپنے حالات زندگی دوسروں کے لیے تحریر کریں یا بیان کریں۔ البتہ محققین کی متفقہ رائے کے مطابق علامہ محمد اقبال کی درست تاریخ پیدائش 3 ذیقعد 1294 ہجری یعنی 9 نومبر 1877ء ہے۔

اقبال کا خاندان

علامہ محمد اقبال کے آباواجداد کشمیری برہمن تھے جو تقریباً 250 سال پہلے مسلمان ہوئے۔ وہ تقریباً انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں سیالکوٹ پہنچے۔ علامہ اقبال کے والد محترم نور محمد ایک باریش، وجیہ اور خوش قلب انسان تھے۔ وہ باضابطہ تعلیم یافتہ تو نہ تھے لیکن سمجھدار اور دین کا فہم رکھنے والے تھے۔ وہ اردو اور فارسی کتابیں پڑھ سکتے تھے۔ اس کے باوجود کہ وہ تاجر تھے علما اور صوفیا کی محفلوں میں بیٹھتے تھے اور ان کی صحبت میں رہ کر شرعی نکات و رموز سے آگاہی حاصل کر چکے تھے۔ علامہ محمد اقبال کی والدہ کا نام امام بی تھا۔ ان کا تعلق سمبڑیال کے ایک کشمیری خاندان سے تھا۔ وہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتی تھیں لیکن باقاعدگی سے پانچ وقت نماز پڑھتی تھیں۔ اپنے حسن سلوک کے باعث علاقے کی خواتین میں شہرت رکھتی تھیں۔ وہ ہمیشہ غریبوں کی مدد کیا کرتی تھیں۔

تعلیم

علامہ اقبال کی تعلیم و تربیت میں ان کے والدین نے بنیادی اور اہم کردار ادا کیا۔ ان کے والد کی کوشش یہ تھی کہ ان کا بیٹا دینی تعلیم حاصل کرے۔ جب اقبال چار سال کے ہوئے تو ان کے والد انہیں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مسجد میں مولانا غلام حسن کی خدمت میں لے گئے۔ وہاں انہوں نے تقریباً ایک سال دینی تعلیم حاصل کی۔ ایک دن مولانا سید میر حسن مسجد آئے اور علامہ اقبال کو وہاں بیٹھا دیکھا۔ جب انہیں پتہ چلا کہ یہ نور محمد کے فرزند ہیں تو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ علامہ اقبال کو دینی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کی تعلیم بھی حاصل کرنے دیں۔ ان کے اصرار پر علامہ اقبال کو سید میر حسن کی خدمت میں بھیجا گیا۔

مولانا سید میر حسن نے علامہ اقبال کو فارسی اور عربی زبان و ادبیات کی تعلیم دی۔ سیالکوٹ سے ایف اے تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اقبال لاہور

آ گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔ یہاں انگریزی، فلسفہ اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔ 1897ء میں بی اے پاس کیا اور 1899ء میں فلسفہ میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے تھوڑا عرصہ اورینٹل کالج لاہور میں عربی اور تقریباً 2 سال گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی پڑھائی۔ اس کے بعد 1905ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ چلے گئے۔ آپ نے میونخ یونیورسٹی جرمنی سے 1907ء میں فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کے مقالہ کا عنوان ''ایران کا فلسفہ مابعد الطبیعیات'' تھا۔ 1908ء میں لنکنز ان لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ لندن میں کچھ عرصہ اپنے استاد پروفیسر آرنلڈ کی جگہ عربی تدریس کی۔ آپ 1908ء میں وطن واپس آ گئے۔

سیاسی زندگی

علامہ محمد اقبال نے عملی سیاست میں حصہ لینے کا آغاز لندن سے کیا جب وہ وہاں مقیم تھے۔ وہ لندن میں آل انڈیا مسلم لیگ کی برٹش کمیٹی کی مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ 1926ء میں پنجاب لیجسلیٹو کے رکن منتخب ہوئے۔ 1929ء میں مسلم لیگ کی صدارت سنبھالی۔ 1930ء میں مسلم لیگ کے صدر کے طور پر آلہ آباد میں نظریہ پاکستان پیش کیا جس کی بنیاد پر مسلمانوں نے پاکستان بنایا۔ 1931 اور 1932ء میں لندن میں منعقد ہونے والی دو گول میز کانفرنسز میں مسلمانوں کی نمائندگی کی۔

رحلت

علامہ محمد اقبال 21 اپریل 1938ء کو تقریباً 60 سال کی عمر میں اس دنیا سے رحلت کر گئے۔ وہ وفات سے پہلے تقریباً 3 سال بیمار رہے۔ ان کا مزار بادشاہی مسجد کے مرکزی دروازے کے قریب واقع ہے۔

تصانیف

علامہ محمد اقبال نے اردو اور فارسی زبان میں اشعار کے دس مجموعے تحریر کیے ہیں جن میں سے تقریباً ساڑھے چھ مجموعے فارسی زبان میں ہیں۔ مثنوی اسرار خودی، مثنوی رموز بیخودی، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، مثنوی پس باید کرد ای اقوام شرق اور ارمغان حجاز (آدھا فارسی)۔ اُردو زبان میں اشعار کے ساڑھے تین مجموعے تحریر کیے جن کے نام یہ ہیں: بانگ درا، بال جبرائیل، ضرب کلیم اور ارمغان حجاز (آدھا اردو) ان شعری مجموعوں کے علاوہ انہوں نے اردو نثر میں اقتصادیات پر کتاب تحریر کی جس کا نام ''علم الاقتصاد'' ہے۔ انگریزی نثر میں ان کے خطبات پر مشتمل کتاب ''The Reconstruction of Religious Thought in Islam'' اور پی ایچ ڈی کا مقالہ: ''Mataphysics of Persian'' موجود ہے۔ ان کے علاوہ علامہ اقبال نے مختلف شخصیات کو خطوط تحریر کیے جنہیں کتابی شکل میں اکٹھا کر لیا گیا ہے۔

اقبال کی شاعری

خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے؟ شاعری کیا ہے؟

اقبال کی شاعری کا پس منظر

علامہ محمد اقبال کے دل میں ان کی ابتدائی تعلیم کے دوران شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ان کے استاد مولوی میر حسین شاعری کے خلاف تھے لیکن جب

انہوں نے اقبال کی تحریر کردہ شاعری پڑھی تو وہ اس سے بہت متاثر ہوئے اور اقبال کو شعر کہنے کی اجازت دے دی۔ جب بھی سیالکوٹ میں کوئی مشاعرہ ہوتا اقبال اس میں اپنے شعر پڑھ کر داد وصول کرتے۔ وہ اپنے دور کے شاعر داغ سے شعروں کی اصلاح کراتے رہے مگر تھوڑے ہی عرصے میں داغ نے آپ کو تحریر کیا کہ اب آپ کے کلام میں اصلاح کی گنجائش بہت کم ہے۔ اس کے بعد آپ نے اصلاح لینا بند کر دی۔ اقبال کی ابتدائی دور کی شاعری میں داغ کی شاعری کی جھلک نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔ علامہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں باقاعدگی سے نظمیں پڑھیں۔ آپ نے جب فروری 1900ء میں حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں اپنی نظم ''نالہ یتیم'' سنائی تو وہاں موجود لوگ اشکبار ہو گئے۔ یورپ سے واپسی پر وطن آ کر آپ نے دس شعری مجموعے تحریر کیے۔ جن میں سے ساڑھے چھ فارسی اشعار پر مشتمل ہیں اور ساڑھے تین اردو اشعار پر مشتمل ہیں۔

علامہ اقبال نے کبھی اپنے شاعر ہونے پر فخر نہیں کیا۔ ایک بار ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے شاعری چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن علامہ اقبال کے استاد آرنلڈ نکلسن اور سر عبدالقادر نے آپ کے اس فیصلے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی شاعری عام شاعروں کی طرح لب و رخسار اور ہجر و فراق کی شاعری نہیں ہے بلکہ ایسی شاعری ہے کہ جس سے قوم کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ اقبال نے اپنا شاعری ترک کرنے کا فیصلہ واپس لے لیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کو انسانیت کی معراج اور مسلمانوں کی بیداری کے لیے وقف کیا اور ہمیشہ با مقصد شاعری کی۔ جیسا کہ وہ خود اپنے شعروں میں مثنوی اسرار خودی کے بارے میں فرماتے ہیں:

شاعری زین مثنوی مقصود نیست
بت پرستی بت گری مقصود نیست
حسن انداز بیان از من مجو
خوانسار و اصفہان از من مجو
خردہ بر مینا مگیر ای ہوشمند
دل بذوق خردۂ مینا بہ بند''

یعنی یہ مثنوی اسرار خودی لکھنے سے میرا مقصد شاعری کے کمالات دکھانا یا عام شاعروں کی طرح خوبصورت محبوب کے حسن کے بت تراشنا اور ان کی پوجا کرنا نہیں ہے۔ اس لیے مجھ سے حسن بیان کی توقع نہ رکھ۔ میری شاعری سے ایران کے شہروں خوانسار اور اصفہان کے شاعروں کی شاعری جیسی ہونے کی اُمید نہ رکھ کیونکہ ان کی طرح فارسی میری مادری زبان نہیں ہے۔ اے عقلمند تو صراحی پر اعتراض نہ کر یعنی میری شاعری کی فنی کوتاہیوں کو نہ دیکھ بلکہ صراحی میں موجود شراب کے ذوق سے دل لگا۔

اقبال کی شاعری کی خصوصیات

علامہ اقبال کا کلام گونا گوں خصوصیات کا حامل ہے۔ جن میں سے چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

سوز و گداز

علامہ محمد اقبال کے دل میں مسلمانوں کی ہمدردی کا سمندر موجزن تھا۔ وہ مسلمانوں کے زوال، زبوں حالی اور پسماندگی پر خون کے آنسو روتے تھے۔

انہوں نے اپنے سچے جذبوں کونہایت صداقت کے ساتھ شعروں میں پرو دیا ہے۔اس لیے ان کی شاعری میں سوز و گداز کا عنصر نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔ بلاد اسلامیہ، نالہ یتیم، شمع و شاعر، والدہ مرحومہ کی یاد میں اور بہت سی دیگر نظمیں اس سوز و گداز کا زندہ ثبوت ہیں۔ وہ غفلت سے دوچار اور مسائل میں گھرے مسلمانوں کو صرف ان کی خامیوں اور کوتاہیوں سے آگاہ نہیں کرتے بلکہ ایک مخلص اور ہمدرد رہنما کی طرح انہیں مسایل کی اس دلدل سے نکلنے کا راستہ بھی دکھاتے ہیں۔

اندازِ بیان

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں فلسفیانہ موضوعات پیش کیے ہیں اور کہیں پند و نصیحت کا راستہ اپنایا ہے۔عام طور پر یہ موضوعات سنجیدہ اور تلخ ہوتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے انہیں عام فہم اور دلچسپ بنانے کے لیے اکثر جگہ مطالب کو مکالماتی صورت میں پیش کیا ہے۔کہیں عقل و عشق، کہیں انسان و خدا، کہیں انسان اور پرندہ اور کہیں خود انسان اپنے آپ سے محو گفتگو ہے۔مکالمات میں دلائل پر مبنی مباحث ہیں۔علامہ اقبال کے اس اندازِ بیان سے ان کا کلام اور زیادہ دلچسپ ہو گیا ہے۔

اسلامی رنگ

علامہ اقبال بنیادی طور پر ایک فلسفی شاعر ہیں۔آپ اس فلسفے پر یقین رکھتے ہیں جس نے اسلام اور اس کی مقدس روایات کے زیر اثر نشو و نما پائی ہو۔ اس لیے ان کے احکام میں جا بجا اسلامی رنگ نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔وہ ہر نظریہ کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور ہر جذبے کو اسلام کی عینک سے دیکھتے ہیں۔اس لیے علامہ محمد اقبال کو ایک ''متکلم'' شاعر کا درجہ دیا جاتا ہے۔

موضوعات کی فراوانی

علامہ اقبال کا طرز تفکر حقیقت پسندانہ اور زندگی سے بہت قریب ہے۔جس طرح زندگی کے ہزاروں پہلو ہیں اس طرح علامہ اقبال کی شاعری میں بھی فکر کے ہزاروں پہلو موجود ہیں۔اپنے اشعار میں انہوں نے زندگی کے گونا گوں پہلوؤں کو اپنے اشعار کی زینت بنایا ہے۔توحید، عشق رسول، اطاعت، عقل و عشق، عظمت آدم، ارکان اسلام، اتحاد مسلمین، تصوف اور فرد و ملت، علامہ اقبال کی شاعری کے اہم موضوعات ہیں۔موضوعات کی فراوانی نے علامہ اقبال کی شاعری کو انفرادیت بخشتی ہے۔اپنے عصر کے دیگر شعرا کی روش کے برعکس علامہ اقبال نے بامقصد موضوعات کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔

جدت گرائی

جدت گرائی علامہ محمد اقبال کے کلام کی ایک اور نمایاں خصوصیت ہے۔اپنی شاعری میں انہوں نے قدیم اصطلاحات کو نئے مفہوم اور معنی عطا کیے۔ مثلاً ماضی میں اردو اور فارسی زبان میں ''خودی'' کی اصطلاح تکبر اور غرور کے معنوں میں استعمال کی جاتی رہی ہے۔مگر علامہ اقبال نے اسے جدید معنی دیے اور اپنے اشعار میں عرفان نفس اور خود آگاہی کے معنوں میں استعمال کیا۔اسی طرح بیخودی کا مفہوم اردو اور فارسی زبان میں پہلے آپے سے باہر ہونے یا بے ہوش ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا رہا ہے مگر اقبال نے اسے خودی سے باہر آنے اور اپنی انفرادیت کو اجتماعیت میں تبدیل کرنے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

موسیقیت وترنم

علامہ محمد اقبال رموز موسیقی سے بخوبی آگاہ تھے۔اس لیے انہوں نے اپنے کلام میں الفاظ کا استعمال کرتے وقت موسیقیت اور ترنم کے پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔اپنے اشعار میں انہوں نے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا ہے جو نہایت رواں ہونے کے ساتھ ساتھ مترنم ہیں۔ان کی معروف نظموں حدی، طلوع اسلام، ساقی نامہ اور سرود غم اور دیگر کئی نظموں میں موسیقیت کا پہلو نہایت نمایاں دکھائی دیتا ہے۔علامہ اقبال نے نہ صرف الفاظ کے انتخاب میں بلکہ اپنے اشعار کی بحروں میں بھی ترنم اور موسیقیت کے پہلو کو مدنظر رکھا ہے۔

طنز و مزاح

پند و نصائح اور سوز و گداز کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال کے کلام میں طنز و مزاح اور ظرافت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے۔البتہ ان کی ظرافت اور شوخی میں طنز کی کاٹ موجود ہے۔اس طنز و مزاح سے کسی کی دل آزادی کا پہلو نہیں نکلتا بلکہ اس میں اصلاح کا پہلو کارفرما ہے۔اقبال جہاں کہیں اپنے اشعار میں کسی قاضی، ملا یا محتسب کا ذکر کرتے ہیں تو طنز و مزاح کا لہجہ اپنا لیتے ہیں۔

رجائیت

زندگی کے بارے میں مثبت سوچ اور اندازِ فکر رکھنے کو رجائیت کہتے ہیں۔انہوں نے اپنے کلام میں زندگی کے حوالے سے روشن پہلو مدنظر رکھا ہے۔اپنے اشعار میں کہیں ناامیدی یا ناکامی کا راستہ نہیں اپنایا بلکہ ناممکن کو ممکن کر دکھانے کا درس دیا ہے۔وہ مسلمانوں کی پسماندگی اور ان کے زوال پذیر ہونے سے دکھی ضرور ہوتے ہیں مگر ناامید نہیں ہوتے۔انہوں نے اپنے اشعار میں حرکت اور جدوجہد کا درس دیا ہے۔مسلمانوں کو ایک نیا جوش اور ولولہ دیا ہے۔کبھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے کا مشورہ نہیں دیا۔

رمزیت

علامہ محمد اقبال کے کلام کی ایک اور خاصیت رمزیت ہے۔انہوں نے پند و نصائح اور فلسفیانہ نکات پر مبنی اشعار اپنے کلام میں پیش کیے ہیں۔مگر انہیں براہ راست بیان کرنے کی بجائے علامتوں اور کنایوں میں پیش کیا ہے۔ایسا کرنے سے ان کے کلام میں تازگی اور شگفتگی پیدا ہوگئی ہے۔انہوں نے پیچیدہ اور فلسفیانہ مسائل کو علامتوں اور کنایوں میں یوں بیان کیا ہے کہ ایک قاری انہیں بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

(b) Prose Writers

(i) Muhammad Aoufi (Jawam-e-ul-Hikayat)

سدید الدین محمد عوفی (جوامع الحکایات)

سدید الدین محمد بن محمد عوفی بخارایی کا یقینی سال پیدائش معلوم نہیں البتہ وہ 567 سے 572 ہجری (1172 سے 1176ء) کے دوران بخارا میں پیدا ہوئے بچپن اور جوانی بخارا میں گزاری اور بخارا میں ہی طالب علمی کا زمانہ گزارا۔آپ کے اجداد کا تعلق مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ سے تھا اسی نسبت سے ''عوفی'' کہلائے۔آپ نے امام برھان الاسلام تاج الدین عمر بن مسعود، امام رکن الدین مسعود بن محمد، شیخ مجد الدین شرف بن المؤید

بغدادی، قطب الدین سرخسی اور شیخ الاسلام حارثی جیسے جید علماء سے علم حاصل کیا۔عوفی کے سال وفات کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں البتہ یہ طے ہے کہ وہ 630ہجری (1233ء) تک زندہ رہے۔

عوفی وعظ وخطابت کے ہنر میں مہارت رکھتے تھے۔اس لیے انہوں نے وعظ وخطابت کو ہی اپنا پیشہ بنایا۔597ہجری (1201ء) میں اپنی زادگاہ سے قدم باہر رکھا اور متعدد سفر کیے۔مختلف درباروں میں ملازمتیں کیں۔سمرقند، خوارزم، نیشاپور، جرجان، بجستان اور ہندوستان میں رہے۔انہیں کس وجہ سے اپنا وطن چھوڑ کر ہندوستان آنا پڑا۔اس کی دو وجوہات دکھائی دیتی ہیں۔ایک یہ کہ خراسان کے خطہ میں منگولوں کے حملے کی خبروں کے باعث بیقراری اور ناآرامی پائی جاتی تھی۔دوسری وجہ ہندوستان کے مغل بادشاہوں اور شہزادوں کی شہرت تھی جو خراسان کے شاعروں اور نثر نگاروں کو اپنی جانب متوجہ کرتی تھی۔انہی وجوہات کے باعث عوفی نے غزنی سے گزر کر دریائے سندھ عبور کیا اور سب سے پہلے لاہور آئے۔اس کے کچھ عرصے بعد حاکم سندھ ناصر الدین قباچہ کے دربار میں پہنچے۔اس کے ایک وزیر عین الملک فخر الدین حسین بن شرف الملک رضی الدین ابوبکر اشعری کی توجہ حاصل کی اور وہیں 617ہجری (1220ء) میں لباب الالباب اور 620ہجری (1223ء) میں ترجمہ فرج بعد الشدۃ شروع کیا۔سلطان ناصر الدین قباچہ کی خواہش پر اس کے دور حکومت میں جوامع الحکایات تحریر کرنے کا ارادہ کیا مگر یہ کتاب تقریباً 630ہجری (1233ء) میں اختتام پذیر ہوئی۔شمس الدین التمش کے ہاتھوں ناصر الدین شاہ قباچہ کی شکست کے بعد عوفی شمس الدین کی خدمت میں اُچ آ گئے۔

630ہجری (1233ء) تک عوفی کے زندہ ہونے اور دہلی میں مقیم ہونے کے بارے میں اطلاع ملتی ہے لیکن اس کے بعد ان کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ کتنے سال تک زندہ رہے اور انہوں نے کتنے سال کی عمر میں وفات پائی۔

تصانیف

لباب الالباب

سدید الدین محمد بن محمد عوفی کا شمار فارسی کے اہم ترین نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔انہوں نے ہندوستان میں قیام کے دوران نثر کی تین کتابیں تحریر کیں جن میں سے پہلی کتاب کا نام ''لباب الالباب'' ہے جو فارسی شعرا کا پہلا تذکرہ ہے۔عوفی نے اسے 617ہجری (1220ء) میں ناصر الدین قباچہ کے وزیر عین الملک حسین اشعری کے نام منسوب کیا۔اس میں ایران کے پہلے فارسی شاعر سے لے کر عوفی کے ہم عصر شعرا تک کے حالات زندگی تحریر کیے گئے ہیں اور ان کے کلام پر تنقید موجود ہے۔پروفیسر براؤن نے اسے دو جلدوں میں شائع کرایا ہے۔

لباب الالباب کی نثر میں قدرے مشکل فارسی استعمال کی گئی ہے مگر اس میں چونکہ کسی کی تقلید یا اقتباس موجود نہیں ہے اس اعتبار سے یہ اہمیت کی حامل ہے۔یہ کتاب مکمل طور پر عوفی کے ذہن اور اس کے قلم کی پیداوار ہے۔البتہ کہیں کہیں اس میں فرید الدین عطار کی کتاب تذکرۃ اولیاء کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔اس کتاب میں عوفی نے شعراء کے حالات زندگی کے ابتدائی حصے فنی نثر میں بیان کیے ہیں۔کتاب میں تحریر کردہ معلومات مستند اور معتبر ہیں جیسا کہ عوفی نے خود کہا ہے کہ اس نے اپنی یادداشتیں بخارا کی لائبریری (کتابخانہ سر پل بازارچۂ بخارا) سے اکٹھی کی تھیں۔منگولوں کے حملے سے یہ لائبریری نیست ونابود ہو گئی اور بعد میں آنے والی محقق زیادہ معتبر ماخذات سے محروم ہو گئے۔

١

جوامع الحکایات

اس کتاب کا پورا نام "جوامع الحکایات ولوامع الروایات" ہے یہ عوفی کی آخری اور اہم ترین کتاب ہے جسے ان کا شاہکار کہا جا سکتا ہے۔ یہ کتاب پانچ سال کے عرصہ میں تحریر کی گئی جو چار "قسم" (یعنی حصوں) پر مشتمل ہے ہر قسم میں 25 باب ہیں۔ یوں جوامع الحکایات کے کل ابواب کی تعداد 100، حکایات کی تعداد 2113 ہے اور اشعار کی تعداد 1650 ہے۔ کتاب میں تقریباً 93 ماخذات کا نام لیا گیا ہے جب کہ بہت سے ماخذات کا ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ اس کتاب کے مقدمہ کے مطابق اس کتاب کا خاکہ سندھ کے حاکم ملک ناصر الدین قباچہ کی فرمائش پر بنایا گیا لیکن بھکر کے قلعہ کے محاصرے کے دوران ناصر الدین قباچہ نے خود کشی کر لی اور یوں شمس الدین التمش کو 625 ہجری (1228ء) میں فتح حاصل ہوئی۔ عوفی نے اپنی یہ کتاب التمش کے وزیر قوام الدین نظام الملک محمد بن ابی سعد الجنیدی کے نام منسوب کر دی۔ یہ کتاب تقریباً 630 ہجری (1233ء) میں دہلی میں مکمل ہوئی۔

جوامع الحکایات ایسی مختلف حکایات کا مجموعہ ہے جنہیں ادھر اُدھر سے اکٹھا کیا گیا ہے اس لیے اس کتاب میں عوفی کی کوئی ایک سبک تشخیص نہیں دی جا سکتی اس میں بعض جگہ عوفی نے عبارات پر تکلف تحریر کی ہیں تو کہیں سادہ عباراتی نثر دکھائی دیتی ہے۔ عوفی نے نہایت صداقت اور ایمانداری سے حکایات کے منابع اور ماخذات کا ذکر کیا ہے مثلاً: آئین الملوک، احیاء العلوم، بختیار نامہ، سندباد نامہ، سیر الملوک، شاھنامہ فردوسی، صحیح بخاری، قابوس نامہ اور مختلف تواریخ (تاریخ طبری، تاریخ ناصری اور تاریخ یمینی وغیرہ)۔

جوامع الحکایات کی سبک کے حوالہ سے ملک الشعراء بہار اپنی کتاب سبک شناسی جلد سوم میں تحریر کرتے ہیں: "سبك حقيقي عوفی را از لباب الالباب بهتر مى شود به دست آورد چون در جوامع الحكايات معلوم نيست فلان حكايت از قلم خود او ست يا از كتابى فارسى عينا نقل شده است۔" (عوفی کے حقیقی سبک کو لباب الالباب سے بہتر حاصل کیا جا سکتا ہے کیونکہ جوامع الحکایات میں معلوم نہیں فلاں حکایت ان کے اپنے قلم سے ہے یا کسی فارسی کتاب سے ہو بہو نقل ہوئی ہے)

عوفی نے جوامع الحکایات کو چار قسم (یعنی حصوں) میں تقسیم کیا ہے۔ جن کی تفصیل یوں ہے:

قسم اول: اللہ تعالیٰ کی معرفت، انبیاء کے معجزات، اولیاء کی کرامات، بادشاہوں اور خلفاء کے بارے میں۔

قسم دوم: اخلاق حمیدہ اور سیر مرضیہ کے بارے میں

قسم سوم: مذموم اخلاق کے بارے میں

قسم چہارم: عابدوں کے احوال، سمندروں اور ممالک کے عجائبات اور حیوانات کی طبیعتوں کے بارے میں۔

اس کتاب کے چاروں حصوں میں موجود معلومات کے مطابق بغیر کسی مبالغہ آرائی کے دائرۃ المعارف جیسی کتاب بن گئی ہے جس میں تمدن کی تاریخ، ادبیات، اور اخلاق جہان اسلام کے علوم پر بحث اور گفتگو کی گئی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس کتاب میں تحریر کردہ معلومات مستند ہیں اور عوفی نے ان کے منابع اور ماخذات کا ذکر کیا ہے۔ اگر آج ان میں سے کچھ معلومات مبہم اور شناختہ شدہ نہیں ہیں تو وہ اس وجہ سے ہے کہ بہت سی علمی اور ادبی تصانیف انقلابات اور حوادث زمانہ کے ہاتھوں صفحۂ ہستی سے مٹ گئی ہیں۔ البتہ اس کتاب کی تاریخی حکایات میں کوئی تاریخ یا سن تحریر نہیں کیا گیا۔ وہ بھی شاید اس وجہ سے ہے کہ عوفی کی زیادہ تر توجہ ماضی کے عادات و رسوم کی حفاظت اور ان کو صحیح طور پر نقل کرنے پر تھی۔ اس کتاب کے محاسن اس کی خامیوں سے کہیں زیادہ ہیں۔

ان دو کتابوں کے علاوہ ترجمہ فرج بعد الشدۃ اور مدائح السلطان بھی عوفی کی تحریر کردہ کتابیں ہیں جو اب ناپید ہیں۔

(ii) Hassan Sajzi (Faiwaid-ul-Fawad)

حسن سجزی (فوایدالفواد)

امیر نجم الدین حسن سجزی 652 ہجری (1254ء) میں بدایون میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق ہاشمی خاندان سے تھا۔ ان کے آباؤ اجداد سیستان سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے اور یہاں مقیم ہو گئے۔ حسن سجزی نے دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ 13 سال کی عمر سے شاعری شروع کی۔ آپ امیر خسرو کے گہرے دوست تھے اور ایک ہی مرشد نظام الدین اولیاء کے مرید تھے۔ حسن سجزی کی شاعری کی شہرت سن کر غیاث الدین بلبن کا بڑا بیٹا شہزادہ محمد امیر خسرو اور حسن سجزی کو اپنے پاس ملتان لے گیا۔ وہاں آپ نے قصیدہ سرائی کی اور غزلیں کہیں۔ وہاں غزل سرائی میں عام فہم الفاظ کے موثر استعمال کے باعث وہ اپنے جگری دوست امیر خسرو سے بھی بازی لے گئے۔ شہزادے کی وفات کے بعد آپ واپس دہلی آ گئے۔ علاؤالدین خلجی اور اُن کے امراء کی مدح میں بھی قصیدہ سرائی کی۔ جلال الدین خلجی کی محفلوں میں حسن سجزی کی غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔ 727ء ہجری (1327ء) میں جب محمد تغلق نے دارالحکومت دہلی سے دولت آباد منتقل کیا تو آپ بھی دولت آباد چلے گئے اور مرتے دم تک وہیں رہے۔ ان کے دولت آباد منتقل ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے روحانی پیشوا اور مرشد نظام الدین اولیاء اور ان کے دوست امیر خسرو دونوں وفات پا چکے تھے۔ اب دہلی میں ان کے لیے کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے 737 ہجری (1327ء) میں دولت آباد میں وفات پائی۔

حسن سجزی نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ صبر و قناعت کے ساتھ زندگی گزاری۔ ان کی شاعری کی شہرت صرف برصغیر پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ اس سے باہر بھی پھیلی ہوئی ہے۔ مولانا جامی نے اپنی کتاب بہارستان میں حسن سجزی کے کلام کی تعریف کی ہے۔ ان کا دیوان قصاید، غزلیات، مثنویات، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ حسن سجزی کے دیوان میں قصاید کی تعداد کافی ہے مگر ان میں عام قصیدوں کی خصوصیات موجود نہیں ہیں۔ غزل سرائی میں ان کی شہرت زیادہ ہے اور انہیں ان کی خوبصورت غزلیات کے باعث ''سعدی ہندوستان'' کے نام سے پکارا جانے لگا۔ انہوں نے اپنی غزلیات میں عشق کی واردات کو بڑے سوز و گداز، سادگی اور روانی سے بیان کیا ہے۔ انہوں نے بعض غزلیں وجدانی کیفیت میں کہیں۔ یہ غزلیں پڑھنے والے کے دل پر بہت گہرا اثر قائم کرتی ہیں۔

نمونۂ کلام

یارب نگاه داری چشم و چراغ مارا
گرچه نکرد هرگز درحال ماگاهی
عقل حسن چه باشد اندر حضور عشقت
طفل جهان ندیده درپیش پادشاهی

فوائدالفواد

حسن سجزی اعلیٰ پایہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ معروف نثر نگار بھی تھے۔ آٹھویں صدی ہجری میں انہوں نے اپنے مرشد نظام الدین اولیاء کے اقوال کو ملفوظات کی ایک کتاب کی صورت میں نہایت سادہ اور سلیس فارسی نثر میں تحریر کیا اور اس کا نام ''فوائدالفواد'' رکھا۔ جس کے معنی ہیں ''دل کے لیے فائدہ مند

چیزیں۔'' یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے اور پندرہ سال میں مکمل ہوئی۔ حسن سجزی نے اس کتاب کی تالیف کی تاریخ ایک رباعی میں 20 شعبان 720 ہجری (3 اکتوبر 1320ء) تحریر کی ہے۔ یہ کتاب ایک ایسا آئینہ ہے جو اس دور کی معاشرتی اور ثقافتی تصویر دکھاتا ہے۔ بہت سی نامور شخصیات نے ملفوظات مرتب کیں مگر جو شہرت حسن سجزی کی تالیف کردہ ملفوظات ''فوائد الفواد'' کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ اس لیے معروف شاعر اور نثر نگار امیر خسرو نے اپنے تمام کام کے بدلے اس ایک کتاب کو لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ تقریباً سب تذکرہ نویسوں اور مورخین نے اس کتاب کی تعریف کی ہے۔

(G) Short Question and Answers

معروضی سوالات وجوابات

Paper-I-2009

Pick and write correct answers to any Ten of the following:

1. Dari is spoken in Afghanistan/Iran.
2. The revival of Persian took place during the reign of Samanids/Ghaznavids.
3. The founder of Saljuqi dynasty was Tughral/Sanjar.
4. Khayyam belonged to which dynasty? Saljuqi/Mongol.
5. Abu Sa'eed Abu-ul-Khair lived during the reign of Saljuqids/Taimurids?
6. Kh. Hafiz Shirazi belonged to Taimurids/Mongols.
7. Marsiya flourished during the reign of Safavids/Qajars.
8. Constitutional Movement (Mashrutiyat) became fruitful during the reign of Qajars/Safavids.
9. Praveen E'tasami was famous for her Ghazals/Poems.
10. The writer of Jawam'e-ul-Hikayat was Muhammad Aufi/Daulat Shah.
11. Hasan Sajzi wrote Afzal-ul-Fawaid/Fawaid-ul-Fawad.
12. Who was a short story writer? Sa'di/Sadiq.

Answers

1.	Afghanistan	2.	Ghaznavids	3.	Tughral
4.	Saljuqi	5.	Saljuqids	6.	Taimurids
7.	Safavids	8.	Qajars	9.	Poems
10.	Muhammad Aufi	11.	Fwaid-ul-Fawad	12.	Sadiq

☆☆☆

Paper-I-2012

Pick and write correct answers to any ten of the following questions:

1. Bostan e Saadi is Poetry or Prose.
2. Khayyam belonged to Saljuqi or Samani dynasty.
3. Sadiq Hidyat is a short story writer or poet.
4. Write the names of three Persian poetic works of Allama Iqbal.
5. Shahnama e Firdousi was composed in the reign of Ghaznavids or Mughuls.
6. Masnavi e Moulana Jalal ud Din Rumi consists of 6 or 4 volume.
7. Who wrote the "Lubab ul Albab" Muhammad Aoufi or Attar Nishapouri.
8. Kimia e Saadat was written by Imam Ghazali or Nizam ul Mulk Toosi.
9. Diwan e Shams Tabriz was Composed by Moulana Jalal ud Din Rumi or Shams e Tabriz.
10. Masud Saad Salman is famous for writing Qasida or Rubai

11. What was the language in Sasani era Pahlawi or Dari.
12. Who composed the famous qasida titled "Qasida dar fathe Soumnat" Farrukhi Sistani or Unsuri Balkhi.
13. Write the names of two Persian works of Mirza Asad Ullah Ghalib.

Answers

1.	Poetry	2.	Saljuqi	3.	Short story writer
4.	Asrar-e-khudi, Ramuz-e-Bekhudi, Payam-e-Mashriq	5.	Ghaznavids	6.	6 Volumes
7.	Muhammad Aoufi	8.	Imam Ghazali	9.	Moulana Jalal-ud- Din Rumi
10.	Qasida	11.	Pahlawi	12.	Farrukhi Sistani
13.	Kulliyat-e-Ghalib Farsi, Kulliyat-e-Nasr-e-Farsi				

☆☆☆

Paper-I-2014

Pick and write correct answers to any 10 of the following questions.

1. Bostan e Saadi was composed before or after Gulistan e Saadi.
2. Write the titles of any four Persian poetic works of Allama Iqbal.
3. Masnavi e Maanavi of Rumi consists of how many volumes, Six or Seven?
4. "Panj Ganj" are the Masnavis composed by Nizami Ganjvi or Moulana Jami.
5. "Siasat Nama" was written by Nizam ul Mulk Tousi or Imam Ghazali.
6. Farrukhi Sistani is famous for his Qasidas or Ghazals.
7. Is Armaghan -e- Hijaz by Allama Iqbal composed in Urdu or Persian or in both Urdu and Persian Languages.
8. Who composed "Habsiat" (Poetry in Prison) Masood Saad Salman or Sanaai Ghazanvi?
9. Write the names of three most prominent "Sabks" (Styles) of Persian Poetry.
10. Who was the first Persian poetess Rabia Quzdari or Parveen Ietesami?
11. Who was the Writer of "Tazkaratul Aulia" Attar Nishapuri or Hafiz Shirazi?
12. Is "Kalila Ou Damna" a Persian Poetic or Prose Work?

Answers

1.	Before	2.	Israr-e-Khudi, Javed Nama , Zabur-e-Ajam, Payame-Mashriq	3.	Six
4.	Nizami Ganjvi	5.	Nizam-ul-Mulk Tousi	6.	Qasidas

7.	In both Urdu and Persian	8.	Masoud Saad Salman	9.	Sabk-e-Khurasani, Sabk-e- Hindi, Sabk-e-Iraqi
10.	Rabia Quzdari	11.	Attar Nishapuri	12.	Prose work

☆☆☆

Paper-I-2015

Pick and write correct answers to any 10 of the following questions.

(i) In Zoroastrian sources and Shahnameh of Ferdowsi, the first Shah of the world was:
(a) Zoroaster **(b)** Faridun **(c)** Keyumars **(d)** Jamshid

(ii) In Ferdowsi's Shahnameh, the mother of Sohrab was:
(a) Monizeh **(b)** Rudabeh **(c)** Tehmineh **(d)** Farangis

(iii) Mathnawi "Aafarin Nameh" was composed by:
(a) Rudaki Samarqandi **(b)** Abu Shakur Balkhi
(c) Daqiqi Tusi **(d)** Farrokhi Sistani

(iv) Syed Ali Hujveri came to Lahore in:
(a) 3rd Century AH **(b)** 4th Century AH **(c)** 5th Century AH **(d)** 6th Centuy AH

(v) The book "Siyasat Nameh" is also known as:
(a) Nawruz Nameh **(b)** Nizam Nameh **(c)** Mukhtar Nameh **(d)** Siyar-ul-Muluk

(vi) The Mathnavi does not belong to Nizami Ganjavi:
(a) Makhzan-ul-Asrar **(b)** Khosrow-o-Shirin **(c)** Matla-ul-Anwar **(d)** Haft Paykar

(vii) The author of "Jawami-ul-Hikayat" is:
(a) Abdul Qadir Bada'uni **(b)** Muhammad Aufi **(c)** Zahuri Tarshizi **(d)** Abu'l Fazl

(viii) The Mathnavi was not versified by Amir Khosrow:
(a) Nuh Sepehr **(b)** Aina-e-Sikandari **(c)** Mosibat Nameh **(d)**Qiran-us-Sa'dain

(ix) "Baharistan" was written in response to:
(a) Golestan **(b)** Tazkaratul Aouliya **(c)** Fih Ma Fih **(d)** Fawaid-ul-Fawad

(x) Rumi versified the "Mathnawi-e-Ma'nawi" at the request of:
(a) Shams Tabrizi **(b)** Sultan Walad
(c) Salahuddin Zarkoob **(d)** Hassamuddin Chalapi

(xi) Goethe, the German writer and statesman was much inspired by:
(a) Sanai Ghaznawi **(b)** Maulana Rumi **(c)** Hafiz Shirazi **(d)** Allama Iqbal

(xii) "Boof-e-Koor" is a famous novel by:
(a) Sadiq Chubak **(b)** Hushang Golsheri **(c)** Sadiq Hedayat **(d)** Bozorg Alavi

Answers

i.	Keyumars	ii.	Tehmineh	iii.	Abu Shakur Balkhi
iv.	5th century AH	v.	Siyar-ul-Muluk	vi.	Matla - ul- Anwar
vii.	Muhammad Aufi	viii.	Mosibat Nameh	ix.	Golestan
x.	Hassamuddin Chalapi	xi.	Hafiz Shirazi	xii.	Sadiq Hedayat

Past Papers

سابقہ پرچہ جات

COMBINED COMPETITIVE EXAMINATION
FOR RECRUITMENT TO THE POSTS OF
PROVINCIAL MANAGEMENT SERVICE, ETC-2009

PERSIAN (OPTIONAL) PAPER-I

TIME ALLOWED: THREE HOURS **MAXIMUM MARKS: 100**

NOTE: Attempt in English or Urdu Language.

Q.1. What is the difference between Old Persian and Pahlawi? **(10)**

Q.2. Why Mirza Ghalib and Allama Iqbal preferred their Persian Poetry to their Urdu Poetry? **(10)**

Q.3. Ghaznavid Period is named as the Golden Period of Persian Literature in Iran. What is your view point in this regard? **(20)**

OR

What do you know about the poetry and prose writers of Saljuqi Dynasty? Answer in detail.

Q.4. What do you know about the Pre-Mughal Persian literature? Give a detailed account. **(10)**

Q.5. What do you know about Rumi or Sa'di as Persian poetry? Answer in detail. **(15)**

Q.6. What do you know about the Habsiyat of Mas'ud Sa'd Salman or Khaqani Sharwani. Write in detail. **(15)**

Q.7. Pick and write correct answers to any Ten of the following:- **(20)**

1. Dari is spoken in Afghanistan/Iran.
2. The revival of Persian took place during the reign of Samanids/Ghaznavids.
3. The founder of Saljuqi dynasty was Tughral/Sanjar.
4. Khayyam belonged to which dynasty? Saljuqi/Mongol.
5. Abu Sa'eed Abu-ul-Khair lived during the reign of Saljuqids/Taimurids?
6. Kh. Hafiz Shirazi belonged to Taimurids/Mongols.
7. Marsiya flourished during the reign of Safavids/Qajars.
8. Constitutional Movement (Mashrutiyat) became fruitful during the reign of Qajars/Safavids.
9. Praveen E'tasami was famous for her Ghazals/Poems.
10. The writer of Jawam'e-ul-Hikayat was Muhammad Aufi/Daulat Shah.
11. Hasan Sajzi wrote Afzal-ul-Fawaid/Fawaid-ul-Fawad.
12. Who was a short story writer? Sa'di/Sadiq.

Paper-I-2012

NOTE: Attempt in English or Urdu Language. Attempt all questions.

Q.1. Write a detailed note on "Old Persian" **(10)**

Q.2. What is Persian's importance for Pakistan? Discuss in detail. (10)

Q.3. What do you Know about Persian Poetry in the Saljuques Or the Taimurids? Give a detailed account. (20)

Q.4. Mughal period is known as golden period of Persian literature in the Sub-continents, Do you agree? Discuss in detail. (10)

Q.5. Write a detailed note on the Poetry of Hafiz Shirazi Or Parveen Ietesami (15)

Q.6. Discous the thought and art of Allama Iqbal's Poetry Or Persian Ghazal of Amir Khusrou. (15)

Q.7. Pick and write correct answers to any ten of the following questions: (20)

1. Bostan-e-Saadi is poetry or prose.
2. Khayyam belonged to Saljuqi or Samani dynasty.
3. Sadiq Hidyat is a short story writer or poet.
4. Write the names of three Persian poetic works of Allama Iqbal.
5. Shahnama e Firdousi was composed in the reign of Ghaznavids or Mughuls.
6. Masnavi-e-Moulana Jalaluddin Rumi consists of 6 or 4 volume.
7. Who wrote the "Lubab ul Albab"? Muhammad Aoufi or Attar Nishapouri.
8. Kimia-e-Saadat was written by Imam Ghazali or Nizam-ul-Mulk Toosi.
9. Diwan-e-Shams Tabriz was composed by Moulana Jalaluddin Rumi or Shams e Tabriz.
10. Masud Saad Salman is famous for writing Qasida or Rubai
11. What was the language in Sasani era Pahlawi or Dari.
12. Who composed the famous qasida titled "Qasida dar fathe Soumnat" Farrukhi Sistani or Unsuri Balkhi.
13. Write the names of two Persian works of Mirza Asadullah Ghalib.

PAPER- I- 2014

Note: Attempt All questions. Attempt in English or Urdu language.

Q.1. Write a detailed note on "Pahalvi Language". (10)

Q.2. Write a detailed note on influence of Persian Language on Urdu. (10)

Q.3. Discuss the development of Persian Literature in Samanids or Taimurds in Iran. (20)

Q.4. It is said that Persian Literature has developed on a lot in the Sultanate era in the Sub-Continent. What is your point of view? Discuss in detail. (10)

Q.5. Write a comprehensive note on the poetry of Jala ud Din Rumi or Firdousi Tousi. (15)

Q.6. Write a detailed note on Persian prose writing of Muhammad Aoufi or Short story writing of Sadiq Hidayat. (15)

Q.7. Pick and write correct answers to any 10 of the following questions. (20)

1. Bostan e Saadi was composed before or after Gulistan e Saadi.
2. Write the titles of any four Persian poetic works of Allama Iqbal.
3. Masnavi e Maanavi of Rumi consists of how many volumes, Six or Seven?
4. "Panj Ganj" are the Masnavis composed by Nizami Ganjvi or Moulana Jami.
5. "Siasat Nama" was written by Nizam ul Mulk Tousi or Imam Ghazali.
6. Farrukhi Sistani is famous for his Qasidas or Ghazals.
7. Is Armghan -e- Hijaz by Allama Iqbal composed in Urdu or Persian or in both Urdu and Persian Languages.

8. Who composed "Habsiat" (Poetry in Prison) Masood Saad Salman or Sanaai Ghazanvi?
9. Write the names of three most prominent "Sabks" (Styles) of Persian Poetry.
10. Who was the first Persian poetess Rabia Quzadri or Parveen Ietesami?
11. Who was the Writer of "Tazkaratul Aulia" Attar Nishapuri or Hafiz Shirazi?
12. Is "Kalila Ou Damna" a Persian Poetic or Prose Work?

PAPER-I-2015

Note: Attempt all questions in English, Urdu or Persian language.

Q.1. Write a detailed note on "AVESTA". **(10)**

Q.2. Discuss the impact of Persian culture and civilization on subcontinent. **(10)**

Q.3. Write a detailed note on Persian Literature during Seljuq or Safvids Period in Iran. **(20)**

Q.4. Discuss the significance of Perian literature during Mughal period in subcontinent. **(10)**

Q.5. Introduce the Shahnamah, narrated by Ferdowsi Tusi or Gulistan of Sa'adi. **(15)**

Q.6. Introduce and analyze the Persian poetry of Allama Muhammad Iqbal or Fawaid-ul-Fawad written by Hassan Sajzi. **(15)**

Q.7. Pick the correct answer of Ten statements only: **(20)**

(i) In Zoroastrian sources and Shahnameh of Ferdowsi, the first Shah of the world was:
(a) Zoroaster (b) Faridun (c) Keyumars (d) Jamshid

(ii) In Ferdowsi's Shahnameh, the mother of Sohrab was:
(a) Monizeh (b) Rudabeh (c) Tehmineh (d) Farangis

(iii) Mathnawi "Aafarin Nameh" was composed by:
(a) Rudaki Samarqandi (b) Abu Shakur Balkhi
(c) Daqiqi Tusi (d) Farrokhi Sistani

(iv) Syed Ali Hujveri came to Lahore in:
(a) 3rd Century AH (b) 4th Century AH (c) 5th Century AH (d) 6th Centuy AH

(v) The book "Siyasat Nameh" is also known as:
(a) Nawruz Nameh (b) Nizam Nameh (c) Mukhtar Nameh (d) Siyar-ul-Muluk

(vi) The Mathnavi does not belong to Nizami Ganjavi:
(a) Makhzan-ul-Asrar (b) Khosrow-o-Shirin (c) Matla-ul-Anwar (d) Haft Paykar

(vii) The author of "Jawami-ul-Hikayat" is:
(a) Abdul Qadir Bada'uni (b) Muhammad Aufi (c) Zahuri Tarshizi (d) Abu'l Fazl

(viii) The Mathnavi was not versified by Amir Khosrow:
(a) Nuh Sepehr (b) Aina-e-Sikandari (c) Mosibat Nameh (d)Qiran-us-Sa'dain

(ix) "Baharistan" was written in response to:
(a) Golestan (b) Tazkaratul Aouliya (c) Fih Ma Fih (d) Fawaid-ul-Fawad

(x) Rumi versified the "Mathnawi-e-Ma'nawi" at the request of:
(a) Shams Tabrizi (b) Sultan Walad
(c) Salahuddin Zarkoob (d) Hassamuddin Chalapi

(xi) Goethe, the German writer and statesman was much inspired by:
(a) Sanai Ghaznawi (b) Maulana Rumi (c) Hafiz Shirazi (d) Allama Iqbal

(xii) "Boof-e-Koor" is a famous novel by:
(a) Sadiq Chubak (b) Hushang Golsheri (c) Sadiq Hedayat (d) Bozorg Alavi

PERSIAN SYLLABUS FOR PMS

PERSIAN, PAPER-II

LANGUAGE AND TEXTS

TIME ALLOWED: THREE HOURS **MAXIMUM MARKS: 100**

(A) Iranian Prose **(10)**

a. Tazakara-tul-Aoulia by Attar Nishaburi (Selection)

1۔ ذکر ابرھیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ

b. Gulistan-e-Saadi (Chapter 1 & 8 only prose)

c. Seh Tar (سہ تار) (Short story by Jalal Aal-e-Ahmad)

(B) Sub-continent`s Prose **(10)**

a. Kashf-ul-Mahjub by Ali Hujveri (Bab-ul-Ilm/باب العلم)

b. Jawamey-ul-Hikayat by Auofi (Selection)

1۔ نیکی کن و نیکی اندیش

2۔ حق نان و نمک

3۔ کریم تر از حاتم طائی

4۔ شکر نعمت

5۔ ذوالنون مصری

(C) Iranian Poetry **(10)**

a. Shahnamah of Firdousi (Selection of 1st- 122 Verses)

b. Poetry of Rumi

i. Masnavi (نی نامہ، داستانِ بقال و طوطی)

ii. Ghazliat

1۔ یار مرا، غار مرا، عشق جگر خوار مرا

2۔ معشوقہ بہ سامان شد، تا باد چنین بادا

3۔ بروید ای حریفان، بکشید یار ما را

4۔ بنمائی رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

5۔ ای قوم بہ حج رفتہ، کجا اید، کجا اید

c. Ghazliat-e-Hafiz

1- الا یا ایها الساقی ادر کاساً و ناولها
2- بیا کہ قصر امل سخت سست بنیاد است
3- سالها دل طلب جام جم از ما می کرد
4- بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم
5- ای پادشه خوبان داد از غم تنهائی

d. Rubaiat-e-Khayyam

1- برخیز بتا بیار بهر دل ما
2- آن قصر کہ جمشید درو جام گرفت
3- این کوزه چو من عاشق زاری بوده است
4- امروز ترا دسترس فردا نیست
5- این کهنه رباط را کہ عالم نام است
6- هر ذره کہ در خاک زمینی بوده است
7- هر راز کہ اندر دل دانا باشد
8- در کارگاه کوزه گری رفتم دوش
9- از کوزه گری کوزه خریدم باری
10- در پردهٔ اسرار کسی را ره نیست

e. Neema Yushij (Poem, Aie Aadamha ای آدمها)

(D) /Sub-continent`s Poetry (10)

a. Ghazals of Amir Khusrou

1- ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
2- دلم در عاشقی آواره شد آواره تر بادا
3- خبرم رسید امشب کہ نگار خواهی آمد
4- جان زتن بردی و در جانی هنوز
5- هر شب از شوق جامه پاره کنم

b. Ghazals of Ghalib

1- من آن نیم کہ دگر می توان فریفت مرا
2- حق جلوه گر ز طرز بیان محمد ﷺ است

3- به وادی ای که در آن خضر را عصا خفته است

4- بیا و جوش تمنای دیدنم بنگر

5- بیا که قاعدهٔ آسمان بگردانیم

(30)

(E) Iqbal Studies

a. Masnavi-e-Asrar-e-Khudi

b.

1- تمہید

2- در بیان این که خودی از عشق و محبت استحکام پذیرد

3- جاوید نامه (خطاب جاوید)

4- صورت نپرستم من بت خانه شکستم من (غزل از پیامِ مشرق)

5- از ما بگو سلامی آن ترک تند خورا (غزل از پیامِ مشرق)

6- آشنا هر خار را از قصه ما ساختی (غزل از پیامِ مشرق)

7- تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست (غزل از پیامِ مشرق)

8- چون چراغ لاله سوزم در خیابان شما (غزل از زبور عجم)

c. Poems

1- حور و شاعر (نظم از پیامِ مشرق)

2- طیاره (نظم از پیامِ مشرق)

3- انقلاب (نظم از زبور عجم)

d. Quartrains

1- سرود رفته باز آید که ناید

2- من اندر مشرق و مغرب غریبم

3- خدا آن ملتی را سروری داد

(F) Translation of simple one passage from Urdu or English in to Persian. (10)

(G) Short questions and answers from all the course of "B" paper. (20)

Part - II

(A) Iranian Prose

ایرانی نثر

(a) Tazkara-ul-Aoulia by Attar Nishaburi (Selection)

تذکرة الاولیاء

باب یازدهم

ذکر ابرهیم بن ادهم رحمته الله علیه

آن سلطان دنیا و دین، آن سیمرغ قاف یقین، آن گنج عالم عزلت، آن خزینه سرای دولت، آن شاه اقلیم اعظم، آن پر وردۂ لطف و کرم پیروقت، ابرهیم بن ادهم رحمته الله علیه متقی وقت بود وصدیق دولت بُود و حجتْ و برهان روز گار بود و درانواع معاملات ملت و اصناف حقایق حظی تمام داشت و مقبول همه بود و بسی مشایخ رادیده بود و با امام ابوؒ حنیفه صحبت داشته بود و جنید گفت رضی اللّٰه عنه کلید مفاتیح العلوم ابرهیم کلید علمهاء این طریقت ابرهیم است ویك روز پیش ابو حنیفه رضی الله عنه درآمد- اصحاب ابو حنیفه ویرا بچشم تقصیر نگریستند- ابو حنیفه گفت سیدنا ابرهیم اصحاب گفتند این سیادت بچه یافت- گفت بدانکه دایم بخدمت خداوند مشغول بود و ما بخدمت تنهاء خود مشغول-

الفاظ معانی:

یازدهم: گیارہواں، سیمرغ: ایک افسانوی پرندہ، قاف: کوہ قاف، گنج: خزانہ، عُزلت: گوشہ نشینی، سرا: گھر، اقلیم: خطہ، لطف: مہربانی، برھان: دلیل، روزگار: زمانہ، حظی: سعادت، مفاتیح: کنجیاں، تقصیر: خطا، سیادت: بزرگی،

تذکرة الاولیاء

گیارہواں باب

ذکر ابرہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ

ترجمہ:

وہ دین اور دنیا کے بادشاہ، وہ یقین کے کوہ قاف کے سیمرغ، وہ گوشہ نشینی کی دنیا کا خزانہ، وہ دولت کے گھر کا گنجینہ، وہ خطہ اعظم کے بادشاہ، وہ پیر وقت کی مہربانی اور کرم کے پروردہ ابرہیم بن ادھم رحمتہ اللہ علیہ متقی وقت تھے اور زمانے کی حجت اور دلیل تھے اور انہیں قوم کے معاملات اور حقایق کی

ابراہیم کے علوم کے خزانے کی چابی جنید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس طریقت کے علماء کی چابی ابراہیم ہیں اور وہ ایک دن ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے۔ ابوحنیفہ کے ساتھیوں نے انہیں تعجب خیز نظروں سے دیکھا۔ ابوحنیفہ نے فرمایا ساتھیوں نے کہا کہ سیدنا ابراہیم نے یہ بزرگی کس (چیز) سے پائی۔ انہوں نے کہا اس سے کہ وہ دائم اللہ تعالیٰ کی خدمت میں مشغول تھے اور ہم صرف اپنی خدمت میں مصروف رہے۔

صنفوں کی اقسام میں مکمل سعادت حاصل تھی اور وہ سب میں مقبول تھے اور بہت سے مشائخ سے ملاقات کی تھی اور امام ابوحنیفہ کی صحبت میں رہے تھے اور

☆☆☆

وابتداء حال او آن بود که او پادشاه بلخ بود و عالمی زیر فرمان داشت و چهل شمشیر زرین و چهل گرز زرین در پیش و پس او می بردند۔ یك شب بر تخت خفته بود۔ نیم شب سقف خانه بجنبید چنانکه کسی بربام میرود۔ آواز داد که کیست؟ گفت آشناست۔ اشتری گم کرده ام برین بام طلب میکنم۔ گفت ای جاهل اشتر بربام میجوئی؟ گفت ای غافل تو خدا یر ادر جامۂ اطلس خفته بر تخت زرین میطلبی؟ از این سخن هیبتی بدل او آمد و آتش در دلش افتاد تا روز نیارست خفت، چون روز بر آمد بصفه باز شد و بر تخت نشست متفکر و متحیر و اندوهگین، ارکان دولت هریکی بر جایگاه خویش ایستادند۔ غلامان صف کشیدند و بار عام دادند۔ ناگاه مردی باهیبت از دردر آمد چنانکہ؛ هیچکس را از حشم و خدم زهره نبود که گوید تو کیستی۔ جمله را زبانها بگلو فروشد۔ همچنان میآمد تا پیش تخت ابرهیم گفت چه می خواهی؟ گفت دراین رباط فرو میآیم۔ گفت رباط نیست سرای منست تو دیوانۂ؟ گفت این سرای پیش از این از آن که بود؟ گفت از آن پدرم۔ گفت پیش از آن؟ گفت از آن پدر پدرم۔ گفت پیش از آن؟ گفت از آن فلان کس۔ گفت پیس از آن۔ گفت از آن پدر فلان کس۔ گفت همه کجا شدند؟ گفت برفتند و بمردند۔ گفت پس نه رباط این بود که یکی میآید ویکی می گذرد۔ این بگفت و ناپدید شد و او خضر بود علیہٗ السلام۔

الفاظ معانی:

چهل: چالیس، شمشیر زرین: سنہری تلوار، خفتن: سونا، سقف خانه: گھر کی چھت، جنبیدن: ہلنا، بربام: چھت پر، کیست: کون ہے، اشتر: اونٹ، جامۂ اطلس: اطلس کا لباس، چون: جب، صفه: ایوان، متحیر: حیران، اندوهگین: غمگین، حشم و خدم: نوکر چاکر، رباط: کارواں سرائے، سرای: گھر، پدر: باپ، کجا: کہاں، ناپدید: غائب۔

ترجمہ:

اور ان کی حالت کی ابتداء یہ تھی کہ وہ بلخ کے بادشاہ تھے اور ایک دنیا ان کے فرمان کے طابع تھی اور چالیس سنہری تلواریں اور چالیس زریں گرزان کے آگے اور پیچھے لے کر چلتے تھے۔ ایک رات وہ بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ آدھی رات کو گھر کی چھت ہلنے لگی جیسے کوئی چھت پر چل رہا ہو۔ آواز دی کہ کون ہے؟ اس نے کہا آشنا ہے۔ ایک اونٹ گم کر بیٹھا ہوں اس چھت پر تلاش کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا اے جاہل تو اونٹ کو چھت پر تلاش کر رہا ہے؟ اس نے کہا اے غافل تو خدا کو اطلس کے لباس میں سو کر سنہرے بستر پر تلاش کر رہا ہے؟ اس بات سے ان کے دل میں خوف پیدا ہوا اور ان کے دل میں آگ بھڑک اٹھی۔ دن ہونے تک سو نہ پائے۔ جب دن نکلا تو ایوان کو گئے اور تخت پر سوچ میں گم، حیران اور غمگین بیٹھے۔ حکومت کا ہر ایک رکن اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ غلاموں نے صف بنالی اور عام لوگوں کے لیے دربار لگ گیا۔ اچانک ایک بارعب آدمی دروازے سے اندر آیا اس طرح سے کہ نوکر چاکروں میں سے کسی کو جرأت نہ تھی کہ کہے تو کون ہے۔ سب کی زبانیں گلے میں اٹک گئیں۔ وہ اسی طرح بڑھتا چلا آیا۔ یہاں تک کہ ابراہیم کے تخت کے پاس گیا۔ انہوں (ابراہیم) نے کہا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا اس کارواں سرائے کے اندر آرہا ہوں۔ انہوں نے کہا کارواں سرائے نہیں ہے، میرا گھر ہے۔ تو پاگل ہے؟ اس نے کہا یہ گھر اس سے پہلے کس کا تھا؟ انہوں نے کہا میرے باپ کا۔ اس نے کہا، اس سے پہلے؟ انہوں نے کہا میرے باپ کے باپ

(یعنی دادا) کا۔ اس نے کہا اس سے پہلے؟ انہوں نے کہا فلاں شخص کا۔ اس نے کہا اس سے پہلے؟ انہوں نے کہا فلاں شخص کے باپ کا۔ اس نے کہا وہ سب کہاں گئے؟ انہوں نے کہا وہ چلے گئے اور مر گئے۔ اس نے کہا تو پھر یہ کارواں سرائے نہیں جس میں ایک آتا اور ایک جاتا ہے۔ اس نے یہ کہا اور غائب ہو گیا اور وہ خضر علیہ السلام تھے۔

☆☆☆

سوز و آتش جان ابراهیم زیاده شد و دردش بر درد بیفزود تا این چه حالست و آن حال یکی صد شد که دیدرو زباشنید شب جمع شد و ندانست که از چه شنید و نشناخت که امروز چه دید، گفت اسب زین کنید که بشکار میروم که مرا امروز چیزی رسیده است نمیدانم چیست۔ خداوندا این حال بکجا خواهد رسید؟ اسب زین کردندروی بشکار نهاد۔ سراسیمه در صحرا میگشت چنانکه نمیدانست که چه میکند۔ در آن سر گشتگی از لشکر جدا افتاد۔ در راه آوازی شنود که انتبه بیدار گرد، ناشنوده کرد و برفت۔ دوم بارهمین آواز آمد هم بگوش در نیا ورد۔ سوم بار همان شنود۔ خویشتن را از آن دور افگند۔ چهارم بار آواز شنود که انتبه قبل ان تنبه بیدار گرد پیش از آن کت بیدار کنند۔ اینجا یکبار گی از دست شد۔ ناگاه آهوئی پدید آمد۔ خویشتن را مشغول بدو کرد۔ آهو بدو بسخن آمد که مرا بصید تو فرستاده اند۔ تو مرا صید نتوانی کرد الهذا خلقت او بهذا امرت ترا از برای این کار آفریده اند که میکنی هیچ کار دیگر نداری؟

الفاظ معانی:

افزودن: بڑھنا، دیدن: دیکھنا، شنیدن: سننا، اسب: گھوڑا، چیست: کیا ہے، سراسیمه: پریشان، گشتن: پھرنا، سر گشتگی: پریشانی، شنودن: سننا، بیدار گرد: بیدار ہو جا، ناشنیده: ان سنی، یکبار گی: اچانک، ناگاه: اچانک، آهوئی: ایک ہرن، پدید آمد: نمودار ہوا، خویشتن را: خود کو، بدو: اس سے، صید: شکار۔

ترجمہ:

ابراہیم کی جان کا سوز اور آگ بڑھ گئی اور اس کا درد بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ یہ کیا حالت ہے، یہ حالت ایک سے سو ہو گئی کیونکہ دن کا دیکھا ہوا اور رات کا سنا ہوا اکٹھے ہو گئے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے کس سے سنا اور انہوں نے نہ پہچانا کہ آج کیا دیکھا۔ انہوں نے کہا گھوڑے پر زین رکھیں کیونکہ میں شکار کو جاتا ہوں۔ آج مجھے کچھ ہو گیا ہے معلوم نہیں کیا ہے۔ اے خدا یہ حالت کہاں تک پہنچے گی؟ انہوں نے گھوڑے پر زین رکھی اور وہ شکار کو روانہ ہوئے۔ وہ صحرا میں ایسے پریشان پھر رہے تھے جیسے انہیں معلوم نہ ہو کہ کیا کر رہے ہیں۔ اس پریشانی کی حالت میں لشکر سے جدا ہو گئے۔ راستے میں انہوں نے ایک آواز سنی کہ "انتبہ" بیدار ہو جا۔ انہوں نے ان سنی کر دی اور چلے گئے۔ دوسری بار یہی آواز آئی۔ وہ بھی انہوں نے ان سنی کر دی۔ تیسری بار وہی سنی۔ انہوں نے خود کو اس سے دور کر لیا۔ چوتھی بار آواز سنی کہ "انتبہ قبل ان تنبیہ" بیدار ہو جا اس سے پہلے کہ تجھے بیدار کریں۔ یہاں وہ اچانک مشغول ہو گئے۔ اچانک ایک ہرن نمودار ہوا۔ انہوں نے خود کو اس سے مشغول کر لیا۔ ہرن ان سے بولا کہ مجھے تیرا شکار بننے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ تو مجھے شکار نہیں کر سکتا۔ "الھذا خلقت او بھذا امرت" (کیا تجھے اس کام کے لیے پیدا کیا گیا) انہوں نے تجھے اس کام کے لیے پیدا کیا ہے جو تو کر رہا ہے؟ تجھے اور کوئی کام نہیں؟

☆☆☆

ابرهیم گفت آیا این چه حالیست روی از آهو بگردانید۔ همان سخن که از آهو شنیده بود از قربوس زین آواز آمد۔ فزعی و خوفی درو پدید آمد و کشف زیادت گشت چون حق تعالیٰ خواست تا کار تمام کندسدیگر بار از گوی گریبان همان آواز آمد۔ آن کشف اینجا بتمام رسید و ملکوت برو کشاده گشت۔ فرو آمد و یقین حاصل شد و جمله جامه و اسب از آب چشمش آغشته گشت۔

گوسفندان در پیش کرده بنگریست توبۀ کرد نصوح و روی از راه یکسو نهاد- شبانی را دید نمدی پوشیده و کلاهی از نمد برسر نهاده غُلام وی بود قبای زر کشیده و کلاه معرق بدو داد و گوسفندان بدو بخشید و نمداز و بستدو در پوشید و کلاه نمدبر سر نهاد و جملۀ ملکوت بنظارۀ او بایستادند که زهی سلطنت که روی پسر ادهم نهاد- جامه نجس دنیا بینداخت و خلعت فقر در پوشید- پس همچنان پیاده در کوهها و بیابانهاء بی سرو بن میگشت و بر گناهان خود نوحه میکردتا بمرورود رسید- آنجاپلی است مردی دید که از آن پل در افتاد و اگر آبش ببردی در حال هلاك شدی ازدور بانگ کرد اللهم احفظه مرد معلق در هوا بماند تا برسیدند واورا بر کشیدندودر ابرهیم خیره بماند ندتا این چه مردی است-

الفاظ معانی:

همان سخن: وہی بات، قربوس زین: زین کی اٹھان، فزعی: ایک خوف، کشف: آشکار، گوی گریبان: گریبان کا دائرہ، جملہ جامہ: تمام لباس، آغشتہ گشت: تر ہو گیا، توبہ نصوح: حقیقی توبہ، یکسو: ایک طرف، شبانی: ایک چرواہا، نمدی: اون کا بنا ہوا، گوسفندان: بھیڑیں، بانگ: اونچی آواز، خیرہ ماندن: حیران رہ جانا۔

ترجمہ:

ابرہیم نے کہا یہ کیا حالت ہے۔ انہوں نے ہرن سے منہ موڑ لیا۔ وہی بات جو ہرن سے سنی تھی زین کی اٹھان سے سنائی دی۔ انہیں ایک خوف اور ڈر محسوس ہوا اور موضوع زیادہ آشکار ہو گیا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کام تمام کرنا چاہا، مزید تین مرتبہ گریبان کے دائرے سے وہی آواز آئی۔ آشکار ہونے کا عمل یہاں اختتام کو پہنچا اور عالم ملکوت ان پر عیاں ہو گیا۔ وہ (گھوڑے سے) نیچے اترے اور انہیں یقین حاصل ہو گیا۔ تمام لباس اور گھوڑا ان کی آنکھوں کے پانی (آنسوؤں) سے تر ہو گئے۔ انہوں نے حقیقی توبہ کی اور ایک طرف راستے پر چل دیئے۔ انہوں نے ایک چرواہے کو دیکھا جو نمدہ کا (اونی) لباس پہنے اور نمدہ (اون) کی ٹوپی سر پر رکھے اپنے آگے بھیڑیں لیے دیکھ رہا تھا۔ یہ ان کا غلام تھا۔ زریں عبا اور پسینے سے تر ٹوپی اسے (چرواہے کو) دی اور بھیڑیں اسے بخش دیں اور نمدہ کا لباس اس سے لے لیا اور پہن لیا اور نمدہ کی ٹوپی سر پر رکھ لی۔ تمام فرشتے ان کے نظارہ کے لیے کھڑے ہو گئے کہ کیا بات ہے اس سلطنت کی جس کی طرف ادھم کے بیٹے نے رخ کیا۔ دنیا کا ناپاک لباس پھینک دیا اور فقر کی خلعت پہن لی۔ پس وہ اسی طرح پہاڑوں اور بیابانوں میں بے سروساماں پھرتے تھے اور اپنے گناہوں پر گریہ زاری کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مرو کے دریا تک جا پہنچے۔ وہاں ایک پل ہے۔ انہوں نے ایک آدمی دیکھا جو اچانک پل سے گرا اور اگر پانی اسے بہا لے جاتا تو وہ فوراً ہلاک ہو جاتا۔ انہوں نے دور سے اونچی آواز میں کہا "اللھم احفظہ" (اے اللہ! اس کی حفاظت فرما) آدمی ہوا میں معلق ہو گیا۔ یہاں تک لوگ وہاں پہنچے اور اسے کھینچ لیا اور ابرہیم پر حیران رہ گئے کہ یہ کیسا آدمی ہے۔

☆☆☆

پس از آنجا برفت تا بنیشابور افتاد- گوشۀ خالی میجست که بطاعت مشغول شود تا بدان غار افتاد که مشهوراست، نه سال ساکن غارشد در هر خانه سه سال، و که دانست که او در شبها و روزها، در آنجادرچه کاربود که مردی عظیم و سرمایۀ شگرف میباید تا کسی بشب تنها در انجا بتواند بود- روز پنج شنبه ببالای غار بر رفتی و پشتۀ هیزم گرد کردی و صبح گاه روی به نیشا بور کر دی و آنرا بفروختی و نماز جمعه بگذاردی و بدان سیم نان خریدی و نیمه بدرویش دادی و نیمه بکار بردی و بدان روزه گشادی و تا دگر هفته باز آن ساختی-

الفاظ معانی:

دانستن: جاننا، شگرف: عظیم، پنج شنبہ: جمعرات، پشتہ: گٹھا، ہیزم: جلانے کی لکڑیاں، صبح گاہ: صبح کے وقت۔

ترجمہ:

پھر وہاں سے وہ چلے گئے یہاں تک کہ نیشاپور جا پہنچے۔ وہ ایک خالی گوشہ تلاش کر رہے تھے تا کہ عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ یہاں تک کہ اس غار میں جا پہنچے جو مشہور ہے۔ وہ نو سال غار میں مقیم رہے۔ ہر نشیمن میں تین سال اور کسے معلوم کہ وہ راتوں اور دنوں کے دوران وہاں کیا کرتے تھے کیونکہ عظیم مرد اور (ہمت و دلیری کا) عظیم سرمایہ ہونا چاہیے کہ کوئی رات کو اکیلا وہاں رہ سکے۔ وہ جمعرات کے دن غار کے اوپر جاتے اور جلانے والی لکڑیوں کا گٹھا اکٹھا کرتے اور صبح کے وقت نیشاپور کا رخ کرتے اور اسے بیچتے اور نماز جمعہ ادا کرتے اور ان پیسوں سے روٹی خریدتے اور آدھی درویش کو دیتے اور آدھی اپنے استعمال میں لاتے اور اس سے روزہ کھولتے اور پھر اگلے ہفتے دوبارہ ایسا کرتے۔

☆☆☆

نقلست کہ در زمستان شبی در آن خانه بود و بغایت سرد بود و اویخ فروشکسته بود و غسلی کرده چون همه شب سرما بود و تاسحرگاه در نماز بود- وقت سحربیم بود که از سرما هلاك گردد مگر خاطرش آتشی طلب کرد پوستینی دید درپشت اوفتاده و در خواب شد چون از خواب در آمد- روز روشن شده بود واو گرم گشته بنگریست آن پوستین اژدهائی بود بادو چشم چون دو سکرهٔ خون- عظیم هراسی درو پدید آمد گفت خداوندا تو این را در صورت لطف بمن فرستادی- کنون در صورت قهرش میبینم طاقت نمیدارم- در حال اژدها برفت و دو سه بار پیش اوروی در زمین مالید و ناپدید گشت-

الفاظ معانی:

نقلست: **روایت ہے**، زمستان: **سردیاں**، غایت: **انتہا**، یخ: **برف**، بیم: **ڈر**، پوستینی: **کھال کی بنی**، نگریستن: **دیکھنا**، سکرہ: **پیالہ**، لطف: **مہربانی**، کنون: **اب**، مالیدن: **ملنا**، ناپدید گشتن: **غائب ہونا**،

ترجمہ:

روایت ہے کہ سردیوں میں ایک رات وہ اس نشیمن (غار) میں تھے اور انتہا کی سردی تھی اور انہوں نے برف توڑی تھی اور اس سے غسل کیا تھا۔ کیونکہ تمام رات سردی تھی اور وہ سحر کے وقت تک نماز پڑھ رہے تھے۔ سحر کے وقت اس بات کا ڈر تھا کہ وہ سردی سے ہلاک ہو جائیں۔ مگر ان کے دل نے آگ طلب کی۔ انہوں نے کھال کی بنی کوئی چیز دیکھی (اس پر) پشت کے بل گرے اور سو گئے۔ جب نیند سے بیدار ہوئے۔ دن روشن ہو گیا تھا اور وہ گرم ہو کر دیکھ رہے تھے کہ وہ کھال سے بنی چیز ایک اژدھا تھی۔ خون کے دو پیالوں جیسی دو آنکھوں کے ساتھ۔ ان میں بہت زیادہ خوف پیدا ہوا۔ انہوں نے کہا اے خدا تو نے اسے مہربانی کی صورت میں میرے پاس بھیجا۔ اب میں اسے قہر کی صورت میں دیکھ رہا ہوں۔ مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ اسی وقت اژدھا گیا اور اس نے دو تین مرتبہ ان کے سامنے اپنا چہرہ زمین پر ملا اور غائب ہو گیا۔

☆☆☆

نقلست که چون مردمان از کار او آگاه شدند از غار بگریخت وروی بمکه نهاد و آن وقت که شیخ بو سعید رحمته الله علیه بزیارت غار رفته بود گفت سبحان الله اگر این غار پرمشك بودی چندین بوی ندادی که جوانمردی بصدق روزی چند اینجا بوده است- این همه روح و راحت گذاشته است، پس ابراهیم ازبهم شهرت روی دربادیه نهاد- یکی از اکابر دین دربادیه بدورسید- نام مهین خداوند بدو آموخت و برفت- اوبدان نام مهین خدایرا بخواند- درحال خضر را دید علیه السلام گفت ای ابرهیم آن برادر من بود داود که نام مهین در تو آموخت- پس میان خضر و او بسی سخن برفت و پیر او خضر بود علیه السلام که او رادراین کار کشیده بود باذن الله تعالیٰ-

الفاظ معانی:

نقلست: کہا جاتا ہے، مردمان: لوگ، گریختن: چلے جانا، چندین: اس قدر، روح: خوشبو، بیم: خوف، بادیہ: صحرا، مہین: سب سے بڑا، بدو: اس کو، آموختن: سکھانا، خواندن: پکارنا، برادر: بھائی، کشیدن: کھینچنا۔

ترجمہ:

کہا جاتا ہے کہ جب لوگ ان کے کام سے آگاہ ہوئے تو وہ غار سے چلے گئے اور مکہ کا رخ کیا اور اس وقت کہ جب شیخ بوسعید رحمتہ اللہ علیہ غار کی زیارت کو گئے تھے، انہوں نے کہا سبحان اللہ اگر یہ غار مشک سے پر ہوتی اس قدر خوشبو نہ دیتی کیونکہ ایک جوان مرد صداقت سے چند روز یہاں رہا ہے۔ اتنی زیادہ خوشبو اور سکون چھوڑ گیا ہے۔ پس ابرہیم نے شہرت کے خوف سے صحرا کا رخ کیا۔ دین کے اکابر (بڑے لوگوں) میں سے ایک صحرا میں ان کے پاس پہنچے۔ اللہ کا سب سے بڑا نام ان کو سکھایا اور چلے گئے۔ انہوں نے اس سب سے بڑے نام سے خدا کو پکارا۔ اس وقت انہوں نے خضر علیہ السلام کو دیکھا۔ انہوں (حضرت خضر علیہ السلام) نے کہا اے ابرہیم وہ میرا بھائی داود تھا جس نے تجھے سب سے بڑا نام سکھایا۔ پھر حضرت خضر علیہ السلام اور ان کے درمیان بہت سی باتیں ہوئیں اور ان کے پیر حضرت خضر علیہ السلام تھے جو انہیں اس کام میں کھینچ لائے تھے۔ باذن اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے)۔

☆☆☆

و در بادیہ کہ میرفت گفت بذات العرق رسیدم۔ هفتاد مرقع پوش رادیدم جان بداده و خون ازبینی و گوش ایشان روان شده۔ گرد آن قوم برآمدم۔ یکی رارمقی هنوز مانده بود۔ پرسیدم کہ ای جوانمرد این چه حالتست؟ گفت ای پسرادهم علیك الماءو المحراب دور دور مرو کہ مهجور گردی و نزدیك نزدیك میا کہ رنجور گردی۔ کس مبادا کہ بربساط سلاطین گستاخی کند۔ بترس از دوستی کہ حاجیانرا چون کافران روم میکشد۔ و باحاجیان غزا میکند۔ بدانکہ ما قومی بودیم صوفی۔ قدم بتوکل دربادیہ نهادیم و عزم کردیم کہ سخن نگوئیم و جز از خداوند اندیشہ نکنیم و حرکت و سکون از بهر او کنیم و بغیری التفات ننمائیم چون بادیہ گذاری کردیم وباحرامگاہ رسیدیم۔ خضر علیہ السلام بما رسید سلام کردیم و اوسلام را جواب داد۔ شاد شدیم۔ گفتیم الحمد لله کہ سفر برومند آمد طالب بمطلوب پیوست کہ چنین شخصی باستقبال ما آمد۔

الفاظ معنی:

هفتاد: ستر، مرقع پوش: پھٹے پرانے پہننے والا، بینی: ناک، گوش: کان، رمقی: آخری سانس، پرسیدن: پوچھنا، مرو: نہ جا، مهجور: تنہا، میا: نہ آ، رنجور: رنجیدہ، مبادا: خدانہ کرے، بترس: ڈر، غزا: جنگ، بادیہ: صحرا، بهراو: اس کے لیے، التفات: توجہ، رسیدن: پہنچنا، شادشدن: خوش ہونا، برومند: کامیاب، پیوستن: ملنا۔ چنین: ایسا۔

ترجمہ:

اور جب وہ صحرا میں جا رہے تھے انہوں نے کہا کہ میں ذات العرق پہنچا۔ ستر پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوؤں کو دیکھا مردہ حالت میں اور خون ان کے ناک اور کان سے جاری تھا۔ میں اس قوم کے قریب آیا۔ ایک کی ابھی آخری سانس چل رہی تھی۔ میں نے اس پوچھا کہ اے جوان مرد یہ حالت کیسے ہوئی؟ اس نے کہا اے ادھم کے بیٹے علیك الماءو المحراب (پانی اور محراب کو لازم پکڑو) دور دور نہ جا کیونکہ تنہا ہو جائے گا اور نزدیک نزدیک نہ آ کیونکہ رنجیدہ ہو جائے گا۔ خدا نہ کرے کہ کوئی بادشاہوں کی بساط (یعنی سلطنت) میں گستاخی کرے۔ اس دوست سے ڈر جو حاجیوں کو روم کے کافروں کی طرح

قتل کرتا ہے اور حاجیوں کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ جان لو کہ ہم صوفیوں کی قوم سے تھے۔ ہم نے توکل پر صحرا میں قدم رکھا اور عزم کیا کہ ہم بات نہیں کریں گے اور سوائے اللہ تعالیٰ کے ہم کسی کے بارے میں نہیں سوچیں گے اور ہم اس کے لیے چلیں گے اور رکیں گے اور کسی غیر پر توجہ نہیں دیں گے۔ جب ہم نے صحرا عبور کرلیا اور احرام گاہ پہنچے۔ حضرت خضر علیہ السلام ہمارے پاس آئے۔ ہم نے سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ ہم خوش ہو گئے۔ ہم نے کہا الحمد اللہ کہ سفر کامیاب رہا۔ طالب کو مطلوب مل گیا کہ ایسا شخص ہمارے استقبال کو آیا۔

☆☆☆

حالی بجانهاء ماندا کردند که ای کذابان و مدعیان قولتان وعهدتان این بود۔ مرا فراموش کردید و بغیر من مشغول گشتید۔ بروید که تامن بغرامت جان شما بغارت نبرم و بتیغ غیرت خون شما نریزم باشما صلح نکنم۔ این جوانمردآن را که می بینی همه سوختگان این باز خواست اند هلا ای ابرهیم تو نیز سراین داری پای در نه والا دورشو، ابرهیم حیران و سرگردان آن سخن شد گفت گفتم ترا چرا رها کر دند؟ گفت گفتند ایشان پخته اند تو هنوز خامی ساعتی جان کن تاتو نیز پخته شوی چون پخته شدی۔ تونیز از پی در آئی۔ این بگفت واو نیز جان بداد۔

خون ریز بود همیشه در کشورما
جان عود بود همیشه در مجمرما
داری سرما وگرنه دوراز برما
ما دوست کشیم و تو نداری سرما

الفاظ معانی:

ندا کردن: آواز دینا، کذابان: جھوٹے، مرا: مجھے، غرامت: تاوان، غارت بردن: برباد کرنا، تیغ: تلوار، باز خواست: باز پرسی، هلا: خبردار، سرگردان: پریشان، هنوز: ابھی، جان کندن: جان دینا، مجمر: انگیٹھی۔

ترجمہ:

اب ہماری جانوں کو انہوں نے آواز دی کہ اے جھوٹے اور دعوے دارلوگو تمہارا قول اور عہد یہ تھا۔ تم نے مجھے بھلا دیا اور میرے بغیر کسی دوسرے کے ساتھ مشغول ہو گئے۔ جاؤ کہ جب تک میں تاوان میں تمہاری جان برباد نہ کردوں اور غیرت کی تلوار سے تمہارا خون نہ بہاؤں تم سے صلح نہیں کروں گا۔ ان جوان مردوں کو جنہیں تو دیکھ رہا ہے سب اس باز پرسی کے جلے ہوئے ہیں۔ اے ابرہیم خبردار، تو بھی اس بات کا ارادہ رکھتا ہے قدم بڑھا وگرنہ دور ہو جا۔ ابرہیم اس بات سے حیران اور پریشان ہو گئے انہوں نے کہا: میں نے کہا انہوں نے تجھے کیوں رہا کر دیا؟ اس نے کہا: انہوں نے کہا کہ وہ پختہ ہیں اور تو ابھی خام ہے۔ کچھ وقت جان دے تاکہ تو بھی پختہ ہو جائے۔ جب تو پختہ ہو گیا تو تو بھی انجام کو پہنچے گا۔ یہ کہا اور اس نے بھی جان دے دی۔

اشعار

1۔ ہمارے ملک میں ہمیشہ خون ریزی تھی۔ ہماری انگیٹھی میں ہمیشہ جان عود تھی۔
2۔ تو سردی (یعنی سردمہری) رکھتا ہے وگرنہ ہماری سرزمین سے دور ہم دوست (اپنی طرف) کھینچتے ہیں اور تو ہمارا ارادہ نہیں رکھتا۔

☆☆☆

نقلست که چهار ده سال در قطع بادیه کرد که همه راه در نماز و تضرع بود تا بنزدیك مکه رسید۔ پیران حرم خبر یافتند۔ همه باستقبال او بیرون آمدند۔ او خویشتن درپیش قافله انداخت تا کسی اورا نشناسد۔ خادمان از پیش برفتند ابرهیم را بدیدند درپیش قافله

میآمد اوز اندیده بودند- ندانستند چون بدو رسید ند گفتند ابرهیم ادهم نزدیك رسیده است که مشایخ حرم باستقبال اوبیرون آمده اند؟ ابرهیم گفت که چه میخواهی از آن زندیق؟ ایشان در حال سیلی درو بستند- گفتند مشایخ مکه باستقبال او میشوند تواورا زندیق میگوئی- گفت من میگویم زندیق اوست- چون ازودر گذشتند ابرهیم روی بخود کرد و گفت هان می خواستی که مشایخ باستقبال تو آیند- باری سیلی چند بخوردی- الحمد لله که بکام خودت بدیدم- پس در مکه ساکن شد رفیقانش پد ید- آمدند و اواز کسب دست خود خوردی ودرود گری کردی-

الفاظ معانی:

چهارده: چودہ،قطع بادیه: صحرا گردی،تضرع: گڑگڑانا،چون: جب،زندیق: خدا کا منکر،سیلی: تھپڑ،هان: خبردار،اچھا،کام: مقصد،درود گری: بڑھئی کا کام،

ترجمہ:

روایت ہے کہ انہوں نے چودہ سال صحرا گردی کی جہاں وہ سارا راستہ نماز پڑھتے اور گڑگڑاتے رہے یہاں تک کہ مکہ کے نزدیک پہنچ گئے۔حرم کے بزرگوں کو خبر معلوم ہوئی۔سب ان کے استقبال کے لیے باہر آگئے۔انہوں (ابرہیم) نے خود کو قافلہ سے آگے کرلیا تاکہ کوئی انہیں نہ پہچانے۔خادم آگے گئے انہوں نے ابرہیم کو دیکھا قافلہ سے آگے آرہے تھے۔انہوں نے انہیں (ابرہیم کو) نہیں دیکھا تھا نہیں جانتے تھے۔جب ان کے پاس پہنچے انہوں نے کہا ابرہیم ادھم نزدیک پہنچ گئے ہیں جو حرم کے مشائخ ان کے استقبال کے لیے باہر آگئے؟ ابرہیم نے کہا کہ تو اس زندیق (خدا کا منکر) سے کیا چاہتا ہے؟ انہوں نے اسی وقت انھیں تھپڑوں سے مارا۔انھوں نے کہا مکہ کے مشائخ ان کے استقبال کے لیے جا رہے ہیں اور تو انہیں زندیق کہہ رہا ہے۔انہوں نے کہا میں کہتا ہوں وہ زندیق ہے۔جب وہ گزر گئے ابرہیم نے اپنی طرف رخ کیا اور کہا اچھا! تو چاہتا تھا مشائخ تیرے استقبال کو آئیں۔ اب تو نے چند تھپڑ کھائے۔الحمداللہ کہ میں نے تجھے اپنے دل کی مراد پاتے دیکھا۔پس وہ مکہ ساکن ہو گئے۔ان کے دوست آگئے اور وہ اپنے ہاتھ کی محنت کی کمائی سے کھاتے اور بڑھئی کا کام کرتے۔

☆☆☆

نقلست که چون از بلخ برفت اورا پسری ماند بشیر- چون بزرگ شد پدر خویش را از مادر طلب کرد- مادر حال بگفت که پدر تو گم شد- به بلخ منادی فرمود که هر که آرزوی حج است بیائید- چهار هزار کس بیامدند- همه رانفقه داد و اشتر خویش داد و بحج برد بامید آنکه خدای دیدار پدرش روزی کند- چون بمکه در آمدند بدر مسجد حرام مرقع داران بودند پرسید ایشانرا که ابرهیم ادهم را شناسید؟ گفتند یار ماست- مارا میزبانی کرده است و بطلب طعام رفته- نشان وی بخواست بر اثروی برفت ببطحاء مکه بیرون آمدند- پدر را دیدبای برهنه باپشتهٔ هیزم همی آمد- گریه برو افتاد و خود رانگاه داشت پس بی او گرفت و ببازار آمد و بانگ میکرد من یشتری الطیب بالطیب حلالی بحلالی که خرد؟ نانوائی خو اندیش و هیزم بستد و نانش بداد- نان بسوی اصحاب خود برد و پیش ایشان نهاد- پسر ترسید که اگر گویم که من کیم ازو بگریزد- برفت تا با مادر تدبیر کند تاطریق چیست اورا بادست آوردن- مادرش بصبرفرمود گفت صبر کن تاحج بگزاریم-

الفاظ معانی:

پسری: ایک بیٹا،اشتر: اونٹ،مرقع داران: پیوند لگے کپڑوں والے،شناسیدن: پہچاننا،پشته: گٹھا،گریه: رونا،بانگ: اونچی آواز،نانوائی: ایک نانبائی، خواندن: بلانا،بسوی: کی طرف،بردن: لے جانا،نهادن: رکھنا،ترسیدن: ڈرنا،من کیم: میں کون ہوں،طریق: راستہ،چیست: کیا ہے؟

ترجمہ:

روایت ہے کہ جب وہ بلخ سے گئے تو ان کا ایک بیٹا بشیر وہاں رہ گیا۔ جب وہ بڑا ہوا تو ماں سے اپنے باپ کا پوچھا۔ ماں نے حال بتایا کہ تیرا باپ گم ہو گیا۔ اس نے بلخ میں منادی کرائی کہ جو کوئی حج کی آرزو رکھتا ہے وہ آ جائے۔ چار ہزار افراد آئے۔ اس نے سب کو خرچہ دیا اور اپنا اونٹ دیا اور حج پر لے گیا اس اُمید پر کہ کسی روز اللہ تعالیٰ اس کے باپ کا دیدار کرائے۔ جب وہ مکہ آ گئے تو مسجد حرام کے دروازے پر پیوند لگے کپڑوں والے تھے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ آپ ابرہیم ادھم کو پہچانتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارا یار ہے۔ اس نے ہماری میزبانی کی ہے اور وہ کھانا لینے گیا ہے۔ اس نے ان (ابرہیم) کا پتہ چاہا اور ان کے پیچھے گیا۔ مکہ کی وادی بطحا سے باہر آ گئے۔ اس نے باپ کو دیکھا۔ ننگے پاؤں جلانے والی لکڑیوں کے گٹھے کے ساتھ آ رہے تھے۔ وہ رونے لگا اور خود کو سنبھالا۔ پھر ان کے پیچھے گیا اور وہ بازار آئے اور وہ اونچی آواز میں کہہ رہے تھے۔ من یشتری الطیب بالطیب حلالی بحلالی (وہ جو خریدلے پاکیزہ کے بدلے پاکیزہ حلال کے بدلے حلال) کون خریدتا ہے؟ ایک نانبائی نے ان کو بلایا اور جلانے کی لکڑیاں لے لیں اور انہیں روٹی دی۔ وہ روٹی اپنے دوستوں کی طرف لے گئے اور ان کے سامنے رکھی۔ بیٹا ڈر گیا کہ اگر میں کہوں کہ میں کون ہوں تو وہ اُس سے گریز کریں گے۔ وہ گیا تا کہ ماں سے مشورہ کرے کہ ان کو پانے کا راستہ کیا ہے۔ اس کی ماں نے صبر کرنے کا کہا۔ اس نے کہا کہ صبر کر یہاں تک کہ ہم حج گزار لیں۔

☆☆☆

چون پس رفت ابرهیم با یاران نشسته بود وصیت کرد یاران را که امروز درین حج زنان باشند و کود کان- چشم نگه دارید- همه قبول کردند- چون حاجیان در مکه آمدند و خانه را طواف کردند ابرهیم با یاران در طواف بود- پسری صاحب جمال در پیش آمد- ابرهیم تیز بدو نگریست- یاران آن بدیدند ازو عجب داشتند- چون از طواف فارغ شدند گفتند رحمك الله- مارا فرمودی که بهیچ زن و کودك نگاه مکنید و تو خود بغلامی نکوروی نگاه کردی- گفت شمادیدیت- گفتند دیدیم- گفت چون از بلخ بیامدم پسری شیر خواره رها کردم- چنین دانم که این غلام آن پسرست- روز دیگری یاری ازپیش ابرهیم بیرون شد و قافلهٔ بلخ را طلب کرد و بمیان قافله درآمد- بمیان خیمهٔ دیداز دیبا زده و کرسی درمیان خیمه نهاده و آن پسربر آن کرسی نشسته و قرآن میخواند و میگریست- ان یار ابرهیم بار خواست و گفت تو از کجائی؟ گفت من از بلخ- گفت پسر کیستی؟ پسر دست بر روی نهاد و گریه بر وافتاد و مصحف از دست بنهاد گفت من پدر راندیده ام مگردی روز- نمیدانم که او هست یا نه و میترسم که اگر گویم بگریزد که اواز ما گریخته است- پدر من ابرهیم ادهم است ملك بلخ-

الفاظ معانی:

چون: جب، نشستن: بیٹھنا، نگہ داشتن: سنبھال کے رکھنا، همه: سب، غلامی: ایک نوجوان لڑکا، نیک: خوبصورت، روز دیگر: دوسرے روز، کرسی: چوکی، نہادن: رکھنا، گریستن: رونا، بارخواستن: آنے کی اجازت چاہنا، مصحف: قرآن، دی روز: گذشتہ کل، گریختن: دور ہونا۔

ترجمہ:

جب وہ واپس گیا ابرہیم اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے دوستوں کو نصیحت کی کہ آج اس حج میں عورتیں ہوں گی اور لڑکے۔ نگاہ کی حفاظت کریں۔ سب نے قبول کیا۔ جب حاجی مکہ میں آئے اور انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ ابرہیم دوستوں کے ساتھ طواف میں تھے۔ ایک خوبصورت لڑکا سامنے آیا۔ ابرہیم نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔ ان کے دوستوں نے دیکھا اور اس پر تعجب کیا۔ جب طواف سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا رحمک اللہ (اللہ آپ پر رحم کرے) تو نے ہم سے کہا کہ کسی عورت اور لڑکے کی طرف نہ دیکھنا اور تو نے خود ایک خوبصورت چہرے والے نوجوان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے کہا آپ نے خود دیکھا۔ انہوں نے کہا ہاں ہم نے دیکھا۔ انہوں (ابرہیم) نے کہا جب میں بلخ سے آ رہا تھا میں نے ایک شیر خوار

کا قافلہ طلب کیا اور بلخ کا قافلہ طلب کیا اور قافلے کے درمیان
بیٹا چھوڑا۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ نوجوان لڑکا وہ بیٹا ہے۔ دوسرے روز ایک دوست ابرھیم کے پاس سے باہر گیا اور بلخ کا قافلہ طلب کیا اور قافلے کے درمیان
آ گیا۔ ریشمی کپڑے کے ایک خیمے کے درمیان دیکھا کہ اس نے خیمے کے درمیان چوکی رکھی ہے اور وہ لڑکا اس چوکی پر بیٹھا ہے اور قرآن پڑھ رہا ہے اور رو
رہا ہے۔ ابرہیم کے دوست نے اندر آنے کی اجازت چاہی اور کہا تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے کہا میں بلخ سے ہوں۔ اس نے کہا تو کس کا بیٹا ہے؟
لڑکے نے چہرے پر ہاتھ رکھ لیے اور رونے لگا اور قرآن ہاتھ سے رکھ دیا۔ اس نے کہا میں نے باپ کو نہیں دیکھا ہے سوائے گزشتہ کل کے۔ میں نہیں جانتا
کہ وہ ہے یا نہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں بتاؤں تو وہ گریز کریں گے کیونکہ وہ ہم سے دور ہو گئے ہیں۔ میرے والد ابرہیم ادھم ہیں بلخ کے بادشاہ۔

☆☆☆

آن مرد او رابر گرفت تاسوی ابرهیم آورد۔ مادرش با اوبهم برخاست و آمد تانزدیك ابرهیم و ابرهیم بایاران پیش رکن یمانی
نشسته بودند ازدور نگاه کرد آن یار خود را دید با آن کودك و مادرش۔ چون آن زن اور ابدید بخر و شید و صبرش نماند گفت اینك
پدرت۔ رستخیزی پدید آمد که صفت نتوان کرد۔ جمله خلق و یاران یکبار در گریه آمدند۔ چون پسر بخود آمد بر پدر سلام کرد۔
ابرهیم جواب داد و در کنارش گرفت و گفت بر کدام دینی؟ گفت بردین اسلام۔ گفت الحمد الله دیگر پرسید که قرآن می دانی؟
گفت دانم۔ گفت الحمدلله۔ دیگر پرسید که علم آموخته ای؟ گفت آموخته ام۔ گفت الحمدالله۔ پس ابرهیم خواست تا برود پسر
البته دست ازو رهانمی کرد و مادرش فریاد دربسته بود ابرهیم روی سوی آسمان کرد گفت الهی اغتنی پسر اندر کنار او جان بداد۔
یاران گفتند یا ابراهیم چه افتاد؟ گفت چون او را در کنار گرفتم مهر او دردلم بجنبید ندا آمد که ای ابرهیم **تدعی محبتنا و تحب معنا غیرنا**
دعوی دوستی ما کنی و باما بهم دیگری دوست داری و بدیگری مشغول شوی و دوستی بانبازی کنی و یاران را وصیت کنی که به
هیچ زن بیگانه و کودك نگاه مکنید و توبدان زن و کودك دل آویزیدی؟ چون این ندا بشنیدم دعا کردم که یا رب العزه مرا فریاد رس۔
اگر محبت اومرا از محبت تو مشغول خواهد کرد یا جان اوبر داریا جان من۔ در حق او اجابت افتاد۔ اگر کسی را از این حال عجب آید
گویم که ابرهیم پسر قربان کرد عجب نیست۔

الفاظ معانی:

برخاستن: **اٹھنا**، خروشیدن: **چلانا**، اینك: **وہ دیکھو**، رستخیزی: **قیامت**، جمله خلق: **تمام مخلوق**، بخود آمدن: **ہوش میں آنا**، آموختن: **سیکھنا**،
خواستن: **چاہنا**، اغتنی: **میری فریاد سن**، چه افتاد: **کیا ہوا**، جنبیدن: **حرکت میں آنا**، انبازی: **شرکت**، اجابت: **قبولیت**۔

ترجمہ:

اس آدمی نے اسے ساتھ لیا یہاں تک کہ ابرہیم کی طرف لے آیا۔ اس کی ماں بھی اس کے ساتھ اٹھی اور ابرہیم کے پاس آئی اور ابرہیم یاروں کے ساتھ رکن یمانی کے پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے دور سے دیکھا۔ اپنے اس یار کو اس لڑکے اور اس کی ماں کے ساتھ دیکھا۔ جب اس عورت نے اسے دیکھا تو چلائی اور اس میں صبر نہ رہا۔ اس نے کہا وہ دیکھو تمہارا باپ۔ ایسی قیامت برپا ہوئی کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ تمام مخلوق اور دوست اکٹھے رونے لگے۔ جب لڑکے کو ہوش آیا تو اس نے باپ کو سلام کیا۔ ابرہیم نے جواب دیا اور اسے بغل کیا اور کہا کس دین پر ہو؟ اس نے کہا دین اسلام پر۔ انہوں نے کہا الحمد للہ۔ مزید پوچھا کہ قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا پڑھا ہے۔ انہوں نے کہا الحمد للہ۔ مزید پوچھا کہ علم سیکھا ہے؟ اس نے کہا سیکھا ہے۔ انہوں نے کہا الحمد للہ پس ابرہیم نے جانا چاہا لیکن بیٹا ان کا ہاتھ نہیں چھوڑ رہا تھا اور اس کی ماں بھی مسلسل فریاد کر رہی تھی۔ ابرہیم نے آسمان کی طرف چہرہ کیا اور کہا الھی اغتنی (میرے معبود میری فریاد سن) بیٹے نے ان کے پہلو میں جان دے دی۔ یاروں نے کہا اے ابرہیم یہ کیا ہوا؟ انہوں نے کہا جب اس نے مجھے بغل کیا اس کی محبت میرے دل میں حرکت میں آئی۔ آواز آئی کہ اے ابرہیم تدعی محبتنا وتحب معنا غیرنا دوستی کا دعویٰ ہم سے کرتے ہو اور ہمارے ساتھ ساتھ

کسی اور کو بھی پسند کرتے ہو اور دوسرے کے ساتھ مشغول ہو جاتے ہو اور شرکت کی دوستی کرتے ہو اور یاروں کو نصیحت کرتے ہو کہ کسی غیر عورت اور لڑکے کو نہ دیکھو اور تو نے اس عورت اور لڑکے کے ساتھ دل لگا لیا؟ جب میں نے یہ آواز سنی تو دعا کی کہ یا رب العزت میری فریاد سن۔ اگر اس کی محبت مجھے تیری محبت سے مشغول کردے گی تو یا اس کی جان لے لے یا میری جان۔ قبولیت اس کے حق میں ہوئی۔ اگر کسی کو اس حالت پر تعجب ہو تو میں کہوں گا کہ ابرہیم نے بیٹا قربان کردیا عجیب بات نہیں ہے۔

☆☆☆

نقلست که ابرهیم گفت شبها فرصت میجستم تا کعبه را خالی یا بم از طواف و حاجتی خواهم هیچ فرصت نمی یافتم تا شبی بارانی عظیم میآمد برفتم و فرصت راغنیمت شمر دم تاچنان شد که کعبه ماند و من طوافی کر دم و دست در حلقه زدم و عصمت خواستم از گناه- ندائی شنیدم که عصمت میخواهی تواز گناه- همه خلق از من همین میخواهند اگر همه را عصمت دهم دریا هاء غفاری و غفوری و رحمانی و رحیمی من کجا شود- پس گفتم اللهم اغفرلی ذنوبی- ندائی شنودم که از همه جهان باما سخن گوئی و سخن خود مگوی آن به که سخن تودیگر ان گویند- درمناجات گفته است الهی تو میدانی که هشت بهشت در جنب اکرامی که بامن کردۂ اند کست و در جنب محبت خویش و درجنب انس دادن مرا بذکر خویش و در جنب فراغتی که مرا دادۂ در وقت تفکر کردن من در عظمت تو- و دیگر مناجات او این بود! یا رب مرا از دل معصیت بعز طاعت آور-

الفاظ معنی:

هیچ: کوئی، باران: بارش، عصمت: پاکدامنی، شنودم: میں نے سنی، سخن: بات، به: بہتر، هشت: آٹھ، درجنب، کے پہلو میں، اکرام: عزت، مناجات: دعا، معصیت: گناہ، اند کست: کم ہے، درجنب: کے برابر

ترجمہ:

کہا جاتا ہے کہ ابرہیم نے کہا راتوں کو میں موقع کی تلاش میں تھا تاکہ کعبہ کو طواف سے خالی پاؤں اور حاجت عرض کروں۔ کوئی موقع نہیں پار ہا تھا یہاں تک کہ ایک رات شدید بارش آرہی تھی اور میں نے موقع غنیمت جانا یہاں تک کہ ایسا ہوا کہ کعبہ تنہا رہ گیا اور میں نے ایک طواف کیا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے لگا اور گناہوں کی بخشش چاہی۔ میں نے ایک آواز سنی کہ تو گناہوں کی بخشش چاہتا ہے۔ تمام مخلوق مجھ سے یہی چاہتی ہے اگر میں سب کو پاکدامنی دے دوں میری غفاری، غفوری، رحمانی اور رحیمی کے دریا کہاں جائیں گے۔ پھر میں نے کہا اللھم اغفرلی ذنوبی (اے اللہ میرے گناہ معاف فرما) میں نے ایک آواز سنی کہ تو ہم سے ساری دنیا کی بات کرتا ہے اور اپنی بات نہیں کرتا۔ یہ بہتر ہے کہ تیری بات دوسرے کہیں۔ دعاؤں میں انہوں نے کہا ہے اے اللہ تو جانتا ہے کہ وہ اکرام جو تو نے مجھ پر کیے ہیں اور اپنے ذکر سے تو نے مجھے جو انس اور اپنی محبت دی ہے اور وہ فراغت جو تو نے اپنی عظمت کے بارے میں غور سے سوچنے کے لیے مجھے عطا کی ہے، ان کے مقابلے میں آٹھ بہشتیں کم ہیں۔ اور ان کی اور دعا یہ تھی! یا اللہ مجھے گناہ کے دل سے اطاعت کی عزت پر لا۔

☆☆☆

میگفتی: الهی آه من عرفك فلم يعرفك فكيف حال من لم يعرفك آه آنك ترا میداند نمیداند پس چگونه باشد حال کسی که ترا نداند- نقلست که گفت پانزده سال سختی و مشقت کشیدم تا ندائی شنیدم که کن عبداً استرحت بروبنده باش و در راحت افتادی یعنی فاستقم کما امرت- نقلست که ازو پرسیدند که ترا چه رسید که آن مملکت را بماندی؟ گفت روزی بر تخت نشسته بودم آئینۂ در پیش من داشتند در آن آئینه نگاه کردم منزل خود گوردیدم و در آن مونسی نه، سفری دراز دیدم در پیش و مرا زادی نه، قاضئ عادل دیدم و مرا حجت نه، ملك بردلم سردشد، گفتند چرا از خراسان بگریختی گفت آنجابسی میشنیدم که دوش چون بودئ و امروز چگونۂ، گفتند

چرازنی نمیخواهی؟ گفت هیچ زن شوئی کند تا شوهر گرسنه و برهنه داردش، گفتند نه۔ گفت من از آن زن نمیکنم که هرزنی که من کنم گرسنه و برهنه ماند۔ اگر توانمی خود را طلاق دهمی دیگری برفتراك باخویشتن غره چون کنم؟ پس از درویشی که حاضر بود پرسید کہ زن داری؟ گفت نی۔ گفت فرزند داری؟ گفت نی، گفت نیك نیك است درویش گفت چگونه؟ گفت آن درویش کہ زن کرد در کشتی نشست و چون فرزند آمد غرق شد۔

الفاظ معانی:

چگونہ: کس طرح، پانزدہ: پندرہ، برو: جا، ازو: اس سے، گور: قبر، مونس: دوست، زادی: کوئی زادراہ، حجت: ثبوت، چرا: کیوں، امروز: آج، چگونۂ: کیسے ہو، شوئی: شوہر، گرسنہ: بھوکا، فتراك: زین کا تسمہ، غرہ: کسی کو فضول امیدوار کرنا۔

ترجمہ:

وہ کہتے تھے الٰهی آہ من عرفک فلم یعرفک فکیف حال من لم یعرفک آہ آنک (میرے معبود! جو تیری معرفت رکھتا تھا اس نے تجھے نہیں پہچانا تو اس کا کیا حال ہوگا جو تجھے پہچانتا ہی نہیں) آہ وہ جو تجھے جانتا ہے وہ تجھے نہیں جانتا پس اس کا حال کیسا ہوگا جو تجھے نہیں جانتا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے پندرہ سال سختی اور مشکل برداشت کی تب ایک آواز سنی کہ کن عبداً استراحت (غلام بن جاؤ تو آرام پاؤ گے) جابندہ بن کر رہ اور تو آسودگی میں آ گیا۔ یعنی فاستقم کما امرت (اس طرح ڈٹے رہیے جس طرح آپ کو حکم ملا ہے) روایت ہے کہ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ تجھے کیا ہوا کہ تو نے وہ مملکت چھوڑ دی؟ انہوں نے کہا ایک دن میں تخت پر بیٹھا تھا۔ انہوں نے آئینہ میرے سامنے پکڑا۔ میں نے اس آئینہ میں دیکھا۔ میں نے اپنی منزل قبر دیکھی اور اس میں کوئی دوست نہیں۔ ایک دراز سفر آگے دیکھا اور میرے پاس زادراہ نہیں۔ عادل قاضی دیکھا اور میرے پاس دلیل نہیں، ملک سے میرا دل سرد ہو گیا۔ انہوں (لوگوں) نے کہا خراسان کو کیوں چھوڑا؟ انہوں نے کہا وہاں بہت سنتا تھا کہ کل تو کیسے تھا اور آج کیسا ہے؟ انہوں (لوگوں) نے کہا کسی کو بیوی کیوں نہیں بناتے؟ انہوں نے کہا کوئی عورت ایسا شوہر کرے گی جو شوہر اسے بھوکا اور برہنہ رکھے؟ انہوں (لوگوں) نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا میں اس وجہ سے شادی نہیں کرتا کہ جس عورت کو میں بیوی بناؤں بھوکی اور ننگی رہے گی۔ اگر میں کر سکتا تو خود کو طلاق دے دیتا کسی اور کو زین کے تسمے پر اپنے ساتھ فضول اُمیدوار کیسے کروں؟ پھر ایک درویش سے جو موجود تھا انہوں نے پوچھا کہ تمہاری بیوی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا اولاد ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا اچھا ہی اچھا ہے۔ درویش نے کہا کیسے؟ انہوں نے کہا وہ درویش جس نے بیوی کی وہ کشتی میں بیٹھا اور جب اولاد ہوئی غرق ہو گیا۔

☆☆☆

نقلست کہ یك روز درویشی را دید کہ مینالید۔ گفت پنداریم که درویشی را رایگان خریدۂ۔ گفت درویشی را خرند! گفت؟ باری من بملك بلخ خریدم هنوز به ارزد۔ نقلست که کسی ابرهیم را هزار دینار آورد که بگیر۔ گفت من از درویشان نستانم۔ گفت من توانگرم۔ گفت از آنکه داری زیادت بایدت؟ گفت باید، گفت برگیر سرهمه درویشان توئی، خود این درویشی نمی بود گدائی بود۔ سخن اوست کہ گفت سخت ترین حالی کہ مرا پیش آید آن بود که جائی برسم که مرا بشناسند که در آمدندی خلق و مرا بشناختندی و مرا مشغول کر دندی۔ آنگاه مرا از آنجا باید گریخت ندانم که کدام صعبتراست؟ بوقت ناشناختن دل کشیدن یا بوقت شناختن از غز گریختن۔ وگفت مادرویشی جستیم توانگری پیش آمد ۔ مردمان دیگر توانگری جستند ایشانرا درویشی پیش آمد۔ مردی ده هزاردرم پیش او برد نپذیرفت گفت میخواهی که نام من از میان درویشان پاك کنی باین قدر سیم!

الفاظ و معانی:

زاری: آہ وزاری کرنا، رایگان: مفت، هنوز: ابھی، ارزیدن: قابل قدر ہونا، توانگر: امیر، سر: سردار، برسم: میں پہنچوں، صعبتر: زیادہ دشوار، شناختن: پہچاننا، حرب: جنگ، گریختن: فرار کرنا، جستن: تلاش کرنا، پیش آمدن: آگے آنا، مردمان: لوگ، نپذیرفت: قبول نہ کیا، سیم: چاندی، روپیہ پیسہ۔

ترجمہ:

کہا جاتا ہے کہ ایک روز انہوں نے ایک درویش کو دیکھا جو آہ وزاری کر رہا تھا۔ انہوں نے کہا ہمارا خیال ہے کہ تو نے درویشی مفت میں خریدی ہے۔ اس نے کہا درویشی کو خریدتے ہیں؟ انہوں نے کہا ایک مرتبہ میں نے ملک بلخ کے بدلے خریدی ابھی تک قابل قدر ہے۔ روایت ہے کہ کوئی ابرہیم کے لیے ہزار دینار لایا کہ وہ لے لیں۔ انہوں نے کہا میں درویشوں سے نہیں لیتا۔ اس نے کہا میں امیر ہوں۔ انہوں نے کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے تمہیں اس سے زیادہ چاہیے؟ اس نے کہا چاہیے۔ انہوں نے کہا لے لو سب درویشوں کے سردار تم ہو۔ یہ خود درویشی نہیں ہے گدائی ہے۔ ان کی بات ہے کہ انہوں نے کہا کہ مشکل ترین حالت جو مجھے پیش آئی ہے وہ یہ ہے کہ میں کسی ایسی جگہ پہنچوں کہ وہ مجھے جانتے ہوں کیونکہ مخلوق آتی، مجھے پہچانتی اور مجھے مشغول کرتی۔ اس وقت مجھے وہاں سے فرار کرنا ہوتا۔ میں نہیں جانتا کہ کون سی (حالت) زیادہ دشوار ہے، جب نہ پہچانیں اس وقت دل اٹھانا یا جب پہچانیں تو اس وقت جنگ سے فرار کرنا۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم نے درویشی تلاش کی اور مالداری آگے آئی۔ دوسرے لوگوں نے مالداری تلاش کی اور درویشی آگے آئی۔ ایک آدمی دس ہزار درہم ان کے پاس لے گیا۔ انہوں نے قبول نہیں کیے۔ کہا تو چاہتا ہے کہ میرا نام اس قدر پیسوں سے درویشوں کے درمیان صاف کردے۔

☆☆☆

نقلست که چون واردی از غیب فرو آمدی گفتی کجا اند ملوک دنیا تا بینند که این چه کار و باریست تا از ملک خودشان ننگ آید۔ و گفت صادق نیست هر که شهوت طلب کند۔ و گفت اخلاص صدق نیت است با خدای تعالی۔ و گفت هر که دل خود را حاضر نیابد در سه موضع نشان آنست که در بر وی بسته اند: یکی در وقت خواندن قرآن۔ دوم در وقت ذکر گفتن۔ سوم در وقت نماز کردن۔ و گفت علامت عارف آن بود که بیشتر خاطر او در تفکر بود و در عبرت و بیشتر سخن او ثنا بود و مدحت حق و بیشتر عمل او طاعت و بیشتر نظر او در لطایف صنع بود و قدرت۔ و گفت سنگی دیدم در راهی افگنده و بروی نبشته که اقلب و اقرأ برگردان و برخوان۔ برگردانیدم و برخواندم بدان سنگ نوشته بود که چون تو عمل نکنی بدانچه میدانی چگونه میطلبی آنچه نمیدانی۔ و گفت در این طریق هیچ چیز بر من سخت تر از مفارقت کتاب نبود که فرمودند که مطالعه مکن۔ و گفت گران ترین اعمال در ترازو آن خواهد بود فردا که امروز بر تو گران ترست۔ و گفت سه حجاب باید که از پیش دل سالک برخیزد تا در دولت برو گشاده گردد: یکی آنکه اگر مملکت هر دو عالم بعطای ابدی بدو دهند شاد نگردد از برای آنکه بموجودی شاد گردد هنوز مردی حریص است والحریص محروم۔ دوم حجاب آنست که اگر مملکت هر دو عالم او را بود و از و بستانند بافلاس اندوهگین نگردد۔ از برای آنکه این شان سخط بود والساخط معذب۔ سوم آنکه بهیچ مدح و نواخت فریفته نگردد که هر که بنواخت فریفته گردد حقیر همت بود و حقیر همت محجوب بود عالی همت باید که بود۔

الفاظ و معانی:

حجاب: پردہ، فرود آمدن: نیچے اترنا، کجا: کہاں، ننگ: شرم، بروی: اس پر، مدحت: تعریف، صنع: تخلیقی قوت، نبشتن: لکھنا، برگردان: الٹا، برخوان: پڑھو، مفارقت: جدائی، گران: بھاری، شاد: خوش، اندوهگین: غمگین، سخط: عدم قناعت، نواخت: نوازش۔

ترجمہ:

روایت ہے جب غیب سے کوئی چیز نیچے اترتی تو وہ کہتے کہ دنیا کے بادشاہ کہاں ہیں تا کہ دیکھیں کہ یہ کیا کاروبار ہے تا کہ ان کو اپنے ملک سے شرم آئے۔ اور انہوں نے کہا ہر وہ جو شہوت طلب کرے وہ صادق نہیں ہے اور انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے ساتھ صدق نیت اخلاص ہے۔ اور انہوں نے کہا جو کوئی اپنے دل کو تین مقام پر حاضر نہ پائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ انہوں نے دروازہ اس پر بند کر دیا ہے: پہلا وقت پر قرآن پڑھنا۔ دوسرا وقت پر ذکر (الٰہی) کرنا۔ تیسرا وقت پر نماز پڑھنا۔ اور انہوں نے کہا عارف کی علامت یہ ہے کہ اس کا ذہن زیادہ تر سوچ اور عبرت میں رہتا ہے۔ اور اس کی زیادہ تر بات اللہ تعالیٰ کی ثنا اور تعریف ہوتی ہے۔ اور اس کا زیادہ تر عمل اطاعت اور اس کی زیادہ تر نظر لطیف تخلیقی قوت اور قدرت پر ہوتی ہے۔ اور انہوں نے کہا میں نے ایک راستے میں ایک پتھر پڑا دیکھا اور اس پر لکھا تھا کہ اقلب واقراء الٹا اور پڑھ۔ میں نے الٹایا اور پڑھا۔ اس پتھر پر تحریر تھا جب تو اس پر عمل نہیں کرتا جسے تو جانتا ہے تو پھر کیسے وہ چیز طلب کرتا ہے جسے تو نہیں جانتا۔ اور انہوں نے کہا کہ اس راستے میں مجھ پر کوئی چیز کتاب کی جدائی سے زیادہ سخت نہیں تھی کہ انہوں نے فرمایا کہ مطالعہ نہ کر۔ اور انہوں نے کہا کل کو ترازو میں وزنی ترین اعمال وہ ہوں گے جو آج تجھ پر سنگین تر ہیں۔ اور انہوں نے کہا تین حجاب سالک کے دل کے آگے سے ہٹنے چاہئیں تا کہ دولت کا دروازہ اس پر کھل جائے: ایک یہ کہ اگر دونوں جہانوں کی مملکت اسے ہمیشہ کے لیے عطا کر دیں تو خوش نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ وہ ایک ہستی (اللہ تعالیٰ) سے خوش ہوتا ہے اور ابھی تک حریص آدمی ہے والحریص محروم (لالچی محروم رہتا ہے)۔ دوسرا حجاب یہ ہے کہ اگر دونوں جہانوں کی مملکت اس کے پاس ہو اور اس سے لے لیں تو وہ مفلسی میں غمگین نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ یہ (غمگین ہونا) عدم قناعت کی علامت ہے والساخط معذب (ناراض ہونے والا عذاب میں مبتلا رہتا ہے) تیسرا یہ کہ وہ کسی تعریف اور نوازش پر فریفتہ نہیں ہوتا کیونکہ جو کوئی نوازش پر فریفتہ ہو جائے وہ کم ہمت ہے اور کم ہمت پردہ دار ہوتا ہے۔ عالی ہمت ہونا چاہیے۔

☆☆☆

نقلست که یکی را گفت خواهی که از اولیا باشی- گفت بلی- گفت بیك ذره دنیا و آخرت رغبت مکن وروی بخدای آر بکلیت وخویشتن از ما سوی الله فارغ گردان و طعام حلال خور، برتونه صیام روزست ونه قیام شب- و گفت هیچکس درنیافت پایگاه مردان بنماز و روزه و غزو وحج مگر بدانکه بدانست که در حلق خویش چه در میاورد- گفتند جوانی است صاحب وجد و حالتی دارد و ریاضتی شگرف میکندابرهیم گفت مرا آنجاً برید تا او رابینم- ببردند- جوان گفت مهمان من باش سه روز- آنجا باشید و مراقبت حال آن جوان کرد- زیادت از آن بود که گفته بودند- جمله شب بی خواب و بی قرار بود- یك لحظه نمی آسود و نمی خفت- ابرهیم راغیرتی آمد گفت ما چنین فسرده ووی جملهٔ شب بی خواب و بی قرار- گفت بیاتابحث حال او کنیم تا هیچ از شیطان درین حالت راه یافته است یا همه خالص است چنانکه میباید- پس باخود گفت آنچه اساس کارست تفحص باید کرد- پس اساس کار واصل کار لقمه است- بحث لقمهٔ او کردند بروجه حلال بود- گفت الله اکبر شیطانیست- پس جوان را گفت من سه روز مهمان تو بودم باز توبیا و چهل روز مهمان من باش- جوان گفت چنان کنم- ابرهیم از مزدوری لقمه خوردی- پس جوان را بیاورد و لقمهٔ خویش میداد- جوانرا حالتش گم شد و شوقش نماند و عشقش ناپدید گشت- آن گرمی و بی قراری و بی خوابی و گریه وی پاك برفت- ابرهیم را گفت آخر تو بامن چه کر دی؟ گفت آری لقمه تو بوجه نبود- شیطان با آن همه در تومیرفت و میآمد چون لقمهٔ حلال بباطن تو فروشد آنچه ترا مینمود چون همه نمود شیطانی بود بلقمهٔ حلال که اصل کارست پدید آمد تا بدانی که اساس این حدیث لقمهٔ حلال بود-

الفاظ معانی:

کلیت : عمومیت، خویشتن: خود، پایگاہ: مرتبہ، غزو: جہاد، شگرف: نہایت عمدہ، مراقبت: نگرانی، جملہ شب: تمام رات، خفتن: سونا، غیرتی : ایک

جوش،فسردہ: افسردہ،تفحص: دقیق تلاش،اساس کار: کام کی بنیاد،ناپدید گشتن: غایب ہونا،گریہ: رونا،فروشدن: اندر جانا،پدید آمدن : ظاہر ہونا۔

ترجمہ:

روایت ہے کہ انہوں نے کسی سے کہا کہ کیا تو اولیاء میں شامل ہونا چاہتا ہے۔اس نے کہاہاں ۔دنیااور آخرت کی طرف ایک ذرہ رغبت نہ کر۔ اپنے وجوداور عمومیت سے خدا کی طرف رخ کر۔غیر اللہ سے ناتا توڑ لےاور حلال رزق کھا۔تجھ پر نہ دن کا روزہ ہےاور نہ رات کا قیام (یعنی عبادت) اورانہوں نے کہا کسی نے مردوں کا رتبہ نماز، روزہ، جہاداور حج سے نہیں پایا مگراس سے کہ اس نے جان لیا کہ وہ حلق میں کیا ڈالتا ہے۔(لوگوں نے) کہا ایک نوجوان ہے صاحب وجداور صاحب حالت ہےاور نہایت عمدہ ریاضت کرتا ہے۔ابرہیم نے کہا مجھے وہاں لے جائیں تاکہ میں اس سے ملوں۔انہیں لے گئے۔نوجوان نے کہا تین دن میرے مہمان بن کر رہو۔وہ وہاں رہےاوراس نوجوان کی حالت کی نگرانی کی۔اس سے بھی زیادہ تھی جوانہوں نے کہی تھی۔تمام رات بیداراور بے قرار تھا۔ایک لمحہ کے لیے نہ آسودہ ہوتااور نہ سوتا۔ابرہیم کو جوش آیا کہاہم اس قدر افسردہ اور وہ تمام رات بیداراور بے قرار۔ آتا کہ اس کی حالت کو جانچیں کہ اس حالت میں کوئی شیطان راستہ پا گیا ہے یا سب خالص ہے۔ایسا کرنا چاہیے۔پھرانہوں نے اپنے آپ سے کہا جو کچھ کام کی بنیاد ہےاس کی باریکی سے تلاش کرنی چاہیے۔پس کام کی بنیاداور کام کی حقیقت لقمہ ہے۔انہوں نے اس کے لقمہ کو جانچا کی حلال کمائی سے نہ تھا۔انہوں نے کہااللہ اکبر شیطان ہے۔پھرنوجوان سے کہامیں تین دن تیرا مہمان تھا۔اب تو آ اور چالیس دن میرا مہمان بن کر رہ۔نوجوان نے کہاایسا ہی کروں گا۔ابرہیم مزدوری کا لقمہ کھاتے تھے۔پھروہ نوجوان کو لائے اوراسے اپنا لقمہ دیتے رہے۔نوجوان کی وہ حالت جاتی رہی اوراس کا وہ شوق باقی نہ رہااوراس کا عشق غایب ہوگیا۔اس کی وہ گرمی ، بے قراری، بیداری اور رونا مکمل طور پر جاتے رہے۔ابرہیم سے کہا آخر تو نے میرے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے کہاں ہاں تیرالقمہ حلال آمدنی سے نہ تھا۔شیطان اس کے ساتھ تیرے اندر سب جگہ جاتا اور آتا۔جب حلال لقمہ تیرے باطن میں داخل ہوا تو جو کچھ وہ تیرے ساتھ کرتا تھا چونکہ وہ سب شیطانی تھا حلال لقمہ کے ساتھ جو کہ کام کی حقیقت ہے ظاہر ہوگیا تاکہ تو جان لے کہ اس بات کی بنیاد حلال لقمہ ہے۔

☆☆☆

نقلست که سفیان را گفت هر که شناسد آنچه میطلبد خوار گردد در چشم او آنچه بذل باید کرد و سفیان را گفت تو محتاجی باندك یقین اگرچه علم بسیار داری۔ نقلست که یك روز ابرهیم و شقیق هر دو بهم بودند شفیق گفت چرا از خلق میگریزی؟ گفت دین خویش در کنار گرفته و ازابن شهر بدان شهر و ازین سر کوه بدان سر کوه میگریزم هر که مرابیند پندارد که حمائی ام یا وسواسی دارم تا مگر دین از دست ابلیس نگاه دارم و بسلامت ایمان از دروازه مرگ بیرون بروم ۔ نقلست که در رمضان بروز گیاه درودی و آنچه بدادندی بدرویشان دادی و همه شب نماز کر دی وهیچ نخفتی۔ گفتند چرا خواب با دیدۂ تو آشنا نشود؟ گفت زیرا که یك ساعت از گریستن نمیآسایم چون بدین صفت باشم خواب مرا چگونه جایز بود۔ چون نماز بگزاردی دست بروی خود باز نهادی و گفتی: می ترسم که نباید برویم باز زنند۔ نقلست که یك روز هیچ نیافت، گفت الهی اگرم هیچ ندهی بشکرانه چهار صد رکعت نماز زیادت کنم۔ سه شب دیگر هیچ نیافت همچنین چهار صد رکعت نماز کرد تا شب هفتمین رسید۔ ضعفی در وی پدید آمد۔ گفت الهی اگرم بدهی، شاید۔ درحال جوانی بیامد گفتش بقوتی حاجت هست؟ گفت هست۔ او را بخانه برد۔چون در روی اونگریست نعرۂ بزد؟ گفت چه بود؟ گفت من غلام توام هرچه دارم از آن تست۔ گفت آزادت کردم و هرچه دردست تواست بتو بخشیدم مرا دستوری ده تا بروم و بعد ازین گفت عهد کر دم الهی بجزاز تو هیچ نخواهم که از کسی نان خواستم دنیا را پیش من آوردی۔

الفاظ معانی:

بذل کردن: فیاضی سے خرچ کرنا، اندک: تھوڑا، بسیار: بہت، چرا: کیوں، بروز: دن کو، درودن: کاٹنا، گریستن: رونا، چگونہ: کس طرح، ترسیدن: ڈرنا، همچنین: اسی طرح، ضعف: کمزوری، شاید: مناسب ہے، درحال: اسی وقت، قوت: کھانا۔

ترجمہ:

کہا جاتا ہے کہ انہوں نے سفیان سے کہا کہ جو کوئی پہچان لے کہ وہ جو کچھ طلب کرتا ہے اس کی نظروں میں خوار ہو جاتا ہے۔ اسے وہ فیاضی سے خرچ کرنا چاہیے۔ اور انہوں نے سفیان سے کہا کہ تو تھوڑے سے یقین کا محتاج ہے اگر چہ علم بہت رکھتا ہے۔ روایت ہے کہ ایک دن ابرہیم اور شفیق دونوں اکٹھے تھے۔ شفیق نے کہا مخلوق سے دور کیوں بھاگتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنا دین پہلو میں لے لیا ہے اور اس شہر سے اس شہر اور پہاڑ کی اس چوٹی سے پہاڑ کی اُس چوٹی تک بھاگتا ہوں۔ جو کوئی مجھے دیکھتا ہے گمان کرتا ہے کہ وہمی ہوں یا وسواس رکھتا ہوں۔ تاکہ شاید دین کو ابلیس کے ہاتھ سے بچا کر رکھوں اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ موت کے دروازے سے باہر لے جاؤں۔ کہا جاتا ہے کہ رمضان میں دن کو گھاس کاٹتے اور جو کچھ انہیں (گھاس کے عوض) دیتے وہ درویشوں کو دے دیتے اور ساری رات نماز پڑھتے اور بالکل نہ سوتے۔ انہوں (لوگوں) نے کہا نیند کیوں تمہاری آنکھوں سے آشنا نہیں ہوتی؟ انہوں نے کہا کیونکہ میں گھڑی بھر کے لیے رونے سے آسودہ نہیں ہوتا۔ جب میں اس صفت کے ساتھ رہوں تو نیند میرے لیے کیسے جائز ہو۔ جب وہ نماز ادا کرتے تو اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ لیتے اور کہتے: مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ میرے چہرے پر (نماز) واپس نہ ماریں۔ روایت ہے کہ ایک روز انہیں کچھ نہ ملا۔ انہوں نے کہا الٰہی اگر تو مجھے کچھ نہ دے تو میں شکرانہ کی چار سو رکعت نماز زیادہ پڑھوں گا۔ مزید تین راتیں کچھ نہ ملا۔ اسی طرح انہوں نے چار سو رکعت نماز ادا کی۔ یہاں تک کہ ساتویں رات آن پہنچی۔ ان پر کمزوری طاری ہوگئی۔ انہوں نے کہا الٰہی اگر تو مجھے دے تو مناسب ہے۔ اس وقت ایک نوجوان آیا۔ اس نے کہا کھانا چاہیے؟ انہوں نے کہا چاہیے۔ وہ انہیں اپنے گھر لے گیا۔ جب ان کے چہرے کو دیکھا تو پکار اٹھا۔ انہوں نے کہا کیا ہے؟ اس نے کہا میں آپ کا غلام ہوں میرے پاس جو کچھ ہے وہ آپ کا ہے۔ انہوں نے کہا میں نے تجھے آزاد کیا اور جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے میں نے تمہیں بخشا۔ مجھے اجازت دو تاکہ میں جاؤں اور اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میں نے عہد کیا کہ الٰہی تیرے سوا کسی سے کچھ نہیں چاہوں گا کیونکہ میں نے کسی سے روٹی چاہی اور تو دنیا میرے پاس لے آیا۔

☆☆☆

نقلست که سه تن همراه او شدند۔ یك شب در مسجدی خراب عبادت میکردند۔ چون بخفتند وی بر درایستاد تا صبح۔ او را گفتند چرا چنین کردی؟ گفت هوا عظیم سرد بود و باد سرد خویشتن را بجای در کردم تاشما را رنج کمتربود۔ نقلست که عطاء سلمی آورده است باسناد عبدالله مبارك که ابرهیم درسفری بود وزادش نماند۔ چهل روز صبر کرد و گل خورد و باکس نگفت۔ تارنجی از وی به برادران وی نرسد۔ نقلست که سهل بن ابرهیم گوید با ابرهیم ادهم سفر کر دم۔ من بیمار شدم۔ آنچه داشت بفروخت و برمن نفقه کرد۔ آرزوئی از وی خواستم۔ خری داشت بفروخت و برمن نفقه کرد۔ چون بهتر شدم گفتم خر کجاست؟ گفت بفروختم۔ گفتم بر کجا نشینم؟ گفت یا برادر بر گردن من نشین سه منزل مرا بر گردن نهاد و ببرد۔ نقلست که عطاء سلمی گفت یکبار ابرهیم را نفقه نماند پانزده روز ریگ خورد۔ گفت از میوۂ مکه چهل سالست تا نخورده ام و گرنه در حال نزع بودمی خبر نکردمی واز بهر آن نخورد که لشکریان بعضی از آن زمینهاء مکه خریده بودند۔

الفاظ معانی:

سیہ تن: تین شخص، خراب: ویران، خفتن: سونا، ایستادن: کھڑے ہونا، چنین: ایسا، زاد: زادِراہ، گل: مٹی، خر: گدھا، کجا: کہاں، ریگ: ریت، میوہ: پھل، نزع: جان کنی۔

ترجمہ:

روایت ہے کہ تین شخص ان کے ہمراہ ہولیے۔ وہ ایک رات ایک ویران مسجد میں عبادت کر رہے تھے۔ جب وہ سو گئے تو وہ (ابرہیم) صبح تک دروازے میں کھڑے رہے۔ انہوں نے ان سے کہا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا موسم بہت ٹھنڈا تھا اور ہوا سرد تھی۔ میں نے خود کو دروازے کی جگہ کھڑا کرلیا تا کہ آپ کو تکلیف کمتر ہو۔ روایت ہے کہ عطاء سلمی نے عبداللہ مبارک کی اسناد سے بیان کی ہے کہ ابرہیم ایک سفر میں تھے اور زادراہ نہ رہا۔ چالیس روز صبر کیا اور مٹی کھائی اور کسی سے نہ کہا تا کہ ان کی کوئی تکلیف ان کے بھائیوں تک نہ پہنچے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سھل بن ابرہیم کا کہنا ہے کہ میں نے ابرہیم ادھم کے ساتھ سفر کیا۔ میں بیمار ہوگیا۔ ان کے پاس جو کچھ تھا انہوں نے بیچ دیا اور مجھ پر خرچ کردیا۔ میں نے ان سے ایک خواہش کا اظہار کیا۔ ان کے پاس ایک گدھا تھا انہوں نے بیچ دیا اور مجھ پر خرچ کردیا۔ جب میں بہتر ہوا تو میں نے کہا گدھا کہاں ہے؟ انہوں نے کہا میں نے بیچ دیا۔ میں نے کہا میں کس پر بیٹھوں؟ انہوں نے کہا اے بھائی میری گردن پر بیٹھ۔ انہوں نے مجھے گردن پر بیٹھایا اور تین منزل تک لے گئے۔ روایت ہے کہ عطاء سلمی نے کہا ایک مرتبہ ابرہیم کے پاس خرچہ نہ رہا انہوں نے پندرہ دن ریت کھائی۔ انہوں نے کہا چالیس سال ہوگئے میں نے مکہ کا پھل نہیں کھایا ہے۔ وگرنہ جان کنی کی حالت میں ہوتا تو خبر نہ کرتا۔ اور انہوں نے اس لیے نہ کھایا کہ لشکر والوں نے ان زمینوں میں سے کچھ خرید لی تھیں۔

☆☆☆

نقلست که چندین حج پیاده بکرد از چاه زمزم آب برنکشید گفت زیرا که دلوورسن آن ازمال سلطان خریده بودند۔ نقلست که هر روزی بمزدوری رفتی و تاشب کار کردی و هرچه بستدی دروجه یاران خرج کر دی اما تا نماز شام بگزاردی و چیزی بخریدی و بریاران آمدی شب درشکسته بودی۔ یك شب یاران گفتند اودیر میآید بیائید تا ما نان بخوریم و بخسبیم تا او بعد ازین بگاه تر آید و مارا در بند ندارد۔ چنان کردند چون ابراهیم بیامد ایشانرا دید خفته پنداشت که هیچ نخورده بودند و گرسنه خفته اند درحال آتش در گیرانید و پارهٔ آرد آورده بود خمیر کرد تا ایشانرا چیزی بسازد۔ تا چون بیدار شوند بخورند تا روز روزه توانند داشت۔ یاران از خواب در آمدند اورا دیدند محاسن برخاك نهاده و در آتش پف پف میکرد و آب از چشم او می رفت و دور گرد بر گرد اور گرفته گفتند چه میکنی۔ گفت شمارا خفته دیدم گفتم مگر چیزی نیافته اید و گرسنه بخفته اید از جهت شما چیزی میسازم تا چون بیدار شوید تناول کنید۔ ایشان گفتند بنگرید که او باما درچه اندیشه است و مابا او در چه اندیشه بودیم۔ نقلست که هر که با او صحبت خواستی داشت شرط کردی گفتی اول من خدمت کنم و بانگ نماز من گویم و هر فتوحی که باشد دنیائی هر دو برابر باشیم۔ وقتی مردی گفت من طاقت این ندارم ابرهیم گفت من در عجب مانده ام از صدق تو۔

الفاظ معانی:

چندین: کئی، پیاده: پیدل، چاه: کنواں، زیرا: کیونکہ، دلو ورسن: ڈول اور رسی، کار کردن: کام کرنا، وجہ یاران: یاروں کے لیے، نان: روٹی، مارا: ہمیں، چنان: ایسا، ایشانرا: ان کو، پنداشتن: گمان کرنا، گرسنہ: بھوکے، گیرانیدن: روشن کرنا، پارۂ آرد: تھوڑا سا آٹا، خمیر کردن: گوندھنا، محاسن: داڑھی، پف پف کردن: پھونکیں مارنا، دود: دھواں، جہت شما: آپ کے لیے، تناول کردن: کھانا، بنگرید: دیکھیں، اندیشہ: سوچ، بانگ: اذان، فتوح: کامیابی، صدق: سچائی۔

ترجمہ:

بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کئی حج پیدل کیے۔ زمزم کے کنویں سے پانی نہیں نکالا۔ انہوں نے کہا کیونکہ اس کا ڈول اور رسی انہوں نے سلطان کے مال سے خریدی تھی۔ روایت ہے کہ وہ ہر روز مزدوری پر جاتے اور رات تک کام کرتے۔ اور جو کچھ کماتے یاروں کے لیے خرچ کر دیتے۔ لیکن جب تک وہ شام کی نماز ادا کرتے اور کوئی چیز خریدتے اور یاروں کے پاس آتے رات ہو چکی ہوتی۔ ایک رات یاروں نے کہا وہ دیر سے آتے ہیں۔ آؤ ہم روٹی کھالیں اور سو جائیں۔ تاکہ وہ اس کے بعد تھوڑا جلدی آئیں اور ہمیں پابند نہ رکھیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب ابرہیم آئے انہیں سوئے ہوئے دیکھا تو گمان کیا کہ انہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا اور بھوکے سو گئے ہیں۔ انہوں نے اسی وقت آگ جلائی اور وہ تھوڑا سا آٹا لائے تھے اسے گوندھا تاکہ ان کے لیے کچھ بنائیں۔ تاکہ جب وہ بیدار ہوں تو کھائیں۔ اور دن کو روزہ رکھ سکیں۔ دوست نیند سے بیدار ہوئے انہیں دیکھا کہ انہوں نے اپنی داڑھی مٹی پر رکھی ہوئی تھی اور آگ میں پھونکیں مار رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا اور دھواں ان کے گرد اکٹھا تھا۔ انہوں (دوستوں) نے کہا آپ کیا کر رہے ہیں؟ انہوں نے کہا میں نے آپ کو سویا دیکھا تو کہا شاید آپ کو کوئی چیز نہیں ملی ہے اور آپ بھوکے سوئے ہوئے ہیں۔ آپ کے لیے کوئی چیز بنا رہا ہوں تاکہ جب آپ جاگیں تو کھائیں۔ انہوں نے کہا دیکھیں کہ وہ ہمارے بارے میں کس سوچ میں ہیں اور ہم ان کے بارے میں کیا سوچا تھا۔ روایت ہے کہ جو کوئی ان کی صحبت چاہتا تو وہ شرط رکھتے۔ وہ کہتے پہلے میں خدمت کروں گا اور نماز کی اذان میں دوں گا اور ہر کامیابی جو دنیاوی ہو اس میں دونوں برابر ہوں گے۔ جب وہ آدمی کہتا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا تو ابرہیم کہتے تیری سچائی سے حیران رہ گیا ہوں۔

☆☆☆

نقلست که مردی مدتی در صحبت ابرهیم بود مفارقت خواست کردن گفت یا خواجه عیبی که در من دیدهٔ مرا خبر کن- گفت در تو هیچ عیبی ندیده ام زیرا که در تو بچشم دوستی نگریسته ام- لا جرم هرچه از تو دیده ام مرا خوش آمده است- نقلست که عیال داری بود نماز شام میرفت و هیچ چیز نداشت ازطعام و گرسنه بود و دلتنگ که باطفال و عیال چه گویم که دست تهی میروم- در دردی عظیم میرفت- ابرهیم رادید ساکن نشستهٔ- گفت یا ابرهیم مرا از تو غیرت میآید که تو چنین ساکن و فارغ نشستهٔ ومن چنین سر گردان و عاجز- ابرهیم گفت هرچه ماکرده ایم از حجها و عبادتهاء مقبول و خیرات مبرور این جمله را بتو دادیم تویك ساعت اندوه خود را بما دادی- نقلست که معتصم پر سید از ابرهیم که چه پیشه داری؟ گفت دنیارا بطالبان دنیا مانده ام و عقبی را بطالبان عقبی رها کرده ام و بگزیده ام دریـن جهان ذکر خدای ودر آن جهان لقاء خدای- دیگری ازو پر سید که پیشهٔ تو چیست؟ گفت تو ندانستهٔ که کارکنان خدای را به پیشه حاجت نیست- نقلست که یکی ابرهیم را گفت ای بخیل- گفت من درولایت بلخ مانده ام و ترك ملکی گرفتم من بخیل باشم؟ تا روزی مزینی موی او راست منیکرد مریدی از آن او آنجا بگذشت گفت چیزی داری؟ همیانی زر آنجا بنهاد- وی بمزین داد- سایلی برسید- از مزین چیزی بخواست- مزین گفت بر گیر- ابرهیم گفت درهمیان زراست- گفت میدانم ای بخیل، الغنی غنی القلب لا غنی المال گفت زراست- گفت ای بطال مانکس میدهم که میداند که چیست- ابرهیم گفت هر گز آن شرم رابا هیچ مقابله نتوانم کردو نفس رابمراد خویش آنجا دیدم-

الفاظ معانی:

مفارقت: جدائی، هیچ: کوئی، نگریستن: دیکھنا، لاجرم: یقیناً، دلتنگ: رنجیدہ، دست تهی: خالی ہاتھ، غیرت: جوش، ساکن: آرام، فارغ: بے فکر، مقبول: قبول شدہ، مبرور: بخشی ہوئی، اندوہ: غم، لقاء خدا: خدا کا دیدار، حاجت: ضرورت، بخیل: کنجوس، ولایت: جانشینی، مزینی: ایک حجام، موی او: اس کے بال، همیانی زر: سونے کی تھیلی، نهادن: رکھنا، بطال: بیکار، بیہودہ۔

ترجمہ:

روایت ہے کہ ایک آدمی ایک عرصہ ابرہیم کی صحبت میں تھا۔ اس نے جدا ہونا چاہا۔ کہا اے آقا تو نے جو عیب مجھ میں دیکھا ہے مجھے بتا۔ انہوں نے کہا میں نے تجھ میں کوئی عیب نہیں دیکھا ہے کیونکہ میں نے تجھے ایک دوست کی نظروں سے دیکھا ہے۔ یقیناً جو کچھ میں نے تجھ میں دیکھا ہے مجھے اچھا لگا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عیال دار تھا۔ شام کی نماز کے وقت جا رہا تھا۔ اس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا اور وہ بھوکا تھا اور رنجیدہ کہ بیوی بچوں سے کیا کہوں کہ خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔ وہ بہت زیادہ درد میں مبتلا جا رہا تھا۔ اس نے ابرہیم کو آرام سے بیٹھا دیکھا۔ کہا اے ابرہیم مجھے تجھے پر جوش آتا ہے کہ تو اس طرح سے آرام سے اور بے فکر بیٹھا ہے اور میں اس قدر سرگرداں اور عاجز۔ ابرہیم نے کہا جو کچھ ہم نے کیا ہے قبول شدہ حجوں اور عبادتوں اور بخشی ہوئی خیراتوں کا یہ سب کچھ ہم نے تجھے دیا تو گھڑی بھر کے اپنے غم کو ہمیں دے دے۔ روایت ہے کہ معتصم نے ابرہیم سے پوچھا کہ تمہارا پیشہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے دنیا کو دنیا کے طالبوں کے لیے چھوڑ دیا ہے اور عقبیٰ کو عقبیٰ کے طالبوں کے لیے رہا کر دیا ہے اور اس دنیا میں خدا کا ذکر اور اُس دنیا میں خدا کا دیدار چنا ہے۔ ایک اور نے ان سے پوچھا کہ تیرا پیشہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا تو نہیں جانتا کہ خدا کے کارکنوں کو پیشے کی ضرورت نہیں ہے۔ روایت ہے کہ کسی نے ابرہیم کو کہا اے کنجوس۔ انہوں نے کہا میں نے بلخ کی جانشینی چھوڑ دی ہے اور جائیداد ترک کر دی میں بخیل ہوں؟! یہاں تک کہ ایک دن ایک حجام ان کے بال سیدھے کر رہا تھا ان کا ایک مرید وہاں سے گزرا۔ انہوں نے کہا تیرے پاس کچھ ہے؟ اس نے سونے کی تھیلی وہاں رکھ دی۔ انہوں نے حجام کو دے دی۔ ایک فقیر آن پہنچا۔ اس نے حجام سے کچھ مانگا۔ حجام نہ کہا یہ لے لو۔ ابرہیم نے کہا تھیلی میں سونا ہے۔ اس نے کہا میں جانتا ہوں اے بخیل الغنا رغنی القلب لاغنی المال (اہل غنا دل کا غنی ہونا ہے نہ کہ مال دار ہونا) کہا سونا ہے۔ اس نے کہا اے بیہودہ شخص میں جسے دے رہا ہوں وہ جانتا ہے کہ کیا ہے۔ ابرہیم نے کہا میں اس شرم کا بالکل مقابلہ نہیں کر سکتا اور میں نے نفس کو اپنی مراد کے مطابق وہاں دیکھا۔

☆☆☆

ویرا گفتند تادرین راه آمدی هیچ شادی بتورسیده است؟ گفت چند بار۔ بکشتی در بودم و مرا کشتی بان نمی شناخت۔ جامۂ خلق داشتم و موئی دراز و برحالی بودم که از آن اهل کشتی جمله غافل بودند و برمن میخندیدند و افسوس میکردند و در کشتی مسخرۂ بود هر ساعتی بیامدی و موی سر من بگرفتی و برکندی وسیلی برگردن من زدی۔ من خودرا بمراد خود یافتمی و بدان خواری نفس خود شاد میشدمی که ناگاه موجی عظیم برخاست وبیم هلاك پدید آمد۔ ملاح گفت یکی از اینها را در دریا میباید انداخت تاکشتی سبك شود۔ مرا گرفتند تا در دریا بیندازند۔ موج بنشست و کشتی آرام گرفت۔ آن وقت که گوشم گرفته بودند تا در آب اندازند نفس را بمراد دیدم و شاد شدم۔ یکبار دیگر بمسجدی رفتم تا بخسبم رها نمیکردند ومن از ضعف ماندگی چنان بودم که برنمی توانستم خاست پایم گرفتند و میکشیدند و مسجد را سه پایگاه بود۔ سرم به هر پایۂ که بیامدی بشکستی و خون روان شدی۔ نفس خود رابمراد خویش دیدم و چون مرا برین سه پایگاه برانداختندی برهر پایگاهی سر اقلیمی برمن کشف شد۔ گفتم کاشکی پایۂ مسجد زیادت بودی تا سبب دولت زیادت بودی۔ یکبار دیگر آن بود که در حالی گرفتار آمدم۔ مسخرۂ برمن بول کرد۔ آنجا نیز شاد شدم، یکبار دیگر پوستینی داشتم جنبندۂ بسیار در آن افتاده بود و مرا میخوردند ناگاه از آن جامها که درخزینه نهاده بودم یادم آمد۔ نفس فریاد برآورد که آخر این چه رنجست آنجا نیز نفس بمراد دیدم۔

الفاظ معانی:

شادی: خوشی، شناختن: پہچاننا، جامۂ خلق: پھٹا پرانا لباس، خندیدن: ہنسنا، موی سرمن: میرے سر کے بال، گرفتن: پکڑنا، کندن: نوچنا، سیلی: تھپڑ، ناگاہ: اچانک، برخاستن: اٹھنا، بیم: ڈر، پدید آمدن: ظاہر ہونا، سبک: ہلکی، نشستن: بیٹھنا، گوشم: میرا کان، شکستن: پھوٹنا، بول کردن: پیشاب کرنا، اقلیمی: ایک مملکت، پوستینی: کھال کا بنا ہوا، جنبندہ: متحرک۔

ترجمہ: ان سے انہوں (لوگوں) نے کہا تم جب سے اس راستے میں آئے، تمہیں کوئی خوشی ملی ہے؟ انہوں نے کہا چند بار۔ میں کشتی میں (سوار) تھا اور مجھے ملاح نہیں پہچانتا تھا۔ میرے کپڑے پھٹے پرانے تھے اور بال لمبے اور میں ایسی حالت میں تھا کہ اس سے کشتی والے تمام لوگ غافل تھے اور مجھ پر ہنستے تھے اور افسوس کرتے تھے اور کشتی میں ایک مسخرہ تھا جو ہر گھڑی آتا اور میرے سر کے بال پکڑ لیتا اور نوچتا اور میری گردن پر تھپڑ مارتا۔ میں نے خود کو اپنی مراد پر پایا اور اپنے نفس کی اس خواری پر میں خوش ہو رہا تھا کہ اچانک ایک بہت بڑی لہر اٹھی اور ہلاک ہونے کا خوف ابھرا۔ ملاح نے کہا ان میں سے ایک کو سمندر میں پھینکنا چاہیے تاکہ کشتی ہلکی ہو جائے۔ انہوں نے مجھے پکڑا تاکہ سمندر میں پھینکیں۔ لہر بیٹھ گئی اور کشتی قرار پا گئی۔ اس وقت جب انہوں نے میرے کان کو پکڑ رکھا تھا تاکہ پانی میں گرائیں میں نے نفس کو مراد پر دیکھا اور میں خوش ہوا۔ ایک اور مرتبہ میں ایک مسجد گیا تاکہ سو سکوں۔ وہ (لوگ) مجھے نہیں چھوڑ رہے تھے اور میں اپنی حالت کی کمزوری کے باعث ایسا تھا کہ اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ انہوں نے میری ٹانگ پکڑی اور وہ کھینچ رہے تھے۔ اور مسجد کی تین پایہ گاہیں تھیں۔ میرا سر جب ہر پایہ پر آتا تو پھٹتا اور خون جاری ہو جاتا۔ میں نے اپنے نفس کو اپنی مراد پر دیکھا اور جب وہ مجھے ان تین پایوں پر مار رہے تھے ہر پایہ کی جگہ پر مجھ پر ایک مملکت کا راز ظاہر ہوا۔ میں نے کہا کاش مسجد کے پائے زیادہ ہوتے تاکہ زیادہ دولت کا سبب بنتے۔ ایک اور مرتبہ یہ تھا کہ میں ایسی حالت میں گرفتار ہوا۔ ایک مسخرے نے مجھ پر پیشاب کر دیا۔ میں وہاں بھی خوش ہوا۔ ایک اور مرتبہ میرے پاس کھال کا بنا لباس تھا اس میں بہت سی متحرک چیزیں پڑ گئیں تھیں اور وہ مجھے کاٹتی تھیں اچانک مجھے وہ جام یاد آئے جنہیں میں نے خزانے میں رکھا تھا۔ نفس فریاد کرنے لگا کہ آخر یہ کیا رنج ہے؟ میں نے یہاں بھی نفس کو مراد پر دیکھا۔

☆☆☆

نقلست که گفت: یکبار در بادیه بر توکل بودم چند روز چیزی نیافتم- دوستی داشتم گفتم اگر بروی روم تو کلم باطل شود- در مسجد شدم و بر زبان براندم که توکلت علی الحی الذی لا یموت لا اله الا هو هاتفی آواز داد که سبحان آن خدائی که پاك گردانیده است روی زمین را از متوکلان- گفتم چرا؟ گفت متوکل که بود، آنکه برای لقمهٔ که دوستی مجازی بوی دهد راهی دراز در پیش گیرد و آنگاه گوید توکلت علی الحی الذی لا یموت دروغی راتوکل نام کردهٔ وگفت وقتی زاهدی متوکل را دیدم پرسیدم که تو از کجا خوری گفت این علم بنزدیك من نیست از روزی دهنده پرس- مرا با این چه کار- وگفت وقتی غلامی خریدم گفتم چه نامی؟ گفت تا چه خوانی؟ گفتم چه خوری؟ گفت تاچه دهی؟ گفتم چه پوشی؟ گفت تاچه پوشانی؟ گفتم چه کنی؟ گفت تاچه فرمائی- گفتم چه خواهی؟ گفت بنده را با خواست چه کار است- پس باخود گفتم ای مسکین تو درهمه عمر خدایرا همچنین بنده بوده ای؟ بند گی باری بیاموز- چندانی بگریستم که هوش از من زایل شد- وهرگز اورا کسی ندید مربع نشسته اورا پرسیدند که چرا هرگز مربع ننشینی؟ گفت یك روز چنین نشسته آوازی شنیدم ازهوا که ای پسر ادهم بندگان در پیش خداوندان چنین نشینند؟ راست بنشستم و توبه کردم- نقلست که وقتی از او پرسیدند که بندهٔ کیستی؟ بر خود بلرزید وبیفتاد و در خاك گشتن گرفت- آنگاه برخاست و این آیت بر خواند ان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمن عبدا اورا گفتند چرا اول جواب ندادی گفت ترسیدم که اگر گویم بندهٔ اویم او حق بند گی از من طلب کند گوید حق بندگی ما چون گزاردی و اکر گویم نه نتوانم، هرگز این خود کسی گفت؟

الفاظ معانی

بادیه: صحرا، هاتف: غیب سے آواز دینے والا، متوکل: توکل کرنے والا، چرا: کیوں، دروغی: ایک جھوٹ، از کجا: کہاں سے، روزی دهنده: روزی دینے والا، پرس: پوچھ، پوشاندن: پہنانا، بنده را: غلام کو، همچنین: ایسا، چندانی: اس قدر، مربع نشستن: چوکڑی مار کر بیٹھنا، راست: سیدھا، لرزیدن: کانپنا، ترسیدن: ڈرنا،

ترجمہ:

روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ایک مرتبہ میں صحرا میں توکل پر تھا۔ چند روز مجھے کچھ نہ ملا۔ میرا ایک دوست تھا۔ میں نے کہا اگر میں اس کے پاس جاؤں تو میرا توکل باطل ہو جائے گا۔ میں مسجد گیا اور زبان پر دھرایا کہ توکلت علی الحی الذی لایموت لا الہ الا ھو (میرا بھروسہ اس زندہ ذات پر ہے جس کو موت نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں) غیب سے آواز دینے والے نے آواز دی۔ سبحان اس خدا پر جس نے روئے زمین کو توکل کرنے والوں سے پاک کر دیا ہے۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے کہا توکل کرنے والا کون ہوتا ہے؟ وہ جو ایک لقمہ کی خاطر لمبا راستہ اختیار کرے تا کہ اس کا مجازی دوست اسے دے اور پھر وہ کہے توکلت علی الحی الذی لایموت (میرا بھروسہ اس زندہ ذات پر ہے جو فوت نہ ہوگا) تو نے ایک جھوٹ کا نام توکل رکھ دیا ہے۔ اور انہوں نے کہا ایک مرتبہ میں نے توکل کرنے والے ایک زاہد کو دیکھا تو پوچھا کہ تو کہاں سے کھاتا ہے؟ اس نے کہا یہ علم میرے پاس نہیں ہے روزی دینے والے سے پوچھ۔ مجھے اس سے کیا کام اور انہوں نے کہا ایک دفعہ میں نے ایک غلام خریدا۔ میں نے کہا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا جس (نام) سے تو بلائے۔ میں نے کہا کیا کھاؤ گے؟ اس نے کہا جو کچھ تو دے۔ میں نے کہا کیا پہنو گے؟ اس نے کہا جو تو پہنائے۔ میں نے کہا کیا کرو گے؟ اس نے کہا جو تو حکم دے۔ میں نے کہا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے کہا بندے (غلام) کا چاہنے سے کیا کام۔ پس میں نے اپنے آپ سے کہا اے مسکین کیا تو ساری زندگی خدا کا ایسا بندہ رہا ہے؟ خدا کی بندگی سیکھ۔ میں اس قدر رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ اور ہرگز کسی نے انہیں چوکڑی مار کر بیٹھے نہیں دیکھا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ کبھی چوکڑی مار کر کیوں نہیں بیٹھتے؟ انہوں نے کہا ایک دن اس طرح بیٹھے میں نے ہوا سے ایک آواز سنی کہ اے ادھم کے بیٹے غلام اپنے آقاؤں کے سامنے ایسے نہیں بیٹھتے میں سیدھا ہو کر بیٹھا اور میں نے توبہ کی۔ روایت ہے کہ جب ان سے لوگوں نے پوچھا کہ تو کس کا بندہ ہے؟ تو وہ کانپے اور گرے اور مٹی میں لوٹ پوٹ ہونا شروع کر دیا۔ پھر اس وقت اٹھے اور انہوں نے یہ آیت پڑھی ان کل من فی السموات والارض الا اتی الرحمن عبدا (زمین و آسمان میں جو کوئی بھی ہے وہ بندے (یعنی غلام) کی حیثیت سے رحمٰن کے پاس آئے گا) انہوں نے ان سے کہا کہ تو پہلے جواب کیوں نہیں دیا۔ انہوں نے کہا میں ڈر گیا کہ اگر میں کہوں کہ میں اس کا بندہ ہوں۔ وہ مجھ سے بندگی کا حق طلب کرے کہے کہ تو نے ہماری بندگی کا حق کیسے ادا کیا؟ اور اگر میں کہوں نہیں، نہیں کر سکتا۔ ہرگز کسی نے خود یہ کہا؟

☆☆☆

نقلست که ازو پرسیدند که روزگار چون میگذاری؟ گفت چهار مرکب دارم باز داشته: چون نعمتی پدید آید بر مرکب شکر نشینم و پیش اوباز روم، و چون معصیتی پدید آید برمرکب توبه نشینم و پیش وی باز روم، و چون محنتی پدید آید بر مرکب صبر نشینم و پیش وی باز روم، و چون طاعتی پدید آید برمرکب اخلاص نشینم و پیش وی باز روم۔ و گفت تا عیال خودرا چون بیوگان نکنی و فرزندان خود را چون یتیمان نکنی و درشب درخاکدان سگان نخسبی طمع مدار که در صف مردان راه دهندت و درین حرف که گفت آن محتشم درست آمد که پادشاهی بگذاشت تا بدین جای رسید۔ نقلست که روزی جماعتی از مشایخ نشسته بودند ابرهیم قصد صحبت ایشان کرد۔ گفتند برو که هنوز از تو گند پادشاهی میآید با آن کردار، اورا این گویند تادیگر انراچه گویند۔ نقلست که ازو پرسیدند که چرا دلها از حق محجوبست گفت زیرا که دوست داری آنچه حق دشمن داشته است، بدرستی این گلخن فانی که سرای لعب و لهواست مشغول شدهٔ وترک سرای جنات نعیم مقیم گفتهٔ: ملکی و حیوتی و لذتی که آنرا نه نقصانی بود و نه انقطاع۔

الفاظ معانی:

روزگار: **وقت**، چون: **کیسے**، مرکب: **سواری**، بازداشتن: **روکنا**، پدید آمدن: **ظاہر ہونا**، معصیتی: **کوئی گناہ**، محنتی: **کوئی تکلیف**، سگان: **کتے**، محتشم: **شاندار**، گند: **بدبو**، محجوبست: **پردے میں ہے**، حق: **اللہ تعالیٰ**، گلخن: **آتشدان**، لعب و لهو: **عیش وعشرت**، سرای: **مقام**، جنات نعیم مقیم: **نعمتیں رکھنے والی جنتیں**، ملك: **جائیداد**، حیوة: **زندگی**، انقطاع: **منقطع ہونا**،

ترجمہ:

کہا جاتا ہے ان سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ وقت کیسے گزار رہے ہیں؟ انہوں نے کہا میرے پاس چار سواریاں رکی ہوئی ہیں: جب کوئی نعمت ظاہر ہوتو میں شکر کی سواری پر بیٹھ جاؤں گا اور اس کے پاس لوٹ جاؤں گا۔ اور جب کوئی گناہ ظاہر ہوتو میں توبہ کی سواری پر بیٹھوں گا اور اس کے پاس لوٹ جاؤں گا۔ اور جب کوئی تکلیف ظاہر ہوتو صبر کی سواری پر بیٹھ جاؤں گا اور اس کے پاس لوٹ جاؤں گا اور جب اطاعت ظاہر ہوتو اخلاص کی سواری پر بیٹھوں گا اور اس کے پاس لوٹ جاؤں گا۔ اور انہوں نے کہا جب تک تو اپنے عیال کو بیواؤں کی طرح نہ کرے اور اپنی اولاد کو یتیموں کی طرح نہ کرے اور رات کو کتوں کے خاک دان میں نہ سوئے تو یہ لالچ نہ رکھ کہ تجھے مردوں کی صف میں راستہ دیں گے اور یہ بات جو انہوں نے کی وہ شاندار طور پر درست ثابت ہوئی کہ انہوں نے بادشاہی چھوڑی تب اس جگہ پہنچے۔ روایت ہے کہ ایک دن مشائخ کی ایک جماعت بیٹھی تھی۔ ابرہیم نے ان کی صحبت اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے کہا جا کیونکہ ابھی تک تجھ سے بادشاہت کی بدبو آتی ہے۔ اس کردار کے ساتھ، انہیں یہ کہتے ہیں تو دوسروں کو کیا کہیں گے۔ کہا جاتا ہے کہ ان سے لوگوں نے پوچھا کہ دل حق تعالیٰ سے پردے میں کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کیونکہ تو وہ پسند کرتا ہے جسے حق تعالیٰ نے دشمن رکھا ہے۔ تو مکمل طور پر اس فانی آتشدان (دنیا) جو عیش وعشرت کا مقام ہے سے مشغول ہوگیا ہے اور تو نے نعمتیں رکھنے والے جنتوں کے مقام کو ترک کیا ہے۔ ایسی جائیداد اور ایسی زندگی اور ایسی لذت کہ جس میں نہ کوئی کمی آتی ہے اور نہ وہ منقطع ہوتی ہے۔

☆☆☆

نقلست که یکی گفت مرا وصیتی بکن۔ گفت خداوند را یاد دار و خلق رابگذار۔ دیگری را وصیت کرد گفت: بسته بگشای و گشاده ببند۔ گفت مرا این معلوم نمیشود، گفت کیسهٔ بسته بگشای و زبان گشاده ببند۔ و احمد خضرویه گفت ابرهیم مردی را در طواف گفت درجه صالحان نیابی تا از شش عقبه نگذری: یکی آنکه در نعمت برخود ببندی و در محنت برخود بگشائی و درعز بر بندی و در دل بگشائی و در خواب بربندی و دربیداری بگشائی و در توانگری ببندی و در درویشی بگشائی و در امل ببندی و دراجل و در آراسته بودن و در ساختگی کردن مرگ بگشائی۔ نقلست که ابرهیم نشسته بود مردی نزدیك او آمد گفت ای شیخ من برخود بسی ظلم کرده ام۔ مراسخنی بگوی تا آنرا امام خود سازم۔ ابرهیم گفت اگر قبول کنی ازمن شش خصلت نگاه داری بعد از آن هرچه کنی زیان ندارد: اول آنست که چون معصیتی خواهی که بکنی روزی وی مخور۔ گفت هرچه در عالم است رزق اوست من از کجا خورم۔ ابرهیم گفت نیکو بود که رزق اوخوری و دروی عاصی شوی؟ دوم چون خواهی که معصیتی کنی جائی کن که ملكُ اونبود گفت این سخن مشگلتر بود که از مشرق تا بمغرب بلادالله است من کجا روم؟ گفت نیکو نبود که ساکن ملك اوباشی ودروی عاصی شوی؟

الفاظ معانی:

مرا: **مجھے**، بگذار: **چھوڑ دے**، کیسه: **تھیلی**، زبان گشاده: **کھلی زبان**، عقبه: **دشوار راستہ**، محنت: **تکلیف**، عز: **شان**، خواب: **نیند**، توانگری: **امیری**، امل: **آرزو**، اجل: **موت**، زیان: **نقصان**، از کجا: **کہاں سے**، عاصی: **گنہگار**، بلاد: **ممالک**،

ترجمہ:

روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا مجھے کوئی نصیحت کرو۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ اور مخلوق کو چھوڑ دے۔ انہوں نے ایک اور کو نصیحت کی۔ کہا: تو بند کو کھول دے اور کھلی کو بند کر دے۔ اس نے کہا مجھے یہ (بات) سمجھ نہیں آتی۔ انہوں نے کہا تو بند تھیلی کو کھول دے اور کھلی زبان کو بند کر لے اور احمد خضرویہ نے کہا ابرہیم نے ایک آدمی کو طواف میں کہا تو نیکوں کا درجہ نہیں پائے گا جب تک تو چھ دشوار راستوں سے نہ گزرے: ایک یہ کہ نعمت کا دروازہ خود پر بند کرلے اور تکلیف کا دروازہ خود پر کھول لے اور شان وشوکت کا دروازہ بند کر لے اور دل کا دروازہ کھول لے اور نیند کا دروازہ بند کر لے اور بیداری کا

دروازہ کھول لے اور دولت کا دروازہ بند کر لے اور غربت کا دروازہ کھول لے اور آرزو کا دروازہ بند کر لے اور موت کا دروازہ اور مرتب ہونے کا دروازہ اور موت کی تیاری کرنے کا دروازہ کھول لے۔کہا جاتا ہے کہ ابرہیم بیٹھے تھے۔ایک آدمی ان کے پاس آیا۔اس نے کہا اے شیخ میں نے خود پر بہت ظلم کیے ہیں مجھے کوئی ایسی بات کر کہ میں اسے اپنا امام بنالوں۔ابرہیم نے کہا اگر تو قبول کرے تو مجھ سے چھ خصلتیں لے کر رکھ لے۔اس کے بعد تو جو کچھ بھی کرے نقصان نہیں ہوگا۔پہلی یہ ہے کہ جب تو کوئی گناہ کرنا چاہے تو اس (اللہ تعالیٰ) کی روزی نہ کھا۔اس نے کہا جو کچھ دنیا میں ہے اس کا رزق ہے میں کہاں سے کھاؤں؟ ابرہیم نے کہا اچھا ہے کہ تو اس کا رزق کھائے اور اس کے حق میں گنہگار بن جائے؟ دوسری یہ کہ جب تو چاہے کہ کوئی گناہ کرے تو ایسی جگہ کر جو اس کا ملک نہ ہو۔اس نے کہا یہ بات زیادہ مشکل ہے کیونکہ مشرق سے مغرب تک اللہ کے ممالک ہیں میں کہاں جاؤں؟ انہوں نے کہا اچھا نہیں کہ تو اس کے ملک میں مقیم رہے اور اس کے حق میں گنہگار بن جائے۔

٭٭٭

سوم چون خواهی که معصیتی کنی جائی کن که او ترا نبیند۔ گفت این جگونه تواند بود۔ او عالم الاسرار است و دانندهٔ ضمائر است۔ ابرهیم گفت نیك باشد که رزق او خوری و ساکن بلاد اوباشی و در نظر او معصیتی کنی درجائی که تورا‌ببیند؟ چهارم گفت جون ملك الموت بنزدیك تو آید بگوی مهلتم ده تاتوبه کنم۔ گفت اواین سخن از من قبول نکند۔ ابرهبم گفت پس قادرنه ای که ملك الموت را از خود دفع کنی تواند بود که بیش از آنکه بیاید تو به کنی و آن این ساعت را دان و توبه کن۔ پنجم چون منکر و نکیر بر تو آیند هر دورا از خویشتن دفع کن۔ گفت نتوانم۔ گفت پس کار جواب ایشان آماده کن۔ ششم آنست که فرداء قیامت گناهکارانرا فرمایند بدوزخ برید تو بگو که من نمیر و م۔ گفت تمامست آنچه توبه گفتی و در حال توبه کرد و برتوبه بود شش سال تا ازدنیا رحلت کرد۔

الفاظ معانی:

جگونہ: کس طرح، دانندہ ضمائر: دلوں یا ضمیروں کا جاننے والا، دفع کردن: دور کرنا، فردا: آنے والا کل، درحال: اسی وقت،

ترجمہ:

تیسری یہ کہ جب تو چاہے کہ کوئی گناہ کرے ایسی جگہ کر کہ وہ (اللہ تعالیٰ) تجھے نہ دیکھے۔اس نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔وہ عالم الاسرار ہے اور دلوں کو جاننے والا ہے۔ابرہیم نے کہا اچھا ہے کہ تو اس کا رزق کھائے اور ان کے ملکوں میں رہے اور اس کی نظروں کے سامنے گناہ کرے اس جگہ جہاں وہ تجھے دیکھے؟ اس نے چوتھی کہی کی جب موت کا فرشتہ تیرے نزدیک آئے تو اسے کہے کہ مجھے مہلت دے تا کہ میں توبہ کرلوں۔اس نے کہا کہ وہ میری یہ بات قبول نہیں کرے گا۔ابرہیم نے کہا پس تو قادر نہیں ہے کہ موت کے فرشتے کو خود سے دور کرے۔تو یہ کر سکتا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ آئے تو توبہ کر لے اور اس گھڑی کو غنیمت جان اور توبہ کر۔پانچویں جب منکر ونکیر تیرے پاس آئیں تو دونوں کو خود سے دور کر دے۔اس نے کہا میں نہیں کر سکتا۔انہوں نے کہا پس ان کے جواب کا کام تیار کر۔چھٹی یہ کہ کل کو قیامت کے روز گنہگاروں سے کہیں گے دوزخ میں جائیں۔تو کہنا کہ میں نہیں جاتا۔اس نے کہا کافی ہے جو کچھ تو نے کہا اچھا کہا اور اس نے اسی وقت توبہ کی اور وہ چھ سال توبہ پر رہا یہاں تک کہ دنیا سے رحلت کر گیا۔

٭٭٭

نقلست که از ابرهیم پرسیدند که سبب چیست که خداوند را می خوانیم واجابت نمی آید و گفت از بهر آنکه خدای را می دانید و طاعتش نمیدارید و رسول رامیدانید و طاعتش نمیدارید و متابعت سنت وی نمی کنید و قرآن می خوانید و بدان عمل نمی کنید و نعمت خدای میخورید و شکر نمی کنید و میدانید که بهشت آراسته است برای مطیعان و طلب نمی کنید و میشناسید که

دوزخ ساخته است با اغلال آتشین برای عاصیان و از آن نمی گریزید و میدانید که مرگ هست و ساز مرگ نمی سازید و مادر و پدر و فرزندان را در خاک می کنید و از آن عبرت نمی گیرید و میدانید که شیطان دشمنست با او عداوت نمی کنید بل که با او میسازید و از عیب خود دست نمی دارید و بعیب دیگران مشغول می شوید کسی که چنین بود دعاء اوچگونه مستجاب باشد؟ نقلست که پرسیدند که مرد را چون گرسنه شود و چیزی ندارد چه کند؟ گفت صبر کند یك روزو دو روز و سه روز۔ گفتند تا ده روز صبر کرد چه کند؟ گفت ماهی بر آید، گفتند آخر هیچ نخواهد؟ گفت صبر کند۔ گفتند تا کی؟ گفت تا بمیرد که دیت بر کشنده بود۔ نقلست که گفتند گوشت گرانست۔ گفت ما ارزان کنیم۔ گفتند چگونه گفت نخریم و نخوریم۔

☆☆☆

الفاظ معانی:

چینست: کیا ہے، بھر آنکہ: اس لیے کہ، متابعت: پیروی، بدان: اس پر، مطیع: تابعدار، اغلال آتشین: آگ کے طوق، چگونہ: کس طرح، مستجاب: قبول، گرسنہ شدن: بھوکا ہونا، ماھی: ایک ماہ، تا کی: کب تک، دیت: خون بہا۔

ترجمہ:

روایت ہے کہ ابرہیم سے لوگوں نے پوچھا کہ وجہ کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو آواز دیتے ہیں اور قبولیت نہیں آتی اور انہوں نے کہا اس لیے کہ آپ خدا کو جانتے ہیں اور اس کی اطاعت نہیں کرتے اور رسول ﷺ کو جانتے ہیں اور ان کی اطاعت نہیں کرتے اور ان کی سنت کی پیروی نہیں کرتے۔ آپ قرآن پڑھتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے اور اللہ کی نعمت کھاتے ہیں اور شکر نہیں کرتے اور آپ جانتے ہیں کہ تابعداروں کے لیے بہشت آراستہ ہے اور طلب نہیں کرتے اور آپ پہچانتے ہیں کہ گنہگاروں کے لیے آگ کے طوقوں سے دوزخ بنی ہے اور اس سے گریز نہیں کرتے اور آپ جانتے ہیں کہ موت ہے اور موت کے لیے تیاری نہیں کرتے اور آپ ماں، باپ اور اولاد کو مٹی میں دفناتے ہیں اور اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے اور آپ جانتے ہیں کہ شیطان دشمن ہے اس سے عداوت نہیں کرتے بلکہ اس سے سازگاری کرتے ہو۔ اپنے عیبوں سے ہاتھ نہیں کھینچتے اور دوسروں کے عیبوں میں مشغول ہو جاتے ہو۔ کوئی جو ایسا ہو اس کی دعا کس طرح قبول ہو؟ روایت ہے کہ لوگوں نے پوچھا کہ آدمی کو جب بھوک لگے اور کوئی چیز نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ انہوں نے کہا صبر کرے، ایک دن اور دو دن اور تین دن۔ انہوں نے کہا اس نے دس دن تک صبر کیا (پھر) کیا کرے؟ انہوں (ابرہیم) نے کہا ایک ماہ ہو جائے۔ انہوں (لوگوں) نے کہا آخر کچھ نہ چاہے؟ انہوں (ابرہیم) نے کہا صبر کرے۔ انہوں (لوگوں) نے کہا کب تک؟ انہوں (ابرہیم) نے کہا یہاں تک کہ مر جائے کیونکہ خون بہا مارنے والے پر ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ لوگوں نے کہا گوشت مہنگا ہے۔ انہوں نے کہا ہم سستا کر دیں گے۔ انہوں (لوگوں) نے کہا کس طرح؟ انہوں (ابراہیم) نے کہا نہ خریدیں گے اور نہ کھائیں گے۔

Scanned with CamScanner

(b) Gulistan-e-Saadi

گلستان سعدی

باب اوّل

در سیرت پادشاهان

حکایت ۱

پادشاهی را شنیدم که به کشتن اسیری اشارت کرد- بیچاره در حالت نومیدی به زبانی که داشت مَلِك را دشنام دادن گرفت و سَقَط گفتن که گفته اند: هر که دست از جان بشوید هر چه در دل دارد بگوید:

۱- اِذَا یَئِسَ الْاِنْسَانُ طَالَ لِسَانُهُ ☆ کَسِنَّوْرٍ مَغْلُوبٍ یَصُولُ عَلَی الْکَلْبِ

۲- وقتِ ضرورت چو نماند گریز — دست بگیرد سرِ شمشیرِ تیز

مَلِك پرسید که چه می گوید؟ یکی از وزرای نیك محضر گفت: ای خداوند جهان همی گوید: وَ الْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ- مَلِك را رحمت در دل آمد و از سرِ خونِ او در گذشت- وزیر دیگر (که ضدّ او بود) گفت: ابنای جنسِ ما را نشاید در حضرتِ پادشاهان جز براستی سخن گفتن- این مَلِك را دشنام داد و سقط گفت- مَلِك روی از ابن سخن در هم کشید و گفت: مرا آن دروغ پسندیده تر آمد از این راست که تو گفتی که روی آن در مصلحتی بود و بنای این بر خُبثی و خرد مندان گفته اند: دروغی مصلحت آمیز به از راستی فتنه انگیز-

۳- هر که شاه آن کند که او گوید — حیف باشد که جز نکو گوید

برطاقِ ایوانِ فریدون نِبشته بود:

۴- جهان، ای برادر، نماند به کس — دل اندر جهان آفرین بند و بس

۵- مکن تکیه بر مُلكِ دنیا و پشت — که بسیار کس چون تو پرورد و کُشت

۶- چو آهنگِ رفتن کند جانِ پاك — چه بر تخت مردن، چه برروی خاك

الفاظ معانی:

شنیدم: میں نے سنا، کشتن: قتل کرنا، اشارت کرد: حکم دیا، دشنام دادن: گالیاں دینا، سقط گفتن: برا بھلا کہنا، کسنور: بلی، یصول: حملہ کرتی ہے، گریز: فرار، دست: ہاتھ، نیك محضر: نیک سیرت، جز براستی: سچ کے سوا، روی درهم کشیدن: غصہ آنا، دروغ: جھوٹ، راست: سچ، خردمندان: عقلمند (جمع)، حیف باشد: افسوس ہوگا، جز نکو: اچھی بات کے علاوہ، طاق ایوان: محل کا گنبد، جهان آفرین: دنیا پیدا کرنے والا، بسیار: بہت، آهنگ: ارادہ، پشت: بھروسہ، ملك: سلطنت، بادشاہت-

بادشاہوں کی سیرت کے بارے میں

حکایت 1

ترجمہ:

میں نے ایک بادشاہ کے بارے میں سنا کہ اس نے ایک قیدی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ بیچارے نے نا اُمیدی کی حالت میں اس زبان میں جو اس کی تھی بادشاہ کو گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ کیوں کہ انہوں (لوگوں) نے کہا ہے: جو کوئی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے (یعنی مایوس ہو جاتا ہے) جو کچھ دل میں رکھتا ہے کہہ دیتا ہے:

1۔ جب انسان مایوس ہو جاتا ہے تو زبان درازی کرتا ہے جیسے شکست خوردہ بلی کتے پر حملہ کر دیتی ہے۔

2۔ بیچارگی کے وقت جب فرار کا کوئی راستہ نہ رہے تو ہاتھ تیز تلوار کی دھار پکڑ لیتا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا کہ کیا کہتا ہے؟ نیک سیرت وزیروں میں سے ایک نے کہا: اے دُنیا کے مالک یہ کہہ رہا ہے: وَالکاظمینَ الغیظَ والعافین عن الناس (جو غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں وہ بہت اچھے ہوتے ہیں)۔ بادشاہ کے دل میں رحم آ گیا اور اس نے اس کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا۔ دوسرا وزیر (جو اس کے مخالف تھا) بولا: ہم جیسوں کو زیب نہیں دیتا کہ بادشاہ کے سامنے سچ کے علاوہ کوئی بات کریں۔ اس نے بادشاہ کو گالیاں دیں اور برا بھلا کہا۔ بادشاہ نے اس بات پر تیور چڑھا لیے اور کہا: مجھے یہ جھوٹ زیادہ پسند آیا اس سچ کے جو تو نے کہا۔ کیونکہ اس کی بنیاد مصلحت پر تھی اور اس (سچ) کی بنیاد خباثت پر ہے۔ اور عقلمندوں نے کہا ہے ایک مصلحت آمیز جھوٹ ایک فتنہ انگیز سچ سے بہتر ہے۔

3۔ ہر وہ جس کے کہنے پہ بادشاہ عمل کرے، افسوس ہوگا اگر وہ نیکی کے سوا کچھ کہے۔

فریدون (بادشاہ) کے محل کے گنبد پر لکھا تھا:

4۔ اے بھائی دنیا کسی کا (ہمیشہ) ساتھ نہیں دیتی، دل دنیا پیدا کرنے والے (اللہ تعالیٰ) سے لگا اور بس۔

5۔ دنیا کی بادشاہت پر تکیہ اور بھروسہ نہ کر کیونکہ اس نے تم جیسے بہت پرورش کیے اور قتل کر دیئے۔

6۔ جب پاک روح کوچ کرنے کا ارادہ کرلے تو پھر کیا تخت پر اور کیا زمین پر مرنا۔

☆☆☆

حکایت ۲

یکی از ملوکِ خراسان محمودِ سبکتگین را به خواب چنان دید که جمله و جودِ او ریخته بود و خاک شده مگر چشمانِ او که همچنان در چشمخانه می گردید و نظر می کرد۔ سایرِ حکما از تاویل آن فروماند ند مگر درویشی که بجای آورد و گفت: هنوز نگران است که مُلکش با دگران است۔

۱۔ بس نامور به زیرِ زمین دفن کرده اند — کز هستیش به روی زمین بر، نشان نماند

۲۔ وان پیر لاشه را که سپردند زیرِ خاک — خاکش چنان بخورد کز او استخوان نماند

۳۔ زندہ ست نامِ فرخ نوشیروان بہ خیر | گرچہ بسی گذشت کہ نوشیروان نماند
۴۔ خیری کن ای فلان و غنیمت شمار عمر | زان بیشتر کہ بانگ برآید فلان نماند

الفاظ معانی:

ملوک: بادشاہ (جمع)، چنان: اس طرح، جملہ وجود: سارا وجود، ریختہ بود: بکھر گیا تھا، ھمچنان: اسی طرح، چشمخانہ: آنکھوں کے بچوٹے، حکما: سارے عقلمند، تاویل: تعبیر، ھنوز: ابھی، نگران: پریشان، دگران: دوسرے، پیر لاشہ: بوڑھی لاش، خوردن: کھانا، استخوان: ہڈی، خیری کن: بھلائی کر، بانگ: اونچی آواز۔

ترجمہ:

حکایت 2

خراسان کے بادشاہوں میں سے ایک نے محمود سبکتگین کو خواب میں ایسے دیکھا کہ اس کا سارا وجود بکھر گیا تھا اور مٹی ہو گیا تھا مگر اس کی آنکھیں پپوٹوں میں اسی طرح گھوم رہی تھیں اور دیکھ رہی تھیں۔ سارے عقلمند اس کی تعبیر بتانے سے عاجز رہ گئے مگر ایک درویش نے اس کی تعبیر کی اور کہا: وہ ابھی تک پریشان ہے کیونکہ اس کا مالک دوسروں کے پاس ہے۔

1۔ لوگوں نے بہت سے نامور زمین کے نیچے دفن کیے ہیں کہ ان کی ہستی کا کوئی نشان زمین پر نہیں رہا۔

2۔ اور وہ بوڑھی لاش کہ جسے لوگوں نے مٹی کے نیچے دفن کیا۔ اس کی مٹی نے اسے ایسا کھایا کہ اس کی ہڈیاں تک نہ رہیں۔

3۔ نوشیروان کا مبارک نام نیکی کی بدولت زندہ ہے اگرچہ بہت عرصہ ہوا کہ نوشیروان نہیں رہا۔

4۔ اے فلاں شخص نیکی کر اور عمر کو غنیمت شمار کر، اس سے پہلے کہ اونچی آواز آئے (کہ) فلاں شخص نہیں رہا۔

☆☆☆

حکایت ۳

مَلِک زادہ ای را شنیدم کہ کوتاہ بود و حقیر و دیگر برادرانش بلند و خوبروی۔ باری پدر بکراھیت و استحقار در وی نظر ھمی کرد۔ پسر بفراست و استبصار بجای آورد و گفت: ای پدر، کوتاہِ خرد مند بہ از نادانِ بلند، نہ ھر چہ بقامت مہتر بقیمت بہتر۔ اَلشَّاۃُ نَظِیفَۃٌ وَالْفِیلُ جِیفَۃٌ۔

۱۔ اَقَلُّ جِبَالِ الْاَرْضِ طُورٌ وَاِنَّہُ | لَاَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰہِ قَدْراً وَمَنْزِلاً

۲۔ آن شنیدی کہ لاغری دانا | گفت باری بہ ابلھی فربہ
۳۔ اسبِ تازی اگر ضعیف بود | ھمچنان از طویلہ ای خربہ

پدر بخندید و ارکانِ دولت بپسندیدند و برادران بجان برنجیدند۔

٤۔ تا مرد سخن نگفته باشد ‏ عیب و هنرش نهفته باشد

٥۔ هر بیشه گمان مبر که خالی است ‏ باشد که پلنگ خفته باشد

شنیدم که مَلِك را در آن مدّت دشمنی صعب روی نمود۔ چون لشکر از هر دو طرف روی درهم آوردند اوّل کسی که اسب در میدان جهانید این پسر بود و گفت:

٦۔ آن نه من باشم که روزِ جنگ بینی پشتِ من ‏ آن منم گردرمیانِ خاك و خون بینی سری

٧۔ کان که جنگ آرد به خونِ خویش بازی می کند ‏ روزِ میدان، وان که بگریزدبه خونِ لشکری

الفاظ معانی:

ملك زاده ای: **ایک شہزادہ**، کوتاه: **چھوٹے قد والا**، حقیر: **بدصورت**، باری: **ایک مرتبہ**، پدر: **باپ**، استحقار: **حقارت**، نظر کردن: **دیکھنا**، استبصار: **دانائی**، بجای آورد: **سمجھ گیا**، قامت: **قد**، مهتر: **بڑی**، الشاة: **بکری**، نظیفه: **حلال**، جیفة: **حرام**، فربه: **موٹا**، اسب تازی: **عربی گھوڑا**، طویله ای خر: **گدھوں کا اصطبل**، به: **بہتر**، بخندید: **وہ ہنسا**، ارکان دولت: **مملکت کے بزرگ**، برادران: **بھائی (جمع)**، سخن: **بات**، نهفة: **چھپے**، بیشه: **جنگل**، پلنگ: **چیتا**، دشمنی صعب: **ایک سخت دشمن**، روی نمودن: **رخ کرنا**، اسب: **گھوڑا**، بازی کردن: **کھیلنا**، روز میدان: **جنگ کے روز**۔

ترجمہ:

حکایت 3

میں نے ایک شہزادے کے بارے میں سنا کہ کوتاہ قد اور بدصورت تھا اور دوسرے بھائی بلند قامت اور خوبصورت تھے۔ ایک بار باپ اسے نفرت اور حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ بیٹا بصیرت اور دانائی سے سمجھ گیا اور کہا: اے باپ، پستہ قد عقلمند، دراز قد بے وقوف سے بہتر ہوتا ہے۔ ضروری نہیں جو چیز جسامت میں بڑی ہو قیمت میں بھی بہتر ہو۔ بکری حلال ہے اور ہاتھی حرام ہے۔

1۔ دنیا کے پہاڑوں میں کوہ طور چھوٹا ہے لیکن خدا کے نزدیک قدر و منزلت میں بہت بلند ہے۔

2۔ تو نے وہ سنا کہ ایک کمزور عقلمند نے ایک مرتبہ ایک موٹے بے وقوف سے کہا۔

3۔ عربی گھوڑا اگر کمزور ہی ہو پھر بھی گدھوں کے اصطبل سے بہتر ہوتا ہے۔

باپ ہنسا اور مملکت کے بزرگوں نے (یہ بات) پسند کی اور بھائیوں کو دلی دکھ ہوا۔

4۔ جب تک آدمی نے بات نہیں کی ہوگی اس کے عیب اور ہنر چھپے ہوں گے۔

5۔ ہر جنگل کے بارے میں گمان نہ کر کہ خالی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ چیتا سویا ہوا ہو۔

میں نے سنا کہ اس عرصہ میں ایک سخت دشمن نے بادشاہ کا رُخ کیا۔ جب دونوں طرف سے لشکر آمنے سامنے آئے وہ جس نے سب سے پہلے گھوڑا میدان میں اتارا، یہ لڑکا تھا اور اس نے کہا:

6۔ میں وہ نہیں ہوں گا کہ جنگ کے روز تو میری پیٹھ دیکھے۔ اگر تو خاک اور خون کے درمیان کوئی سر دیکھے تو وہ میں ہوں۔

7۔ کیونکہ وہ جو جنگ کے روز جنگ کرتا ہے وہ اپنے خون سے کھیلتا ہے اور وہ جو فرار کرتا ہے لشکر کے خون سے کھیلتا ہے۔

☆☆☆

این بگفت و بر سپاهِ دشمن زد و تنی چند مردانِ کاری بینداخت۔ چون پیشِ پدر باز آمد زمینِ خدمت ببوسید و گفت:

۸۔ ای کـه شـخـص مَـنـت حقیر نمود — تـا درشتـی هـنـر نپـنـداری

۹۔ اسـب لاغـرمیـان بـکـار آیـد — روز مـیـدان، نـه گـاوِ پـرواری

آورده انـد کـه سپاهِ دشمن بی قیاس بود و اینان اندك۔ طایفه ای آهنگِ گریز کردند۔ پسر نعره ای زد و گفت: ای مردان بکوشید یاجامهٔ زنان بپوشید۔ سواران را به گفتِ او تهور زیادت گشت و به یك بار حمله بردند۔ شنیدم که هم در آن روز بر دشمن ظفر یافتند۔ مَلِك سر و چشمش ببوسید و در کنار گرفت و هر روز نظر بیش کرد تا ولی عهدِ خویش کرد۔ برادران حسد بردند و زهر در طعامش کردند۔ خواهرش از غرفه بدید دریچه برهم زد۔ پسر دریافت و دست از طعام باز کشید و گفت: مُحال است که هنر مندان بمیرند و بی هنران جای ایشان بگیرند۔

۱۰۔ کـس نـیـایـد بـه زیـرِ سـایـهٔ بـوم — ور هـمـای از جـهـان شـود مـعـدوم

پدر را از این حال آگهی دادند۔ برادرانش را بخواند و گوشمالی بواجب بداد۔ پس هریك را از اطرافِ بلاد حصه ای مَرضیّ معیّن کردتا فتنه بنشست و نزاع برخاست که گفته اند: ده درویش در گلیمی بخسبند و دو پادشاه در اقلیمی نگنجند۔

۱۱۔ نیـم نـانـی گـر خـورد مـردِ خدای — بـذلِ درویشـان کـنـد نیـمـی دگـر

۱۲۔ مُـلـكِ اقـلـیـمـی بـگـیـرد پـادشـاه — هـمـچـنـان در بـنـدِ اقـلـیـمـی دگـر

الفاظ معانی:

مردان کاری: جنگجو مرد، انداختن: گرانا، چون: جب، باز آمدن: واپس آنا، درشتی: موٹاپن، گاوپرواری: موٹا تازہ بیل، بی قیاس: بہت زیادہ، اندك: کم، طایفه ای: ایک گروہ، آهنگ گریز: فرار کا ارادہ، جامهٔ زنان: عورتوں کا لباس، تهور: بہادری، ظفر یافتن: فتح پانا، کنار گرفتن: گلے لگانا، طعامش: اس کا کھانا، غرفه: گھر کی اوپر کی منزل، دریچه: کھڑکی کا پٹ، بوم: الو، معدوم شدن: ناپید ہونا، اطراف بلاد: ملک کے شہروں، حصه ای مرضی: پسندیدہ حصہ، نزاع: جھگڑا۔

ترجمہ:

اس نے یہ کہا اور دشمن کے سپاہیوں پر ٹوٹ پڑا اور چند جنگجو مردوں کو گرا دیا۔ جب باپ کے پاس واپس آیا تو اس کا احترام بجا لایا اور کہا:

8۔ اے وہ شخص کہ تو نے مجھے حقیر جانا (باخبر رہ) تا کہ تو موٹے پن کو ہنر گمان نہ کرے۔

9۔ جنگ کے روز پتلی کمر والا گھوڑا کام آتا ہے، موٹا تازہ بیل نہیں۔

کہتے ہیں کہ دشمن کے سپاہی بے اندازہ تھے اور یہ کم۔ ایک گروہ نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ لڑکے نے نعرہ لگایا اور کہا: اے بہادرو کوشش کرو یا عورتوں کا لباس پہن لو۔ اس کی بات سے سواروں کی دلیری بڑھ گئی اور انہوں نے اکٹھے ہو کر حملہ کر دیا۔ میں نے سنا کہ انہوں نے اسی روز دشمن پر فتح حاصل کر لی۔ بادشاہ نے اس کا سر اور آنکھیں چومیں اور اسے گلے لگایا اور روز بروز اس پر مہربانی زیادہ کی یہاں تک کہ اپنا ولی عہد بنا دیا۔ بھائی حسد کرنے لگے اور اس کے کھانے میں زہر ملا دیا۔ اس کی بہن نے گھر کی اوپر کی منزل سے دیکھا، کھڑکی کے پٹ کو زور سے کھٹکھٹایا۔ لڑکا سمجھ گیا اور ہاتھ کھانے سے واپس کھینچ لیا اور کہا: محال ہے کہ ہنر مند مر جائیں اور بے ہنران کی جگہ لے لیں۔

10۔ کوئی شخص الو کے سایہ کے نیچے نہیں آتا چاہے دنیا سے ہما ناپید ہی ہو جائے۔

انہوں نے باپ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس (بادشاہ) نے اس کے بھائیوں کو بلایا اور انہیں مناسب سزا دی۔ پھر ہر ایک کے لیے سلطنت کے مختلف شہروں پر مشتمل پسندیدہ حصہ مقرر کر دیا۔ یہاں تک کہ فتنہ جاتا رہا اور جھگڑا ختم ہوگیا کیونکہ (لوگوں نے) کہا ہے: دس درویش ایک دری پر سو سکتے ہیں اور دو بادشاہ ایک سلطنت میں نہیں سما سکتے۔

11۔ خدا کا بندہ اگر آدھی روٹی کھائے تو دوسری آدھی فقیروں میں بانٹ دیتا ہے۔

12۔ بادشاہ اگر کسی سرزمین کی ایک سلطنت لے لے تو اسی طرح ایک اور سرزمین کی سوچ میں رہتا ہے۔

☆☆☆

حکایت ٤

طایفه ای دزدان عرب برسرِ کوهی نشسته بودند و منفذِ کاروان بسته و رعیّت بُلدان از مکاید ایشان مرعوب و لشکرِ سلطان مغلوب۔ بحُکمِ آن که ملا ذی منیع از قلّهٔ کوهی بدست آورده بودند و ملجأ و مأوای خود کرده۔ مدبِّرانِ ممالکِ آن طرف در دفع مضرّتِ ایشان مشورت کردند که اگر این طایفه هم براین نَسَقِ روزگاری مداوَمت نمایند مقاومت ممتنع گردد۔

۱۔ درختی که اکنون گرفته ست پای　　به نیروی مردی برآید زجای

۲۔ وَرَش همچنان روزگاری هِلی　　به گردونش از بیخ برنگسلی

۳۔ سر چشمه شاید گرفتن به بیل　　چو پُر شد نشاید گذشتن به پیل

سخن بر این مقرر شد که یکی رابه تجسس ایشان برگماشتند و فرصت نگه داشتند۔ تا وقتی که بر سرِ قومی رانده بودند و مکان خالی مانده، تنی چند مردانِ واقعه دیدهٔ جنگ آزموده را بفرستادند تا در شِعْبِ جَبَل پنهان شدند۔ شبانگاه که دزدان باز آمدند سفر کرده و غارت آورده سِلاح بگشادند و رختِ غنیمت بنهادند نخستین دشمنی که برسرِ ایشان تاخت خواب بود۔ چندان که پاسی از شب درگذشت۔

٤۔ قرصِ خورشید در سیاهی شد　　یونس اندر دهانِ ماهی شد

الفاظ معانی:

طایفه ای دزدان: چوروں کا ایک گروہ، منفذ کاروان: قافلوں کا راستہ، رعیت بلدان: شہروں کی رعایا، مکاید ایشان: ان کے حیلوں، مرعوب: خوفزدہ، ملا ذی منیع: اونچی پناہ گاہ، قلهٔ کوهی: ایک پہاڑ کی چوٹی، بدست آوردن: حاصل کرنا، ملجاو ماوی خود: اپنی پناہ گاہ اور ٹھکانا، مدبران ممالک: ملکوں کے عقلمند، مضرت: نقصان، نسق: طریقہ، روزگاری: ایک عرصہ، مداوست: ثابت قدمی، مقاومت: مقابلہ، ممتنع: ناممکن، اکنون: ابھی، ورش: اور اگر اسے، هلی: چھوڑ دینا، گردونش: آسمان کے ذریعے اسے، برنگسلی: اکھاڑ نہیں پائے گا، بیل: بیلچہ، پیل: ہاتھی، تجسس: جاسوسی، برگماشتن: مقرر کرنا، واقعه دیده: تجربہ کار، شعب جبل: پہاڑ کی گھاٹی، نخستین: پہلا، تاختن: حملہ کرنا، پاسی از شب: رات کا ایک پہر، قرص خورشید: سورج کی ٹکیہ۔

ترجمہ:

حکایت 4

عرب چوروں کا ایک گروہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا تھا اور قافلوں کا راستہ بند کر رکھا تھا اور شہروں کی رعایا ان کے حیلوں سے خوفزدہ اور بادشاہ کا لشکر مغلوب تھا۔ اس لیے کہ انہوں نے اونچی پناہ گاہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر حاصل کر رکھی تھی اور اسے اپنی آماجگاہ اور ٹھکانا بنا رکھا تھا۔ اس طرف کے ملکوں کے

مدبروں نے ان کے نقصان سے بچنے کے لیے مشورہ کیا کہ اگر یہ گروہ اسی طریقے پر کچھ عرصہ ثابت قدمی کرے تو مقابلہ ناممکن ہو جائے گا۔

1۔ وہ درخت جس نے ابھی جڑ پکڑی ہے وہ ایک آدمی کی طاقت سے کسی جگہ سے اکھڑ جاتا ہے۔
2۔ اور اگر اسے کچھ عرصہ اسی طرح چھوڑ دیں تو پھر تو اسے آسمان (کی طاقت) سے بھی نہیں اکھاڑ پائے گا۔
3۔ چشمے کا دہانہ ممکن ہے ایک بیلچے سے بند کیا جا سکے (مگر) جب بھر گیا تو پھر ہاتھی کے ساتھ گزرنا بھی ممکن نہیں۔

بات یہ طے پائی کہ ایک شخص کو ان کی جاسوسی پر مقرر کیا گیا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ (چور) کسی قوم کو لوٹنے کے لیے گئے ہوئے تھے اور ان کا ٹھکانہ خالی تھا۔ چند تجربہ کار اور جنگجو آدمیوں کو بھیجا گیا جو پہاڑ کی گھاٹی میں چھپ گئے۔ رات کے وقت جب چور سفر سے واپس آئے اور ان کے پاس لوٹا ہوا مال تھا۔ انہوں نے جسم سے ہتھیار اتارے۔ ساز و سامان اور مال غنیمت رکھا۔ سب سے پہلے جو دشمن ان پر حملہ آور ہوا وہ نیند تھی۔ یہاں تک کہ رات کا ایک پہر گزر گیا۔

4۔ سورج کی ٹکیہ سیاہی میں چلی گئی (جیسے) حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے منہ میں چلے گئے۔

☆☆☆

مردانِ دلاور از کمینگاه بدر جستند و دستِ یکان یکان بر کتف بستند و بامدادان به درگاهِ مَلِك حاضر آوردند۔ ملك همه رابکشتن فرمود۔ در آن میان جوانی بود میوهٔ عُنفُوانِ شبابش نورسیده و سبزهٔ گلستانِ عذارش نودمیده۔ یکی از وزرا پای تختِ مَلِك را بوسه داد و روی بشفاعت بر زمین نهاد و گفت: این پسر همچنان از باغِ زندگانی برنخورده و از رَیعانِ جوانی تمتّع نیافته، توقّع به کرم و اخلاقِ خداوندی چنان است که به بخشیدنِ خونِ این جوان بربنده منّت نهد۔ مَلِك روی از این سخن در هم کشید و موافقِ رای بلندش نیامد و گفت:

۵۔ پرتوِ نیکان نگیرد هر که بنیادش بدست ‏ ‏ ‏ تربیت نا اهل راچون گِرد کان بر گنبدست

نسلِ فسادِ اینان منقطع کردن اولی ترست و بیخ و تَبار ایشان بر آوردن که آتش و انشاندن و اخگر گذاشتن افعی کشتن و بچه نگاه داشتن کارِ خرد مندان نیست۔

۶۔ ابر اگر آبِ زندگی بارد ‏ ‏ ‏ هرگز از شاخِ بید برنخوری
۷۔ با فرومایه روزگار مبر ‏ ‏ ‏ کز نیِ بوریا شکر نخوری

الفاظ معانی:

کمینگاه: کمین گاہ، کتف: کندھا، بامدادان: صبح سویرے، میوه عنفوان شبابش: اس کی چڑھتی جوانی کا پھل، سبزهٔ گلستان عذارش: اس کے رخساروں کے باغ کا سبزہ، دمیدن: پھوٹنا، شفاعت: سفارش، ریعان جوانی: اوائل جوانی، تمتع نیافت: مستفید نہیں ہوا، پرتو: سایہ، گرد کان: اخروٹ، منقطع کردن: کاٹنا، بیخ و تبار: جڑ اور خاندان، آتش و انشاندن: آگ بجھانا، اخگر: انگارہ، افعی: زہریلا سانپ، کار خرد مندان: عقلمندوں کا کام، ابر: بادل، آب زندگانی: آب حیات، فرو مایه: کمینہ شخص، نی بوریا: پٹ سن کا پودا۔

ترجمہ:

دلیر آدمی کمین گاہ سے باہر نکلے اور ایک ایک کے ہاتھ کندھوں پر باندھ دیئے اور صبح سویرے ان کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نے سب کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ ان کے درمیان ایک نوجوان تھا جس کی چڑھتی جوانی کا پھل ابھی پکا ہی تھا اور اس کے رخساروں کے باغ کا سبزہ ابھی پھوٹا ہی تھا۔ وزیروں میں سے ایک نے بادشاہ کے تخت کے پائے کو بوسہ دیا اور سفارش کے لیے چہرہ زمین پر رکھ دیا اور کہا: اس لڑکے نے ابھی اپنی زندگی کے باغ سے

پھل نہیں کھایا اور نوخیز جوانی سے مستفید نہیں ہوا۔ بادشاہی کرم اور اخلاق سے ایسی توقع ہے کہ اس نوجوان کی جان بخشی فرما کر بندے پر احسان فرمائیں گے۔
بادشاہ کو اس بات پر غصہ آ گیا اور بات اس کی بلند رائے کے ساتھ ساز گار نہ آئی اور کہا:

5۔ جس کی بنیاد بری ہو وہ نیک لوگوں کا سایہ (یعنی اثر) قبول نہیں کرتا۔ نااہل کی تربیت (کرنا) ایسے ہے جیسے گنبد پر اخروٹ۔
ان کی فساد کرنے والی نسل کو کاٹ دینا اور ان کے خاندان کی جڑ اکھاڑ پھینکنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ آگ بجھا دینا اور انگارہ چھوڑ دینا اور زہریلا سانپ مار دینا اور (اس کا) بچہ رکھ لینا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

6۔ بادل اگر آبِ حیات برسائے تو بھی تو بید کی شاخ سے پھل نہیں کھائے گا۔

7۔ کمینے شخص کے ساتھ زندگی بسر نہ کر کیونکہ تو پٹ سن کی نے (یعنی نرسل) سے کبھی شکر نہ کھائے گا۔

☆☆☆

وزیر این سخن بشنید۔ طوعاً و کرهاً بپسندید و بر حُسنِ رای مَلِك آفرین خواند و گفت: آنچه خداوند، دامَ مُلْکُه، فرمود عینِ مصلحت است و حقیقت که اگر در سِلكِ صحبتِ آن بَدان منتظم ماندی طبیعتِ ایشان گرفتی امّا بنده امید وارست که به عشرتِ صالحان تربیت پذیرد وخوی خرد مندان گیرد که هنوز طفل است و سیرتِ بغی و عنادِ این گروه در نهادِ او متمکّن نشده، و در حدیث است: مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا وَقَدْ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ۔

۸۔ با بدان یار گشت همسرِ لوط	خاندانِ نبوّتش گم شد
۹۔ سگِ اصحابِ کهف روزی چند	پیِ نیکان گرفت و مردم شد

این بگفت و طایفه ای ازندمای مَلِك باوی بشفاعت یار شدند تا مَلِك از سرِ خونِ او در گذشت و گفت: بخشیدم اگرچه مصلحت ندیدم۔

۱۰۔ دانی که چه گفت زال بارستم گرد	دشمن نتوان حقیر و بیچاره شمرد
۱۱۔ دیدم بسی، که آب سر چشمه خُرد	چون بیشتر آمد شتر و بار ببرد

الفاظ معانی:

طوعاً و کرهاً: نہ چاہتے ہوئے، آفرین خواندن: تعریف کرنا، طبیعت ایشان: ان کی فطرت، عشرت صالحان: نیکوں کی صحبت، هنوز: ابھی، بغی: سرکشی، عناد: عداوت، متمکن نشده: پختہ نہیں ہوئی، همسر: بیوی، سگ: کتا، طایفه: گروہ، ندمای ملك: بادشاہ کے مصاحب، خرد: چھوٹا، شتر: اونٹ، بار: سامان، بوجھ۔

ترجمہ:

وزیر نے یہ بات سنی، نہ چاہتے ہوئے بھی پسند کی اور بادشاہ کی عمدہ رائے کی تعریف کی اور کہا: حضور نے خدا آپ کی سلطنت ہمیشہ قائم رکھے جو کچھ فرمایا بالکل صحیح ہے اور حقیقت کیونکہ وہ اگر ان بروں کی صحبت کے رشتے میں رہ جاتا تو ان کی فطرت اپنا تا لیکن بندہ کو اُمید ہے کہ وہ نیکوں کی صحبت میں تربیت پائے گا اور عقلمندوں کی عادت اپنائے گا کیونکہ ابھی بچہ ہے اور اس گروہ کی سرکشی کی سیرت اور عداوت اس کی بنیاد میں پختہ نہیں ہوئی ہے اور حدیث شریف میں ہے: مامن مولود الا وقد یولد علی الفطرة فابواه یھودانه او ینصرانه او یمجسانه۔ (ہر بچہ اپنی فطرتؒ پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی اور آتش پرست بنا دیتے ہیں۔)

8۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بروں کی دوست بن گئی۔ نبوت کے خاندان سے اس کا تعلق ختم ہو گیا۔

9۔ اصحاب کہف کا کتا چند روز نیکوں کے پیچھے چلا اور آدمیوں جیسا ہو گیا یعنی آدمی جیسا رتبہ پا گیا۔
اس نے یہ کہا اور بادشاہ کے مصاحبوں کا ایک گروہ سفارش کے لیے اس کے ساتھ مل گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے لڑکے کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا اور کہا: میں نے معاف کر دیا اگرچہ (اس میں) بھلائی نہیں دیکھی۔

10۔ کیا تو جانتا ہے کہ زالؔ (رستم کے باپ) نے رستم پہلوان سے کیا کہا۔ دشمن کو کمزور اور لاچار نہیں سمجھنا چاہیے۔

11۔ ہم نے بہت مرتبہ دیکھا کہ جب چھوٹے چشمے کا پانی زیادہ آ گیا تو اونٹ اور اس کے سامان کو بہا لے گیا۔

☆☆☆

فی الجمله پسر رابناز و نعمت برآوردن گرفت و استادِ ادیب به تربیت او نصب کرد تا حُسنِ خطاب وردِ جوابش در آموخت و سایر آداب خدمتِ ملوکش تعلیم کرد چنان که درنظر بزرگان پسند آمد۔ باری وزیر از شمایلِ اودر حضرتِ سلطان شمه ای می گفت که تربیت عاقلان در او اثر کرده است و جهلِ قدیم از جِبِلّتِ او بدر برده۔ مَلِك را از این سخن تبسّم آمد و گفت:

۱۲۔ عاقبت گرگ زاده گرگ شود ... گرچه با آدمی بزرگ شود

سالی دو براین برآمد۔ طایفهٔ اَوباشِ محلّت در او پیوستند و عقدِ مرافقت بستند تا به وقتِ فرصت وزیر و هر دو پسرانش رابکشت و نعمتی بی قیاس برداشت و به مغارهٔ دزدان بجای پدر بنشست و عاصی شد۔ مَلِكِ دستِ تحیّربه دندان گزیدن گرفت و گفت:

۱۳۔ شمشیرِ نیك از آهنِ بد چون کند کسی؟ ... ناکس به تربیت نشود، ای حکیم، کس
۱٤۔ باران که در لطافتِ طبعش خلاف نیست ... درباغ لاله روید و در شوره بوم خس
۱۵۔ زمینِ شوره سنبل بر نیارد ... در او تخم و عمل ضایع مگردان
۱٦۔ نکویی با بدان کردن چنان است ... که بد کردن بجای نیکمردان

الفاظ معانی:

فی الجمله: مختصر یہ کہ، حسن خطاب: گفتگو کا سلیقہ، آموختن: سکھانا، سایر: سب، شمایل: عادات، شمه ای: تھوڑا سا، گرگ: بھیڑیا، عقد مرافقت: دوستی کا عہد، بی قیاس: بے اندازہ، مغارۂ دزدان: چوروں کی غار، عاصی: باغی، گزیدن: کاٹنا، شوره بوم: بنجر زمین، خس: گھاس پھوس، زمین شوره: شور زدہ زمین، تخم: بیج۔

ترجمہ:

مختصر یہ کہ اس نے لڑکے کو ناز و نعمت سے پالنا شروع کیا اور ادب سکھانے والا استاد اس کی تربیت کے لیے مقرر کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اسے گفتگو کا سلیقہ اور جواب دینے کا طریقہ سکھایا اور بادشاہوں کی خدمت کے تمام آداب سکھا دیے۔ اس طرح سے کہ بزرگوں کی نظر کو پسند آیا۔ ایک مرتبہ وزیر اس کی عادات کے بارے میں بادشاہ کی خدمت میں تھوڑا بیان کر رہا تھا کہ عقلمندوں کی تربیت نے اس پر اثر کیا ہے اور قدیم جہالت اس کی جبلت (فطرت) سے نکل گئی ہے۔ بادشاہ اس بات پر مسکرایا اور کہا:

12۔ بھیڑیے کا بچہ آخر کار بھیڑیا بنتا ہے۔ خواہ وہ آدمی کے ساتھ بڑا ہو۔
اس بات کو دو سال ہوئے۔ محلہ کا اوباش گروہ اس کے ساتھ مل گیا اور انہوں نے دوستی کا عہد کر لیا۔ یہاں تک کہ موقع ملنے پر اس نے وزیر اور اس کے

دونوں بیٹوں کو قتل کیا اور بے اندازہ مال اٹھا لیا اور چوروں کی غار میں اپنے باپ کی جگہ جا بیٹھا اور باغی ہو گیا۔ بادشاہ نے تعجب سے انگلیاں دانتوں سے کاٹیں اور کہا:

13۔ برے لوہے سے اچھی تلوار کوئی کیسے بنائے؟ اے عقلمند، گھٹیا شخص تربیت سے لائق نہیں بنتا۔
14۔ بارش کی فطری لطافت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ باغ میں لالہ اُگتا ہے اور شور زدہ زمین پر گھاس پھوس۔
15۔ بنجر زمین سنبل (کا درخت) نہیں اُگاتی۔ اس پر محنت اور بیج ضائع نہ کر۔
16۔ بروں کے ساتھ نیکی کرنا ایسے ہے کہ نیکوں کے ساتھ برائی کرنا۔

☆☆☆

حکایت ۵

سرهنگ زاده ای بر درِ سرای اِغُلَمِش دیدم که عقل و کیاستی و فهم و فِراستی زاید الوصف داشت، هم از عهدِ خُردی آثارِ بزرگی در ناصیهٔ او پیدا۔

۱۔ بالای سرش زهوشمندی　　　　می تافت ستارهٔ بلندی

فی الجمله مقبولِ نظرِ سلطان آمد که جمالِ صورت و معنی داشت و حکما گفته اند: توانگری به هنرست نه به مال و بزرگی به عقل است نه به سال۔ أبنایِ جنسِ اوبر منصبِ اوحسد بردند و به خیانتی متهم کردند و در کشتنِ او سعیِ بی فائده نمودند۔ دشمن چه زند چو مهربان باشد دوست۔ مَلِك پرسید که موجب خصمی اینان در حقِ تو چیست؟ گفت: در سایهٔ دولتِ خداوندی، دامَ ظِلُّهٗ، همگنان را راضی کردم مگر حسود را که راضی نمی شود الاّ به زوالِ نعمتِ من و اقبال و دولتِ خداوند بادا!

۲۔ توانم آن که نیازارم اندرونِ کسی　　　　حسود راچه کنم کوز خود به رنج دَرست؟
۳۔ بمیر تا برهی، ای حسود، کاین رنجی است　　　　که از مشقّتِ آن جزبه مرگ نتوان رست
۴۔ شور بختان بآرزو خواهند　　　　مُقبلان را زوالِ نعمت و جاه
۵۔ گر نبیند به روز شب پره چشم　　　　چشمهٔ آفتاب را چه گناه؟
۶۔ راست خواهی، هزار چشم چنان　　　　کور بهتر که آفتاب سیاه

الفاظ معانی:

سرهنگ زاده ای: سپاہی کا ایک بیٹا، اغلمش: بادشاہ کا نام، کیاستی: دانائی، زاید الوصف: بیان کی حد سے زیادہ، عهد خردی: بچپن کا زمانہ، ناصیه او: اس کی پیشانی، فی الجمله: مختصر یہ کہ، صورت و معنی: ظاہر اور باطن، توانگری: امیری، ابنای جنس او: اس کے ہم پیشہ، متهم کردن: تہمت لگانا، کشتن: قتل کرنا، خصمی: دشمنی، همگنان: سب، کو: کہ وہ، بمیر: مرجا، رستن: نجات پانا، شور بختان: بدقسمت، مقبلان: خوش قسمت، شب پره: چمگادڑ، چشمه آفتاب: روشنی کا منبع (سورج)، کور: اندھا۔

حکایت 5

ترجمہ:

میں نے سپاہی کا ایک بیٹا اغلمش کے محل کے دروازے پر دیکھا جو بیان کی حد سے زیادہ عقل، دانائی اور فہم و فراست رکھتا تھا۔ چھوٹی عمر میں ہی اس کی

پیشانی پر بزرگی کے آثار نمایاں تھے۔

1۔ عقلمندی کی وجہ سے اس کے سر پر خوش قسمتی کا ستارہ چمک رہا تھا۔

مختصر یہ کہ وہ بادشاہ کا منظور نظر ہو گیا کیونکہ وہ ظاہری اور باطنی خوبصورتی رکھتا تھا اور عقلمندوں نے کہا ہے کہ: امیری ہنر سے ہے مال سے نہیں اور بزرگی عقل سے ہے سال سے نہیں۔ اس کے ہم پیشہ لوگ اس سے حسد کرنے لگے اور اس پر بددیانتی کی تہمت لگا دی اور اسے قتل کرنے کی بے فائدہ کوشش کی۔ جب دوست یعنی اللہ تعالیٰ مہربان ہو تو دشمن کیا کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ان کی تجھ سے دشمنی کی وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا: آپ کی بادشاہانہ خوش قسمتی کے سائے میں، خدا اس کو ہمیشہ قائم رکھے، میں نے سب کو راضی کیا، لیکن حاسد، وہ راضی نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ میری نعمت کو زوال آئے اور اللہ آپ کی سلطنت اور خوش قسمتی کو ہمیشہ قائم رکھے۔

2۔ میں یہ کر سکتا ہوں کہ کسی کا دل نہ دکھاؤں لیکن حاسد کا کیا کروں کیونکہ وہ اپنے ہی ہاتھوں دکھ اور تکلیف میں مبتلا ہے۔

3۔ اے حاسد تو مر جا تاکہ تجھے نجات مل جائے، کیونکہ یہ ایک ایسی تکلیف ہے جس کی اذیت سے موت کے علاوہ کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی۔

4۔ بدقسمت لوگ آرزو کرتے ہیں کہ خوش قسمت لوگوں کی دولت اور مرتبہ کو زوال آ جائے۔

5۔ اگر چمگادڑ کی آنکھ دن کے وقت نہیں دیکھتی تو اس میں روشنی کے منبع یعنی سورج کا کیا گناہ؟

6۔ اگر تو سچ پوچھے تو سورج کے تاریک ہو جانے سے ایسی ہزاروں آنکھوں کا اندھا ہو جانا بہتر ہے۔

☆☆☆

حکایت ٦

یکی را از ملوکِ عجم حکایت کنند که دستِ تطاول به مالِ رعیّت دراز کرده بود و جور و اذیّت آغاز کرده تا به جایی که خلق از مکاید ظلمش به جهان برفتند و از کُربتِ جَورش راهِ غربت گرفتند۔ چون رعیّت کم شد ارتفاعِ ولایت نقصان پذیرفت و خزینه تهی ماند و دشمنان زور آوردند۔

۱۔ هر که فریادرسِ روزِ مصیبت خواهد — گودر ایامِ سلامت به جوانمردی کوش

۲۔ بندهٔ حلقه بگوش ارننوازی برود — لطف کن لطف که بیگانه شود حلقه بگوش

باری، در مجلسِ او، کتابِ شاهنامه می خواندند در زوالِ مملکتِ ضحّاك و عهدِ فریدون، وزیر ملك را پرسید: هیچ توان دانست فریدون که گنج و مُلك و حَشَم نداشت چگونه بر وی مملکت مقرّر شد؟ گفت: چنان که شنیدی خلقی بر او بتعصّب گرد آمدند و تقویت کردند و پادشاهی یافت۔ پس گفت: ای مَلِك، چون گرد آمدنِ خلقی موجبِ پادشاهی است تو مر خلق را پریشان برای چه می کنی؟ مگر سرِ پادشاهی کردن نداری؟

۳۔ همان به که لشکر بجان پروری — که سلطان به لشکر کند سروری

الفاظ معانی:

ملوک عجم: ایران کے بادشاہ، دست تطاول: ظلم کا ہاتھ، جور واذیت: ظلم وستم، مکاید: حیلوں، ارتفاع ولایت: مملکت کی آمدنی، تهی ماندن: خالی رہ جانا، بنده: غلام، حلقه بگوش: فرمانبردار، لطف کن: مہربانی کر، باری: ایک مرتبہ، گنج: خزانہ، چگونه: کس طرح، گرد آمدن: اکٹھے ہونا، به: بہتر، سروری: بادشاہت۔

حکایت 6

ترجمہ:

ایران کے بادشاہوں میں سے ایک کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ اس نے رعایا کے مال پر ظلم کا ہاتھ دراز کر رکھا تھا اور ظلم وستم کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے ظلم کے حیلوں سے تنگ آ کر لوگ دنیا کے دوسرے علاقوں میں چلے گئے اور اس کے ظلم وستم کے نتیجہ میں دوسرے ملکوں کی راہ لی۔ جب رعایا کم ہوگئی تو مملکت کی آمدنی کو نقصان پہنچا اور خزانہ خالی رہ گیا اور دشمن طاقتور ہو گئے۔

1۔ جو کوئی مصیبت کے روز مدد کرنے والا چاہتا ہو تو اسے کہہ کہ سلامتی کے دنوں میں سخاوت کی کوشش کر۔

2۔ اگر تو فرمانبردار غلام پر مہربانی نہ کرے تو وہ چلا جائے گا۔ مہربانی کر مہربانی تا کہ بیگانہ مطیع ہو جائے۔

ایک مرتبہ، اس کی محفل میں شاہنامہ پڑھ رہے تھے جو ضحاک (بادشاہ) کی حکومت کے زوال اور فریدون (بادشاہ) کے عہد کے بارے میں تھا۔ وزیر نے بادشاہ سے پوچھا: کیا کچھ جانا جا سکتا ہے کہ فریدون جس کے پاس خزانہ، ملک اور نوکر چاکر نہیں تھے اسے کیسے مملکت مل گئی؟ اس (بادشاہ) نے کہا: جیسا کہ تو نے سنا لوگ طرفداری کے باعث اس کے گرد اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے اسے طاقتور بنایا اور اسے بادشاہت مل گئی۔ اس (وزیر) نے کہا: اے بادشاہ! جب لوگوں کا اکٹھا ہونا بادشاہت کا سبب ہے تو پھر تو لوگوں کو کیوں منتشر کر رہا ہے؟ کیا تو بادشاہی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا؟

3۔ یہی بہتر ہے کہ تو لشکر کی پرورش دل و جان سے کرے کیونکہ بادشاہ لشکر سے بادشاہت کرتا ہے۔

☆☆☆

مَلِك گفت: موجب گرد آمدن سپاه و رعیّت چه باشد؟ گفت: پادشه را کرم باید تا بر او رعیّت گرد آیند و رحمت تا درپناهِ دولتش ایمن نشینند و تورا این هر دو نیست۔

٤۔ نکند جور پیشه سلطانی — که نیاید زگرگ چوپانی

٥۔ پادشاهی که طرح ظلم افگند — پای دیوارِ مُلکِ خویش بکند

ملك را پندِ وزیرِ ناصح موافقِ طبع نیامد۔ روی از این سخن درهم کشید و به زندانش فرستاد۔ بسی برنیامد که بنی عمّش بمنازعت برخاستند و مُلکِ پدر خواستند۔ قومی که از دستِ تطاولِ او بجان آمده بودند و پریشان شده، برایشان گرد آمدند و تقویت کردند تا مُلك از تصرفِ این بدر رفت و بر آنان مقرر شد۔

٦۔ پادشاهی کو روا دارد ستم بر زیردست — دوستدارش روزِ سختی دشمنِ زور آورست

٧۔ بارعیّت صلح کن وز جنگِ خصم ایمن نشین — زان که شاهنشاهِ عادل را رعیّت لشکرست

الفاظ معانی:

گرد آمدن: اکٹھا ہونا، ایمن: امن، جور: ظلم، گرگ: بھیڑیا، چوپانی: گلہ بانی، طرح افگندن: بنیاد رکھنا، پند: نصیحت، ناصح: نصیحت کرنے والا، موافق طبع: طبیعت کے موافق، فرستادن: بھیجنا، بنی عمش: اس کے چچا کے بیٹے، منازعت: جھگڑا، برخاستن: کھڑے ہونا، تصرف: قبضہ، بدر رفت: نکل گیا، زیردست: ماتحت، خصم: دشمن، رعیت: رعایا۔

ترجمہ:

بادشاہ نے کہا: سپاہیوں اور رعایا کے اکٹھا ہونے کا سبب کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: بادشاہ کو کرم کرنا چاہیے تا کہ رعایا اس کے گرد جمع ہو جائے اور رحمت

تا کہ وہ اس کی سلطنت کی پناہ میں امن سے رہ سکے اور تجھ میں یہ دونوں (باتیں) نہیں ہیں۔

4۔ ظلم کو پیشہ بنانے والا بادشاہت نہیں کرتا کیونکہ بھیڑیئے سے گلہ بانی نہیں ہو سکتی۔

5۔ جس بادشاہ نے (حکومت کی) بنیاد ظلم پر رکھی اس نے اپنے ملک کی بنیاد خود ہی کھود ڈالی۔

بادشاہ کو نصیحت کرنے والے وزیر کی نصیحت طبیعت کے موافق نہ آئی۔ اس بات پر وہ ناراض ہو گیا اور اسے جیل بھیج دیا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اس کے چچازاد جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور باپ کے ملک کا مطالبہ کر دیا۔ وہ قوم جو اس کے ظلم وستم سے تنگ آ چکی تھی اور بکھر گئی تھی ان کے گرد جمع ہو گئی اور ان کی قوت بڑھائی۔ یہاں تک کہ ملک اس کے قبضے سے نکل کر ان کے ہاتھ آ گیا۔

6۔ وہ بادشاہ جو ماتحتوں پر ظلم روا رکھے۔ مصیبت کے دن اس کو چاہنے والا اس کا طاقتور دشمن ہے۔

7۔ رعایا کے ساتھ صلح رکھ اور دشمن کی جنگ سے امن میں رہ کیونکہ عادل شہنشاہ کے لئے رعایا لشکر ہے۔

حکایت ۷

پادشاهی با غلامی عجمی در کشتی نشست و غلام هرگز دریا ندیده بود و محنتِ کشتی نیاز موده. گریه و زاری درنهاد و لرزه بر اندامش افتاد. چندان که ملاطفت کردند آرام نمی گرفت و مَلِك را عیش از او منغص شد. چاره ندانستند. حکیمی در آن کشتی بود. مَلِك را گفت: اگر فرمایی من او را خاموش کنم. گفت: غایتِ لطف باشد. بفرمود تا غلام رابه دریا انداختند. باری چند غوطه خورد. مویش گرفتند و سوی کشتی آوردند. دست در خِطام کشتی زد. چون برآمد به گوشه ای بنشست و آرام یافت. مَلِك را پسندیده آمد گفت: در این چه حکمت بود؟ گفت: اوّل محنتِ غرقه شدن نچشیده بود و قدر سلامتِ کشتی نمی دانست. همچنین قدرِ عافیت کسی داند که به مصیبتی گرفتار آید.

۱۔ ای سیر تورا نانِ جوین خوش ننماید	معشوقِ من است آن که به نزدیکِ توزشت است
۲۔ حورانِ بهشتی را دوزخ بود أعراف	از دوخیان پرس که أعراف بهشت است
۳۔ فرق است میانِ ان که یارش در بر	با آن که دو چشمِ انتظارش بر در

الفاظ معانی:

نشستن: بیٹھنا، نیاز مودن: تجربہ نہ کرنا، گریہ وزاری: رونا پیٹنا، درنهادن: شروع کرنا، ملاطفت: مہربانی، منغض: خراب، غایت لطف: نہایت مہربانی، انداختن: پھینکنا، باری چند: چند بار، محنت: تکلیف، همچنین: اسی طرح، ای سیر: اے پیٹ بھرے شخص، نان جوین: جو کی روٹی، زشت: بدصورت، اعراف: دوزخ اور بہشت کے درمیان ایک جگہ۔

حکایت 7

ترجمہ:

ایک بادشاہ ایک غیر عرب غلام کے ساتھ کشتی میں بیٹھا اور غلام نے کبھی سمندر نہ دیکھا تھا اور کشتی کی تکلیف کا تجربہ نہ کیا تھا۔ اس نے رونا پیٹنا شروع کر دیا اور اس کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی جس قدر اس سے انہوں نے مہربانی کی وہ آرام نہیں پاتا تھا اور بادشاہ کا مزا اس سے خراب ہو گیا۔ انہیں کوئی تدبیر

بھائی نہ دی۔ اس کشتی میں ایک دانا آدمی تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا: اگر آپ حکم دیں تو میں اسے چپ کراؤں۔ اس نے کہا: بہت مہربانی ہوگی۔ اس کے حکم سے انہوں نے غلام کو سمندر میں پھینک دیا۔ اس نے چند بار غوطے کھائے۔ انھوں نے اس کے بال پکڑے اور کشتی کی طرف لے آئے۔ اس نے ہاتھ سے کشتی کے پچھلے حصے کو پکڑ لیا۔ جب اوپر آیا تو ایک کونے میں بیٹھ گیا اور سکون کر گیا۔ بادشاہ کو اچھا لگا۔ اس نے کہا: اس میں کیا حکمت تھی؟ اس نے کہا: اس نے پہلے ڈوبنے کی تکلیف نہیں چکھی تھی اور وہ کشتی کی سلامتی کی قدر نہیں جانتا تھا۔ اسی طرح سلامتی کی قدر وہی جانتا ہے جو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔

1۔ اے پیٹ بھرے شخص تجھے جو کی روٹی اچھی نہیں لگتی۔ وہ میری محبوبہ ہے جو تیرے نزدیک بدصورت ہے۔

2۔ جنت کی حوروں کے لیے اعراف دوزخ ہے دوزخیوں سے پوچھ کر اعراف بہشت ہے۔

3۔ فرق ہے اس شخص کی حالت میں جس کا محبوب اس کے پہلو میں ہو اور اس شخص کی حالت میں جس کی دونوں آنکھیں محبوب کے انتظار میں دروازے پر لگی ہوں۔

☆☆☆

حکایت ۸

ہرمزرا گفتند: از وزیرانِ پدر چہ خطا دیدی کہ بند فرمودی؟ گفت: خطائی معلوم نکردم و لیکن دیدم کہ مہابتِ من در دلِ ایشان بی کران است و بر عہدِ من اعتماد کلّی ندارند۔ ترسیدم از بیم گزندِ خویش قصدِ ہلاکِ من کنند۔ پس قولِ حکما را کاربستم کہ گفتہ اند:

۱۔ ازان کز تو ترسد بترس ای حکیم	وگر با چنو صد بر آیی بہ جنگ
۲۔ ازان مار بر پای راعی زند	کہ ترسد سرش را بکوبد بہ سنگ
۳۔ نبینی کہ چون گربہ عاجز شود	بر آرد بہ چنگال چشمِ پلنگ؟

الفاظ معنی:

ہرمز: ساسانی بادشاہ انوشیروان کا بیٹا ہرمز چہارم، پدر: باپ، بند: قید، مہابت: خوف، بی کران: بے حد، ترسیدم: میں ڈر گیا، بیم: خوف، گزند: نقصان، قصد: ارادہ، کاربستن: عمل پیرا ہونا، چنو: اس جیسے، مار: سانپ، راعی: چرواہا، گربہ: بلی، چنگال: پنجہ، پلنگ: چیتا۔

حکایت 8

ترجمہ:

انہوں (لوگوں) نے ہرمز سے کہا: تو نے باپ کے وزیروں کی کیا خطا دیکھی جو انہیں قید میں ڈال دیا؟ اس نے کہا کوئی غلطی تو نہیں دیکھی اور لیکن میں نے دیکھا کہ میرا خوف ان کے دلوں میں بہت زیادہ ہے اور وہ میرے وعدے پر مکمل اعتماد نہیں کرتے۔ میں ڈر گیا کہ کہیں اپنے نقصان کے خوف سے مجھے ہلاک کرنے کا ارادہ نہ کر لیں۔ پس میں داناؤں کے قول پر عمل پیرا ہوا کہ انہوں نے کہا ہے:

1۔ اے عقلمند، وہ جو تجھ سے ڈرے، اس سے ڈر اور اگرچہ تو اس جیسے سینکڑوں پر جنگ میں غلبہ پا سکے۔

Scanned with CamScanner

2۔ سانپ اس لیے چرواہے کے پاؤں پر ڈستا ہے کہ وہ اس کا سر پتھر سے کچل دے گا۔

3۔ تو نہیں دیکھتا جب بلی مجبور ہو جائے تو پنجے سے چیتے کی آنکھیں نکال لیتی ہے۔

☆☆☆

حکایت ۹

یکی از ملوکِ عرب رنجور بود در حالتِ پیری و امید از زندگانی قطع کرده، که ناگه سواری از در درآمد و مژده آورد که فلان قلعه رابه دولتِ خداوند گشادیم۔ دشمنان اسیر شدند و سپاه و رعیّتِ آن طرف بجملگی مطیعِ فرمانِ گشتند۔ مَلِك را نَفَسی سرد از سرِ درد برآمد و گفت: این مژده مرانیست دشمنانم راست یعنی وارثانِ مملکت۔

۱۔ در این اُمید بسر شد، دریغ! عمر عزیز	که آنچه در دلم است از درم فراز آید
۲۔ امیدِ بسته برآمد ولی چه فایده زانك	امید نیست که عمرِ گذشته باز آید
۳۔ کوسِ رحلت بکوفت دستِ اجل	ای دو چشمم وداعِ سر بکنید
٤۔ ای کفِ دست و ساعد و بازو	همه تودیعِ یکدگر بکنید
٥۔ بر منِ اوفتاده دشمن کام	آخر، ای دوستان، گذر بکنید
٦۔ روزگارم بشد بنادانی	من نکردم شما حذر بکنید

الفاظ معانی:

رنجور: **بیمار**، پیری: **بڑھاپا**، ناگہ: **اچانک**، از در: **دروازے سے**، در آمدن: **اندر آنا**، مژده: **خوشخبری**، اسیر: **قیدی**، بجملگی: **مکمل طور پر**، نفسی سرد: **ایک ٹھنڈی آہ**، دریغ: **افسوس**، ولی: **لیکن**، عمرِ گذشته: **گزری ہوئی عمر**، باز آمدن: **واپس آنا**، کوس رحلت: **موت کا نقارہ**، کوفتن: **بجانا**، دست اجل: **موت کا ہاتھ**، کف دست: **ہاتھ کی ہتھیلی**، ساعد: **کلائی**، تودیع: **الوداع**، روزگارم: **میری زندگی**، حذر کردن: **پرہیز کرنا**۔

حکایت 9

ترجمہ:

عرب کے بادشاہوں میں سے ایک بڑھاپے کی حالت میں بیمار تھا اور زندگی سے اُمید ختم کیے بیٹھا تھا کہ اچانک ایک سوار دروازے سے اندر آیا اور خوشخبری لایا کہ ہم نے فلاں قلعہ کو حضور کی سلطنت کے لیے فتح کر لیا۔ دشمن گرفتار ہو گئے۔ ان کی فوج اور رعایا مکمل طور پر فرمانبردار ہو گئے۔ درد کے باعث بادشاہ کو ٹھنڈی آہ آئی اور اس نے کہا: یہ خوشخبری میرے لیے نہیں ہے میرے دشمنوں کے لیے ہے یعنی ملک کے وارثوں کے لیے۔

1۔ افسوس عزیز عمر اسی امید میں گزر گئی کہ جو میرے دل میں ہے وہ پورا ہو جائے۔

2۔ جو امید لگائی وہ پوری ہوئی مگر اس کا کیا فائدہ؟ کیونکہ امید نہیں کہ گزری عمر واپس آ جائے۔

3۔ موت کے ہاتھ نے کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ اے دو آنکھو سر کو الوداع کہہ دو۔

4۔ اے ہاتھ کی ہتھیلی، کلائی اور بازو، سب ایک دوسرے کو الوداع کہہ دو۔

5۔ میں دشمن کی آرزو کے مطابق مرنے کو ہوں۔اے دوستو آخر میرے پاس سے تو گزرو۔

6۔ میری زندگی نادانی میں گزر گئی۔میں نے (برائیوں سے) پرہیز نہیں کیا،تم پرہیز کرو۔

☆☆☆

حکایت ۱۰

بر بالینِ تربتِ یحیی پیغامبر، علیه السلام، معتکف بودم در جامع دمشق که یکی از ملوکِ عرب که به بی انصافی معروف بود، به زیارت آمد و نماز و دعا کرد و حاجت خواست۔

۱۔ درویش و غنی بندۂ این خاکِ درند　　و آنان که غنی ترند محتاج ترند

آنگه مرا گفت: ازان جا که همّتِ درویشان است وصدقِ معاملتِ ایشان خاطری همراهِ ما کن که از دشمنِ صعب اندیشناکم۔ گفتمش: بر رعیّتِ ضعیف رحمت کن تا از دشمن قوی زحمت نبینی۔

۲۔ به بازوانِ توانا و قوّتِ سرِ دست　　خطاست پنجۂ مسکینِ ناتوان بشکست

۳۔ نترسد آن که بر افتادگان نبخشاید　　که گر زپای در آید، کسش نگیرد دست

٤۔ هر آن که تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت　　دماغ بیهده پخت و خیالِ باطن بست

۵۔ ز گوش پنبه برون آر و دادِ خلق بده　　و گر تو می ندهی داد، روزِ دادی هست

٦۔ بنی آدم اعضای یکدیگرند　　که در آفرینش زیك گوهرند

۷۔ چو عضوی بدرد آورد روزگار　　دگر عضوها را نماند قرار

۸۔ تو کز محنت دیگران بی غمی　　نشاید که نامت نهند آدمی

الفاظ معانی:

بالین: سرہانا،معتکف: اعتکاف،حاجت خواستن: مراد چاہنا،آنگه: اس وقت،دشمن صعب: سخت دشمن،ناتوان: کمزور،بر افتادگان: لاچاروں پر، کشتن: کاشت کرنا، پنبه: کپاس،روز داد: انصاف کا دن۔

حکایت 10

ترجمہ:

میں جامع مسجد دمشق میں پیغمبر حضرت یحییٰ علیہ السلام کی قبر کے سرہانے گوشہ نشین تھا کہ عرب کے بادشاہوں میں سے ایک جو بے انصافی میں معروف تھا زیارت کو آیا اور اس نے نماز اور دعا پڑھی اور مراد چاہی۔

1۔ فقیر اور مالدار اس درگاہ کی خاک کے غلام ہیں اور وہ جو زیادہ امیر ہیں وہ زیادہ محتاج ہیں۔

اس وقت اس نے مجھ سے کہا: جہاں تک ہمت اور معاملات کی سچائی کا تعلق ہے وہ درویشوں میں ہے۔آپ ہم پر توجہ فرمائیں کیونکہ میں ایک سخت دشمن سے فکر مند ہوں۔میں نے اس سے کہا: کمزور رعایا پر رحم کرتا کہ تو طاقتور دشمن سے تکلیف نہ اٹھائے۔

2۔ طاقتور بازوؤں اور پنجے کی قوت سے کسی کمزور بیچارے کا پنجہ توڑنا غلط بات ہے۔

-3 جومصیبت زدہ لوگوں پر رحم نہیں کرتا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اگر کبھی خود گر پڑے تو اس کا ہاتھ بھی کوئی نہیں تھامے گا۔

-4 جس نے بدی کا بیج بویا اور اچھائی کی امید رکھی، اس نے ذہن میں فضول بات سوچی اور غلط خیال باندھا۔

-5 اپنے کان سے روئی نکال اور مخلوق کو انصاف دے اور اگر تو انصاف نہیں دے گا تو انصاف کا ایک دن مقرر ہے۔

-6 آدم کی اولاد ایک ہی جسم کے اعضاء ہیں کیونکہ پیدائشی طور پر وہ ایک ہی جوہر سے ہیں۔

-7 جب زمانہ کسی ایک عضو کو تکلیف دیتا ہے تو دوسرے اعضاء کو بھی چین نہیں آتا۔

-8 تو جو دوسروں کی تکلیف سے بے غم ہے تجھے زیب نہیں دیتا کہ تیرا نام آدمی رکھیں۔

☆☆☆

حکایت ۱۱

درویشی مستجاب الدّعوة در بغداد پدید آمد۔ حجاجِ یوسف را خبر کردند بخواندش و گفت: دعای خیری برمن بکن۔ گفت: خدایا جانش بستان۔ گفت: ازبهرِ خدا این چه دعاست؟ گفت: دعای خیر ست تورا و جملهٔ مسلمانان را۔

۱۔ ای زبردستِ زیردست آزار   گرم تا کی بماند این بازار؟

۲۔ به چه کار آیدت جهانداری؟   مردنت بهٔ که مردم آزاری

الفاظ معانی:

مستجاب الدعوة: جس کی دعا قبول ہوتی ہو، پدید آمدن: نمودار ہونا، بستان: لے لے، جملهٔ: سب، زیردست: ماتحت، جهانداری: بادشاہت، مردم آزاری: لوگوں کو تکلیف دینا۔

حکایت 11

ترجمہ:

ایک درویش جس کی دعا قبول ہوتی تھی بغداد آیا۔ لوگوں نے حجاج یوسف کو خبر دی۔ اس نے اسے بلایا اور کہا: میرے لیے دعائے خیر کر۔ اس نے کہا: اے اللہ اس کی جان لے لے۔ اس نے کہا: خدارا یہ کیا دعا ہے؟ اس نے کہا: دعائے خیر ہے تیرے لیے اور سب مسلمانوں کے لیے۔

-1 اے ماتحتوں کو ستانے والے طاقتور۔ یہ بازار کب تک گرم رہے گا؟

-2 بادشاہت تیرے کس کام آئے گی؟ لوگوں کو تکلیف دینے سے تیرا مر جانا بہتر ہے۔

☆☆☆

حکایت ۱۲

یکی از ملوکِ بی انصاف پارسایی را پرسید که از عبادتها کدام فاضل ترست؟ گفت: تورا خوابِ نیمروز تا در آن یك نَفَس خلق را نیازاری۔

۱۔ ظالمی را خفته دیدم نیمروز — گفتم این فتنه ست خوابش برده به

۲۔ وان که خوابش بهتر از بیداری است — آن چنان بد زندگانی، مرده به

الفاظ معانی:

پرسیدن: پوچھنا، نیمروز: دوپہر، خواب: سونا، نیند، خفته: سویا ہوا، دیدم: میں نے دیکھا، به: بہتر۔

حکایت 12

ترجمہ:

بے انصاف بادشاہوں میں سے ایک نے ایک پرہیزگار سے پوچھا: عبادتوں میں سے کون سی زیادہ افضل ہے؟ اس نے کہا: دوپہر کو تیرا سو جانا تا کہ تو اس تھوڑے سے وقت میں مخلوق کو تنگ نہ کرے۔

1۔ میں نے ایک ظالم کو دوپہر کو سوئے ہوئے دیکھا۔ میں نے کہا یہ فتنہ ہے اس کا سویا رہنا ہی بہتر ہے۔

2۔ اور وہ کہ جس کا سویا رہنا اس کے جاگنے سے بہتر ہو تو ایسی بری زندگی سے مرجانا ہی بہتر ہے۔

☆☆☆

حکایت ۱۳

یکی از ملك را شنیدم که شبی در عشرت روز کرده بود و در پایانِ مستی می گفت:

۱۔ ما را به جهان خوشتر از این یك دم نیست — کز نیك و بد اندیشه و، از کس غم نیست

درویشی برهنه، به سرما، بیرون خفته بود بشنید و گفت:

۲۔ ای آن که به اقبالِ تو در عالم نیست — گیرم که غمت نیست، غمِ ما هَم نیست؟

مَلِك را خوش آمد، صرّه ای هزار دینار از روزن بیرون داشت و گفت: دامن بدار ای درویش۔ گفت: دامن از کجا آرم که جامه ندارم۔ ملك را بر حالِ ضعیفِ او رقّت زیادت شد و خلعتی برآن مزید کرد و پیشش فرستاد۔ درویش آن نقد و جنس را به اندك مدّتی بخورد و پریشان کرد و بطمع باز آمد۔

۳۔ قرار بر کفِ آزادگان نگیرد مال — نه صبر در دلِ عاشق، نه آب در غربال

الفاظ معانی:

شبی: ایک رات، پایان: اختتام، خوشتر: زیادہ اچھا، اقبال: خوش قسمتی، گیرم: میں مان لوں، خوش آمدن: اچھا لگنا، رقت: ترس، روزن: دریچہ، دامن بدار: دام پھیلا، ازکجا: کہاں سے، جامہ: لباس، خلعتی: ایک پوشاک، اندك مدت: تھوڑا عرصہ، پریشان کردن: اڑا دینا، بطمع: لالچ کے ساتھ، کف: ہتھیلی، آزادگان: بے فکرے، غربال: چھلنی۔

حکایت 13

ترجمہ:

میں نے بادشاہوں میں سے ایک کے بارے میں سنا کہ اس نے ایک رات عیش و عشرت میں صبح کر دی اور مستی کی انتہا میں کہہ رہا تھا:

1۔ ہمارے لیے اس دنیا میں اس ایک لمحے سے بہتر کچھ نہیں ہے کیونکہ نہ اچھے اور برے کی فکر ہے اور نہ کسی کا غم ہے۔
ایک درویش سردی میں ننگا باہر سویا ہوا تھا۔ اس نے سنا اور کہا:

2۔ اے وہ کہ تجھ جیسا خوش قسمت دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں مان لوں تجھے کوئی غم نہیں ہے، ہمارا غم بھی نہیں ہے؟
بادشاہ کو بات اچھی لگی۔ ہزار دینار کی تھیلی دریچے سے باہر نکالی اور کہا: اے درویش دامن پھیلا۔ اس نے کہا: میں دامن کہاں سے لاؤں کیونکہ میرے پاس لباس نہیں ہے۔ بادشاہ کو اس کی کمزور حالت پر زیادہ ترس آیا اور اس پر ایک پوشاک کا اضافہ کر دیا اور اس کے پاس بھیج دی۔ درویش نے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ نقدی اور جنس کھالی اور اڑادی اور لالچ کے ساتھ پھر آ گیا۔

3۔ بےفکر لوگوں کی ہتھیلی پر مال نہیں ٹھہرتا (جیسے) عاشق کے دل کو صبر نہیں آتا اور چھلنی میں پانی نہیں ٹھہرتا۔

☆☆☆

درحالتی که مَلِك را پروای او نبود عرضه داشتند که فلان درویش ایستاده است-بهم بر آمد و روی در هم کشید- و از این جاگفته اند اصحابِ فِطنت و خبرت که از حِدّت و سَورتِ پادشاهان برحذر باید بود که غالبِ همّتِ ایشان به معظماتِ امورِ مملکت متعلق باشد و تحمّلِ ازدحامِ عوام نکند-

٤- حرامش بود نعمت پادشاه	که هنگام فرصت ندارد نگاه
٥- مجالِ سخن تا نبینی زپیش	به بیهوده گفتن مبر قدرِ خویش

گفت: این گدای مبذّر را که چندان نعمت به چندین مدّت برانداخت برانید که خزینه بیت المال لقمۂ مساکین است نه طعمۂ اِخوان الشّیاطین-

٦- ابلهی کو روز روشن شمعِ کافوری نهد	زود باشد کش به شب روغن نبینی در چراغ

یکی از وزرای ناصح گفت: ای پادشاهِ روی زمین چنین کسان را وجهِ کفاف بتفاریق مُجری باید داشت تا در نفقه اسراف نکنند- اما اشارت که فرمودی از زجر و منع، مناسبِ سیرتِ ارباب همّت نیست یکی را به لطف اُمیدوار کردن و باز به نا اُمیدی خسته گردانیدن-

٧- به روی خود درِ طمّاع باز نتوان کرد	چو باز شد، بدرشتی فراز نتوان کرد
٨- کس نبیند که تشنگانِ حجاز	به لبِ آبِ شور گرد آیند
٩- هر کجا چشمه ای بود شیرین	مردم و مرغ و مور گرد آیند

الفاظ معانی:

بهم برآمد: غصہ آ گیا، عرضه داشتن: عرض پہنچانا، ایستا دن: کھڑے ہونا، اصحاب فطنت: عقلمند لوگ، خبرت: دانا، حدت: غصہ، سورت: دبدبہ، معظمات: اہم معاملات، ازدحام: ہجوم، مبذر: فضول خرچ، اخوان الشیاطین: شیطانوں کے بھائی، ابلهی: ایک بےوقوف، شمع کافوری: کافور سے بنی شمع، ناصح: نصیحت کرنے والا، وجه کفاف: گزارے کی رقم، مجری باید داشت: ادا کرنا چاہیے، اسراف: فضول خرچی، اشارت: حکم، زجر کردن: ڈانٹنا، ارباب همت: ہمت والے لوگ، لطف: مہربانی، منع: محروم، خسته گردانیدن: دکھ دینا، درطماع: ہوس کا دروازہ، تشنگان: پیاسے، آب شور: کھارا پانی، هر کجا: جہاں کہیں، مردم: لوگ، مرغ: پرندہ، مور: کیڑے مکوڑے، گرد آمدن: اکٹھے ہونا۔

ترجمہ:

ایسی حالت میں کہ بادشاہ کو اس کی کوئی پرواہ نہ تھی لوگوں نے اس کی حالت عرض کی کہ فلاں درویش کھڑا ہے۔ اسے (بادشاہ کو) غصہ آ گیا اور منہ موڑ

لیا۔ اسے لیے عقلمند اور دانا لوگوں نے کہا ہے کہ بادشاہوں کے غصے اور دبدبے سے بچنا چاہیے کیونکہ ان کی زیادہ توجہ مملکت کے اہم معاملات کی طرف لگی ہوتی ہے اور وہ لوگوں کا ہجوم برداشت نہیں کرتے۔

4۔ اس شخص کے لیے بادشاہ کی نعمت حرام ہوتی ہے جو (بادشاہ کی) فرصت کے اوقات کا خیال نہیں کرتا۔

5۔ اگر تو پہلے سے بات کرنے کا موقع نہ دیکھے تو فضول بات کر کے اپنی عزت نہ گنوا۔
اس نے کہا اس فضول خرچ فقیر کو جس نے اتنی زیادہ رقم اتنے کم وقت میں لٹا دی، بھگا دو کیونکہ بیت المال کا خزانہ مسکینوں کا لقمہ ہے شیطانوں کے بھائیوں کی غذا نہیں ہے۔

6۔ وہ بےوقوف جو روشن دن میں کافور کی شمع جلائے، تو جلد ہی دیکھے گا کہ رات کو اس کے چراغ میں تیل نہ ہوگا۔
نصیحت کرنے والے وزراء میں سے ایک نے کہا: اے روئے زمین کے بادشاہ ایسے لوگوں کے لیے گزارے کی رقم تھوڑی تھوڑی جاری کی جائے تاکہ خرچ میں فضول خرچی نہ کریں۔ لیکن جو آپ نے ڈانٹا اور محروم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ارباب ہمت کی سیرت کی رو سے مناسب نہیں کہ ایک کو مہربانی کا امیدوار بنانا اور پھر نا امیدی سے زخمی کر دینا۔

7۔ لالچی پر اپنا دروازہ نہیں کھولا جا سکتا اور جب کھل جائے تو سختی سے بند نہیں کیا جا سکتا۔

8۔ کوئی (کبھی) نہیں دیکھتا کہ حجاز کے پیاسے کھارے پانی کے گرد جمع ہوں۔

9۔ جہاں کہیں میٹھے پانی کا چشمہ ہو، لوگ، پرندے اور کیڑے مکوڑے (وہاں) جمع ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

حکایت ۱٤

یکی از پادشاهانِ پیشین در رعایتِ مملکت سستی کردی و لشکر بسختی داشتی۔ لاجرم دشمنی صعب روی نمود۔ همه پشت دادند۔

۱۔ چو دارند گنج از سپاهی دریغ — دریغ آیدش دست بردن به تیغ

یکی را از آنان که غدر کردند با من دوستی بود ملامتش کردم و گفتم: دون است و بی سپاس و سفله و ناحق شناس که به اندك تغیّرِ حال از مخدومِ قدیم برگردد و حقوقِ نعمتِ سالیان در نوردد۔ گفت: اگر به کرم معذور داری شاید، که اسبم بی جو بود و نمدزین بگرو و سلطان که به زربا سپاهی بخیلی کند به سر با او جوانمردی نتوان کرد۔

۲۔ زر بده مرد سپاهی را تا سر بنهد — وگرش زر ندهی سر بنهد در عالم

۳۔ اِذَا شَبِعَ الْکَمِیُّ یَصُولُ بَطْشًا — وَخَاوِی الْبَطْنِ یَبْطِشُ بِالْفِرَارِ

الفاظ معانی:

پیشین: گذشتہ، رعایت مملکت: ملک کی دیکھ بھال، لاجرم: بالآخر، صعب: سخت، روی نمودن: حملہ کرنا، پشت دادن: پیٹھ دکھانا، گنج: خزانہ، تیغ: تلوار، غدر: بےوفائی، دون: کمینہ، بی سپاس: ناشکرا، اندك: تھوڑا، درنوردد: خیال نہ کرے، اسبم: میرا گھوڑا، بی جو: بھوکا، نمدزین: زین کا نمدہ۔

حکایت 14

ترجمہ:

گذشتہ بادشاہوں میں سے ایک مملکت کی دیکھ بھال میں غفلت کرتا اور لشکر کو تنگی میں رکھتا۔ بالاخر ایک سخت دشمن نے حملہ کر دیا۔ سب نے پیٹھ دکھائی۔

1۔ جب سپاہی کو خزانہ عطا کرنے سے گریز کرتے ہیں تو وہ تلوار کی طرف ہاتھ بڑھانے سے گریز کرتا ہے۔

جنہوں نے بے وفائی کی ان میں سے ایک کے ساتھ میرا دوستی کا رشتہ تھا۔ میں نے اسے ملامت کی اور کہا: وہ شخص کمینہ، ناشکرا، گھٹیا اور بے انصاف ہے جو حالات کی معمولی تبدیلی پر اپنے پرانے آقا سے منہ موڑ لے اور برسوں کی نعمت کے حقوق کا خیال بھی نہ رکھے۔ اس نے کہا: اگر از راہ کرم تم مجھ کو مجبور سمجھو تو مناسب ہوگا کیونکہ میرا گھوڑا بھوکا تھا اور زین کا نمدہ گروی رکھا تھا اور وہ بادشاہ جو سپاہی کو مال و دولت دینے میں کنجوسی کرے اس کے لیے سر دھڑ کی بازی نہیں لگائی جا سکتی۔

2۔ سپاہی کو مال و دولت دے تاکہ وہ سر کٹا دے اور اگر تو اسے مال و دولت نہ دے تو وہ دنیا میں کہیں اور بھاگ جائے گا۔

3۔ پیٹ بھرا شخص پوری شدت سے حملہ کرتا ہے اور خالی پیٹ شخص پوری شدت سے (میدان جنگ چھوڑ کر) بھاگتا ہے۔

☆☆☆

حکایت ۱۵

یکی از وزرا معزول شد به حلقهٔ درویشان درآمد۔ برکت صحبتِ ایشان در او سرایت کرد و جمعیتِ خاطرش دست داد۔ مَلِك بار دیگر با وی دل خوش کرد و عمل فرمود قبول نکرد و گفت: معزولی، به نزد خرد مندان، به که مشغولی۔

۱۔ آنان که به کُنجِ عافیت بنشستند — دانـدنِ سگ و دهـانِ مـردم بستند

۲۔ کاغذ بدریدند و قلم بشکستند — وز دست و زبانِ حرف گیران رستند

مَلِك گفت: هر آینه مارا خرد مندی کافی باید که تدبیر مملکت را بشاید۔ گفت: ای مَلِك نشانِ خرد مندِ کافی جز این نیست که به چنین کارها تن درندهد۔

۳۔ همای بر همه مرغان ازان شرف دارد — که استخوان خورد و جانور نیازارد

سیه گوش را پرسیدند که ملازمتِ صحبتِ شیرت به چه و جه اختیار آمد؟ گفت: تا فضلهٔ صیدش می خورم و از شرِّ دشمنان در پناهِ صَولتش زندگانی می کنم۔ گفتند: اکنون که به ظِلِّ حمایتش درآمدی و به شکرِ نعمتش اقرار کردی چرا نزدیك ترنیایی تا به حلقهٔ خاصّانت درآرد و از بندگانِ مخلصت شمارد؟ گفت: از بطشِ او همچنان ایمن نیستم۔

٤۔ اگر صد سال گبر آتش فروزد — چو یك دم اندر او افتد، بسوزد

افتد که ندیم حضرتِ سلطان را زر بیاید و باشد که سر برود و حکما گفته اند: از تلونِ طبع پادشاهان برحذر باید بود که وقتی به سلامی برنجند و وقتی به دشنامی خلعت دهند و آورده اند که ظرافتِ بسیار هنرِ ندیمان است و عیبِ حکیمان۔

۵۔ تو برسرِ قدرِ خویشتن باش و وقار — بازی و ظرافت به ندیمان بگذار

الفاظ معانی:

حلقہ: گروہ، جمعیت خاطر: دلی اطمینان، کنج: کونہ، دندان سگ: کتے کا دانت، دھان مردم: لوگوں کا منہ، دریدن: پھاڑنا، شکستن: توڑنا، حرف گیران: تنقید کرنے والے، رستن: نجات پانا، ہر آینہ: بہرحال، خردمند: عقلمند، چنین کارھا: ایسے کام، استخوان: ہڈی، فضلہ: باقی ماندہ، صیدش: اس کا شکار، صولتش: اس کا دبدبہ، اکنون: اب، ظل: سایہ، بطش: غضب، گبر: آتش پرست، تلون طبع: مزاج کا بدلنا، دشنامی: ایک گالی، بازی: کھیل، ندیمان: مصاحب۔

حکایت 15

ترجمہ:

وزراء میں سے ایک معزول ہو گیا اور درویشوں کے گروہ میں شمولیت اختیار کر لی۔ ان کی صحبت کی برکت اس میں سرایت کر گئی اور اسے دلی اطمینان حاصل ہوا۔ بادشاہ دوبارہ اس سے راضی ہو گیا اور عہدہ پیش کیا۔ اس نے قبول نہ کیا اور کہا عقلمندوں کے نزدیک معزولی ملازمت سے بہتر ہے۔

1۔ وہ جو عافیت کے گوشے میں جا بیٹھے انہوں نے کتے کے دانت اور لوگوں کے منہ بند کر دیئے۔

2۔ کاغذ پھاڑ دیئے اور قلم توڑ دیئے اور انہوں نے تنقید کرنے والوں کے ہاتھ اور زبان سے نجات حاصل کر لی۔

بادشاہ نے کہا: بہرحال ہمیں ایک کافی عقلمند چاہیے جو حکومت کے اُمور کے لیے موزوں ہو۔ اس نے کہا: اے بادشاہ کافی عقلمند کی نشانی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایسے کاموں میں تن نہ لگائے۔

3۔ ہما سب پرندوں پر اس لیے فضیلت رکھتا ہے کہ وہ ہڈیاں کھاتا ہے اور کسی جانور کو تکلیف نہیں دیتا۔

لوگوں نے سیہ گوش (کالے کانوں والے جانور) سے پوچھا کہ تو نے شیر کی صحبت کی ملازمت کس وجہ سے اختیار کی؟ اس نے کہا: اس لیے کہ اس کے شکار کا باقی ماندہ میں کھاتا ہوں اور اس کے دبدبہ کی پناہ میں دشمنوں کے شر سے محفوظ زندگی گزارتا ہوں۔ انہوں نے کہا: اب جب کہ تو اس کی حمایت کے سائے میں آ ہی گیا اور تو نے اس کی نعمت کے شکر کا اقرار کر لیا۔ اس کے اور زیادہ نزدیک کیوں نہیں ہو جاتے تا کہ وہ تجھے اپنے خاصوں کے حلقے میں شامل کر لے اور اپنے مخلص غلاموں میں شمار کرے؟ اس نے کہا: اس طرح میں اس کے حملے سے محفوظ نہیں ہوں۔

4۔ اگر سو سال آتش پرست آگ جلاتا رہے لیکن اگر ایک لمحہ کے لیے اس میں گر جائے تو جل جائے گا۔

ہو سکتا ہے کہ بادشاہ سلامت کے مصاحب کو مال و دولت ملے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا سر جاتا رہے اور داناؤں نے کہا ہے: بادشاہوں کی بدلتی طبیعت سے بچنا چاہیے کیونکہ کبھی تو وہ ایک سلام پر ناراض ہو جاتے ہیں اور کبھی کسی گالی پر خلعت عطا کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زیادہ ہنسی مذاق کرنا مصاحبوں کا ہنر ہے اور داناؤں کے لیے عیب ہے۔

5۔ تو اپنی عزت اور وقار پر قائم رہ۔ کھیل کود اور ہنسی مذاق مصاحبوں کے لیے رہنے دے۔

☆☆☆

حکایت ۱۶

یکی از رفیقان شکایت روزگارِ نامساعد نزدیکِ من آورد که کفافِ اندك دارم و عیالِ بسیار و طاقتِ بارِ فاقه نمی آرم و بارها در

دلم آمد که به اقلیمی دیگر نقل کنم تا در هر آن صورت که زندگانی کنم کسی را بر نیك و بدِ من اطلاع نباشد۔

۱۔ بس گرسنه خفت و کس ندانست که کیست — بس جان بلب آمد که برا و کس نگریست

باز از شماتتِ اعدا می اندیشم که بطعنه در قفای من بخندند و سعیِ مرا در حقِ عیال بر عدمِ مروّت حمل کنند و گویند:

۲۔ مبین آن بی مروّت را که هرگز — نخواهد دید روی نیکبختی

۳۔ که آسانی گزیند خویشتن را — زن و فرزند بگذارد به سختی

الفاظ معانی:

روزگار: زمانہ، نامساعد: ناسازگار، کفاف اندك: تھوڑی آمدنی، بارفاقہ: فاقوں کا بوجھ، اقلیمی: کوئی علاقہ، گرسنہ: بھوکا، کیست: کون ہے؟ نگریست: نہیں رویا، شماتت: ملامت، اعدا: دشمن (جمع) قفای من: میرے پیچھے، مبین: نہ دیکھ۔

حکایت 16

ترجمہ:

دوستوں میں سے ایک میرے پاس زمانہ کے ناسازگار ہونے کی شکایت لے کر آیا کہ میری آمدنی تھوڑی اور بال بچے زیادہ ہیں اور مجھ میں فاقوں کا بوجھ سہنے کی طاقت نہیں ہے اور کئی مرتبہ میرے دل میں خیال آیا کہ کسی اور علاقے کو ہجرت کر جاؤں تا کہ وہاں جس حال میں بھی زندگی گزاروں کسی کو میرے اچھے برے کی خبر نہ ہو۔

1۔ بہت سے بھوکے سوئے اور کسی نے نہ جانا کہ کون ہیں۔ بہت سوں کی جان لب پر آئی مگر ان کے لیے کوئی نہ رویا۔

پھر دشمنوں کی ملامت کے بارے میں سوچتا ہوں کہ میری عدم موجودگی میں طنزاً ہنسیں گے اور میری کوشش کو بچوں کے حق میں بے مروتی خیال کریں گے اور کہیں گے:

2۔ اس بے مروت کو نہ دیکھ جو کبھی خوش نصیبی کا منہ نہ دیکھ پائے گا۔

3۔ کہ وہ اپنے لیے آسانی کا راستہ اختیار کرتا ہے (جب کہ) بیوی بچوں کو مصیبت میں چھوڑ دیتا ہے۔

☆☆☆

و در علمِ محاسبت چنان که معلوم است چیزی دانم اگر به جاهِ شما جهتی معیّن شود که موجبِ جمعیتِ خاطر باشد بقیّتِ عمر از عهدهٔ شکرِ آن بدر نتوانم آمد۔ گفتم: عملِ پادشاه دو طرف دارد: امید و بیم یعنی امیدِ نان و بیمِ جان و خلافِ رای خرد مندان باشد بدان امید در این بیم افتادن۔

٤۔ کس نیاید به خانهٔ درویش — که خراجِ زمین و باغ بده

٥۔ یا به تشویش و غصه راضی شو — یا جگر بند پیشِ زاغ بنه

گفت: این سخن موافقِ حالِ من نگفتی و جوابِ سوالِ من نیاوردی۔ نشنیده ای که هر که خیانت ورزد پشتش از حساب بلرزد۔

٦۔ راستی موجبِ رضای خداست — کس ندیدم که گم شد از رہِ راست

الفاظ معانی: خوف، نان: روٹی، خردمندان: دلی اطمینان، بیم: مقرر ہو جائے، جمعیت خاطر: کوئی عہدہ، معین شود: علم حساب، جهتی: علم محاسبت: سیدھا راستہ۔ اس کی پیٹھ، راستی: سچائی، راہ راست: دل وجگر، پشتش: کوا، جگر بند: لگان، زاغ: عقلمند (جمع)، خراج:

ترجمہ:

جیسا کہ معلوم ہے میں علم حساب کے بارے میں کچھ جانتا ہوں اور اگر آپ کے اثر رسوخ سے کوئی عہدہ مقرر ہو جائے جو میرے دلی اطمینان کا باعث ہو تو باقی عمر آپ کی اس نعمت کے شکر سے عہدہ برا نہیں ہو سکوں گا۔ میں نے کہا: بادشاہ کی ملازمت دو پہلو رکھتی ہے: اُمید اور خوف یعنی روٹی کی اُمید اور جان کا خوف اور یہ عقلمندوں کی رائے کے خلاف ہے کہ اس اُمید کے لیے اس خوف میں پڑنا۔

4۔ کوئی درویش کے گھر نہیں آتا کہ زمین اور باغ کا لگان دے۔

5۔ یا تو رنج اور پریشانی پر راضی ہو جا یا اپنا دل اور جگر کوے کے سامنے رکھ دے۔

اس نے کہا: تو نے یہ بات میرے حالات کے مطابق نہیں کہی اور میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ تو نے نہیں سنا کہ جو کوئی بد دیانتی کرتا ہے اس کی پیٹھ حساب کتاب سے کانپتی ہے۔

6۔ سچائی رضائے الٰہی کا باعث ہے میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو سیدھے راستے سے گم ہو گیا۔

☆☆☆

وحکما گفته اند: چهار کس از چهار کس بجان به زنجند: حرامی از سلطان، و دزد از پاسبان، وفاسق از غماز، و روسپی از مُحتَسب، و آن را که حساب پاك است از محاسبه چه باك است؟

۷۔ مکن فراخ روی در عمل، اگر خواهی — که وقتِ رفعِ تو باشد مجالِ دشمن تنگ

۸۔ تو پاك باش و مدار، ای برادر، از کس باك — زنند جامهٔ ناپاك گازران بر سنگ

گفتم: حکایتِ آن روباه مناسبِ حالِ تواست که دیدندش گریزان و بی خویشتن، افتان و خیزان۔ کسی گفتش: چه آفت است که موجبِ چندین مخافت است؟ گفت: شنیدم شتر را بسُخره می گیرند۔ گفتند: ای شیفته لا یعقل شتر را با تو چه مناسبت و تورا با اوچه مشابهت؟ گفت: خاموش! که اگر حسودان بغرض گویند شترست و گرفتار آیم که را غم تخلیصِ من باشد تا تفتیشِ حالِ من کند؟ و تا تریاق ار عراق آورده باشند مار گزیده مرده باشد۔ همچنین تو را فضل است و دیانت و تقویٰ و امانت، امّا متعنّتان در کمینند و مدّعیان گوشه نشین۔ اگر آنچه حُسنِ سیرتِ تو است بخلاف تقریر کنند و در معرضِ خطابِ پادشاه افتی که را در آن حالت مجالِ مقالت باشد؟ پس مصلحت آن می بینم که مُلكِ قناعت را حراست کنی و ترکِ ریاست گویی۔

۹۔ به دریا دَر منافع بی شمارست — وگر خواهی سلامت، بر کنارست

الفاظ معانی:

حکما: دانا، چهار کس: چار شخص، حرامی: ڈاکو، دزد: چور، فاسق: بدکار، غماز: چغلخور، روسپی: فاحشہ، فراخ روی: حد سے بڑھنا، مجال: موقع، باك: ڈر، گازران: دھوبی، سنگ: پتھر، روباہ: لومڑی، افتان و خیزان: گرتی پڑتی، مخافت: خوف، شتر: اونٹ، سخره: بیگار، شیفته: حیران، لا یعقل: نادان، مشابهت: شباہت، تخلیص: رہائی، مار گزیده: سانپ کا کاٹا، متعنتان: اعتراض کرنے والے، کمین: گھات، تقریر کردن: بیان کرنا، حراست: حفاظت، ریاست: عہدہ۔

ترجمہ:

اور داناؤں نے کہا ہے: چار شخص، چار اشخاص سے بہت رنج اُٹھاتے ہیں: ڈاکو بادشاہ سے، چور چوکیدار سے، بدکار چغل خور سے اور فاحشہ کوتوال سے اور جس کا حساب صاف ہے اسے حساب کرنے والے کا کیا ڈر؟

7- اگر تو چاہتا ہے کہ تیری برطرفی کے وقت دشمن کے ہاتھ کوئی موقع نہ آئے تو اپنی ملازمت کے دوران حد سے نہ بڑھ۔

8- اے بھائی تو پاک رہ اور کسی سے نہ ڈر، دھوبی ناپاک کپڑے کو پتھر پر مارتے ہیں۔

میں نے کہا اس لومڑی کی حکایت تیرے حسب حال ہے جسے لوگوں نے بھاگتے ہوئے اور بدحواسی کے عالم میں گرتے پڑتے دیکھا۔ کسی نے اس سے کہا: کیا مصیبت ہے جو تو اس قدر خوفزدہ ہے؟ اس نے کہا: میں نے سنا کہ اونٹوں کو بیگار کے لیے پکڑ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: اے حیران نادان اونٹ کو تجھ سے کیا مناسبت اور تجھے اس سے کیا شباہت؟ اس نے کہا: خاموش! اگر حاسد دشمنی سے کہہ دیں کہ اونٹ ہے اور میں پکڑی جاؤں تو کسے میری رہائی کا غم ہوگا جو میرے حال کی تفتیش کرے؟ اور جب تک عراق سے تریاق لایا جائے گا سانپ کا کاٹا مر چکا ہوگا۔ اسی طرح تجھ میں فضیلت، دیانت، تقویٰ اور امانت داری ہے لیکن اعتراض کرنے والے گھات میں ہیں اور مدعی گوشہ نشین ہیں۔ جو تیری سیرت کی خوبی ہے اگر وہ اس کے برعکس کہہ دیں اور تو بادشاہ کے سامنے جوابدہ ہو جائے تو اس حالات میں کسے کچھ کہنے کی جرأت ہوگی؟ پس میں اسی میں بھلائی دیکھتا ہوں کہ تو قناعت کے ملک کی حفاظت کرے اور عہدے کا خیال ترک کر دے۔

9- سمندر میں فائدے بے شمار ہیں لیکن اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو وہ کنارے پر ہے۔

☆☆☆

رفیق این سخن بشنید و بهم برآمد و روی درهم کشید و سخنانِ رنجش آمیز گفتن گرفت که این چه عقل است و کفایت و فهم و درایت؟ قولِ حکما درست آمد که گفته اند: دوستان در زندان بکار آیند که بر سفره همه دشمنان دوست نمایند۔

١٠- دوست مشمار آن که در نعمت زند لافِ یاری و برادر خواندگی

١١- دوست آن دانم که گیرد دستِ دوست در پریشان حالی و درماندگی

دیدم که متغیرّ می شود و نصیحت بغرض می شنود۔ به نزدیکِ صاحب دیوان رفتم، به سابقهٔ معرفتی که میانِ مابود، و صورتِ حالش بیان کردم و اهلیّت و استحقاقش بگفتم تا به کاری مختصرش نصب کردند۔ روزی چند بر این برآمد لطفِ طبعش بدیدند و حسنِ تدبیرش بپسندیدند۔ کارش ازان درگذشت و به مرتبه ای برتر ازان ممکّن شد۔ همچنین نجمِ سعادتش در ترقّی بود تا به اوجِ ارادت برسید و مقرّبِ حضرتِ سلطان و مشارٌ اِلَیْه و مُعْتَمَدٌ عَلَیْه گشت بر سلامتِ حالش شادمانی کردم و گفتم:

١٢- زکارِ بسته میندیش و دل شکسته مدار که آبِ چشمهٔ حیوان درونِ تاریکی است

١٣- اَلَا لَا یَجْاَرَنَّ اَخُو الْبَلِیَّۃِ فَلِلرَّحْمٰنِ اَلْطَافٌ خَفِیَّۃ

١٤- منشین ترش از گردشِ ایام که صبر تلخ است و لیکن برِ شیرین دارد

الفاظ معانی:

کفایت: دانائی، درایت: ذہانت، سفرہ: دسترخوان، مشمار: شمار نہ کر، لاف: ڈینگیں، درماندگی: بے بسی، استحقاقش: اس کا مستحق ہونا، کارش: اس کا کام، چشمۂ حیوان: آبِ حیات، تلخ: کڑوا، برشیرین: میٹھا پھل،

ترجمہ:

دوست نے یہ بات سنی اور ناراض ہو گیا اور منہ موڑ لیا اور جلی کٹی سنانے لگا کہ یہ کیا عقل، دانائی، سمجھ اور بصیرت کی بات ہے؟ داناؤں کا قول صحیح ثابت ہوا جو انہوں نے کہا ہے: دوست قید خانے میں کام آتے ہیں کیونکہ دستر خوان پر تو دشمن بھی دوست ہی دکھائی دیتے ہیں۔

10۔ اس شخص کو دوست شمار نہ کر جو خوشحالی میں بھائی چارے اور دوستی کی ڈینگیں مارے۔

11۔ میں دوست اسے سمجھتا ہوں جو پریشانی اور بے بسی میں دوست کا ہاتھ تھامے۔

میں نے دیکھا کہ وہ رنگ بدل رہا ہے اور نصیحت خود غرضی سے سن رہا ہے۔ میں وزیر کے پاس گیا پہلے سے جان پہچان کی وجہ سے جو ہمارے درمیان تھی میں نے اس کی صورت حال بیان کی اور اس کی قابلیت اور مستحق ہونے کا بتایا۔ یہاں تک کہ اسے ایک معمولی عہدے پر لگا دیا گیا۔ اس بات کو تھوڑا عرصہ ہوا کہ انہوں نے اس کی طبیعت کی پاکیزگی دیکھی اور اس کے حسن تدبیر کو پسند کیا۔ اس کا کام اس سے آگے بڑھ گیا اور اس سے بلند تر عہدے پر فائز ہو گیا۔ اسی طرح اس کی خوش بختی کا ستارہ ترقی پر تھا یہاں تک کہ وہ آرزوؤں کی بلندی پر پہنچ گیا اور بادشاہ کا مصاحب، مشاور اور معتمد خاص بن گیا۔ اس کے حالات کی سلامتی پر میں نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا:

12۔ تو اپنے کام کے بند ہونے کے بارے میں نہ سوچ اور مایوس نہ ہو کیونکہ آب حیات کا چشمہ تاریکی کے اندر ہے۔

13۔ مصیبتوں میں گھرے ہوئے انسان خبردار، رنجیدہ نہ ہونا کیونکہ خدا کی بہت سی مہربانیاں چھپی ہوتی ہیں۔

14۔ زمانے کی گردش سے رنجیدہ ہو کر نہ بیٹھ۔ کیونکہ صبر کڑوا ہے مگر اس کا پھل میٹھا ہے۔

☆☆☆

مرا در آن قُربت با طایفه ای یاران اتفاقِ سفر افتاد۔ چون از زیارتِ مکّه باز آمدم دو منزلم استقبال کرد۔ ظاهرِ حالش دیدم پریشان و در هیأتِ درویشان۔ گفتم: حال چیست؟ گفت: چنان که تو گفتی طایفه ای حسد بردند و به خیانتم منسوب کردند و مَلِك، دامَ مُلکُهُ، در کشفِ حقیقتِ آن استقصا نفرمود و یارانِ قدیم و دوستانِ حمیم از کلمهٔ حق خاموش شدند و صحبتِ دیرین فراموش کردند۔

۱۵۔ نبینی که پیشِ خداوندِ تخت — تواضع کنان دست بر بر نهند

۱٦۔ چو بینند کارش ز دست اوفتاد — همه عالَمَش پای بر سر نهند

فی الجمله به انواع عقوبت گرفتار بودم تا دراین روزها که مژدهٔ سلامتِ حُجّاج برسید از بندِ گرانم خلاص کردند و مِلكِ موروثم خاص۔ گفتم: آن نوبت اشارتِ من قبول نکردی که گفتم عملِ پادشاه چون سفرِ دریاست خطرناك و سودمند یا گنج بر گیری یا در طلسم بمیری۔

۱۷۔ یا زر به هر دو دست کند خواجه در کنار — یا موج روزی افگندش مرده بر کنار

مصلحت ندیدم از این بیش ریشِ درونش را به ملامت خراشیدن و نمك پاشیدن۔ بدین دو کلمه اختصار کردم:

۱۸۔ ندانستی که بینی بند بر پای — چو در گوشت نیامد پندِ مردم

۱۹۔ دگر ره گر نداری طاقتِ نیش — مبر انگشت در سوراخِ کژدم

الفاظ معانی:

طایفہ ای: ایک گروہ، هیات: حالت، استقصا: تحقیق، دوستان حمیم: گہرے دوست، فی الجملہ: مختصر یہ کہ، عقوبت: سزا، مژدہ: خوشخبری، ملک موروثم: میری آبائی جائیداد، سودمند: فائدہ مند، گنج: خزانہ، افگندن: گرانا، ریش درونش: اس کے دل کے زخم، نمک پاشیدن: نمک چھڑکنا، نیش: ڈنک، انگشت: انگلی، کژدم: بچھو۔

ترجمہ:

اسی دوران دوستوں کے ایک گروہ کے ساتھ مجھے سفر پر جانے کا اتفاق ہوا۔ جب میں مکہ کی زیارت سے واپس آیا تو اس نے دو منزل آگے آکر میرا استقبال کیا۔ میں نے اس کی ظاہری حالت کو پریشان اور اسے درویشوں کی حالت میں دیکھا۔ میں نے کہا: کیا حال ہے؟ اس نے کہا جیسا کہ تو نے کہا ایک گروہ نے حسد کیا اور مجھ پر بددیانتی کی تہمت لگادی اور بادشاہ نے خدا ان کی سلطنت ہمیشہ قائم رکھے اس بات کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے تحقیق نہ فرمائی اور میرے پرانے یار اور گہرے دوست حق بات کہنے سے خاموش رہے اور پرانی رفاقت کو بھلا دیا۔

15۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ صاحب اقتدار کے سامنے تعریف کرتے ہوئے لوگ ہاتھ سینے پر رکھتے ہیں۔

16۔ جب دیکھتے ہیں کہ اس کا کام ہاتھ سے نکل گیا۔ تو ساری دنیا اس کے سر پر پاؤں رکھتی ہے۔

مختصر یہ کہ میں طرح طرح کی سزاؤں میں گھرا رہا یہاں تک کہ اس ہفتے جب حاجیوں کی سلامتی کی خوشخبری پہنچی تو مجھے بھاری بیڑیوں سے رہائی دے دی اور میری آبائی جائیداد واپس کردی۔ میں نے کہا اس وقت میرا اشارہ تو نے قبول نہ کیا جو میں نے کہا کہ بادشاہوں کی ملازمت سمندر کے سفر کی طرح ہے خطرناک اور فائدہ مند یا تو خزانہ پالے گا یا پھر طلسم میں مرجائے گا۔

17۔ یا خواجہ دونوں ہاتھ سے اپنے دامن میں سونا سمیٹے گا یا کسی دن موجیں اسے مردہ حالت میں کنارے پر لا گرائیں گی۔

میں نے اس کے دل کے زخموں کو اس سے زیادہ لعنت ملامت سے چھیلنا اور نمک چھڑکنا مناسب نہ سمجھا۔ ان دو کلمات پر اکتفا کیا:

18۔ چونکہ تیرے کانوں میں لوگوں کی نصیحت نہیں آئی۔ اس لیے تمہیں خبر نہ تھی کہ اپنے پاؤں میں بیڑیاں دیکھو گے۔

19۔ اگر تجھ میں ڈنک کھانے کی طاقت نہیں تو انگلی بچھو کے سوراخ میں نہ ڈال۔

☆☆☆

حکایت ۱۷

تنی چند به صحبتِ من بودند ظاهرِ ایشان به صلاح آراسته و یکی از بزرگان حُسنِ ظنّی بلیغ در حقِ این طایفه داشت و ادراری معیّن کرد۔ مگر یکی از اینان حرکتی کرد نه مناسبِ حالِ درویشان۔ ظنِّ آن شخص فاسد شد و بازارِ اینان کاسد۔ خواستم تا به طریقی کفافِ یاران مستخلص کنم۔ آهنگِ خدمتش کردم۔ دربانم رها نکرد و جفا کرد۔ معذورش داشتم که شنیده بودم که لطیفان گفته اند:

۱۔ در میر و وزیر و سلطان را　　بی وسیلت مگرد پیرامن

۲۔ سگ و دربان چو یافتند غریب　　این گریبانش گیرد، آن دامن

چندان که مقربانِ حضرتِ آن بزرگ بر حالتِ من وقوف یافتند با عزاز و اکرام درآوردند و برتر مقامی معیّن کردند۔ بتواضع فروتر نشستم و گفتم:

۳۔ بگذار که بندۂ کمینم تا در صفِ بندگان نشینم

الفاظ معانی:

تنی چند: کچھ لوگ، به صلاح آراسته: نیکی سے آراستہ، حسن ظن: اچھا گمان، بلیغ: بہت زیادہ، ادراری: کچھ وظیفہ، فاسد: خراب، کفاف: وظیفہ، لطیفان: ظریف طبع (جمع)، سگ: کتا، غریب: اجنبی، وقوف یافتن: آگاہ ہونا، بتواضع: انکساری سے، فروتر: کم تر، کمین: حقیر، بندگان: غلام (جمع)۔

حکایت 17

ترجمہ:

کچھ لوگ میری صحبت میں تھے۔ ان کا ظاہر نیکی سے آراستہ تھا اور بزرگوں میں سے ایک اس گروہ کے بارے میں بہت اچھا گمان رکھتا تھا اور اس نے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ مگر ان میں سے ایک نے ایسی حرکت کی جو درویشوں کے شایانِ شان نہ تھی۔ اس شخص کا گمان خراب ہو گیا اور ان (نیکوں) کا بازار مندا پڑ گیا۔ میں نے چاہا کہ کسی طرح سے دوستوں کا وظیفہ بحال کروا دوں۔ میں نے اس کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا۔ مجھے دربان نے اندر نہ جانے دیا اور سختی سے پیش آیا۔ میں نے اسے معذور جانا کیونکہ میں نے سنا تھا کہ ظریف طبع لوگوں نے کہا ہے:

1۔ سردار، وزیر اور سلطان کے دروازے کے ارد گرد وسیلہ کے بغیر چکر نہ لگا۔

2۔ کتے اور دربان نے جب کسی اجنبی کو پایا تو یہ اس کا گریبان پکڑتا ہے اور وہ اس کا دامن۔

جونہی اس بزرگ کے مصاحبوں کو میرے کھڑا ہونے کے بارے میں علم ہوا تو وہ اعزاز اور احترام کے ساتھ اندر لے گئے اور برتر مقام تجویز کیا۔ میں انکساری سے کمتر جگہ پر بیٹھا اور کہا:

3۔ میں حقیر غلام ہوں۔ مجھے غلاموں کی صف میں بیٹھنے دو۔

☆☆☆

گفت: الله الله! چه جای این سخن است؟

۴۔ گر بر سر و چشم من نشینی بارت بکشم که نازنینی

فی الجمله بنشستم و از هر دری سخن در پیوستم تا حدیث زلّتِ یاران درمیان آمد و گفتم:

۵۔ چه جُرم دید خداوندِ سابقُ الانعام؟ که بنده در نظرِ خویش خوار می دارد

۶۔ خدای راست مسلّم بزرگواری ولطف که جُرم بیند و نان برقرار می دارد

حاکم این سخن عظیم بپسندید او اسبابِ معاشِ یاران فرمود تا به قاعدۂ ماضی مهیّا دارند و مؤونتِ ایّامِ تعطیل وفا کنند۔ شکرِ نعمت بگزاردم و زمینِ خدمت ببوسیدم و عذرِ جسارت بخواستم و در وقتِ بیرون آمدن گفتم:

۷۔ چو کعبه قبلۂ حاجت شد از دیارِ بعید روند خلق به دیدارش از بسی فرسنگ

۸۔ تو را تحملِ امثالِ ما بباید کرد که هیچ کس نزند بر درختِ بی برسنگ

الفاظ معانی:

بارت: تیرابوجھ، زلت یاران: دوستوں کی لغزش، لطف: مہربانی، نان: روٹی، مونت: خرچہ، وفا کردن: ادا کرنا، بگزار دن: ادا کرنا، عذر جسارت: گستاخی کی معافی، دیار بعید: دوردراز کا علاقہ، بی بر: بے ثمر، سنگ: پتھر۔

ترجمہ:

اس نے کہا: اللہ اللہ، یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

4۔ اگر تو میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھے تو بھی میں تیرا بوجھ اُٹھاؤں گا کیونکہ تو نازنین ہے۔

مختصر یہ کہ میں بیٹھ گیا اور میں نے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں یہاں تک کہ دوستوں کی لغزش کی بات درمیان میں آ گئی اور میں نے کہا:

5۔ وہ آقا جو پہلے انعام دیتا تھا اس نے کیا جرم دیکھا کہ وہ غلام کو اپنی نظر میں حقیر سمجھتا ہے۔

6۔ بزرگواری اور مہربانی خدا کے لیے ہے جو جرم دیکھتا ہے پھر بھی روٹی دیتا رہتا ہے۔

حاکم کو یہ بات بہت پسند آئی اور دوستوں کی روزی کے سامان کا حکم صادر فرمایا کہ حسب سابق مہیا کریں اور جن دنوں وظیفہ بند رہا ان دنوں کا بھی ادا کریں۔ میں نے نعمت کا شکر ادا کیا اور آداب بجالایا اور جسارت کی معذرت چاہی اور باہر آتے وقت (میں نے) کہا:

7۔ چونکہ خانہ کعبہ ضرورتوں کا قبلہ ہے لوگ اس کی زیارت کے لیے دوردراز علاقوں سے کئی فرسنگ (ایک فرسنگ تقریباً 6 کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے) سفر کر کے آتے ہیں۔

8۔ تمہیں ہم جیسوں کو تحمل کرنا چاہیے کوئی بھی پھل کے بغیر درخت پر پتھر نہیں مارتا۔

☆☆☆

حکایت ۱۸

مَلِك زاده ای گنجِ فراوان از پدر میراث یافت۔ دستِ کَرَم بر گشاد و دادِ سخاوت بداد و نعمتِ بی دریغ بر سپاه و رعیّت بریخت۔

۱۔ نیاساید مشام از طبله عود — بر آتش نه که چون عنبر ببوید

۲۔ بزرگی بایدت بخشندگی کن — که دانه تا نیفشانی نروید

یکی از جلسای بی تدبیر نصیحتش آغاز کرد که ملوکِ پیشین این نعمت را بسعی اندوخته اند و برای مصلحت نهاده۔ دست از این حرکت کوتاه کن که واقعه ها درپیش است و دشمنان درپس۔ نباید که به وقتِ حاجت درمانی۔

۳۔ اگر گنجی کنی بر عامیان بخش — رسد هر کد خدایی رابرنجی

٤۔ چرا نستانی از هریك جوی سیم — که گرد آید تورا هر روز گنجی؟

مَلِك روی از این سخن درهم کشید و اورا زجر فرمود و گفت: مرا خدای، عزّوجلّ، پادشاهِ این مملکت گردانیده است تا بخورم و ببخشم، نه پاسبانم که نگه دارم۔

۵۔ قارون هلاك شد که چهل خانه گنج داشت — نوشیروان نمرد که نامِ نکو گذاشت

الفاظ معانی:

ملک زادہ: شہزادہ، گنج: خزانہ، نیا ساید: آسودہ نہیں ہوتا، مشام: ناک، دانہ: بیج، جلسای بی تدبیر: ناسمجھ ہمنشین، ملوک پیشین: گزشتہ بادشاہ (جمع)، اندوختن: جمع کرنا، واقعہ ھا: دشوار حادثات، برنجی: چاول کا ایک دانہ، چرا: کیوں، جوی سیم: چاندی کا جو جتنا دانہ، پاسبان: محافظ، چھل خانہ: چالیس گھر۔

حکایت 18

ترجمہ:

ایک شہزادے کو بہت سا خزانہ باپ کی طرف سے وراثت میں ملا۔ اس نے بخشش کا ہاتھ کھول دیا اور خوب سخاوت کی اور بے شمار دولت سپاہیوں اور رعایا پر برسادی۔

1۔ عود کے صندوقچے سے ناک آسودہ نہیں ہوتی۔ اسے آگ پر رکھ تا کہ عنبر کی طرح خوشبو دے۔

2۔ اگر تجھے عظمت چاہیے تو سخاوت کر کیونکہ جب تک تو بیج نہیں بکھیرے گا نہیں اُگے گا۔

ہمنشینوں میں سے ایک ناسمجھ نے اسے نصیحت کرنا شروع کر دی کہ سابقہ بادشاہوں نے یہ دولت کوشش سے جمع کی ہے اور اسے ضرورت کے لیے رکھا ہے۔ اس حرکت سے ہاتھ کھینچ لے کیونکہ دشوار حادثات پیش آنے والے ہیں اور دشمن گھات میں ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ضرورت کے وقت تو محتاج رہ جائے۔

3۔ اگر تو عام لوگوں میں ایک خزانہ تقسیم کرے تو ہر خاندان کے سربراہ کے حصے میں چاول کا ایک دانہ آئے گا۔

4۔ تو ہر ایک شخص سے جو کے دانے کے برابر چاندی کیوں نہیں لیتا تا کہ ہر وقت تمہارے پاس ایک خزانہ جمع رہے؟

بادشاہ کو اس بات پر غصہ آ گیا اور اسے دھتکارا اور کہا: خدا تعالیٰ نے مجھے اس سلطنت کا بادشاہ بنایا ہے تا کہ میں کھاؤں اور بخشش کروں۔ محافظ نہیں بنایا کہ اسے سنبھال کر رکھوں۔

5۔ قارون جس کے پاس چالیس گھر خزانہ تھا ہلاک ہو گیا۔ لیکن نوشیروان نہیں مرا کیونکہ اس نے (اپنا) نیک نام چھوڑا۔

☆☆☆

حکایت ۱۹

آوردہ اند کہ انوشروانِ عادل درشکار گاهی صیدی کباب کردہ بود و نمک نبود۔ غلامی را بہ روستا فرستاد تا نمک حاصل کند۔ گفت: زینہار تا نمک بہ قیمت بستانی تا رسمی نگردد و دیہ خراب نشود۔ گفتند: این قدر چہ خلل کند؟ گفت: بنیادِ ظلم درجہان اوّل اندک بودہ است و بہ مزیدِ ہر کس بدین درجہ رسیدہ است۔

۱۔ اگر زباغ رعیّت مَلِك خورد سیبی ... بر آورند غلامانِ او درخت از بیخ

۲۔ بہ پنج بیضہ کہ سلطان ستم روا دارد ... زنند لشکریانش ہزار مرغ بہ سیخ

الفاظ معانی:

آورده اند: کہتے ہیں، صیدی: ایک شکار، روستا: دیہات، فرستادن: بھیجنا، زینهار: خبردار، دیه: دیہات، این قدر: اس قدر، اندك: کم، بیخ: جڑ، پنج بیضه: پانچ انڈے۔

حکایت 19

ترجمہ:

کہتے ہیں کہ نوشیروان عادل نے ایک شکارگاہ میں ایک شکار کے کباب تیار کیے تھے اور نمک نہیں تھا۔ اس نے ایک غلام کو دیہات بھیجا تا کہ نمک حاصل کرے۔ اس نے کہا: خبردار نمک قیمت سے لینا تا کہ رسم نہ بن جائے اور دیہات تباہ نہ ہو جائے۔ انہوں نے کہا: اتنی سی مقدار کیا خرابی کرے گی؟ اس نے کہا دنیا میں ظلم کی بنیاد پہلے تھوڑی ہی تھی اور ہر کسی کے اضافہ کرنے سے اس درجہ تک پہنچی ہے۔

1۔ اگر رعایا کے باغ سے بادشاہ ایک سیب کھائے تو اس کے غلام درختوں کو جڑ سے اکھاڑ لیں گے۔

2۔ اگر بادشاہ پانچ انڈوں جتنا ظلم روا سمجھے تو اس کے لشکری ہزاروں مرغیاں سیخوں پر چڑھا دیں گے۔

☆☆☆

حکایت ۲۰

غافلی راشنیدم که خانهٔ رعیّت خراب کر دی تا خزینه سلطان آبادان کند، بی خبر از قولِ حکما که گفته اند: هر که خدای را، عزّوجل، بیازارد تا دِل خلقی بدست آرد ایزد تعالیٰ همان خلق را بر او بگمارد تا دَمار ازروز گارش بر آرد۔

۱۔ آتشِ سوزان نکند باسپند — آنچه کند دودِ دلِ دردمند

سر جملهٔ حیوانات گویند شیرست و کمترینِ جانوران خر و به اتفاقِ خرد مندان: خرِ بار بر بِه که شیرِ مردم در۔

۲۔ مسکین خر اگرچه بی تمیزست — چون بار همی برد عزیزست

۳۔ گاوان و خرانِ رنج بُردار — بِه ز آدمیانِ مردم آزار

باز آمدیم به حکایت وزیرِ غافل۔ مَلِك را طرفی از ذمایمِ اخلاقِ او معلوم شد۔ در شکنجه کشیدش و به انواعِ عقوبت بکُشت۔

۴۔ حاصل نشود رضای سلطان — تا خاطرِ بندگان نجویی

۵۔ خواهی که خدای برتو بخشد — با خلقِ خدای کن نکویی

آورده اند که یکی از ستمدیدگان بر او بگذشت و در حالِ تباهِ او نظر کرد و گفت:

۶۔ نه هر که قوتِ بازوی منصبی دارد — بسلطنت بخورد مالِ مردمان بگزاف

۷۔ توان به حلق فرو بردن استخوانِ درشت — ولی شکم بدرد چون بگیرد اندر ناف

۸۔ نماند ستمگارِ بدروز گار — بماند براو لعنتِ پایدار

الفاظ معانی:

مردم در: لوگوں کو چیرنے پھاڑنے والا، گاوان: بیل (جمع)، خر: گدھا، حرمل، سپند: حرمل، بگمارد: مسلط کرتا ہے، خلقی: ایک آدمی، خانہ رعیت: رعایا کا گھر، استخوان درشت: موٹی ہڈی، بگزاف: فضول میں، عقوبت: سزا، ذمایم: برائیاں۔

حکایت 20

ترجمہ:

میں نے ایک غافل کے بارے میں سنا کہ وہ رعایا کے گھر خراب کرتا تھا تا کہ بادشاہ کا خزانہ بھردے۔ وہ داناؤں کے قول سے بے خبر تھا جنھوں نے کہا ہے: جو کوئی مخلوق میں سے کسی ایک کا دل جیتنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو تکلیف دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس مخلوق کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ تا کہ وہ اسے بری طرح ہلاک کردیں۔

1۔ جلانے والی آگ حرمل کے ساتھ وہ کچھ نہیں کرتی جو دکھی کے دل کی آہ کرتی ہے۔

کہتے ہیں سب حیوانات کا سردار شیر ہے اور سب جانوروں میں حقیر گدھا ہے اور سب عقلمند متفق ہیں: بوجھ اُٹھانے والا گدھا لوگوں کو چیرنے پھاڑنے والے شیر سے بہتر ہے۔

2۔ بیچارہ گدھا اگرچہ نادان ہے لیکن چونکہ بوجھ اٹھاتا ہے اس لیے عزیز ہے۔

3۔ (بوجھ) اُٹھانے والے بیل اور گدھے لوگوں کو تکلیف دینے والے آدمیوں سے بہتر ہیں۔

ہم پھر غافل وزیر کی حکایت پر آ گئے۔ بادشاہ کو اس کے طور طریقے سے اس کی اخلاقی برائیوں کا پتہ چل گیا۔ اس نے اسے شکنجے میں کس دیا اور طرح طرح کی سزائیں دے کر مار ڈالا۔

4۔ جب تک تو بندوں کی دلجوئی نہ کرے گا سلطان (یعنی اللہ تعالیٰ) کی خوشنودی حاصل نہ ہو گی۔

5۔ اگر تو چاہتا ہے کہ اللہ تجھ پر بخشش کرے تو تو خدا کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کر۔

کہتے ہیں کہ مظلوموں میں سے ایک اس کے قریب سے گزرا۔ اس نے اس کے برے حال پر نظر دوڑائی اور کہا:

6۔ جس شخص کو عہدے کی وجہ سے قوت بازو حاصل ہو۔ اسے ملک میں لوگوں کا مال یونہی نہیں کھانا چاہیے۔

7۔ بڑی ہڈی کو حلق سے نیچے اتارا جا سکتا ہے۔ لیکن جب ناف میں جاتی ہے تو پیٹ پھاڑ دیتی ہے۔

8۔ بدنصیب ظالم (دُنیا میں) نہیں رہتا۔ اس پر لعنت ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہے۔

☆☆☆

حکایت ۲۱

مردم آزاری را حکایت کنند که سنگی برسرِ صالحی زد۔ درویش را مجالِ انتقام نبود۔ سنگ را باخود همی داشت تا وقتی که ملِک را بر آن لشکری خشم آمد و او را در چاه کرد۔ درویش در آمد و سنگش در سر انداخت۔ گفتا: تو کیستی و مرا این سنگ چرا زدی؟ گفت: من فلانم و این همان سنگ است که در فلان تاریخ بر سرِ من زدی۔ گفت: چندین وقت کجا بودی؟ گفت: از جاهت می اندیشیدم۔ اکنون که در چاهت دیدم فرصت غنیمت شمردم۔

۱۔ ناسزایی را چو بینی بخت یار

۲۔ چون نداری ناخنِ درنده تیز — عاقلان تسلیم کردند اختیار

۳۔ هر که با پولاد بازو پنجه کرد — با ددان آن به که کم گیری ستیز

۴۔ باش تا دستش ببندد روزگار — ساعدِ مسکینِ خود را رنجه کرد

پس به کامِ دشمنان مغزش برآر

الفاظ معانی:

مردم آزاد: لوگوں کو تکلیف دینے والا، سنگی: ایک پتھر، صالحی: ایک نیک شخص، تاوقتی کہ: یہاں تک کہ، خشم: غصہ، جاہ: کنواں، انداختن: پھینکنا، تو کیستی: تو کون ہے، جاهت: تیرا رتبہ، اکنون: اب، ناسزا: ناموزوں، ددان: درندوں، ستیز: جھگڑا، پولاد: فولاد، ساعد: کلائی۔

حکایت 21

ترجمہ:

لوگوں کو تکلیف دینے والے ایک شخص کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ اس نے ایک پتھر ایک نیک شخص کے سر پر مارا۔ غریب کو انتقام کی مجال نہ تھی۔ اس نے پتھر اپنے پاس رکھا یہاں تک کہ بادشاہ کو اس سپاہی پر غصہ آ گیا اور اسے کنویں میں ڈال دیا۔ درویش آیا اور اس کا پتھر سر پر مارا۔ اس نے کہا تو کون ہے؟ اور مجھے یہ پتھر کیوں مارا؟ اس نے کہا: میں فلاں شخص ہوں اور یہ وہی پتھر ہے جو فلاں تاریخ کو تو نے میرے سر پر مارا۔ اس نے کہا تو اتنا عرصہ کہاں تھا؟ اس نے کہا: میں تیرے رتبے سے ڈرتا تھا۔ اب جب کہ میں نے تجھے کنویں میں دیکھا تو فرصت غنیمت شمار کی۔

1۔ جب تو کسی ناموزوں شخص کو خوش نصیب دیکھے تو رضا اختیار کر کیونکہ عقلمندوں نے ایسا کیا۔

2۔ جب تو درندے جیسے تیز ناخن نہیں رکھتا تو پھر یہی بہتر ہے کہ تو درندوں سے جھگڑا کم کرے۔

3۔ جس کسی نے فولادی بازو والے سے پنجہ لڑایا اس نے اپنی بیچاری کلائی کو تکلیف دی۔

4۔ انتظار کرتا کہ زمانہ اس کے ہاتھ باندھے پھر تو دشمن کی آرزو کے مطابق اس کا بھیجا باہر نکال۔

☆☆☆

حکایت ۲۲

یکی از ملوک را مَرَضی هایل بود که اعادتِ ذکرِ آن ناکردن اَولیٰ۔ طایفۀ حکمای یونان اتفاق کردند که مر این رنج را دوائی نیست مگر زَهره' آدمی به چندین صفت موصوف۔ بفرمود تا طلب کردند۔ دهقان پسری یافتند بدان صفت که حکما گفته بودند۔ پدرش را و مادرش را بخواند و به نعمتِ بی کران خشنود کرد و قاضی فتویٰ داد که خونِ یکی از آحادِ رعیت ریختن سلامتِ نفسِ پادشاه را رواست۔ جَلّاد قصدِ کُشتن کرد۔ پسر سر سوی آسمان کرد و تبسّم کرد۔ مَلِك پرسید که در این حالت چه جای خندیدن است؟ گفت: نازِ فرزندان بر پدر و مادر باشد و حکومت بر قاضی برند و داد از پادشاه خواهند۔ اکنون پدر و مادر بعلّتِ حُطامِ دنیا مرا به خون در سپردند و قاضی به کُشتنم فتویٰ داد و پادشاه راضی شد به ریختنِ خونم۔ در این حال جز خدای پناه نیست۔

۱۔ پیشِ که برآورم ز دستت فریاد؟ — هم پیشِ تو از دستِ تو گر خواهم داد

سلطان را از این سخن دل بهم برآمد و آب در دیده بگردانید و گفت: هلاکِ من اولی تر که خونِ بی گناهی ریختن۔ سرو چشمش ببوسید و در کنارش گرفت و نعمتِ بی کران داد و آزاد کرد و گویند هم در آن هفته شفا یافت۔

۲۔ همچنان در فکرِ آن بیتم که گفت — پیلبانی بر لبِ دریای نیل

۳۔ زیرِ پایت گر بدانی حالِ مور — همچو حالِ تست زیرِ پای پیل

الفاظ معانی:

مرضی: بیماری، هایل: ہولناک، اعادت: تکرار، زہرہ آدمی: آدمی کا پتا، دھقان: کسان، بی کران: بے حد، خشنود: راضی، نفس پادشاہ: بادشاہ کی جان، خندیدن: ہنسنا، حطام دنیا: دنیا کا تھوڑا سا مال، ریختن: گرانا، پیل: ہاتھی۔

حکایت 22

ترجمہ:

بادشاہوں میں سے ایک کو ایک ہولناک بیماری لاحق تھی جس کے ذکر کی تکرار نہ کرنا بہتر ہے۔ یونانی حکماء کے ایک گروہ نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس تکلیف کی کوئی دوا نہیں مگر یہ کہ بیان شدہ صفت والے آدمی کا پتا۔ (آدمی) طلب کرنے کا حکم دیا۔ ایک کسان کے لڑکے کو انہوں نے اس صفت کے مطابق ڈھونڈا جو حکماء نے کہی تھی۔ اس (بادشاہ) نے اس کے ماں باپ کو بلایا اور بے حد نعمت سے راضی کر لیا اور قاضی نے فتویٰ دیا کہ بادشاہ کی جان کی سلامتی کے لیے رعایا کے افراد میں سے کسی ایک کا خون بہانا جائز ہے۔ جلاد نے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ لڑکے نے سر آسمان کی طرف کیا اور وہ مسکرایا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اس حالت میں ہنسنا کیسا؟ اس نے کہا اولاد ماں باپ پر ناز کرتی ہے اور حکم صادر کرانے کے لیے قاضی کے پاس جاتے ہیں اور انصاف بادشاہ سے چاہتے ہیں۔ اب ماں باپ نے دنیا کے تھوڑے سے مال کے لیے مجھے قتل کرنے کے لیے (جلاد کو) دے دیا اور قاضی نے مجھے قتل کرنے کا فتویٰ جاری کر دیا اور بادشاہ میرا خون بہانے کے لیے راضی ہو گیا۔ اس حالت میں خدا کے سوا کوئی پناہ نہیں ہے۔

1۔ میں تیری فریاد کس کے سامنے کروں؟ اگر تجھ سے انصاف چاہوں تو تجھ سے ہی شکایت کروں۔

اس بات پر بادشاہ کا دل بھر آیا اور آنسو اس کی آنکھوں میں آگئے اور کہا: کسی بے گناہ کا خون بہانے کی بجائے میرا مرنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کا سر اور آنکھیں چومیں اور اسے بغل کیا اور بے حد نعمت دی اور آزاد کر دیا اور کہتے ہیں کہ اس نے اسی ہفتے شفا پالی۔

2۔ میں ابھی تک اس شعر کے خیال میں ہوں جو ایک ہاتھی چلانے والے نے دریائے نیل کے کنارے کہا۔

3۔ اگر تو اپنے پاؤں کے نیچے چیونٹی کا حال جاننا چاہتا ہے تو وہ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے تیرے حال کی طرح ہے۔

☆☆☆

حکایت ۲۳

یکی از بندگانِ عَمرِ لَیث گریخته بود۔ کسان در عقبش برفتند و باز آوردند۔ وزیر را با وی غَرَضی بود۔ به کشتنش اشارت کرد تا دیگر بندگان چنین حرکت روا ندارند۔ بنده پیشِ عمرو سر بر زمین نهاد و گفت:

۱۔ هر چه رود برسرم، چون تو پسندی رواست
بنده چه دعویٰ کند؟ حکم خداوند راست

امّا بموجب آن که پروردهٔ نعمتِ این خاندانم نخواهم که در قیامت به خونِ من گرفتار آیی۔ اگر بی گمان این بنده را بخواهی کُشت به تأویلی شرعی بکُش تا در قیامت ماخوذ نباشی۔ گفت: تأویل چگونه است؟ گفت: اجازت فرمای تا وزیر را بکُشم آنگه فرمای تا مرا بقصاص بکُشند تا بحق کشته باشی۔ مَلِك بخندید۔ وزیر را گفت: چه مصلحت می بینی؟ گفت: ای پادشاه، از بهرِ خدای، به صدقهٔ گور پدرت این شوخ دیده را رها کن تا مرا دربلائی نیفگند۔ گناه از من است که قولِ حکما معتبر نداشتم که گفته اند:

۲۔ چو کردی با کلوخ انداز پیکار
سرِ خود را به دستِ خود شکستی

۳۔ چو تیر انداختی در روی دشمن
حذر کن کاندر آماجش نشستی

الفاظ معانی:

بندگان: غلام (جمع)، گریختن: فرار کرنا، غرضی: دشمنی، نهادن: رکھنا، اما: لیکن، تاویلی شرعی: شرعی دلیل، ماخوذ: جوابدہ، چگونه: کس طرح، شوخ دیده: بے حیا، کلوخ انداز: مٹی کے ڈھیلے پھینکنے والا، پیکار: جنگ۔ آماجش: اس کے نشانے پر۔

حکایت 23

ترجمہ:

عمرولیث کے غلاموں میں سے ایک فرار ہو گیا تھا۔ کچھ لوگ اس کے پیچھے گئے اور اسے واپس لے آئے۔ وزیر کی اس سے دشمنی تھی۔ اس نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا تا کہ دوسرے غلام ایسی حرکت کرنا جائز نہ سمجھیں۔ غلام نے عمرو کے سامنے سرزمین پر رکھ دیا اور کہا:

۱۔ میرے سر پر جو کچھ آئے، چونکہ تو پسند کرتا ہے اس لیے جائز ہے۔ بندہ کیا دعویٰ کرے؟ حکم تو آقا کا ہے۔

لیکن اس لیے کہ میں اس خاندان کی نعمتوں کا پلا بڑھا ہوں میں نہیں چاہتا کہ قیامت میں آپ میرے خون پر گرفتار ہوں۔ اگر بغیر کسی شک کے اس غلام کو قتل کرنا چاہتے ہو تو شرعی دلیل کے ساتھ قتل کرو تا کہ آپ قیامت میں گرفتار نہ ہوں۔ اس نے کہا دلیل کیا ہے؟ اس نے کہا: اجازت فرمائیں کہ میں وزیر کو قتل کر دوں پھر آپ حکم دیں کہ مجھے اس کے قصاص میں قتل کر دیں تا کہ آپ نے حق پر قتل کیا ہو۔ بادشاہ ہنسا۔ وزیر سے کہا: تو کیا مصلحت دیکھتا ہے؟ اس نے کہا: اے بادشاہ، خدا کے لیے، تجھے اپنے باپ کی قبر کا واسطہ اس بے حیاء کو رہا کر دے کہیں مجھے کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دے۔ گناہ میرا ہے کہ میں نے داناؤں کے قول کو معتبر نہیں سمجھا جو انہوں نے کہا ہے:

۲۔ جب تو نے کسی ڈھیلے پھینکنے والے سے جنگ کی تو اپنے سر کو اپنے ہاتھوں سے پھاڑا۔

۳۔ جب تو نے دشمن پر تیر پھینکا تو پھر گریز کر کیونکہ تو اس کے نشانے پر بیٹھا ہے۔

☆☆☆

حکایت ۲٤

مَلِك زوزن را خواجه ای بود کریم النّفس، نیك محضر که همگنان را در مواجهه خدمت کردی و در غیبت نکویی گفتی۔ اتفاقاً حرکتی از او در نظرِ سلطان ناپسند آمد۔ مصادره کرد و عقوبت فرمود۔ سرهنگانِ مَلِك به سوابقِ اِنعامِ او معترف بودند و به شکرِ

آن مُرتَهَن- در مدّتِ توکیلِ او رفق و ملاطفت کردندی و زجر و معاقبت روا نداشتندی-

۱- صلح با دشمن اگر خواهی هر گه که تورا
درقفا عیب کند، در نظرش تحسین کن

۲- سخن آخر به دهان می گذرد موذی را
سخنش تلخ نخواهی دهنش شیرین کن

آنچه مضمونِ خطابِ مَلِك بود از عهدهٔ بعضی بدر آمد و به بقیّت در زندان بماند- یکی از ملوكِ نواحی در خُفیه پیغامش فرستاد که ملوكِ آن طرف قدرِ چنان بزرگواری ندانستند و بی عزّتی کردند- اگر رایِ عزیز فلان، اَحسَنَ اللّٰہُ خَلاصَہٗ، به جانبِ ما التفات کند در رعایتِ خاطرش هر چه تمامتر سعی کرده شود و اعیانِ این مملکت به دیدارِ او مفتقرند و جوابِ این حروف را منتظر-

خواجه بر این وقوف یافت و از خطر اندیشید- در حال جوابی مختصر، چنان که مصلحت دید، برقفا ی ورق نبشت و روان کرد-

الفاظ معانی:

زوزن: ایک علاقے کا نام ہے جو ماضی میں نیشا پور کا حصہ رہا ہے اور اب ایران کے شہر تربت حیدری کا حصہ ہے، خواجه: وزیر، کریم النفس: بخشش کرنے والا، نیك محضر: نیک سیرت، همگنان: سب، درمواجهه: روبرو، مصادره کردن: جرمانہ کرنا، عقوبت: سزا، سرهنگان: فوج کے افسر، سوابق انعام: سابقہ احسانات، مرتهن: مرہون، توکیل: قید، نظر بندی، رفق: نرمی، ملاطفت: مہربانی، معاقبت: اذیت، قفا: پیٹھ پیچھے، تحسین: تعریف، دهان: منہ، تلخ: کڑوی، مضمون خطاب: جرمانے کا حکم، التفات کردن: توجہ کرنا، اعیان: اشراف، مفتقرند: نیاز مند ہیں، برقفای ورق: ورق کی پشت پر۔

حکایت 24

ترجمہ:

زوزن کے بادشاہ کا ایک وزیر بخشش کرنے والا تھا۔ ایسا نیک سیرت کہ سب کی سامنے ہونے پر خدمت کرتا اور پیٹھ پیچھے اچھائی کرتا۔ اتفاق سے اس کی کوئی حرکت بادشاہ کی نظروں میں ناپسندیدہ ٹھہری۔ اسے جرمانہ کیا اور سزا دی۔ بادشاہ کے فوجی افسر اس کے سابقہ احسانات کے معترف تھے اور اس کے مرہون منت تھے۔ اس کی نظر بندی کے دوران اس سے نرمی اور مہربانی کرتے اور زجر و اذیت روا نہ رکھتے۔

1۔ اگر تو دشمن کے ساتھ صلح چاہتا ہے تو جب بھی وہ پیٹھ پیچھے تیری برائی کرے تو اس کے سامنے تعریف کر۔

2۔ بات بہر حال لوگوں کو تکلیف دینے والے کے منہ سے نکلتی رہتی ہے، تو اگر اس کی تلخ بات نہیں سننا چاہتا تو اس کا منہ میٹھا کر۔

جو کچھ بادشاہ کا جرمانے کا حکم تھا وہ کچھ ادا کر پائے اور باقی کے لیے وہ (وزیر) قید میں رہا۔ اردگرد کی سرزمینوں کے بادشاہوں میں سے ایک نے اسے خفیہ پیغام بھیجا کہ اس طرف کے بادشاہوں نے تیری بزرگواری کی خاطر خواہ قدر نہیں کی اور انہوں نے بے عزتی کی۔ اگر آپ کی محترم رائے اَحسَنَ اللّٰہُ خَلاصَہٗ (خدا اس کی رہائی اچھی اور آسان بنا دے) ہماری طرف توجہ کرے تو ان کی چاہی گئی مراعات کو ملحوظ خاطر رکھنے کی تمام تر کوشش کی جائے گی اور اس مملکت کے اشراف ان کے دیدار کے نیاز مند ہیں اور ان حروف کے جواب کے منتظر ہیں۔

وزیر کو اس کا پتہ چلا اور وہ خطرے سے ڈر گیا۔ اس نے جیسا مصلحت سمجھا ایک مختصر جواب فوراً کاغذ کی پشت پر لکھا اور روانہ کر دیا۔

☆☆☆

. یکی از متعلّقانِ مَلِك که بر این واقف بود مَلِك را اعلام کرد که فلان را که حبس فرموده ای با ملوکِ نواحی مراسله دارد۔ مَلِك بهم بر آمد و کشفِ این خبر فرمود۔ قاصد را بگرفتند و رسالت را بخواندند۔ نبشته بود که حُسنِ ظنِّ بزرگان در حقِ این ضعیف بیش از فضیلتِ اوست و تشریفِ قبولی که ارزانی فرموده اند بنده را امکانِ اجابتِ آن نبود، بحکمِ ان که پروردهٔ نعمتِ این خاندانم و به اندك مایه تغیّر خاطر با ولی نعمت بی وفائی کردن نه کارِ خرد مندان است۔

۳۔ آن را کـه بـجـای تست هر دم کَرَمی عـذرش بنـه ار کـنـد بـه عـمری ستمی

مَلِك را سیرتِ حق شناسی از او پسند آمد و خلعت و نعمت ببخشید و عذر خواست که خطا کر دم که تورابی گنه بیاز ردم۔ گفت: ای مَلِك من تورا در این که کردی خطائی نمی بینم بلکه تقدیرِ باری، عَزَّ اسمُهٗ، چنان بود که مرا مکروهی رسد۔ پس به دستِ تو اولی تر که حقوقِ سوابقِ نعمت داری و ایادی مِنّت و حکما گفته اند:

٤۔ گـر گـزنـدت رسـد زخـلـق مـرنـج کـه نـه راحـت رسد زخـلـق و نـه رنـج

٥۔ از خـدا دان خـلافِ دشـمـن و دوسـت کـه دلِ هـر دو در تـصـرّفِ اوسـت

٦۔ گـرچـه تیـر از کـمـان هـمـی گـذرد از کـمـانـدار بیـنـد اهـلِ خـرد

الفاظ معانی:

اعلام کردن: آگاہ کرنا، حبس: قید، مراسله داشتن: خط وکتابت کرنا، کشف: آشکار، رسالت: خط، تشریف قبولی: قبول کرنے کی خلعت، ارزانی فرمودن: عطا کرنا، اجابت: قبول، تغیر خاطر: رنجیدگی، خرد مندان: عقلمند (جمع)، ار: اگر، عز اسمُهٗ: اس کا نام گرامی ہے، مکروهی: ناخوشگوار واقعہ، ایادی منت: احسان کی نعمتیں، مرنج: رنجیدہ نہ ہو، تصرف: قبضہ، می گذرد: نکلتا ہے، اهل خرد: عقلمند۔

ترجمہ:

بادشاہ سے وابستہ لوگوں میں سے ایک جو اس امر سے آگاہ تھا اس نے بادشاہ کو آگاہ کر دیا کہ فلاں شخص کو جسے آپ نے قید فرمایا ہے اطراف کے بادشاہوں کے ساتھ خط و کتابت کرتا ہے۔ بادشاہ کو غصہ آ گیا اور اس خبر کی تحقیق کا حکم دیا۔ انہوں نے قاصد کو پکڑ لیا اور خط پڑھا۔ لکھا تھا کہ اس ناتواں کے حق میں بزرگوں کا حسن ظن اس کی فضیلت سے زیادہ ہے اور انہوں نے قبول کرنے کی خلعت جو عطا کی ہے، بندے کے لیے اسے قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں اس خاندان کی نعمت کا پروردہ ہوں اور تھوڑی سی رنجیدگی کے باعث نعمت کے ولی کے ساتھ بے وفائی کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

3۔ وہ جو تیرے حق میں ہر دم کرم کرتا ہے اگر وہ ایک عمر ستم کرے تو اسے درگزر کے لائق سمجھ۔

بادشاہ کو اس کی حق شناسی کی روش پسند آئی اور اسے خلعت اور نعمت عطا کی اور اس سے معذرت چاہی کہ میں نے خطا کی کہ تجھے ناحق تکلیف دی۔ اس نے کہا: اے بادشاہ یہ جو تو نے میرے ساتھ کیا مجھے اس میں تیری کوئی خطا نظر نہیں آتی بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا۔ عزاسمہٗ (اس کا نام گرامی ہے)۔ ایسا (لکھا) تھا کہ مجھے کوئی ناخوشگوار چیز در پیش آئے۔ پس اگر آپ کے ہاتھ سے پہنچے تو اور زیادہ بہتر ہے کیونکہ آپ سابقہ احسانات اور احسان کی نعمتوں کے حقوق رکھتے ہیں اور داناؤں نے کہا ہے:

4۔ اگر تجھے مخلوق سے کوئی تکلیف پہنچے تو دکھی نہ ہو کیونکہ مخلوق سے نہ راحت ملتی ہے اور نہ رنج۔

5۔ (اسے) دوست اور دشمن کے برعکس خدا کی طرف سے سمجھ کیوں کہ دونوں کا دل اس (اللہ تعالیٰ) کے قبضے میں ہے۔

6۔ اگرچہ تیر کمان سے چلتا ہے (لیکن) عقلمند اسے کمان والے کی طرف سے جانتا ہے۔

حکایت ۲۵

یکی از ملوکِ عرب شنیدم متعلّقانِ دیوان را فرمود که مرسومِ فلان را چندان که هست مضاعف کنید که مُلازمِ درگاه است و مترصد فرمان و سایر خدمت گار ان به لهو ولعبِ مشغول و در ادای خدمت متهاون- صاحبدلی بشنید و گفت: علوِ درجاتِ بندگان به درگاهِ حق تعالیٰ همین مثال دارد-

۱- دو بامداد اگر آید کسی به خدمتِ شاه — سیُم هر آینه در وی کند بلطف نگاه

۲- امید هست پرستندگانِ مخلص را — که ناامید نگردند از آستانِ اله

۳- مهتری در قبولِ فرمان است — ترکِ فرمان دلیلِ حرمان است

٤- هر که سیمای راستان دارد — سرِ خدمت بر آستان دارد

الفاظ معانی:

دیوان: **وزارت خانہ**، مرسوم: **وظیفہ**، مضاعف: **دوبرابر**، مترصد فرمان: **حکم کا منتظر**، سایر: **سب**، لهوولعب: **بیہودہ کام**، متهاون: **ست**، صاحبدلی: **ایک عارف**، علو درجات: **درجات کی بلندی**، بامداد: **صبح سویرے**، سیم: **تیسرے روز**، هر آینه: **بے شک**، بلطف: **مہربانی سے**، مهتری: **بزرگی**، حرمان: **محرومی**، سیمای راستان: **نیک کردار ہونے کا نشان**۔

حکایت 25

ترجمہ:

میں نے عرب بادشاہوں میں سے ایک کے بارے میں سنا کہ اس نے وزارت خانہ سے متعلق لوگوں کو فرمایا کہ فلاں شخص کا وظیفہ دو برابر کر دیں کیونکہ وہ درگاہ کا ملازم ہے اور حکم کا منتظر ہے اور سب خدمت کار بیہودہ کاموں میں مصروف ہیں اور خدمت کی ادائیگی میں ست ہیں۔ ایک عارف نے سنا اور کہا: اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں بندوں کے درجات کی بلندی اسی طرح سے ہے۔

1۔ بادشاہ کی خدمت میں اگر دو صبح کوئی آئے تو تیسرے روز بے شک وہ (بادشاہ) اسے مہربانی سے دیکھتا ہے۔

2۔ مخلص پرستش کاروں کو اُمید ہے کہ وہ اللہ کے آستانہ سے نا اُمید نہ ہوں گے۔

3۔ بزرگی حکم ماننے میں ہے۔ حکم ترک کرنا محرومی کی دلیل ہے۔

4۔ جو کوئی نیک کردار ہونے کا نشان رکھتا ہے وہ آستانہ پر خدمت کا ارادہ رکھتا ہے۔

☆☆☆

حکایت ۲٦

ظالمی را حکایت کنند که هیزم درویشان خریدی بحیف و توانگران را دادی بطرح- صاحبدلی بر او بگذشت و گفت:

۱- ماری تو که هر که راببینی بزنی — یا بوم که هر کجا نشینی بکَنی

۲- زورت ار پیش می رود باما — با خداوندِ غیب دان نرود

۳۔ زور مندی مکن بر اهلِ زمین | تا دعائی بر آسمان نرود

حاکم از این سخن برنجید وروی از نصیحتِ او درهم کشید و بر او التفاتی نکرد، اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ، تاشبی آتشِ مطبخ در انبارِ هیزمش افتاد و سایرِ املاکش بسوخت و از بسترِ نرمش به خاکسترِ گرم نشاند۔ اتفاقاً همان شخص در گذار بود وشنید که با یاران می گفت: ندانم این آتش از کجا در انبارِ هیزم افتاد۔ گفت: از دودِ دلِ درویشان۔

۴۔ حذر کن ز دودِ درونهای ریش | که ریشِ درون عاقبت سر کند

۵۔ بهم بر مکن تا توانی دلی | که آهی جهانی بهم بر کند

برتاجِ کیخسرو شنیدم که نبشته بود:

۶۔ چه سالهای فراوان و عمرهای دراز | که خلق بر سرِ مابر زمین بخواهد رفت

۷۔ چنان که دست بدست آمده ست مُلک به ما | به دستهای دگر همچنین بخواهد رفت

الفاظ معانی:

ہیزم: جلانے کی لکڑیاں، بحیف: کم قیمت پر، توانگران: امیروں، بطرح: من پسند، صاحبدلی: ایک عارف، مار: سانپ، بوم: الو،بکنی: تو ویران کرتا ہے،دعائی: بددعا، التفاتی: کوئی توجہ،روی درھم کشید: غصے اور نفرت کا اظہار کیا، مطبخ: باورچی خانہ،انبار ہیزم: جلانے والی لکڑیوں کا ڈھیر، بسوخت: جل گئی،خاکستر: راکھ، ندانم: میں نہیں جانتا،دود: دھواں، حذر کن: گریز کر،ریش: زخم، همچنین:اسی طرح۔

حکایت 26

ترجمہ:

ایک ظالم کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ غریبوں کی جلانے کی لکڑی کم قیمت پرخریدتا اور امیروں کو من پسند قیمت پر دیتا۔ایک عارف اس کے قریب سے گزرا اور اس نے کہا:

1۔ تو ایسا سانپ ہے جو جسے دیکھتا ہے ڈستا ہے یا الو، جہاں بیٹھتا ہے ویران کرتا ہے۔

2۔ تیرا زور اگرچہ ہم پر چلتا ہے لیکن غیب کا علم رکھنے والے اللہ پر نہیں چلتا۔

3۔ اہل زمین پر زور آزمائی نہ کر، تا کہ کوئی بددعا آسمان پر نہ جائے۔

حاکم اس بات سے رنجیدہ ہوا اور اس کی نصیحت سے غصے اور نفرت کا اظہار کیا اور اس پر کوئی توجہ نہ کی اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (سرکشی اور غرور اسے گناہ پر ابھارتے ہیں) یہاں تک کہ ایک رات باورچی خانہ کی آگ اس کی جلانے والی لکڑیوں کے ڈھیر پر جا گری اور اس کا سارا مال اور ملکیت جل گئے اور وہ اپنے نرم بستر سے گرم راکھ پر آن بیٹھا۔اتفاق سے وہی شخص وہاں سے گزر رہا تھا اور اس نے سنا کہ وہ اپنے دوستوں سے کہہ رہا تھا: میں نہیں جانتا یہ آگ کہاں سے جلانے والی لکڑیوں کے ڈھیر پر آن گری؟اس (عارف) نے کہا: غریبوں کے دل کے دھوئیں سے۔

4۔ زخمی دلوں کے دھوئیں سے گریز کر کیونکہ دل کا زخم بالآخر سر اُٹھاتا ہے۔

5۔ جہاں تک ہو سکے کسی دل کو پریشان نہ کر کیونکہ ایک آہ دنیا کو زیروزبر کر دیتی ہے۔

کی خسرو (ایرانی بادشاہ) کے تاج پر لکھا تھا:

6۔ کتنے زیادہ سال اور لمبی عمریں مخلوق ہمارے سر کی زمین پر چلے گی۔

7۔ جیسے ملک مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا ہم تک آیا ہے اسی طرح دوسرے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔

☆☆☆

حکایت ۲۷

یکی در صنعتِ کُشتی گرفتن سرآمده بود چنان که سیصد و شصت بندِ فاخر بدانستی و هر روز بنوعی کشتی گرفتی۔ مگر گوشهٔ خاطرش با جمالِ یکی از شاگردان میلی داشت۔ سیصد و پنجاه و نهٔ بند وی را در آموخت مگر یك بند که در تعلیم آن دفع انداختی و تهاون کردی۔ فی الجمله پسر در قوت و صنعت سرآمد و کس را با او مجالِ مقاومت نبودتا بحدّی که پیش مَلِكِ وقت گفته بود: استاد را فضیلتی که برمن است از روی بزرگی است و حقِ تربیت و گر نه به قوّت از او کمتر نیستم و به صنعت با او برابرم۔

مَلِك را این ترکِ ادب ناپسند آمد۔ بفرمودتا مصارعت کنند۔ مقامی متّسع ترتیب کردند و ارکانِ دولت و اعیانِ حضرت و زور آورانِ اقلیم گرد آمدند۔ پسر چون پیلِ مست درآمد بصدمتی که اگر کوهِ آهنین بودی از جای بکندی۔ استاد دانست که جوان از او بقوّت ترست۔ به آن یك بندِ غریب که از وی نهان داشته بود با او درآویخت۔ پسر دفعِ آن ندانست بسر درآمد۔ استاد از زمینش برداشت، به بالای سر برد و فرو کوفت۔ غریو از خلق برآمد۔ مَلِك فرمود استادَ را نعمت و خلعت دادند و پسر را زجر و ملامت کردند که با پرورانندهٔ خود دعوی کردی و بسر نبردی۔ گفت: ای خداوند به زور آوری برمن دست نیافت بلکه مرا از علمِ کُشتی دقیقه ای مانده بود و ازمن دریغ می داشت۔ امروز بدان دقیقه برمن دست یافت۔ گفت: از بهرِ چنین روزی نگاه می داشتم که حکما گفته اند: دوست را چندان قوّت مده که اگر دشمن گردد بر تو غالب شود۔ نشنیده ای که چه گفت آن که از پروردهٔ خویش جفا دید:

۱۔ یا وفا خود نبود در عالَم	یا مگر کس در این زمانه نکرد
۲۔ کس نیاموخت علمِ تیر از من	که مرا عاقبت نشانه نکرد

الفاظ معانی:

صنعت: ہنر، کُشتی گرفتن: کشتی گیری، سر آمدن: کامل ہونا، سیصد و شصت بند فاخر: تین سو ساٹھ اعلیٰ گُر، سیصد و پنجاه و نه: تین سو انسٹھ، آموختن: سکھانا، دفع انداختن: آج کل کرنا، تهاون: سستی، مقاومت: مقابلہ، مصارعت: کشتی، مقامی متسع: کھلی جگہ، اعیان: بزرگ، زور آوران: پہلوان، اقلیم: سرزمین، پیل: ہاتھی، بصدمتی: ایسی ہیبت کے ساتھ، کوه آهنین: لوہے کا پہاڑ، بند غریب: انجانا گر، درآویختن: کشتی شروع کرنا، دفع: بچاؤ، غریو: شور، زجر کردن: برا بھلا کہنا، بسر نبردن: نہ کر پانا، دقیقه ای: ایک باریک نکتہ، بهر چنین روزی: ایک ایسے دن کے لیے۔

حکایت 27

ترجمہ:

ایک شخص کُشتی کے فن میں کامل ہو گیا تھا ایسا کہ تین سو ساٹھ اعلیٰ گر جانتا تھا اور ہر روز مختلف طریقے سے کشتی لڑتا۔ مگر اس کے دل کا گوشہ شاگردوں میں سے ایک کی خوبصورتی کی طرف میل رکھتا تھا۔ اس نے اس (شاگرد) کو تین سو اُنسٹھ گر سکھائے ماسوائے ایک گر کے کہ جس کے سکھانے میں وہ آج کل کرتا اور

سستی برتتا۔ مختصر یہ کہ لڑکا طاقت اور فن میں ماہر ہوگیا اور کسی کو اس کے ساتھ مقابلہ کرنے کی مجال نہ تھی یہاں تک کہ اس نے بادشاہ وقت کے سامنے کہا تھا: استاد کو مجھ پر جو برتری ہے وہ بزرگی کے باعث ہے اور حق تربیت کی خاطر ہے ورگرنہ میں طاقت میں اس سے کمتر نہیں ہوں اور ہنر میں اس کے برابر ہوں۔

بادشاہ کو ادب کا یہ ترک کرنا پسند نہ آیا۔ اس نے حکم دیا کہ وہ کشتی لڑیں۔ انہوں نے ایک وسیع جگہ ترتیب دی اور حکومت کے ارکان، بادشاہ کی درگاہ کے بزرگ اور سرزمین کے پہلوان اکٹھے ہوئے۔ لڑکا مست ہاتھی کی طرح ایسی ہیبت کے ساتھ آیا کہ لوہے کا پہاڑ ہوتا تو وہ اسے بھی اپنی جگہ سے اکھاڑ پھینکتا۔ استاد جان گیا کہ نوجوان اس سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس نے اس ایک انجانے گر سے جسے اس نے اس سے چھپا رکھا تھا اس سے کشتی شروع کی۔ لڑکا اس سے بچاؤ نہیں جانتا تھا سر کے بل آن گرا۔ استاد نے اسے زمین سے اُٹھایا، سر کے اوپر لے گیا اور زور سے نیچے پٹخا۔ مخلوق سے شور اٹھا۔ بادشاہ کے حکم پر انہوں نے استاد کو نعمت اور خلعت دی اور لڑکے کو برا بھلا کہا اور ملامت کی کہ اپنے تربیت کرنے والے پر تو نے دعویٰ کیا اور اسے پورا نہ کیا۔ اس نے کہا: اے آقا اس نے زور آزمائی میں مجھ پر سبقت حاصل نہیں کی بلکہ علم کشتی میں مجھ سے ایک باریک نکتہ رہ گیا تھا اور وہ اس نے مجھے نہیں سکھایا تھا۔ آج وہ نکتہ مجھ پر عیاں ہوگیا۔ اس (استاد) نے کہا: میں نے ایسے دن کے لیے سنبھال کر رکھا تھا کیونکہ داناؤں نے کہا ہے: دوست کو اتنی طاقت نہ دے کہ اگر وہ دشمن بن جائے تو تجھ پر غالب آجائے۔ تو نے نہیں سنا ہے کہ اس نے کیا کہا جس نے اپنوں سے بے وفائی دیکھی:

1۔ یا وفا خود دنیا میں نہ تھی یا شاید کسی نے اس زمانے میں نہیں کی۔

2۔ کوئی ایسا نہیں جس نے مجھ سے تیراندازی کا علم سیکھا اور اس نے بالآخر مجھے ہی نشانہ نہ بنایا۔

☆☆☆

حکایت ۲۸

درویشی مجرّد به گوشهٔ صحرائی نشسته بود۔ یکی از پادشاهان بر او بگذشت۔ درویش ازان جا که فراغِ مُلکِ قناعت است سر برنیاورد و التفاتی نکرد۔ سلطان ازان جا که سَطْوَتِ سلطنت است بهم برآمد و گفت: این طایفهٔ خرقه پوشان امثالِ حیوانند و اهلیّت و آدمیّت ندارند۔ وزیر نزدیکش آمد و گفت: ای درویش، پادشاهِ وقت بر تو بگذشت چرا سر بر نیاوردی و شرایطِ ادب بتقدیم نرسانیدی؟ گفت: مَلِك را بگوی که توقّعِ خدمت از کسی دار که توقّعِ نعمت از تو دارد۔ دیگر بدان که ملوك از بهر پاسِ رعیّتند، نه رعیّت از بهرِ طاعتِ ملوك۔

۱۔ پادشه پاسبانِ درویش است — گرچه نعمت به فرِّ دولتِ اوست
۲۔ گوسفند از برای چوپان نیست — بلکه چوپان برای خدمتِ اوست

☆

۳۔ یکی امروز کامران بینی — دیگری را دل از مجاهده ریش
۴۔ روز کی چند باش تا بخورد — خاك، مغزِ سرِ خیال اندیش
۵۔ فرقِ شاهی و بندگی برخاست — چون قضای نبشته آمد پیش
۶۔ بالله ار خاكِ مرده باز کنند — ننماید توانگر از درویش

مَلِك را گفتارِ درویش استوار آمد، گفت: چیزی از من بخواه، گفت: می خواهم که دیگر زحمتِ من ندهی۔ گفت: مرا پندی بده۔ گفت:

۷۔ دریاب کنون که نعمت هست به دست   کاین نعمت و مُلک می روَد دست بدست

الفاظ معانی:

مجرد: تک وتنہا، سربرنیا ورد: اس نے سر نہ اُٹھایا، التفات: توجہ، بھم برآمد: غصہ میں آ گیا، طایفہ: گروہ، چرا: کیوں، گوسفند: بھیڑ، چوپان: چرواہا، مجاھدہ: دکھ اٹھانا، خیال اندیش: خیال پرداز، قضای نبشتہ: لکھی ہوئی تقدیر، باللہ: خدا کی قسم، خاک: قبر، استوار آمد: صحیح معلوم ہوئی، کنون: یہ وقت، دریاب: غنیمت شمار، دست بدست: ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ۔

حکایت 28

ترجمہ:

ایک تک وتنہا درویش ایک صحرا کے ایک گوشے میں بیٹھا تھا۔ بادشاہوں میں سے ایک اس کے پاس سے گزرا۔ درویش نے قناعت کی سلطنت کی آسودگی کے سبب سر نہ اُٹھایا اور کوئی توجہ نہ کی۔ بادشاہ سلطنت کی شان وشوکت کے نتیجہ میں غصے میں آ گیا اور کہا: گدڑی پوشوں کا یہ گروہ جانوروں کی طرح ہے۔ اہلیت اور آدمیت نہیں رکھتا۔ وزیر اس کے پاس آیا اور کہا: اے درویش، بادشاہ وقت تیرے قریب سے گزرا تو نے سر کیوں نہیں اُٹھایا اور ادب کی شرائط احترام سے بجا نہیں لایا؟ اس نے کہا بادشاہ سے کہہ کہ خدمت کی توقع اس سے رکھے جو تجھ سے نعمت کی توقع رکھتا ہے۔ دوسرا جان لے کہ بادشاہ رعایا کی حفاظت کے لیے ہیں، نہ رعایا بادشاہوں کی اطاعت کے لیے۔

1۔ بادشاہ درویش کا پاسبان ہے اگرچہ نعمت اس کی حکومت کی شان وشوکت سے ہے۔

2۔ بھیڑیں چرواہے کے لیے نہیں ہیں بلکہ چرواہا ان کی خدمت کے لیے ہے۔

☆

3۔ ایک کو تو آج کامیاب دیکھتا ہے۔ دوسرے کا دل غم سے زخمی۔

4۔ چندروز صبر کرتا کہ خیال پرداز کے سر کا مغز مٹی کھائے۔

5۔ جب لکھی ہوئی تقدیر سامنے آئی تو بادشاہی اور غلامی کا فرق ختم ہو گیا۔

6۔ خدا کی قسم اگر مردے کی قبر کھولیں تو امیر اور غریب کا فرق ظاہر نہیں ہوگا۔

بادشاہ کو درویش کی گفتگو اچھی لگی۔ اس نے کہا: مجھ سے کوئی چیز مانگ۔ اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے دوبارہ زحمت نہ دے۔ اس (بادشاہ) نے کہا مجھے کوئی نصیحت کر۔ اس نے کہا:

7۔ اب جبکہ نعمت تیرے ہاتھ میں ہے اسے غنیمت شمار کر۔ کیونکہ نعمت اور ملک ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ چلے جاتے ہیں۔

☆☆☆

حکایت ۲۹

یکی از وزرا پیشِ ذوالنّونِ مصری آمد و همّت خواست که روز و شب به خدمتِ سلطان مشغولم و به خیرش اُمیدوار و از عقوبتش ترسان، ذوالنون بگریست و گفت: اگر من خدای را چنان پرستیدمی که تو سلطان را، از جملهٔ صدّیقان بودمی۔

۱۔ گر نبودی اُمیدِ راحت و رنج — پای درویش بر فلک بودی

۲۔ ور وزیر از خدا بترسیدی — همچنان کز مَلِك، مَلَك بودی

الفاظ معانی:

ذوالنون مصری: تیسری صدی ہجری قمری کا معروف عارف ابوالفیض، همت خواستن: دعائے خیر چاہنا، عقوبت: سزا، ترسان: خوفزدہ، بگریستن: رونا، صدیقان: سچے گفتار اور کردار والے، ملك: بادشاہ، مَلَك: فرشتہ۔

حکایت 29

ترجمہ:

وزراء میں سے ایک ذوالنون مصری کے پاس آیا اور دعائے خیر چاہی کہ میں دن رات بادشاہ کی خدمت میں مشغول ہوں اور اس سے بھلائی کی اُمید رکھتا ہوں اور اس کی سزا سے خوفزدہ ہوں۔ ذوالنون رویا اور کہا: اگر میں خدا کی پرستش اس قدر کرتا کہ جتنی تو بادشاہ کی کرتا ہے تو میں سچے گفتار اور کردار والوں میں سے ہوتا۔

1۔ اگر آسودگی (جنت کی آسودگی) اور تکلیف (دوزخ کی تکلیف) کی اُمید نہ ہوتی تو درویش کا پاؤں آسمان پر ہوتا۔

2۔ اور اگر وزیر اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرتا جتنا وہ بادشاہ سے تو وہ فرشتہ ہوتا۔

☆☆☆

حکایت ۳۰

پادشاهی به کشتنِ بی گناهی فرمان داد۔ گفت: ای پادشاه بواسطهٔ خشمی که تو را برمن است آزارِ خود مجوی۔ گفت: به چه معنی؟ گفت: از برای آن که این عقوبت برمن به یك نَفَس بسر آید و بزهٔ آن جاوید بر تو بماند۔

۱۔ دورانِ بقا چو بادِ صحرا بگذشت — تلخی و خوشی وزشت وزیبا بگذشت

۲۔ پنداشت ستمگر که جفا برما کرد — در گردنِ او بماند و برما بگذشت

مَلِك را نصیحتِ او سود مند آمد و از سرِ خون او برخاست۔

الفاظ معانی:

فرمان دادن: حکم دینا، خشم: غصہ، به یك نفس: ایک سانس میں، لمحے میں، بزهٔ آن: اس کا گناہ، جاوید: ہمیشہ، دوران بقا: زندگی کا دور، تلخی: کڑواہٹ، زشت: بدصورت، زیبا: خوبصورت، سود مند: فائدہ مند، مفید۔

حکایت 30

ترجمہ:

ایک بادشاہ نے ایک بے گناہ کوقتل کرنے کا حکم دیا۔اس (بے گناہ) نے کہا: اے بادشاہ اس غصے کے لیے جو تجھے مجھ پر ہے خود کو تکلیف میں مبتلا نہ کر۔

اس (بادشاہ) نے کہا: کیا مطلب؟ اس (بے گناہ) نے کہا: اس لیے کہ یہ سزا مجھ پر ایک سانس میں گزر جائے گی اور اس کا گناہ ہمیشہ تجھ پر رہے گا۔

1۔ زندگی کا دور صحرا کی ہوا کی طرح گزر گیا۔تلخی اور خوشی، بدصورت اور خوبصورت گزر گئے۔

2۔ ظالم نے گمان کیا کہ اس نے ہم پر ظلم کیا۔(ظلم) اس کی گردن پر رہ گیا اور ہم پر گزر گیا۔

بادشاہ کو اس کی نصیحت سودمند لگی اور اس کا خون بہانے سے باز آ گیا۔

☆☆☆

حکایت ۳۱

وزرای نوشیروان در مهمی از مصالح مملکت اندیشه همی کردند و هریك رایی همی زدند و مَلِك همچنین تدبیری اندیشه همی کرد۔ بزر جمهررا رای مَلِك اختیار آمد۔ وزیران در خُفیه پرسیدند که: رایِ مَلِك را چه مزیّت دیدی بر فکرِ چندین حکیم؟ گفت: بموجب آن که انجام کار معلوم نیست و رایِ همگنان در مشیّت است که صواب آید یا خطا۔ پس موافقتِ رایِ مَلِك اولی ترست تا اگر خلافِ صواب آید بعلّتِ متابعتِ او از معاتبت ایمن باشم۔

۱۔ خلافِ رایِ سلطان رای جُستن — به خونِ خویش باشد دستِ شُستن

۲۔ اگر خود روز را گوید شب است این — بباید گفتن اینك ماه و پروین

الفاظ معانی:

مهمی: عظیم کام، مصالح مملکت: مملکت کے مفادات، اندیشه: سوچ بچار، مزیت: خوبی، همگنان: سب، مشیت: اللہ کا ارادہ، صواب: صحیح، خطا: غلط، متابعت: پیروی، معاتبت: سرزنش، دست شستن: ہاتھ دھونا، اینك: وہ دیکھو۔

حکایت 31

ترجمہ:

نوشیروان کے وزیر مملکت کے مفادات کے ایک عظیم کام پر سوچ و بچار کر رہے تھے اور ہر ایک رائے دے رہا تھا اور بادشاہ بھی اسی طرح سوچ رہا تھا۔ بزرجمہر نے بادشاہ کی تجویز اختیار کی۔وزیروں نے خفیہ طور پر پوچھا کہ: تو نے کئی عقلمندوں کی سوچ کی نسبت بادشاہ کی تجویز میں کیا خوبی دیکھی؟ اس نے کہا: اس لیے کہ کام کا انجام معلوم نہیں اور سب کی تجاویز میں اللہ کے ارادے کا عمل دخل ہے کہ صحیح ثابت ہو یا غلط۔پس بادشاہ کی تجویز سے اتفاق کرنا زیادہ بہتر ہے تا کہ اگر صحیح ثابت نہ بھی ہو تو اس کی پیروی کی وجہ سے سرزنش سے بچا رہوں گا۔

1۔ بادشاہ کی رائے کے خلاف تجویز تلاش کرنا اپنے ہی خون سے ہاتھ دھونا ہے۔

2۔ اگر وہ خود دن کو رات کہے تو یہ کہنا چاہیے کہ وہ دیکھو چاند اور ستارے۔

حکایت ۳۲

شیّادی گیسوان بافت که من عَلَویم و با قافلهٔ حجاز به شهر در رفت که از حج همی آیم و قصیده ای پیشِ مَلِك برد یعنی خود گفته ام۔ نعمت بسیار فرمودش و اکرام کرد تا یکی از ندیمانِ مَلِك که در آن سال از سفرِ دریا آمده بود گفت: من او را عیدِ اَضحیٰ در بصره دیدم حاجی چگونه باشد؟ دیگری گفت: من اوزا می شناسم۔ پدرش نصرانی بود در مَلَطیه پسر، عَلَوی چگونه باشد؟ و شعرش را همان روز در دیوانِ انوری یافتند۔ مَلِك بفرمودتا بزنندش و نفی کنند تا چندین دروغ درهم چرا گفت۔ گفت: ای مَلِك یك سخنِ دیگر در خدمت بگویم اگر راست نباشد به هر عقوبت که خواهی سزاوارم۔ گفت: بگوی تا چیست؟ گفت:

۱۔ غریبی گرت ماست پیش آورد | دو پیمانه آب است و یك چمچه دوغ

۲۔ گر از بنده لَغوی شنیدی ببخش | جهاندیده بسیار گوید دروغ

مَلِك راخنده گرفت، گفت: از این راست تر سخن تا عمرِ تو بوده است نگفته ای۔ فرمود تا آنچه ماْمولِ اوست مهیّا دارند تا بدلخوشی برود۔

الفاظ معانی:

شیادی: ایک دغاباز، دررفت: داخل ہوا، ندیمان ملك: بادشاہ کے مصاحب، چگونہ: کس طرح، نصرانی: عیسائی، نفی کردن: شہر بدر کرنا، دروغ: جھوٹ، راست: سچ، عقوبت: سزا، سزاوار: مستحق، لائق، لغوی: کوئی بکواس، ماْمول او: جس کی اسے اُمید ہو۔

حکایت 32

ترجمہ:

ایک دغاباز نے گیسو گندھ لیے کہ میں علوی ہوں اور حجاز کے قافلہ کے ساتھ شہر میں داخل ہوا کہ میں حج سے آ رہا ہوں اور ایک قصیدہ بادشاہ کی خدمت میں لے گیا یعنی میں نے خود کہا ہے۔ اس (بادشاہ) نے بہت سی نعمت عطا کی اور اس کی عزت کی۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے مصاحبوں میں سے ایک نے جو اس سال سمندر کے سفر سے آیا تھا کہا: میں نے اسے عید الاضحیٰ پر بصرہ میں دیکھا حاجی کس طرح ہوگا؟ ایک اور نے کہا: میں اسے جانتا ہوں۔ اس کا باپ ملطیہ شہر میں عیسائی تھا، بیٹا علوی کیسے ہوگا؟ اور اس کے اشعار اسی دن انہوں نے دیوانِ انوری میں پائے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے ماریں اور شہر بدر کر دیں کہ اس نے کئی جھوٹ اکٹھے کیوں بولے۔ اس نے کہا: اے بادشاہ میں ایک اور بات (آپ کی) خدمت میں کہتا ہوں اگر سچ نہ ہو تو جو سزا تم دو گے میں اس کا مستحق ہوں گا۔ اس (بادشاہ) نے کہا کہو کیا ہے؟ اس نے کہا:

1۔ کوئی اجنبی اگر تیرے پاس دہی لائے تو وہ دو پیمانہ پانی ہے اور ایک چمچہ لسی ہے۔

2۔ اگر تو نے بندے سے کوئی بکواس سنی تو معاف کر دے۔ جہاندیدہ بہت جھوٹ بولتا ہے۔

بادشاہ کو ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا: اس سے زیادہ سچی بات تو نے اپنی ساری زندگی میں نہیں کہی ہے۔ اس (بادشاہ) نے حکم دیا کہ جتنے کی اسے اُمید ہے اتنا اسے مہیا کر دیں تا کہ وہ دلی خوشی کے ساتھ جائے۔

☆☆☆

حکایت ۳۳

یکی از وزرا زیردستان را رحمت آوردی و صلاحِ همگنان را بخیر توسّط کردی۔ اتفاقاً به خطاب مَلِك گرفتار آمد۔ همگنان در استخلاص او سعی کردند و گماشتگان در عقوبتش ملاطفت نمودند و بزرگان ذکرِ سیرتِ خوبش به افواه بگفتند تا مَلِك از سرِ خطابِ او درگذشت۔ صاحبدلی بر این سخن مطّلع گشت و این بیت بگفت:

۱۔ تا دِل دوستان بدست آری — باغ و مِلكِ پدر فروخته به

۲۔ پختنِ دیگ نیکخواهان را — هرچه رختِ سراست سوخته به

۳۔ با بداندیش هم نکویی کن — دهنِ سگ به لقمه دوخته به

الفاظ معانی:

زیر دستان: ماتحت (جمع)، رحمت آوردن: مہربانی کرنا، توسط کردن: ثالثی کرنا، خطاب: عتاب، استخلاص: رہائی، گماشتگان: مامور (جمع)، ملاطفت نمودن: نرمی کرنا، درگذشت: صرف نظر کی، صاحبدلی: ایک عارف، رخت سرا: گھر کا سامان، بداندیش: بدنیت، دهن سگ: کتے کا منہ، به: بہتر۔

حکایت 33

ترجمہ:

وزیروں میں سے ایک ماتحتوں پر مہربانی کرتا تھا اور سب کی بھلائی کے لیے نیکی سے ثالثی کرتا تھا۔ اتفاق سے وہ بادشاہ کے عتاب میں گرفتار ہو گیا۔ سب نے اس کی رہائی کی کوشش کی اور ماموروں نے اس کی سزا میں ملایمت برتی اور بزرگوں نے اس کی اچھی سیرت کا ذکر کثرت سے کیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ نے عتاب ترک کر دیا۔ ایک عارف اس بات سے آگاہ ہوا اور یہ اشعار کہے:

1۔ دوستوں کا دل جیتنے کے لیے تیرا، باپ کا باغ اور اس کی جائیداد بیچنا بہتر ہے۔

2۔ بھلائی چاہنے والوں کی دیگ پکانے کے لیے جتنا بھی گھر کا سامان ہے اسے جلانا بہتر ہے۔

3۔ بدنیت کے ساتھ بھی نیکی کر۔ کتے کا منہ لقمے سے سینا بہتر ہے۔

☆☆☆

حکایت ٣٤

یکی از پسرانِ هارون الرشید پیشِ پدر آمد خشمناک که فلان سرهنگ زاده مرا دشنام مادر داد۔ هارون جلسای حضرت را گفت: جزای چنین کس چه باشد؟ یکی اشارت به کشتنش کرد و دیگری به زبان بریدن و دیگری به مصادره کردن و نفی۔ هارون پسر را گفت: ای پسر کَرَم آن است که عفو کنی و اگر بضرورت انتقام خواهی تو نیزش دشنامِ مادر دِه، نه چندان که انتقام از حد بگذرد که آنگه ظلم از طرفِ تو باشد و دعوی از قِبَلِ خصم۔

١۔ نه مردست آن به نزدیکِ خردمند — که با پیلِ دمان پیکار جوید

٢۔ بلی مرد آن کس است از روی تحقیق — که چون خشم آیدش باطل نگوید

☆

٣۔ یکی را زشت خویی داد دشنام — تحمّل کرد و گفت: ای خوب فرجام

٤۔ بتر زانم که خواهی گفتن آنی — که دانم عیب من چون من ندانی

الفاظ معانی:

خشمناک: غصے کے ساتھ، سرهنگ زاده: سالار کا بیٹا، دشنام مادر: ماں کی گالی، جلسای حضرت: ہمنشین مصاحب (جمع)، اشارت: تجویز، زبان بریدن: زبان کاٹنا، مصادره کردن: جرمانے کے طور پر اموال ضبط کرنا، نفی: شہر بدر، از قبل خصم: دشمن کی جانب سے، پیل دمان: خوفناک ہاتھی، پیکار: جنگ، بلی: ہاں، تحقیق: حقیقت، زشت خو: بدمزاج، باطل گفتن: برا کہنا، ای خوب فرجام: اے نیک انجام۔

حکایت 34

ترجمہ:

ہارون الرشید کے بیٹوں میں سے ایک باپ کے پاس غصے کے ساتھ آیا کہ فلاں سالار کے بیٹے نے مجھے ماں کی گالی دی۔ ہارون نے ہمنشین مصاحبوں کو کہا: ایسے شخص کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ ایک نے اسے قتل کردینے کی تجویز دی اور دوسرے نے زبان کاٹ دینے کی اور ایک اور نے جرمانے کے طور پر اموال ضبط کرنے اور شہر بدر کرنے کی۔ ہارون نے بیٹے سے کہا: اے بیٹے کرم یہ ہے کہ تو معاف کردے۔ اور اگر ضرورت کے تحت انتقام لینا چاہے تو تو بھی اسے ماں کی گالی دے، نہ اس قدر کہ انتقام حد سے گزر جائے کیونکہ اس وقت ظلم تیری طرف سے ہوگا اور دعویٰ دشمن کی جانب سے۔

1۔ عقلمند کے نزدیک وہ مرد نہیں ہے جو خوفناک ہاتھی سے جنگ کرنا چاہے۔

2۔ ہاں، حقیقت میں مرد وہ ہے کہ اسے جب غصہ آئے تو بری بات نہ کہے۔

☆

3۔ ایک شخص کو ایک بدمزاج نے گالی دی۔ اس نے تحمل کیا اور کہا: اے نیک انجام،

4۔ تو جو مجھے کہنا چاہے کہ میں وہ ہوں، میں اس سے بھی بدتر ہوں کیونکہ میں اپنے عیب جانتا ہوں تو میری طرح نہیں جانتا۔

☆☆☆

حکایت ۳۵

با طایفۂ بزرگان به کشتی در، نشسته بودم، زورقی در پیِ ما غرق شد۔ دو برادر به گردابی در افتادند۔ یکی از بزرگان ملّاح را گفت: بگیر این هر دو را تا صد دینارت بخشم۔ ملّاح در آب افتاد تا یکی برهانید دیگری مرده بود۔ گفتم بقیّتِ عمرش نمانده بود از این سبب در گرفتنِ او تأخیر کرد و در ان دیگر تعجیل۔ ملّاح بخندید و گفت: آنچه تو گفتی یقین است۔ دیگر آن که میلِ خاطر من به رهانیدنِ این یکی بیشتر بود که وقتی در راه مانده بودم و مرا برشتری نشاند و از دستِ آن یکی تازیانه خورده بودم در طفولیّت۔ گفتم: صَدَقَ اللّٰہ: مَن عَمِلَ صالِحاً فَلِنفسِهٖ وَمَنْ اَساءَ فَعَلَيْهَا۔

۱۔ تا توانی درونِ کس مخراش — کاندر این راه خارها باشد

۲۔ کارِ درویشِ مستمند برآر — که تورا نیز کارها باشد

الفاظ معانی:

طایفۂ بزرگان: بزرگوں کی ایک جماعت، زورقی: ایک چھوٹی کشتی، گرداب: بھنور، تعجیل: جلدی، رهانیدن: نجات دلانا، شتر: اونٹ، تازیانه: کوڑا، طفولیت: بچپن، درون: دل، خراشیدن: چھیلنا، دکھ دینا، خارها: کانٹے، مستمند: غمگین۔

حکایت 35

ترجمہ:

میں بزرگوں کی ایک جماعت کے ساتھ ایک کشتی میں بیٹھا تھا۔ ایک چھوٹی کشتی ہمارے پیچھے غرق ہوگئی۔ دو بھائی ایک بھنور میں گر گئے۔ بزرگوں میں سے ایک نے ملاح کو کہا: ان دونوں کو پکڑ لے تا کہ تجھے سو دینار بخشوں۔ ملاح پانی میں کودا یہاں تک کہ ایک کو بچا لیا اور دوسرا مر گیا تھا۔ میں نے کہا اس کی عمر لمبی نہیں تھی اس وجہ سے اس کو پکڑنے میں تاخیر کی اور اس دوسرے کو پکڑنے میں جلدی کی۔ ملاح ہنسا اور کہا: جو کچھ تو نے کہا یقینی (بات) ہے۔ دوسرا یہ کہ میرے دل کا رجحان اسے نجات دلانے پر زیادہ تھا کیونکہ جب میں راستے میں رہ گیا تھا اور اس نے مجھے ایک اونٹ پر بٹھایا اور اس دوسرے کے ہاتھوں میں نے بچپن میں کوڑا کھایا تھا۔ میں نے کہا: صَدَقَ اللّٰہ: مَن عَمِلَ صالحاً فَلِنَفسه وَمَنْ اَساءَ فَعَلَيْهَا (خدا نے سچ فرمایا: جو کوئی بھلائی کرے وہ خود اس کے فائدے میں ہے اور جو کوئی برائی کرے وہ خود اس کے نقصان میں ہے)

1۔ جہاں تک ہو سکے تو کسی کے دل کو نہ دکھا کیونکہ اس راستے میں کانٹے ہیں۔

2۔ غمگین درویش کا کام کر دے کیونکہ تجھے بھی (بہت سے) کام ہوں گے۔

☆☆☆

حکایت ۳۶

دو برادر یکی خدمتِ سلطان کردی و دیگر به سعیِ بازو نان خوردی۔ باری توانگر گفت درویش را: چرا خدمت نکنی تا از مشقّتِ کار کردن برهی؟ گفت: تو چرا کار نکنی تا از مذلّتِ خدمت رهایی یابی؟ که حکما گفته اند: نانِ خود خوردن و نشستن به از کمرِ زرین بخدمت بستن۔

۱۔ بـــه دســـت آهـنِ تـفتـــه کـــردن خـمـیـر ☆ بـــه از دســت بـــر سیـنــه پیـــش امیـر

۲۔ عــمــرِ گـــرانـمـایــه در ایـن صـرف شـد تـا چـه خـورم صـیف و چـه پـوشـم شـتـا

۳۔ ای شـکــمِ خـیـره بـــه نـــانـی بـسـاز تـــا نـکـنــی پـشــت بـخـدمــت دوتـــا

الفاظ معانی:

دو برادر: دو بھائی، سعی بازو: بازوؤں کی کوشش، نان خوردن: روٹی کھانا، توانگر: مالدار، درویش: غریب، چرا: کیوں، مشقت: سختی، مذلت: خواری، کمر زرین: سنہری پیٹی، بستن: باندھنا، آھن تفتہ: گرم لوہا، صیف: گرمیاں، شتا: سردیاں، شکم خیرہ: سرکش پیٹ، دوتا کردن: خم کرنا۔

حکایت 36

ترجمہ:

دو بھائیوں میں سے ایک بادشاہ کی خدمت کرتا تھا اور دوسرا بازوؤں کی کوشش سے روٹی کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ مالدار نے غریب سے کہا: تو خدمت کیوں نہیں کرتا تاکہ تو سختی کے کام سے رہائی پائے؟ اس نے کہا: تو کام کیوں نہیں کرتا تاکہ تو خدمت کی خواری سے رہائی پائے؟ کیونکہ داناؤں نے کہا ہے: اپنی روٹی کھانا اور بیٹھنا، خدمت کی سنہری پیٹی باندھنے سے بہتر ہے۔

1۔ ہاتھوں سے گرم لوہا خمیر کرنا بادشاہ کے سامنے سینے پر ہاتھ رکھنے سے بہتر ہے۔

2۔ قیمتی عمر اس میں صرف ہوگئی کہ گرمیوں میں کیا کھاؤں اور سردیوں میں کیا پہنوں۔

3۔ اے سرکش پیٹ ایک روٹی سے سازگاری کر، تاکہ تو خدمت میں پیٹھ خم نہ کرے۔

☆☆☆

حکایت ۳۷

یکی مژده آورد پیشِ انوشروانِ عادل که: خدائی تعالیٰ فلان دشمنت برداشت۔ گفت: هیچ شنیدی که مرا فرو گذاشت؟

۱۔ اگـر بـمُـرد عـدو، جـای شـادمـانی نیست کـه زنـدگـانـیِ مـانیز جـاودانـی نیست

الفاظ معانی:

مژدہ: خوشخبری، برداشتن: اٹھانا، فرو گذاشتن: زندہ چھوڑ دینا، عدو: دشمن، شادمانی: خوشی، جاودانی: ہمیشہ رہنے والی۔

حکایت 37

ترجمہ:

ایک شخص انوشروان عادل کے سامنے خوشخبری لایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تیرا فلاں دشمن اٹھالیا۔ اس نے کہا: کیا تو نے کبھی سنا (کہ کسی نے کہا ہو) کہ مجھے زندہ چھوڑ دیا؟

1۔ اگر دشمن مرگیا تو خوشی کا مقام نہیں کیونکہ ہماری زندگانی بھی ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔

☆☆☆

حکایت ۳۸

گروهی حکما در حضرتِ کسری به مصلحتی درسخن می گفتند و بزر جمهر که مهترِ ایشان بود خاموش بود۔ گفتند: چرا با ما در این بحث سخت نمی گویی؟ گفت: وزرا برمثالِ اطبّا اند و طبیب دار و ندهد جزسقیم را۔ پس چون می بینم که رایِ شما بر صواب است مرا بر سرِ آن سخن گفتن حکمت نباشد۔

۱۔ چو کاری بی فضولِ من برآید　　مرا در وی سخن گفتن نشاید

۲۔ وگر بینم که نابینا و چاه است　　اگر خاموش بنشینم گناه است

الفاظ معانی:

حکما: دانا (جمع)، حضرت کسری: انوشیروان کی بارگاہ، مصلحتی: ملک کے مفاد میں، مہتر: سردار، اطبا: طبیب (جمع)، سقیم: بیمار، صواب: صحیح، حکمت: دانائی، برآمدن: انجام پانا، رای: تجویز، چاہ: کنواں۔

حکایت 38

ترجمہ:

داناؤں کا ایک گروہ کسریٰ (انوشیروان) کی بارگاہ میں ملک کے مفاد میں باتیں کررہے تھے اور بزر جمہر جو اُن کا سردار تھا خاموش تھا۔ انہوں نے کہا: تم کیوں ہمارے ساتھ اس بحث میں نہیں بولتے؟ اس نے کہا وزیر طبیبوں کی طرح ہیں اور طبیب بیمار کے سوا کسی کو دوا نہیں دیتا۔ پس جب میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی تجویز صحیح ہے تو میرا اس پر بات کرنا دانائی نہیں ہوگی۔

1۔ جب کوئی کام میری دخالت کے بغیر ہوجائے تو مجھے اس میں بات کرنا زیب نہیں دیتا۔

2۔ اور اگر میں دیکھوں کہ نابینا اور کنواں ہے، اگر خاموش بیٹھوں تو گناہ ہے۔

☆☆☆

حکایت ۳۹

هارون الرّشید را چون مُلِك مصر مسلّم شد گفت: بخلافِ آن طاغی که به غرورِ مُلكِ مصر دعویٰ خدایی کرد نبخشم این مُلك را مگر به خسیس ترین کسی از بندگان۔ سیاهی داشت خَصیب نام، مُلِك مصر به وی ارزانی داشت۔ و گویند عقل و درایتِ آن سیاه تا بحدّی بود که وقتی طایفه ای حُرّاثِ مصر شکایت آوردند ش که: پنبه کاشته بودیم در کنارِ نیل و بارانِ بی وقت آمد و تلف شد۔ گفت: پشم بایستی کاشت تا تلف نشدی۔ دانشمندی درویش این سخن بشنید و گفت:

۱۔ اگر دانش به روزی در فزودی　　ز نادان تنگ روزی تر نبودی

۲۔ بـه نـادانـان چنـان روزی رسـانـد
کـه دانـا انـدران عـاجـز بمـانـد

☆

۳۔ بـخـت و دولـت بـه کـاردانی نیست
جزبـه تـأییدِ آسمـانـی نیست

۴۔ اوفتـاده سـت در جهـان بسیـار
بـی تمیـز ارجمـنـد و، عـاقـل خـوار

۵۔ کیـمیـا گـر بـغـصّـه مُـرده و رنـج
ابـلـه انـدر خـرابـه یـافتـه گـنـج

الفاظ معانی:

مسلم شد: قبضے میں آیا، طاغی: سرکشی، خسیس ترین: پست ترین، سیاهی: ایک کالا، درایت: دانائی، حرات: کسان (جمع)، پنبه: روئی، باران: بارش، تلف شدن: ضائع ہونا، پشم: اون، رساندن: پہنچانا، بی تمیز: نادان، ارجمند: قابل قدر، خرابه: کھنڈر۔

حکایت 39

ترجمہ:

ہارون رشید کو جب ملک مصر پر قبضہ حاصل ہوا، اس نے کہا: اس سرکشی کے خلاف جو ملک مصر نے خدائی کا دعویٰ کیا میں یہ ملک کسی کو نہیں بخشوں گا ماسوائے غلاموں میں سے پست ترین (غلام) کو۔ خصیب نام کا ایک کالا (غلام) اس کے پاس تھا، ملک مصر اسے عطا کر دیا۔ اور کہتے ہیں اس کالے کی عقل اور دانائی اس حد تک تھی کہ جب مصر کے کسانوں کا ایک گروہ اس کے پاس شکایت لایا کہ: ہم نے دریائے نیل کے کنارے روئی کاشت کی تھی اور بے وقت بارش آگئی اور وہ ضائع ہوگئی۔ اس نے کہا: اون کاشت کرنی چاہیے تھی تاکہ ضائع نہ ہوتی۔ ایک درویش دانشمند نے یہ بات سنی اور کہا:

1۔ اگر عقل روزی کو بڑھاتی تو نادان سے زیادہ کمتر روزی رکھنے والا کوئی نہ ہوتا۔

2۔ وہ نادان کو ایسے روزی فراہم کرتا ہے کہ عقلمند اس میں عاجز رہ جاتا ہے۔

☆

3۔ بخت اور دولت کام جاننے سے نہیں ہے۔ یہ آسمانی تائید کے بغیر نہیں ہے۔

4۔ دنیا میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ نادان قابل قدر اور عقلمند خوار ہوتا ہے۔

5۔ کیمیا گر غصے اور رنج سے مر گیا۔ نادان نے کھنڈر کے اندر خزانہ پا لیا۔

☆☆☆

حکایت ٤٠

یکی را از ملوک کنیز کی چینی آورده بودند۔ خواست تا در حالتِ مستی با وی جمع شود۔ دختر ممانعت کرد۔ مَلِك در خشم رفت و او رابه سیاهی بخشید که لب زَبَرینش از پرّه' بینی در گذشته بود و زیرین به گریبان فرو هشته۔ هیکلی که صَخرالجِنّ از طلعتش برمیدی و عَین القِطر از بغلش بدمیدی۔

۱۔ تـو گـفتـی تـا قیـامـت زشـت رویـی
بـر او ختـم اسـت و بـر یـوسف نـکـویـی

☆

۲۔ شخصی نہ چنان کریہ منظر | کز زشتی او خبر توان داد
۳۔ وانگہ بغلی، تَعُوذُ بِاللہ | مُردار بہ آفتاب مرداد

آوردہ اند کہ سیاہ را در آن مدّت نفس طالب بود و شہوت غالب۔ بِھرش بجنبید و مُھرش برداشت۔ بامداد ان کہ مَلِک کنیزک را جُست و نیافت حکایت بگفتند۔ خشم گرفت و فرمودتا سیاہ رابا کنیزک دست و پای استوار ببندند و از بامِ جوسق بہ قعرِ خندق اندازند۔ یکی از وزرای نیک محضر روی شفاعت بر زمین نہاد و گفت: سیاہِ بیچارہ را در این خطائی نیست بلکہ سایرِ بندگان و خدمتگاران بہ بخشش و اِنعامِ خداوندی مُتَعَوِّد ند۔ گفت: اگر در مفاوضتِ او شبی تأخیر رفتی چہ شدی کہ من او رابہ قیمتِ کنیزک بیش نوازش کردمی۔ گفت: ای پادشاہ نشنیدہ ای کہ گفت اند:

۴۔ تشنۂ سوختہ در چشمۂ روشن چورسید | تومپندار کہ ازپیلِ دمان اندیشد
۵۔ مُلحدِ گرسنہ در خانۂ خالی بر خوان | عقل باور نکند کز رمضان اندیشہ

مَلِک را این لطیفہ پسند آمد و گفت: سیاہ را بہ تو بخشیدم کنیزک را چہ کنم؟ گفت: کنیزک سیاہ را بخش کہ نیم خوردۂ او، ہم او را شاید۔

٦۔ دستِ سلطان دگر کجا بیند | چون بہ سرگین در اوفتاد ترنج
۷۔ تشنہ را دل نخواھد آبِ زلال | کوزہ بگذشت بر دہانِ سُکُنج

الفاظ معانی:

آوردن: لانا، خواستن: چاہنا، جمع شدن: ہم خوابی کرنا، دختر: لڑکی، خشم: غصہ، لب زبرینش: اس کا اوپر والا ہونٹ، پرہ بینی: ناک کا کنارہ، زیرین: نیچے والا، فروھشتہ: لٹکا ہوا، صخر الجن: ایک دیو کا نام جو بدصورتی میں مشہور تھا، طلعتش: اس کا دیدار، عین القطر: بدبودار کالا تیل، زشت رو: بدصورت، کریہ منظر: بدصورت دکھائی دینے والا، مہرش: اس کی محبت، مھرش: اس کی دوشیزگی، بامداد: صبح سویرے، استوار: مضبوطی سے، بام جوسق: محل کی چھت، قعر: گہرائی، نیک محضر: نیک سیرت، متعود: عادی، مفاوضت: ہم بستری، روشن: صاف، پیل دمان: بپھرا ہوا ہاتھی، ملحد: بے دین، برخوان: دسترخوان پر، این لطیفہ: یہ اچھی بات۔

حکایت 40

ترجمہ:

بادشاہوں میں سے ایک کے لیے ایک چینی کنیز لے آئے تھے۔ اس نے مستی کی حالت میں اس کے ساتھ سونا چاہا۔ لڑکی نے منع کر دیا۔ بادشاہ طیش میں آ گیا اور وہ (کنیز) ایک سیاہ کو بخش دی جس کا اوپر والا ہونٹ اس کے ناک کے کنارے سے آگے بڑھا ہوا تھا اور نچلا (ہونٹ) گریبان میں لٹکا ہوا تھا۔ جسم ایسا کہ صخر الجن اس کو دیکھنے سے گریز کرتا اور بدبودار کالا تیل اس کی بغل سے چھلکتا۔

1۔ تو نے کہا قیامت تک اس پر بدصورتی اور یوسف پر خوبصورتی ختم ہے۔

☆

2- ایسا شخص نہ ایسا برا دکھائی دینے والا کہ اس کی بدصورتی کی خبر دی جا سکے۔

3- اور پھر اس کا سینہ، نعوذ باللہ مرداد ماہ (سخت گرمی کا مہینہ) کے سورج میں مردے کی لاش۔

کہتے ہیں کہ اس عرصہ میں سیاہ کا نفس طالب تھا اور شہوت غالب تھی۔ اس کی محبت حرکت میں آئی اور وہ اس کی دوشیزگی سے مستفید ہوا۔ صبح سویرے جب بادشاہ نے کنیز کو تلاش کیا اور نہ پایا۔ لوگوں نے ماجرا بیان کیا۔ وہ غصے میں آ گیا اور حکم دیا کہ سیاہ کے کنیز کے ساتھ ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ دیں اور محل کی چھت سے خندق کی گہرائی میں گرا دیں۔ نیک سیرت وزراء میں سے ایک نے سفارش کا چہرہ زمین پر رکھ دیا اور کہا: اس میں سیاہ بیچارے کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ تمام غلام اور خدمت گار آقا کی بخشش اور انعام کے عادی ہیں۔ اس نے کہا: اگر وہ ہم بستری کے لیے ایک رات دیر سے جاتا تو کیا ہو جاتا کیونکہ میں اس پر کنیز کی قیمت سے زیادہ احسان کرتا۔ اس (وزیر) نے کہا: اے بادشاہ تو نے نہیں سنا ہے کہ انہوں (لوگوں) نے کہا ہے:

4- جلا ہوا پیاسا جب صاف (پانی کے) چشمے پر پہنچا تو پھر تو گمان نہ کر کہ وہ بپھرے ہوئے ہاتھی کے بارے میں سوچے گا۔

5- عقل یقین نہیں کرتی کہ بھوکا بے دین خالی گھر میں دسترخوان پر رمضان کے بارے میں سوچے گا۔

بادشاہ کو یہ باریک نکتہ پسند آیا اور اس نے کہا: میں نے سیاہ تجھے بخشا۔ کنیز کا کیا کروں؟ اس نے کہا: کنیز، سیاہ کو بخش دو کیونکہ اس کی ادھ کھائی بھی اسی کو زیب دیتی ہے۔

6- جب چکوترا جانور کے گوبر پر گر گیا تو وہ بادشاہ کے ہاتھ کو کہاں دیکھ پاتا ہے۔

7- وہ برتن جو بدبودار منہ کو لگ گیا، پیاسے کا اس میں صاف پانی پینے کو دل نہیں کرتا۔

☆☆☆

حکایت ۴۱

اسکندرِ رومی را برسیدند که دیارِ مشرق و مغرب به چه گرفتی که ملوکِ پیشین را خزاین و عمر و لشکر بیش از این بود و چنین فتحی میسّر نشد؟ گفت: به عَونِ خدای، عَزَّوَ جَلَّ، هر مملکت را که بگرفتم رعیّتش نیاز ردم و نامِ پادشاهان جزبنیکی نبردم۔

۱- بزرگش نخوانند اهلِ خرد　　که نامِ بزرگان بزشتی برد

الفاظ معانی:

ملوک پیشین: گذشتہ بادشاہ، چنین: ایسی، عون خدا: خدا کی مدد، رعیتش: اس کی رعایا، اهل خرد: عقلمند، بزشتی: ناشائستگی۔

حکایت 41

ترجمہ:

سکندر رومی سے لوگوں نے پوچھا کہ تو نے مشرق اور مغرب کی سرزمینیں کیسے حاصل کیں کیونکہ گذشتہ بادشاہوں کے پاس اسے سے زیادہ خزانے، عمریں اور لشکر تھے اور انہیں ایسی فتح میسر نہیں آئی؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں نے جو ملک فتح کیا اس کی رعایا کو نہیں ستایا اور بادشاہوں کا نام نیکی کے سوا نہیں لیا۔

1- عقلمند اسے بزرگ نہیں کہتے جو بزرگوں کا نام بے احترامی سے لے۔

باب ہشتم

درآدابِ صحبت

مـال از بهرِ آسـایـشِ عـمـرست نه عمر از بهرِ گرد کردنِ مال۔ عاقلی را پرسیدند: نیکبخت کیست و بدبخت چیست؟ گفت: نیکبخت آن که خورد و کشت و بدبخت آن که مرد و هشت۔

۱۔ مکن نماز بر آن هیچ کس که هیچ نکرد | که عمر در سر تحصیل مال کرد و نخورد

☆☆☆

موسیٰ علیه السلام قارون را نصیحت کرد که أحسن كَمَا أَحْسَنَ اَللّٰهُ إِلیك؛ نشنید و عاقبتش شنیدی۔

۲۔ آن کس که به دینار و درم خیر نیندوخت | سر عاقبت اندر سر دینار و درم کرد

۳۔ خواهی که ممتع شوی از دنیی و عقبی | با خلق کرم کن چو خدا با تو کرم کرد

عرب گوید: جُدْ وَلَا تَمُنْ لِاَنَّ الْفَائِدَةَ إِلَيْكَ عَائِدَةٌ، یعنی ببخش و منت منه که نفع آن به تو باز گردد۔

٤۔ درخت کرم هر کجا بیخ کرد | گذشت از فلك شاخ و بالای او

۵۔ گر امیدواری کز او برخوری | به منت منه ارّه بر پای او

☆

٦۔ شکر خدای کن که موفق شدی به خیر | ز انعام و فضل او نه معطل گذاشتت

۷۔ منت منه که خدمت سلطان همی کنی | منت شناس از او که به خدمت بداشتت

☆☆☆

الفاظ معانی:

بهر: کے لیے، گرد کردن: اکٹھا کرنا، کیست: کون ہے؟، چیست: کیا ہے؟،خورد: کھایا،کشت: کاشت کیا،هشت: چھوڑ گیا،تحصیل کردن: اکٹھا کرنا،عاقبتش: اس کا انجام،ممتع شدن: بہرہ مند ہونا،منت منه: منت نہ جتلا،بیخ کردن: جڑ پکڑنا،برخوردن: پھل کھانا،اره: آری، خیر: بھلائی،خدمت بداشتن: خدمت پر لگانا۔

آٹھواں باب

صحبت کے آداب کے بارے میں

ترجمہ:

مال زندگی کی آسائش کے لیے ہے نہ کہ زندگی مال اکٹھا کرنے کے لیے۔انہوں (لوگوں) نے ایک عقلمند سے پوچھا: خوش قسمت کون ہے اور بد بخت کیا ہے؟ اس نے کہا خوش نصیب وہ جس نے کھایا اور کاشت کیا اور بد بخت وہ جو مر گیا اور چھوڑ گیا۔

کسی بھی اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھ کہ اس نے کچھ نہ کیا، کیونکہ اس نے عمر کو مال اکٹھا کرنے میں گزارا اور نہ کھایا۔ -1

موسیٰ علیہ السلام نے قارون کو نصیحت کی کہ احسن کما احسن اللہ الیك (نیکی کر جیسے خدا نے تیرے ساتھ نیکی کی) اس نے نہ سنی اور اس کا انجام تو نے سنا۔

وہ شخص جس نے دینار و درہم (مال و دولت) سے بھلائی اکٹھی نہیں کی اس نے اپنا انجام دینار و درہم کے خیال میں کیا۔ -2

اگر تو دُنیا اور آخرت سے بہرہ مند ہونا چاہتا ہے تو مخلوق کے ساتھ کرم کر کیونکہ خدا نے تیرے ساتھ کرم کیا۔ -3

عرب کہتا ہے: جدولا تمن لان القائدۃ الیك عائدۃ یعنی بخشش کر اور احسان نہ جتلا کیونکہ اس کا فائدہ تیری طرف لوٹ آئے گا۔

کرم کے درخت نے جہاں کہیں جڑ پکڑی اس کی شاخیں اور بلندی آسمان سے گزر گئی۔ -4

اگر تو امید رکھتا ہے کہ اس سے پھل کھائے تو منت جتلا کر اس کے تنے پر آری نہ چلا۔ -5

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کہ تو نیکی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس (اللہ تعالیٰ) نے تجھے انعام اور فضل سے محروم نہیں رکھا۔ -6

منت نہ جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کرتا ہے۔ اس کی منت جان کہ اس نے تجھے خدمت پر مامور کیا۔ -7

☆☆☆

دو کس رنج بیهوده بردند و سعی بی فایده کردند: یکی آن که اندوخت و نخورد، و دیگر آن که آموخت و نکرد۔

۱۔ علم چندان که بیشتر خوانی — چون عمل در تو نیست نادانی

۲۔ نه محقق بود، نه دانشمند — چارپایی بر او کتابی چند

۳۔ آن تهی مغز را چه علم و خبر — که بر او هیزم است یا دفتر

☆☆☆

علم از بهر دین پروردن است نه از بهر دنیا خوردن۔

٤۔ هر که پرهیز و زهد و علم فروخت — خرمنی گرد کرد و پاک بسوخت

☆☆☆

عالم نا پرهیز گار کور مشعله دارست، يُهْدٰى بِهٖ وَ هو لا يَهْتَدِى۔

٥۔ بی فایده هر که عمر درباخت — چیزی نخرید و زر بینداخت

☆☆☆

پادشاهان به نصیحت خردمندان از ان محتاج ترند که خردمندان به قربت پادشاهان۔ مُلك از خردمندان جمال گیرد و دین از پرهیز گاران کمال یابد۔

٦۔ پندی اگر بشنوی، ای پادشاه — درهمه عالم به از این پند نیست

۷۔ جز به خردمند مفرما عمل — گرچه عمل کار خردمند نیست

☆☆☆

الفاظ معانی:

بیهوده: فضول، اندوختن: اکٹھا کرنا، نخورد: نہ کھایا، آموختن: سیکھنا، چندان: جس قدر، دانشمند: عالم، تھی مغز: مغز سے خالی، هیزم: جلانے کی لکڑیاں، دفتر: رجسٹر، دین پروردن: دین کی نشوونما کرنا، خرمن: کھلیان، پاک بسوخت: مکمل طور پر جلا دیا، کور: اندھا، عمر درباختن: عمر گنوانا، پند: نصیحت، خردمند: عقلمند۔

ترجمہ:

دو آدمیوں نے فضول تکلیف اٹھائی اور بے فائدہ کوشش کی: ایک وہ کہ جس نے اکٹھا کیا اور نہ کھایا اور دوسرا وہ کہ جس نے سیکھا اور (عمل) نہ کیا۔

1۔ تو علم جس قدر زیادہ پڑھ لے، چونکہ تجھ میں عمل نہیں ہے تو نادان ہے۔

2۔ نہ محقق ہے، نہ عالم وہ جانور جس پر چند کتابیں لدی ہوں۔

3۔ اس مغز سے خالی کو کیا علم اور خبر کہ اس پر جلانے کی لکڑیاں ہیں یا رجسٹر۔

☆☆☆

علم دین کی نشوونما کے لیے ہے نہ کہ دنیا (کا مال) کھانے کے لیے۔

4۔ جس کسی نے پرہیز گاری، زہد اور علم بیچا۔ اس نے کھلیان اکٹھا کیا اور مکمل طور پر جلا دیا۔

ناپرہیز گار عالم مشعل بردار اندھا ہے، یهدی به وهولا یهتدی (اس سے دوسرے ہدایت پاتے ہیں اور وہ خود راستہ نہیں پاتا)

5۔ جس کسی نے بے فائدہ عمر گنوائی۔ اس نے کوئی چیز نہ خریدی اور پیسے گرا دیے۔

☆☆☆

ملک عقلمندوں سے جمال پاتا ہے اور دین پرہیز گاروں سے کمال پاتا ہے۔ بادشاہ عقلمندوں کی نصیحت کے اس سے زیادہ محتاج ہیں کہ عقلمند بادشاہوں کی قربت کے۔

6۔ اے بادشاہ، اگر تو کوئی نصیحت سنے تو ساری دنیا میں اس سے بہتر نصیحت نہیں ہے۔

7۔ عقلمند کے سوا کسی کو کام نہ دے۔ البتہ (بغیر سوچے) عمل کرنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

☆☆☆

سه چیز پایدار نماند: مال بی تجارت و علم بی بحث و مُلک بی سیاست۔

۱۔ وقتی بلطف گوی و مدارا و مردمی — باشد که در کمند قبول آوری دلی

۲۔ وقتی بقهر گوی که صد کوزهٔ نبات — گه گه چنان بکار نیاید که حنظلی

☆☆☆

رحم آوردن بربدان ستم است برنیکان و عفو کردن از ظالمان جورست بر درویشان۔

۳۔ خبیث را چو تعهد کنی و بنوازی — به دولت تو گنه می کند به انبازی

☆☆☆

بر دوستی پادشاهان اعتماد نتوان کردن و بر آواز خوش کود کان که آن به خیالی مبدل شود و این به خوابی متغیر گردد۔

٤۔ معشوق هزار دوست را دل ندهی — ور می دهی آن دل به جدایی بنهی

☆☆☆

هر آن سَری که داری با دوست درمیان منه چه دانی که وقتی دشمن گردد و هر بدی که توانی به دشمن مرسان که باشد که وقتی دوست گردد۔

رازی که پنهان خواهی باکس درمیان منه وگرچه دوست مخلص باشد که مر آن دوست را نیز دوستان مخلص باشند همچنین مسلسل۔

۵۔ خامشی به که ضمیر دل خویش ——— باکسی گفتن و گفتن که مگوی

۶۔ ای سلیم، آب ز سر چشمه ببند ——— که چو پُرشد نتوان بستن جوی

☆

۷۔ سخنی در نهان نباید گفت ——— که بر انجمن نشاید گفت

☆☆☆

الفاظ معانی:

سه چیز: **تین چیزیں**، بی سیاست: **قانون کے بغیر**، وقتی: **ایک وقت**، بلطف: **مہربانی سے**، صد کوزۂ نبات: **مصری کے سوکوزے**، گہ گہ: **کبھی کبھار**، حنظلی: **ایک ایلوا**، عفو کردن: **معاف کرنا**، جورست: **ظلم ہے**، آواز خوش: **اچھی آواز**، کودکان: **بچے، لڑکے**، متغیر گردیدن: **تبدیل ہونا**، سری: **راز**، مرسان: **نہ پہنچا**، همچنین: **اسی طرح**، ای سلیم: **اے عقلمند**، جوی: **ایک نہر**، انجمن: **محفل**۔

ترجمہ:

تین چیزیں پائیدار نہیں رہتیں: تجارت کے بغیر مال، بحث کے بغیر علم اور قوانین کے بغیر ملک۔

1۔ ایک وقت مہربانی کی گفتگو، نرمی اور ہمدردی سے ہوسکتا ہے کہ تو کوئی دل قبولیت کی کمند میں لے آئے۔

2۔ ایک وقت غصے سے بول کر کیونکہ کبھی کبھار مصری کے سوکوزے وہ کام نہیں کرتے جو ایک ایلوا (کڑوا پھل) کر جاتا ہے۔

☆☆☆

بروں پر رحم کرنا نیکوں پر ظلم ہے اور ظالموں کو معاف کرنا درویشوں پر ظلم ہے۔

3۔ تو جب خبیث کے ساتھ پیمان باندھے اور اسے نوازے تو وہ تیری شراکت سے تیری ہی دولت سے گناہ کرے گا۔

☆☆☆

بادشاہوں کی دوستی اور لڑکوں کی خوبصورت آواز پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ (بادشاہ کی دوستی) ایک خیال سے بدل جاتی ہے اور یہ (لڑکے کی آواز) ایک خواب سے تبدیل ہوجاتی ہے۔

4۔ تجھے چاہیے کہ ہزار دوستوں کی معشوق کو دل نہ دے اور اگر دے دے تو وہ دل جدائی کے لیے رکھ دے۔

☆☆☆

ہر وہ راز جو تو رکھتا ہے دوست کو نہ بتا۔ تجھے کیا معلوم کہ کسی وقت دشمن بن جائے اور ہر برائی جو تو کرسکتا ہے دشمن کے ساتھ نہ کر کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی وقت دوست بن جائے۔

وہ راز جسے تو پوشیدہ رکھنا چاہے اسے کسی کے سامنے بیان نہ کر اور اگرچہ وہ مخلص دوست ہو کیونکہ اس دوست کے بھی مخلص دوست ہوں گے اور اسی طرح مسلسل۔

5۔ خاموشی اس بہتر ہے کہ کسی سے اپنے دل کی بات کہنا اور کہنا کہ اسے کسی سے نہ کہنا۔

6۔ اے عقلمند، پانی کو چشمے کے آغاز سے بند کر کیونکہ جب بھر گیا تو پانی کی ندی کو بند نہیں کیا جا سکتا۔

☆

7۔ ایسی بات پوشیدہ طور پر نہیں کہنی چاہیے جسے محفل میں کہنا مناسب نہ ہو۔

☆☆☆

دشمنی ضعیف کہ در طاعت آید و دوستی نماید مقصود وی جز این نیست کہ دشمنی قوی گردد و گفتہ اند کہ: بر دوستی دوستان اعتماد نیست تا بہ تملّقِ دشمنان چہ رسد؛و ہر کہ دشمن کوچك را حقیر می شمارد بدان ماند کہ آتش اندك را مُہمَل می گذارد۔

۱۔ امروز بکش، چو می توان کشُت	کاتش چو بلند شد، جہان سوخت
۲۔ مگذار کہ زہ کند کمان را	دشمن کہ بہ تیر می توان دوخت

☆☆☆

سخن درمیان دو دشمن چنان گوی کہ اگر دوست گردند شرم زدہ نباشی۔

۳۔ میان دو کس جنگ چون آتش است	سخن چین بدبخت ہیزم کش است
٤۔ کنند این و آن خوش دگر بارہ دل	وی اندر میان کور بخت و خجل
۵۔ میان دو تن آتش افروختن	نہ عقل است و خود درمیان سوختن

☆

٦۔ در سخن با دوستان آہستہ باش	تا ندارد دشمن خونخوار گوش
۷۔ پیش دیوار آنچہ گویی ہوش دار	تا نباشد در پس دیوار گوش

☆

الفاظ معانی:

دشمنی ضعیف: ایک کمزور دشمن، مقصود وی: اس کا مقصد، جز این: اس کے سوا، تملق: خوشامد، دشمن کوچك: چھوٹا دشمن، آتش اندك: تھوڑی آگ، مہمل گذاشتن: توجہ نہ کرنا، دوختن: سینا، شرم زدہ: شرمندہ، چون آتش: آگ کی طرح، سخن چین: چغلخور، ہیزم کش: جلانے والی لکڑیاں ڈھونے والا، کوربخت: بدبخت، خجل: شرمندہ، سوختن: جلنا، گوش کردن: سننا۔

ترجمہ:

کوئی کمزور دشمن جو اطاعت میں آئے اور دوستی کرے اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک طاقتور دشمن بن جائے اور لوگوں نے کہا ہے کہ: دوستوں کی دوستی پر اعتماد نہیں، دشمنوں کی چاپلوسی پر کب کیا جا سکتا ہے اور جو کوئی چھوٹے دشمن کو حقیر شمار کرے وہ اس شخص کی طرح ہے کہ جو تھوڑی آگ پر توجہ نہیں دیتا۔

1۔ آج بجھا دے، کیونکہ آج بجھائی جا سکتی ہے۔ کیونکہ آگ جب بلند ہو گئی اس نے دنیا کو جلا دیا۔

2۔ وہ دشمن جو تیرے پر ویا جا سکتا ہو اسے کمان کا چلہ نہ چڑھانے دے۔
تجھے دو دشمنوں کے درمیان بات ایسے کرنی چاہیے کہ اگر وہ دوست بن جائیں تو شرمندہ نہ ہو۔

3۔ آدمیوں کے درمیان جنگ آگ کی طرح ہے۔ بد بخت چغلخور جلانے والی لکڑیاں ڈھونے والا ہے۔

4۔ یہ اور وہ (دشمن) دوبارہ (ایک دوسرے سے) دل خوش کر لیں گے۔ وہ درمیان میں بد بخت اور شرمندہ۔

5۔ دو اشخاص کے درمیان آگ جلانا عقلمندی نہیں اور خود درمیان میں جلنا ہے۔

☆

6۔ دوستوں سے بات کرنے میں آہستہ رہ تا کہ خونخوار دشمن کان نہ لگائے۔

7۔ تو دیوار کے سامنے جو کچھ کہے ہوش سے کہہ ایسا نہ ہو کہ دیوار کے پیچھے کان ہوں۔

☆☆☆

هر که بادشمنان صلح می کند، سر آزار دوستان دارد۔

۱۔ بشوی، ای خردمند، ازان دوست دست   که با دشمنانت بود هم نشست

☆☆☆

چون در امضای کاری متردد باشی، آن طرف اختیار کن که بی آزار تر برآید۔

۲۔ با مردم سهل خوی دشوار مگوی   با آن که در صلح زند جنگ مجوی

تا کاربه زر برمی آید، جان در خطر افگندن نشاید؛عرب گوید: آخِرُ الْحِیلِ اَلسَّیْفُ۔

۳۔ چودست از همه حیلتی در گسست   حلال است بردن به شمشیر دست

☆☆☆

برعجز دشمن رحمت مکن که اگر قادر شود برتو نبخشاید۔

٤۔ دشمن چوبینی ناتوان، لاف از بروت خود مزن
مغزی است در هراستخوان، مردی است در هر پیرهن

☆☆☆

هر که بدی رابکشد خلق را از بلای او برهاند ووی را از عذاب خدای۔

۵۔ پسندیده ست بخشایش و لیکن   منه بر ریش خلق آزار مرهم

٦۔ ندانست آن که رحمت کرد بر مار   که آن ظلم است بر فرزند آدم

☆☆☆

الفاظ معانی:

خرد مند: عقلمند، متردد بودن: تذبذب میں ہونا، مردم: لوگ، سهل خو: نرمی سے بات کرنے والا، کار: کام، در خطر افگندن: خطرے میں گرانا، دست: ہاتھ، رحمت مکن: رحم نہ کر، لاف زدن: شیخی بگھارنا، ناتوان: کمزور، استخوان: ہڈی، برهاند: رہائی دلائے، ریش: زخم، مار: سانپ۔

ترجمہ:

جوکوئی دشمنوں کے ساتھ صلح کرتا ہے، وہ دوستوں کو تکلیف دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔

1۔ اے عقلمند تو اس دوست سے ہاتھ دھولے جو تیرے دشمنوں کے ساتھ ہم نشین ہو۔

☆☆☆

جب تو کسی کام کے انجام دینے میں تذبذب رکھتا ہو وہ سمت اختیار کر جو کمتر تکلیف دہ ہو۔

2۔ نرمی سے بات کرنے والوں سے سخت بات نہ کر، وہ جو صلح کا دروازہ کھٹکائے اس سے جنگ نہ کر۔

جب تک کام روپے پیسے سے ہوتا ہو، جان کو خطرے میں ڈالنا مناسب نہیں، عرب کہتا ہے: آخِرِ الحِیلِ السَّیفُ (تلوار آخری تدبیر ہے)۔

3۔ جب ہاتھ تمام تدبیروں سے (عاجز) رہ گیا، (تو پھر) تلوار کی طرف ہاتھ بڑھانا حلال ہے۔

☆☆☆

دشمن کی عاجزی پر رحم نہ کر کیونکہ اگر طاقتور ہو جائے تو تجھے نہیں بخشے گا۔

4۔ جب تو دشمن کو کمزور دیکھے تو مونچھوں سے شیخی نہ بگھار، ہر ہڈی میں مغز ہے، ہر پیرہن میں مرد ہے۔

☆☆☆

جوکوئی کسی برے آدمی کو قتل کرے، مخلوق کو اس کی مصیبت سے رہائی دلاتا ہے اور اس (برے) کو خدا کے عذاب سے۔

5۔ بخشش پسندیدہ (بات) ہے اور لیکن مخلوق کو تکلیف دینے والے کے زخموں پر مرہم نہ لگا۔

6۔ وہ جس نے سانپ پر رحم کیا اس نے یہ نہ جانا کہ یہ آدم کی اولاد پر ظلم ہے۔

☆☆☆

نصحیت از دشمن پذیرفتن خطاست ولیکن شنیدن رواست تا بخلاف آن کار کنی که عین صواب است۔

۱۔ حذر کن زانچه دشمن گوید آن کن — که بر زانو زنی دست تغابن

۲۔ گرت راهی نماید راست چون تیر — از او بر گرد و راه دست چپ گیر

☆☆☆

خشم بیش از حد گرفتن وحشت آرد و لطف بی وقت هیبت ببرد؛ نه چندان درشتی کن که از تو سیر گردند و نه چندان نرمی که بر تو دلیر شوند۔

۳۔ درشتی و نرمی بهم در به است — چو فاصد که جراح و مرهم نه است

۴۔ درشتی نگیرد خردمند پیش — نه سستی که نازل کند قدر خویش

۵۔ نه مر خویشتن را فزونی نهد — نه یك باره تن در مذلت دهد

☆☆☆

۶۔ جوانی باپدر گفت: ای خردمند — مرا تعلیم ده پیرانه یك پند

۷۔ بگفتا نیکمردی کن نه چندان — که گردد خیره گرگ تیز دندان

☆☆☆

الفاظ معانی:

پذیرفتن: قبول کرنا، شنیدن: سننا، کار کردن: کام کرنا، عین صواب: بالکل صحیح، حذر کن: گریز کر، دست تغابن: حسرت کا ہاتھ، گرت: اگر تجھے، راست چون تیر: تیر کی طرح سیدھا، بر گرد: لوٹ آ، راہ دست چپ: بائیں ہاتھ کا راستہ، خشم: غصہ، لطف: مہربانی، چندان درشتی: اس قدر غصہ، فاصد: جراح، مرهم نه: مرہم رکھنے والا، خرد مند: عقلمند، نازل کردن: کھو دینا، خویشتن را: اپنے آپ کو، مذلت: ذلالت، پدر: باپ، مرا: مجھ کو، مجھے، بگفتا: اس نے کہا، پند: نصیحت، خیره گردیدن: گستاخ ہو جانا، گرگ تیز دندان: تیز دانتوں والا بھیڑیا۔

ترجمہ:

دشمن کی نصیحت قبول کرنا خطا ہے اور لیکن سننا جائز ہے تا کہ اس کے خلاف عمل کرے، کیونکہ یہ بالکل صحیح ہے۔

1۔ گریز کر اس سے جو دشمن کہے کہ یہ کر، کیونکہ اپنے زانوؤں پر حسرت کے ہاتھ مارے گا۔

2۔ اگر وہ تجھے تیر جیسا سیدھا راستہ دکھائے، اس سے واپس آ جا اور بائیں ہاتھ والا راستہ اختیار کر۔

☆☆☆

حد سے زیادہ غصہ کرنا وحشت لاتا ہے اور بے وقت کی مہربانی ہیبت لے جاتی ہے، نہ اس قدر سختی کر کہ تجھ سے ان کا دل بھر جائے اور نہ اس قدر نرمی کر کہ وہ تجھ پر دلیر ہو جائیں۔

3۔ سختی اور نرمی کا ساتھ ساتھ ہونا بہتر ہے، جراح کی طرح جو جراحی کرنے اور مرہم رکھنے والا ہے۔

4۔ عقلمند سختی نہیں اپناتا (اور) نہ اتنی سستی اختیار کرتا ہے کہ اپنی قدر کھو دے۔

5۔ نہ اپنے آپ کو حد سے بڑھاتا ہے، نہ ایک ہی مرتبہ اپنے آپ کو ذلت میں مبتلا کرتا ہے۔

☆

6۔ ایک نوجوان نے باپ سے کہا: اے عقلمند مجھے تجربہ کار بوڑھوں والی ایک نصیحت کر۔

7۔ اس نے کہا: مروت کر مگر اس قدر نہیں کہ تیز دانتوں والے بھیڑیئے تجھ سے گستاخی کریں۔

☆☆☆

دو کس دشمن ملك و دینند: پادشاه بی حلم و زاهد بی علم-

۱۔ بر سر مُلك مباد آن ملك فرمانده — که خدا را نبود بنده فرمانبردار

☆☆☆

پادشاه باید که تا بحدی خشم بردشمنان نراند که دوستان را اعتماد نماند۔ آتش خشم اول در خداوند خشم افتد، پس آنگه زبانه به خصم رسد یا نرسد۔

۲۔ نشاید بنی آدم خاك زاد — که در سر کند کبر و تندی و باد

۳۔ تو را با چنین تندی و سرکشی — نپندارم از خاکی از آتشی

☆☆☆

۴۔ در خاک بیلقان برسیدم به عابدی — گفتم: مرا به تربیت از جهل پاک کن

۵۔ گفتا: برو چو خاک تحمل کن ای فقیه — یا هر چه خوانده ای همه در زیر خاک کن

☆☆☆

بدخوی به دست دشمنی گرفتارست که هر جا رود از چنگ عقوبت وی خلاص نیابد۔

٦۔ اگر ز دست بلا بر فلک رود بدخوی — ز دست خوی بد خویش در بلا باشد

☆☆☆

الفاظ معانی:

بی حلم: بردباری کے بغیر، خشم: غصہ، خداوند خشم: غصے کا مالک، افتادن: گرنا، زبانہ: شعلہ، خصم: دشمن، رسد یا نرسد: پہنچے یا نہ پہنچے، نشاید: زیب نہیں دیتا، خاک زاد: مٹی کا بنا ہوا، باد: غرور، نپندارم: میں گمان نہیں کرتا، برو: جا، بدخوی: ایک بدفطرت، چنگ عقوبت وی: اس کے عذاب کے پنجے سے، خلاص یا فتن: نجات پانا، خویش: اپنی۔

ترجمہ:

دو شخص ملک اور دین کے دشمن ہیں: بردباری کے بغیر بادشاہ اور علم کے بغیر زاہد۔

1۔ خدا کرے وہ بادشاہ ملک پر حاکم نہ رہے جو خدا کا فرمانبردار بندہ نہ ہو۔

☆☆☆

بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنے دشمنوں پر اس حد تک غصہ نہ کرے کہ دوستوں کو (اس پر) اعتماد نہ رہے۔ غصے کی آگ پہلے غصہ کرنے والے پر گرتی ہے، پھر اس کا (اونچا) شعلہ دشمن تک پہنچے یا نہ پہنچے۔

2۔ مٹی سے بنے آدم زاد کو زیب نہیں دیتا کہ وہ سر میں تکبر، تندی اور غرور کو جگہ دے۔

3۔ تجھے ایسی تندی اور سرکشی کے ساتھ میں گمان نہیں کرتا کہ تو مٹی سے ہے، تو آگ سے ہے۔

☆☆☆

4۔ میں بیلقان کی سرزمین پر ایک عابد کے پاس پہنچا۔ میں نے کہا مجھے تربیت کے ذریعے جہالت سے پاک کر۔

5۔ اس نے کہا اے عالم شریعت جا، مٹی کی طرح بردباری اختیار کر یا تو نے جو کچھ پڑھا ہے وہ سارا مٹی کے نیچے دفنا دے۔

☆☆☆

بدفطرت (شخص) ایک ایسے دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہے کہ وہ جہاں کہیں جائے اس کے عذاب کے پنجے سے نجات نہیں پاتا۔

6۔ اگر بدفطرت بلا کے ہاتھ سے بچ کر آسمان پر چلا جائے، اپنی بری فطرت کی وجہ سے مصیبت میں ہوگا۔

☆☆☆

چو بینی که درسپاه دشمن تفرقه افتاد تو جمع باش، واگر جمع شوند از پریشانی اندیشه کن۔

۱۔ برو با دوستان آسوده بنشین — چو بینی درمیان دشمنان جنگ

۲۔ وگر بینی که باهم یک زبانند — کمان را زه کن و بر باره بر سنگ

☆☆☆

دشمن چوز همه حیلتی فرو ماند سلسله دوستی جنباند وانگه بدوستی کارهایی کند که هیچ دشمن نتواند۔

☆☆☆

سر ماربه دست دشمن بکوب که از احدی الحسنیین خالی نباشد؛ اگر این غالب آمد مار کشتی واگر آن، از دشمن رستی۔

۳۔ به روز معرکه ایمن مشوز خصم ضعیف — که مغز شیر برآرد چو دل ز جان برداشت

☆☆☆

خبری که دانی که دلی بیازارد تو خاموش تا دیگری بیارد۔

٤۔ بلبلا، مژدهٔ بهار بیار — خبر بد به بوم باز گذار

☆☆☆

پادشه را برخیانت کسی واقف مگر دان مگر آنگه که برقبول کلی واثق باشی وگرنه در هلاک خود همی کوشی۔

۵۔ بسیچ سخن گفتن آنگاه کن — که دانی که در کار گیرد سخن

☆☆☆

الفاظ معانی:

جوبینی :جب تو دیکھے، جمع باش :مطمئن رہ، جمع شدن :اکٹھے ہونا، اندیشه کن :سوچ، کمان زه کردن :کمان کا چلہ چڑھانا، بربارہ :فصیل پر، برسنگ: پتھر لے جا، همه حیلتی :سب تدبیریں، سلسله دوستی :دوستی کی زنجیر، هیچ :کوئی، سرمار :سانپ کا سر، بکوب :کچلوا، رستن :نجات پانا، روز معرکه: جنگ کے روز، بر آوردن :نکالنا، مژدهٔ بهار :بہار کی خوشخبری، بوم :الو، مگردان :نہ کر، واثق بودن :یقین ہونا، بسیچ سخن گفتن :بات کرنے کا ارادہ، آنگاہ :اس وقت۔

ترجمہ:

جب تو دیکھے کہ دشمن کے سپاہیوں میں پھوٹ پڑ گئی، تو مطمئن ہو جا اور اگر وہ متحد ہو جائیں تو (اپنی) پریشانی کے بارے میں سوچ۔

1۔ جب تو دشمنوں کے درمیان جنگ دیکھے تو جا اپنے دوستوں کے ساتھ آسودہ بیٹھ۔

2۔ اور اگر دیکھے کہ وہ اکٹھے ایک زبان ہیں تو کمان کا چلہ چڑھا اور فصیل پر پتھر لے جا۔

☆☆☆

دشمن جب تمام تدبیروں سے عاجز رہ جاتا ہے تو دوستی کی زنجیر ہلاتا ہے اور پھر دوستی میں ایسے کام کرتا ہے کہ کوئی دشمن نہیں کر سکتا۔

☆☆☆

سانپ کا سر دشمن کے ہاتھوں کچلوا دے کیونکہ دو خوبیوں میں سے ایک سے خالی نہ ہوگا۔ اگر یہ (یعنی دشمن) غالب آ گیا تو تو نے سانپ کو مار ڈالا اور اگر وہ (یعنی سانپ غالب آ گیا) تو تو نے دشمن سے نجات پالی۔

3۔ جنگ کے روز کمزور دشمن کے مقابلے میں امن سے نہ بیٹھ کیونکہ جب وہ زندگی سے مایوس ہو گیا تو شیر کا مغز نکال لے گا۔

ایسی خبر جس کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ کوئی دل دکھائے گی، تو خاموش رہ تاکہ کوئی اور (یہ خبر) لے آئے۔

4۔ اے بلبل، بہار کی خبر لا، بری خبر الو کے لیے چھوڑ دے۔

☆☆☆

بادشاہ کو کسی کی خیانت سے آگاہ نہ کر جب تک کہ تجھے مکمل یقین ہو کہ تیری بات مان لی جائے گی۔ وگرنہ تو اپنی ہلاکت کی کوشش کرے گا۔

5۔ بات کرنے کا ارادہ اس وقت کر جب تو جان لے کہ تیری بات اثر کرے گی۔

☆☆☆

هر که نصیحت خودرای می کند او خود به نصیحتگری محتاج است۔

☆☆☆

فریب دُشمن مخور و غرور مدّاح مخر که این دام زرق نهاده است و آن دامن طمع گشاده۔ احمق راستایش خوش آید، چون لاشه که در کعبش دمی فربه نماید۔

۱۔ اَلا تا نشنوی مدح سخنگوی — که اندك مایه نفعی از تو دارد

۲۔ که گر روزی مرادش برنیاری — دو صد چندان عیوبت برشمارد

☆☆☆

متکلم راتا کسی عیب نگیرد سخنش صلاح نپذیرد۔

۳۔ مشوغره بر حسن گفتار خویش — به تحسین نادان و پندار خویش

☆☆☆

همه کس را عقل خود بکمال نماید و فرزند خود بجمال۔

٤۔ یکی جهود و مسلمان مناظرت کردند — چنان که خنده گرفت از حدیث ایشانم

۵۔ بطیره گفت مسلمان گر این قبالهٔ من — درست نیست، خدایا، جهود میرانم

٦۔ جهود گفت: به تورات می خورم سوگند — وگر خلاف کنم همچو تو مسلمانم

۷۔ گر از بسیط زمین عقل منعدم گردد — بخود گمان نبرد هیچ کس که نادانم

الفاظ معانی:

خودرای: خودسر، مداح: تعریف کرنے والا، مخر: خریدنہ کر، دام زرق: مکاری کا جال، نهادن: بچھانا، دامن طمع: لالچ کا دامن، گشادن: پھیلانا، خوش آمدن: اچھا لگنا، چون لاشه: لاش کی طرح، در کعبش: اس کی ایڑی میں، دمی: ایک پھونک، فربه: موٹا، الا: خبردار، نشنوی: تو نہ سنے، اندك مایه: کم مایہ، دو صد چندان: دوسوگنا، سخنش: اس کی بات، مشوغره: مغرور مت ہو، پندار خویش: اپنا بیہودہ خیال، بجمال: خوبصورتی میں، جهود: یہودی، مناظرت: بحث، مناظرہ، خنده گرفتن: ہنسی آنا، حدیث: بات، بطیره: غصے سے، قبالهٔ من: میری سند، سوگند: قسم، همچو تو: تیری طرح، بسیط زمین: روئے زمین۔

ترجمہ:

جو کوئی خودسر کو نصیحت کرتا ہے وہ خود کسی نصیحت کرنے والے کا محتاج ہے۔

☆☆☆

دشمن کا فریب نہ کھا اور مداح کی تعریف پر مغرور نہ ہو کیونکہ اس (دشمن) نے مکاری کا جال بچھایا ہے اور اس (مداح) نے لالچ کا دامن پھیلایا ہوا ہے۔
کم عقل کو تعریف اچھی لگتی ہے، اس لاش کی طرح جس کی ایڑی میں ایک پھونک (مارنا) اسے موٹا کر دیتی ہے۔

1۔ خبردار، تعریف کرنے والے کی تعریف نہ سن کیونکہ وہ کم مایہ تجھ سے فائدے کی توقع رکھتا ہے۔

2۔ کیونکہ اگر کسی دن تو اس کی مراد پوری نہ کرے تو وہ تیرے دوسو گنا عیب گنے گا۔

☆☆☆

کلام کرنے والے کا جب تک کوئی عیب نہ پکڑے اس کا کلام اصلاح نہیں پاتا۔

3۔ اپنے حسن کلام، نادان کی تعریف اور اپنے بیہودہ خیال پر مغرور مت ہو۔

☆☆☆

سب کو اپنی عقل کمال کو پہنچی ہوئی اور اپنی اولاد خوبصورت دکھائی دیتی ہے۔

4۔ ایک یہودی اور مسلمان نے اس طرح سے مناظرہ کیا کہ مجھے ان کی بات پر ہنسی آ گئی۔

5۔ مسلمان نے غصے سے کہا اگر میری یہ سند صحیح نہیں ہے تو اے خدا مجھے یہودی کر کے مار۔

6۔ یہودی نے کہا: میں تورات کی قسم کھاتا ہوں اور اگر میں غلط کہوں تو پھر میں تیری طرح مسلمان ہوں۔

7۔ اگر روئے زمین سے عقل ختم ہو جائے (تو پھر بھی) کوئی اپنے بارے میں گمان نہیں کرے گا کہ میں نادان ہوں۔

☆☆☆

ده آدمی بر سفره ای بخورند و دو سگ بر مُرداری بهم بسر نبرند- حریص با جهانی گرسنه است و قانع به نانی سیر- حکما گفته اند: توانگری به قناعت به از توانگری به بضاعت-

١ـ رودهٔ تنگ بـه یك نـان تهی پر گردد — نعمت روی زمین پُر نکند دیدهٔ تنگ

☆

٢ـ پدر چون دور عمرش منقضی گشت — مرا این یك نصحیت کرد و بگذشت

٣ـ کـه شهوت آتش است از وی بپرهیز — بـه خـود بـر، آتـش دوزخ مکن تیز

٤ـ در آن آتـش نـداری طاقـت سوز — بـه صبـر آبـی بر این آتـش زن امروز

☆☆☆

هر که در حال توانایی نکویی نکند در وقت ناتوانی سختی بیند-

٥ـ بـداختـر تـر از مـردم آزار نیسـت — کـه روز مـصیبت کـسش یـار نیسـت

☆☆☆

هرچه زود برآید دیر نپاید-

٦ـ خـاك مشرق شنیده ام کـه کـنند — بـه چهـل سـال کـاسـه ای چینـی

۷۔ صد بہ روز کنند در مردشت ‎ ‎ لاجرم قیمتش همی بینی

☆

۸۔ مرغك از بیضه برون آید و روزی طلبد ‎ ‎ و آدمی زاده ندارد خبر و عقل و تمیز

۹۔ آن كه ناگاه كسی گشت، به چیزی نرسید ‎ ‎ وین به تمكین و فضیلت بگذشت از همه چیز

۱۰۔ آبگینه همه جا یابی ، ازان بی محل است ‎ ‎ لعل دشخوار بدست آید، ازان است عزیز

الفاظ معانی:

سفرہ : دسترخوان، سگ:کتا، بھم بسر نبرند :اکٹھے نہیں ہو پاتے ، گرسنہ: بھوکا،قانع: قناعت کرنے والا،نانی: ایک روٹی، بہ:بہتر، بضاعت: سرمایہ، رودۂ تنگ : تنگ آنت،یعنی چھوٹا پیٹ،نان تھی: خالی روٹی،دیدۂ تنگ: لالچی آنکھ، پدر:باپ، منقضی گشت :پورا ہوگیا، بگذشت : وہ گزر گیا،امروز:آج، بداختر: بدقسمت، مردم آزار: لوگوں کو تکلیف دینے والا ، کاسہ:پیالہ، مردشت:شہر کا نام ہے،لاجرم: یقیناً،مرغك: چھوٹا پرندہ، بیضہ:انڈا، تمکین:احترام، آبگینہ:شیشہ،بی محل: بےقدر۔

ترجمہ:

دس آدمی ایک دسترخوان پر کھالیتے ہیں اور دو کتے ایک مردار پر اکٹھے نہیں ہو پاتے ۔لالچی پوری دُنیا حاصل کر کے بھی بھوکا ہے اور قناعت کرنے والے کا پیٹ ایک روٹی سے بھر جاتا ہے۔داناؤں نے کہا: قناعت کی دولت سرمائے کی دولت سے بہتر ہے۔

1۔ چھوٹا پیٹ ایک خالی روٹی سے بھر جاتا ہے۔دنیا بھر کی نعمتیں لالچی کی آنکھوں کو پُر نہیں کرتیں۔

☆

2۔ جب باپ کی عمر کا دور پورا ہوا،اس نے مجھے ایک نصیحت کی اور (اس دنیا سے) گزر گیا۔

3۔ کہ شہوت آگ ہے اس سے پرہیز کر،اپنے اُوپر دوزخ کی آگ تیز نہ کر۔

4۔ تو اس آگ میں جلنے کی طاقت نہیں رکھتا۔آج اس آگ پر صبر کا پانی ڈال۔

☆☆☆

جو کوئی توانائی کی حالت میں کوئی نیکی نہ کرے وہ ناتوانی کے وقت سختی کا سامنا کرتا ہے۔

5۔ لوگوں کو تکلیف دینے والے سے زیادہ کوئی بدقسمت نہیں ہے کیونکہ مصیبت کے روز کوئی اس کا دوست نہیں ہے۔

☆☆☆

جو کچھ جلد مل جائے وہ دیر تک نہیں رہتا۔

6۔ میں نے سنا ہے کہ مشرق کی زمین پر چالیس سال میں ایک چینی کا پیالہ تیار کرتے ہیں۔

7۔ مردشت میں ایک دن میں سو بناتے ہیں۔یقیناً تو اس کی قیمت دیکھتا ہے (یعنی دونوں کی قیمت میں زمین آسمان کا فرق ہے)۔

☆

8۔ چھوٹا پرندہ انڈے سے باہر آتا ہے اور روزی طلب کرتا ہے اور انسان کا بچہ (اس وقت) خبر،عقل اور تمیز نہیں رکھتا۔

9۔ وہ (پرندہ) جو اچانک بڑا ہو گیا وہ کسی چیز تک نہ پہنچا اور یہ (انسان کا بچہ) احترام اور فضیلت میں سب سے آگے نکل گیا۔

10- شیشہ سب جگہ مل جاتا ہے اس لیے بے قدر ہے۔ لعل دشواری سے حاصل ہوتا ہے اس لیے قیمتی ہے۔

☆☆☆

کارھابہ صبر برآید و مُستعجل بسر درآید۔

۱۔ بـه چشـم خـویـش دیـدم دربیـابـان — کـه آهستـه سبق بُـرد از شتـابـان

۲۔ سـمـنـد بـادپـای از تگ فـرومـانـد — شتـربـان هـمـچنـان آهستـه مـی رانـد

☆☆☆

نادان را به از خاموش نیست و اگر این مصلحت بدانستی نادان نبودی۔

۳۔ چـون نـداری کـمـال و فـضـل آن بـه — کـه زبـان در دهـان نـگـه داری

٤۔ آدمـی را زبـان فـضـیـحـه کـنـد — جـوز بـی مـغـز را سبـکـسـاری

☆

۵۔ خـری را ابـلهـی تـعـلیـم مـی داد — بـر او بـر، صـرف کـرده سعـی دایـم

٦۔ حـکـیمـی گفتش: ای نادان، چه کوشی؟ — در ایـن سـودا بتـرس از لـوم لایـم

۷۔ نیـامـوزد بهـایـم از تـو گـفـتـار — تـو خـامـوشـی بیـامـوز از بهـایـم

☆☆☆

الفاظ معانی:

مستعجل: جلد باز، بـه چشـم خویش: اپنی آنکھوں سے، دیدم: میں نے دیکھا، آهسته سبق: آہستہ چلنے والا، بردن: جیتنا، شتابان: تیز چلنے والے، سمند بادپای: تیز رفتار پیلا گھوڑا، از تگ: دوڑ سے، فرومـاندن: عاجز رہ جانا، شتربان: اونٹ چلانے والا، راندن: چلانا، به: بہتر، بدانستی: وہ جانتا، چون: جب، دردهان: منہ میں، نگه داشتن: سنبھال کر رکھنا، فضیحه: رسوا، جوزبی مغز: گری کے بغیر اخروٹ، سبکساری: ہلکا پن، خری: ایک گدھا، ابلهی: ایک بے وقوف، دراین سودا: اس معاملہ میں، بترس: ڈر، از لوم لایم: ملامت کرنے والوں کی ملامت سے، آموختن: سیکھنا، بهایم: جانور۔

ترجمہ:

کام صبر سے انجام پاتے ہیں اور جلد باز سر کے بل گرتا ہے۔

1- میں نے اپنی آنکھوں سے بیابان میں دیکھا کہ آہستہ چلنے والا تیز چلنے والے پر برتری حاصل کر گیا۔

2- تیز رفتار پیلا گھوڑا دوڑنے سے عاجز رہ گیا اور اونٹ چلانے والا اسی طرح آہستہ آہستہ (اونٹ) چلا رہا تھا۔

☆☆☆

نادان کے لیے خاموشی سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے اور اگر وہ اس مصلحت کو جان لیتا تو نادان نہ ہوتا۔

3- جب تو کمال اور فضل نہیں رکھتا تو یہی بہتر ہے کہ اپنی زبان کو منہ میں سنبھال کر رکھے۔

4- آدمی کو زبان رسوا کرتی ہے اور گری کے بغیر اخروٹ کو اس کا ہلکا پن۔

☆

5- ایک گدھے کو ایک بے وقوف تعلیم دیتا تھا اور اس پر مسلسل کوشش صرف کرتا تھا۔
6- ایک عقلمند نے اس سے کہا: اے نادان کیا کوشش کرتا ہے؟ اس معاملہ میں ملامت کرنے والوں سے ڈر۔
7- جانور تجھ سے بات کرنا نہیں سیکھے گا، تو جانور سے خاموشی سیکھ لے۔

☆☆☆

هر که با داناتر از خود جدل کندتا بدانند که داناست بدانند که نادان است۔

۱۔ چون درآید مه از تویی بسخن | گرچه به دانی، اعتراض مکن

☆☆☆

هر که با بدان نشیند نیکی نبیند۔

۲۔ گر نشیند فرشته ای با دیو | وحشت آموزد و خیانت و ریو
۳۔ از بدان جز بدی نیاموزی | نکند گرگ پوستین دوزی

☆☆☆

مردمان را عیب نهانی پیدا مکن که مر ایشان را رسوا کنی و خود را بی اعتماد۔

☆☆☆

هر که علم خواند و عمل نکرد بدان ماند که گاو راند و تخم نیفشاند۔

☆☆☆

از تن بی دل طاعت نیاید و پوست بی مغزبضاعت را نشاید۔

☆☆☆

نه هر که درمجادله چُست، درمعامله دُرُست۔

٤۔ بس قامت خوش که زیر چادر باشد | چون باز کنی مادرِ مادر باشد

الفاظ معانی:

جدل: جھگڑا، چون: جب، مہ: مہتر کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں بڑا، سخن: بات، بابدان: بروں کے ساتھ، نشیند: بیٹھے، نبیند: نہیں دیکھا، دیو: شیطان، آموختن: سیکھنا، ریو: مکروفریب۔ گرگ: بھیڑیا، بوستین دوزی: کھالیں سینے کا کام، عیب نہانی: چھپے ہوئے عیب، پیدا کردن: ڈھونڈنا، بدان ماند: اس کی طرح، گاو: بیل، تخم: بیج، پوست بی مغز: گری کے بغیر چھلکا، بضاعت: سرمایہ، مجادلہ: جھگڑا، باز کردن: کھولنا، مادرِ مادر: ماں کی ماں یعنی نانی۔

ترجمہ:

جو کوئی اپنے سے زیادہ عقلمند کے ساتھ جھگڑا کرے کہ لوگ سمجھیں کہ وہ عقلمند ہے، وہ سمجھ لیتے ہیں کہ نادان ہے۔
1- جب (تم سے) بڑا شخص بات کر رہا ہو تو خواہ تو اس سے بہتر جانتا ہو، اعتراض نہ کر۔

☆☆☆

جوکوئی بروں کے ساتھ بیٹھے، نیکی نہیں دیکھتا (یعنی نہیں پاتا)

2۔ اگر کوئی فرشتہ شیطان کے ساتھ بیٹھے تو وہ نفرت، خیانت اور مکروفریب سیکھے گا۔

3۔ تو بروں سے برائی کے سوا کچھ نہیں سیکھے گا (کیونکہ) بھیڑیا کھالیں سینے کا کام نہیں کرتا (کھالیں چیرنا پھاڑنا اس کا کام ہے)

☆☆☆

لوگوں کے چھپے ہوئے عیب نہ ڈھونڈ کیونکہ ان کو رسوا کرے گا اور اپنے آپ کو بے اعتبار۔

☆☆☆

جس کسی نے علم پڑھا اور (اس پر) عمل نہ کیا وہ اس شخص کی طرح ہے کہ جس نے بیل چلایا اور بیج نہیں ڈالا۔

☆☆☆

بے دل شخص سے اطاعت نہیں ہوتی اور گری کے بغیر (صرف) چھلکے کا شمار سرمائے میں نہیں ہوتا۔

☆☆☆

ضروری نہیں جو لڑنے میں چست ہو وہ معاملہ میں بھی درست ہو۔

4۔ کتنے اچھے قد کے لوگ چادر کے نیچے ایسے ہوتے ہیں کہ جب تو ان کی چادر ہٹائے تو اندر ماں کی ماں (یعنی نانی) ہوتی ہے۔

☆☆☆

اگر شبها همه قدر بودی شب قدر بی قدر بودی-

۱۔ گر سنگ همه لعل بدخشان بودی — پس قیمت لعل و سنگ یکسان بودی

☆☆☆

نه هرچه بصورت نکوست سیرت زیبا در اوست؛ کاراندرون دارد نه پوست-

۲۔ توان شناخت به یك روز در شمایل مرد — که تا کجاش رسیده ست پایگاه علوم

۳۔ ولی ز باطنش ایمن مباش و غره مشو — که خبث نفس نگردد به سالها معلوم

☆☆☆

هر که با بزرگان ستیزد خون خود ریزد-

٤۔ خویشتن را بزرگ پنداری — راست گفتند: یك دو بیند لوچ

۵۔ زود بینی شکسته، پیشانی — تو که بازی کنی بسر با غوچ

☆☆☆

پنجه باشیر انداختن ومشت با شمشیرزدن کار خردمندان نیست-

٦۔ جنگ و زور آوری مکن با مست — پیش سر پنجه در بغل نه دست

☆☆☆

ضعیفی کہ باقوی دلا وری کند یار دشمن است در ہلاک خویش۔

۷۔ سایہ پرورده را چہ طاقت آن   کہ رود با مبارزان بہ قتال

۸۔ سست بازو بجہل می فگند   پنجہ با مرد آہنین چنگال

☆☆☆

الفاظ معانی:

شبہا: راتیں، ہمہ:سب، سنگ:پتھر، نکوست: اچھا ہے،پوست: چھلکا، شمایل مرد: مرد کی ظاہری خصوصیات، تا کجا: کہاں تک، پایگاہ علوم: علوم کا درجہ،ایمن مباش: امن سے نہ رہ، غرہ مشو:مغرور مت ہو۔خبث: خباثت،ستیزد:ٹکر لے،خویشتن را:اپنے آپ کو، پنداری: تو گمان کرتا ہے،راست: سچ، لوچ: بھینگا، بازی کردن:کھیلنا،غوچ: مینڈھا،مشت: مکا،دربغل نہ:بغل میں رکھ لے،مبارزان: جنگجو(جمع)، آہنین چنگال: لوہے کا پنجہ رکھنے والا۔

ترجمہ:

اگر تمام راتیں شب قدر ہوتیں تو شب قدر بے قدر ہوتی۔

1۔ اگر سب پتھر بدخشاں کے لعل ہوتے تو پتھر اور لعل کی قیمت برابر ہوتی۔

☆☆☆

ضروری نہیں جو شکل میں خوبصورت ہے اس میں خوبصورت سیرت ہے،کام سیرت (باطن) سے پڑتا ہے کھال (ظاہر) سے نہیں۔

2۔ ایک دن میں آدمی کی ظاہری خصوصیات معلوم کی جا سکتی ہیں کہ اس کے علوم کا درجہ کہاں تک پہنچ گیا ہے۔

3۔ لیکن اس کے باطن سے امن میں نہ رہ اور مغرور مت ہو کیونکہ نفس کی خباثت سالوں تک معلوم نہیں ہوتی۔

☆☆☆

جو کوئی بڑوں سے ٹکر لے وہ اپنا ہی خون بہاتا ہے۔

4۔ تو اپنے آپ کو بڑا گمان کرتا ہے لوگوں نے سچ کہا: بھینگا ایک کے دو دیکھتا ہے۔

5۔ تو جو مینڈھے سے ٹکریں لڑے گا تو جلد اپنی پیشانی کو ٹوٹا ہوا دیکھے گا۔

☆☆☆

شیر سے پنجہ لڑانا اور تلوار کے ساتھ مکا لڑانا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

6۔ مست کے ساتھ جنگ اور زور آزمائی نہ کر۔طاقتور کے سامنے ہاتھ بغل میں دبا لے۔

☆☆☆

وہ کمزور جو طاقتور کے سامنے دلیری کرے وہ اپنی ہلاکت میں دشمن کا یار ہے۔

7۔ ناز سے پلے کو اس کی طاقت کہاں کہ وہ جنگجوؤں کے ساتھ جنگ کے لیے جائے۔

8۔ کمزور بازوؤں والا جہالت کے باعث آہنی پنجہ رکھنے والے سے پنجہ لڑاتا ہے۔

☆☆☆

بی هنران هنرمند را نتوانند که ببینند، همچنان که سگان بازاری سگ صید را مشغله برآرند و پیش آمدن نیارند، یعنی سفله چون به هنر با کسی برنیاید به خبثش در پوستین افتد۔

۱۔ کند هر آینه غیبت حسود کوته دست — که در مقابله گنگش بود زبان مقال

***

گر جور شکم نیستی هیچ مرغ در دام صیاد نیفتادی بلکه صیاد خود دام ننهادی۔ حکیمان دیر دیر خورند و عابدان نیم سیر و زاهدان سد رمق و جوانان تا طبق برگیرند و پیران تا عرق بکنند۔ اما قلندران چندان بخورند که در معده جای نفس نماند و بر سفره روزی کس۔

۲۔ اسیر بند شکم را دو شب نگیرد خواب — شبی ز معدهٔ سنگی، شبی ز دلتنگی

***

مشورت با زنان تباه است و سخاوت با مفسدان گناه۔

۳۔ ترحم بر پلنگ تیز دندان — ستمکاری بود بر گوسفندان

***

الفاظ معانی:

سگان بازاری: بازاری کتے، سگ صید: شکاری کتا، پیش آمدن: آگے آنا، سفلہ: پست فطرت، در پوستین افتادن: عیب نکالنا، گنگ: گونگی، زبان مقال: بات کرنے والی زبان، گر جور شکم: اگر پیٹ کا ظلم، ہیچ مرغ: کوئی پرندہ، دام صیاد: شکاری کا جال، پیران: بوڑھے، عرق: پسینہ، اما: لیکن، چندان: اس قدر، نفس: سانس، سفرہ: دسترخوان، اسیر بند شکم: پیٹ کی قید کا قیدی، مفسدان: گنہگار (جمع)، پلنگ: چیتا، گوسفندان: بھیڑیں۔

ترجمہ:

بے ہنر، ہنرمندوں کو (حسد کے باعث) نہیں دیکھ سکتے، جیسے بازاری کتے شکاری کتے کو مشغلہ بنا لیتے ہیں اور اس کے سامنے نہیں آتے یعنی پست فطرت جب ہنر میں کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو خباثت کے باعث اس کے عیب نکالنے لگتا ہے۔

1۔ ناتواں حاسد جس کی بات کرنے والی زبان سامنے گونگی ہو جاتی ہے یقیناً پیٹھ پیچھے غیبت شروع کر دیتا ہے۔

***

اگر پیٹ کا ستم (یعنی بھوک) نہ ہوتا تو کوئی پرندہ شکاری کے جال میں نہ پھنستا بلکہ شکاری خود جال نہ بچھاتا۔ عقلمند دیر بعد کھاتے ہیں اور عبادت گزار آدمی بھوک رکھ کر اور زاہد اتنا کہ جس سے زندگی قائم رہے اور جوان اس وقت تک کھاتے ہیں جب تک کھانے کا تھال اُٹھا نہ لیں اور بوڑھے، جب تک پسینے سے شرابور نہ ہو جائیں۔ لیکن قلندر اتنا کھاتے ہیں کہ معدے میں سانس لینے کی جگہ باقی نہ رہے اور دسترخوان پر کسی کے لیے کھانا باقی نہ رہے۔

2۔ پیٹ کے غلام کو دو رات نیند نہیں آتی۔ ایک رات معدے کے بھاری پن کے باعث اور ایک رات کھانے کی طلب کے باعث۔

***

عورتوں سے مشورہ کرنا تباہی ہے اور گناہگاروں کے ساتھ سخاوت کرنا گناہ ہے۔

3۔ تیز دانتوں والے چیتے پر رحم کرنا بھیڑوں پر ظلم ہے۔

☆☆☆

هر که را دشمن پیش است گرنکشد دشمن خویش است۔

۱۔ سنگ بر دست و مار سر بر سنگ | خیره رایی بود قیاس و درنگ

☆

وگروهی بخلاف این مصلحت دیده اند و گفته اند که در کشتن بندیان تأمل اولی ترست بحکم آن که اختیار باقی است توان کُشت و توان بخشید اما اگر بی تأمل کشته شود محتمل است که مصحلتی فوت شود که تدارک مثل آن ممتنع باشد۔

۲۔ نیك سهل است زنده بی جان کرد | کُشته را باز زنده نتوان کرد

۳۔ شرط عقل است صبر تیر انداز | که چو رفت از کمان، نیاید باز

☆☆☆

حکیمی که با جهال در افتد باید که توقع عزت ندارد و اگر جاهلی به زبان آوری برحکیمی غالب آید عجب نیست که سنگی است که گوهری همی شکند۔

٤۔ نه عجب گر فرو رود نفسش | عندلیبی غراب همقفسش

☆

٥۔ گر هنرمندی از اوباش جفائی بیند | تا دل خویش نیازارد و درهم نشود

٦۔ سنگ بد گوهر اگر کاسۂ زرین بشکست | قیمت سنگ نیفزاید و زر کم نشود

☆☆☆

الفاظ معانی:

پیش: سامنے، گرنکشد: اگر نہ مارے، خویش: اپنا، سنگ: پتھر، دست: ہاتھ، خیرہ رایی: بے وقوفی، قیاس: سوچنا، درنگ: تاخیر، کشتن: قتل کرنا، بندیان: قیدی (جمع)، تامل: سوچنا، محتمل: امکان، تدارک: ازالہ، ممتنع: محال، نیك سهل: بہت آسان، باز: دوبارہ، درافتادن: الجھنا، نفس فرورفتن: دم گھٹنا، عندلیب: بلبل، غراب: کوا، کاسۂ زرین: سونے کا پیالہ۔

ترجمہ:

جس کسی کے دشمن سامنے ہے اگر وہ اسے نہ مارے تو وہ خود اپنا دشمن ہے۔

1۔ پتھر ہاتھ میں اور سانپ کا سر پتھر پر تو پھر سوچنا اور تاخیر کرنا بے وقوفی ہوگی۔

☆

اور ایک گروہ نے اس کے خلاف مصلحت سمجھی ہے اور کہا ہے کہ قیدیوں کو قتل کرنے میں سوچنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس طرح انہیں قتل کرنے اور بخش دینے کا اختیار باقی ہے لیکن اگر انہیں سوچے بغیر قتل کر دیا جائے تو کسی ایسی مصلحت کے فوت ہونے کا امکان موجود ہوتا ہے جس کا ازالہ کرنا محال ہو۔

2۔ زندہ کو بے جان کرنا نہایت آسان ہے۔ قتل کیے ہوئے کو دوبارہ زندہ نہیں کیا جا سکتا۔

3۔ تیرانداز کا صبر شرطِ عقل ہے کیونکہ جب (تیر) کمان سے نکل گیا تو وہ واپس نہیں آتا۔

☆☆☆

کوئی دانا جاہلوں سے الجھے تو اسے عزت کی توقع نہیں رکھنی چاہیے اور اگر کوئی جاہل زبان درازی میں کسی عقلمند پر سبقت لے جائے تو تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ (جاہل) ایسا پتھر ہے جو کسی ہیرے کو توڑ دیتا ہے۔

4۔ وہ بلبل جس کا ہم قفس کوا ہو اگر اس کا دم گھٹ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

☆

5۔ اگر کوئی ہنرمند کسی اوباش سے کوئی سختی دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا دل رنجیدہ نہ کرے اور خفا نہ ہو۔

6۔ اگر گھٹیا پتھر سونے کا پیالہ توڑ دے تو پتھر کی قیمت زیادہ نہیں ہو جاتی اور سونے کی کم نہیں ہو جاتی۔

☆☆☆

خردمندی را که در زمرۂ اجلاف سخن ببندد شگفت مدار که آواز بربط غلبۂ دُهُل برنیاید وبوی عبیر از گند سیر فروماند۔

۱۔ بلند آواز نادان گردن افراخت — که دانا را به بی شرمی بینداخت

۲۔ نمی داند که آهنگ حجازی — فروماند ز بانگ طبل غازی

☆☆☆

جوهر اگر درخلاب افتد همچنان نفیس است و غبار اگر به فلك رسد همان خسیس است۔ استعداد بی تربیت دریغ است و تربیت نامستعد، ضایع۔ خاکستر نسبی عالی دارد که آتش جوهری علوی است ولیکن چون بنفس خود هنری ندارد با خاك برابرست و قیمت شکرنه ازنی است که آن خود خاصیت وی است۔

۳۔ چو کنعان را طبیعت بی هنر بود — پیمبر زادگی قدرش نیفزود

٤۔ هنر بنمای اگر داری نه گوهر — گل از خارست و ابراهیم از آزر

☆☆☆

الفاظ معانی:

در زمرۂ اجلاف: نادانوں کے گروہ میں، شگفت مدار: تعجب نہ کر، بربط: سارنگی، دهل: ڈھول، بوی عبیر: عبیر کی خوشبو، گندسیر: لسن کی بدبو، گردن افراختن: گردن اکڑانا، انداختن: گرانا، آهنگ حجازی: حجازی موسیقی، بانگ: اونچی آواز، طبل غازی: جنگی نقارہ، جوهر: موتی، خلاب: کیچڑ، خسیس: بے قیمت، استعداد: قابلیت، بی تربیت: تربیت کے بغیر، دریغ است: افسوس ہے، نامستعد: نالائق، ضایع: بے سود، خاکستر: راکھ، نی: گنا، خار: کانٹا۔

ترجمہ:

اگر کوئی عقلمند نادانوں کے گروہ میں چپ سادھ لے تو تعجب نہ کر کیونکہ ڈھول کی آواز سارنگی کی آواز پر غالب آجاتی ہے۔ عبیر کی خوشبو لسن کی بدبو میں دب جاتی ہے۔

1۔ بلند آواز نادان نے گردن اکڑائی کہ اس نے عقلمند کو بے شرمی سے گرا لیا۔

2۔ وہ نہیں جانتا کہ حجازی موسیقی جنگی نقاروں کی اونچی آواز میں دب جاتی ہے۔

☆☆☆

موتی اگر کیچڑ میں گر جائے تو وہ اسی طرح نفیس ہے اور غبار اگر آسمان پر پہنچ جائے تو اسی طرح بے قیمت ہے۔ تربیت کے بغیر قابلیت پر افسوس ہے اور نالائق کی تربیت بے سود ہے، راکھ اعلیٰ نسب رکھتی ہے کیونکہ آگ اعلیٰ جوہر ہے اور لیکن چونکہ وہ بذات خود کوئی ہنر نہیں رکھتی، مٹی کے برابر ہے۔ شکر کی قیمت گنے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی اپنی خاصیت کے باعث ہے۔

3۔ چونکہ کنعان کی طبیعت بے ہنر تھی، پیغمبر کا بیٹا ہونے نے بھی اس کی قدر نہ بڑھائی۔

4۔ اگر تجھ میں کوئی ہنر ہے تو ظاہر کر حسب نسب سے کیا کام؟ پھول کانٹے سے ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام آزر (خاندان) سے ہے۔

☆☆☆

مُشک آن است کہ ببوید نہ آن کہ عطار بگوید؛ دانا چو طبلۂ عطارست خاموش و ہنر نمای و نادان چو طبل غازی بلند آواز و میان تہی۔

۱۔ عالم اندر میان جاہل را — مَثَلی گفتہ اند صدیقان

۲۔ شاہدی درمیان کوران است — مُصحفی در سرای زندیقان

☆☆☆

دوستی را کہ بہ عمری فراچنگ آرند نشاید کہ بہ یک دم بیازارند۔

۳۔ سنگی بہ چند سال شود لعل پارہ ای — زنہار تا بہ یک نفسش نشکنی بہ سنگ

☆☆☆

عقل در دست نفس چنان گرفتارست کہ مرد عاجز در دست زن گربز۔

۴۔ در خرمی بر سرایی ببند — کہ بانگ زن از وی بر آید بلند

☆☆☆

رای بی قوت مکر و فسون است وقوت بی رای، جہل و جنون۔

۵۔ تمیز باید و تدبیر و عقل وانگہ مُلک — کہ مُلک و دولت نادان سلاح جنگ خداست

☆☆☆

الفاظ معانی:

ببوید: خوشبو دے، عطار: عطر فروش، طبلہ: ڈبہ، طبل غازی: جنگی نقارہ، میان تہی: درمیان سے خالی، صدیقان: سچ بولنے والے، شاہدی: ایک معشوق، کوران: اندھے، مصحفی: ایک قرآن، زندیقان: بے دین (جمع)، فراچنگ آوردن: حاصل کرنا، نشاید: مناسب نہیں، زنہار: خبردار، زن گربز: مکار عورت، درخرمی: خوشی کا دروازہ، سرایی: گھر، مکر و فسون: مکروفریب، بی رای: عقل کے بغیر، سلاح: اسلحہ۔

ترجمہ:

مشک وہ ہے جو خوشبو دے نہ وہ کہ عطر فروش کہے، عقلمند عطر فروش کے ڈبے کی طرح ہے خاموش اور ہنر دکھانے والا اور نادان جنگی نقارے کی طرح ہے

اونچی آواز والا اور درمیان سے خالی۔

1۔ جاہلوں کے درمیان عالم کے بارے میں سچ بولنے والوں نے مثال کہی ہے۔

2۔ وہ اندھوں کے درمیان ایک معشوق ہے اور بے دینوں کے گھر میں ایک قرآن ہے۔

☆☆☆

جس دوست کو ایک عمر میں حاصل کریں اسے دم بھر میں دکھ دینا مناسب نہیں۔

3۔ کوئی پتھر چند سالوں میں ایک لعل کا ٹکڑا بنتا ہے۔ خبردار، اسے ایک دم پتھر سے نہ توڑ دینا۔

☆☆☆

عقل نفس کے ہاتھ میں ایسے گرفتار ہے جیسے مکار عورت کے ہاتھ میں عاجز مرد۔

4۔ اس گھر پر خوشی کا دروازہ بند کردے جس سے عورت کی اونچی آواز آتی ہو۔

☆☆☆

طاقت کے بغیر عقل مکر و فریب ہے اور طاقت عقل کے بغیر جہالت اور جنون ہے۔

5۔ (بادشاہ کے لیے) پہلے (اچھے برے کی) تمیز، دوراندیشی اور عقل چاہیے اور پھر ملک کیونکہ نادان کا ملک اور دولت خدا سے جنگ کا اسلحہ ہیں۔

☆☆☆

جوانمرد که بخورد و بدهد به از عابدی که نخورد و بنهد۔ هر که ترک شهوات ازبهر قبول خلق داده است از شهوتی حلال درشهوتی حرام افتاده است۔

۱۔ عابد که نه از بهر خدا گوشه نشیند   بیچاره در آیینه تاریك چه بیند؟

☆☆☆

اندك اندك خیلی شود و قطره قطره سیلی گردد یعنی آنان که دست قوت ندارند سنگ خرده نگه می دارندتا به وقت فرصت دمار از دماغ خصم بر آرند۔

۲۔ وَقَطْرٌ عَلٰی قَطْرٍ اِذَا اتَّفَقَتْ نَهْرٌ   وَنَهْرٌ اِلٰی نَهْرٍ اِذَا اجْتَمَعَتْ بَحْرٌ

☆

۳۔ اندك اندك بهم شود بسیار   دانه دانه ست غلّه در انبار

☆☆☆

عالم را نشاید که سفاهت از عامی به حلم درگذارد که هر دو طرف را زیان دارد: هیبت این کم شود وجهل آن مستحکم۔

۴۔ چو با سفله گویی بلطف و خوشی   فزون گرددش کبر و گردن کشی

☆☆☆

الفاظ معانی:

بخورد: کھائے، بدهد: دے، بنهد: رکھے، افتاده است: گر گیا ہے، اندك اندك: تھوڑا تھوڑا، سیل: سیلاب، سنگ خرده: چھوٹے پتھر، دمار:

بھیجا، انبار: گودام، سفاہت: بے عقلی، حلم: بردباری، زیان: نقصان، سفلہ: گھٹیا شخص، بلطف: مہربانی سے، کبر: تکبر، گردن کشی: غرور۔

ترجمہ: جس نے دنیا کی لذتوں کو مخلوق میں مقبولیت حاصل کرنے کے لیے چھوڑا ہے۔ وہ
سخی جو کھائے اور دے اس عابد سے بہتر ہے جو نہ کھائے اور رکھے۔
حلال تمنا کو چھوڑ کر حرام تمنا میں پڑ گیا ہے۔

1۔ وہ عابد جو خدا کے لیے گوشہ نشین نہیں ہوتا وہ بیچارہ اندھے شیشے میں کیا دیکھے گا؟

☆☆☆

یعنی وہ جو ہاتھوں میں قوت نہیں رکھتے چھوٹے پتھر سنبھال کر رکھتے ہیں تا کہ فرصت کے
تھوڑا تھوڑا بہت ہو جاتا ہے اور قطرہ قطرہ سیلاب بن جاتا ہے
وقت دشمن کے دماغ سے بھیجا نکال دیں۔

2۔ قطرے جب اکٹھے ہوتے ہیں تو نہر بن جاتے ہیں اور نہریں جب ملتی ہیں تو سمندر بن جاتی ہیں۔

☆

3۔ تھوڑا تھوڑا اکٹھا ہو کر زیادہ بن جاتا ہے۔ گودام میں غلہ دانہ دانہ ہوتا ہے۔

☆☆☆

اس (عقلمند) کا وقار کم ہو جاتا
عالم کو زیب نہیں دیتا کہ نادان کی بے عقلی کو بردباری کی وجہ سے چھوڑ دے کیونکہ دونوں اطراف کے لیے نقصان دہ ہے:
ہے اور اس (نادان) کی جہالت مستحکم ہو جاتی ہے۔

4۔ جب تو گھٹیا شخص سے مہربانی اور خوشی سے بات کرے گا تو اس کا تکبر اور غرور بڑھ جائے گا۔

☆☆☆

و خداوند سلاح را چون
معصیت از هر که در وجود آید ناپسندیده است و از علما ناخوب تر که علم سلاح جنگ شیطان است
به اسیری برند شرمساری بیشتر بَرد۔

۱۔ عام نادان پریشان روزگار — به ز دانشمند ناپرهیزگار

۲۔ کان به نابینایی از راه اوفتاد — وین دو چشمش بود و درچاه افتاد

☆☆☆

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْکُمْ یا
جان در حمایت یك دم است و دنیا وجودی میان دو عدم؛دین به دنیا فروشان خرند، یوسف بفروشند تا چه خرند؟
بَنِی آدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّیْطَانَ۔

۳۔ به قول دشمن پیمان دوست بشکستی — ببین که از که بریدی و با که پیوستی؟

☆☆☆

شیطان با مُخلصان برنمی آید و سلطان با مُفلسان۔

۴۔ واسش مده آن که بی نمازست — گرچه دهنش ز فاقه بازست

۵۔ کو فرض خدا نمی گزارد — از قرض تو نیز غم ندارد

☆

۶۔ امروز دو مرده پیش گیرد بزگن　　فردا گوید تربی از این جا برکن

☆☆☆

الفاظ معانی:

معصیت: گناہ، اسیری: قید، بیشتر: زیادہ، جاہ: کنواں، افتادن: گرنا، دم: سانس، خرند: گدھے ہیں، چہ: کیا، پیمان: عہد، بریدن: کٹنا، پیوستن: جڑنا، وامش مدہ: اسے قرض نہ دے، دھنش: اس کا منہ، بازست: کھلا ہے، کو: کہ وہ، گزاردن: ادا کرنا، امروز: آج، فردا: آنے والا کل، ترب: مولی، برکن: اکھاڑ لے۔

ترجمہ:

گناہ جس سے بھی سرزد ہونا پسندیدہ ہے اور عالموں سے سرزد ہو تو اور بھی برا ہے کیونکہ علم شیطان سے جنگ کا اسلحہ ہے اور اسلحہ رکھنے والے کو جب قیدی بناتے ہیں تو وہ زیادہ شرمندگی اٹھاتا ہے۔

1۔ کم عقل اور پریشان زمانہ شخص ناپرہیزگار عالم سے بہتر ہے۔

2۔ کیونکہ وہ (نادان) اندھا ہونے کے باعث راستے سے بھٹکا اور اس (عالم) کی دو آنکھیں تھیں اور وہ کنویں میں گر گیا۔

☆☆☆

جان ایک سانس کے سہارے پر ہے اور دنیا دو عدم کے درمیان ایک وجود ہے۔ دین کو دنیا کے عوض بیچنے والے گدھے ہیں۔ کیا خریدنے کے لیے یوسف علیہ السلام کو بیچتے ہیں؟ اے آدم کی اولاد میں نے تم سے اس بات کا عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی اطاعت نہیں کرو گے۔

3۔ دشمن کے کہنے پر تو نے دوست سے کیا عہد توڑ دیا۔ دیکھ کر تو کس سے جدا ہوا اور کس سے جا ملا؟

☆☆☆

شیطان مخلصوں (یعنی خدا کے مخلص بندوں) پر غالب نہیں آتا اور بادشاہ مفلسوں پر۔

4۔ وہ جو بے نماز ہے اسے ادھار نہ دے چاہے اس کا منہ فاقہ سے کھلا ہی کیوں نہ ہو۔

5۔ کیونکہ وہ خدا کا فرض ادا نہیں کرتا۔ وہ تیرے قرض کا بھی غم نہیں رکھتا۔

☆

6۔ آج تجھ سے دو آدمیوں کی خوراک قرض لے گا کل کو کہے گا کہ یہاں سے مولیاں اکھاڑ کر لے جاؤ۔

☆☆☆

ہر کہ در زندگی نانش نخورند چون بمیرد نامش نبرند۔ لذت انگور بیوہ داند نہ خداوند میوہ۔ یوسف صدیق، علیہ السلام، درخشک سال مصر سیر نخور دی تا گرسنگان فرامش نکند۔

۱۔ آن کہ در راحت و تنعم زیست　　او چہ داند کہ حال گرسنہ چیست

۲۔ حال درماندگان کسی داند　　کہ بہ احوال خویش درماند

☆

۳۔ ای که بر مرکب تازنده سواری، مشتاب | که خر خارکش مسکین در آب و گل است

٤۔ آتش از خانهٔ همسایهٔ درویش مخواه | کانچه بر روزن او می گذرد دود دل است

☆☆☆

درویش ضعیف حال را درخشک سالی مپرس که چونی الا بشرط آن که مرهم ریشش بنهی و معلومی پیشش۔

٥۔ خری که بینی و باری به گل در افتاده | به دل بر او شفقت کن ولی مرو به سرش

٦۔ کنون که رفتی و پرسیدیش که چون افتاد | میان ببند و چو مردان بگیر دُنب خرش

☆☆☆

الفاظ معانی:

نانش: اس کی روٹی، چون بمیرد: جب مرجائے، خداوند میوہ: پھل کا مالک، گرسنگان: بھوکے، چیست: کیا ہے، مرکب تازندہ: تیز رفتار سواری، مشتاب: جلدی مت کر، خرخارکش: لکڑہارے کا گدھا، آب و گل: پانی اور کیچڑ، روزن: روشندان، دود: دھواں، چونی: تو کیسا ہے، ریشش: اس کا زخم، معلومی: کوئی نقدی، پیشش: اس کے آگے، ولی: لیکن، مرو: نہ جا، کنون: اب، چون افتاد: کیسے گرا، میان ببند: کمر کس لے، دنب خرش: اس کے گدھے کی دم۔

ترجمہ:

جو کوئی زندگی میں اس کی روٹی نہیں کھاتے جب وہ مرجائے تو اس کا نام نہیں لیتے۔ انگور کی لذت بیوہ جانتی ہے، پھل کا مالک نہیں۔ یوسف صدیق علیہ السلام نے مصر کی خشک سالی میں پیٹ بھر کر نہیں کھایا تا کہ بھوکوں کو فراموش نہ کریں۔

1۔ وہ جس نے آسودگی اور ناز و نعمت میں زندگی گزاری اسے کیا معلوم کہ بھوکے کا حال کیا ہے۔

2۔ دردمندوں کا حال وہی جانتا ہے جو خود مصیبت میں گرفتار ہو جائے۔

☆

3۔ اے تیز رفتار سواری پر سوار شخص، جلدی مت کر، کیونکہ بیچارے لکڑہارے کا گدھا پانی اور کیچڑ میں ہے۔

4۔ غریب ہمسائے کے گھر سے آگ طلب نہ کر کیونکہ جو (دھواں) اس کے روشندان سے گزرتا ہے وہ دل کا دھواں ہے۔

☆☆☆

خستہ حال درویش سے قحط کے دنوں میں نہ پوچھ کہ تو کیسا ہے؟ مگر اس شرط پر کہ اس کے زخم پر مرہم رکھے اور اس کے سامنے نقدی رکھے۔

5۔ تو کسی گدھے کو بوجھ کے ساتھ کیچڑ میں گرا ہوا دیکھے تو دل میں اس پر مہربانی کر لیکن اس کے قریب نہ جا۔

6۔ اب جب کہ تو چلا گیا اور اس سے پوچھ لیا کہ کیسے گرا تو کمر کس لے اور مردوں کی طرح اس کے گدھے کی دم پکڑ۔

☆☆☆

دو چیز محال عقل است: خوردن بیش از رزق مقسوم و مردن پیش از وقت معلوم۔

١۔ قضا دگر نشود گر هزار ناله و آه | بکفر یا بشکایت برآید از دهنی

۲۔ فرشته ای که وکیل است برخزاین باد
چه غم خورد که بمیرد چراغ پیرزنی؟

☆☆☆

ای طالب روزی بنشین که بخوری و ای مطلوب اجل مرو که جان نبری۔

۳۔ جهد رزق ار کنی و گر نکنی
برساند خدای عزّوجلّ

٤۔ ور روي در دهان شیر و پلنگ
نخورندت مگر به روز اجل

☆☆☆

به نانهاده دست نرسد و نهاده هر کجا که هست برسد۔

۵۔ شنیده ای که سکندر برفت تا ظلمات
به چند محنت و خورد آن که خورد آب حیات

☆☆☆

صیاد بی روزی ماهی در دجله نگیرد و ماهی بی اجل در خشك نمیرد۔

٦۔ مسکین حریص در همه عالم همی رود
او در قفای رزق و اجل در قفای او

☆☆☆

الفاظ معانی:

خوردن: کھانا، مقسوم: مقدر، مردن: مرنا، وقت معلوم: مقررہ وقت، از دهنی: منہ سے، خزاین باد: ہوا کے خزانے، پیرزني: کوئی بوڑھی عورت، بنشین: بیٹھ، مطلوب اجل: موت کو مطلوب، مرو: نہ جا، ور: اور اگر، پلنگ: چیتا، هر کجا: جہاں کہیں، ظلمات: اندھیرے، محنت: تکلیف، صیاد: شکاری، ماهی: مچھلی، درقفای رزق: رزق کے پیچھے۔

ترجمہ:

دو چیزیں عقل کی رو سے محال ہیں: مقدر میں لکھے رزق سے زیادہ کھانا اور مقررہ وقت سے پہلے مرنا۔

1۔ تقدیر نہیں بدلتی چاہے کفر اور شکایت کے ہزار آہ و نالے منہ سے نکلیں۔

2۔ وہ فرشتہ جو ہوا کے خزانوں پر مامور ہے اس کو کیا فکر کہ بڑھیا کا دیا بجھ جائے گا؟

☆☆☆

اے روزی کے طالب بیٹھ جا تا کہ تو کھائے اور اے موت کو مطلوب نہ جا کیونکہ جان نہیں بچا پائے گا۔

3۔ رزق کی کوشش تو کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ تجھ تک پہنچا دے گا۔

4۔ اور اگر تو شیر اور چیتے کے منہ میں بھی چلا جائے تو وہ تجھے نہیں کھائیں گے سوائے تیری موت کے دن کے۔

☆☆☆

جو روزی مقدر میں نہیں اس تک ہاتھ نہیں پہنچتا اور جہاں کہیں (مقدر میں) ہے پہنچ جاتی ہے۔

5۔ تو نے سنا ہے کہ سکندر کتنی تکلیف کے ساتھ تاریکیوں تک گیا اور آب حیات اس نے پیا جس کے مقدر میں تھا۔

☆☆☆

شکاری روزی کے بغیر دجلہ سے مچھلی نہیں پکڑتا اور مچھلی موت کے بغیر خشکی پر نہیں مرتی۔

6۔ لالچی مسکین ساری دنیا میں مارا مارا پھرتا ہے۔ وہ روزی کے پیچھے اور موت اس کے پیچھے۔

☆☆☆

توانگر فاسق کلوخ زراندودست و درویش صالح شاهد خاك آلود۔ این دلق موسی است مرقع و آن ریش فرعون مرصع۔

☆☆☆

شدت نیکان روی در فرج دارد و دولت بدان سر در نشیب۔

۱۔ هر که را جاه و دولت است و بدان — خاطری خسته در نخواهد یافت

۲۔ خبرش ده که هیچ دولت و جاه — به سرای دگر نخواهد یافت

☆☆☆

حسود از نعمت حق بخیل است و بندهٔ بی گناه را دشمن دارد۔

۳۔ مردکی خشك مغز را دیدم — رفته در پوستین صاحب جاه

٤۔ گفتم: ای خواجه، گر تو بدبختی — مردم نیکبخت را چه گناه؟

۵۔ ألا تا نخواهی بلا بر حسود — که آن بخت بر گشته خود در بلاست

٦۔ چه حاجت که با وی کنی دشمنی — که وی را چنان دشمن اندر قفاست

☆☆☆

تلمیذبی ارادت، عاشق بی زرست و روندهٔ بی معرفت، مرغ بی پرو عالم بی عمل، درخت بی برو زاهد بی علم، خانه بی در۔

☆☆☆

الفاظ معانی:

توانگر: مالدار، فاسق: بدکار، کلوخ زراندود: سونے کا پانی چڑھا ڈھیلا، شاهد: معشوق، دلق: اونی لباس، مرقع: پیوند لگا، ریش: داڑھی، مرصع: جڑی ہوئی، فرج: کشادگی، بدان: بہ آن کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں اس سے، بخیل: کنجوس، خشك مغز: بے وقوف، الا: خبردار، بخت بر گشته: بدنصیب، باوی: اس کے ساتھ، تلمیذ: شاگرد، بی ارادت: بے عقیدت، رونده: سالک، درخت بی بر: بے ثمر درخت، خانه: گھر۔

ترجمہ:

بدکار مالدار سونے کا پانی چڑھا مٹی کا ڈھیلا ہے اور نیک غریب خاک آلود معشوق ہے۔ یہ (غریب) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیوند لگا اونی لباس ہے اور وہ (مالدار) فرعون کی ہیروں سے جڑی داڑھی ہے۔

☆☆☆

نیکوں کا سختی جھیلنا انہیں کشادگی کی طرف لے جاتا ہے اور بروں کی دولت (ان کو) پستی کی طرف۔

1۔ جس کسی کے پاس مرتبہ اور دولت ہے اور وہ اس سے کسی غمزدہ شخص کی دلجوئی نہیں کرے گا۔

2۔ اسے خبر دے کہ وہ کوئی دولت اور مرتبہ اگلے جہان نہ پائے گا۔

☆☆☆

حاسد خدا کی نعمت کے حوالے سے کنجوس ہے اور بے گناہ بندے کو (اپنا) دشمن بنالیتا ہے۔

3- میں نے ایک بے وقوف آدمی کو دیکھا جو ایک اہل مرتبہ شخص کی برائی کر رہا تھا۔

4- میں نے کہا، اے صاحب، اگر تو بدنصیب ہے تو اس میں خوش نصیب لوگوں کا کیا گناہ؟

5- خبردار، تجھے حاسد کے لیے کسی بلا کا طالب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ بدنصیب تو خود مصیبت میں گرفتار ہے۔

6- تجھے اس سے دشمنی کرنے کی کیا ضرورت، کیونکہ اس کے پیچھے تو ایک ایسا دشمن لگا ہوا ہے۔

☆☆☆

بے عقیدت شاگرد مفلس عاشق ہے اور ناآگاہ سالک پر کے بغیر پرندہ ہے اور بے عمل عالم بے ثمر درخت ہے اور بے علم زاہد دروازے کے بغیر گھر ہے۔

☆☆☆

مراد از نزول قرآن، تحصیل سیرت خوب است نه ترتیلِ سورت مکتوب۔ عامی متعبد پیادهٔ رفته است و عالم متهاون سوار خفته۔ عاصی که دست بردارد به از عابد که درسر دارد۔

۱۔ سرهنگ لطیف خوی دلدار — بهتر ز فقیهِ مردم آزار

یکی را گفتند: عالم بی عمل به چه ماند؟ گفت: به زنبور بی عسل۔

۲۔ زنبور درشت بی مروّت را گوی — باری، چو عسل نمی دهی نیش مزن

مرد بی مروّت زن است و عابد باطمع رهزن۔

۳۔ ای بناموس کرده جامه سفید — بهر پندار خلق و نامه سیاه

۴۔ دست کوتاه باید از دنیا — آستین خوه دراز و خوه کوتاه

دو کس را حسرت از دل نرود و پای تغابن از گل برنیاید: تاجر کشتی شکسته و وارث با قلندریان نشسته۔

۵۔ پیش درویشان بود خونت مباح — گر نباشد درمیان مالت سبیل

۶۔ یا مرو با یار ازرق پیرهن — یا بکش بر خان و مان انگشت نیل

۷۔ دوستی با پیلبانان یا مکن — یا طلب کن خانه ای در خوردِ پیل

☆☆☆

الفاظ معانی:

تحصیل: تعلیم، ترتیل: تلاوت، عامی متعبد: جاہل عبادت گزار، عالم متهاون: سست عالم، خفته: سویا ہوا، عاصی: گنہگار، سرهنگ: فوجی سپاہی، زنبوربی عسل: بغیر شہد والی بھڑ، رهزن: ڈاکو، پای تغابن: غفلت کا پاؤں، مباح: جائز، ازرق پیرهن: درویش، پیلبانان: ہاتھی والے، خانه: گھر، پیل: ہاتھی۔

ترجمہ:

نزول قرآن کا مقصد اچھی سیرت کی تعلیم ہے نہ کہ لکھی ہوئی سورتوں کی تلاوت ہے۔ جاہل عبادت گزار پیدل چلنے والا ہے اور سست عالم سویا ہوا سوار

ہے۔ وہ گنہگار جو (توبہ کے لیے) ہاتھ اُٹھائے اس عابد سے بہتر ہے جو مغرور ہو۔

1۔ خوش اخلاق اور مہربان فوجی سپاہی لوگوں کو تکلیف دینے والے عالم سے بہتر ہے۔

☆☆☆

ایک شخص سے لوگوں نے کہا: بے عمل عالم کس کی طرح ہے؟ اس نے کہا: بغیر شہد والی بھڑ کی طرح۔

2۔ بے رحم اور ظالم بھڑ سے کہہ دو۔ بہر حال جب تو شہد نہیں دیتی تو ڈنک بھی نہ مار۔

☆☆☆

بے مروت مرد، عورت ہے اور لالچی عابد، ڈاکو۔

3۔ اے وہ شخص جس نے لوگوں میں عزت پانے کے لیے سفید کپڑے پہن رکھے ہیں اور اعمال نامہ سیاہ ہے۔

4۔ دنیا سے ہاتھ کھینچ لینا چاہیے، چاہے آستین لمبی ہو یا چھوٹی۔

دو اشخاص کے دل سے حسرت نہیں جاتی اور افسوس کا پاؤں کیچڑ سے نہیں نکلتا: ایک وہ تاجر جس کی کشتی ٹوٹ جائے اور وہ وارث جو قلندروں کے ساتھ بیٹھا ہے۔

☆☆☆

5۔ اگر تیرا مال مفت درویشوں تک نہ پہنچے تو ان کی نظر میں تیرا خون بہانا بھی جائز ہے۔

6۔ درویشوں کے ساتھ یا ہم نشینی نہ کر یا گھر، مال اور اہل و عیال سے ہاتھ دھولے۔

7۔ یا ہاتھی والوں کے ساتھ دوستی نہ لگا۔ یا ہاتھی کے مطابق گھر بنا۔

☆☆☆

خلعت سلطان اگرچه عزیزست جامه خلقان خود ازان بعزت ترو خوان بزرگان اگرچه لذیذ، خردهٔ انبان خویش ازان بلذت تر-

۱۔ سـر کـه از دسـترنـج خویـش و تره　　　بهتـــر از نـــان دهـــخـدا و بـــره

☆☆☆

خلاف راه صواب است و عکس رای اولوالالباب، دارو بگمان خوردن وراه نادیده بی کاروان رفتن- امام مُرشد محمد غزالی را، رَحمَةُ اَللّٰهِ عَلَیه، پرسیدند که چگونه رسیدی بدین منزلت در علوم؟ گفت: بدان که هرچه ندانستم از پرسیدن آن ننگ نداشتم-

۲۔ امید عـافیـت آنگـه بـود موافق عقل　　　کـه نبض را بـه طبیـعـت شـنـاس بنمایی

۳۔ بپرس هـر چـه ندانی کـه ذُلِّ پـرسیدن　　　دلیـل راه تـو بـاشـد بـه عز دانـایی

☆☆☆

هر آنچه دانی که هر آینه معلوم تو خواهد شد به پرسیدن آن تعجیل مکن که هیبت سلطنت را زیان دارد-

٤۔ چـولـقـمـان دید کـانـدر دست داود　　　هـمـی آهـن بـه مـعـجـز مـوم گـردد

۵۔ نپرسیدش چـه مـی سازی کـه دانست　　　کـه بـی پـرسیـدنـش مـعـلـوم گـردد

☆☆☆

الفاظ معانی:

خلعت: شاہی لباس، عزیز ست: عزت والا ہے، جامه خلقان خود: اپنا پرانا لباس، خوان: دسترخوان، انبان: چمڑے کی تھیلی، دھخدا: گاؤں کا مالک، راہ صواب: صحیح راستہ، اولوالالباب: عقلمند، خوردن: کھانا، نادیدہ: ان دیکھا، بدان: جان لو، پرسیدن: پوچھنا، ننگ: شرم، ذل: ذلت، هر آینه: یقیناً، تعجیل مکن: جلد بازی نہ کر۔

ترجمہ:

بادشاہ کی خلعت (یعنی شاہی لباس) اگرچہ عزت والی ہے (مگر) اپنا پرانا لباس اس سے زیادہ عزت والا ہے اور بزرگوں کا دسترخوان (یعنی کھانا) اگرچہ لذیذ ہے، اپنی چمڑے کی تھیلی میں پڑے روٹی کے ٹکڑے اس سے زیادہ لذیذ ہیں۔

1۔ اپنی محنت کی کمائی سے حاصل کیا ہوا سرکہ اور سبزی، گاؤں کے مالک کی روٹی اور گوشت سے بہتر ہے۔

☆☆☆

کسی دوائی کا محض گمان پر کھانا اور انجانے راستے پر قافلے کے بغیر جانا عقلمندوں کی رائے اور صحیح راستے کے خلاف ہے۔ امام مرشد محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ علوم میں اس مقام تک کیسے پہنچے؟ انہوں نے کہا: جان لو کہ میں جو کچھ نہیں جانتا تھا میں نے اس کے پوچھنے میں شرم محسوس نہیں کی۔

2۔ عقل کے نزدیک صحت کی اُمید اس وقت رکھی جا سکتی ہے جب تو اپنی نبض کسی نبض شناس طبیب کو دکھائے۔

3۔ تو جو نہیں جانتا اس کو پوچھ (کیونکہ) پوچھنے کی ذلت تجھے دانائی کی عزت کے راستے پر لے جانے کا باعث بنتی ہے۔

☆☆☆

جس چیز کے بارے میں تو جانتا ہے کہ وہ یقیناً تجھے معلوم ہو جائے گی اس کو پوچھنے میں جلد بازی نہ کر کیونکہ (اس سے) سلطنت کے وقار کو نقصان پہنچتا ہے۔

4۔ جب لقمان نے دیکھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا معجزے سے موم بن جاتا ہے۔

5۔ تو اس نے نہیں پوچھا کہ کیا بنا رہے ہو کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بغیر پوچھے معلوم ہو جائے گا۔

☆☆☆

یکی از لوازم صحبت آن است که خانه بپردازی یا با خانه خدای درسازی۔

۱۔ حکایت بر مزاج مستمع گوی　　اگر دانی که دارد با تو میلی

۲۔ هر آن عاقل که با مجنون نشیند　　نباید کردنش جز ذکر لیلی

☆☆☆

هر که با بدان نشیند اگر نیز طبیعت ایشان در او اثر نکند به فعل ایشان متهم گردد۔ تا اگر به خراباتی رود به نماز کردن، منسوب شود به خمر خوردن۔

۳۔ رقم بر خود به نادانی کشیدی　　که نادان را به صحبت برگزیدی

۴۔ طلب کردم ز دانایان یکی پند　　مرا گفتند: با نادان مپیوند

۵۔ کہ گر دانای دھری خر بباشی — و گر نادانی، ابلہ تر بباشی

☆☆☆

حلم شتر چنان کہ معلوم است اگر طفلی مہارش گیرد و صد فرسنگ برد گردن از متابعتش نپیچد اما اگر درہ ای ہولناک پیش آید کہ موجب ہلاک باشد و طفل آن جابنادانی خواہد رفتن زمام از کفش درگسلاند و بیش مطاوعت نکند کہ ہنگام درشتی ملاطفت مذموم است و گویند: دشمن بہ ملاطفت دوست نگردد بلکہ طمع زیادت کند۔

٦۔ کسی کہ لطف کند باتو، خاک پایش باش — و گر خلاف کند در دو چشمش آگن خاک

۷۔ سخن بلطف و کرم با درشت خوی مگوی — کہ زنگ خوردہ نگردد مگر بہ سوہان پاک

☆☆☆

الفاظ معانی:

خانہ بپردازی: گھر خالی کردے، درسازی: بنا کر رکھے، مستمع: سننے والا، خراباتی: شراب خانہ، نماز کردن: نماز پڑھنا، خمر خوردن: شراب پینا، بر گزیدن: منتخب کرنا، پند: نصیحت، مپیوند: دوستی نہ لگا، دھر: دنیا، خر: گدھا، ابلہ تر: زیادہ بے وقوف، حلم شتر: اونٹ کی بردباری، چنان کہ: جیسا کہ، طفلی: کوئی بچہ، فرسنگ: تقریباً 6 کلومیٹر، زمام: مہار، درگسلاندن: چھڑالینا، مطاوعت: اطاعت، ہنگام درشتی: سختی کے وقت، ملاطفت: نرمی، لطف: مہربانی، آگن خاک: مٹی ڈال، سوہان: ریتی۔

ترجمہ:

ہم نشینی کے لوازمات میں سے ایک یہ ہے کہ گھر خالی کردے یا گھر کے مالک کے ساتھ بنا کر رکھ۔

1۔ اگر تو جانتا ہے کہ وہ تیری طرف میل رکھتا ہے تو تجھے چاہیے کہ بات، سننے والے کے مزاج کے مطابق کرے۔

2۔ ہر وہ عقلمند جو مجنوں کے ساتھ بیٹھتا ہے اسے لیلیٰ کے سوا کسی کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔

☆☆☆

جو کوئی بروں کے ساتھ بیٹھے اگر اس پر ان کی عادت کا اثر نہ بھی ہو تو ان کے فعل کی تہمت اس پر لگ جائے گی۔ حتیٰ اگر وہ شراب خانہ میں نماز پڑھنے کے لیے جائے تو شراب پینے سے منسوب ہوگا۔

3۔ تو نے اپنے اوپر نادانی کا عیب لگایا کیونکہ اپنی صحبت کے لیے نادان کا انتخاب کیا۔

4۔ میں نے عقلمندوں سے ایک نصیحت طلب کی۔ انہوں نے مجھے کہا: نادان سے دوستی نہ لگا۔

5۔ کیونکہ اگر تو دنیا بھر کا عقلمند ہے تو گدھا بن جائے گا اور اگر نادان ہے تو اور زیادہ بیوقوف بن جائے گا۔

☆☆☆

اونٹ کی بردباری جیسا کہ معلوم ہے اگر کوئی بچہ اس کی مہار پکڑے اور اسے سو فرسنگ تک لے جائے گردن اس کی اطاعت سے نہیں موڑتا لیکن اگر کوئی خوفناک درہ سامنے آجائے جو ہلاکت کا باعث ہو اور بچہ نادانی سے اسے وہاں لے جانا چاہے تو وہ اس کی ہتھیلی سے مہار چھڑا لیتا ہے اور پھر اس کی اطاعت نہیں کرتا کیونکہ سختی کے وقت نرمی کرنا مناسب نہیں اور کہتے ہیں: دشمن نرمی سے دوست نہیں بنتا بلکہ اور بھی دلیر ہو جاتا ہے۔

6۔ کوئی جو تیرے ساتھ نرمی کرے تو اس کے پاؤں کی خاک بن جا اور اگر اس کے برعکس کرے تو اس کی دونوں آنکھوں میں مٹی ڈال۔

7۔ تیز مزاج والے کے ساتھ نرمی اور کرم سے بات نہ کر کیونکہ زنگ آلود (لوہا) ریتی کے بغیر صاف نہیں ہوتا۔

☆☆☆

هر که درپیش سخن دیگران افتد تا مایه فضلش بدانند، پایهٔ جهلش بشناسند۔

١۔ ندهد مرد هوشمند جواب ‏ مگر آنگه کز او سوال کنند

٢۔ گرچه بر حق بود فراخ سخن ‏ حمل دعویش بر محال کنند

☆☆☆

ریشی درون جامه داشتم و شیخ، رَحِمَهُ اَللّٰه، هر روز بپرسیدی که چون است؟ و نپرسیدی که بر کجاست؟ دانستم که ازان احترازمی کند که ذکر همه عضوی روا نباشد کردن و خردمندان گفته اند: هر که سخن نسنجد از جواب سخن برنجد۔

٣۔ تا نیك ندانی که سخن عین صواب است ‏ باید که به گفتن دهن از هم نگشایی

٤۔ گر راست سخن گویی و دربند بمانی ‏ به زان که دروغت دهد از بند رهایی

☆☆☆

دروغ گفتن به ضربت لازم ماند که اگر نیز جراحت درست شود نشان بماند، چون برادران یوسف، علیه السلام، که به دروغی موسوم شدند نیز به راست گفتن ایشان اعتماد نماند؛ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا۔

٥۔ یکی را که عادت بود راستی ‏ خطائی رود، در گذارند از او

٦۔ و گر نامور شد به قول دروغ ‏ دگر راست باور ندارند از او

☆☆☆

الفاظ معانی:

سخن: بات، پایهٔ جهلش: اس کی جہالت کا درجہ، هوشمند: عقلمند، فراخ سخن: زیادہ باتیں کرنے والا، بر محال: مشکل سے، ریشی: ایک زخم، بپرسیدی: پوچھتے، چون است: کیسا ہے؟، کجاست: کہاں ہے؟، همه عضو: تمام اعضاء، خرد مندان: عقلمند (جمع)، سخن نسنجد: بات نہ تولے، عین صواب: بالکل صحیح، دهن: منہ، راست: سچ، دربند: قید میں، دروغت: تیرا جھوٹ، ضربت لازم: شدید ضرب، جراحت: زخم، باور: یقین۔

ترجمہ:

جو کوئی دوسروں کی باتوں میں دخل دے تاکہ لوگ اس کے فضل کی مقدار کو جان لیں، وہ اس کی جہالت کے درجے کو پہچان لیتے ہیں۔

1۔ عقلمند آدمی جواب نہیں دیتا مگر اس وقت جب اس سے کوئی بات پوچھی جائے۔

2۔ اگرچہ زیادہ باتیں کرنے والا حق پر ہی کیوں نہ ہو لوگ اس کے دعوے پر مشکل سے یقین کرتے ہیں۔

☆☆☆

میں لباس کے اندر ایک زخم رکھتا تھا اور شیخ رحمتہ اللہ (حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی) ہر روز پوچھتے کہ (زخم) کیسا ہے؟ اور نہ پوچھتے کہ کہاں ہے؟ میں نے جانا کہ وہ اس سے گریز کرتے ہیں کیونکہ سب اعضاء کا نام لینا مناسب نہیں ہوتا اور عقلمندوں نے کہا ہے: جو کوئی بات نہ تولے وہ بات کے جواب سے رنجیدہ ہوتا ہے۔

3۔ جب تک تو اچھی طرح نہ جان لے کہ بات بالکل صحیح ہے تو تجھے کچھ کہنے کے لیے منہ نہیں کھولنا چاہیے۔

4۔ اگر تو سچ بات کہے اور قید میں رہے تو وہ اس جھوٹ سے بہتر ہے جو تمہیں قید سے رہائی دلائے۔

☆☆☆

جھوٹ بولنا شدید ضرب کی طرح ہے کہ اگر زخم بھر بھی جائے تو نشان رہ جاتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح جو جھوٹ کی وجہ سے مشہور ہوگئے اور پھر ان کے سچ کہنے پر اعتماد نہ رہا: تمہارے نفس نے برے کام کو تمہاری آنکھوں میں آراستہ کر دیا۔

5۔ جس کی عادت سچ بولنے کی ہو اور اس سے (جھوٹ بولنے کی) غلطی سرزد ہو جائے تو لوگ اسے درگزر کر دیتے ہیں۔

6۔ اور اگر کوئی جھوٹ بولنے میں مشہور ہو گیا تو لوگ اس کے سچ پر بھی یقین نہیں کرتے۔

☆☆☆

اجل کاینات از روی ظاهر آدمی است و اذلِ موجودات سگ، و به اتفاق خردمندان سگ حق شناس به از آدمی ناسپاس۔

۱۔ سگی را لقمه ای هرگز فراموش — نگردد ور زنی صد نوبتش سنگ

۲۔ وگر عمری نوازی سفله ای را — به کمتر چیزی آید با تو در جنگ

☆☆☆

از نفس پرور هنروری نیاید وبی هنر سروری را نشاید۔

۳۔ مکن رحم بر گاو بسیار بار — که بسیار خسب است و بسیار خوار

٤۔ چو گاو ار همی بایدت فربهی — چو خر تن به جور کسان در دهی

☆☆☆

در انجیل آمده است که ای فرزند آدم، گر توانگری دهمت مشتغل شوی به مال از من و گر درویش کنمت تنگدل نشینی؛ پس حلاوت ذکر من کجا در یابی وبه عبادت من کی شتابی؟

٥۔ گه اندر نعمتی، مغرور و غافل — گه اندر تنگدستی، خسته و ریش

٦۔ چو در سرا و ضرا، حالت این است — ندانم کی به حق پردازی از خویش

☆☆☆

الفاظ معانی:

اجل: سب سے بڑا، اذل: خوار ترین، سگ: کتا، ناسپاس: ناشکرا، صد نوبت: سوبار، سفلہ: پست فطرت، سروری: سرداری، گاو: بیل، فربہ: موٹا، خر: گدھا، توانگری: امیری، تنگدل: افسردہ، حلاوت: مٹھاس، شتابیدن: جلدی کرنا، گہ: کبھی، خستہ: تھکا ہوا، ریش: زخمی، سرا: خوشحالی، ضرا: تنگ دستی۔

ترجمہ:

بظاہر کائنات میں سب سے بڑا (درجہ) آدمی کا ہے اور موجودات میں خوار ترین کتا ہے۔ اور عقلمند اس بات پر متفق ہیں کہ حق شناس کتا ناشکرے آدمی

سے بہتر ہے۔

1۔ کتے کو (کھایا ہوا) ایک لقمہ کبھی نہیں بھولتا چاہے تو اسے سو بار پتھر مار لے۔

2۔ اور اگر پست فطرت کو تو ایک عمر نوازے تو وہ چھوٹی سی چیز پر تجھ سے لڑنے پر اتر آئے گا۔

☆☆☆

نفس پرور آدمی سے ہنر پروری نہیں ہوتی اور بے ہنر کو سرداری زیب نہیں دیتی۔

3۔ بہت بوجھ اٹھانے والے بیل پر رحم نہ کر کیونکہ وہ بہت سوتا ہے اور بہت کھاتا ہے۔

4۔ اگر تو بیل کی طرح موٹا ہونا چاہتا ہے تو پھر گدھے کی طرح لوگوں کی سختیاں برداشت کرنی ہوں گی۔

☆☆☆

انجیل میں آیا ہے کہ اے آدم کی اولاد، اگر تجھے امیری دوں تو مجھے بھلا کر مال کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے۔ اور اگر تجھے غریب کردوں تو افسردہ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ آخر تو میرے ذکر کی مٹھاس کہاں پائے گا۔ اور میری عبادت کی طرف کب جلدی کرے گا؟

5۔ کبھی تو کسی نعمت میں مغرور اور غافل ہے اور کبھی تنگدستی میں تھکا ماندہ اور زخمی ہے۔

6۔ جب خوشحالی اور تنگدستی میں تیری حالت یہ ہے تو میں نہیں جانتا کہ تو اللہ تعالیٰ سے کب لو لگائے گا۔

☆☆☆

ارادت بی چون یکی را از تخت پادشاهی فرود آرد و دیگری درشکم ماهی نکودارد۔

١۔ وقتی است خوش آن را که بود ذکر تو مونس ور خود بود اندر شکم حوت چو یونس

☆☆☆

گرتیغ قهر بر کشد نبی و ولی سردر کشد و گر غمزۂ لطف بجنباند بدان به نیکان در رساند۔

٢۔ گر به محشر خطاب قهر کند انبیا را چه جای معذرت است؟

٣۔ پرده از روی لطف گو بردار کاشقیا را امید مغفرت است

☆☆☆

هر که به تأدیب دنیا راه صواب نگیرد به تعذیب عُقبی گرفتار آید، وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ۔

٤۔ پندست خطاب مهتران، آنگه بند چون پند دهند و نشنوی، بند نهند

☆☆☆

نیکبختان به حکایت و امثالِ پیشینیان پند گیرند ازان پیش که پسینیان به واقعۂ ایشان مَثَل زنند و دزدان دست کوته نکنند تا دستشان کوته کنند۔

٥۔ نرود مرغ سوی دانه فراز چون دگر مرغ بیند اندر بند

٦۔ پند گیر از مصایب دگران تا نگیرند دیگران به تو پند

☆☆☆

الفاظ معانی:

ارادت: قدرت، بی جون: اللہ تعالیٰ، فرود آوردن: نیچے لانا، شکم ماهی: مچھلی کا پیٹ، مونس: دوست، ور: اوراگر، حوت: مچھلی، غمزه: اشاره، جنباندن: ہلانا، لطف: مہربانی، کاشقیارا: گنہگاروں کو، تادیب: عبرت، راه صواب: صحیح راستہ، تعذیب عقبی: آخرت کا عذاب، مهتران: بزرگ (جمع)، پیشینیان: ماضی کے لوگ، پسینیان: آنے والے لوگ، دزدان: چور (جمع)، مرغ: پرندہ، بند: قید۔

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ کی قدرت ایک کو بادشاہی تخت سے نیچے لاتی ہے اور کسی کو مچھلی کے پیٹ میں خوشحال رکھتی ہے۔

1۔ اس شخص کا حال اچھا ہے جو خود تو حضرت یونس علیہ السلام کی طرح مچھلی کے پیٹ میں ہو مگر تیرا (یعنی اللہ تعالیٰ) ذکر اس کا دوست ہو۔

☆☆☆

اگر (اللہ تعالیٰ) قہر کی تلوار کھینچ لے تو نبی اور ولی سر جھکا لیتے ہیں اور اگر مہربانی کا ایک اشارہ کرے تو گنہگاروں کو نیکوں تک پہنچا دیتا ہے۔

2۔ اگر (اللہ تعالیٰ) محشر میں قہر سے خطاب کرے تو انبیاء کے لیے عذر خواہی کی مجال کہاں؟

3۔ کہو کہ مہربانی کے چہرے سے پردہ ہٹالے کیونکہ گنہگاروں کو مغفرت کی امید ہے۔

☆☆☆

جو کوئی دنیا کی عبرت سے صحیح راستہ اختیار نہ کرے وہ آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوگا۔ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) ہم سرکشوں کو اس دنیا کی سختی کا مزا چکھا کہ اس کے علاوہ آخرت میں بڑا عذاب دیں گے۔

4۔ بزرگ نصیحت کے ساتھ تم سے مخاطب ہوتے ہیں اور پھر سختی کرتے ہیں۔ جب نصیحت کریں اور تو نہ سنے تو قید رکھتے ہیں۔

☆☆☆

خوش نصیب ماضی کے لوگوں کی حکایات اور امثال سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اس سے پہلے کہ بعد میں آنے والے ان کے واقعے کو ضرب المثل بنائیں اور چور اس وقت تک (چوری سے) ہاتھ نہیں کھینچتے، جب تک ان کا ہاتھ چھوٹا نہ کر دیں۔ (یعنی ہاتھ کاٹ نہ دیں)

5۔ کوئی پرندہ دانے کی طرف نہیں جاتا جب وہ کسی اور پرندے کو قید میں دیکھتا ہے۔

6۔ دوسروں کی مشکلات سے نصیحت حاصل کرتا کہ دوسرے تجھ سے عبرت حاصل نہ کریں۔

☆☆☆

آن را که گوش ارادت گران آفریده اند چون کند که بشنود و آن را که کمند سعادت کشان می بَرد چه کند که نرود؟

۱۔ شب تاریک دوستان خدای — می بتابد چو روز رخشنده

۲۔ وین سعادت به زور بازو نیست — تا نبخشد خدای بخشنده

☆

۳۔ از توبه که نالم که دگر داور نیست — وز دست توهیچ دست بالا تر نیست

٤۔ آن را که تو ره دهی کسی گم نکند — وان را که تو گم کنی کسی رهبر نیست

☆☆☆

گدای نیک انجام به از پادشاه بدفرجام۔

۵۔ غمی کز پیش شادمانی بری　　به از شادیی کز پسش غم خوری

☆☆☆

زمین را از آسمان نثارست و آسمان را از زمین غبار، کُلُ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَافِیہ۔

٦۔ گرت خوی من آمد ناسزاوار　　تو خوی نیک خویش از دست مگذار

☆☆☆

خداوند تعالیٰ می بیند و می پوشد و همسایه نمی بیند و می خروشد۔

٧۔ نَعُوذُ بِاللّٰه، اگر خلق غیب دان بودی　　کسی به حال خود از دست کس نیاسودی

☆☆☆

الفاظ معانی:

گوش ارادت: **اعتقاد کا کان**، گران: **بہرہ**، آفریدن: **بنانا**، کشان: **کھینچ کر**، رخشندہ: **روشن**، بخشندہ: **بخشنے والا**، داور: **منصف**، بدفرجام: **بدانجام**، خوی من: **میری عادت**، ناسزاوار: **ناگوار**، از دست مگذار: **ہاتھ سے نہ چھوڑ**، خروشد: **شور کرتا ہے**۔

ترجمہ:

وہ جس کے اعتقاد کا کان (اللہ تعالیٰ نے) بہرہ بنایا ہے وہ کیسے سن سکتا ہے اور جس کو خوش قسمتی کی کمند کھینچ کر لے جائے وہ نہ جائے تو کیا کرے؟

1۔ خدا کے دوستوں کی تاریک رات روشن دن کی طرح روشن رہتی ہے۔

2۔ اور یہ سعادت زور بازو سے (حاصل) نہیں ہوتی جب تک بخشنے والا خدا عطا نہ کرے۔

☆

3۔ تیری فریاد کس سے کروں کیونکہ کوئی اور انصاف کرنے والا نہیں اور تیرے ہاتھ سے اوپر کوئی ہاتھ نہیں۔

4۔ وہ جسے تو راستہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور وہ جسے تو گمراہ کر دے اس کا کوئی راستہ دکھانے والا نہیں۔

☆☆☆

نیک انجام فقیر، بدانجام بادشاہ سے بہتر ہے۔

5۔ وہ غم جس کے بعد تجھے خوشی حاصل ہو اس خوشی سے بہتر ہے کہ جس کے بعد تو غم برداشت کرے۔

☆☆☆

زمین پر آسمان (بارش) برساتا ہے اور زمین کی طرف سے آسمان پر غبار جاتا ہے۔ ہر برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔

6۔ اگر تجھے میری عادت ناگوار گزری تو اپنی اچھی عادت ہاتھ سے نہ جانے دے۔

☆☆☆

اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور چھپاتا ہے اور ہمسایہ نہیں دیکھتا اور شور کرتا ہے۔

7۔ نعوذ باللہ، اگر مخلوق غیب کا علم رکھتی تو کوئی بھی دوسرے کے ہاتھ سے چین نہ پاتا۔

☆☆☆

زر از معدن به کان کندن بدر آید و از دست بخیل به جان کندن۔

۱۔ دونان نخورند و گوش دارند — گویند: امید به که خورده

۲۔ روزی بینی بکام دشمن — زر مانده و خاکسار مرده

☆☆☆

هر که بر زیر دستان نبخشاید به جور زبردستان گرفتار آید۔

۳۔ نه هر بازو که در وی قوتی هست — به مردی عاجزان را بشکند دست

٤۔ ضعیفان را مکن بر دل گزندی — که درمانی به جور زور مندی

☆☆☆

عاقل چون خلاف اندر میان آید بجهد و چون صلح بیند لنگر بنهد که آن جا سلامت بر کران است و این جا حلاوت درمیان۔

☆☆☆

مُقامر راسه شش می باید ولیکن سه یك می آید۔

۵۔ هزار بار چراگاه خوشتر از میدان — ولیك اسب ندارد به دست خویش عنان

☆☆☆

الفاظ معانی:

زر: سونا، کان کندن: کان کھودنا، از دست بخیل: کنجوس کے ہاتھ سے، جان کندن: جان دینا، دونان: پست فطرت (جمع)، خاکسار: بدبخت، زیردستان: ماتحت (جمع)، جور: ظلم، لنگر نهادن: ڈیرہ ڈالنا، کران: کنارہ، حلاوت: مٹھائی، مقامر: جواری، سه شش: تین چھکے، اسب: گھوڑا، به دست خویش: اپنے ہاتھ میں، عنان: لگام۔

ترجمہ:

سونا کان سے کان کھودنے پر نکلتا ہے اور کنجوس کے ہاتھ سے اس کے جان دینے پر۔

1۔ پست فطرت کھاتے نہیں اور سنبھال کر رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: کھا لینے سے (کھانے کی) اُمید رکھنا بہتر ہے۔

2۔ ایک روز تو دیکھے گا کہ دشمن کی مراد کے مطابق اس (کنجوس) کا سونا یہیں رہ گیا اور وہ بدبخت مر گیا ہے۔

☆☆☆

جو کوئی ماتحتوں پر رحم نہیں کرتا وہ زبردستوں کے ظلم کا شکار ہو جاتا ہے۔

3۔ ہر وہ بازو جس میں طاقت ہے اسے یہ نہیں کرنا چاہیے کہ مردانگی سے کمزوروں کا ہاتھ توڑ دے۔

4۔ تو کمزوروں کے دل کو تکلیف نہ دے کیونکہ اس طرح کسی طاقتور کے ظلم میں پھنس کر رہ جائے گا۔

☆☆☆

عقلمند جب اختلاف دیکھتا ہے تو کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے اور جب صلح صفائی دیکھتا ہے تو وہیں ڈیرہ ڈال لیتا ہے کیونکہ وہاں سلامتی کنارے پر ہے اور یہاں مٹھائی درمیان میں ہے۔

☆☆☆

جواری کو تین چھکے درکار ہوتے ہیں اور لیکن تین اکے آتے ہیں۔

5۔ چراگاہ میدان سے ہزار درجے بہتر ہے لیکن گھوڑے کی لگام اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتی۔

☆☆☆

درویشی به مناجات درمی گفت: یا رب بر بدان رحمت کن که برنیکان خود رحمت کرده ای که مر ایشان رانیک آفریده ای۔

☆☆☆

اول کسی که علم بر جامه کرد و انگشتری در دست جمشید بود۔ گفتندش: چرا همه زینت به چپ داری و فضیلت راست راست؟ گفت: راست را زینت راستی تمام است۔

۱۔ فریدون گفت نقاشان چین را	که پیرامون خرگاهش بدوزند
۲۔ بدان را نیک دار، ای مرد هشیار	که نیکان خود بزرگ و نیکروزند

☆☆☆

بزرگی را پرسیدند: با چندین فضیلت که دست راست راست خاتم در انگشت چپ چرا می کنند؟ گفت: ندانی که اهل فضیلت همیشه محروم باشند؟

۳۔ آن که حظ آفرید و روزی سخت	یا فضیلت همی دهد یا بخت

☆☆☆

نصحیت پادشهان گفتن کسی را مسلم است که بیم سر ندارد یا امید زر۔

٤۔ موحد چه درپای ریزی زرش	چه شمشیر هندی نهی بر سرش
۵۔ امید و هراسش نباشد ز کس	بر این است بنیاد توحید و بس

☆☆☆

الفاظ معانی:

مناجات: دعا، بدان: برے، آفریدہ ای: تو نے پیدا کیا ہے، انگشتر: انگوٹھی، چپ: بایاں، راست راست: دائیں کو ہے، نقاشان: مصور (جمع)، پیرامون: حاشیہ، خرگاهش: اس کا خیمہ، بدوزند: سیئیں، خاتم: انگوٹھی، چرا: کیوں، حظ: نصیب، بیم سر: سر کا خوف، موحد: خدا پرست، شمشیر هندی: ہندی تلوار، نهی: تو رکھے۔

ترجمہ:

ایک درویش دعا میں کہہ رہا تھا: اے خدا بروں پر رحمت کر جیسے تو نے اپنے نیکوں پر رحمت کی ہے اور تو نے انہیں نیک پیدا کیا ہے۔

☆

پہلا شخص جس نے کپڑے کا جھنڈا بنایا اور ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جمشید تھا۔ اس سے لوگوں نے کہا: تو نے بائیں ہاتھ کو ساری زینت کیوں بخشی اور فضیلت

دائیں (ہاتھ) کو (حاصل) ہے؟ اس نے کہا: دائیں کو دایاں ہونے کی زینت کافی ہے۔

1۔ فریدون نے چین کے نقاشوں سے کہا کہ اس کے بڑے خیمے کے حاشیہ پر لکھ دیں۔

2۔ اے عقلمند آدمی بروں سے بھلا سلوک کر کیونکہ نیک تو پہلے ہی بزرگ اور نیک بخت ہیں۔

☆☆☆

لوگوں نے ایک بزرگ سے پوچھا: اتنی فضیلت جو دائیں ہاتھ کو حاصل ہے اس کے باوجود انگوٹھی بائیں ہاتھ میں کیوں پہنتے ہیں؟ اس نے کہا: تو نہیں جانتا کہ اہل فضیلت ہمیشہ محروم رہتے ہیں؟

3۔ وہ جس نے نصیب اور رزق معین کیا وہ یا فضیلت دیتا ہے یا بخت (یعنی دنیاوی دولت)

☆☆☆

بادشاہوں کو نصیحت کرنے کا حق اس کو حاصل ہے جو سر کا خوف نہیں رکھتا یا زر کی اُمید نہیں رکھتا۔

4۔ تو اگر خدا پرست کے پاؤں میں سونا نچھاور کرے یا اس کے سر پر ہندی تلوار (ہندی فولاد سے بنی ہوئی تلوار) رکھ دے۔

5۔ اسے کسی سے کوئی لالچ یا خوف نہیں ہوتا۔ توحید کی بنیاد اسی پر ہے اور بس۔

☆☆☆

شاہ از بهر دفع ستمگاران است و شحنه برای خونخواران و قاضی مصلحت جوی طراران- هر گز دو خصم به حق راضی پیش قاضی نروند-

١- جو حق معاینه دانی که می بباید داد — بلطف به که به جنگاوری و دلتنگی

٢- خراج اگر نگزارد کسی بطیبت نفس — بقهر از او بستانند و مزد سرهنگی

☆☆☆

همه کس را دندان به تُرشی کُند گردد مگر قاضیان را که به شیرینی-

٣- قاضی که به رشوت بخورد پنج خیار — ثابت کند از بهر تو ده خربزه زار

☆☆☆

قحبه پیر از نابکاری چه کند که توبه نکند و شحنهٔ معزول از مردم آزاری؟

٤- جوان گوشه نشین، شیر مرد راه خداست — که پیر خود نتواند ز گوشه ای برخاست

☆☆☆

الفاظ معانی:

ستمگاران: ظالم (جمع)، شحنہ: کوتوال، خونخواران: قاتل اور ڈاکو، خصم: دشمن، دلتنگی: ملال، دندان: دانت، ترشی: کھٹائی، شیرینی: مٹھائی، پنج خیار: پانچ کھیرے، ازبهر تو: تیرے لیے، ده خربزه زار: دس خربوزوں کے کھیت، قحبه پیر: بوڑھی بدکارہ، مردم آزاری: لوگوں کو تکلیف دینا، پیر: بوڑھا، برخاستن: اٹھنا۔

ترجمہ:

بادشاہ ظالموں کو روکنے کے لیے ہے اور کوتوال قاتلوں اور ڈاکوؤں کے لیے اور قاضی تیز طرار افراد کی درستی کے لیے ہے۔ دو ایسے شخص جو اپنے اپنے

حق پر راضی ہوں ہرگز قاضی کے پاس نہیں جاتے۔

1۔ جب تو واضح طور پر جانتا ہے کہ لوگوں کا حق اور مال انہیں دینا چاہیے تو لڑائی جھگڑے اور ملال کی بجائے خوشی سے دینا بہتر ہے۔

2۔ اگر کوئی خوش دلی سے خراج ادا نہ کرے تو سرکاری اہلکار اس سے زبردستی وصول کرتے ہیں۔

☆☆☆

تمام لوگوں کے دانت کھٹائی سے کند ہوتے ہیں مگر قاضیوں کے مٹھائی سے۔

3۔ قاضی جو رشوت میں پانچ کھیرے کھالے تو وہ تیرے حق میں خربوزے کے دس کھیتوں کا فیصلہ دے دے گا۔

☆☆☆

بدکار بڑھیا بدکاری سے اور معزول کوتوال لوگوں کی دل آزاری سے اگر توبہ نہ کرے تو کیا کرے؟

4۔ گوشہ نشین جوان خدا کا شیر مرد ہے کیونکہ بوڑھا تو خود گوشے سے اٹھ نہیں سکتا۔

☆☆☆

حکیمی را پرسیدند: چندین درخت نامور که خدای، عَزَّوَجَلَّ، آفریده است و برومند، هیچ یکی را آزاد نخوانند مگر سرو را که ثمره ای ندارد، گویی در این چه حکمت است؟ گفت: هریکی را دخلی معین است به وقتی معلوم، گاهی به وجود آن تازه اند و گاهی به عدم آن پژمریده و سرو را هیچ از این نیست و همه وقتی خوش است و این است صفت آزاد گان۔

۱۔ بر اینچه می گذرد دل منه که دجله بسی ــ پس از خلیفه بخواهد گذشت در بغداد

۲۔ گرت ز دست برآید، چون نخل باش کریم ــ ورت بدست نیاید، چو سرو باش آزاد

☆☆☆

دو کس مُردند و تحسر بردند: یکی آن که داشت و نخورد و دیگر آن که دانست و نکرد۔

۳۔ کس نبیند بخیل فاضل را ــ که نه در عیب گفتنش کوشد

٤۔ ور کریمی دو صد گنه دارد ــ کرمش عیبها فرو پوشد

☆☆☆

الفاظ معانی:

آفریده است: پیدا کیے ہیں، ثمره ای: کوئی پھل، دراین: اس میں، به وقتی معلوم: مقررہ وقت پر، پژمریده: پژمردہ، همه وقت: ہروقت، نخل: کھجور کا درخت، تحسر بردند: حسرت لے گئے، نخورد: نہ کھایا، دو صد گنه: دو سو گناہ، فرو پوشاندن: چھپا دینا۔

ترجمہ:

ایک دانا سے لوگوں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے کتنے بلند و بالا اور پھل دار درخت پیدا کیے ہیں لیکن سرو کے علاوہ کسی کو ''آزاد'' نہیں کہتے حالانکہ یہ پھل بھی نہیں رکھتا۔ گویا اس میں کیا حکمت ہے؟ اس نے کہا: ہر ایک کے پھل کا وقت مقرر ہے۔ کبھی وہ اس کی موجودگی سے تروتازہ ہیں اور کبھی اس (پھل) کے نہ ہونے سے پژمردہ اور سرو پر ان میں سے کوئی حالت رونما نہیں ہوتی اور وہ ہروقت خوش (یعنی سرسبز) ہے اور آزادگان کی یہی صفت ہے۔

1۔ گزر جانے والی چیز سے دل مت لگا کیونکہ خلیفہ کے بعد بھی دجلہ بغداد میں سے بہت عرصہ گزرتا رہے گا۔

2۔ اگر تجھ سے ہو سکے تو کھجور کے درخت کی طرح کریم بن جا اور کچھ نہ بن پائے تو سرو کی طرح آزاد رہ۔

☆☆☆

دو شخص مر گئے اور حسرت (ساتھ) لے گئے۔ ایک وہ کہ جس کے پاس تھا اور اس نے نہیں کھایا اور دوسرا وہ جس نے جانتے ہوئے بھی عمل نہیں کیا۔

3۔ کسی نے نہیں دیکھا ہوگا کہ کنجوس عالم کی عیب گوئی میں کسی نے زبان بند رکھنے کی کوشش کی ہو۔

4۔ اور اگر سخی دو سو گناہ رکھتا ہو تو اس کی سخاوت عیبوں کو چھپا دیتی ہے۔

جلال آل احمد

جلال آل احمد کا اصل نام حسین اور لقب جلال الدین ہے جب کہ جلال آل احمد ان کا قلمی نام ہے۔ 1923ء میں تہران کے ایک معروف مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی اور متوسطہ تعلیم تہران سے حاصل کی۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے 1943ء میں نجف گئے اور 1944ء میں ایران واپس آئے۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ فارسی ادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ نے 1947ء سے معلمی کو اپنا پیشہ بنایا اور عمر کے آخری حصہ تک معلمی اور نثر نگاری سے وابستہ رہے۔ سولہ سترہ سال کی عمر سے لکھنا شروع کیا۔ 1944ء میں ایران کی ایک معروف سیاسی پارٹی ''حزب تودہ'' سے منسلک ہوئے۔ اپنی سیاسی سرگرمیوں کے باعث 1953ء میں کچھ عرصہ کے لیے قید رہے۔ 1969ء میں 46 برس کی عمر میں گیلان کے علاقے میں وفات پائی اور شاہ عبدالعظیم تہران میں دفن ہوئے۔

جلال آل احمد ایک روشن خیال دانشور تھے۔ وہ اپنی مختصر سی زندگی میں کئی فکری انقلابات سے دوچار ہوئے۔ انہوں نے کئی اسلامی اور یورپی ممالک کا سفر کیا۔ چالیس کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں یادگار چھوڑیں جو کہانیوں، مقالات، تراجم، سفرناموں اور تک نگاریوں (Monogeraphies) پر مشتمل ہیں۔ درس وتدریس اور نثر نگاری کے علاوہ وہ صحافت سے بھی وابستہ رہے۔ ناول نویسی اور افسانہ نگاری میں ان کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں نے معاشرے کے پس ماندہ طبقوں جاہلانہ رسموں اور خواتین کے مسائل کے بارے میں نہایت اثر انگیز افسانے تحریر کیے اور شہرت پائی۔

تصانیف:

جلال آل احمد نے اپنا پہلا افسانہ ''زیارت'' کے نام سے رسالہ ''سخن'' میں 1945ء میں شائع کیا۔ ان کی تصانیف کے نام اور سال اشاعت اس طرح سے ہیں:

افسانے اور قصے:

1۔ دید و باز دید — 1946ء
2۔ از رنجی کہ می بریم — 1947ء
3۔ سہ تار — 1948ء
4۔ زن زیادی — 1952ء
5۔ پنج داستان — 1971ء

دید و باز دید جلال آل احمد کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے جو بارہ افسانوں پر مشتمل ہے ان افسانوں میں ایرانی معاشرے کی خامیوں اور کوتاہیوں پر تنقید کی گئی ہے۔ از رنجی کہ می بریم جلال آل احمد کے سات افسانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ افسانے سیاسی پارٹی کے ان نعروں کے زیر اثر تحریر کیے ہیں جو وہ سیاسی کارکنوں اور افراد پر حکومت کے دباؤ کے بارے میں لگاتی تھی۔ سہ تار تیرہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ جبکہ زن زیادی گیارہ افسانوں کا مجموعہ ہے۔ ان دونوں مجموعوں میں جلال آل احمد نے گلی اور بازار کے لوگوں کی ناداری اور تعصب کو تنقیدی لہجے میں پیش کیا ہے۔ پنج داستان پانچ افسانوں پر مشتمل ہے جن میں معاشرے کے مختلف طبقوں کی غربت، کم عقلی، جہالت، اور توہم پرستی کی منظر کشی کی گئی ہے۔

مختصر ناول:

1۔ سرگذشت کندوھا1954ء

2۔ مدیر مدرسہ1958ء

3۔ نون والقلم1961ء

4۔ نفرین زمین1967ء

سرگذشت کندوھا جو ایک علامتی کہانی ہے اس میں انہوں نے عامیانہ مثالوں کے ذریعے مصدق کے دور میں قومی جدوجہد کی شکست اور تیل کی استعماری کمپنیوں کی فتح کی تصویر کھینچی ہے۔ مدیر مدرسہ (یعنی سکول کا ہیڈ ماسٹر) میں کسی تخیل کے بغیر اپنے خاص ہنر کے ذریعے ایک سکول کے ہیڈ ماسٹر کو پیش آنے والی مشکلات اور رکاوٹوں کی نشاندہی کی ہے جو اپنے تعلیمی ماحول کی اصلاح کرنا چاہتا ہے۔ نون والقلم میں جلال آل احمد نے حکایت نویسی کے ہنر سے کام لیتے ہوئے ایران میں بائیں بازو کی تحریکوں کی شکست کے محرکات پر روشنی ڈالی ہے۔ نفرین زمین درحقیقت مدیر مدرسہ کا تسلسل ہے اس میں بھی جلال آل احمد نے تمثیلی انداز میں اپنے دور کی اجتماعی اور سیاسی تحریکوں اور جدوجہد کی کہانی بیان کی ہے۔

تنقیدی مقالہ جات

1۔ ارزیابی شتابزدہ 1963ء

2۔ کارنامۂ سہ سالہ1966ء

3۔ یک چاہ ودو چالہ1968ء

4۔ سہ مقالۂ دیگر 1962ء

5۔ غربزدگی1962ء

6۔ خدمت وخیانت روشنفکران

7۔ سنگی برگوری1967ء

جلال آل احمد نے اپنے تنقیدی مقالہ جات میں اپنی جدوجہد، ایران گردی، تاریخ نگری، جامعہ شناسی اور نقد ادبی کے حوالے سے اپنے افکار اور تجربات بیان کیے ہیں۔

مونوگرافی وسفرنامے

1۔ اورازان 1954ء

2۔ تات نشینھای بلوک زھرا 1954ء

3۔ جزیرہ خارک 1960ء

4۔ دریتیم خلیج

5۔ سفر بہ روسیہ

6۔ خسی درمیقات 1966ء

7۔ سفر بہ ولایت عزرائیل

انہوں نے دنیا کے مختلف ممالک کا سفر کیا اور اس سفر کے دوران انہیں جو معلومات حاصل ہوئیں ان کو ایک روشن فکر نثر نگار کے طور پر اپنے سفر ناموں اور مونو گرافیوں میں پیش کیا۔ جلال آل احمد کی نمایاں ترین خصوصیت ان کی صراحت اور تیز بینی ہے۔ ان کی محاوروں جیسی نثر کو ٹیلی گرافی نثر کا نام دیتے ہیں جس میں وہ تند و تیز اور کاٹ رکھنے والے جملے استعمال کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا سفرنامہ حج ''خسی در میقات'' فارسی سفر ناموں کی تاریخ میں نہایت اہمیت کا حامل ہے جس میں احساسات اور جذبات کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ سفر بہ ولایت عزرائیل ان کے اسرائیل کے سفر کے بارے میں ہے۔

تراجم

1۔ قمار باز از داستایوسکی 1948ء

2۔ دستہای آلودہ از ژان پل سارتر 1952ء

3۔ بیگانہ از آلبر کامو 1949ء

4۔ سؤتفاھم از آلبر کامو 1949ء

5۔ بازگشت از شوروی از آندرہ ژید 1954ء

6۔ کرگدن از لوژن یونسکو 1966ء

جلال آل احمد نے عظیم نثر نگاروں کی تصانیف کو ترجمہ کیا۔ ان تراجم کی نسبت ان کے افسانے اور تنقیدی مقالہ جات زیادہ شہرت کے حامل ہیں۔

سہ تار

یك سه تار نو و بی روپوش در دست داشت و یخه باز و بی هوا راه می آمد۔ از پلّه های مسجد شاه به عجله پایین آمد و از میان بساط خرده ریز فروش ها و از لای مردمی که درمیان بساط گستردهٔ آنان دنبال چیزهایی که خودشان هم نمی دانستند، می گشتند۔ داشت به زحمت رد می شد۔

سه تار را روی شکم نگه داشته بود و بادستِ دیگر سیم های آن را می پایید که به دکمهٔ لباس کسی یا به گوشهٔ بارِ حمّالی گیر نکند و پاره نشود۔

عاقبت امروز توانسته بود یه آرزوی خود برسد۔ دیگر احتیاج نداشت وقتی به مجلسی می خواهد برود، از دیگران تار بگیرد و به قیمت خونِ پدر شان کرایه بدهد و تازه بار منتشان راهم بکشد۔

موهایش آشفته بود و روی پیشانی اش می ریخت و جلوی چشم راستش را می گرفت۔ گونه هایش گود افتاده و قیافه اش زرد بود۔ ولی سرِ پا بند نبود و از وجد و شعف می دَوید۔ اگر مجلسی بود و مناسبتی داشت، وقتی سرِ وجد می آمد، می خواند و تار می زد و خوش بختی های نهفته و شادمانی های درونیِ خود را در همه نفوذ می داد۔ ولی حالا میان مردمی که معلوم نبود به چه کاری در آن اطراف می لولیدند، جز این که بدَوَد و خود را زود تربه جایی برساند، چه می توانست بکند؟ از خوش حالی می دَوید و به سه تاری فکر می کرد که اکنون مال خودش بود۔

الفاظ معانی:

سه تار: ایک ساز کا نام ہے جس میں تین تاریں لگی ہوتی ہیں، نو: نیا، بی روپوش: غلاف کے بغیر، یخه باز: گریبان کھلا، بی هوا: بے پرواہی، پله ها: سیڑھیاں، به عجله: جلدی سے، پایین آمد: نیچے آیا، لای مردمی: لوگوں کے درمیان سے، خرده ریز فروش: چھوٹی موٹی چیزیں بیچنے والے، بساط: چیزیں بیچنے کی جگہ، روی شکم: پیٹ پر، سیم ها: تاریں، پاییدن: نگہبانی کرنا، دکمه: بٹن، حمالی: کوئی قلی، عاقبت: بالآخر، مجلسی: کوئی محفل، موهایش: اس کے بال، آشفته: بکھرے ہوئے، گونه هایش: اس کے رخسار، گود افتادن: دھنس جانا، شعف: خوشی، نهفته: چھپی ہوئی۔ لولیدن: ہلنا جلنا، بھٹکنا، دویدن: دوڑنا۔

ترجمہ:

سہ تار

ایک نیا اور غلاف کے بغیر سہ تار اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ کھلے گریبان اور بے پرواہی سے چلا آ رہا تھا۔ مسجد شاہ کی سیڑھیوں سے وہ جلدی میں نیچے اترا اور چھوٹی موٹی چیزیں بیچنے والوں کی بساط کے درمیان سے اور ان لوگوں کے درمیان سے جو ان کی وسیع بساط کے درمیان ان چیزوں کے پیچھے پھر رہے تھے جن کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتے تھے، وہ دشواری سے گزر رہا تھا۔ اس نے سہ تار پیٹ پر رکھا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی تاروں کی

حفاظت کررہا تھا تا کہ وہ کسی کے لباس کے بٹن سے یا کسی قلی کے سامان کے کونے سے نہ الجھیں اور ٹوٹ نہ جائیں۔

بالآخر آج وہ اپنی آرزو تک پہنچ سکا تھا۔ اسے مزید ضرورت نہ تھی کہ جب وہ کسی محفل میں جانا چاہے تو وہ دوسروں سے سہ تار لے اور ان کے باپ کے خون کی قیمت کرایہ (میں) دے اور پھر ان کی منت کا بوجھ بھی اٹھائے۔

اس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور اس کی پیشانی پر گر رہے تھے اور اس کی دائیں آنکھ کے آگے آ رہے تھے۔ اس کے رخساروں پر گڑھے پڑے تھے اور اس کا چہرہ پیلا تھا۔ لیکن اس کے پاؤں نہیں تھمتے تھے اور وہ وجد اور خوشی سے دوڑ رہا تھا۔ اگر کوئی محفل ہوتی اور مناسبت ہوتی، جب وہ وجد میں آتا، گاتا اور سہ تار بجاتا اور سب کو اپنی چھپی ہوئی خوش نصیبی اور باطنی خوشیوں سے متاثر کرتا۔ لیکن اب وہ ایسے لوگوں کے درمیان جن کے بارے میں معلوم نہ تھا کہ وہ کس کام سے ادھر ادھر بھٹک رہے تھے، وہ سوائے دوڑنے اور خود کو جلد کسی جگہ پہنچانے کے کیا کرسکتا تھا؟ وہ خوشی سے دوڑ رہا تھا اور سہ تار کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اب وہ اس کا اپنا تھا۔

☆☆☆

فکر می کرد که دیگر وقتی سر حال خواهد آمد و زخمه را با قدرت و بی اختیار با سیم های تار آشنا خواهد کرد، تهِ دلش از این واهمه نخواهد داشت که مبادا سیم ها پاره شود و صاحب تار، روز روشن او را از شبِ تار هم تار تر کند. از این فکر راحت شده بود. فکر می کرد که از این پس چنان هنر نمایی خواهد کرد و چنان دادِ خود را از تار خواهد گرفت و چنان شوری از آن بر خواهد آورد، که خودش هم تابش را نیاوَرَد و بی اختیار به گریه بیفتد. نمی دانست که چرا به گریه بیفتد. ولی تهِ دلش آرزو می کرد که آن قدر خوب بتواند بنوازد که به گریه بیفتد. حتم داشت فقط وقتی که از صدای ساز خودش به گریه بیفتد، خوب نواخته، تابه حال نتوانسته بود آن طور که خودش می خواهد بنوازد. همه اش برای مردم تار زده بود. برای مردمی که شادمانی های گم شده و گریختهٔ خود را در صدای تار او و در تهِ آواز حزین او می جُستند.

این همه شب ها که در مجالس عیش و سُرور آواز خوانده بود و ساز زده بود، در مجالس عیش و سُروری که برای او فقط یك شادمانی ناراحت کننده و ساختگی می آورد، در این همه شب ها، نتوانسته بود از صدای ساز خودش به گریه بیفتد.

الفاظ معانی:

زخمه: مضراب، واهمه: ، وہم، مبادا: ایسا نہ ہو، صاحب تار: سہ تار کا مالک، شب تار: تاریک رات، راحت شدن: آسودہ ہونا، به گریه افتادن: رونے لگنا، بنوازد: وہ بجائے، حتم داشتن: یقین رکھنا، مردم: لوگ، گریخته: گریزاں، حزین: غمناک، جستن: ڈھونڈنا، ناراحت کننده: دکھی کرنے والی، ساختگی: مصنوعی۔

ترجمہ:

وہ سوچتا تھا کہ اب جب وہ وجد میں آئے گا اور مضراب کو طاقت سے اور بے اختیار سہ تار کی تاروں سے آشنا کرے گا، تو اس کے دل کی گہرائی میں یہ وہم نہیں ہوگا کہ ایسا نہ ہو کہ تار ٹوٹ جائے اور سہ تار کا مالک اس کے روشن دن کو تاریک رات سے بھی زیادہ تاریک کردے۔ وہ اس فکر سے آسودہ ہو گیا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اس کے بعد وہ ایسے ہنر نمائی کرے گا اور ایسے سہ تار سے اپنی داد وصول کرے گا اور اس سے ایسا شور برپا کرے گا کہ وہ خود بھی اس کی تاب نہ لائے اور بے اختیار رونے لگ جائے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ رونے کیوں لگ جائے۔ لیکن وہ اپنے دل کی گہرائی سے آرزو کرتا تھا کہ وہ اس قدر اچھا بجا سکے کہ رونے لگ جائے۔ اسے یقین تھا صرف اس وقت جب وہ اپنے ساز کی آواز سے رونے لگے، اس نے اچھا بجایا ہے۔ وہ اب تک ایسا نہیں کر پایا تھا اس طرح کہ جیسے

اس کا جی چاہے بجائے۔ اس نے ہمیشہ لوگوں کے لیے سہ تار بجایا تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے جو اپنی گم شدہ اور گریزاں خوشیوں کو اس کے سہ تار کی غمناک آواز میں تلاش کرتے تھے۔

بہت سی راتیں اس نے عیش و سرور کی محفلوں میں گانا گایا تھا اور ساز بجایا تھا۔ عیش و سرور کی وہ محفلیں جو اس کے لیے صرف مصنوعی اور دکھی کر دینے والی خوشی لاتی تھیں، ان تمام راتوں میں وہ اپنے ساز کی آواز سے نہیں رو پایا تھا۔

***

نتوانسته بود چنان ساز بزند که خودش را به گریه بیندازد، یا مجالس مناسب نبود و مردمی که به او پول می دادند و دعوتش می کردند نمی خواستند اشک های او را تحویل بگیرند، و یا خود او از ترس این که مبادا سیم ها پاره شود، زخمه را خیلی ملایم تر و آهسته تر از آن چه که می توانست بالا و پایین می برد. این را هم حتم داشت، حتم داشت که تا به حال خیلی ملایم تر و خیلی با احتیاط تر از آن چه که می توانسته، تار زده و آواز خوانده.

می خواست که دیگر ملایمتی در کار نیاورد. می خواست که دیگر احتیاط نکند. حالانکه توانسته بود با این پول های به قول خودش "بی برکت" سازی بخرد، حالا به آرزوی خود رسیده بود. حالا ساز مال خودش بود. حالا می توانست به راحتی، آن چه را که دلش می خواهد بنوازد. حالا می توانست چنان تار بزند که خودش به گریه بیفتد.

سه سال بود که آوازه خوانی می کرد. مدرسه را به خاطر همین ول کرده بود. همیشه تهِ کلاس نشسته بود و برای خودش زمزمه می کرد. دیگران اهمیتی نمی دادند و یا ملتفت نمی شدند، ولی معلّم حسابشان خیلی سخت گیر بود. و از زمزمهٔ او چنان بدش می آمد که عصبانی می شد و از کلاس قهر می کرد. سه چهار بار التزام داده بود که سرِ کلاس زمزمه نکند، ولی مگر ممکن بود؟ فقط سال آخر، دیگر کسی زمزمهٔ او را از تهِ کلاس نمی شنید. آن قدر خسته بود و آن قدر شب ها بیداری کشیده بود که یا تا ظهر در رخت خواب می ماند..... و یا سرِ کلاس می خوابید. ولی این داستان نیز چندان طول نکشید و به زودی مدرسه را ول کرد.

الفاظ معانی:

مجالس: محفلیں، پول: پیسے، اشک: آنسو، ترس: خوف، در کار آوردن: کام میں لانا، آوازہ خوانی: گلوکاری، ول کردن: چھوڑ دینا، زمزمہ کردن: گنگنانا، ملتفت شدن: متوجہ ہونا، بد آمدن: برا لگنا، خستہ: تھکا ہوا، رخت خواب: بستر، خوابیدن: سونا۔

ترجمہ:

وہ ساز ایسے نہیں بجا سکا تھا کہ وہ خود کو رونے میں مبتلا کر دے، یا محفلیں مناسب نہ تھیں اور وہ لوگ جو پیسے دیتے تھے اور اسے دعوت کرتے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کے آنسو وصول کریں، اور یا وہ خود اس ڈر سے کہ ایسا نہ ہو تاریں ٹوٹ جائیں، جس طرح سے وہ بجا سکتا تھا اس سے زیادہ ملائم اور آہستہ مضراب کو اوپر اور نیچے لے جاتا تھا۔ اسے اس بات کا بھی یقین تھا، یقین تھا کہ اب تک اس نے ممکن حد تک بہت زیادہ ملائمت اور احتیاط کے سہ تار بجایا اور گانا گایا ہے۔

وہ چاہتا تھا کہ اب وہ ملائمت کو کام میں نہ لائے۔ وہ چاہتا تھا کہ مزید احتیاط نہ کرے۔ حالانکہ وہ انہی پیسوں سے جو اس کے بقول "بے برکت" تھے ایک ساز خرید پایا تھا۔ اب وہ اپنی آرزو کو پہنچ چکا تھا۔ اب ساز اس کا اپنا تھا۔ اب وہ آسانی سے ایسا کر سکتا تھا، جیسے اس کا جی چاہے، ویسے بجائے۔ اب وہ اس طرح سے سہ تار بجا سکتا تھا کہ وہ خود رونے لگے۔

تین سال ہو گئے تھے کہ وہ گلوکاری کر رہا تھا۔ اس نے سکول اسی خاطر چھوڑا تھا۔ ہمیشہ وہ کلاس کے آخر میں بیٹھا تھا اور وہ اپنے لیے گنگناتا رہتا تھا۔ دوسرے کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے یا متوجہ نہیں ہوتے تھے لیکن ان کا ریاضی کا معلم بہت سخت گیر تھا۔ اسے اس کا گنگنانا اتنا برا لگتا کہ وہ غصے میں آجاتا اور کلاس سے ناراض ہو جاتا۔ اس نے تین چار مرتبہ ضمانت دی تھی کہ وہ کلاس میں نہیں گنگنائے گا۔ لیکن مگر ممکن تھا؟ صرف آخری سال، اب کسی کو اس کے گنگنانے کی آواز کلاس کے آخر سے سنائی نہیں دیتی تھی۔ وہ اس قدر تھکا ہوا تھا اور اس نے اس قدر راتوں کو شب بیداری برداشت کی تھی کہ یا وہ دوپہر تک بستر میں رہتا یا کلاس میں سوتا رہتا۔ لیکن یہ کہانی بھی زیادہ عرصہ نہیں چلی اور اس نے جلد ہی سکول چھوڑ دیا۔

☆☆☆

سال اوّل، خیلی خودش را خسته کرده بود۔ هر شب آواز خوانده بود و ساز زده بود و هر روز تا ظهر خوابیده بود۔

ولی بعد ها کم کم به کارِ خود ترتیبی داد و هفته ای دو سه شب بیش تر دعوت اشخاص را نمی پذیرفت۔ کم کم برای خودش سرشناس هم شده بود و دیگر احتیاج نداشت که به این دستهٔ موزیکال، یا آن دستهٔ دیگر مراجعه کند۔ مردم او را شناخته بودند و دَمِ درِ خانهٔ محقّرشان، به مادرش می سپردند و حتم داشتند که خواهد آمد و به این طریق شبِ خوشی را خواهند گذراند۔

باوجود این، هنوز کارِ کشنده ای بود۔ مادرش حس می کرد که روز به روز بیش تر تکیده می شود۔ خود او به این مسأله توجّهی نداشت۔ فقط در فکر این بود که تاری داشته باشد۔ و بتواند با تاری که مال خودش باشد، آن طوری که دلش می خواهد تار بزند۔ این هم به آسانی ممکن نبود۔ فقط در این اواخر، باشباش هایی که در یك عروسیِ آبرومند به او رسیده بود، توانسته بود چیزی کنار بگذارد و یك سه تارِ نو بخرد۔ و اکنون که صاحبِ تار شده بود، نمی دانست دیگر چه آرزویی دارد۔ لا بد می شد آرزو های بیش تری هم داشت۔ هنوز به این مسأله فکر نکرده بود۔ و حالا فقط در فکر این بود که زود تر خود را به جایی برساند و سه تارِ خود را درست رسیدگی کند و توی کوکش برود۔ حتّی در همان عیش و سُرودهای ساختگی، وقتی تار زیر دستش بود، و با آهنگ آن آوازی را می خواند، چنان در بی خبری فرو می رفت و چنان آسوده می شد که هرگز دلش نمی خواست تار را زمین بگذارد۔ ولی مگر ممکن بود؟ خانهٔ دیگران بود و عیش و سُرور دیگران و او فقط می بایست مجلس دیگران را گرم کند۔

الفاظ معانی:

دوسه شب: دوتین راتیں، پذیر فتن: قبول کرنا، سرشناس :معروف،موزیکال: میوزیکل، مراجعه کردن: رجوع کرنا، محقر: حقیر،ادنی، هنوز: ابھی تک،تکیده شدن: کمزور ہونا، مساله : مسئلہ،عروسی: شادی،اکنون: اب،لابد: کم سے کم،رسیدگی کردن: پڑتال کرنا،کوکش برود: سرملائے، زمین بگذارد: زمین پر رکھے،ولی: لیکن۔

ترجمہ:

پہلے سال اس نے اپنے آپ کو تھکا لیا تھا۔ اس نے ہر رات گانے گائے اور ساز بجایا تھا اور وہ ہر روز دوپہر تک سویا تھا۔

لیکن بعد میں آہستہ آہستہ اس نے اپنے کام میں ترتیب پیدا کی اور ہفتے میں دوتین راتوں سے زیادہ وہ اشخاص کی دعوت قبول نہیں کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ خود مشہور بھی ہو گیا تھا اور اب اسے ضرورت نہ تھی کہ وہ اِس میوزیکل گروپ یا اُس دوسرے گروپ کی طرف رجوع کرے۔ لوگ اسے پہچان چکے تھے اور ان کے ادنیٰ گھر کے دروازے پر اس کی ماں کے سپرد کر دیتے اور انہیں یقین تھا کہ وہ آجائے گا اور اس طریقے سے وہ خوشی کی رات گزاریں گے۔

اس کے باوجود، ابھی تک تکلیف دہ کام تھا۔ اس کی ماں احساس کرتی تھی کہ وہ روز بروز زیادہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی اپنی اس مسئلہ پر کوئی توجہ نہ

بھی تھی۔ وہ صرف اس سوچ میں تھا کہ اس کے پاس ایک سہ تار ہو۔ اور وہ اس سہ تار سے جو اس کا اپنا ہو جس طرح اس کا جی چاہے ویسے سہ تار بجائے۔ یہ آسانی سے ممکن نہ تھا۔ صرف ان آخری دنوں میں ایک پروقار شادی میں اسے جو بیلیں ہاتھ آئی تھیں ان سے وہ کچھ مقدار ایک طرف رکھ سکا اور ایک نیا سہ تار خرید سکا۔ اور اب جب وہ سہ تار کا مالک بن گیا تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ اور کیا آرزو رکھتا ہے۔ کم سے کم وہ زیادہ آرزوئیں بھی رکھ سکتا تھا۔ ابھی اس نے اس مسئلہ پر نہیں سوچا تھا۔ اور اب وہ صرف اس سوچ میں تھا کہ جلد سے جلد اپنے آپ کو کسی جگہ پہنچائے اور اپنے سہ تار کو ٹھیک سے پڑتال کرے اور اس کے سر ملائے۔ حتیٰ اس بناوٹی عیش و سرور میں، جب سہ تار اس کے ہاتھ کے نیچے تھا، اور وہ اس کے ساز کے ساتھ گانا گاتا تھا۔ ایسا بے خبری میں آگے نکل جاتا اور اس قدر آسودہ ہو جاتا کہ اس کا دل ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ وہ سہ تار کو زمین پر رکھے۔ لیکن کیا ممکن تھا؟ دوسروں کا گھر تھا اور دوسروں کا عیش اور سرور اور اسے چاہیے تھا کہ وہ صرف دوسروں کی محفل کو گرمائے۔

☆☆☆

درهمهٔ این بی خبری ها هنوز نتوانسته بود خودش را گرم کند۔ نتوانسته بود دلِ خودش را گرم کند۔

در شب هـای دراز زمستان، وقتی از این گونه مجالس، خسته و هلاك برمی گشت و راه خانهٔ خود را در تاریکی هامی جُست، احتیاج به این گرمـای درونی را چـنـان زنده و جان گرفته حس می کرد که می پنداشت شاید بی وجود آن، نتواند خود را تا به خانه هم برسانَد۔ چندین بار در این گونه مواقع وحشت کرده بود و به دنبال این گم گشتهٔ خود چه بساشب ها که تا صبح در گوشهٔ بی خانه ها به روز آورده بود۔

خیـلی ضـعیف بـود۔ در نظرِ اوّل، خیلی بیش تر به یك آدمِ تریاکی می مـاند۔ ولی شوری که امروز در او بود و گرمایی که از یك ساعـت پیش تـا کنون، از وقتی که صاحبِ سه تار شده بود، در خود حسّ می کرد، گونه هایش را گُل انداخته بود و پیشانی اش را داغ می کرد۔

بـا ایـن افـکـار خود، دَم درِ بزرگِ مسجد شاه رسیده بود و روی سنگ صافِ آستانهٔ آن پا گذاشته بود که پسرك عطر فروشی که روی سکّـوی کـنـارِ درِ مسـجد، دکّان خود را می پایید، و به انتظار مشتری تسبیح می گرداند، از پشتِ بساط خود پایین جَست و مچ دست او را گرفت۔

"لا مذهب! با این آلت کفر توی مسجد؟! توی خانهٔ خدا؟"

الفاظ معانی:

هنوز: ابھی، زمستان: سردیاں، وقتی : جب، ازاین گونه: اس طرح کی، بر گشتن: واپس لوٹنا، خانه: گھر، جستن: تلاش کرنا، حس کردن: محسوس کرنا، رساندن : پہنچانا، گم گشته: گم شدہ، بسا شب ها: بہت راتیں، تریاکی : نشئی، یك ساعت پیش: ایک گھنٹہ پہلے، گونه هایش: اس کے رخسار، دم در: دروازے پر، پاگذاشتن: پاؤں رکھنا، روی سکوی : ایک چبوترے پر، پاییدن: رکھوالی کرنا، مشتری: گاہک، تسبیح گرداندن: تسبیح گھمانا، جستن : اچھلنا، مچ دست: ہاتھ کی کلائی، لامذهب: بے دین، آلت کفر: کفر کا ساز۔

ترجمہ:

ان تمام بے خبریوں میں ابھی تک وہ اپنے آپ کو گرم نہیں کر پایا تھا۔ اپنے دل کو گرم نہیں کر سکا تھا۔

سردیوں کی لمبی راتوں میں جب وہ اس طرح کی محفلوں سے، تھکا اور مرا واپس لوٹتا اور تاریکیوں میں اپنے گھر کا راستہ تلاش کرتا، تو اس وقت وہ اس اندرونی حرارت کی ضرورت کو اس قدر زندہ اور جاندار محسوس کرتا کہ سوچتا، شاید اس کے وجود کے بغیر وہ خود کو گھر تک بھی نہ پہنچا سکے۔ کئی مرتبہ اس طرح کے موقعوں پر اس پر وحشت طاری ہوگئی تھی اور اپنی اس گم شدہ (حرارت) کے پیچھے اس نے بہت سی راتیں صبح تک شراب خانوں کے کونوں میں گزاریں تھیں۔

وہ بہت کمزور تھا۔ پہلی نظر میں وہ زیادہ تر ایک نشئی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن وہ جذبہ جو آج اس میں موجود تھا اور وہ حرارت جو ایک گھنٹہ پہلے سے اب تک، جس وقت سے وہ سہ تار کا مالک بنا تھا، اپنے آپ میں محسوس کر رہا تھا۔ اس کے رخساروں پر پھول کھل گئے تھے اور اس کی پیشانی بہت گرم ہو رہی تھی۔

اپنے ان افکار کے ساتھ، وہ مسجد شاہ کے بڑے دروازے پر پہنچ گیا تھا اور اس آستانے کے صاف پتھر پر اس نے پاؤں رکھا ہی تھا کہ ایک عطر فروش لڑکا مسجد کے دروازے کے ساتھ ایک چبوترے پر اپنی دکان کی رکھوالی کر رہا تھا، اور گاہکوں کے انتظار میں تسبیح پھیر رہا تھا، اپنی بساط کے پیچھے سے نیچے اچھلا اور اس کے ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لیا۔

"بے دین! کفر کے اس ساز کے ساتھ مسجد میں؟ اللہ کے گھر میں؟"

☆☆☆

رشتۂ افکار او گسیخته شد۔ گرمایی که تازه به دل او راه می یافت، محو شد۔ اوّل کمی گیج شد و بعد کم کم دریافت که پسرک چه می گوید۔ هنوز کسی ملتفت نشده بود۔ رفت و آمد زیاد نبود۔ همه سرگرمِ بساط خُرده ریز فروش ها بودند۔ او چیزی نگفت۔ کوششی کرد که مچ خود را رها کند و به راه خود ادامه بدهد، ولی پسرکِ عطر فروش ول کن نبود۔ مچ دست او را گرفته بود و پشت سر هم لعنت می فرستاد و داد و بی داد می کرد:

"مرتیکهٔ بی دین از خدا خجالت نمی کشی؟ أخه شرمی،..... حیایی"

او یك بار دیگر کوشش کرد که مچ دست خود را رها کند و پی کار خود برود، ولی پسرک به این آسانی ها راضی نبود و گویا می خواست تلافیِ کسادیِ بازار خود را سر او در بیاوَرَد۔ کم کم یکی دو نفر ملتفت شده بودند و دُور آن دو جمع می شدند، ولی هنوز کسی نمی دانست چه خبراست۔ هنوز کسی دخالت نمی کرد۔ او خیلی معطّل شده بود۔

پیدا بود که به زودی وقایعی رُخ خواهد داد۔ امّا سرمایی که دلِ او رامی گرفت، دوباره برطرف شد۔ گرمایی در دل خود، و بعد هم در مغز خود، حسّ کرد۔ برافروخته شد۔ عنان خود را از دست داد و با دست دیگرش سیلیِ محکمی زیر گوش پسرک نواخت۔ نفس پسرک بُرید و لعنت ها و فحش های خود را خورد۔ یك دَم سرش گیج رفت۔ مچ دست او را فراموش کرده بود و صورتِ خود را با دو دست می مالید۔ ولی یك مرتبه ملتفت شد و از جا پرید۔ او باسه تارش داشت و ارد مسجد می شد که پسرک دامنِ کتش را جسبید و مچ دستش را دوباره گرفت۔

الفاظ معانی:

رشتۂ افکار او: اس کے افکار کا تسلسل، گسیختن: ٹوٹنا، گیج شدن: چکرانا، ملتفت: متوجہ، ادامه دادن: جاری رکھنا، ول کن: چھوڑنے والا، داد و بی داد کردن: شور کرنا، مرتیکه: مردود، خجالت کشیدن: شرمندہ ہونا، کسادی بازار: بازار کا مندا ہونا، دور آن دو: ان دونوں کے گرد، پیدا بود: معلوم ہو رہا تھا، وقایعی: کوئی واقعہ، رخ دادن: نمودار ہونا، برافروختہ شدن: غصے میں آ جانا، عنان خود: اپنی لگام، اپنا اختیار، سیلی محکم: ایک زوردار تھپڑ، گوش: کان، نفس پسرک: لڑکے کا سانس، فحش ها: گالیاں، مالیدن: ملنا، پریدن: اچھلنا، کتش: اس کا کوٹ، جسبیدن: چپکنا۔

ترجمہ: اس کے افکار کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ وہ حرارت جو ابھی اس کے دل میں راستہ پا رہی تھی، محو ہوگئی۔ پہلے وہ تھوڑا سا چکرایا اور بعد میں آہستہ آہستہ اسے سمجھ آئی کہ لڑکا کہہ کیا رہا ہے۔ ابھی کوئی متوجہ نہیں ہوا تھا۔ آمد و رفت زیادہ نہ تھی۔ سب چھوٹی موٹی چیزیں بیچنے والوں کی بساط میں مگن تھے۔ اس نے کچھ نہ کہا۔ کوشش کی کہ اپنی کلائی چھڑائے اور اپنا راستہ لے، لیکن عطر فروش لڑکا چھوڑنے والا نہیں تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ کی کلائی کو پکڑ رکھا تھا اور مسلسل لعنتیں دے رہا تھا اور شور کر رہا تھا۔

"بے دین مردود، تجھے خدا سے شرم نہیں آتی؟ آخر کوئی شرم،۔۔۔۔ کوئی حیا"

اس نے ایک بار پھر کوشش کی کہ اپنے ہاتھ کی کلائی چھڑائے اور اپنا راستہ لے، لیکن لڑکا اتنی آسانی سے (چھوڑنے پر) راضی نہ تھا اور گویا وہ چاہتا تھا کہ اپنا بازار مندا ہونے کی تلافی اس کے سر پر لائے۔ آہستہ آہستہ ایک دو آدمی متوجہ ہوگئے تھے اور ان دونوں کے گرد اکٹھے ہو رہے تھے، لیکن ابھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ مسئلہ کیا ہے۔ ابھی کوئی دخالت نہیں کر رہا تھا۔ اسے بہت دیر ہوگئی تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ جلد ہی کوئی واقعہ رونما ہوگا۔ لیکن وہ سردی جو اس کے دل کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی، دوبارہ برطرف ہوگئی۔ اسے ایک حرارت اپنے دل میں اور بعد میں اپنے مغز میں بھی محسوس ہوئی۔ وہ غصے میں آ گیا۔ اس کا خود پر اختیار نہ رہا اور اس نے اپنے دوسرے ہاتھ سے زوردار تھپڑ لڑکے کے کان کے نیچے جڑ دیا۔ لڑکے کا سانس رک گیا۔ اس نے اپنی لعنتیں اور گالیاں نگل لیں اچانک اس کا سر چکرا گیا۔ وہ اس کے ہاتھ کی کلائی بھول گیا تھا اور اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے مل رہا تھا۔ لیکن اچانک وہ متوجہ ہوا اور اپنی جگہ سے اچھلا۔ وہ سہ تار کے ساتھ مسجد میں داخل ہو رہا تھا کہ لڑکا اس کے کوٹ کے دامن سے چپک گیا اور اس کے ہاتھ کی کلائی کو دوبارہ پکڑ لیا۔

دعوا در گرفته بود۔ خیلی ها دخالت کردند۔ پسرك هنوز فریاد می کرد، فحش می داد و به بی دین ها لعن می فرستاد و از اهانتی که به آستانهٔ درِ خانهٔ خدا واردآمده بود، جوش می خورد و مسلمانان را به کمك می خواست۔

هیچ کس نفهمید چه طور شد۔ خوداو هم ملتفت نشد۔ فقط وقتی که سه تار او با کاسهٔ چوبی اش به زمین خورد و با یك صدای کوتاه و طنین دار شکست و سه پاره شد و سیم هایش، درهم پیچیده ولوله شده، به کناری پرید و او مات و متحیّر در کناری ایستاد و به جمعیت نگریست،...... پسركِ عطر فروش که حتم داشت وظیفه دینی خود را خوب انجام داده است، آسوده خاطر شد۔

از تهِ دل شُکری کرد و دوباره پشتِ بساطِ خود رفت و سرو صورت خود را مرتب کرد و تسبیح به دست، مشغول ذکر گفتن شد۔

تمام افکار او، هم چون سیم های سه تارش، درهم پیچیده ولوله شده، در تهِ سرمایی که باز به دلش راه می یافت و کم کم به مغزش نیز سرایت می کرد، یخ زده بود و در گوشه ای کز کرده افتاده بود و پیالهٔ امیدش، هم چون کاسهٔ این ساز نو یافته، سه پاره شده بود و پاره های آن انگار قلبِ او را چاك می زد۔

الفاظ معانی:

دعوا: جھگڑا، خیلی ها: بہت سوں، اهانتی: جو بے حرمتی، کمك: مدد، فهمیدن: سمجھنا، چه طور: کیسے، کاسهٔ چوبی: لکڑی کا پیالہ، طنین دار: جھنجھناہٹ والی، سه پاره: تین ٹکڑے، سیم هایش: اس کی تاریں، درهم پیچیدن: آپس میں الجھنا، لوله: پائپ، وظیفه دینی: مذہبی فریضہ، باز: دوبارہ، کز کردن: دہرا ہونا، چاك زدن: ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

ترجمہ:

جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ بہت سوں نے مداخلت کی۔ لڑکا ابھی تک چیخ و پکار کر رہا تھا۔ گالیاں دے رہا تھا اور بے دینوں پر لعنت بھیج رہا تھا اور وہ بے رمتی جو اللہ کے گھر کے آستانے پر ہوئی (اس پر) غصے ہو رہا تھا اور مسلمانوں کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔

کوئی نہ سمجھا کہ کیسے ہوا۔ خود وہ بھی متوجہ نہیں ہوا۔ صرف اس وقت جب اس کا سہ تارا پنے لکڑی کے پیالے کے ساتھ زمین سے جا ٹکرایا اور ایک مختصر اور جھنجھناہٹ دار آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا اور تین ٹکڑے ہو گیا اور اس کی تاریں آپس میں اُلجھ کر پائپ بن گئی تھیں۔ وہ ایک طرف اچھلا اور حیران و پریشان ایک طرف کھڑا ہو گیا اور اس نے لوگوں کی طرف دیکھا۔۔۔۔ عطر فروش لڑکا جسے یقین تھا کہ اس نے اپنا دینی فریضہ خوب انجام دیا ہے، پرسکون ہو گیا۔

اس نے دل کی گہرائی سے شکر ادا کیا اور دوبارہ اپنی بساط کے پیچھے چلا گیا اور سر و صورت کو مرتب کیا اور ہاتھ میں تسبیح لے کر ذکر کرنے میں مشغول ہو گیا۔

اس کے تمام افکار اس کے سہ تار کے تاروں کی طرح آپس میں الجھ گئے تھے اور پائپ بن گئے تھے۔ اس سردی کی تہہ میں جو دوبارہ اس کے دل کا رخ کر رہی تھی اور آہستہ آہستہ اس کے مغز تک بھی سرائیت کر رہی تھی، وہ برف ہو گیا تھا اور ایک کونے میں دہرا ہو کر گرا ہوا تھا اور اس کی امید کا جام اس نئے ساز کے پیالے کی طرح، تین ٹکڑے ہو گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ اس کے ٹکڑے اس کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے۔

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری غزنوی اور ان کا عوامی لقب ''داتا گنج بخش'' ہے۔آپ افغانستان کے ایک شہر غزنی میں پیدا ہوئے ہجویر نامی محلہ میں مقیم رہے۔علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد راہ سلوک پر گامزن ہوئے اور سلوک وروحانیت میں کمال حاصل کیا۔اسلامی ممالک کی سیر کی اور سلطان مسعود غزنوی کے عہد حکومت (421-431 ہجری) میں لاہور تشریف لائے۔آپ نے لاہور پہنچ کر اسلام کی تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا جس کے باعث ہزاروں غیر مسلم نعمت اسلام سے بہرہ مند ہوئے۔وہ اپنے زمانے کے بہت نامور عالم دین اور عظیم صوفی تھے۔برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کے میدان میں آپ نے بہت زیادہ بے لوث خدمات انجام دیں۔اسی وجہ سے یہاں کے لوگ اب تک آپ سے نہایت عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور اس عقیدت ومحبت کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتے رہتے ہیں۔آپ 465 (1073ء) ہجری میں لاہور میں فوت ہوئے۔آپ کا مزار لاہور میں موجود ہے۔جہاں آج بھی لوگ دور دراز علاقوں سے طویل سفر کر کے عقیدت کے پھول چڑھانے آتے ہیں اور عرفان ومعرفت کے اس سرچشمے سے مستفید ہو کر لوٹتے ہیں۔

آپ فارسی زبان کے شاعر اور نثر نگار بھی تھے۔آپ نے بہت سی تصانیف تحریر کیں جن میں سے بیشتر ضائع ہوگئیں۔آپ کی اہم ترین کتاب ''کشف المحجوب'' خوش قسمتی سے آج بھی موجود ہے۔ہر عہد کے ادیبوں اور دانشوروں نے اس عظیم کتاب کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔فارسی نثر میں تصوف کے موضوع پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی قابل قدر کتاب ہے۔تصوف اور عرفان کے موضوع پر یہ کتاب ہزاروں کتابوں پر بھاری ہے۔اس کے علاوہ کشف الاسرار، منہاج الدین، کتاب الفنا والبقا اور بحرالقلوب آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔

سید علی ہجوی کے لقب ''گنج بخش'' کے بارے میں یہ روایت عام ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے یہاں لاہور میں چلہ کاٹ کر فیض حاصل کیا تو انہوں نے اظہار عقیدت کے طور پر آپ کے بارے میں یہ فارسی شعر کہا:

گنج بخش فیض عالم ، مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

(دنیا کے فیض کا خزانہ بخشنے والا، نور خدا کا مظہر، ناقصوں کا پیر کامل اور کاملوں کا رہنما)

کشف المحجوب

کشف المحجوب سید علی ہجویری کی وہ معروف کتاب ہے۔جس کے بارے میں امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اور حسن سجزی کے روحانی پیشوا اور مرشد حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مرشد مل جائے گا۔

یہ کتاب ابوالحسن جلابی ہجویری کی بہت معروف تصنیف ہے جو چوتھی صدی ہجری کے اختتام پر غزنہ میں پیدا ہوئے۔تقریباً 431 ہجری (1040ء) میں اسلام کی تبلیغ کی غرض سے لاہور آئے اور اسی شہر میں مقیم ہوگئے۔465 ہجری (1073ء) میں لاہور میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔کشف المحجوب، فارسی نثر کی تصوف کے موضوع پر معتبر ترین اور قدیم ترین کتاب ہے۔یہ کتاب انہوں نے ابوسعید ہجویری کی خواہش پر ان کے عارفانہ سوالوں کے جواب میں

440 سے 450 ہجری کے درمیان تحریر کی۔ اصول تصوف اور طریقت کے موضوع پر یہ کتاب ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ چونکہ اس کتاب میں حقیقت سے پردے اٹھائے گئے ہیں اس لیے اس کا نام ''کشف المحجوب'' رکھا گیا۔ یہ کتاب 34 ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں تصوف کی مبادیات، دوسرے حصے میں صوفیا کے احوال، تیسرے حصے میں مسائل تصوف اور اصطلاحات صوفیہ کا ذکر موجود ہے۔ دوسرے حصے میں 130 صوفیاء کرام کے حالات زندگی تحریر کیے گئے ہیں۔

کتاب کشف المحجوب کا مقدمہ شاعرانہ اور موزوں دکھائی دیتا ہے۔ انداز نگارش تقریباً سادہ ہے ماسوائے اس کے کہ حضرت ہجویری نے ہم عصر نثر نگاروں کی نسبت عربی مفردات اور ترکیبات زیادہ استعمال کی ہیں۔ جن کی شاید کتاب کے موضوع کے اعتبار سے ضرورت تھی۔ خاص طور پر وہ ترکیبات اور اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں جو صوفیوں کے درمیان رائج ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب ''موزوں نثر'' کا انمول نمونہ ہے۔ حضرت ہجویری اس کتاب میں بار بار اپنا نام لائے ہیں تا کہ اس کتاب کے متن کو سرقت سے بچایا جا سکے۔ انہوں نے یہ عظیم کتاب بڑے عالمانہ انداز میں تحریر کی ہے۔ ہر موضوع سے پہلے قرآنی آیات، احادیث نبوی اور بزرگوں کے اقوال تحریر کیے ہیں اور ہر مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ جس مسئلہ میں اختلافی پہلو سامنے آیا ہے اس پر انہوں نے کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔ کتاب کی تحریر کو دلچسپ بنانے کے لیے جا بجا عربی زبان کے شعر تحریر کیے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے ہر موضوع کا باریک بینی سے مطالعہ کیا ہے۔ منطقیانہ استدلال سے دوسروں کے عقائد اور آرا پر تنقید کی ہے۔ کتاب کے آخر میں صوفیا کرام کا مختصر ذکر ہے اور اس کے بعد تصوف کے مختلف گروہوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ مثلاً محاسبیہ، قصاریہ، طیفوریہ، جنیدیہ، توریہ، حکیمیہ، خرازیہ، خفیفیہ اور سیاریہ وغیرہ۔ کتاب کا طرز تحریر آسان، نہایت سادہ اور قابل ستائش ہے۔

(B) Sub- continent`s Prose

برصغیر کی نثر

(a) Kashf-ul-Mahjub

کشف المحجوب

باب اثبات العلم

قوله۔ تعالیٰ۔ فی صفة العلماء: "انّما یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبٰادِہِ الْعُلَمٰوا (۲۸/فاطر)"
وپیغمبر گفت، ﷺ : "طَلَبُ الْعِلْمِ فریضَةٌ عَلیٰ کُلّ مسلمٍ" ونیز گفت، علیه السّلام: "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بالصّین۔"
وبدان که علم بسیار است و عمر کوتاه، و آموختن جملهٔ علوم بر مردم فریضه نه، چون علم نجوم و طبّ و علم حساب و صنعتهای بدیع و آنچه بدین ماند، بجز از این هر یك بدان مقدار که به شریعت تعلق دارد: نجوم مر شناخت وقت را اندر شب، وطبّ مر احتمارا، و حساب مر فرایض و مدّت عِدّت را، و آنچه بدین ماند پس فرایضِ علم چندان است که عمل بدان درست آید۔ و خدای۔ عزّوجلّ۔ ذمّ کرد آنان راکه علوم بی منفعت آموزند، لقوله، تعالی: "وَیَتَعَلَّمُونَ مٰا یَضُرُّھُم ولا یَنْفَعُھُم (۱۰۲/البقرہ)" ورسول ۔ علیه السلام۔ زینهار خواست و گفت: "اعوذُ بِكَ من علمٍ لا یَنْفَعُ"
پس بدان که از علمِ اندك عمل بسیار توان گرفت، و باید که علم مقرون عمل باشد، کما قال، ﷺ: "المُتَعَبِّدُ بلا فقهٍ کَالْحِمارِ فی الطّاحونة" متعبّدان بی فقه را به خر خراس ماننده کرد که هر چند می گردد بر پی نخستین باشدوهیچ راهشان رفته نشود۔

الفاظ معانی:

بدان: جان لو، بسیار: بہت، کوتاہ :چھوٹی، آموختن: سیکھنا، جملہ: تمام، صنعتها: ہنر (جمع)، بدیع : نئے، احتماء: پرہیز، چندان: اس قدر، ذم کردن: مذمت کرنا، زینهار خواستن: امان چاہنا، اندك :کم، تھوڑا، مقرون: مربوط، متعبدان: عبادت کرنے والے، خراس: گدھے سے چلنے والی چکی۔

ترجمہ:

علم کے اثبات کے بارے میں

علم جاننے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انّما یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبٰادِہِ الْعُلَمٰوا (فاطر:28)
(بس ڈرتے ہیں اللہ سے تو اس کے وہ بندے جو اللہ کی ذات وصفات کا علم رکھتے ہیں)
اور پیغمبر ﷺ نے فرمایا: طَلَبُ الْعِلْمِ فریضَةٌ عَلٰی کُلّ مسلمٍ (علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے) اور حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا: اُطْلُبُوا العِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْن (علم حاصل کرو اگر چہ چین سے حاصل ہو)

اور جان لو کہ علم بہت ہیں اور عمر مختصر اور تمام علوم کا سیکھنا لوگوں پر فرض نہیں، جیسے علم نجوم، علم حساب اور نئے ہنر اور وہ جو کچھ ان جیسے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ان میں سے ہر ایک کی اتنی مقدار (سیکھی جائے) کہ جو شریعت سے تعلق رکھتی ہے: (علم) نجوم رات کے اندر وقت جاننے کے لیے اور (علم) طب (نقصان دہ چیزوں سے) پرہیز کے لیے اور علم حساب فرائض (کی ادائیگی) اور عدت کی مدت (جاننے) کے لیے اور وہ جو کچھ ان جیسا ہے۔ پس علم کے فرائض اتنے ہیں کہ ان سے عمل درست ہو جائے اور اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ان کی جو بے سود علم سیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ویتعلمون مایضرهم ولا ینفعهم (البقرہ:102) اور سیکھتے تھے یہ لوگ ایسی چیزیں جو نقصان تو پہنچائیں انہیں لیکن نفع بالکل نہ دیں۔ اور رسول ﷺ نے (اللہ تعالیٰ کی) امان چاہی اور فرمایا: اعوذبك من علم لاینفع (میں پناہ چاہتا ہوں (اللہ کی) بے منفعت علم سے)

پس جان لو کہ تھوڑے علم سے زیادہ عمل کیا جا سکتا ہے اور علم عمل سے مربوط ہونا چاہیے (جیسے) حضور ﷺ نے فرمایا "المتعبد بلا فقه کالحمار فی الطاحونة" فقہ کے بغیر عبادت کرنے والوں کو خراس (گدھے سے چلنے والی چکی) کے گدھے کی طرح سمجھنا چاہیے کہ وہ جتنا بھی گھومتا ہے اپنی پہلی جگہ پر رہتا ہے اور اس کا کوئی راستہ طے نہیں ہوتا۔

☆☆☆

و از عوامّ گروهی دیدم که علم را بر عمل فضل نهادند، و گروهی عمل را بر علم و این هر دو باطل است، از آن که عمل بی علم عمل نباشد۔ عمل آنگاه عمل گردد که موصول علم باشد۔ تا بنده بدان مر ثواب حقّ را متوجه گردد۔ چون نماز که تا نخست علم ارکان طهارت و شناخت آب و معرفت قبله و کیفیت نیّت و ارکان نماز نبود، نماز، نماز نبود۔ پس چون عمل به عین علم عمل گردد، چگونه جاهل آن را از این جدا گوید؟ و آنان که علم را بر عمل فضل نهادند هم محال باشد، که علم بی عمل علم نباشد، از آن که آموختن و یاد داشتن و یاد گرفتن وی جملهٔ عمل باشد از آن است که بنده بدان مُثاب است و اگر علمِ عالم به فعل و کسب وی نبودی، وی را بدان هیچ ثواب نبودی۔

و این سخن دو گروه است: یکی آنان که نسبت به علم کنند مر جاه خلق را و طاقت معاملت آن ندارند و به تحقیق علم نرسیده باشند، عمل را از آن جدا کنند؛ که نه علم دانند نه عمل، تا جاهلی گوید: "قال نباید، جال باید"، و دیگری گوید: "علم باید عمل نباید"۔

الفاظ معانی:

دیدم: میں نے دیکھا، علم را: علم کو، بر عمل: عمل پر، فضل: فضیلت، نهادن: رکھنا، آنگاه: اس وقت، موصول: پیوند شدہ، حق: اللہ تعالیٰ، چون: جب، نخست: پہلا، چگونه: کس طرح، آموختن: پڑھنا، جمله: سب، مثاب: اجر و پاداش، هیچ: کوئی، سخون: بات، امر: جال: عزم، معرفت: علم، یادداشتن: یاد کرنا۔

ترجمہ:

میں نے عوام میں ایک گروہ دیکھا کہ اس نے علم کو عمل پر فضیلت دی، اور ایک گروہ نے عمل کو علم پر اور یہ دونوں باطل ہیں۔ اس لیے کہ علم کے بغیر عمل، عمل نہیں ہوتا۔ عمل اس وقت عمل بنتا ہے جب علم کا پیوند لگا ہو۔ تا کہ بندہ اس سے حق تعالیٰ کے ثواب کی طرف متوجہ ہو۔ جب تک پہلے طہارت کے ارکان اور پانی کی شناخت کا علم، قبلہ کی معرفت، نیت کی کیفیت اور ارکان نماز کا علم نہ ہو، نماز، نماز نہیں ہوتی۔ پس جب عمل علم کے عین مطابق عمل بنتا ہے تو کس

طرح جاہل اسے اس سے جدا کہتا ہے؟ اور وہ جنہوں نے علم کو عمل پر فضیلت دی وہ بھی محال ہے، کیونکہ علم، عمل کے بغیر علم نہیں ہوتا، اس لیے کہ (علم) پڑھنا، یاد کرنا اور اس کا سیکھنا سب عمل ہیں۔ اس لیے بندے کو اس کا اجر ملتا ہے اور اگر عالم کا علم اس کے فعل اور حاصل کرنے سے تعلق نہ رکھتا تو اس کو اس کا کوئی ثواب نہ ہوتا۔

اور یہ دو گروہوں کی بات ہے: ایک وہ (لوگ) جو مخلوق کے رتبے کو علم سے نسبت دیتے ہیں اور (اس سے) معاملہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور علم کی تحقیق تک نہیں پہنچے ہوتے، عمل کو اس سے جدا کرتے ہیں، کہ وہ نہ علم جانتے ہیں (اور) نہ عمل، یہاں تک کہ ایک جاہل کہتا ہے: ''بات نہیں عزم ہونا چاہیے'' اور ایک اور کہتا ہے۔ ''علم ہونا چاہیے، عمل نہیں ہونا چاہیے۔''

☆☆☆

و از ابراهیم ادهم رحمته الله علیه- می آید که: سنگی دیدم بر راه افکنده، و بر آن سنگ نبشته که: ''مرا بگردان و بخوان'' گفتا: بگردانیدمش بر آن نبشته بود که: ''أنتَ لا تعمَلُ بما تعلَمُ، كيفَ تَطْلُبُ ما لا تعلَمُ۔'' تو به علم خود عمل می نیاری، محال باشد که نادانسته طلب کنی۔'' یعنی کار بندِ آن باش که دانی تا به برکات آن نادانسته نیز بدانی۔

و انس بن مالك گوید، رضی الله عنه: ''هِمَّةُ العلماءِ الدّرايةُ و هِمَّةُ السُّفهاءِ الرّوايةُ'' از آنچه اخوات جهل از علما مَنفیّ باشد۔ آن که از علم، جاه و عزّ دنیا طلبد نه عالِم بود؛ زیرا که طلب جاه و عِز از اخوات جهل بود ۔ وهیچ درجه نیست اندر مرتبهٔ علم؛ که چون آن نباشد هیچ لطیفهٔ خداوند را تعالی نشناسد، و چون آن موجود باشد همه مقامات و شواهد و مراتب را سزا وار باشد۔

الفاظ معانی:

سنگی: ایک پتھر، افکندہ: گرا ہوا، نبشتن: لکھنا، بگردان: الٹا، بخوان: پڑھ، نادانستہ: جس کا علم نہ ہو، زیرا کہ: کیونکہ، سزاوار: مستحق، اخوات: بہنیں یعنی رشتہ دار۔

ترجمہ:

اور ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ سے روایت بیان کی جاتی ہے کہ: میں نے ایک پتھر دیکھا راستے میں گرا ہوا، اور اس پتھر پر لکھا تھا کہ ''مجھے الٹا اور پڑھ'' انہوں نے کہا: میں نے اسے پلٹا اس پر لکھا تھا کہ: انت لا تعمل بما تعلم کیف تطلب مالا تعلم ''تو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، محال ہے کہ جس کا تجھے علم نہیں تو اسے طلب کرے۔'' یعنی اس پر کار بند رہ جو تو جانتا ہے تا کہ اس کی برکات سے تو وہ بھی جان لے جو تو نہیں جانتا ہے۔ اور انس بن مالک فرماتے ہیں۔ همة العلماء الدراية و همة السفهاء الرواية (علماء کی معلومات کا خزانہ علم ہے اور جہلا کے علم کا خزانہ محض روایات کا نقل کر دینا) چنانچہ جہالت سے رشتہ قائم کرنے والوں کا شمار علماء میں نہیں ہوتا۔ وہ جو علم سے دنیا کا رتبہ اور عزت طلب کرے عالم نہیں ہوتا، کیونکہ رتبہ اور عزت کی طلب کا شمار جہالت سے رشتہ قائم کرنے میں ہوتا ہے۔ علم کے رتبوں میں کوئی درجہ نہیں جو اس کی طرح نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے کسی باریک نکتے کو نہ پہچانے اور جب یہ موجود نہ ہو تو وہ تمام مقامات، شواہد اور رتبوں کا مستحق نہیں ہوتا۔

☆☆☆

فصل

بدان که علم دو است: یکی علم خداوند- تعالی- و دیگر علم خلق و علم بنده اندر جنب علم خداوند- تعالیٰ- متلاشی بود؛

زیرا که علم وی صفتِ وی است و بدو قایم، و اوصاف وی را نهایت نیست؛ و علم ما صفت ماست و به ماقایم، و اوصاف ما متناهی باشد؛ لقوله، تعالی: "وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلاً (۸۵/الا سراء)" و درجمله علم از صفات مدح است و حدّش احاطةُ المعلوم و تبيّنُ المعلوم، و نیکوترینِ حدود وی این است که: "العلمُ صفةٌ يصيرُ الحيُّ بها عالماً" و خدای- عزّوجلّ- گفت: "واللهُ محيطٌ بِالكافِرِينَ (۱۹/البقرہ)، و نیز گفت: واللّٰهُ بكلِّ شيءٍ عليمٌ (۲۸۲/البقرہ)" وعلم او یك علم است که بدان همی داند جملهٔ موجودات و معدومات را، و خلق را با وی مشارکت نیست، و متجزّی نیست، و از وی جدا نیست و دلیل بر علمش ترتیب فعلش؛ که فعلِ محکم، علمِ فاعل اقتضا کند- پس علم وی به اسرار لا حق است و به أظهار محیط- طالب را باید که اعمال اندر مشاهدهٔ وی کند؛ چنانکه داند که او بدو و به افعال او بیناست-

الفاظ معانی:

خلق: مخلوق، صفت وی: اس کی صفت، متناهی: محدود، معدومات: غیر موجودات، مشارکت: شرکت، متجزی: کوئی جز، اقتضا: تقاضا، بیناست: دیکھ رہا ہے۔

ترجمہ:

جان لو کہ علم دو ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کا علم اور دوسرا مخلوق کا علم اور بندے کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کی جانب متلاشی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا علم اس کی صفت ہے اور اس سے قائم ہے اور اس کے اوصاف کی کوئی حد نہیں ہے اور ہمارا علم ہماری صفت ہے اور ہم سے قائم ہے اور ہمارے اوصاف محدود ہیں جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما اوتیتھم من العلم الا قلیلا (بنی اسرائیل:85) (اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر تھوڑا) اور سب علوم مدح کی صفات سے ہیں اور اس کی حد معلومات کا احاطہ کرنا اور معلوم کا واضح طور پر بیان کرنا ہے اور اس کی سب سے اچھی تعریف یہ ہے کہ "العلم صفة يصير الحی بھا عالماً" (علم ایک ایسی صفت ہے جس سے جاہل عالم ہو جاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "والله محيط بالكافرين (البقرہ:19) (اور اللہ ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہے ان منکرین حق کو) اور یہ بھی فرمایا: والله بكل شيءٍ عليمٌ (البقرہ:282) (اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے) اور اس (اللہ تعالیٰ) کا علم ایک ایسا علم ہے کہ جس سے وہ تمام موجودات اور غیر موجودات کو جانتا ہے اور مخلوق کی اس کے ساتھ شرکت نہیں اور کوئی جز اس کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ اور (یہ علم) اس سے جدا نہیں ہے۔ اور اس کے علم کی دلیل اس کے فعل کی ترتیب ہے کیونکہ محکم فعل فاعل کے علم کا تقاضا کرتا ہے۔ پس اس کا علم پوشیدہ (چیزوں) پر رسائی رکھتا ہے اور ظاہر پر محیط ہے۔ طالب (حق تعالیٰ کے طالب) کو چاہیے کہ وہ اعمال میں اس کا مشاہدہ کرے۔ جیسا کہ جان لے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) اس کو اور اس کے افعال کو دیکھنے والا ہے۔

☆☆☆

همی آید که اندر بصره رئیسی بود، به باغی از آنِ خود رفته بود- چشمش به جمال زن برزگر افتاد، مرد را به شغلی بفرستاد و زن را گفت: "درها دربند-" گفتا: "همه درها بستم، الّا یك در؛ که آن نمی توانم در بست-" گفت: "کدام در است آن؟" گفت: "آن در که میان ما و میان خداوند است، جلّ جلاله" مرد پشیمان شد و استغفار کرد-

حاتم الاصمّ گفت، رضی الله عنه: "چهار علم اختیار کردم، از همه عالم برستم" گفتند: "کدام است آن؟" گفت: "یکی ان که بدانستم خدای را- تعالی- برمن حقّی است که جز من نتواند گزارد کسی آن را، به ادای آن مشغول گشتم- دُیُم آن که بدانستم که مرا رزقی است مقسوم که به حرص من زیادت نشود، از طلب زیادتی بر آسودم- سیم آن که بدانستم که مرا طالبی است- یعنی

سر گیـ۔ که از وی نتوانم گریخت، او رابسا ختم۔ چهارم آن که بدانستم که مرا خدای است۔ جلّ جلالہ۔ مطلع برمن، ازوی شرم داشتم و ناکردنی را دست بداشتم؛ که چون بنده عالم بود که خداوند۔ تعالی۔ بدو ناظر است چیزی نکند که به قیامت شرم دارد۔"

الفاظ معانی:

همی آید: روایت ہے، چشمش: اس کی آنکھیں، برزگر :کسان، مالی، فرستادن: بھیجنا، درھا: دروازے، دربند: بند کردے، کدام: کونسا، برستم: میں آزاد ہوگیا، دیم: دوسرا، سیم: تیسرا، گریختن :فرار کرنا، مطلع: باخبر، دست بداشتن: ہاتھ کھینچ لینا، باز آجانا۔

ترجمہ:

روایت ہے کہ بصرہ میں ایک رئیس تھا وہ ایک باغ میں گیا جو اس کی ملکیت تھا۔ اس کی نظریں مالی کی بیوی کی خوبصورتی پر پڑیں، آدمی کو کسی کام سے بھیجا اور عورت سے کہا: ''دروازے بند کردو۔'' اس نے کہا: ''میں نے سب دروازے بند کردیئے سوائے ایک دروازے کے جسے میں بند نہیں کرسکتی۔'' اس نے کہا: ''وہ کون سا دروازہ ہے؟'' اس نے کہا: ''وہ دروازہ جو ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔'' مرد پشیمان ہوا اور اس نے توبہ کی۔

حاتم الاصمؒ نے فرمایا: ''میں نے چار علم اختیار کیے، (اور) تمام عالم سے رہائی پالی'' انہوں نے کہا: ''وہ کون سے ہیں؟'' فرمایا: ''ایک یہ کہ میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر ایک حق ہے جو میرے سوا کوئی ادا نہیں کرسکتا۔ میں اس کی ادائیگی میں مشغول ہوگیا۔ دوسرا یہ کہ میں نے جان لیا کہ میرا ایک رزق ہے مقرر جو میرے حرص (کرنے) سے زیادہ نہیں ہوگا، میں زیادہ طلب کرنے سے آسودہ ہوگیا۔ تیسرا یہ کہ میری ایک طالب ہے یعنی موت، کہ جس سے میں فرار نہیں کرسکتا، میں نے اس سے سازگاری اختیار کرلی۔ چوتھا یہ کہ میں نے جان لیا کہ میرا ایک خدا ہے، جل جلالہ۔ جو مجھ سے باخبر ہے۔ میں نے اس سے شرم کی اور نہ کرنے والے کاموں سے ہاتھ کھینچ لیا کیونکہ بندے کو علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے تو وہ کوئی ایسا کام نہ کرے کہ قیامت کو شرمندہ ہو۔''

☆☆☆

فصل

امّا علم بنده باید که در امور خداوند۔ تعالیٰ۔ باشد و معرفت وی، و فریضه بر بنده علم وقت باشد و آنچه بر موجب وقت به کار آید ظاهر و باطن۔ و این به دو قسم است: یکی اُصول، و دیگر فروع۔ ظاهر اصول قولِ شهادت و باطنش تحقیق معرفت، و ظاهر فروع برزشِ معاملت و باطن تصحیح نیّت و قیام هر یك از این بی دیگر محال باشد۔ ظاهر حقیقت بی باطن نفاق، و باطن حقیقت بی ظاهر زندقه۔ ظاهر شریعت بی باطن نَقَس، باطن بی ظاهر هوس۔

پس علم حقیقت را سه رکن است: یکی علم به ذات خداوند۔ عزّوجلّ۔ و وحدانیّت وی و نفی تشبیه از ذات پاك وی۔ جلّ جلالہ۔ و دیگر علم به صفات وی و احکام آن، و سدیگر علم به افعال و حکمت وی۔

الفاظ معانی:

معرفت: علم، برزش: عمل، معاملت :معاملات، نفاق: منافقت، زندقہ: دوخدائیت۔

ترجمہ:

لیکن بندے کا علم اللہ تعالیٰ کے امور اور اس کی معرفت کے بارے میں ہونا چاہیے، اور بندے پر فرض وقت کا علم ہے اور جو کچھ وقت کے باعث کام آئے ظاہر اور باطن۔ اور یہ دو قسم کا ہے: ایک اصول اور دوسرا فروع۔ اصول کا ظاہر کلمہ شہادت پڑھنا ہے اور اس کا باطن معرفت کی تحقیق ہے اور فروع کا ظاہر

معاملات کا عمل ہے اور باطن نیت کا صحیح رکھنا ہے۔ اوران میں سے ہر ایک کا قیام دوسرے کے بغیر محال ہے۔ حقیقت کا ظاہر باطن کے بغیر منافقت ہے اور حقیقت کا باطن ظاہر کے بغیر زندقہ ہے۔ شریعت کا ظاہر باطن کے بغیر نفس (اور) ظاہر کے بغیر باطن ہوس ہے۔

پس علم حقیقت کے تین ارکان ہیں: ایک اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت کا علم اور ذات پاک کی تشبیہ کی نفی اور دوسرا اس کی صفات اور احکامات کا علم اور تیسرا اس کے افعال اور حکمت کا علم۔

٭٭٭

وعلم شریعت راسه رکن است: یکی کتاب، و دیگر سنت، وسیم اجماع امّت و دلیل بر علم به اثبات ذات و صفات پاك و افعال خدای- تعالی- قوله، تعالیٰ: "فَاعْلَمْ اَنَّه لا اله اِلّا الله (١٩/محمد)"، ونیز گفت: "فَاعْلَموا اَنَّ اللّٰه مَوْلٰیکم (٤٠/الأنفال)" و نیز گفت: "اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ کَیْفَ مَدَّالظِّلّ (٤٥/الفرقان) ونیز گفت: "اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَت (١٧/الغاشیه)" ومانند این آیات بسیار است که جمله دلایل اند بر نظر کردن اندر افعال وی- تعالیٰ و تقدّس- تا بدان افعال، فاعل رابه صفات وی بشناسند۔

و پیغمبر گفت، ﷺ: "مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ- تعالی- رَبُّه واَنّی نبیُّه حَرَّمَ اللّٰهُ تعالی- لَحْمَه و دمَهُ عَلَی النّار۔"

امّا شرط علم به ذات خداوند- تعالی- آن است که وی بداند که خداوند- تعالی- موجود است اندر قِدَم ذات خود، و بی حدّو بی حدود است، و اندر مکان وجهت نیست، و ذاتش موجب آفت نیست- از خَلقش کسی مانند نیست- وی را زن و فرزند نیست- هرچه اندر و هم صورت گیرد و اندر خرد اندازه بندد، وی- جلّ جلالُه- آفریدگار آن است و دارنده و پروردگار آن؛ لقوله، تعالیٰ: "لیسَ کَمِثْلِه شَیءٌ وهُوَ السَّمیعُ البَصیرُ (١١/الشوری)۔"

الفاظ معانی:

سیم: تیسرا، بسیار: بہت، جملہ: سب، بداند: وہ جانے، قدم: قدیم ہونا، مکان: جگہ، جہت: سمت، زن: بیوی، فرزند: اولاد، خرد: عقل، آفرید گار: خالق، حدود: حد کی جمع۔

ترجمہ:

اور علم شریعت کے تین رکن ہیں: ایک کتاب، دوسرا سنت اور تیسرا اجماع امت اور اثبات وجود باری تعالیٰ اور علم صفات و افعال پر اللہ تعالیٰ کا فرمان واضح دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فاعلم انہ لا الہ الا اللہ (محمد:19) (پس خوب جان لو کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے) اور یہ بھی فرمایا: فاعلموان اللہ مولیکم (الانفال:40) (تو جان رکھو کہ بے شک اللہ تمہارا سرپرست ہے) اور یہ بھی فرمایا: الم تر الی ربك کیف مدالظل (الفرقان:45) (کیا نہیں دیکھا تم نے کہ تمہارا رب کس طرح گھٹاتا اور بڑھاتا ہے سائے کو) اور یہ بھی فرمایا: افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت (الغاشیہ:17) (تو کیا نہیں دیکھتے یہ، اونٹ کو کیسا پیدا کیا گیا) اور اس طرح کی آیات بہت ہیں جو سب اللہ پاک کے افعال کو دیکھنے کی دلالت کرتی ہیں تا کہ ان افعال سے فاعل کو اس کی صفات سے پہچانیں۔ اور پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: "من علم ان اللہ- تعالیٰ- ربہ وانی نبیہ حرم اللہ تعالیٰ- لحمہ و دمہ علی النار" (جس نے دل سے جان لیا کہ بے شک اللہ اس کا رب ہے اور میں اس کا نبی ہوں اس کے لحم و دم کو اللہ تعالیٰ نے جہنم پر حرام فرمایا)

لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے علم کی شرط یہ ہے کہ وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے قدیم ہونے کے ساتھ موجود ہے اور وہ بے حد اور بے حدود ہے اور وہ کسی جگہ اور سمت تک محدود نہیں ہے اور اس کی ذات آفت کا باعث نہیں۔ اس کی مخلوق میں کوئی اس جیسا نہیں اس کی نہ بیوی ہے اور نہ اولاد۔ جو کچھ وہم تصور کرے اور عقل سوچے وہ جل جلال اس کا بھی پیدا کرنے والا ہے اور اس کا رکھنے والا اور پروردگار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیس کمثلہ شیٔ وھو

السمیع البصیر (الشوری:11)(نہیں ہے اس سے مشابہ کوئی چیز اور وہ ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا)

☆☆☆

واما علم به صفات وی آن است که بدانی که صفات وی۔ تعالیٰ۔ بدو موجود است که آن نه وی است و نه جزوی، بدو قایم است و اوبه خود قایم و دایم، چون علم و قدرت و حیات و ارادت وسمع و بصر و کلام و بقا؛ لقوله، تعالی: "إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (۴۳/الأنفال)"، و نیز گفت: "وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۲۸۴/البقرہ)"، ونیز گفت: "هو الحيُّ لا اِلٰهَ اِلّا هو (۶۵/المؤمن)" و نیز گفت: "وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (۱۱/الشوری)"، و نیز گفت: "فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ (۱۰۷/هود)" و نیز گفت: "قَوْلُهُ الْحَقُّ (۷۳/الأنعام)"۔

امّا علم به اثبات افعال وی آن است که بدانی که وی۔ تعالی و تقدّس۔ آفریدگار خلقان است و خالق افعال ایشان است، و عالم نبوده، هست به فعل وی شده است، مقدّر خیر و شر است، خالق نفع و ضرّاست؛ لقوله، تعالی: "والله خالقُ كلِّ شيءٍ (۶۲/الزمر)۔"

و دلیل بر اثبات احکام شریعت آن است که بدانی که از خداوند۔ تعالیٰ۔ به ما رسولان آمدند با معجزهای ناقض عادت، رسول ما، محمّد مصطفی۔ ﷺ۔ حقّ است و وی را معجزات بسیار است، و آنچه مارا خبر داده است از غیب و عین، جمله حقّ است، و رکن اوّل از شریعت کتاب است؛ لقوله، تعالی: "منه آياتٌ محكماتٌ (۷/آل عمران)"، و دیگر سنّت است؛ لقوله، تعالیٰ: "وما آتاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (۷/الحشر)"، و سدیگر اجماع امّت است؛ لقوله، علیه السلام: "لا يجتمعُ اُمّتي عَلَى الضَّلالَةِ عليكمْ بِالسَّوادِ الاعظمِ۔" و در جمله احکام شریعت بسیار است، و اگر کسی خواهد تا جمله راجمع کند نتواند؛ از آن که لطایف خداوند۔ تعالیٰ۔ رانهایت نیست۔

الفاظ معانی:

بدو: اس سے، ارادت: ارادہ، سمع :سماعت، بصر: بینائی، مقدر: تقدیر، خالق، ناقص عادت: غیر عادی، بسیار: بہت، آنچہ: جو کچھ، غیب: چھپی ہوئی، عین: آنکھ، ظاہر، جملہ را: سب کو، لطایف: باریک نکتے۔

ترجمہ:

اور لیکن اس (اللہ تعالیٰ) کی صفات کا علم یہ ہے کہ تو جانے کہ اس رب کی صفات اس سے موجود ہیں کیونکہ وہ (صفات) نہ خود وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) ہیں اور نہ ہی اس کا کوئی جز ہیں اور وہ (اللہ تعالیٰ) خود سے قائم اور دائم ہے، جیسے علم، قدرت، حیات، ارادہ، سماعت، بینائی، کلام اور بقا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہ علیم بذات الصدور (الانفال:43) (بے شک وہ پوری طرح باخبر ہیں سینوں کے حال سے) اور یہ بھی فرمایا: واللہ علی کل شیء قدیر (البقرہ:284) (اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے) اور یہ بھی فرمایا: ھوا الحی لا الہ الا ھو: (المومن:65) (وہی زندہ جاوید ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے) اور یہ بھی فرمایا: فعال لما یرید (ھود:107) (بے شک تیرا رب کر ڈالتا ہے جو وہ چاہے) اور مزید فرمایا: قولہ الحق (الانعام:73) (اس کا ارشاد برحق ہے)

لیکن اس کے افعال کے اثبات کا علم یہ ہے کہ تو جانے کہ وہ۔ رب تعالیٰ۔ مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اور ان کے افعال کا خالق ہے اور عالم نیستی اس کے فعل سے عالم ہستی ہوئی ہے۔ وہ خیر اور شر کا خالق ہے، نفع اور نقصان کا خالق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ خالق کل شیء (الزمر:62) (اللہ ہی خالق ہے ہر چیز کا)۔

اور احکام شریعت کے اثبات کی دلیل یہ ہے کہ تو جانے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر رسول آئے غیر عادی معجزوں کے ساتھ، ہمارے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ برحق ہیں اور ان کے بہت سے معجزے ہیں۔ انہوں نے پوشیدہ اور ظاہر کے بارے میں ہمیں جو خبر دی ہے وہ سب برحق ہے۔ شریعت کا پہلا رکن

کتاب (قرآن) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: منه آیات محکمات (آل عمران:7) (اس میں آیات محکمات بھی ہیں) اور دوسرا (رکن) سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وما اتیکم الرسول فخذوه وما نهیکم عنه فانتهوا (الحشر:7) (اور جو کچھ دے تمہیں رسول سو واسے لے لو اور جس سے روک دے تم کو رسول پس رک جاؤ) اور تیسرا (رکن) اجماع اُمت ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لا یجتمع امتی علی الضلالة علیکم بالسواد الاعظم (میری اُمت گمراہی پر کبھی جمع نہ ہوگی تم بڑی جماعت کو لازم پکڑے رہو) اور تمام احکام شریعت بہت ہیں، اور اگر کوئی سب کو اکٹھا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے باریک نکتوں کی کوئی انتہا نہیں۔

فصل

بدان که گروهی اند از ملاحده۔ لعنهم الله۔ که مرا یشان را سوفسطائیان خوانند و مذهب ایشان آن است که: "به هیچ چیز علم درست ناید و علم خود نیست۔" با ایشان گوییم که: "این دانش که می دانید که به هیچ چیز علم درست نیاید، درست هست یانی؟" اگر گویند: "هست"، علم اثبات کردند و اگر گویند: "نیست"، پس چیزی که درست نیاید، آن را معارضه کردن محال باشد، و با آن کس سخن گفتن از خرد نبود۔

و گروهی از ملاحده که تعلّق بدین طریق دارند، همین گویند که: "علم ما به هیچ چیز درست نیاید۔ پس ترک علم، ما را تمام تر از اثبات آن باشد۔" و این از حُمق و ضلالت و جهالت ایشان بود؛ که ترک علم از دو بیرون نباشد: یا به علمی بود یا به جهلی، پس علم مر علم را نفی نکند و ضدّ نیاید، و به علم ترک علم محال باشد، ماند اینجا جهل، و چون درست شد که نفی علم جهل باشد و ترک آن به جهل بود و جاهل مذموم باشد و جهل قرینهٔ کفر، باطل باشد که حقّ را به جهل تعلّق بود۔ و این خلاف جملهٔ مشایخ است و چون این قول را مردمان بشنیدند و بر این ارتکاب کردند، گفتند که مذهب جملهٔ اهل تصوّف این است و روششان چنین؛ تا اعتقاد ایشان مشوّش شد، و از تمیز کردن حقّ از باطل باز ماندند۔

الفاظ معانی:

ملاحده: ملحد (جمع)، هیچ چیز: کوئی چیز، اثبات کردن: ثابت کرنا، هست: ہے، نیست: نہیں ہے، معارضه کردن: بحث کرنا، خرد: عقل، حمق: حماقت، ضلالت: گمراہی، مذموم: قابل مذمت، قرینه کفر: کفر کی علامت، شنیدن: سننا، روششان: ان کا طریقہ، مشوش شدن: نامرتب ہونا۔

ترجمہ:

جان لو کہ ملاحدوں میں سے ایک گروہ ایسا ہے، اللہ کی ان پر لعنت ہو۔ کہ انہیں سوفسطائی کہتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ "کسی چیز پر علم صحیح ثابت نہیں ہوتا اور علم خود نہیں ہے (یعنی وجود نہیں رکھتا)۔" ہم ان سے کہتے ہیں کہ "یہ علم کہ جو آپ جانتے ہیں کہ کسی چیز پر علم صحیح ثابت نہیں ہوتا، صحیح ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ: (صحیح) "ہے" تو پھر انہوں نے علم کو ثابت کیا اور اگر وہ کہیں (صحیح) "نہیں ہے" تو پھر وہ چیز جو صحیح نہ ہو۔

اس پر بحث کرنا محال ہوتا ہے اور اس شخص سے بات کرنا عقلمندی نہیں ہوتی۔

اور ملاحدوں میں سے ایک گروہ جو اس راستے سے تعلق رکھتا ہے، یہی کہتا ہے کہ "ہمارا علم کسی چیز کے ساتھ صحیح ثابت نہیں ہوتا۔ پس ترک علم، ہمارے لیے اس کے اثبات سے مکمل طور پر بہتر ہے۔" اور یہ ان کی حماقت، گمراہی اور جہالت سے ہے، کیونکہ ترک علم دو حالتوں سے باہر نہیں ہوتا: یا کسی علم پر ہوتا ہے یا کسی جہالت پر، پس علم، علم کی نفی نہیں کرتا اور مخالفت میں نہیں آتا اور علم پر ترک علم محال ہے۔ باقی یہاں جہالت رہ جاتی ہے، اور جب ثابت ہوگیا کہ علم کی نفی

جہالت ہوتی ہے اور اس (علم) کا ترک کرنا جہالت کی وجہ سے ہوتا اور جاہل قابل مذمت ہوتا ہے اور جہالت کفر کی علامت ہوتی ہے۔ باطل ہے (یہ امر) کہ حق کا جہالت کے ساتھ تعلق ہو۔ اور یہ تمام مشائخ کے خلاف ہے اور جب اس بات کو لوگوں نے سنا اور انہوں نے اس کا ارتکاب کیا انہوں نے کہا کہ سب اہل تصوف کا عقیدہ یہ ہے اور ان کا طریقہ یہی ہے یہاں تک کہ ان کا اعتقاد نا مرتب ہو گیا اور وہ حق اور باطل میں تمیز کرنے سے باز رہے۔

☆☆☆

و ما امور جمله به خداوند- تعالیٰ- تسلیم کردیم تا در بار ضلالت خود همی باشند- اگر دین گریبانگیر ایشان گرد دی تصرّف بهتر از این کنندی و حکم رعایت را دست بند ارندی و اندر دوستان خدای- عزّوجلّ- بدین چشم ننگرندی و احتیاط روزگار خود نکوتر کنندی و اگر قومی از ملاحده تعلّق به احرار کردند تا به جمال ایشان خود از آفتها رستگار گردند و اندر سایهٔ عزّ ایشان زندگانی کنند، چرا باید که همگنان را بر ایشان قیاس گیرند و اندر معاملات ایشان مکابرهٔ عیان بر دست گیرند و قدر ایشان در زیر پای آرند؟

و مرا با یکی از متلبّسان علم، که کلاه رعونت را عزّ علم نام کرده است و متابعت هوی را سنّت رسول- علیه السّلام- و موافقت شیطان را سیرت امام، مناظره همی رفت، اندر آن میان گفت: ”ملا حده دوازده گروه اند- یك گروه اندر میان متصوّفه اند۔“ گفتم: ”اگر یك گروه درمیان ایشان اند، یازده گروه اندر میان شمایند- ایشان خود را از یك گروه بهتر نگاه توانند داشت که شما از یازده گروه۔“

الفاظ معانی:

جمله: سب، بار: بوجھ، ضلالت: گمراہی، گریبانگیر: گریبان پکڑنے والا، نگریستن: دیکھنا، ملاحده: ملحد، کافر، مرتد، احرار: آزاد لوگ، رستگار: نجات یافتہ، متلبس: ملبوس، لباس پہنے ہوئے، کلاه رعونت: بیوقوفی یا غرور کی ٹوپی، متابعت هوی: ہوس کی پیروی، موافقت: رضامندی، دوازده: بارہ، یازده: گیارہ۔

ترجمہ:

اور ہم نے سب امور کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تا کہ وہ اپنی گمراہی کے بوجھ میں دبے رہیں۔ اگر دین ان کے دامن میں ہوتا تو وہ (اس کا) اس سے بہتر استعمال کرتے تو (دین کو) ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم ان کے ہاتھ سے نہ جاتا اور وہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو ان نظروں سے نہ دیکھتے اور اپنے زمانہ کی احتیاط زیادہ اچھی کرتے اور اگر ملحدوں میں سے ایک قوم نے احرار کے ساتھ اپنا تعلق جوڑ لیا تا کہ ان کے جمال سے اپنے آپ کو آفتوں سے نجات یافتہ بنائیں اور ان کی عزت کے سائے میں زندگی گزاریں، تو کیوں سب پر ان کا قیاس کریں اور ان کے معاملات میں واضح اختلاف اختیار کریں اور ان کی قدر کو پاؤں کے نیچے روندیں؟

میں علم میں ملبوس اشخاص میں سے ایک ساتھ، جس نے بیوقوفی کی ٹوپی کو علم کی عزت کا نام دے رکھا ہے اور ہوس کی پیروی کو سنت رسول ﷺ اور شیطان کی رضامندی کو سیرت امام کا نام دے رکھا ہے سے مناظرہ کر رہا تھا۔ اس کے درمیان اس نے کہا: ”ملاحدوں کے بارہ گروہ ہیں۔ ایک گروہ اہل تصوف کے درمیان ہے۔“ میں نے کہا: ”اگر ایک گروہ ان کے درمیان ہے، گیارہ گروہ آپ کے درمیان ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک گروہ سے بہتر رکھ سکتے ہیں اس کی نسبت کہ تم اپنے آپ کو گیارہ گروہوں سے۔“

☆☆☆

امّا این جمله از نتیجهٔ فتور زمانه است و آفتهایی که پدید ار آمده است، و خداوند- تعالیٰ- پیوسته اولیای خود را اندر میان قومی مستور داشته است و آن قوم را از جهت ایشان اندر میان خلق مهجور داشته و نیکو گفته است آن پیر پیران، و آفتاب مریدان، علی بن بندار الصّیرفی، رحمته الله علیه: "فَسادُ القُلوب علی حَسَبِ فَسادِ الزّمانِ واَهلِه۔"

اکنون من فصلی اندر اقاویل ایشان بیارم تا تنبیهی باشد مر آن را که از حق- تعالیٰ- عنایتی اندر کار وی صادق است از منکران بدین طایفه- و باللّٰہ التوفیق۔

الفاظ معانی:

اما: لیکن، پدیدار آمدن: ظاہر ہونا، مستور: پوشیدہ، مہجور: جدا، نیکو گفتن: خوب کہنا، پیر پیران: پیروں کے پیر، آفتاب: سورج، اکنون: اب، اقاویل: اقوال کی جمع۔

ترجمہ:

لیکن یہ سب زمانے کے فتور سے ہے اور ایسی آفتوں سے جو ظاہر ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے متواتر اپنے اولیاء کو کسی قوم کے درمیان پوشیدہ رکھا ہے اور اس قوم کو ان کے لیے مخلوق کے درمیان جدا رکھا ہے اور خوب کہا ہے پیروں کے پیر اور مریدوں کے آفتاب علی بن بندار الصیر فی رحمۃ اللہ علیہ نے: فساد القلوب علی حسب فساد الزمان واهله (دل کی خرابی زمانہ اور اہل زمانہ کے خیالات کے فساد کے موافق ہے)

اب میں ایک فصل ان کے اقوال کے بارے میں لاتا ہوں تا کہ ایک تنبیہ ہو ان کے لیے جن کے کام میں اللہ تعالیٰ کی عنایت صادق ہے اس گروہ کے منکروں کے مقابلے میں۔ وباللہ التوفیق۔

☆☆☆

فصل

محمد بن الفضل البلخی گوید، رحمه الله: "العُلومُ ثَلاثةٌ: علمٌ مِنَ اللّٰہِ وعلمٌ مَعَ اللّٰہِ وعلمٌ باللّٰہِ۔"

علم بالله علم معرفت است که همه اولیای او، او را بدو دانسته اند و تا تعریف و تعرّف او نبود ایشان وی راند انستند، از آنچه همه اسبابِ اکتساب مطلق از حقّ- تعالی- منقطع است، و علم بنده مر معرفت حقّ را علّت نگردد؛ که علّت معرفت وی- تعالیٰ و تقدّس- هم هدایت و اعلام وی بود- وعلم من الله علم شریعت بود که آن از وی به مافرمان و تکلیف است و علم مع الله علم مقامات طریق حق و بیان درجت اولیا بود- پس معرفت بی پذیرفتن شریعت درست نیاید و برزش شریعت بی اظهار مقامات راست نیاید-

وابو علی ثقفی- رحمته الله علیه- گوید: "العلمُ حیاةُ القَلبِ مِنَ الجهل و نورُ العَینِ مِنَ الظُّلمَةِ"

علم زندگی دل است از مرگ جهل و نور چشم یقین از ظلمت کفر، و هر که را علم معرفت نیست دلش به جهل مرده است وهر که را علم شریعت نیست دلش به نادانی بیمار است- پس دل کفّار مرده باشد؛ که به خداوند- تعالی- جاهل اند و دل اهل غفلت بیمار؛ که به فرمانهای وی جاهل اند-

ابوبکر ورّاق ترمذی گوید، رحمة اللّٰہ علیه: "مَن اکتَفیٰ بِالکلامِ مِنَ العلمِ دونَ الزُّهدِ تَزَندَقَ، ومَن اکتَفیٰ بالفِقهِ دونَ الوَرعِ تفسّقَ"

الفاظ معانی:

تعرف: پہچان، اکتساب: حصول، تحصیل، اعلام: اعلان، تکلیف: جبر، لازم، درجت: درجات، پذیر فتن: قبول کرنا، ظلمت: تاریکی، برزش: عمل۔

ترجمہ:

فصل

محمد بن فضل البلخی فضل رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''العلومہ ثلاثۃ: علم من الله وعلم مع الله و علم بالله'' (علم تین ہیں: علم اللہ کی طرف سے اور علم اللہ تعالیٰ کے فضل کی معیت سے اور علم اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ) علم باللہ، علم معرفت ہے کہ اس کے سب اولیاء نے اسے اس سے جانا ہے اور جب تک اس کی تعریف اور پہچان نہ تھی وہ اسے (اللہ تعالیٰ کو) نہیں جانتے تھے، جو کچھ تحصیل مطلق کے اسباب ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر ختم ہوتے ہیں اور بندے کا علم حق تعالیٰ کی معرفت کا باعث نہیں بنتا کیونکہ اس پاک خدا کی معرفت کی علت بھی اسی کی ہدایت اور اعلان سے ہے اور علم من اللہ علم شریعت ہے کہ یہ اس (اللہ تعالیٰ کے) حکم کے ساتھ ہے اور لازم ہے، اور علم مع اللہ، حق تعالیٰ کے راستے کے مقامات کا علم اور اولیاء کے درجات کا علم ہے۔ پس معرفت شریعت قبول کئے بغیر درست نہیں ہوتی اور شریعت کا عمل مقامات کے اظہار کے بغیر سیدھا نہیں ہوتا۔

اور ابوعلی ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: العلم حياة القلب من الجهل و نور العين من الظلمة علم دل کی زندگی ہے جہالت کی موت سے اور چشم یقین کا نور ہے کفر کی تاریکی سے۔ اور جس کسی کو معرفت کا علم نہیں اس کا دل جہالت سے مردہ ہے اور جس کسی کو شریعت کا علم نہیں اس کا دل نادانی سے بیمار ہے۔ پس کفار کا دل مردہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ (کے عرفان) سے جاہل ہیں اور اہل غفلت کا دل بیمار، کیونکہ وہ اس کے احکامات سے جاہل ہیں۔ ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ''من اكتفى بالكلام من العلم دون الزهد تزندق، ومن اكتفى بالفقه دون الورع تفسق'' (جس نے علم کلام یعنی عقائد و علم توحید کی عبارات پر قناعت کی اور زہد و تقویٰ حاصل نہ کیا وزندقہ میں پڑ گیا اور جس نے علم فقہ حاصل کیا بلا تورع، وہ فاسق ہو گیا)

☆☆☆

هر که از علم توحید به عبارت بسنده کند و از اضداد آن روی نگرداند زندیق شود، هر که به علم شریعت و فقه بی ورع بسنده کند فاسق گردد و مراد اندر این آن است که بی معاملت و مجاهدت تجریدِ توحید جبر باشد و موحّد جبری قول و قدری فعل باشد تا روش وی اندر میان جبرو قدر درست آید، و این حقیقت آن است که آن پیر گفت، رحمته الله علیه: ''التّوحیدُ دونَ الجبرِ و فوقَ القَدَرِ'' پس هر که بی معاملت به عبارت آن بسنده کند زندیق شود- و امّا فقه را شرط احتیاط و تقوی باشد- هر که به رُخَص و تأویلات و تعلّق شُبهات مشغول گردد و بدون مذهب به گرد مجتهدان گردد مر آسانی را، زود باشد که به فسق درافتد، و این جمله از غفلت پدیدار آید-

ونیکو گفته است شیخ المشایخ، یحیی بن مُعاذ الرّازی، رحمته الله علیه: ''اِجتَنِب صُحْبَة ثلاثةِ أصنافٍ من النّاسِ: العُلماءِ الغافلينَ والقرّاء المداهِنينَ والمتصوِّفةِ الجاهلينَ-''

الفاظ معانی:

بسنده کردن: اکتفا کرنا، اضداد: متضاد (جمع)، روی گرداندن: منہ موڑنا، بی ورع: پرہیزگاری کے بغیر، فاسق: بدکار، بی معاملت: عمل کے بغیر، مجاهدت: مجاہدہ، تجرید: مادی قیود سے گوشہ گیری، موحد: خدائے واحد پر ایمان رکھنے والا، زندیق: خدا کا منکر، پدیدار آمدن: نمودار ہونا، رُخص: آسانی۔

ترجمہ:

جو کوئی علم توحید کی عبارت پر اکتفا کرے اور اس کی متضاد چیزوں سے روگردانی نہ کرے وہ خدا کا منکر ہو جاتا ہے، جو کوئی علم شریعت اور فقہ پر پرہیز گاری کے بغیر اکتفا کرے وہ بدکار ہو جاتا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ عمل اور مجاہدہ کے بغیر توحید کی تجرید جبر ہوتی ہے اور خدائے واحد پر ایمان رکھنے والا قول کا جبری اور فعل کا قدری ہوتا ہے تاکہ اس کا طریقہ جبر اور قدر کے درمیان درست آئے۔ اور یہ حقیقت وہ ہے جو اس پیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہی: "التوحید دون الجبر وفوق القدر" (توحید کی حقیقت جبر سے نیچے اور قدر کے اوپر ہے) پس جو کوئی عمل کے بغیر اس کی عبادت پر اکتفا کرے وہ خدا کا منکر ہو جاتا ہے۔ اور لیکن فقہ میں احتیاط اور تقویٰ کی شرط ہوتی ہے۔ جو کوئی، آسانی، تاویلات اور شبہات کے تعلق میں مشغول ہو جائے اور وہ آسانی کے لیے مذہب کے بغیر مجتہدوں کے گرد پھرے وہ جلد بدکاری میں پڑ جاتا ہے اور یہ سب غفلت سے نمودار ہوتا ہے۔

اور شیخ المشائخ یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب کہا ہے: "اجتنب صحبه ثلثة اصناف من الناس: العلماء الغافلين، فوالفقراء المداهنين والمتصوفة الجاهلين۔" (تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کر، غافل علماء حق، زبان بند رکھنے والے فقیروں اور جاہل صوفیوں سے)

***

اما علمای غافل آنان باشند که دنیا را قبلهٔ دل خود گردانیده باشند، و از شرع آسانی اختیار کرده، و پرستش سلاطین بر دست گرفته، و درگاه ایشان را طوافگاه خود گردانیده، و جاه خلق را محراب خود کرده، و به غرور زیرکی خود فریفته گشته، و به دقت کلام خود مشغول دل شده، و اندر ائمه و استادان زبان طعن برگشاده، و به قهر کردن بزرگان دین به سختی که بروی زیادت آوردن بود مشغول گشته؛ آنگاه اگر کونین اندر بلهٔ ترازوی وی نهند پدیدار نیاید؛ آنگاه حقد و حسد را مذهب گردانیده۔ در جمله این همه علم نباشد، و علم صفتی بود که انواع جهل از موصوف آن بدان منفی باشد۔

اما قرای مداهنین آنان باشند که چون فعل کسی بر موافقت هوای وی باشد، اگرچه باطل بود، بر آن فعل وی را مدح گویند، و چون بر مخالفت هوای ایشان کاری کنند، اگرچه حق بود، وی را بر آن ذمّ کنند و از خلق به معاملت خود جاه ببوسند و بر باطل مر خلق را مداهنت کنند۔

الفاظ معانی:

گردانیدن: بنانا، پرستش: پوجنا، سلاطین: بادشاہ (جمع)، زیرکی: ہوشیاری، دقت: باریک بینی، برگشادن: کھولنا، قهر کردن: ناراض ہونا، سختی: کوئی بات، زیادت آوردن: زیادتی کرنا، کونین: دونوں جہاں، بله: پلڑا، پدیدار آمدن: ظاہر ہونا، حقد: کینہ، قرا: قاری، مداهنین: خوشامدی (جمع)، موافقت: اتفاق، هوا: خواہش، ہوس، ذم: مذمت، معاملت: عمل، ببوس: اُمید، مداهنت: خوشامد۔

ترجمہ:

لیکن غافل علماء وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنالیا ہو، اور شریعت سے آسانی اختیار کر لی ہو اور بادشاہوں کی پرستش اپنالی ہو اور ان کی درگاہ کو اپنی طواف گاہ بنالیا ہو اور مخلوق کے رتبے کو اپنی محراب بنالیا ہو اور اپنی ہوشیاری کے غرور پر فریفتہ ہو گئے ہوں، اور اپنے کلام کی باریک بینی میں دل سے مشغول ہوں آئمہ کرام اور استادوں کے حق میں طعنوں کی زبان کھول رکھی ہو اور بزرگان دین کی کسی بات پر ناراض ہو کر ان سے زیادتی کرنے میں مصروف ہو گئے ہوں، اس وقت اگر ان کے ترازو کے پلڑے میں دونوں جہان رکھ دیں تو وہ ظاہر نہ ہوں، تب انہوں نے کینہ اور حسد کو اپنا مذہب بنالیا ہو۔ ان سب باتوں

میں علم نہیں ہوتا، اور علم ایسی صفت ہے کہ اس (علم) کے موصوف سے جہالت کی اقسام منفی ہو جاتی ہیں۔
لیکن خوشامدی قاری وہ ہیں کہ جب کسی کا فعل ان کی ہوس سے اتفاق کرتا ہو اگرچہ باطل ہو، اس کے اس فعل کی تعریف کرتے ہیں اور جب وہ ان کی ہوس کے برخلاف کوئی کام کریں تو اگرچہ حق ہو وہ اس کی مذمت کرتے ہیں اور مخلوق سے اپنے عمل کے لیے رتبے کی امید رکھتے ہیں اور باطل پر مخلوق کی خوشامد کرتے ہیں۔

☆☆☆

امّا متصوّف جاهل آن بود که صحبت پیری نکرده باشد، و از بزرگی ادب نیافته، و گوشمال زمانه نچشیده، و به نابینایی کبودی اندر پوشیده، و خود را درمیان ایشان انداخته، و دربی حرمتی طریق انبساطی می سپرد اندر صحبت ایشان، و حمق وی، وی را بر آن داشته که جمله را چون خود پندارد؛ و آنگاه طریق حقّ و باطل بر وی مشکل بود۔
پس این سه گروه را که آن موفّق یاد کرد و مرید را از صحبت ایشان اعراض فرمود، مراد آن بود که ایشان اندر دعاوی خود کاذب بودند و اندر روش ناتمام و ابویزید بسطامی- رحمة الله علیه- گوید: عَمِلْتُ فی المجاهَدَةِ ثلاثین سنةً فما وجدتُ شیئاً أشدَّ علَیَّ من العلمِ و متابَعته۔ "سی سال مجاهدت کردم برمن هیچ چیز سخت تر از علم و متابعت آن نیامد۔"

الفاظ معانی:

چشیدن: چکھنا، کبودی: گہرا نیلا رنگ، انبساط: پھیلنا، پنداشتن: گمان کرنا، موفق: کامیاب، کاذب: جھوٹا، سی سال: تیس سال۔

ترجمہ:

لیکن جاہل صوفی وہ ہے جس نے کسی پیر کی صحبت اختیار نہ کی ہو، اور کسی بزرگ سے ادب نہ سیکھا ہو اور زمانے کی گوشمالی نہ چکھی ہو اور نابینائی کے باعث گہرا نیلا رنگ پہن رکھا ہو اور خود کو ان کے درمیان گرایا ہوا ہو اور بے حرمتی میں پھیلاؤ کا راستہ ان کی صحبت میں طے کرے اور اس کی حماقت نے اس کو اس امر پر لگایا کہ وہ سب کو اپنی طرح گمان کرے اور اس وقت حق اور باطل کا راستہ اس پر مشکل ہو جاتا ہے۔
پس ان تین گروہوں کو کہ جنہیں اس کامیاب (یعنی حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ) نے یاد کیا اور مرید کو ان کی صحبت سے گریز کرنے کا فرمایا، مراد یہ ہے کہ وہ اپنے دعوؤں میں جھوٹے تھے اور طریقہ کار میں ادھورے تھے اور ابو یزید بسطامی رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ "عملت فی المجاهدة ثلثین سنه، فما وجدت شیا اشد علی من العلم و متابعته" انہوں نے کہا: میں نے تیس سال مجاہدہ کیا۔ مجھ پر کوئی چیز علم اور اس کے اتباع سے زیادہ سخت محسوس نہیں ہوئی۔

☆☆☆

و در جمله قدم بر آتش نهادن بر طبع آسان تر از آن که بر موافقت علم رفتن، و بر صراط هزار بار گذشتن بر دل جاهل آسان تر از آن اید که یک مساله از علم آموختن، و اندر دوزخ خیمه زدن نزدیک فاسق دوست تر که یک مساله از علم کار بستن۔ پس بر تو بادا علم آموختن و اندر آن کمال طلبیدن و کمال علم بنده جهل بود به علم خداوند، عزّ اسمُه۔ باید که چندان بدانی که بدانی که ندانی۔ و این آن معنی بود که بنده جز علم بندگی نتواند دانست، و بندگی حجاب اعظم است از خداوندی؛ تا یکی اندر این معنی گوید:

العجزُ عَنْ درکِ الا دراك ادراكٌ
والوقفُ فی طُرقِ الأخیار إشراك

آن کہ نیاموزد و بر جہل مصرّ باشد مشرک بود، و آن کہ بیاموزد و اندر کمال علم خود منفیّ گردد،پندار علمش برخیزد و بداند کہ علم وی بجز عجز اندر علم، عاقبت وی نیست؛ کہ تسمیات را اندرحقّ معانی تأثیری نباشد۔واللہ اعلم۔

الفاظ معانی:

نہادن: رکھنا، صراط: پل صراط، گذشتن: گزرنا، مسالہ: مسئلہ، آموختن: سیکھنا، فاسق: بدکار، کاربستن: عمل میں لانا، جہل: جہالت، چندان: اس قدر، نیاموزد: نہ سیکھے، مُصر: اصرار کرنے والا، تسمیات: منسوب شدہ،

ترجمہ:

اور سب (چیزوں) میں آگ پر قدم رکھنا مزاج کو علم کے مطابق چلنے سے زیادہ آسان لگتا ہے۔ جاہل کے دل کو ہزار بار پل صراط سے گزرنا ایک علم کا مسئلہ سیکھنے سے زیادہ آسان لگتا ہے اور بدکار کے نزدیک، دوزخ میں خیمہ لگانا علم کے ایک مسئلہ کو عمل میں لانے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ پس تجھے علم سیکھنا اور اس میں کمال طلب کرنا چاہیے۔ اور بندے کے علم کا کمال اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے جہالت ہے۔ تجھے اتنا جاننا چاہیے کہ تو جان لے کہ تو کچھ نہیں جانتا۔ اور اس کے یہ معنی ہیں کہ بندہ بندگی کے علم کے سوا کچھ نہیں جان سکتا اور بندگی حجاب اعظم ہے اللہ تعالیٰ سے۔ کوئی اس بارے میں کہتا ہے:

اَلْعَجزُ عَنْ دَرْکِ الا دراک

والوقف فی طرق الاخیار اشراکٌ

(یعنی درک ادراک ذات سے اظہار عاجزی کرنا ہی ادراک ذات ہے۔ محض نیک لوگوں کی روایات پڑھ کر اندھی تقلید کرتے ہوئے ان کے اقوال نقل کرنا شرک اکبر ہے)

وہ جو (علم) نہ سیکھے اور جہالت پر اصرار کرے وہ مشرک ہے اور وہ جو سیکھے اور اپنے علم کے کمال میں منفی ہو جائے۔ اس کے علم کی سوچ اٹھتی ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اس کے علم کا علم کے اندر عاجزی کے سوا کوئی انجام نہیں کیونکہ کسی سے منسوب چیزوں کا حقیقی معانی کے اندر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

واللہ اعلم

(b) **Jawamey-ul-Hikayat**

جوامع الحکایت

(۱)

نیکی کن و نیکی اندیش

آورده اند که در روزگار نوشروان دو مرد بیامدند و بر درگاه او بایستادند۔ یکی به آواز بلند گفت: "بدمکن و بد میندیش۔" ویکی گفت: "نیکی کن و نیکی اندیش، تا تو رانیکی آیدپیش۔" نوشروان فرمود که "واعظ اوّل را هزار دینار بدهید و دوم را دو هزار۔" خواص و ندیمان از حضرت ملك سؤال کردند که "هر دو کلمه را یك معنی بود، در صلت و انعام ایشان تفاوت به چه سبب بود؟" گفت: "این یکی همه نیکی گفت و آن دیگری بدی یاد کرد، و هیچ نیکی بهتر از دوستی نیکان نیست، وهیچ بدی بهتر از دوستی بدان نیست۔" والسّلام۔

الفاظ معانی:

آورده اند: کہتے ہیں، روزگار: زمانہ، ایستادن: کھڑے ہونا، میندیش: نہ سوچ، خواص: اشراف، ندیمان: مصاحب (جمع)، صلت و انعام: انعام وکرام، تفاوت: فرق۔

ترجمہ:

نیکی کر اور نیکی سوچ

کہتے ہیں کہ نوشیروان کے زمانے میں دو آدمی آئے اور اس کی درگاہ میں کھڑے ہو گئے۔ ایک نے اونچی آواز میں کہا: "برائی نہ کر اور برا نہ سوچ" اور ایک (یعنی دوسرے) نے کہا: "نیکی کر اور نیکی سوچ تا کہ تجھے نیکی (بھلائی) آگے آئے۔" نوشیروان نے فرمایا کہ پہلے واعظ کو ہزار دینار دیں اور دوسرے کو دو ہزار" اشراف اور مصاحبوں نے بادشاہ سلامت سے سوال کیا کہ "دونوں جملوں کے معنی ایک ہیں۔ ان کے انعام وکرام میں فرق کس وجہ سے ہے؟" اس نے کہا: اس ایک نے سب نیکی کہی اور دوسرے نے برائی کو یاد کیا، اور کوئی نیکی نیکوں کی دوستی سے بہتر نہیں ہے اور کوئی برائی بروں کی دوستی سے بہتر نہیں ہے۔" والسلام

(۲)

حق نان و نمك

یکی از دزدان عرب حکایت کرد که وقتی در بادیه به قبیله ای نزول کردم۔ مردی بود در آنجا در غایت شجاعت و نهایت سخاوت۔ چون به وثاق او نزول کردم، در حال، شتری به جهت من قربان کرد۔ گفتم: "بدین تکلّف حاجت نیست۔" گفت: "قاعدهٔ من

این است کہ مہمان را گوشت آسودہ ندھم۔" چند روز آنجا بودم؛ هر روز شتری می کشت۔ من فرصت طلبیدم و گلۂ شتراو را براندم و ببردم۔ چون اعرابی را خبر شد بر عقب من بیامد و سر راہ من گرفت۔ چندانکہ مرا بدید، تیر در کمان نهاد و گفت: "سوسماری در آنجا خفته است، این بر دُمِ سوسمار خواهم زد۔" بزد و دُم اورا برزمین دوخت۔ پس دیگری در پیوست و گفت: "این تیر بر مهرۂ پشت سوسمار خواهم زد۔" پس تیری دیگر در پیوست و گفت: "هوش دار کہ این تیر برسینۂ تواست۔" گفتم: "الله الله، من اشتران بہ تو باز گذاشتم۔ دست از من بدار۔" گفت: "ندلرم۔ تاشتران بہ جایگاہ خود باز بری" پس شتران را براندم و بہ چراگاہ خود بردم۔ مرا گفت:"چہ داشت تو رابدین جرأت کہ کر دی؟" گفتم: "حاجت؛ و نیز می دیدم کہ تو اسراف می کر دی و هر روز بہ جهت من شتری قربان می کر دی۔ گفتم از مروّت تو مرا کاری بر نیاید۔ گلہ' شتران را بر اندم تا غرض من بحاصل شود۔" گفت: "چنین است، و حقّ نان و نمک درمیان است۔ بیست شتر اختیار کن و بران۔"

من بیست شتر اختیار کردم، و براندم و او را مدحی گفتم، بیت:

۱۔ اگر جسمی است مردی، جان اوبی	و گرجانی است احسان، جسم آنی
۲۔ بہ عنف از دشمن و از لطف با دوست	همی بخشی تو مال و می ستانی

الفاظ معانی:

دزدان: **چور (جمع)**، بادیہ: **صحرا**، نزول کردن: **اترنا، داخل ہونا**، غایت: **انتہا**، چون: **جب**، وثاق: **کٹیا**، شتر: **اونٹ**، گوشت آسودہ: **باسی گوشت**، فرصت طلبیدن: **موقع پانا**، نهادن: **رکھنا**، سوسماری: **ایک بڑی چھپکلی**، دوختن: **سینا**، هوش دار: **ہوش میں آ**، باز گذاشتن: **لوٹا دینا**، اسراف: **فضول خرچی**، بہ عنف: **زبردستی سے**، لطف: **مہربانی**، اعرابی: **بدو**۔

ترجمہ:

حق نان و نمک

عرب چوروں میں سے ایک نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں صحرا میں ایک قبیلے میں گیا۔ وہاں ایک مرد تھا شجاعت اور سخاوت میں انتہا کو پہنچا ہوا۔ جب میں اس کی کٹیا میں گیا تو اس وقت اس نے میرے لیے ایک اونٹ قربان کیا۔ میں نے کہا: "اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے کہا "میرا قاعدہ یہ ہے کہ میں مہمان کو باسی گوشت نہیں دیتا۔" میں چندروز وہاں تھا، وہ ہرروز ایک اونٹ ذبح کرتا تھا۔ میں موقع کی تلاش میں رہا اور اس کے اونٹوں کا ریوڑ میں نے دوڑایا اور لے گیا۔ جب بدو کو خبر ہوئی وہ میرے پیچھے آیا اور میرا راستہ روکا۔ جونہی مجھے دیکھا تیر کمان میں رکھ لیا اور کہا: "ایک بڑی چھپکلی وہاں سوئی ہوئی ہے، یہ بڑی چھپکلی کی دم پر ماروں گا۔" اس نے مارا اور اس (چھپکلی) کی دم زمین سے سی دی۔ پھر دوسرا تیر (کمان میں) رکھا اور کہا۔ "یہ تیر بڑی چھپکلی کی پیٹھ کے مہرے پر ماروں گا۔" پس اس نے ایک اور تیر (کمان میں) رکھا اور کہا: "ہوش میں آ کیونکہ یہ تیر تیرے سینہ پر ہے۔" میں نے کہا۔ "اللہ اللہ، میں نے اونٹ تجھے واپس کر دیئے۔ مجھے چھوڑ دے" اس نے کہا: "میں نہیں چھوڑوں گا، جب تک تو اونٹوں کو ان کی جگہ پر واپس نہ لے جائے" پھر میں نے اونٹ دوڑائے اور ان کی چراگاہ میں لے گیا۔ اس نے مجھے کہا: "کس چیز نے تجھے اس جرأت پر اُکسایا جو تو نے کی؟" میں نے کہا: "ضرورت، اور میں یہ بھی دیکھتا تھا کہ تو فضول خرچی کرتا تھا اور ہر روز میرے لیے ایک اونٹ قربان کرتا تھا۔ میں نے کہا تیری مروت سے میرا کام نہیں بنے گا۔ میں نے اونٹوں کا ریوڑ دوڑایا تا کہ میری

ضرورت پوری ہوجائے۔" اس کہا: "ایسا ہے اور نان ونمک کا حق درمیان میں ہے۔ بیس اونٹ علیحدہ کر لے اور لے جا۔" میں نے بیس اونٹ علیحدہ کیے اور ان کو چلایا اور اس کی تعریف کہی۔ شعر:

۱۔ اگر مردانگی ایک جسم ہے تو تو اس کی روح ہے
اور اگر احسان ایک روح ہے تو تو اس کا جسم ہے

۲۔ تو دشمن سے زبردستی مال لیتا ہے
اور دوست کو مہربانی سے مال بخشتا ہے

(۳)

کریم تراز حاتم طایی

آورده اند کہ از حاتم طایی، رَحمَۃُ الله عَلَیه، سؤال کردند کہ "از خود کریم تر دیده ای؟" گفت: "دیدم۔" گفتند: "کجا دیده ای؟" گفت: وقتی در بادیه می رفتم، به خیمه ای برسیدم، زالی در آن بود، و بُزَکی در پس خیمه بسته، چون برسیدم، زال پیش من باز دوید و مرا خدمت کرد، عنان من بگرفت تافرود آمدم۔ چون زمانی بود، پسر او بیامد و به بشاشتی هر چه تمام تر مرا پرسید۔ پس زال پسررا گفت: "برخیز و به مصالح مهمان قیام نمای۔ آن بُزَک را بسمل کن و طعام بساز۔ پسر گفت: "نخست بروم و هیزم بیارم۔ زال گفت: "تا تو به صحرا روی و هیزم آری دیر شود و مهمان را گرسنه داشتن ار مروت دور بود۔" پس دونیزه داشت، هر دو را بشکست و آن بزک را بکشت و درحال طعام ساخت و بیاورد۔

چون تفحّص کر دم از حال وی، جز آن هیچ دیگر نداشت و آن را ایثار ما کرد۔ پس آن زال را گفتم: "مرامی شناسی؟" گفت: "نه" گفتم: "من حاتمم باید که به قبیلۂ ما آیی، تا در حقّ شما تکلّفی واجب دارم، وحقّ آن ضیافت بگزارم۔" آن زن گفت: "إنّا لَانطْلُبُ عَلی الضَیّفِ جزاءً، جزا بر مهمانی نستانیم و نان به بها نفروشیم۔" و از من هیچ قبول نکردند۔ من بدانستم که ایشان از من کریم ترند۔

الفاظ معانی:

دیده ای: تونے دیکھا ہے، کجا: کہاں، وقتی: ایک دفعہ، بادیه: صحرا، زال: بڑھیا، بزکی: بکری کا بچہ، عنان: لگام، فرود آمدن: اترنا، پرسیدن: پوچھنا، برخیز: اٹھ، مصالح مهمان: مہمان کے وسائل، بسمل کن: ذبح کر، طعام بساز: کھانا بنا، نخست: پہلے، هیزم: جلانے کی لکڑیاں، گرسنه: بھوکا، تفحص کردن: غور سے جائزہ لینا، جز آن: اس کے سوا، نان: روٹی، بها: قیمت۔

ترجمہ:

حاتم طائی سے زیادہ کریم

کہتے ہیں کہ حاتم طائی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے سوال کیا کہ "تونے خود سے زیادہ کریم دیکھا ہے؟" اس نے کہا: "میں نے دیکھا"۔ انہوں نے کہا:

"کہاں دیکھا ہے؟" اس نے کہا: ایک مرتبہ میں صحرا میں جا رہا تھا، میں ایک خیمہ پر پہنچا، اس میں ایک بڑھیا تھی اور بکری کا ایک بچہ خیمے کے پیچھے بندھا تھا۔ جب میں پہنچا، بڑھیا میرے پاس دوڑی آئی اور میری خدمت کی، میری لگام پکڑی یہاں تک کہ میں نیچے اترا۔ جس وقت اس کا بیٹا آیا اور اس نے تمام تر بشاشت کے ساتھ میرا حال پوچھا۔ پھر بڑھیا نے بیٹے سے کہا: "اُٹھ اور تجھے چاہیے کہ مہمان کے لیے وسائل کا بندوبست کرے۔ اس بکری کے بچے کو ذبح کر اور کھانا بنا۔" بیٹے نے کہا: "میں پہلے جاؤں اور جلانے کی لکڑیاں لے آؤں۔" بڑھیا نے کہا: "جب تک تو صحرا جائے اور جلانے کی لکڑیاں لائے دیر ہو جائے گی اور مہمان کو بھوکا رکھنا مروت سے دور ہوتا ہے۔" پس اس کے پاس دو نیزے تھے۔ اس نے دونوں کو توڑا اور اس بکری کے بچے کو ذبح کیا اور فوراً کھانا بنا لیا اور لے آیا۔

جب میں نے غور سے اس کی حالت کا جائزہ لیا، اس کے پاس اس کے سوا کچھ اور نہ تھا اور اس نے اسے ہم پر ایثار کر دیا۔ پھر میں نے اس بڑھیا سے کہا: "مجھے جانتی ہو؟" اس نے کہا: "نہیں" میں نے کہا: "میں حاتم ہوں۔ تمھیں ہمارے قبیلے میں آنا چاہیے تاکہ میں آپ کے حق میں مہمان نوازی کروں اور اس دعوت کا حق ادا کروں" اس بڑھیا نے کہا: اِنا لا تطلب علی الضیف جزاء "ہم کسی مہمان سے جزا نہیں لیتے اور روٹی قیمت پر نہیں بیچتے" اور انہوں نے مجھ سے کچھ قبول نہیں کیا۔ میں نے جان لیا کہ وہ مجھ سے کریم تر ہیں۔

(٤)

شکر نعمت

آورده اند که مردی غلامی داشت خردمند؛ روزی آن مرد با غلام به باغی می رفت، درمیان راه خیار بادلنگی پاک کرد، نیمی به غلام داد و نیمی به جهت خود نگاه داشت تا بخورد۔ غلام به نشاط ان را خوردن گرفت۔ چون خواجه بچشید، تلخ بود۔ گفت: "ای غلام، خیار بادلنگ بدین تلخی تو را دادم، و به نشاط تمام خور دی و به رغبت به کار بردی؟" گفت: "ای خواجه، از دست تو شیرین و چربی بسیار خور دم، شرم داشتم که بدین قدر تلخی از خود اثرِ کراهیت ظاهر کنم"۔ خواجه گفت: "چون شکر نعمت چنین می گزاری، تو را در بندگی نگذارم۔" و بدین آزادمر دی به سعادت آزادی برسید۔

الفاظ معانی:

خردمند: عقلمند، خیار بادلنگی: تره، نیمی: آدھی، جهت خود: اپنے لیے، نگاه داشتن: رکھ لینا، خوردن گرفت: کھانا شروع کر دیا، چشیدن: چکھنا، تلخ: کڑوی، نشاط تمام: نہایت رغبت، شیرین: میٹھی، بندگی: غلامی۔

ترجمہ:

شکر نعمت

کہتے ہیں کہ ایک آدمی کے پاس ایک عقلمند غلام تھا۔ ایک دن وہ آدمی غلام کے ساتھ ایک باغ کو جا رہا تھا، راستے کے درمیان اس نے ایک ترہ صاف کی، آدھی غلام کو دی اور آدھی اپنے لیے رکھ لی تاکہ کھائے۔ غلام نے اس کو خوشی خوشی کھانا شروع کیا۔ جب آقا نے چکھی، کڑوی تھی۔ اس نے کہا: "اے غلام،

میں نے اتنی تلخ تر تجھے دی اور تو نے اسے انتہائی خوشی سے کھالیا اور رغبت سے استعمال کیا؟" اس نے کہا: "اے آقا، میں نے تیرے ہاتھ سے میٹھی اور چرب چیزیں بہت کھائیں، مجھے شرم آئی کہ میں اتنی سی تلخی پر خود سے کراہت کا اثر ظاہر کروں۔" آقا نے کہا: "کیونکہ تو نعمت کا شکر اس طرح سے ادا کرتا ہے، تجھے میں غلامی میں نہیں رکھتا۔" اور اس جوانمردی سے وہ آزادی کی سعادت کو پہنچا۔

(۵)

ذوالنون مصری و کنیزك

ذوالنّون مصری، رَحمةُ الله علیه، می گوید: روزی به در شهری رسیدم، خواستم که در آن شهر روم؛ بر درِ آن شهر کوشکی دیدم و جوی آب، به نزدیك آن جوی رفتم و طهارت کردم۔ چون فارغ شدم، چشم من بر بام کوشك افتاد کنیز کی دیدم ایستاده، درغایت حسن و جمال۔ چون مرا بدید، گفت: "ای ذوالنّون، چون تو از دور پدید آمدی پنداشتم که دیوانه ای؛ چون طهارت کر دی دانستم که عالمی؛ و چون از طهارت فارغ شدی و بیش آمدی پنداشتم که عارفی۔ اکنون به حقیقت نگاه می کنم: "نه مجنونی، نه عالمی، نه عارفی۔" گفتم: "چگونه؟" گفت: "اگر دیوانه بودی طهارت نکردی و اگر عالم بودی نظر به جانبی نکر دی و اگر عارف بودی، بجز حق، دلِ تو به کسی دیگر میل نکردی۔" این بگفت و ناپدید شد۔

☆☆☆

الفاظ معانی:

رسیدم: **میں پہنچا**، خواستم: **میں نے چاہا**، کوشکی: **ایک محل**، جوی آب: **پانی کی نہر**، بام: **چھت**، ایستادن: **کھڑے ہونا**، چون: **جب**، بدید: **دیکھا**، پدید آمدن: **نمودار ہونا**، پنداشتن: **گمان کرنا**، اکنون: **اب**، چگونه: **کیسے**، ناپدید شدن: **غائب ہو جانا**۔

ترجمہ:

ذوالنون مصری اور کنیز

ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک روز میں ایک شہر کے دروازے پر پہنچا، میں نے اس شہر کے اندر جانا چاہا۔ اس شہر کے دروازے پر میں نے ایک محل اور پانی کی ندی دیکھی، میں اس نہر کے قریب گیا اور طہارت کی۔ جب فارغ ہوا تو میری نظر محل کی چھت پر پڑی۔ میں نے ایک کنیز کھڑی دیکھی جو نہایت حسین و جمیل تھی۔ جب اس نے مجھے دیکھا، کہا: "اے ذوالنون، جب تو دور سے نمودار ہوا تو میں نے گمان کیا کہ تو دیوانہ ہے، جب تو نے طہارت کی تو میں سمجھی کہ تو عالم ہے، اور جب تو طہارت سے فارغ ہوا اور آگے آیا تو میں نے سوچا کہ تو عارف ہے۔ اب میں حقیقت دیکھ رہی ہوں نہ تو دیوانہ ہے، نہ عالم ہے، نہ عارف"۔ میں نے کہا: "کیسے؟" اس نے کہا: "اگر تو دیوانہ ہوتا تو طہارت نہ کرتا اور اگر عالم ہوتا تو کسی جانب نظر نہ کرتا اور اگر عارف ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف میل نہ کرتا"۔ اس نے یہ کہا اور غائب ہو گئی۔

☆☆☆

(C) Iranian Poetry

ایرانی شاعری

(a) shahnamah of Firdusi

شاهنامۂ فردوسی

آغاز نامه

۱۔	بہ نام خداوند جان و خرد	کزین برتر اندیشہ بر نگذرد
۲۔	خداوند نام و خداوند رای	خداوند روزی دہ و رہنمای
۳۔	خداوند کیوان و گردان سپہر	فروزندۂ ماہ و ناہید و مہر
٤۔	ز نام و نشان و گمان برتر است	نگارندۂ برشدہ گوہر است
۵۔	خرد را و جان را ہمی سنجد اوی	در اندیشۂ سختہ کی گنجد اوی

الفاظ معانی:

خرد: عقل، اندیشہ: سوچ، خداوند: مالک، روزی دہ: روزی دینے والا، کیوان: زحل، گردان: گردش کرتا، سپہر: آسمان، فروزندہ: روشن کرنے والا، ناہید: زہرہ، مہر: سورج، نگارندہ: مصور، برشدہ: تراشا ہوا، سنجیدن: تولنا، سختہ: محدود۔

ترجمہ:

1۔ (شروع کرتا ہوں) خدا کے نام سے جو روح اور عقل کا مالک ہے کیونکہ اس سے برتر کوئی سوچ نہیں ہے۔

2۔ نام کا مالک ہے اور جگہ کا مالک ہے۔ روزی دینے والا مالک اور رہنما ہے۔

3۔ زحل اور گردش کرتے آسمان کا مالک ہے۔ چاند، زہرہ اور سورج کو روشن کرنے والا ہے۔

4۔ (اللہ) نام ونشان اور گمان سے برتر ہے۔ تراشے ہوئے موتی کا مصور (خالق) ہے۔

5۔ وہ عقل اور روح کو تولتا ہے، محدود سوچ میں وہ کب سماتا ہے۔

تشریح:

یہ شاہنامہ فردوسی کے ابتدائی اشعار ہیں جن میں فردوسی طوسی نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا پیش کی ہے۔ وہ اپنے شاہنامہ کو اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو میری روح اور عقل کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سوچ اور اس کے خیال سے بہتر اور کوئی سوچ اور خیال نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہر کام اللہ کے نام سے شروع کرنا چاہیے اور اس کی سوچ کے ساتھ شروع کرنا چاہیے کیونکہ اس کی سوچ سے بہتر اور کوئی سوچ نہیں

ہے۔تمام ناموں اور جگہوں کا مالک وہی ایک رب ہے۔ہم سب کو وہی روزی دیتا ہے اور وہی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ہم اسے جس نام سے بھی پکاریں وہ ہر جگہ موجود ہے۔انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔اس کائنات میں موجود سب چیزوں کا مالک اور خالق وہی ہے۔زحل ستارے اور گردش کرتے آسمان کا مالک بھی وہی ہے۔شاہنامہ کے بعض نسخوں میں کیوان کی جگہ ''کیھان'' تحریر ہے جس کا مطلب ''دنیا'' ہے۔چاند،سورج اور زہرہ ستارے کو روشنی دینے والی ذات بھی وہی ہے۔اللہ کی ذات،نام ونشان اور گمان سے برتر ہے۔تراشے ہوئے موتی کا خالق بھی وہی ہے۔انسان کی محدود عقل اللہ تعالیٰ کی لامحدود ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ انسان کی عقل اور روح پر مکمل اختیار رکھتا ہے وہ ان کو جانچ سکتا ہے،تول سکتا ہے۔اس کے برعکس عقل یا سوچ کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ خدا کا احاطہ کر سکے یا اس کو تفسیر کر سکے۔

۶۔ نیابد بدو نیز اندیشہ راہ	کہ او برتر از نام واز جایگاہ
۷۔ یقین دان کہ ہرگز نیاید پدید	بہ وہم اندر، آن کس کہ وہم آفرید
۸۔ سخن ہرچہ زین گوہران بگذرد	نیابد بدو راہ، جان و خرد
۹۔ بہ بینندگان آفرینندہ را	چو بینی؟ مرنجان دو بینندہ را
۱۰۔ خرد گر سخن برگزیند ہمی	ہمان را ستاید کہ بیند ہمی

الفاظ معانی:

نیابد: نہیں پاتا، بدو: اس کی طرف، نیز: بھی، وہم: خیال، پدید آمدن: ظاہر ہونا، آفریدن: پیدا کرنا، گوہران: موتی (جمع)،جان: روح، خرد: عقل، بینندگان: دیکھنے والے،آفرینندہ: پیدا کرنے والا، برگزیند: انتخاب کرے،ستودن: تعریف کرنا۔

ترجمہ:

6۔ اس تک سوچ بھی راستہ نہیں پاتی کیونکہ وہ نام اور مقام سے برتر ہے۔

7۔ یقین جان وہ جس نے خیال کو پیدا کیا وہ وہم کے اندر ظاہر نہیں ہو سکتا۔

8۔ بات جتنی بھی ان موتیوں سے گزر جائے،روح اور عقل اس کی طرف راہ نہیں پاتے۔

9۔ پیدا کرنے والے (اللہ) کو دیکھنے والوں سے (میں کہوں گا کہ) تو نہیں دیکھ پائے گا،دو آنکھوں کو تکلیف نہ دے۔

10۔ عقل اگر (کوئی) بات انتخاب کرتی ہے تو اسی کو انتخاب کرتی ہے جسے دیکھتی ہے۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ اس قدر عظیم، برتر اور لامحدود ہے کہ عقل یا سوچ اپنے اس خالق کو کسی ذہن میں مجسم کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نام اور مقام سے برتر ہے۔اس لیے وہ محدود عقل میں نہیں سما سکتا۔اس بات پر اپنا یقین اور ایمان پختہ کر لینا چاہیے کہ وہ خالق جس نے سوچ اور خیال کو پیدا کیا وہ ہماری کوشش سے اسی سوچ اور خیال میں ظاہر نہیں ہو سکتا۔انسان کی عقل،سوچ یا خیال محدود ہے اس میں لامحدود چیز کیونکر سما سکتی ہے۔بات جتنی بھی ان موتیوں سے گزر جائے یعنی ہم اپنے خالق اور مالک کا ذکر اور تعریف کرتے وقت الفاظ کے جتنے مرضی موتی پرو لیں روح اور عقل اس کی طرف راستہ نہیں پا سکتے۔مراد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی شان کو جتنے مرضی خوبصورت الفاظ میں بیان کریں ہم اس کی شان مکمل طور پر بیان نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ان سب تعریفوں سے بالاتر ہے۔وہ لوگ جو خالق اور مالک کو دیکھنا چاہتے ہیں اور اسے دیکھنے کی مسلسل کوشش کرتے ہیں ان کے بارے میں فردوسی کہتا ہے کہ ان سے میں یہ کہوں گا کہ وہ خواہ مخواہ اپنی آنکھوں کو زحمت اور تکلیف نہ دیں کیونکہ ان کی دو آنکھیں اس کائنات کے خالق کو نہ دیکھ پائیں گی۔عقل جب بھی کوئی بات منتخب کرتی ہے تو ان میں سے

انتخاب کرتی ہے جو اس کے سامنے ہوں۔ خدا کی ذات عقل کے سامنے عملی طور پر موجود نہیں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ موجود تو ہے مگر عملاً آنکھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اس خالق کو دیکھ پائے۔ اس لیے جو چیز عقل اور آنکھوں کے سامنے ظاہر نہیں کوئی اسے کیسے لفظوں میں بیان کر سکتا ہے۔

۱۱۔ بدین آلت رای و جان و زبان — ستود آفریننده را کی توان؟!

۱۲۔ به هستیش باید که خستو شوی — ز گفتار بیکار یکسو شوی

۱۳۔ پرستنده باشی و جوینده راه — بژرفی به فرمانش کردن نگاه

۱۴۔ توانا بود هر که دانا بود — به دانش دل پیر برنا بود

۱۵۔ از این پرده برتر سخن گاه نیست — زهستی مر اندیشه را راه نیست

۱۶۔ ستودن نداند کس او را چو هست — میان بندگی را ببایدت بست

۱۷۔ چو معلوم شد هستی کردگار — دگر خاطر خویش رنجه مدار

الفاظ معانی:

آلت: آلہ، رای: سوچ، ستودن: تعریف کرنا، آفریننده: پیدا کرنے والا، کی: کب، خستو: معترف، یکسو: ایک طرف، پرستنده: عبادت کرنے والا، جوینده راه: راستہ تلاش کرنے والا، ژرف: گہرا، برنا: جوان، سخن گاه: بات کا مقام، چوهست: جیسا ہے۔

ترجمہ:

11۔ سوچ، جان اور زبان کے ان آلات کے ساتھ پیدا کرنے والے کی تعریف کب کی جا سکتی ہے؟

12۔ تجھے چاہیے کہ تو اس کی ہستی کا معترف ہو جائے، بے کار گفتگو سے ایک طرف ہو جائے۔

13۔ تو عبادت گزار اور راستہ تلاش کرنے والا بن جائے۔ اس (اللہ) کے احکامات کو گہری نظر سے دیکھے۔

14۔ جو کوئی عقلمند ہے وہ طاقتور ہے۔ علم سے بوڑھا دل، جوان ہوتا ہے۔

15۔ اس پردے سے اوپر بات کا مقام نہیں ہے۔ سوچ کو اس ہستی تک رسائی نہیں ہے۔

16۔ اس کی کوئی ویسی تعریف نہیں کر سکتا جیسا وہ ہے (اس لیے) تجھے بندگی پر کمر بستہ ہو جانا چاہیے۔

17۔ جب خالق کی ہستی کا علم حاصل ہو گیا تو پھر مزید اپنے ذہن کو تکلیف نہ دے۔

تشریح:

اللہ تعالیٰ کی ذات خالق کائنات ہے اس نے انسان کو عقل، روح اور زبان جیسے آلات عطا کیے ہیں جن کی مدد سے انسان زندگی کے معمولات چلاتا ہے اور الفاظ میں کسی چیز کی تصویر کشی کرتا ہے۔ مگر ان چیزوں کی مدد سے انسان رب کی تمام تعریفوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کا خالق لامحدود ہے۔ اس لیے تجھے چاہیے کہ تو اس کی ہستی کا دل کی گہرائیوں سے معترف ہو جائے اور بے کار گفتگو سے پرہیز کرے۔ یعنی اگر تو خدا کی مکمل تعریف نہیں کر سکتا جو تیرے بس میں ہی نہیں ہے تو پھر اس کا دل سے معترف ہو کر اس کا بندہ ہونے کا حق ادا کر۔ تجھے چاہیے کہ تو اس کی عبادت کرنے والا بن جائے اور جو راستہ اللہ نے تیرے لیے تجویز کیا ہے تو اس کی جستجو کرے اور شیطان کے بتائے ہوئے راستے پر نہ چلے۔ تجھے چاہیے کہ تو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر غور کرے اور ان پر عمل کرے۔ یہ تیری بھلائی کا راستہ ہے۔ جو کوئی عقل مند ہوتا ہے وہی طاقتور ہوتا ہے۔ علم سے بوڑھا دل جوان ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تو اللہ کے بتائے

ہوئے راستے کا علم حاصل کرلے تو پھر تو کمزور نہیں رہے گا بلکہ ایمان کی طاقت تجھے طاقتور بنادے گی۔اس پردے سے برتر بات کرنے کا کوئی مقام نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے مگر ہماری آنکھ کے آگے ایک پردہ ہے جس کے باعث ہم خداتعالیٰ کو ظاہری طور پر نہیں دیکھ سکتے اور اسی وجہ سے اس کی ذات کو مکمل طور پر تصور اور گمان میں نہیں لا سکتے۔اس لیے تجھے باور کرلینا چاہیے کہ تیری عقل محدود ہے جو خالق کی لامحدود ذات کا احاطہ نہیں کرسکتی۔اللہ تعالیٰ کی ذات بے شمار اور ان گنت صفات کی مالک ہے۔اس کی کچھ صفات گنی جاسکتی ہیں مگر ساری صفات مکمل طور پر بیان نہیں کی جاسکتیں کیونکہ انسان ان تمام صفات کو لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔اس لیے ہمیں اس خدا کی بندگی پر کمربستہ ہوجانا چاہیے جو ہمارے اختیار میں ہے اور کی جاسکتی ہے۔خدا قادر مطلق ہے اور اس کو انسان کی عقل اور روح پر مکمل اختیار حاصل ہے وہ ان کو جانچ سکتا ہے پرکھ سکتا ہے مگر اس کے برعکس عقل یا سوچ کو یہ کمال یا اختیار حاصل نہیں کہ وہ خدا کو اپنے اندر سمالے یا اس کو تفسیر کرسکے۔جب تجھے خالق کی ہستی کا علم ہوگیا کہ اس کی ذات کا مکمل احاطہ نہیں کیا جاسکتا تو پھر مزید اپنے ذہن کو تکلیف نہ دے۔

گفتار اندر ستایش خرد

۱۸۔ کنون ای خردمند وصف خرد — بدین جایگه گفتن اندر خورد

۱۹۔ خرد بهتر از هرچه ایزد بداد — ستایش خرد رابه از راه داد

۲۰۔ خرد رهنمای و خرد دلگشای — خرد دست گیرد به هر دو سرای

۲۱۔ ازو شادمانی و زویت غمیست — وزویت فزونی و زویت کمیست

۲۲۔ خرد تیره و مرد روشن روان — نباشد همی شادمان یك زمان

۲۳۔ چه گفت آن خردمند مرد از خرد — که دانا ز گفتار او برخورد

الفاظ معانی:

کنون: اب، خردمند: عقل مند، خرد مند: عقل مند، گفتن: کہنا، ایزد: اللہ تعالیٰ، دست گرفتن: ہاتھ پکڑنا، سرا: سرائے یعنی جہان، شادمانی: خوشی، فزونی: زیادہ ہونا، زویت: اس سے تجھے، تیرہ: تاریک، برخوردن: پھل کھانا، روشن روان: زندہ دل۔

ترجمہ:

عقل کی تعریف کے بارے میں گفتگو

18۔ اے عقلمند، اب عقل کے وصف کے بارے میں (بیان کرتا ہوں)۔اس جگہ (عقل) کے بارے میں بات کرنا زیب دیتا ہے۔

19۔ عقل ہر چیز سے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ نے دی۔عقل کی تعریف کو بہتر طور پر پیش کیا۔

20۔ عقل ایک رہنما ہے اور عقل دل خوش کرنے والی ہے۔عقل دونوں جہانوں میں ہاتھ پکڑتی ہے۔

21۔ اس سے تجھے خوشی میسر آتی ہے اور اسی سے تجھے غم ملتا ہے۔اسی سے تجھے (یعنی تیری عزت کو) بڑھاوا ملتا ہے اور اسی سے تجھے کمی سے روبرو ہونا پڑتا ہے۔

22۔ تاریک عقل والا زندہ دل آدمی کسی وقت خوش نہیں ہوتا۔

23۔ اس عقلمند آدمی نے عقل کے بارے میں کیا کہا کہ عقلمند اپنی گفتگو سے پھل کھاتا ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں فردوسی طوسی نے عقل کی تعریف کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اب میں عقل کے وصف بیان کرتا ہوں کیونکہ اس جگہ عقل کے بارے میں بات کرنا مناسب ہے۔ مراد یہ ہے کہ عقل اتنی کارآمد اور مفید چیز ہے کہ اگر اس کے اوصاف بیان کیے جائیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے لیکن ان تمام نعمتوں میں عقل سب سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کی تعریف کو عملی طور پر اس وقت پیش کیا جب سب سے زیادہ عبادت گزار فرشتے ابلیس پر انسان کی برتری کو اس کی عقل کے ذریعے ثابت کیا بقول فردوسی عقل ایک رہنما ہے اور دل کو خوشی اور اطمینان دینے والی ہے عقل نہ صرف اس دنیا میں انسان کی مددگار ہے بلکہ ابدی دنیا میں بھی اس کی ساتھی اور مددگار ہے۔ عقل کی مدد پہلے انسان غلط اور صحیح میں فرق معلوم کرتا ہے۔ اسی لیے عقل کو رہنما کہتے ہیں۔ جب انسان صحیح راستے پر گامزن ہو جائے تو پھر نہ صرف اس عارضی دنیا میں بلکہ اُس دائمی دنیا میں بھی اس کے کام سنور جاتے ہیں۔ عقل سے تجھے خوشی اور غم، بڑھاوا اور کمی ملتی ہے۔ یعنی اگر انسان عقل سے درست کام لے تو اسے خوشی میسر آتی ہے اور اس کی عزت افزائی ہوتی ہے، اس کے برعکس اگر اس کے برخلاف کام کرے تو اسے دکھ ملتا ہے اور اس کی عزت کم ہو جاتی ہے۔ اس شعر میں شادمانی اور غم، فزونی اور کمی جیسے متضاد الفاظ لا کر شاعر نے صنعت تضاد کو خوبصورت انداز میں استعمال کیا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ ایسا شخص جس کا دل زندہ ہو۔ مگر عقل تاریک ہو وہ کبھی خوشی نہیں پاتا بلکہ رنج و غم میں گھرا رہتا ہے۔ کسی عقل مند نے کیا خوب کہا ہے کہ عقلمند اپنی گفتگو سے پھل کھاتا ہے۔ یعنی عقل مندی سے انسان حکمرانی کرتا ہے اور نادانی سے ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

۲۴۔ "کسی کو خرد را ندارد بہ پیش	دلش گردد از کردهٔ خویش ریش"
۲۵۔ هشیوار دیوانه خواند ورا	همان خویش بیگانه خواند ورا
۲۶۔ ازوئی به هر دو سرای ارجمند	گسسته خرد پای دارد به بند
۲۷۔ خرد چشمِ جان است چون بنگری	تو بی چشم شادان جهان نسپری
۲۸۔ نخست آفرینش خرد راشناس	نگهبان جان است و آنِ سه پاس
۲۹۔ سه پاس تو گوش است و چشم و زبان	کزین سه رسد نیک و بد بی گمان
۳۰۔ خرد را و جان را که یارد ستود	وگر من ستایم که یارد شنود

الفاظ معانی:

ریش: زخمی، هشیوار: عقل مند، ورا: "اورا" کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں اس کو، خویش: اپنے، ارجمند: قابل قدر، گسستن: کٹنا، جدا ہونا، چشم جان: جان کی آنکھ، بنگری: تو دیکھے، شادان: خوش و خرم، سپردن: راستہ طے کرنا، نخست: پہلے، آفرینش: تخلیق، شناختن: پہچاننا، سه پاس: تین اعضاء، گوش: کان، رسیدن: پہنچنا، ستودن: تعریف کرنا، شنودن: سننا، که: کون۔

ترجمہ:

24۔ کوئی جو عقل کو نہیں اپناتا۔ اس کا دل اپنے کیے سے زخمی ہو جاتا ہے۔

25۔ عقلمند اس کو دیوانہ کہتا ہے۔ اس کے اپنے بھی اسے غیر کہتے ہیں۔

26۔ تو اس (عقل) سے دونوں جہانوں میں قابل قدر ہے، عقل سے جدا شخص کا پاؤں بندھا ہوتا ہے۔

کرسکتا۔ تو خوش و خرم آنکھ کے بغیر دنیا کا راستہ طے نہیں کرسکتا۔

27۔ جب تو دیکھے تو عقل جان کی آنکھ ہے۔ تو خوش و خرم آنکھ کے بغیر دنیا کا راستہ طے نہیں کرسکتا۔

28۔ تخلیق نے پہلے عقل کو پہچانا، (عقل) جان اور ان تین اعضاء کی نگہبان ہے۔

29۔ کان، آنکھ اور زبان تیرے تین اعضاء ہیں کیونکہ ان تینوں سے بے شک تجھ تک اچھائی اور برائی پہنچتی ہے۔

30۔ عقل اور روح کی تعریف کون کرسکتا ہے اور اگر میں تعریف کروں تو کون سن سکتا ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں فردوسی طوسی کہتے ہیں کہ وہ شخص جو عقل کا راستہ اختیار نہیں کرتا اس کا دل اپنے ہی کیے پر پچھتاتا ہے۔ اس کے دل سے یہ دکھ کبھی نہیں جاتا کہ کاش وہ عقل سے کام لیتا اور غلط فیصلہ نہ کرتا۔ عقلمند شخص کم عقل کو دیوانہ اور پاگل سمجھتا ہے۔ کم عقل شخص کو تو اس کے اپنے رشتہ دار بھی اپنا کہنے سے گریز کرتے ہیں اور اس سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ عقل کے بارے میں سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے: ''بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال'' بزرگی عقل سے ہے سال سے نہیں۔ یعنی انسان کی عمر زیادہ ہو جانے سے وہ بزرگ نہیں ہوتا بلکہ عقل مند ہونے کے باعث بزرگی پاتا ہے۔ کوئی چالیس سال عمر رکھتا ہو مگر عقل نہ رکھتا ہو تو کوئی اس کی عزت نہیں کرتا بلکہ سب اس سے فاصلہ اختیار کرتے ہیں۔ تو بھی عقل کی بنیاد پر دونوں جہانوں یعنی اِس عارضی دنیا اور اُس دائمی دنیا میں عزت پاتا ہے۔ وہ شخص جو عقلمند نہ ہو اور دیوانہ ہو اسے لوگ آزاد نہیں چھوڑتے بلکہ اس کا پاؤں زنجیر سے بندھا ہوتا ہے۔ جب تو اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو کہ عقل ہماری روح کی آنکھ ہے تو پھر تو تندرست اور سالم آنکھ کے بغیر دنیا کا راستہ کیسے طے کرسکتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تمہیں دنیا کا راستہ طے کرنے کے لیے ایک تندرست آنکھ کی ضرورت ہے اور وہ آنکھ تمہاری عقل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو تخلیق کیا تو سب سے پہلے اسے عقل دی۔ اسی عقل کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم الاسماء دیا۔ اگر عقل نہ ہوتی تو انسان یہ علم کیسے سیکھ پاتا۔ کیسے شیطان پر برتری حاصل کر پاتا۔ عقل ہی انسان کے ان تین اہم اعضاء: کان، آنکھ اور زبان کی نگہبان ہے اور ان کی حفاظت کرتی ہے۔ یہی وہ تین اہم اعضاء ہیں جن کے ذریعے عقل کی رہنمائی سے تو اچھائی حاصل کرسکتا ہے اور کم عقلی کے ذریعے برائی حاصل کرسکتا ہے۔ یہ اعضاء برے نہیں ہیں مگر نادانی اور بے عقلی کی وجہ سے تم ان سے اچھائی کی بجائے برائی حاصل کر سکتے ہو۔

گفتار اندر ستایش آفرینش

۳۱۔ حکیما چو کس نیست گفتن چه سود	از این پس بگو کآفرینش چه بود
۳۲۔ توئی کردهٔ کردگار جهان	نبینی همی آشکار و نهان
۳۳۔ به گفتار دانندگان راه جوی	به گیتی بپوی و به هر کس بگوی
۳۴۔ زهر دانشی چون سخن بشنوی	ز آموختن یك زمان نغنوی
۳۵۔ چو دیدار یابی به شاخ سَخُن	بدانی که دانش نیاید به بُن
۳۶۔ از آغاز باید که دانی درست	سرمایهٔ گوهران از نخست

الفاظ معانی:

آفرینش: تخلیق، پیدائش، چه بود: کیا تھی، کردگار جهان: دنیا کا خالق، نهان: پوشیدہ، گفتار: بات، دانندگان: جاننے والے، راه جو: راستہ تلاش کرنے والے، گیتی: دنیا، بپوییدن: تلاش کرنا، آموختن: سیکھنا، بن: جڑ، بنیاد: گوھر، موتی، نخست: پہلا، ابتداء۔

ترجمہ:

31- اے عقلمند، جب کوئی نہیں ہے تو پھر کہنے کا کیا فائدہ۔ اس کے بعد کہہ کہ تخلیق کیا تھا۔

32- دُنیا کے خالق کے کیے ہوئے کے اندر کیا تو ظاہر اور پوشیدہ (چیزیں) نہیں دیکھتا۔

33- تجھے (علم) جاننے والوں کی بات میں راستہ تلاش کرنا چاہیے۔ تجھے دنیا میں تلاش کرنا چاہیے اور ہر کسی سے کہنا چاہیے۔

34- جب تو کسی بھی علم کے بارے میں بات سنے تو تجھے چاہیے کہ اس کے سیکھنے میں لمحے بھر کی کوتاہی نہ کرے۔

35- جب تجھے (علم کی) بات کی شاخ کا دیدار حاصل ہو تو جان لے کہ علم جڑ (بنیاد) کے بغیر نہیں آتا۔

36- تجھے ابتداء سے صحیح جاننا چاہیے۔ علم کے موتیوں کا سرمایہ ابتداء سے حاصل کرنا چاہیے۔

تشریح:

فردوسی طوسی کہتے ہیں کہ جب کوئی بات سننے والا نہیں ہے تو بات کرنے کا کیا فائدہ۔ یعنی کسی عقلمند سے بات کرنا مفید ثابت ہوتا ہے۔ وہ شخص جو عقلمند نہ ہو اس سے بات کرنا بے سود ہے۔ اس کے بعد اب اس کائنات کی تخلیق کی بات کرنی چاہیے کہ اسے خالق نے کیسے تخلیق کیا۔ کوئی بھی ذی عقل انسان ظاہر اور پوشیدہ چیزوں سے اس دنیا کے خالق کا پتہ لگا سکتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں کچھ چیزیں ظاہر ہیں جیسے چاند، ستارے، سورج، درخت، پھول وغیرہ۔ یہ سب ایک نظام کے تحت اپنی ہستی کو قائم رکھتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ان کے خالق کا پتہ چلتا ہے مگر کچھ چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو نظر نہیں آتیں جیسے ہوا، روح، درد، عقل، عشق وغیرہ مگر ان سے بھی خالق کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ اگر تو اس جہان کی تخلیق کا بھید جاننا چاہتا ہے تو پھر تجھے علم جاننے والوں کی باتوں میں راستہ تلاش کرنا چاہیے۔ تجھے دنیا میں حقیقت کی تلاش کرنی چاہیے اور جب حقیقت تک پہنچ جاؤ تو اس کے بارے میں دوسروں کو بھی آگاہ کرنا چاہیے۔ فردوسی قاری کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تو کسی بھی علم کے بارے میں کوئی بات سنے تو اس کے سیکھنے میں لمحے بھر کی تاخیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ علم ہی دونوں جہانوں میں تمہاری کامیابی کی چابی ہے۔ جب بھی کوئی علم سیکھو تو اس کی بنیاد سے سیکھو۔ اگر کوئی علم اس کی بنیاد سے نہیں سیکھو گے تو نہیں سیکھ پاؤ گے۔ علم حاصل کرنا موتیوں کا خزانہ پا لینے کے مترادف ہے۔ مگر یہ خزانہ تبھی ملتا ہے جب اس سرمائے یعنی علم کو ابتداء سے حاصل کیا جائے۔

☆☆☆

۳۷۔ کـــه یـــزدان ز نـــاچیز چیز آفـریـد ‌‌‌‌‌‌‌ بـــدان تـــا تـــوانـــائـــی آرد بـــدیـــد

۳۸۔ ســـرمـــایـــهٔ گـــوهـــران ایـن چهـــار ‌‌‌‌‌‌‌ بـــر آورد بـــی رنـــج و بـــی روز گـــار

۳۹۔ یـــکـــی آتشـــی بـــرشـــده تـــابـنـــاك ‌‌‌‌‌‌‌ میـــان آب و بـــاد از بـــر تیـــره خـــاك

۴۰۔ نـخستین کـــه آتـــش بـــه جنبش دمید ‌‌‌‌‌‌‌ ز گـــرمیـــش بـــس خشـــکی آمـــد پـــدیـــد

۴۱۔ از آن پـــس ز آرام ســـردی نـــمـــود ‌‌‌‌‌‌‌ ز ســـردی هـــمـــان بـــاز تـــرّی فـــزود

۴۲۔ چـــو ایـــن چـــار گـــوهـــر بجـــای آمـــدنـــد ‌‌‌‌‌‌‌ زبهـــر ســـپـــنـــجـــی ســـرای آمـــدنـــد

۴۳۔ گـــهـــرهـــا یك انـــدر دگـــر ســـاختـــه ‌‌‌‌‌‌‌ زهـــر گـــونـــه گـــردن بـــر افـــراختـــه

الفاظ معانی:

یزدان: اللہ تعالیٰ، بی رنج: تکلیف کے بغیر، بی روزگار: زمانے کے بغیر، آتش: آگ، تابناک: روشن، آب: پانی، تیرہ خاک: تاریک مٹی، نخستین: پہلے، دمیدن: پھوٹنا، پدید آمدن: نمودار ہونا، گوھر: جوہر، سپنجی: عارضی، سرای: دنیا، گردن افراختن: گردن اٹھانا، ظاہر ہونا۔

ترجمہ:

37۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ناچیز سے چیز تخلیق کی تاکہ اس سے (اپنی) توانائی ظاہر کرے۔

38۔ اس (اللہ تعالیٰ) نے ان چار جوہروں کے سرمائے سے بغیر تکلیف اُٹھائے اور بغیر وقت لگائے پیدا کی۔

39۔ ایک تاباک شدہ آگ، پانی، ہوا اور تاریک مٹی کے درمیان۔

40۔ پہلے جب آگ حرکت میں آئی پھر اس کی گرمی سے خشکی نمودار ہوئی۔

41۔ اس کے بعد آرام سے سردی پیدا کی۔ اسی سردی س پھر تری زیادہ ہوئی۔

42۔ جب یہ چار جوہر وجود میں آئے (اور وہ اس) عارضی دُنیا کے لیے آئے۔

43۔ اس نے ایک کے اندر دوسرا جوہر پیدا کیا ہے۔ اور ہر طرح کی چیز ظاہر ہوئی ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں فردوسی نے اس دنیا کی تخلیق کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناچیز سے یہ چیز یعنی دنیا بنائی ہے تاکہ اس سے اپنی طاقت اور قوت ظاہر کرے کہ وہ کتنا توانا ہے کہ کسی بے کار سی چیز سے کارآمد چیز بنا سکتا ہے۔ اس دنیا میں جتنے بھی جوہر دکھائی دیتے ہیں ان سب کی بنیاد ان چار عناصر آگ، پانی، ہوا اور مٹی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بغیر کوئی تکلیف اٹھائے یا بغیر کوئی وقت صرف کیے بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب بھی کوئی چیز بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو حکم دیتے ہیں ''کن'' یعنی ہو جا اور چیز اسی آن بغیر لمحے بھر کی تاخیر کے بن جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ خالق اور قادر جب کسی شے کو بنانے کا ارادہ کرتا ہے تو بغیر کوئی تکلیف اُٹھائے یا وقت صرف کیے بنا لیتا ہے۔ ان چار عناصر میں سے ایک عنصر تابناک آگ ہے جسے پانی، ہوا اور تاریک مٹی میں ملا کر اس دنیا کی تخلیق کی گئی۔ سب سے پہلے روشن آگ حرکت میں آئی اور اس آگ کی حرارت اور گرمی سے خشکی وجود میں آئی۔ پھر آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ نے سردی میں اضافہ کیا تو اس سردی سے تری یعنی گیلا پن اور پانی (دریا، سمندر) وجود میں آئے سردی سے پہلے برف بنتی ہے اور پھر وہی پگھل کر دریاؤں اور سمندروں میں تبدیل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ چاروں جوہر آگ، پانی، ہوا اور تاریک مٹی اس عارضی دنیا کو بنانے کے لیے پیدا کیے۔ پھر انہی چار عناصر کی مدد سے طرح طرح کے جوہر بنائے جو آج اس عارضی دنیا میں دکھائی دیتے ہیں۔

☆☆☆

گفتار اندر آفرینش افلاک

٤٤۔ پدید آمد این گنبد تیزرو
شگفتی نمایندهٔ نو به نو

٤٥۔ ابر ده و دو هفت شد کد خدای
گرفتند هریک سزاوار جای

٤٦۔ در او داد و هم بخشش آمد پدید
ببخشید داننده چونان سزید

۴۷۔ فلک ها یك اندر دگر بسته شد — بجنبید چون کار پیوسته شد

۴۸۔ چو دشت و چو دریا و چون کوه و راغ — زمین شد بکردار روشن چراغ

الفاظ معانی:

گفتار: گفتگو، افلاک: فلک کی جمع یعنی آسمان، تیزرو: تیز چلنے والا، شگفتی: تعجب، نماینده: دکھانے والا، نو به نو: نئے نئے، ابر: بادل، اُونچائی، یہاں مراد ہے چھوٹے آسمان، ده و دو هفت: دس اور دو یعنی 12 اور سات، کدخدا: چوہدری، سزاور: مناسب، داد: انصاف، دشت: صحرا، دریا: سمندر، راغ: وادی، بکردار: کی طرح۔

ترجمہ:

آسمانوں کے بیدار ہونے کے بارے میں گفتگو

44۔ تیز چلنے والا اور نئی نئی عجیب چیزیں دکھانے والا یہ گنبد وجود میں آیا۔

45۔ دس اور دو یعنی بارہ اور سات اونچائیاں چوہدری بن گئیں۔ ہر ایک نے مناسب جگہ لے لی۔

46۔ ان میں انصاف اور بخشش نمودار ہوئی۔ جاننے والے (یعنی اللہ تعالیٰ) نے ان کے لیے جو مناسب تھا انہیں عطا کیا۔

47۔ آسمان ایک دوسرے کے ساتھ بندھ گئے۔ جب (ان کا) کام جڑ گیا تو وہ حرکت میں آئے۔

48۔ جیسے صحرا اور جیسے سمندر اور جیسے پہاڑ اور وادیاں، زمین روشن چراغ کی طرح ہوگئی۔

تشریح:

فردوسی طوسی نے ان اشعار میں آسمانوں کی تخلیق کے بارے میں ان الفاظ میں وضاحت کی ہے کہ سب سے پہلے تیز چلنے والا اور نئی چیزیں دکھانے والا یہ گنبد وجود میں آیا۔ ایران اور برصغیر کے شعرا کا عقیدہ یہ ہے کہ دُنیا میں جو حوادث رونما ہوتے ہیں یا نئی نئی عجیب چیزیں جنم لیتی ہیں، وہ آسمان کی طرف سے ہوتی ہیں۔ دوسرے شعر میں فردوسی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے بارہ فلکی برجوں کو سات سیاروں پر مسلط کر دیا اور ہر چیز خوبی اور نیکی کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم ہوگئی۔ یہاں بارہ اور سات کے چوہدری بن جانے سے مراد ہے کہ وہ مسلط ہوگئے اور ان میں سے ہر ایک نے ایک مناسب جگہ پالی۔ ان آسمانوں میں انصاف اور بخشش نمودار ہوئی البتہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے ان آسمانوں کو عطا کیں۔ جس کے لیے جو مناسب تھا اللہ تعالیٰ نے اسے وہ عطا کیا۔ پھر یہ چونکہ آسمان ایک دوسرے کے ساتھ جڑ گئے اور پیوست ہوگئے اور جب جڑنے کا عمل مکمل ہوا تو آسمان حرکت میں آ گیا۔ آسمان بننے کے بعد یہ سب چیزیں مثلاً صحرا، سمندر، پہاڑ اور وادیاں وجود میں آئے۔ دُنیا میں طرح طرح کی رنگ برنگی چیزیں وجود میں آئیں اور یوں ان چیزوں کے ساتھ دنیا ایک روشن چراغ کی مانند بن گئی۔

☆☆☆

۴۹۔ ببالید کوه آبها بر دمید — سر رستنی سوی بالا کشید

۵۰۔ زمین را بلندی نبد جایگاه — یکی مرکزی بود تیره ی سیاه

۵۱۔ ستاره به سر بر شگفتی نمود — به خاك اندرون روشنائی فزود

٥٢- همی برشد ابر و فرود آمد آب | همی گشت گرد جهان آفتاب

٥٣- گیا رُست با چند گونه درخت | به ابر اندر آمد سرانشان ز سخت

٥٤- ببالد ندارد جز این نیروئی | بپوید چو پویندگان هر سوئی

الفاظ معانی:

بالیدن: نشوونما پانا، پھولنا، بردمیدن: پھوٹنا، رُستنی: نباتات، تیرہ: تاریک، شگفتی: تعجب، برشدن: اونچا ہونا، ابر: دل، فرود آمدن: نیچے آنا، آفتاب: سورج، گیا: پودے، رستن: اُگنا، چند گونہ: چند طرح کے، پوییدن: تلاش کرنا، چو: کی طرح، هرسوئی: ہر طرف۔

ترجمہ:

49۔ پہاڑوں نے نشوونما پائی تو پانی پھوٹے، نباتات نے سر اوپر کی طرف کھینچا۔

50۔ زمین کا بلندی پر مقام نہ تھا۔ وہ ایک تاریک سیاہ مرکز تھی۔

51۔ ستارے نے تعجب کا کام کیا۔ مٹی کے اندر روشنی بڑھا دی۔

52۔ بادل اونچے ہوئے اور پانی نیچے آیا۔ سورج دنیا کے گرد گھومنے لگا۔

53۔ پودے چند طرح کے درختوں کے ساتھ اُگے۔ بادلوں کے اندر ان کا سر مشکل سے آیا۔

54۔ (سبزہ) نشوونما پاتا ہے مگر اس کے سوا طاقت نہیں رکھتا کہ وہ تلاش کرنے والوں کی طرح ہر طرف تلاش کرے۔

تشریح:

ان اشعار میں فردوسی طوسی کہتے ہیں کہ پہاڑوں نے سر اوپر کو اُٹھائے اور جب وہ پھولے تو ان سے پانی کے چشمے پھوٹے۔ جب پانی کے چشمے پھوٹے تو پانی کی فراوانی اور فراہمی سے نباتات یعنی پودے، جھاڑیاں اور درخت زمین سے اُگے اور انہوں نے اپنا سر اوپر آسمان کی طرف کھینچا۔ زمین کا بلندی پر کوئی مقام نہ تھا اس کا کام نیچے تھا اور وہ شروع میں ایک تاریک اور سیاہ مرکز تھی۔ زمین کی تاریکی کو دور کرنے کے ستارے نے تعجب آور کام کیا اور زمین کی مٹی پر اپنی روشنی ڈالی جس سے رات کو بھی زمین کو روشنی میسر آئی۔ جب بادلوں نے آسمان کی بلندیوں کو چھوا تو بادلوں سے پانی بارش کی صورت برسا۔ سورج بھی زمین کے گرد گھومنے لگا اور سورج سے زمین کو روشنی اور حرارت میسر آئی۔ نباتات پودوں اور درختوں کی صورت میں کثرت سے اُگے۔ کچھ چھوٹے تھے اور کچھ بہت بلند لیکن ان کی بلندی نے انہیں مشکل سے بادلوں کی بلندی تک پہنچایا۔ نباتات اپنی طاقت کے بل بوتے پر زمین کا سینہ چیر کر آسمان کی طرف بڑھتے ہیں مگر ان کی یہ نشوونما ان کو صرف یہ طاقت بخشی کہ وہ روئے زمین پر ایسے پھیلیں جیسے کوئی تلاش کرنے والا کسی چیز کو ادھر ادھر تلاش کرتا ہے۔

گفتار اندر آفرینش مُردم و حیوان

٥٥- وُز آن پس چو جنبنده آمد پدید | همه رستنی سوی خویش آورید

٥٦- خور و خواب و آرام جوید همی | وز آن زندگی کام جوید همی

٥٧- نه گویا زبان و نه جویا خرد | ز خار و زخاشاك تن پرورد

٥٨- نداند بد و نیك فرجام كار | نخواهد ازو بندگی، كردگار

۵۹۔ چو دانا توانا بد و دادگر ... ازایرا نکرد ایچ پنہان ہنر

الفاظ معانی:

مردم: لوگ، وزآن پس: اور اس کے بعد، جنبندہ: حرکت کرنے والا، رستنی: نباتات، سوی خویش: اپنی جانب، آوردن: لانا، خور: خوراک، خواب: نیند، جستن: تلاش کرنا، کام: مراد، گویا: بولنے والی، خرد: عقل، خار: کانٹا، خاشاک: تنکے، تن پروردن: جسم پالنا، فرجام: انجام، کردگار: خالق، دادگر: عادل، ازایرا: اس لیے، ایچ: کوئی۔

ترجمہ:

لوگوں اور حیوانات کی تخلیق کے بارے میں گفتگو

55۔ اس کے بعد جب حرکت کرنے والا نمودار ہوا تو وہ سب نباتات کو اپنی طرف لایا۔

56۔ وہ (یعنی حیوانات) خوراک، نیند اور آرام تلاش کرتے ہیں اور اس زندگی سے مراد تلاش کرتے ہیں۔

57۔ نہ وہ بولنے والی زبان رکھتے ہیں اور نہ تلاش کرنے والی عقل۔ وہ کانٹوں اور تنکوں سے اپنا تن پالتے ہیں۔

58۔ نہ کام کے اچھے اور بُرے انجام کو سمجھتے ہیں۔ نہ خالق ان سے بندگی چاہتا ہے۔

59۔ کیونکہ جاننے والا توانا اور عادل تھا، اس لیے اس نے کوئی ہنر نہیں چھپایا۔

تشریح:

ان اشعار میں فردوسی نے دُنیا میں جانوروں کی پیدائش کے بارے میں بتایا کہ جب حرکت کرنے والا آسمان ظاہر ہو گیا تو پھر اس کے بعد جتنے بھی پودے اور درخت اُگے انہوں نے آسمان کی طرف رُخ کیا۔ کیونکہ جو پودا یا درخت اُگتا ہے اسے آسمان اپنی جانب لاتا ہے۔ اس لیے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پودے یا درخت آسمان کی طرف اٹھتے ہیں۔ نباتات یعنی پودے، جھاڑیاں اور درخت وغیرہ پیدا ہونے کے بعد خالق نے جانوروں اور حیوانات کو پیدا کیا۔ جن کا کام کھانا، سونا اور آرام کرنا ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد اور ان کے دل کی مراد اسی میں ہے کہ وہ کھائیں اور سوئیں۔ وہ یعنی حیوانات کانٹے اور تنکے کھا کر اپنا تن پال لیتے ہیں۔ یہی ان کی خوارک ہے۔ ان کو ان کے کام کے اچھے یا بُرے انجام کا کچھ پتہ نہیں کیونکہ ان میں ایسی عقل موجود نہیں ہے جو ان کو بتا سکے کہ ان کام کا انجام اچھا ہے یا برا۔ یعنی ان کو اپنے اچھے برے کی تمیز نہیں ہے۔ اس شعر میں فردوسی نے دو متضاد الفاظ ''بد و نیک'' ایک مصرع میں لا کر صنعت تضاد استعمال کی ہے۔ خالق بھی حیوانات سے اپنی بندگی نہیں چاہتا۔ جانوروں پر خالق کی عبادت اس طرح سے فرض نہیں کی گئی جیسے انسانوں پر نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد وغیرہ کی صورت میں عبادات فرض قرار دی گئیں۔ چونکہ جاننے والا خالق توانا اور انصاف دینے والا اور عادل تھا اس لیے اس نے کوئی ہنر چھپا کر نہیں رکھا بلکہ سب ہنر انسانوں پر آشکار کر دیئے۔

۶۰۔ چنین است فرجام کار جهان ... نداند کسی آشکار و نهان

۶۱۔ چو فرجام شد، مردم آمد پدید ... شد این بندها را سراسر کلید

۶۲۔ به بالا چو برشد چو سرو بلند ... به گفتار خوب خرد کاربند

۶۳۔ پذیرند هوش و رای و خرد ... مر اورا دد و دام فرمان برد

۶۴۔ ز راه خرد بنگری اندکی ... که مردم به معنی چه باشد یکی

الفاظ معانی:

چنین: ایسا، فرجام: انجام، نہان: پوشیدہ، مردم: لوگ، کلید: چابی، خرد: عقل، ددو دام: جنگلی اور پالتو جانور، اند کی: تھوڑا۔

ترجمہ:

60۔ دُنیا کے کام کا انجام ایسا ہے۔ کوئی ظاہر اور پوشیدہ کو نہیں جانتا۔

61۔ جب (کام) انجام کو پہنچا تو لوگ نمودار ہوئے ان گرہوں کی مکمل چابی آ گئی۔

62۔ اونچائی میں سرو جیسا بلند ہو گیا۔ وہ عقل کی اچھی گفتگو پر کاربند ہوا۔

63۔ وہ ہوش، رائے اور عقل قبول کرنے والا ہے۔ جنگلی اور پالتو جانور اس کا حکم مانتے ہیں۔

64۔ اگر تو تھوڑا سا عقل کے راستے سے دیکھے کہ لوگ حقیقت میں کس لحاظ سے ایک ہیں۔

تشریح:

فردوسی طوسی کہتے ہیں کہ اس دُنیا کے کام کا انجام ایسا ہے۔ پوشیدہ تو پوشیدہ ہے ظاہر کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ کبھی کبھار انسان اپنی آنکھوں سے دیکھی جانے والی چیزوں کی بھی حقیقت معلوم نہیں کر سکتا۔ اس سے پہلے شعر میں دو متضاد الفاظ ''آشکار و نہان'' ایک مصرع میں لا کر فردوسی نے صنعت تضاد کا استعمال خوبصورت طریقے سے کیا ہے جب دُنیا کو بنانے کا کام مکمل ہوا تو پھر انسان نمودار ہوئے یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان اس دنیا میں بھیجے۔ انسان کو علم دے کر درحقیقت ان تمام گرہوں کی چابی دے دی گئی جسے فرشتے بھی نہیں سمجھ سکتے۔ ایسا علم سے ممکن ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے پہلے علم الاسماء یعنی ناموں کا علم دیا۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے سرو جیسی بلند قد و قامت دی۔ ''چو سرو بلند'' تشبیہ ہے یعنی انسان کو سرو جیسا اونچا قد دیا۔ انسان کو عقلمند اور گفتگو کرنے کا سلیقہ اور طاقت عطا کی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسا تخلیق کیا ہے کہ وہ ہوش، رائے اور عقل قبول کرنے والا ہے۔ پالتو جانور ہی نہیں بلکہ جنگلی جانور بھی اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور ایسا انسان کے عقلمند ہونے کی وجہ سے ہے۔ اگر تو عقل کے ساتھ غور کرے تو مجھے معلوم ہو جائے گا کہ انسان کس اعتبار سے مشترک ہیں۔ ان کی مشترک قدر یہ ہے کہ وہ عقلمند ہیں۔

٦٥۔ مگر مردم خیره خوانی همی — جز اینش نشانی ندانی همی:

٦٦۔ ترا ازدو گیتی بر آورده اند — به چندین میانجی ببر ورده اند

٦٧۔ نخستین فطرت پسین شمار — توئی، خویشتن رابه بازی مدار

٦٨۔ شنیدم ز دانا دگرگون ازین — چه دانیم راز جهان آفرین

٦٩۔ نگه کن سر انجام خود را ببین — که کاری نیابی برین بر، گزین

الفاظ معانی:

خیره خواندن: برتر کہنا، نشانی: پتہ، ثبوت، دو گیتی: دونوں جہاں، میانجی: واسطہ، وسیلہ، پروردن: پرورش کرنا، نخستین: پہلا، بازی: کھیل، جہاں آفرین: دنیا پیدا کرنے والا، نگہ کن: دیکھ، ببین: دیکھ، گزین: انتخاب کر،

ترجمہ:

65۔ شاید تو اسی سے لوگوں کو برتر کہتا ہے۔ اس کے سوا کوئی ثبوت تو نہیں جانتا۔

66۔ تجھے دونوں جہانوں کے لیے لایا گیا ہے۔ کئی وسیلوں سے تیری پرورش کی گئی ہے۔
67۔ فطرت کو آخری شمار کرنے والا پہلا (شخص) تو ہے۔ اپنے آپ کو کھیل میں مشغول نہ کر۔
68۔ میں نے اس سے پریشان عقلمند سے سنا کہ ہم دُنیا پیدا کرنے والے کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔
69۔ دیکھ، بالآخر تو خود کو دیکھ کہ اس سے برتر تو کوئی کام نہیں پائے گا، (اسے) انتخاب کر۔

تشریح:

پہلے شعر کا تعلق پچھلے اشعار سے ہے جن میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے عظیم تحفہ عقل کی صورت میں دیا ہے۔ اسی عقل سے انسان علم حاصل کرتا ہے اور اسی عقل کی بنیاد پر اسے دیگر مخلوقات پر برتری حاصل ہوئی ہے۔ کوئی انسان عقل اور علم کے ذریعے دوسروں سے برتری پاتا ہے۔ کسی کی برتری کا ثبوت اس کی عقل ہے کہ وہ کتنا عقلمند ہے۔ یہ دونوں جہاں یعنی یہ دنیا اور آخرت انسانوں کے لیے بنائے گئے ہیں۔ دنیا کی محدود زندگی کے اعمال پر آخرت میں دائمی زندگی کا مقام معین ہونا ہے۔ فردوسی کہتے ہیں اے انسان کئی وسیلوں سے تیری پرورش کی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھے گوناں گوں نعمتوں سے نوازا ہے جن سے تیری پرورش ہوئی ہے۔ تو ہی وہ پہلا شخص ہے جو فطرت اور ساخت کے اعتبار سے سب سے پہلے بنایا گیا اور اسے تمام موجودات پر برتری اور فضیلت دی گئی جب کہ باری کے اعتبار سے سب سے آخر میں بھیجا گیا۔ اس لیے تو اپنے آپ کو کھیل میں مشغول نہ کر۔ یعنی اپنی اس پیدائش اور خلقت کو فضول نہ سمجھ۔ ایک عقل مند جو اس دُنیا کو بنانے والے کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان تھا میں نے اس سے سنا ہے کہ ہم دنیا کو پیدا کرنے والے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ کیونکہ ہماری محدود عقل اس لامحدود ذات کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتی یا اسے اپنے تصور میں نہیں لا سکتی اس لیے ایسے بے فائدہ کاموں میں اپنے آپ کو مشغول نہیں کرنا چاہیے۔ فردوسی کہتے ہیں اگر تو خالق کو پہچاننا چاہتا ہے تو اپنے آپ سے اپنے رب کو پہچان کیونکہ تو اس رب کی بہترین تخلیق ہے اور تو اسی راستہ کو اپنا۔

۷۰۔ بہ رنج اندر آری تنت را، رواست	کہ خود رنج بردن زدانش سزاست
۷۱۔ چو خواهی کہ یابی ز بدها رها	سر اندر نیاری بہ دام بلا
۷۲۔ بہ گرد در دانشش باز گرد	کہ درمان ازویست و زویست درد
۷۳۔ نہ گشت زمانہ بفرسایدش	نہ آن رنج و تیمار بگزایدش
۷۴۔ نہ از جنبش آرام گیرد همی	نہ چون ما تباهی پذیرد همی
۷۵۔ ازو دان فزونی و زوهم شمار	بد و نیک نزدیک او آشکار

الفاظ معانی:

تنت: تیرا جسم، رواست: جائز ہے، سزاست: ثواب ہے، چو: جب، دام: جال، درمان: علاج، زویست: اس سے ہے، فرسایدن: کمزور کرنا، تیمار: غم، گزاییدن: نقصان پہنچانا، چون ما: ہماری طرح، فزونی: اضافہ۔

ترجمہ:

70۔ اگر تو اپنا تن تکلیف میں رکھے تو روا ہے کیونکہ علم کے لیے تکلیف اُٹھانا خود ثواب ہے۔
71۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تو بروں سے چھٹکارہ پائے تو تجھے چاہیے کہ تو کسی مصیبت کے جال میں سر نہ رکھے۔

اس کے علم کے دروازے کے گرد چکر لگا کیونکہ درد اسی سے ہے اور درمان (بھی) اسی سے ہے۔

72۔ وقت اسے کمزور نہیں کر سکتا۔ نہ وہ رنج اور غم اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

73۔ وہ اپنی جنبش سے نہیں رکتا۔ نہ ہماری طرح تباہی قبول کرتا ہے۔

74۔ تو اسی سے اضافہ سمجھ اور اسی سے ہی شمار۔ اس کے لیے برا اور اچھائیاں ہیں۔

75۔

تشریح:

ان اشعار میں فردوسی قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اگر علم حاصل کرنے کے لیے تمہیں اپنا تن تکلیف میں رکھنا پڑے تو وہ جائز ہے بلکہ علم کے حصول کے لیے خود کو تکلیف دینا نہ صرف روا ہے بلکہ ثواب ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ توبروں سے نجات حاصل کر لے تو تجھے چاہیے کہ تو مصیبت کے جال سے دُور رہے۔ یہاں مصیبت کے جال سے مراد بُروں کی صحبت ہے۔ علم اچھے اور برے کی تمیز سکھاتا ہے۔ جب بروں کی پہچان ہو جائے تو پھر ان سے دُور رہنا چاہیے کیوں کہ وہ ایسی بلا ہیں جو برائی کے سوا اور کچھ نہیں دیتے۔ اس کے علم کے دروازے کے گرد چکر لگا یعنی اللہ تعالیٰ نے جو علم دیا ہے اسے حاصل کرنے کی کوشش اور جدو جہد کر۔ کیونکہ اس علم کو حاصل کرنے سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔ جسے اللہ کی رضا حاصل ہو جائے وقت اسے کمزور نہیں کر سکتا اور اسے تکلیف نہیں دے سکتا۔ وہ رنج و غم کے نقصان سے بچ جاتا ہے۔ وہ صحیح سمت میں حرکت کرتا رہتا ہے اور کوئی اسے حرکت کرنے سے نہیں روک سکتا۔ کیونکہ اللہ کی رضا ہی اس کی مددگار ہوتی ہے۔ ہم جیسے عام آدمی تباہی سے متاثر ہو سکتے ہیں مگر تباہی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اللہ کی ذات ہے جو اضافہ کرتی ہے یا حساب لیتی ہے یعنی حساب لینے کا اختیار رکھتی ہے۔ اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ ہر اچھائی اور برائی سے وہ آگاہ ہے۔

☆☆☆

گفتار اندر آفرینش آفتاب

۷۶۔ چنین چرغ گردنده پیدا نمود	نه از آب و باد و نه از گرد و دود
۷۷۔ به چندین فروغ و به چندین چراغ	بیاراسته چون به نوروز باغ
۷۸۔ ازویست رخشنده گیتی فروز	ازو روشنائی گرفته ست روز
۷۹۔ ز خاور بر آید سوی باختر	نباشد ازین یك روش زاستر
۸۰۔ ایا آنکه تو آفتابی همی	چه بودت که بر من نتابی همی

الفاظ معانی:

آفتاب: سورج، چرخ: پہیہ، یہاں گول کے معنی میں آیا ہے، آب: پانی، دود: دھواں، فروغ: چمک، چراغ: روشنی، ازویست: اس سے ہے، رخشندہ: درخشاں، خاور: مشرق، باختر: مغرب، روش: راستہ، زاستر: ذرا سا اس طرف، ایا: اے، آنکہ: وہ کہ، تابیدن: چمکنا

ترجمہ:

سورج کی تخلیق کے بارے میں گفتگو

76۔ اس (اللہ تعالیٰ) نے گول گھومنے والا پیدا کیا، نہ پانی اور ہوا سے اور نہ گرد اور دھویں سے۔

77۔ اس قدر چمک کے ساتھ اور اس قدر روشنی کے ساتھ، اسے نوروز کے باغ کی طرح آراستہ کیا۔

78۔ روشن دنیا کی روشنی اس سے ہے۔ دن نے اس سے روشنائی لی ہے۔

79۔ وہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے، مغرب کی طرف جاتا ہے۔ وہ اپنے اس راستے سے ذرا سا اس طرف نہیں ہوتا۔

80۔ اے وہ کہ تو روشنی دیتا ہے۔ تجھے کیا ہے کہ تو مجھ پر نہیں چمکتا۔

تشریح:

یہ اشعار فردوسی طوسی نے سورج کی تخلیق کے بارے میں کہے ہیں ان میں وہ کہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے گھومنے والا گول سورج پیدا کیا۔ اس نے اسے پانی، ہوا، گرد اور دھوئیں سے نہیں بنایا۔ یعنی سورج کے عناصر ترکیبی میں پانی، ہوا، دھواں اور گرد شامل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ آگ کا ایک گولہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو اپنی چمک اور اتنی روشنی سے ایسے آراستہ کیا جیسے نوروز میں باغ آراستہ ہو جاتا ہے۔ نوروز ایرانی سال کے پہلے دن کو کہتے ہیں جو در حقیقت موسم بہار کا پہلا دن ہے۔ بہار کے شروع ہوتے ہی باغ سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں۔ پھولوں سے آراستہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورج کو روشنی سے ایسے آراستہ کیا جیسے نوروز کے وقت باغ آراستہ ہو جاتے ہیں۔ فردوسی نے اپنے اس سفر میں بہت خوبصورت تشبیہ پیش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں اس روشن دنیا کی روشنی سورج سے ہے اور دن نے بھی اسی سے روشنی کی ہے۔ یہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب کی طرف چلا جاتا ہے۔ مگر وہ کبھی بھی اپنے اس راستے سے ذرہ برابر اس طرف نہیں ہٹتا۔ لیکن آخر میں فردوسی سورج سے شکوہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے روشنی دینے والے سورج تو مجھ پر کیوں نہیں چمکتا یعنی میرے دونوں کو منور کیوں نہیں کرتا۔

گفتار اندر آفرینش ماه

۸۱۔ چراغ است مر تیره شب را بسیچ — به بد تا توانی تو هرگز مپیچ!

۸۲۔ چو سی روز گرد او بپیمایدا — همانا از گردش نفرسایدا

۸۳۔ پدید آید آنگاه باریك و زرد — چو پشت کسی کو غم عشق خورد

۸۴۔ چو بیننده دیدارش از دور دید — هم اندر زمان او شود ناپدید

۸۵۔ دگر شب نمایش کند بیشتر — ترا روشنائی دهد بیشتر

۸۶۔ به دو هفته گردد تمام و درست — بدان باز گردد که بود از نخست

۸۷۔ بدین سان نهادش خداوند داد — بود تا بود هم برین یك نهاد

الفاظ معانی: تیره شب: تاریک رات، بسیچ: سامان، مپیچ: نہ لپٹ، سی روز: تیس دن، پیماییدن: سفر کرنا، فرساییدن: تھکنا، پدید آمدن: نمودار ہونا، آنگاه: اس وقت، بیننده: دیکھنے والا، ناپدید: غائب، نمائش: دکھاوا، تمام و درست: مکمل اور پورا، نخست: پہلے، بدین سان: اس طرح، نهاد: فطرت، عادت۔

ترجمہ:

چاند کی تخلیق کے بارے میں گفتگو

81۔ روشنی ہے، تاریک رات کا سامان ہے۔ جہاں تک ہو سکے تو بُرے کی صحبت اختیار نہ کر۔

82۔ جب تیس دن وہ اس کے گرد سفر کرتا ہے، یقیناً وہ گردش سے نہیں تھکتا۔

83۔ اس وقت جب وہ نمودار ہوتا ہے باریک اور زرد ہے۔ اس کی پیٹھ کی طرح جس نے عشق کا غم کھایا ہو۔

84۔ جب دیکھنے والا اس کا دیدار دُور سے دیکھے تو وہ اسی وقت غائب ہو جاتا ہے۔

85۔ دوسری رات وہ اور زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ تجھے اور زیادہ روشنی دیتا ہے۔

86۔ دو ہفتہ میں وہ مکمل اور پورا ہو جاتا ہے۔ (پھر) وہ اس طرح لوٹ جاتا ہے جیسے وہ پہلے سے تھا۔

87۔ اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اس نے اس کی فطرت رکھی۔ جب سے وہ ہے اسی ایک فطرت پر ہے۔

تشریح:

چاند کے تخلیق ہونے کے بارے میں ان اشعار میں فردوسی طوسی کہتے ہیں کہ چاند روشنی دیتا ہے اور رات کی تاریکی میں چراغ کا کام دیتا ہے۔ ساتھ ہی وہ قاری کو نصیحت کرتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے بروں کی صحبت اختیار نہ کر کیونکہ بروں کی صحبت میں بیٹھنے والا بروں کی برائی کو اختیار نہ بھی کرے تو بھی اس پر ان کی بُرائی کی تہمت لگ جاتی ہے۔ چاند تیس دن یا ایک ماہ تک زمین کے گرد سفر کرتا ہے اور گھومتا ہے مگر پھر بھی وہ اپنے اس سفر سے نہیں تھکتا۔ جب سے یہ دنیا بنی ہے چاند اسی طرح زمین کے گرد چکر کاٹ رہا ہے مگر وہ لمحہ بھر کے لیے اپنے اس سفر سے نہیں رکتا اور یہ اس لیے ہے کہ وہ کبھی اپنے اس سفر کرنے سے نہیں تھکتا۔ جب وہ نمودار ہوتا ہے تو شروع میں باریک اور زرد ہوتا ہے۔ عشق کا غم کھائے ہوئے عاشق کی پیٹھ کی طرح کمزور اور خمیدہ ہوتا ہے۔ یہاں فردوسی نے بہت خوبصورت تشبیہ استعمال کی ہے۔ پہلی کا چاند نہایت باریک ہوتا ہے۔ اتنا باریک کہ بمشکل دکھائی دیتا ہے یہاں تک کہ جب دیکھنے والا اسے دیکھتا ہے تو وہ غائب ہو جاتا ہے۔ باریک ہونے باعث صاف دکھائی نہیں دیتا۔ البتہ دوسری رات وہ اور زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے اور دیکھا جا سکتا ہے۔ پہلی رات کی نسبت اس کی روشنی بھی بڑھ جاتی ہے۔ دو ہفتے میں وہ مکمل ہو جاتا ہے جسے چودھویں کا چاند کہتے ہیں اور پھر وہ اس طرف لوٹ جاتا ہے جیسے وہ پہلے تھا یعنی روز بروز گھٹتا چلا جاتا ہے اور پہلے جیسا باریک اور کمزور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سفر کرنا اس کی فطرت میں شامل کر دیا۔ اس لیے جب سے وہ ہے اسی فطرت پر کار بند ہے اور اسی میں اس کی بقا ہے۔

گفتار اندر ستایش پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

۸۸- ترا دانش و دین رهاند درست — در رستگاری ببایدت جست

۸۹- وگر دل نخواهی که باشد نژند — نخواهی که دائم بوی مستمند

۹۰- به گفتار پیغمبرت راه جوی — دل از تیرگی ها بدین آب شوی

۹۱- چه گفت آن خداوند تنزیل و وحی — خداوند امر و خداوند نهی

۹۲- که خورشید بعد از رسولان مه — نتابید بر کس زبوبکر به

الفاظ معانی:

ستایش: تعریف، رهاندن: نجات دلانا، رستگاری: نجات، بدین آب: اس پانی سے، تنزیل: قرآن، خورشید: سورج، مه: بزرگ، عظیم۔

ترجمہ:

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے بارے میں گفتگو

88۔ تجھے علم اور دین مکمل نجات دلاتے ہیں۔ تجھے نجات کا راستہ تلاش کرنا چاہیے۔

89۔ اور اگر تو چاہتا ہے کہ دل غمگین نہ ہو اور تو نہ چاہتا ہو کہ ہمیشہ لاچار رہے۔

90۔ (تو پھر) تجھے چاہیے کہ تو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار کے راستے کی جستجو کرے۔ تجھے چاہیے کہ دل کی سیاہی کو اس پانی سے دھوئے۔

91۔ قرآن و وحی کے خداوند اور امر و نہی کے اس خداوند نے کیا کہا۔

92۔ کہ عظیم رسولوں کے بعد کسی پر ابوبکر سے بہتر سورج نہیں چمکا۔

تشریح:

فردوسی کہتے ہیں کہ علم اور دین انسان کو برائی اور برے راستے سے نجات دلاتے ہیں۔ علم سے انسان میں اچھے برے کو پہچاننے کا شعور آتا ہے اور دین بھی نیکی اور بھلائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ فردوسی قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اگر تو چاہتا ہے کہ ہمیشہ لاچار نہ رہے تو پھر تجھے علم اور دین کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ تجھے چاہیے کہ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے کی جستجو کرے اور اپنے دل کو برائی کی سیاہی سے پاک کرے۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سب وہ بیان کیا ہے جو ہمارے خالق نے حکم دیا۔ وہی خدا نہ صرف ہمارا خالق ہے بلکہ قرآن پاک، وحی، امر اور نہی کا خالق بھی وہی ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ کون سی چیزیں کرنی چاہیں اور کون سی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسی نے کہا ہے کہ عظیم پیغمبر کے بعد کسی پر حضرت ابوبکرؓ سے بہتر کوئی سورج نہیں چمکا۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ کی ذات روشنی کا سرچشمہ ہے۔ روشنی بھلائی اور نیکی کو ظاہر کرتی ہے اور تاریکی برائی کی علامت ہے۔

☆☆☆

۹۳۔ عمر کرد اسلام را آشکار / بیاراست گیتی چو باغ بهار

۹۴۔ پس از هر دوان بود عثمان گزین / خداوند شرم و خداوند دین

۹۵۔ چهارم علی بود جفت بتول / که او را ستاید به خوبی رسول

۹۶۔ که: "من شهر علمم علیم دَراست" / درست ست و این قول پیغمبر است

۹۷۔ گواهی دهم این سخن را ز اوست / تو گوئی دو گوشم پر آواز اوست

۹۸۔ منم بندۀ اهل بیت نبی / ستایندۀ جان پاک وصی

الفاظ معانی:

گیتی: دنیا، گزین: انتخاب شدہ، جفت بتول: بتول کا شوہر، ستودن: تعریف کرنا، در: دروازہ، دو گوشم: میرے دو کان، بندہ: غلام، وصی: متولی۔

ترجمہ:

93۔ حضرت عمرؓ نے اسلام کو آشکار کیا۔ بہار کے باغ کی طرح دنیا کو آراستہ کیا۔

94۔ ان دونوں کے بعد منتخب حضرت عثمانؓ ہیں جو حیا اور دین کی مالک ہیں۔

95۔ چوتھے حضرت علیؓ حضرت بتولؓ کے خاوند ہیں جن کی رسول ﷺ اچھی تعریف کرتے ہیں۔

96۔ کہ "میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔" صحیح ہے اور یہ پیغمبر ﷺ کا قول ہے۔

97۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بات اُن ﷺ کی ہے۔ تو یہ سمجھ کہ میرے دونوں کان اس کی آواز سے پر ہیں۔

98۔ میں نبی ﷺ کے اہل بیت کا غلام ہوں اور متولی کی پاک جان کی تعریف کرنے والا ہوں۔

تشریح:

ان اشعار میں فردوسی طوسی خلفائے راشدین کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اسلام کو آشکار کیا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت محمد ﷺ مخفی طور پر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کر لینے کے بعد اسلام کی تبلیغ آشکارہ طور پر ہونے لگی۔ فردوسی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بہار کے باغ کی طرح دُنیا کو آراستہ کیا۔ اس شعر میں انہوں نے بہت خوبصورت تشبیہ استعمال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جیسے بہار کے موسم میں باغ پھولوں اور سبزے سے آراستہ ہو جاتا ہے اسی طرح حضرت عمرؓ کے کارناموں نے اس دنیا کو آراستہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بعد حضرت عثمانؓ بھی ان کی طرح برگزیدہ اور منتخب اشخاص میں سے ہیں۔ آپؓ حیا اور دین پر کاربند ہونے کے حوالہ سے معروف ہیں۔ چوتھے حضرت علیؓ حیدر کرار ہیں جو حضور ﷺ کی پیاری بیٹی بتول یعنی حضرت فاطمہؓ کے شوہر ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کی تعریف خود ان لفظوں میں کی ہے کہ میں علم کا شہر ہوں او رحضرت علیؓ اس شہر کا دروازہ ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے ان الفاظ سے حضرت علیؓ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا کیا مقام ہے۔ فردوسی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ بات درست ہے اور حضرت محمد ﷺ کا اپنا قول ہے بلکہ وہ قاری کو یہ کہتے ہیں کہ تو یہ سمجھ کر میرے دونوں کان اس قول کی آواز سے پر ہیں یعنی میں نے یہ بات ان گنت بار سنی ہے اور سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ قول حضرت محمد ﷺ کا ہے جو انہوں نے حضرت علیؓ کے بارے میں کہا ہے فردوسی کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے اہل بیت کا غلام ہوں اور جنہیں انہوں نے متولی کیا ہے میں اُن کی پاک جان کی بھی تعریف کرنے والا ہوں۔

☆☆☆

۹۹۔ حکیم این جهان را چو دریا نهاد	برانگیخته ی موج ازو تندباد
۱۰۰۔ چو هفتاد کشتی بران ساخته	همه بادبان ها برافراخته
۱۰۱۔ یکی پهن کشتی بسان عروس	بیاراسته همچو چشم خروس
۱۰۲۔ محمد بدو اندرون با علی	همان اهل بیت نبی و ولی
۱۰۳۔ خردمند کز دور دریا بدید	کرانه نه پیدا و بن ناپدید

الفاظ معانی:

دریا: سمندر، نهادن: رکھنا، برانگیختن: مشتعل کرنا، تندباد: تیز ہوا، هفتاد: ستر، برافروخته: اٹھائے ہوئے، پهن: چوڑی، بسان: کی طرح، عروس: دلہن، خروس: مرغا، همان: وہی، خردمند: عقلمند، کرانه: کنارہ، بن: اختتام۔

ترجمہ:

99۔ صاحب حکمت نے جب اس دُنیا میں سمندر رکھا تو اس کی موجوں کو تیز ہوا سے مشتعل کیا۔

100۔ جب اس پر ستر کشتیاں بنائیں تو سب بادبان اُٹھائے۔

101۔ ایک چوڑی کشتی دُلہن جیسی اور مرغے کی آنکھ کی طرح آراستہ۔

102۔ حضرت محمد ﷺ اس میں حضرت علیؓ کے ساتھ، وہی اہل بیت والے نبی اور ولی۔

103۔ عقلمند نے جب دُور سے سمندر دیکھا جس کا کنارہ اور اختتام دکھائی نہ دیتا تھا۔

تشریح:

فردوسی طوسی کہتے ہیں کہ جب صاحب حکمت یعنی اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا میں سمندر رکھا یا سمندر پیدا کیا تو اس کی موجوں کو تیز ہواؤں سے طغیانی والا بنا دیا۔ پھر جب اس سمندر پر ستر کشتیاں بنائیں تو ان سب کے بادبان اُٹھالیے۔ یہاں فردوسی نے اس حدیث نبوی ﷺ کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں پیغبر اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: ستفرق امتی علی ثلاث وسبعین ملّۃ (میری اُمت بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی) ان ستر کشتیوں کے درمیان ایک کشتی ایسی تھی جو دلہن جیسی خوبصورت تھی اور مرغے کی آنکھ کی طرح آراستہ تھی۔ اس شعر میں فردوسی نے دو تشبیہات کے ذریعہ اس کشتی کی خوبصورتی کی وضاحت کی ہے کہ وہ دلہن جیسی اور مرغ کی آنکھ جیسی آراستہ تھی۔ اس کے علاوہ یہ کشتی چوڑی تھی۔ اس کشتی میں نبی اکرم ﷺ حضرت علیؓ کے ساتھ سوار تھے۔ وہی نبی یعنی حضرت محمد ﷺ اور وہی ولی یعنی حضرت علیؓ جن سے اہل بیت کی نسبت ہے۔ عقلمند نے جب دُور سے ایسا سمندر دیکھا جس کا کوئی کنارہ اور اس کی کوئی انتہا دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس کی وضاحت چند اگلے اشعار میں موجود ہے۔

١٠٤۔ بدانست کان موج خواهد زدن — کس از غرق بیرون نخواهد شدن

١٠٥۔ به دل گفت گر بانبی و وصی — شوم غرقه دارم دو یار صفی

١٠٦۔ همانا که باشد مرا دستگیر — خداوند تاج و لوا و سریر

١٠٧۔ خداوند جوی می و انگبین — همان چشمۂ شیرو ماء معین

١٠٨۔ اگر چشم داری به دیگر سرای — به نزد نبی و ولی گیر جای

الفاظ معانی:

دانستن: جاننا، گفت: اس نے کہا، صفی: برگزیدہ، لوا: پرچم، سریر: تخت، جوی می: شراب کی ندی، انگبین: شہد، شیر: دودھ، ماء معین: پاک اور رواں پانی، دیگر سرای: دوسری دنیا۔

ترجمہ:

104۔ اس نے جان لیا کہ یہ موج مارے گی۔ کوئی غرق ہونے سے نہیں بچ پائے گا۔

105۔ اس نے دل میں کہا کہ اگر میں نبی اور وصی کے ساتھ غرق ہو جاؤں تو میرے دو برگزیدہ دوست ہوں گے۔

106۔ تاج، پرچم اور تخت کے آقا میرے دستگیر ہوں گے۔

شراب اور شہد کی نہر کے مالک اور دودھ اور پاک درواں پانی کے انہی چشموں کے مالک۔ ‎-107

اگر تو دوسری دنیا پر نظر رکھتا ہے تو نبی اور ولی کے قریب مقام حاصل کر۔ ‎-108

تشریح: فردوسی کے ان اشعار کا تعلق پچھلے شعر سے ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ ایک عقلمند شخص نے جب ایسا سمندر دیکھا کہ جس کا کوئی کنارہ یا انتہا نہیں تو اس نے اندازہ لگا لیا کہ اس سمندر کی موجیں مجھے غرق کر دیں گیں اور مجھے غرق ہونے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اس نے دل میں کہا کہ اگر مجھے غرق ہونا ہی ہے تو مجھے چاہیے کہ میں حضرت محمد ﷺ اور حضرت علیؓ کی کشتی میں سوار ہو جاؤں۔ اگر غرق ہونے سے نہ بھی بچ سکا تو بھی مجھے ان دو اللہ کے برگزیدہ انسانوں کا ساتھ تو مل جائے گا۔ کم از کم یہ دو برگزیدہ شخصیات میری دوست ہوں گی۔ یہ دونوں جو اسلام کے تاج، تخت اور پرچم کے آقا ہیں، وہ میرا ہاتھ تھام لیں گے۔ جنت میں موجود شہد اور شراب طہور کی نہروں کے مالک یہی ہیں۔ دودھ اور پاک پانی کے چشموں کے مالک بھی یہی ہیں۔ اس لیے ان کے اعلیٰ مقام کو مدنظر رکھتے ہوئے فردوسی قاری سے کہتا ہیں کہ اگر تیری نظریں دوسری دنیا پر لگی ہیں، وہ دنیا جہاں اس عارضی دنیا سے مرنے کے بعد انسان منتقل ہوگا اور اس کے اعمال کے بل بوتہ پر اس اگلے جہان میں اس کا مقام مقرر ہوگا۔ اُس دنیا میں کامیابی پانے کے لیے تجھے نبی ﷺ اور ولی کی قربت اختیار کرنی چاہیے۔ ان کے بتائے ہوئے احکامات کی پیروی کرنی چاہیے۔

☆☆☆

۱۰۹۔ گرت زین بد آید گناه من است	چنین است و این دین و راه من است
۱۱۰۔ دلت گر به راه خطا مایل است	ترا دشمن اندر جهان، خود دل است
۱۱۱۔ برین زادم و هم برین بگذرم	چنان دان که خاك پی حیدرم
۱۱۲۔ کسی را که در دلش بغض علیست	ازو زار تر در جهان زار کیست
۱۱۳۔ نگر تا نداری به بازی جهان	نه برگردی از نیك پی همرهان

الفاظ معانی:

زین: اس سے، چنین است: ایسا ہے، زادم: میں پیدا ہوا، بگذرم: میں مروں گا، چنان دان: ایسا سمجھ، خاك پی حیدرم: میں حیدر کے قدموں کی خاک ہوں، کیست: کون ہے، نگر: دیکھ، همرهان: ساتھی۔

ترجمہ:

اگر تجھے یہ بات بری لگے تو یہ میرا گناہ ہے۔ ایسا ہے اور یہ میرا دین اور راستہ ہے۔ ‎-109

اگر تیرا دل غلط راستے کی طرف مایل ہے تو خود (تیرا) دل دنیا میں تیرا دشمن ہے۔ ‎-110

میں اس (عقیدے) پر پیدا ہوا اور اسی پر ہی مروں گا۔ ایسا سمجھ کہ میں حیدر کے قدموں کی خاک ہوں۔ ‎-111

وہ جس کے دل میں علیؓ کا بغض ہے اس سے زیادہ بدحال (اس) جہاں زار میں کون ہے۔ ‎-112

دیکھ تا کہ تو دنیا کے کھیل میں مشغول نہ ہو، ساتھیوں کے پیچھے اچھائی سے واپس نہ لوٹے۔ ‎-113

تشریح:

ان اشعار میں فردوسی نے نیکی اور اچھائی کے راستے پر چلنے کی تاکید کی ہے۔اپنی پچھلی باتوں کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ میں نے کہا وہ حقیقت ہے اور اگر تمہیں میری کوئی بات بری لگی تو وہ میرا گناہ یا قصور ہے۔یہاں فردوسی نے طنزاًیوں کہا ہے کہ اگر میری اچھی بات تجھے بری لگے تو یہ میرا گناہ ہے۔ حقیقت یہی ہے جو میں نے کہی ہے اور یہی میرا عقیدہ اور مذہب ہے اور یہی میرا راستہ ہے یعنی میں اسی راستے پر گامزن ہوں۔قاری کو مخاطب کر کے فردوسی کہتے ہیں کہ اگر تیرا دل اچھائی کی بجائے برائی کرنے کی طرف مایل ہے تو پھر اس دنیا میں تمہارا اصل دشمن خود تمہارا دل ہے جو تمہیں برائی کی طرف راغب کرتا ہے۔وہ کہتے ہیں میں اسی عقیدے پر پیدا ہوا ہوں اور اسی عقیدے پر مروں گا۔یعنی پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک میرا عقیدہ یہی ہے اور رہے گا۔تو یہ سمجھ کہ میں حیدر کرار علیؑ کے قدموں کی خاک ہوں۔مراد یہ ہے میری ان سے یہ عقیدت کبھی کم نہ ہوگی۔فردوسی کہتے ہیں کہ وہ شخص جو اپنے دل میں حضرت علیؑ کا کینہ اور بغض رکھتا ہے اس دنیا میں اس سے زیادہ بدحال شخص کوئی اور نہیں ہے۔یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ وہ حضرت علیؑ جیسی عظیم شخصیت سے بغض اور عداوت رکھتا ہے۔تو اپنی آنکھوں کو کھلا رکھ اور دنیا کے بے ہودہ کاموں میں مشغول نہ ہو۔اپنے برے ساتھیوں کے پیچھے چل کر اچھائی سے منہ نہ موڑ۔

☆☆☆

۱۱۴- همه نیک باید به آغاز کرد — چو با نیکنامان بوی همنورد

۱۱۵- ازین در سخن چند رانم همی — همانش کرانه ندانم همی

۱۱۶- سخن هر چه گویم همه گفته اند — بر باغ دانش همه رفته اند

۱۱۷- کسی بر درخت برومند جای — نیابد که از برشدن نیست رای

۱۱۸- کسی کو شود زیر نخل بلند — همان سایه زو باز دارد گزند

الفاظ معانی:

همه: سب، نوردن: طے کرنا، سخن راندن: بات کرنا، کرانہ: کنارہ، سخن: بات، باغ دانش: علم کا باغ، برومند: پھل دار، رای: سوچ، نخل: کھجور کا درخت، گزند: تکلیف۔

ترجمہ:

114- سب نیک کام شروع کرنے چاہیں، جب نیک ناموں کا ساتھ حاصل ہو تو (نیکی) کی طرف اکٹھے چلا جائے۔

115- اس بارے میں کب تک میں بات کروں کیوں کہ میں اس کا کنارہ نہیں جانتا۔

116- میں جو بات کرتا ہوں وہ سب نے کہی ہے۔علم کے باغ میں سب گئے ہیں۔

117- کوئی کسی جگہ پھل دار درخت پر یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ پھل نہیں دے گا۔

118- کوئی جو کھجور کے اونچے درخت کے نیچے جائے (اس کا) وہی سایہ اسے تکلیف سے بچاتا ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں فردوسی طوسی نے کہا ہے کہ جب انسان اچھی شہرت رکھنے والے نیک نام لوگوں کی صحبت میں آجاتا ہے تو اسے ان کے ساتھ تمام اچھائی اور نیکی کے راستے طے کرنے چاہیں۔میں اچھائی اور نیکی کی بات کب تک کروں۔اس پر مسلسل بات کرنے کے باوجود میں اس کے کنارے تک نہیں پہنچ

سکتا اور اس کے آخری کنارے کے بارے میں مجھے علم نہیں ہے۔ میں جو اچھائی اور نیکی کے راستے کی بات کر رہا ہوں اس موضوع پر سب نے باتیں کی ہیں۔ صرف میں ہی علم نہیں رکھتا بلکہ سب اس علم کے باغ میں گئے ہیں اور سب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اچھائی کے راستے پر رہ کر اچھائی ملتی ہے برائی نہیں ملتی۔ اس لیے سب مجھ جیسی باتیں کرتے ہیں۔ سب کے علم میں ہے کہ پھل دار درخت ہمیشہ پھل دیتا ہے۔ اس لیے کوئی کبھی نہیں سوچتا کہ پھل دار درخت پھل نہیں دے گا۔ نیکی بھی درخت کاشت کرنے کی مانند ہے۔ اس پھل دار درخت کی طرح جس کا نتیجہ حتمی طور پر پھل دینا ہے جب کوئی کھجور کے اونچے درخت کے نیچے جاتا ہے تو اس کا سایہ اس کو تکلیف سے بچاتا ہے۔ اگر صحرا کی تپتی دھوپ میں کسی کو کھجور کے درخت کا سایہ میسر آ جائے تو وہ دھوپ کی تکلیف سے بچ جاتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرنا بھی پھل دار درخت کاشت کرنے کے مترادف ہے جس کے سائے میں اسے کاشت کرنے والا بیٹھتا ہے اور تکلیف سے نجات پاتا ہے۔

☆☆☆

۱۱۹۔ بنوی دگر پایہ ای ساختن　　　بر شاخ آن سرو سایہ فگن

۱۲۰۔ کزین نامور نامۂ شہریار　　　بہ گیتی بمانم یکی یادگار

۱۲۱۔ مراین را دروغ و فسانہ مدان　　　بہ یکسان روشن زمانہ مدان

۱۲۲۔ ازو ہرچہ اندر خورد با خرد　　　دگر بر رہ رمز معنی برد

☆☆☆

الفاظ معانی:

پایہ: مقام، سایہ فگن: سایہ دینے والا، نامۂ شہریار: بادشاہوں کی کتاب، گیتی: دنیا، ماندن: رہنا، دروغ: جھوٹ، مدان: مت سمجھ، روشن: روش، رمز: اشارہ۔

119۔ ایک اور طرح سے سایہ دینے والے اس سرو کی شاخ پر مقام بنانا (ہے)

120۔ کیونکہ بادشاہوں کی اس نامور کتاب سے دُنیا پر میری ایک یادگار رہ جائے گی۔

121۔ اسے جھوٹ اور افسانہ نہ سمجھ، زمانے کی روش کے برابر نہ سمجھ۔

122۔ اس سے جو کچھ عقل کے مطابق ملے باقی کے معنی اشارے کے راستے سے کر۔

تشریح:

پچھلے شعر کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فردوسی طوسی کہتے ہیں کہ کوئی اچھا کام کرنا سرو کی سایہ دار شاخ پر ٹھکانہ یا مقام بنا لینے کے مترادف ہے۔ فردوسی اپنے شاہنامہ لکھنے کے کام کو ایک اچھا کام قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ بادشاہوں کی یہ نامور کتاب دنیا میں میری یادگار رہ جائے گی۔ انہوں نے اسے بادشاہوں کی نامور کتاب کا نام اس لیے دیا ہے کہ اس میں ایران کے پہلے بادشاہ سے لے کر پچاسویں بادشاہ تک کے حالات زندگی اور کارنامے بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں فردوسی نے قدیم ایران کی تاریخ شعروں میں تحریر کر دی ہے اور ان کا یہ کارنامہ ان کی ایک یادگار کے طور پر دُنیا میں رہے گا۔ وہ قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ شاہنامہ کو جھوٹ کا پلندہ نہ سمجھ اور اسے افسانہ نہ جان۔ جھوٹ بولنا اور افسانے گھڑنا زمانے کی روش ہے۔ اسے تو زمانے کی روش کے ہم پایہ نہ سمجھ بلکہ یہ سچ اور حقیقت پر مبنی ہے۔ البتہ اس میں جو تجھے عقل کی رو سے سمجھ آئے اسے تو سمجھ لے اور جو عقل کے مطابق سمجھ نہ آئے تو اس کے معنی تو اشارے کے راستے سے سمجھ۔

(b) Poetry of Rumi رومی کی شاعری

(i) Masnavi

مثنوی معنوی

نی نامہ

۱- بشنو از نی چون حکایت می کند	از جدایہا شکایت می کند
۲- کز نیستان تا مرا ببریدہ اند	از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند
۳- سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق	تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق
٤- ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش	باز جوید روزگار وصل خویش
۵- من بھر جمعیتی نالان شدم	جفتِ بدحالان و خوش حالان شدم

الفاظ معانی:

نی نامہ: **بانسری نامہ**، بشنو: **سن**، نیستان: **بانسوں کا جنگل**، ببریدہ اند: **کاٹا ہے**، نفیرم: **میرا نالہ**، نالیدہ اند: **روئے ہیں**، شرحہ شرحہ: **پارہ پارہ**، از فراق: **جدائی سے**، اشتیاق: **شوق یعنی عشق**، دور ماندن: **دور رہ جانا**، اصل خویش: **اپنی اصل**، باز جوید: **پھر تلاش کرتا ہے**، روزگار: **زمانہ**۔

ترجمہ:

1۔ بانسری سے سن کس طرح بیان کرتی ہے، جدائیوں کی شکایت کرتی ہے۔

2۔ جب سے انہوں نے مجھے نیستان سے کاٹا ہے، میرے نالوں (آہوں اور نالوں) سے عورتوں اور مردوں نے آہ وزاری کی ہے۔

3۔ میں ایسا سینہ چاہتی ہوں جو جدائی سے پارہ پارہ ہوتا کہ میں شوق یعنی عشق کے درد کی تفصیل بیان کروں۔

4۔ جو کوئی اپنی اصل سے دُور ہو گیا وہ اپنے وصل کا زمانہ پھر تلاش کرتا ہے۔

5۔ میں ہر گروہ کے سامنے روئی۔ بدحال (یعنی غمگین) اور خوشحال (یعنی خوش) لوگوں کے ساتھ رہی۔

تشریح:

فارسی کے ان اشعار کا تعلق مولانا روم کی مثنوی معنوی کے دفتر اول کے آغاز ''نی نامہ'' سے ہے۔ حسام الدین چلپی نے مولانا کو مثنوی معنوی لکھنے کی طرف مائل کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ مولانا روم کے شاگرد اور دوست عارفانہ مسائل سمجھنے کے لیے سنائی اور عطار کی تالیفات حدیقۃ الحقیقۃ اور منطق الطیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایک رات خلوت میں انہوں نے مولانا روم سے یہ بات کہ آپ کوئی ایسی مثنوی تحریر کر دیں تو شاگرد آپ کی مثنوی پڑھا کریں گے۔ مولانا روم نے اسی وقت اپنی دستار کے کونے سے ایک کاغذ باہر نکالا جس پر مثنوی معنوی کے ابتدائی 18 اشعار تحریر تھے۔ انہی اٹھارہ اشعار کو ''نی نامہ'' یعنی بانسری نامہ کہتے ہیں یہ اٹھارہ شعر مثنوی معنوی کا خلاصہ ہیں اور بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

ان اشعار میں مولانا نے انسان کامل کے لیے ''بانسری'' کا استعارہ استعمال کیا ہے اور عالم روحانی کے لیے ''نیستان'' کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ جس طرح نیستان سے بانسری کو کاٹ کر اور جدا کر کے لے آتے ہیں اسی طرح انسان کامل کی روح اللہ تعالیٰ کے حکم سے عالم روحانی سے جدا ہو کر اس مادی دنیا میں آتی ہے۔ یہ روح اپنے خالق کی جدائی اور اس کے عشق میں آہ و نالے کرتی ہے اور واپس عالم روحانی میں جانے کے لیے بے قرار رہتی ہے۔

مولانا کہتے ہیں کہ بانسری سے سن کہ وہ کس طرح اپنے رنج و غم اور جدائی کے قصے بیان کرتی ہے اور جدائی کی شکایت کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اسی جدائی کے سبب میں نے آہ و نالے کیے ہیں۔ میرے آہ و نالے سے بہت سے مرد اور عورتیں روئے ہیں۔ مجھے ایسا سینہ چاہیے جو معشوق کی جدائی اور فراق میں پارہ پارہ ہوتا کہ میں اس غم زدہ شخص سے اپنے دردِ عشق اور جدائی کی حقیقت بیان کر سکوں۔ میرے درد کو صرف وہی سمجھ سکتا ہے جو اس درد سے واقف ہو۔ بانسری کہتی ہے جو کوئی اپنے اصل سے جدا ہو گیا وہ دوبارہ اپنے اصل تک واپس جانے کی جستجو کرتا ہے۔ جیسے انسانی روح، روح کل سے جدا ہو کر اس دنیا میں آتی ہے اور پھر واپس اپنی اصل کی طرف لوٹ جانے کے لیے بے قرار رہتی ہے۔ بانسری کہتی ہے کہ میں نے اس مقصد کو پانے کے لیے خوشحال اور بدحال دونوں طرح کے لوگوں کے سامنے آہ و زاری کی۔ یہاں بدحال لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنا دل اس مادی دنیا سے لگا لیتے ہیں اور مادیت کے اسیر بن جاتے ہیں۔ دُنیا سے اور مادیت سے ان کی یہ وابستگی ان کو ہمیشہ دکھی رکھتی ہے۔ خوشحال وہ لوگ ہیں جو اس دُنیا اور اس کی چیزوں سے دل لگانے کی بجائے اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اس دنیا کی محبت سے منہ موڑ کر ہمیشہ کے لیے خوشحال ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے خوشی اس دنیا سے بے نیازی اختیار کرنے میں ہے۔

☆☆☆

٦- هر کسی از ظنِ خود شد یارِ من — از درون من نجُست اسرارِ من

٧- سِرِّ من از نالۀ من دُور نیست — لیک چشم و گوش را آن نور نیست

٨- تن زجان و جان زتن مستور نیست — لیک کس را دیدِ جان دستور نیست

٩- آتشست این بانگِ نای و نیست باد — هر که این آتش ندارد نیست باد

١٠- آتش عشقست کاندر نی فتاد — جوشش عشقست کاندر می فتاد

الفاظ معانی:

هر کسی: ہر کوئی، ظن: خیال، نجست: جستجو نہ کی، اسرار: راز (جمع)، لیک: لیکن، چشم: آنکھ، گوش: کان، مستور: چھپی ہوئی، آتشست: آگ ہے، بانگ نای: بانسری کی آواز، جوش عشقست: عشق کا جوش ہے، می: شراب۔

ترجمہ:

6۔ ہر کوئی اپنے خیال کے مطابق میرا یار بنا۔ اس نے میرے اندر سے رازوں کی جستجو نہ کی۔

7۔ میرا راز میرے نالے سے دُور نہیں ہے لیکن آنکھ اور کان کو وہ نور نہیں ہے۔

8۔ جسم روح سے اور روح جسم سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ لیکن کسی کو روح دیکھنے کا حکم نہیں ہے۔

9۔ بانسری کی یہ آواز آگ ہے، ہوا نہیں ہے۔ جو کوئی یہ آگ نہیں رکھتا وہ نیست و نابود ہو۔

10۔ عشق کی آگ ہے جو بانسری میں لگ گئی۔ عشق کا جوش ہے جو شراب میں آ گیا۔

تشریح:

بانسری کہتی ہے کہ ہر کوئی اپنے خیال اور گمان کے مطابق میرا دوست بنا مگر اس نے میرے اندر یعنی باطن میں موجود رازوں کو جاننے کی کوشش نہ کی۔ مراد یہ ہے کہ ہر کسی نے ظاہر پر توجہ دی اور باطن کو جاننے کی جستجو نہ کی۔ اگر چہ میرا راز میرے نالوں سے دور نہیں ہے یعنی میرے نالے میرے راز کے بیان گر اور عکاس ہیں لیکن اس راز کو آنکھوں اور کانوں سے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ مراد یہ ہے کہ میرے آہ و نالے میرے باطنی اسرار کو بیان کرتے ہیں مگر میری باطنی کیفیت کو آنکھوں اور کانوں سے محسوس نہیں کیا جا سکتا۔ اگلے شعر میں مولانا اس کی مثال پیش کرتے ہیں کہ جسم اور روح کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جسم اور روح ایک دوسرے سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں لیکن پھر بھی کوئی شخص اپنی روح کو نہیں دیکھ سکتا۔ روح ایک غیر مادی جوہر ہے جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے اس لیے قابل محسوس نہیں ہے۔

مولانا کہتے ہیں کہ بانسری سے نکلنے والی آواز پھونک کی ہوا نہیں ہے بلکہ آگ ہے۔ اسی لیے بانسری کی آواز میں سوز ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ عشق الٰہی کی آگ ہے اور جو شخص یہ آگ نہیں رکھتا وہ نیست و نابو ہو۔ ظاہری طور پر یہ ایک بد دعا معلوم ہوتی ہے کہ وہ نیست و نابود ہو مگر درحقیقت یہ دعائے خیر ہے یعنی ایسا شخص جو عشق الٰہی کی آگ نہیں رکھتا وہ اس آگ میں گر کر جلے اور نیست و نابود ہو جائے۔ یہ عشق الٰہی کی آگ ہے جو بانسری یعنی انسان کامل میں لگی ہے۔ یہ عشق کا جوش ہے جو معرفت الٰہی اور عشق الٰہی کی شراب میں موجود ہے۔

☆☆☆

۱۱۔ نی حریف ہر کہ از یاری برید	پردہا اش پردہای ما درید
۱۲۔ ہمچونی زہری و تریاقی کہ دید	ہمچونی دمساز و مشتاقی کہ دید
۱۳۔ نَی حدیث راہِ پر خون می کند	قصہای عشقِ مجنون می کند
۱٤۔ مَحُرم این ہوش جز بیہوش نیست	مر زبان را مشتری جز گوش نیست
۱۵۔ در غم ما روزہا بیگاہ شد	روزہا با سوزہا ہمراہ شد
۱٦۔ روزہا گر رفت گُو رَو باك نیست	تو بمان ای آنك چون تو پاك نیست
۱۷۔ ہر کہ جز ماہی ز آبش سیر شد	ہر کہ بی روزیست روز ش دیر شد
۱۸۔ در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام	پس سخن کوتاہ باید والسّلام

الفاظ معانی:

حریف: دوست، بریدن: کٹنا، پردہا اش: اس کے راگ، دریدن: پھاڑنا، ہمچونی: بانسری جیسا، کہ دید: کس نے دیکھا، دمساز: ساتھی، مشتاق: عاشق، حدیث: بات، جز: سوائے، مشتری: خریدار، گوش: کان، بیگاہ شدن: غروب ہونا، روز: دن، گو: کہہ دو، باک نیست: پرواہ نہیں ہے، تو بمان: تو رہ جا، چون تو: تجھ جیسا، ماہی: مچھلی، ز آبش: اپنے پانی سے، سخن: بات۔

ترجمہ:

11۔ بانسری ہر اس کی دوست ہے جو کسی یار سے جدا ہو گیا۔ اس (بانسری) کے راگوں نے ہمارے پردے پھاڑ دیئے۔

12۔ بانسری جیسا زہر اور تریاق کس نے دیکھا۔ بانسری جیسا ساتھی اور عاشق کس نے دیکھا۔

مجنوں کے عشق کے قصے بیان کرتی ہے۔

13۔ بانسری پرخون راستے کی بات کرتی ہے۔

14۔ اس ہوش کا محرم بے ہوش کے سوا کوئی نہیں۔زبان کا خریدار کان کے سوا کوئی نہیں۔

15۔ ہمارے غم میں دن غروب ہوگئے۔دن سوز کے ساتھ گزر گئے۔

16۔ دن اگر گزر گئے تو کہہ دو گزر جائیں پرواہ نہیں۔اے وہ کہ تجھ جیسا پاک کوئی نہیں،تو رہ جا۔

17۔ مچھلی کے سوا ہر کوئی اپنے پانی سے سیر ہوگیا۔جو بے روزی ہے اس کا دن ضائع ہوا۔

18۔ کوئی خام کسی پختہ کا حال نہیں سمجھ سکتا۔پس بات مختصر کرنی چاہیے۔والسلام

تشریح:

مولانا روم فرماتے ہیں کہ بانسری اسی کی یار ہے جو اپنے دوست،معبود اور مقصد سے دور رہ گیا ہے۔اس کے نغمے اور راگ انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اسے مست کرتے ہیں۔اس راگ سے مست ہو کر وہ انسان اپنے دل کے بھید اور راز بیان کر دیتا ہے۔بانسری یعنی انسان کامل زہر بھی ہے اور زہر سے بچانے والا تریاق بھی ہے۔مراد یہ ہے کہ درد بھی ہے اور اس درد کی دوا بھی ہے۔

مولانا کہتے ہیں کہ کس نے ایسی چیز دیکھی ہے جو دوسروں کی ساتھی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ خود عاشق اور دردمند بھی ہو۔بانسری پرخون راستے کی بات کرتی ہے۔یعنی ایسے راستے کی جو جسم اور خون کے فنا ہونے پر ختم ہوتا ہے۔اسی طرح بانسری عشق حقیقی رکھنے والوں کے قصے بیان کرتی ہے۔صرف وہی شخص عشق کے رازوں اور جدائی کے درد کو محسوس کر سکتا ہے جو خود عاشق اور دردمند ہو۔عاشق ہوش میں نہیں رہتا مگر وہی جو ہوش میں نہیں رہتا وہی عشق کے رازوں کو سمجھ سکتا ہے۔ایسے جیسے صرف کان زبان کی آواز سن سکتے ہیں آنکھیں یا ناک نہیں سن سکتے۔

مولانا کہتے ہیں کہ ہم نے بہت سے دن معشوق کے فراق اور جدائی میں گزار دیئے اور ہم جدائی کے رنج و غم میں مبتلا رہے۔یعنی ہم بہت دن حق اور حقیقت سے جدا رہے اور اس تک رسائی نہیں حاصل کر سکے مگر پھر بھی ہمارے یہ دن ضائع نہیں ہوئے کیونکہ ہم نے یہ دن اس معشوق کی جستجو میں گزارے اور وہ معشوق ہمارے لیے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔حقیقی عاشق اپنے معشوق کے لیے سب کچھ بھول جاتا ہے۔حتیٰ وقت بھی وہ عاشق جو وقت کا احساس رکھتا ہے اور وہ وقت کے ضائع ہونے کے بارے میں جتنا سوچتا ہے وہ اتنا ہی معشوق سے دور رہ جاتا ہے اور عشق کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔جس طرح مچھلی کا وجود پانی سے وابستہ ہے اور وہ اس پانی سے کبھی سیر نہیں ہوتی اسی طرح عاشق حقیقی بھی عشق حق کے سمندر سے سیر نہیں ہوتا۔وہ شخص جس کا دل عشق الٰہی سے خالی ہو اس کا وقت بے فائدہ گزر جاتا ہے اور وہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔اس آدمی کی طرح جو بے روزی ہوتا ہے اور اس کا دن روزی کے بغیر ضائع چلا جاتا ہے۔آخر میں مولانا کہتے ہیں کہ کوئی بھی خام شخص کسی پختہ شخص کا حال نہیں سمجھ سکتا۔اس لیے بات مختصر کرنی چاہیے۔والسلام

حکایت بقال و طوطی و روغن ریختن طوطی در دکان

۱۹۔ بود بقّالی و وی را طوطیی	خوش نوایی سبز و گویا طوطیی
۲۰۔ بر دکان بودی نگهبانِ دکان	نکته گفتی با همه سودا گران
۲۱۔ در خطابِ آدمی ناطق بُدی	در نوای طوطیان حاذق بدی
۲۲۔ جَست از سوی دکان سویی گریخت	شیشه های روغن گل را بریخت

۲۳۔ از سوی خانہ بیامد خواجہ اش — بر دکان بنشست فارغ خواجہ وش

۲۴۔ دید پُر روغن دکان و جامہ چرب — بر سرش زد گشت طوطی کل ز ضرب

الفاظ معانی:

بقالی: ایک بنیا، طوطیی: ایک طوطا، خوش نوا: خوش آواز، گویا: بولنے والا، نگہبان: حفاظت کرنے والا، ہمہ: سب، ناطق: بولنے والا، حاذق: ماہر، گریختن: چھلانگ لگانا، ریختن: گرانا، خواجہ اش: اس کا مالک، خواجہ وش: مالکوں کی طرح، جامہ چرب: چکنے کپڑے، برسرش: اس کے سر پر، کل: گنجا۔

ترجمہ:

بنیے اور طوطے کی حکایت اور طوطے کا دکان میں تیل گرانا

19۔ ایک بنیا تھا اور اس کا ایک طوطا تھا۔ وہ خوش آواز، سبز اور بولنے والا طوطا تھا۔

20۔ دکان پر دکان کی حفاظت کرنے والا تھا۔ وہ تمام سوداگروں سے نکتے بیان کرتا۔

21۔ وہ آدمیوں سے خطاب کرنے میں بولنے والا تھا۔ طوطوں کی آوازوں کا بھی ماہر تھا۔

22۔ اس نے دکان سے چھلانگ لگائی اور ایک طرف کو بھاگا۔ اس نے پھولوں کے تیل کی شیشیاں گرا دیں۔

23۔ اس کا مالک گھر سے آیا۔ وہ دکان پر مالکوں کی طرح بے فکر ہو کر بیٹھا۔

24۔ اس نے دکان کو تیل سے پر اور کپڑوں کو چکنا دیکھا۔ اس نے اس (طوطے) کے سر پر مارا اور طوطا ضرب سے گنجا ہو گیا۔

تشریح:

مولانا کی مثنوی معنوی کے پہلے دفتر میں مولانا نے ''بنیے اور طوطے کا قصہ'' کے عنوان سے ایک تمثیلی کہانی پیش کی ہے۔ یہ اشعار اسی کہانی کے ابتدائی شعر ہیں۔ مولانا کہتے ہیں کہ ایک بنیا تھا اور اس کے پاس ایک سبز رنگ کا طوطا تھا۔ اس طوطے کی آواز بہت خوبصورت تھی اور یہ بہت زیادہ باتیں کرنے والا تھا۔ یہ طوطا بنیے کی دکان کے اندر بیٹھا رہتا تھا۔ نہ صرف دکان کی حفاظت اور دیکھ بھال کرتا تھا بلکہ تجارت کی غرض سے وہاں آنے والے سوداگروں کو باریک نکتے بیان کرتا تھا۔ وہ طوطوں کی زبان کا ماہر تھا اور انسانوں کی زبان میں بھی گفتگو کر لیتا تھا۔ ایک دن جب بنیا دکان پر موجود نہ تھا وہ کسی وجہ سے ڈر کر اس نے دکان سے چھلانگ لگائی اور ایک سمت کو اڑا۔ اس کے پھڑ پھڑانے سے تیل کی شیشیاں گر گئیں اور ٹوٹ گئیں۔ ان کا تیل دکان میں بکھر گیا۔ جب بنیا گھر سے واپس دکان پر آیا تو وہ مالکوں کی طرح دکان پر بے فکر ہو کر بیٹھا تو اس نے دکان میں ہر طرف تیل بکھرا دیکھا۔ تیل سے بنیے کا لباس بھی خراب اور چکنا ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ طوطے کا کام ہے اور اسی نے دکان میں تیل کی شیشیاں توڑی ہیں۔ غصے میں آ کر اس نے اپنے طوطے کے سر پر چپت ماری جس کے نتیجے میں طوطا گنجا ہو گیا۔

***

۲۵۔ روزکی چندی سخن کوتاہ کرد — مرد بقال از ندامت آہ کرد

۲۶۔ ریش بر می کند و می گفت ای دریغ | کافتاب نعمتم شد زیر میغ
۲۷۔ دست من بشکسته بودی آن زمان | که زدم من بر سر آن خوش زبان
۲۸۔ هدیه ها می داد هر درویش را | تا بیابد نطق مرغ خویش را
۲۹۔ بعد سه روز و سه شب حیران و زار | بر دکان بنشسته بُد نومیدوار

الفاظ معانی:

ریش بر کندن : داڑھی نوچنا، ای دریغ :ہائے افسوس،زیر میغ: بادل کے نیچے، دست من :میرا ہاتھ،زدم: میں نے مارا،هدیه ها: تحائف،نطق: بولنے کی طاقت، سه روز: تین دن، سه شب: تین راتیں، نشستن: بیٹھنا۔

ترجمہ:

25۔ چند روز اس نے بات چیت چھوڑ دی۔بنیے آدمی نے ندامت سے آہ بھری۔

26۔ وہ (اپنی) داڑھی نوچتا تھا اور کہتا تھا ہائے افسوس، کہ میری نعمت کا سورج بادل کے پیچھے چلا گیا۔

27۔ اس وقت میرا ہاتھ ٹوٹ جاتا جب میں نے اس اچھی زبان والے کے سر پر مارا۔

28۔ وہ ہر فقیر کو تحفے دیتا تھا تاکہ وہ اپنے پرندے کی بولنے کی طاقت پالے۔

29۔ تین دن اور تین راتوں کے بعد وہ حیران، بدحال اور نا اُمید ہو کر دکان پر بیٹھا تھا۔

تشریح:

ان اشعار میں مولانا روم بنیے اور طوطے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب بنیے نے طوطے کے سر پر چپت ماری تو اس کے سر سے پر جھڑ گئے اور وہ گنجا ہو گیا۔اس کے بعد کئی دن طوطے نے کوئی بات نہ کی اور چپ سادھ لی۔بنیا ندامت سے آہیں بھرتا رہا اور پشیمانی سے اپنی داڑھی کے بال نوچتا رہا۔وہ غم و غصے کی حالت میں کہتا تھا کہ ہائے افسوس، وہ میرا اچھی آواز والا طوطا جو میرے لیے باعث نعمت اور ثروت تھا وہ میرے ہاتھوں سے چلا گیا۔میری نعمتوں کا سورج بادلوں کے پیچھے چھپ گیا۔اب نعمتوں کی روشنی مجھ پر نہیں پڑ سکے گی۔جب میں نے اپنے اچھی زبان والے طوطے کو مارا تو کاش اس وقت میرا ہاتھ ٹوٹ جاتا اور میں اتنے بڑے نقصان سے بچ جاتا۔وہ ہر فقیر پر نوازشیں کرتا تاکہ ان کی دعا سے اس کا طوطا دوبارہ بولنے لگ جائے۔طوطے کو خاموشی سادھے تین دن اور تین راتیں گزر گئیں مگر وہ نہیں بولا۔اس طوطے کا مالک حیران، بدحال اور نا اُمید ہو کر دُکان پر بیٹھ گیا کہ شاید اب میرا یہ طوطا کبھی نہیں بولے گا۔

☆☆☆

۳۰۔ می نمود آن مرغ را هر گون شگفت | تا که باشد کاندر آید او بگفت
۳۱۔ جولقیی سر برهنه می گذشت | باسر بی مو چو پشت طاس و طشت
۳۲۔ طوطی اندر گفت آمد در زمان | بانگ بر درویش زد که هی فلان
۳۳۔ از چه ای کل با کلان آمیختی | تو مگر از شیشه روغن ریختی
۳۴۔ از قیاسش خنده آمد خلق را | کو چو خود پنداشت صاحب دلق را

الفاظ معانی:

ہر گون: ہر قسم، شگفت: عجیب، جو لیقی: ایک گدڑی پوش، می گذشت: گزر رہا تھا، سربی مو: بالوں کے بغیر سر، چو پشت طاس: پرات کی پشت کی طرح، بانگ: اونچی آواز، ای کل: اے گنجے، آمیختن: شامل ہونا، شیشہ روغن: تیل کی شیشی، ریختن: گرانا، قیاسش: اس کا گمان، خندہ آمدن: ہنسی آنا، خلق را: مخلوق کو، کو: کہ اس نے۔

ترجمہ:

30۔ وہ اس پرندے کو ہر قسم کی عجیب چیزیں دکھاتا تھا تاکہ ایسا ہو سکے کہ وہ باتیں کرنے لگے۔

31۔ ایک گدڑی پوش ننگے سر گزر رہا تھا۔ بالوں کے بغیر پرات اور طشت کی پشت جیسے سر کے ساتھ۔

32۔ طوطا فوراً بول پڑا۔ اس نے درویش پر آواز لگائی کہ اے فلاں شخص۔

33۔ اے گنجے تو کس وجہ سے گنجوں میں شامل ہوا۔ کیا تو نے تیل کی شیشی گرائی؟

34۔ اس کے گمان پر لوگ کو ہنسی آئی کہ اس نے گدڑی والے کو اپنے جیسا سمجھا۔

تشریح:

مولانا روم ان اشعار میں بنیے اور طوطے کی داستان کا وہ حصہ بیان کرتے ہیں جب طوطا بنیے کی چپت لگنے سے گنجا ہو گیا اور اس نے بولنا چھوڑ دیا۔ بنیا اپنی اس حرکت پر بہت پشیماں ہوا اور وہ اسے مسلسل عجیب چیزیں دکھاتا تاکہ طوطا ان عجیب غریب چیزوں کو دیکھ کر بولنا شروع کر دے اور دوبارہ باتیں کرنے لگے۔ ایک روز ایک گدڑی پوش ننگے سر دکان کے آگے سے گزرا جس نے اپنے سر اور چہرے کے بال تراش رکھے تھے۔ اس کا سر بال نہ ہونے کی وجہ سے پرات اور طشت کی پشت کی طرح صاف دکھائی دیتا تھا۔ جب طوطے کی نظر اس پر پڑی تو طوطا فوراً بول پڑا کہ اے فلاں شخص تو کیسے گنجا ہو کر گنجوں میں شامل ہو گیا۔ کیا تو نے بھی تیل کی شیشی گرائی ہے جس کے باعث تیرے مالک نے تجھے سر پر چپت لگائی اور تو گنجا ہو گیا۔ طوطے کے اس گمان پر کہ وہ درویش کو اپنے جیسا سمجھ رہا تھا لوگ ہنسنے لگے۔

☆☆☆

۳۵۔ کار پاکان را قیاس از خود مگیر	گرچه ماند در نبشتن شیر و شیر
۳۶۔ جمله عالم زین سبب گمراه شد	کم کسی ز اَبدالِ حقّ آگاه شد
۳۷۔ همسری با انبیا برداشتند	اولیا را همچو خوْد پنداشتند
۳۸۔ گفته اینك مابشر ایشان بَشر	ما و ایشان بستهٔ خوابیم و خور
۳۹۔ این ندانستند ایشان از عَمَیٰ	هست فرقی در میان بی منتها

الفاظ معانی:

کار: کام، در نبشتن: لکھنے میں، شیر: دودھ، شیر: جنگلی جانور شیر، جملہ عالم: ساری دنیا، ابدال حق: اللہ کے صوفیا، ہمسری: برابری، پنداشتند: انہوں نے گمان کیا، اینك: یہ، ما: ہم، ایشان: وہ (جمع) بستہ: پابند، خواب: نیند، خور: خوراک، کھانا، از عمی: اندھے پن سے، بی منتها: بے انتہا۔

ترجمہ:

پاک لوگوں کے کام کو اپنے جیسا گمان نہ کر اگرچہ لکھنے میں شیر (دودھ) اور شیر (درندہ) ایک جیسے ہیں۔

35۔ ساری دُنیا اس وجہ سے گمراہ ہوگئی۔ بہت کم لوگ خدا کے صوفیا سے آگاہ ہوا۔

36۔ انہوں نے انبیاء کے ساتھ برابری کا دعوا کیا۔ اولیا کو اپنے جیسا گمان کیا۔

37۔ یہ کہا کہ ہم انسان (اور) وہ بھی انسان، ہم اور وہ نیند اور خوراک سے منسلک ہیں۔

38۔ اندھے پن سے انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ درمیان میں بے انتہا فرق ہے۔

39۔

تشریح:

مولانا روم ان اشعار میں بنیے اور طوطے کی حکایت بیان کرنے کے بعد اس کا نتیجہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تو پاک اور عظیم شخصیات کے کاموں کو اپنے کاموں جیسا نہ سمجھ چاہے یہ کام ایک دوسرے سے کتنی ہی مماثلت اور مشابہت کیوں نہ رکھتے ہوں۔ بالکل ایسے ہی جیسے فارسی میں لفظ ''شیر'' کے دو معنی ہیں۔ فارسی میں شیر کا ایک مطلب دودھ ہے جب کہ شیر کا دوسرا مطلب جنگلی جانور شیر ہے۔ اگرچہ لکھنے میں دونوں ایک جیسے لکھے جاتے ہیں اور ایک جیسے دکھائی دیتے ہیں مگر دودھ اور جنگلی جانور شیر میں بہت زیادہ فرق ہے۔ لوگوں نے ابدال اور صوفیا کے معاملے میں بھی اس طرح کا دھوکہ کھایا۔ ابدال ایسے کامل انسانوں کی جماعت ہے جنہوں نے بڑی انسانی صفات کو نیک اوصاف میں تبدیل کر لیا ہے۔ البتہ دنیا میں ان کی تعداد بہت کم ہے اسی وجہ سے لوگ ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو کر انہیں اپنے جیسا سمجھ بیٹھے۔ انسانوں میں وہ لوگ بہت کم ہیں جو ان کو پہچان سکیں اور ان کے فرمودات پر عمل کر سکیں۔ یہ گمراہ لوگ اولیاء اور انبیاء کے اسرار نہیں جانتے اور ان کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کے کاموں سے موازنہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں نیند آتی ہے اور ہمیں بھی نیند آتی ہے۔ وہ کھانا کھاتے ہیں اور ہم بھی کھانا کھاتے ہیں۔ یہ گمراہ لوگ کہتے ہیں کہ جیسے ہم انسان ہیں ویسے ہی اولیاء اور انبیاء انسان ہیں۔ اس لیے ان کے اور ہمارے درمیان فرق نہیں ہے۔ درحقیقت یہ گمراہ لوگ نادانی اور اپنے دل کے اندھے پن کے باعث یہ نہ سمجھ سکے کہ انبیاء، اولیاء اور ان کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس دُنیا میں اس طرح کی لاکھوں چیزیں موجود ہیں جن میں ظاہری شباہت تو موجود ہے مگر باطنی اعتبار سے ان کے مابین بہت زیادہ فرق موجود ہے۔

☆☆☆

٤٠۔ هردو گون زنبور خوردندا از محل — لیك شد ز آن نیش و زین دیگر عسل

٤١۔ هر دو گون آهو گیا خوردند و آب — زین یکی سر گین شد و ز آن مشكِ ناب

٤٢۔ هر دونی خوردند از یك آب خور — این یکی خالی و آن پر از شکر

٤٣۔ صد هزاران این چنین اشباه بین — فرقشان هفتاد ساله راه بین

٤٤۔ این خورد گردد پلیدی زو جدا — آن خورد گردد همه نور خدا

الفاظ معانی:

هردو گون: دونوں طرح کے، زنبور: بھڑ، محل: جگہ، نیش: ڈنک، عسل: شہد، آهو: ہرن، گیا: گھاس، خوردن: کھانا، سرگین: گوبر، ناب:

خالص، نَی: نرسل، صدھزاران: لاکھوں، اشباہ: مشابہ چیزیں، ھفتاد: ستر، ھمہ: سب۔

ترجمہ:

40- دونوں طرح کی بھڑوں نے ایک جگہ سے کھایا۔لیکن اس سے ڈنک بنا اور اس دوسرے سے شہد بنا۔

41- دونوں طرح کے ہرنوں نے گھاس کھایا اور پانی پیا۔اِس ایک کا گوبر بنا اور اُس کا خالص مشک بنا۔

42- دونوں نرسلوں نے ایک چشمے سے پانی پیا۔یہ ایک خالی اور وہ دوسرا شکر سے پر ہے۔

43- اس طرح کی لاکھوں شباہتیں دیکھ۔ان میں ستر سالہ راستے کا فرق دیکھ۔

44- یہ کھاتا ہے تو اس سے پلیدی نکلتی ہے۔وہ کھاتا ہے تو سب خدا کا نور بن جاتا ہے۔

تشریح:

ان چند اشعار میں مولانا روم نے نادان اور گمراہ انسانوں کو عام بھڑوں، ہرنوں اور نرسلوں سے تشبیہ دی ہے جب کہ انبیاء، اولیا اور کامل انسانوں کو شہد کی مکھیوں، خالص مشک رکھنے والے ہرنوں اور گنے کے نرسلوں سے تشبیہ دی ہے۔مولانا نے ان مثالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تینوں چیزیں ظاہری شباہت رکھتی ہیں اور ظاہری طور پر ایک جیسی ہیں مگر باطنی طور پر ایک دوسرے سے بہت زیادہ فرق رکھتی ہیں۔گمراہ، ناآگاہ اور نادان انسان کامل انسانوں کے ساتھ ظاہری شباہت تو رکھتے ہیں لیکن دونوں میں بہت زیادہ فرق موجود ہے۔مولانا فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں اس طرح کی لاکھوں چیزیں موجود ہیں جن میں ظاہری شباہت تو موجود ہے مگر باطنی اعتبار سے ان کے مابین بہت زیادہ فرق موجود ہے۔کھانا تو سب انسان کھاتے ہیں مگر ان کے کھانا کھانے کے نتیجہ میں پلیدی، بخل اور حسد جنم لیتے ہیں۔اس کے برعکس کچھ لوگ کھانا کھاتے ہیں تو ان کا وجود معرفت کے نور اور عشق الٰہی سے لبریز ہو جاتا ہے اور یہ برگزیدہ اور نیک لوگ ہیں۔

☆☆☆

٤٥- این خورد زاید همه بخل و حسد — وآن خورد زاید همه نورِ احد

٤٦- این زمینِ پاك و آن شوره ست و بد — این فرشتهٔ پاك و آن دیو است و دد

٤٧- هر دو صورت گربهم ماند رواست — آب تلخ و آب شیرین را صفاست

٤٨- جز که صاحب ذوق کی شناسد بیاب — او شناسد آبِ خوش از شوره آب

٤٩- سحر را با معجزه کرده قیاس — هر دو را بر مکر پندارد اساس

الفاظ معانی:

این خورد: یہ کھائے، زاییدن: پیدا ہونا، همه: سب، نورِ احد: اللہ کا نور، شوره ست: بنجر ہے، دیو: شیطان، دد: جنگلی جانور، رواست: جائز ہے، آب تلخ: کڑوا پانی، آب شیرین: میٹھا پانی، بیاب: سمجھ لے، شوره آب: کھارا پانی، سحر: جادو، پندارد: وہ گمان کرتا ہے۔

ترجمہ:

45- یہ کھاتا ہے تو سراسر بخل اور حسد پیدا ہوتا ہے اور وہ کھاتا ہے تو سب اللہ کا نور بن جاتا ہے۔

46- یہ پاک زمین اور وہ بنجر اور بری زمین، یہ پاک فرشتہ اور وہ شیطان اور درندہ ہے۔

47- دونوں صورتیں اگر اکٹھی رہیں تو جائز ہے۔ کڑوے پانی اور میٹھے پانی میں صفائی موجود ہے۔

48- صاحب ذوق کے سوا کون پہچانتا ہے سمجھ لے وہ اچھے پانی کو کھارے پانی سے پہچانتا ہے۔

49- جادو کو معجزے پر قیاس کر کے وہ دونوں کی بنیاد مکر پر گمان کرتا ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں مولانا روم فرماتے ہیں کہ عام انسانوں اور اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں میں فرق ہوتا ہے۔ کھانا تو دونوں ہی کھاتے ہیں۔ مگر ایک شخص کھانا کھاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں پلید، بخیل اور حاسد بن جاتا ہے۔ جبکہ دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس کا وجود عشق الٰہی اور معرفت کے نور سے پر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کچھ کو اس پاکیزگی اور معرفت الٰہی کو حاصل کرنے کی استعداد دیتا ہے جب کہ کچھ میں یہ استعداد سرے سے موجود نہیں ہوتی۔ اللہ کا برگزیدہ بندہ اور مرد کامل زرخیز اور کارآمد زمین کی طرح ہے جب کہ گمراہ اور نادان شخص شور زدہ بنجر اور بے کار زمین کی مانند ہے میٹھا پانی اور کڑوا پانی دونوں ہی صاف ہوتے ہیں لیکن ان کا ذائقہ اور مزہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ شخص جس کے ذائقے کی حس زیادہ تیز ہو وہ زیادہ جلدی اور تیزی سے اس فرق کو سمجھ سکتا ہے۔ اس مثال کے مطابق ایک گمراہ شخص اور نبی یا ولی میں بھی یہی فرق موجود ہے۔ ظاہری طور پر دونوں شباہت رکھتے ہیں۔ دونوں کے پاس ناک، کان، آنکھیں، ہاتھ بازو ہیں مگر باطنی طور پر ان میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔ ایک کامل انسان ان کے باہمی فرق کو زیادہ بہتر سمجھ سکتا ہے۔ گمراہ لوگ انبیاء اور پیغمبروں کے معجزات کو جادوگری سمجھتے ہیں۔ وہ جادو اور معجزہ دونوں کی بنیاد مکر اور حیلہ گمان کرتے ہیں۔ ان کی آنکھیں معجزات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھنے سے قاصر ہیں۔

☆☆☆

۵۰- ساحران موسی از استیزه را ‌ ‌ ‌ برگرفته چون عصای او عصا

۵۱- زین عصا تا آن عصا فرقی است ژرف ‌ ‌ ‌ زین عمل تا آن عمل راهی شگرف

۵۲- لعنة الله این عمل را در قفا ‌ ‌ ‌ رحمة الله آن عمل را در وفا

۵۳- کافران اندر مری بوزینه طبع ‌ ‌ ‌ آفتی آمد درون سینه طبع

۵۴- هرچه مردم می کند بوزینه هم ‌ ‌ ‌ آن کند کز مرد بیند دم به دم

الفاظ معانی:

استیزہ: لڑائی، چون: کی طرح، ژرف: گہرا، راهی شگرف: بڑا فاصلہ، قفا: پیچھے، مری: جھگڑا، بوزینہ: بندر، طبع: مزاج، مردم: لوگ، آن کند: وہ کرتا ہے، دم بہ دم: لمحہ بہ لمحہ۔

ترجمہ:

50- موسیٰ کے جادوگروں نے لڑائی کے باعث اس کے عصا جیسا عصا پکڑ لیا۔

51- اس عصا اور اُس عصا میں گہرا فرق ہے۔ اس عمل اور اُس عمل میں بڑا فاصلہ ہے۔

52- اس کام کے پیچھے اللہ کی لعنت ہے۔ اس کام میں اللہ کی رحمت شامل حال ہے۔

53۔ کافر جھگڑے میں بندر کا مزاج رکھتے ہیں (ان کا یہ) مزاج سینے کے اندر آفت ہے۔

54۔ جو کچھ لوگ کرتے ہیں بندر بھی وہی کرتا ہے۔ وہ آدمی سے لحہ بہ لحہ جو دیکھتا ہے وہی کرتا ہے۔

تشریح:

مولانا روم ان اشعار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مخالف جادوگروں کے واقعہ کی تلمیح پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ جادوگر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر رہے تھے انہوں نے مقابلہ کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا جیسا عصا اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ جب کہ حقیقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادوگروں کے عصا سے بہت مختلف تھا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا لوگوں کی ہدایت کا باعث تھا لیکن گمراہ جادوگروں کا عصا ان کی ذلت اور خواری کا باعث بنا۔ جادوگروں کے کام کا انجام اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اخروی بدبختی کی صورت میں سامنے آیا جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کام کا نتیجہ اللہ کی رحمت اور اخروی نجات کی صورت میں سامنے آیا۔ کافر اور گمراہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جھگڑے اور مقابلے میں بندروں کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقالی کرتے تھے۔ ان کافروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلہ کرنا ان کے سینوں پر آفت بن کر گرا اور ان کے مزاج کا حصہ بن گیا۔ بندر نقالی کرنے میں مشہور ہیں۔ جو کچھ لوگ کرتے ہیں یا جیسا لوگ کرتے ہیں بندر بھی ان کی نقل کرتے ہوئے ویسا ہی کرتے ہیں۔

☆☆☆

۵۵۔ او گمان برده که من کردم چو او	فرق را کی داند آن استیزه رو
۵۶۔ این کند از امر و او بهر ستیز	بر سر استیزه رویان خاک ریز
۵۷۔ آن منافق با موافق در نماز	از پی استیزه آید نی نیاز
۵۸۔ در نماز و روزه و حج و زکات	با منافق مؤمنان در بُرد و مات
۵۹۔ مؤمنان را بُرد باشد عاقبت	بر منافق مات اندر آخرت

الفاظ معانی:

چواو: اس کی طرح، استیزہ رو: جھگڑا کرنے والے، راهی شگرف: بڑا فاصلہ، قفا: پیچھے، مری: جھگڑا، بوزینہ: بندر، طبع: مزاج، مردم: لوگ، آن کند: وہ کرتا ہے، دم بہ دم: لحہ بہ لحہ۔

ترجمہ:

55۔ اس نے گمان کیا ہے کہ میں نے اس کی طرح کیا۔ وہ جھگڑا کرنے والا فرق کب جانتا ہے۔

56۔ یہ (اللہ کے) حکم سے کرتا ہے اور وہ جھگڑا کرنے کے لیے۔ جھگڑا کرنے والے کے سر پر خاک ڈال۔

57۔ وہ منافق، مومن کے ساتھ نماز میں جھگڑا کرنے کے لیے آتا ہے نہ کہ نیازمندی کے لیے۔

58۔ نماز، روزہ، حج اور زکوۃ میں مومن، منافق کے ساتھ جیت اور ہار میں ہیں۔

59۔ بالآخر مومنوں کی جیت ہوگی۔ منافقوں کی آخرت میں ہار ہوگی۔

تشریح:

ان اشعار میں مولانا بندر کی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں جیسے بندر وہی کچھ کرتا ہے جو وہ لوگوں کو کرتے دیکھتا ہے۔اسی طرح گمراہ اور منافق بھی نیک لوگوں کی نقالی کر کے گمان کرتے ہیں کہ ہم نے وہی کچھ کیا جو نیک لوگوں نے کیا۔جیسے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا دیکھا تو ان کی نقل کرتے ہوئے اپنے ہاتھ میں عصا پکڑ لیا۔مگر یہ جھگڑا کرنے والے اس بنیادی فرق کو نہیں سمجھ پائے جو اُن کے اور نیک لوگوں کے درمیان ہے۔اللہ کا برگزیدہ بندہ ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرتا ہے جبکہ منافق ہر کام مخالفت اور جھگڑے کے لیے کرتے ہیں۔دونوں کا کام ایک جیسا کب ہو سکتا ہے۔ اس لیے جھگڑا کرنے والے کے سر پر مٹی ڈالنی چاہیے۔اسی طرح منافق لوگ مومنوں کے ساتھ ایک صف میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔مومن خلوص نیت اور نیاز مندی سے کھڑے ہوتے ہیں جب کہ منافق اس نیت سے نماز میں کھڑے نہیں ہوتے بلکہ مومنوں کے ساتھ مقابلہ اور برابری کرنے کے لیے اور مسلمان ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔تمام عبادات نماز،روزہ،حج اور زکوٰۃ میں مومنوں اور منافقوں کے درمیان مقابلہ جاری رہتا ہے۔مگر حقیقت یہ کہ مومنوں کے نصیب میں ہمیشہ جیت ہے جب کہ منافقوں کے نصیب میں ہمیشہ ہار ہے۔منافقوں کے مقدر میں آخرت کی ہار خود خالق نے لکھ دی ہے۔

٦٠۔ گرچه هر دو بر سر یك بازی اند	هر دو با هم مروزی و رازی اند
٦١۔ هر یکی سوی مُقامِ خود رود	هر یکی بر وفق نام خود رود
٦٢۔ مؤمنش خوانند جانش خوش شود	ور منافق تیز و پُر آتش شود
٦٣۔ نام او محبوب از ذات وی است	نام این مبغوض از آفات وی است
٦٤۔ میم وواو و میم و نون تشریف نیست	لفظ مومن جز پی تعریف نیست

الفاظ معانی:

بازی: کھیل، مروزی: مرو شہر کے رہنے والے، رازی: رے شہر کے رہنے والے، وفق: مطابق، ور: اور اگر، مبغوض: غصے کا شکار، جانش: اس کی جان، گوید: تو کہے، تشریف: عزت و احترام، جز: سوائے۔

ترجمہ:

60۔ اگرچہ دونوں ایک کھیل پر ہیں۔دونوں مرو اور رے کے رہنے والے ہیں۔

61۔ ہر ایک اپنے مقام کی طرف جاتا ہے۔ہر ایک اپنے نام کے مطابق کام کرتا ہے۔

62۔ اسے مومن کہہ کر پکاریں تو اس کی روح خوش ہوتی ہے اور اگر تو اسے منافق کہے تو وہ آگ بگولہ ہو جاتا ہے۔

63۔ اس کا نام اسکی ذات کی وجہ سے پیارا ہے اور اس (منافق) کا نام اس کی آفتوں کی وجہ سے غصے کا شکار ہے۔

64۔ میم، واؤ، میم اور نون (یعنی لفظ مومن) میں عزت اور احترام نہیں ہے، لفظ مومن تعریف کے سوا کچھ نہیں ہے۔

تشریح:

مولانا روم ان اشعار میں کہتے ہیں کہ مومن اور منافق دونوں گروہوں کے درمیان مقابلہ اور جنگ جاری رہتی ہے۔یہاں انہوں نے ایران کے دو شہروں مرو اور ری (رے) کی مثال دی ہے۔مرو ایران کے مشرقی علاقے میں تھا اور ری ایران کے مغربی علاقہ میں واقع تھا۔اس سے مراد دو ایسی چیزیں ہیں

جو ایک دوسرے سے بہت دور ہوں یا ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ظاہری طور پر مومن اور منافق ایک کھیل میں شریک ہیں اور ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں۔ دونوں ہی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے درمیان حقیقت میں مرو شہر سے ری شہر تک کی دوری موجود ہے۔ ہر کوئی اپنے مقام کی طرف جاتا ہے اور ہر ایک اپنے نام کے مطابق کام کرتا ہے۔اس لیے اگر منافق کو مومن کہہ کر پکاریں تو وہ خوش ہوتا ہے اور اگر اسے منافق کہہ کر پکاریں تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہوتا ہے۔مومن کا نام اس کے محبوب اور عزیز ہونے کے باعث مومن ہے۔اس کی پاک ذات کے باعث اسے یہ نیک نام دیا گیا۔جب کہ منافق کو اس کی بری صفات کے باعث جو اس کے باطن میں ہیں ''منافق'' نام دیا گیا۔لفظ مومن کے حروف تہجی م،و،م،ن بذات خود کوئی عزت اور شرافت نہیں رکھتے۔ بلکہ مومن کا لفظ اس کی اپنی اچھی صفات اور پاکیزگی کے باعث نیک نامی پا گیا ہے۔

☆☆☆

٦٥۔ گر منافق خوانی اش این نام دون — همچو کژدم می خلد در اندرون

٦٦۔ گر نہ این نام اشتقاق دوزخ است — پس چرا دروی مذاق دوزخ است

٦٧۔ زشتی آن نام بد از حرف نیست — تلخی آن آب بحر از ظرف نیست

٦٨۔ حرف ظرف آمد در او معنی چو آب — بحر معنی عِندہ اُمُّ الکِتاب

٦٩۔ بحر تلخ و بحر شیرین در جہان — در میانشان برزخ لایبغیان

الفاظ معانی:

نام دون: گھٹیا نام، ھمچو: کی طرح، کژدم: بچھو، خلیدن: چبھنا، اشتقاق: استخراج، چرا: کیوں، مذاق: ذائقہ، زشتی: برائی، تلخی: کڑواہٹ، آب بحر: سمندر کا پانی، ظرف: برتن، چو آب: پانی کی طرح، درو: اس میں،

ترجمہ:

65۔ اگر تو اسے منافق کہہ کر پکارے تو یہ گھٹیا نام بچھو کی طرح (اس کے) باطن میں چبھتا ہے۔

66۔ اگر یہ نام دوزخ سے استخراج نہیں ہوا تو پھر اس میں دوزخ کا ذائقہ کیوں ہے۔

67۔ اس نام کی برائی حروف کی وجہ سے نہیں ہے۔سمندر کے اس پانی کی کڑواہٹ برتن کی وجہ سے نہیں ہے۔

68۔ حرف برتن ہیں اور ان میں معانی پانی کی طرح ہیں۔معنی کا سمندر وہ ہے جس کے پاس اُم الکتاب ہے۔

69۔ دُنیا میں کڑوا سمندر اور میٹھا سمندر ہے۔ان کے درمیان آڑ ہے۔وہ ایک دوسرے پر نہیں چڑھتے۔

تشریح:

ان اشعار میں مولانا منافق شخص کی شخصیت اور اس کے نام کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی منافق شخص کو منافق کے نام سے پکارے تو یہ گھٹیا نام بچھو کے ڈنک کی طرح اس منافق کے باطن میں چبھتا ہے اور اسے تکلیف دیتا ہے۔اصطلاح ''منافق'' کے لفظی معنی برے باطن، بری سوچ اور حق وحقیقت کا مخالف ہونے کے ہیں۔اس اعتبار سے اصطلاح منافق اور دوزخ میں معنوی تعلق موجود ہے جیسے یہ دونوں اصطلاحیں ایک ہی اصطلاح سے لی گئی ہوں یا یہ کہ ان دونوں چیزوں کے معنی برے ہیں۔البتہ منافق کے برے نام کی بدی اس کے حروف ابجد کے باعث نہیں ہے۔جیسے سمندر کے پانی کا کڑواپن سمندر کے مقام یا جگہ کی وجہ سے نہیں ہے۔سمندر تو ایک برتن ہے جس میں پانی موجود ہے۔اس کی یہ کڑواہٹ اس کے برتن یعنی سمندر کے باعث نہیں بلکہ خود پانی کی

اپنی خاصیت ہے۔اسی طرح حروف برتن کی مانند ہیں اور حروف کے معانی تو مظروف ہیں۔ اگر ان کے معنی برے ہوں تو حروف بھی برے دکھائی دیتے ہیں اور اگر ان کے معانی اچھے ہوں تو حروف بھی اچھے دکھائی دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ معانی کا سمندر ہے۔کامل اور جامع علم یعنی ام الکتاب اسی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔آخری شعر میں قرآن پاک کی سورہ الرحمٰن کی آیت نمبر 19 اور 20 کی طرف اشارہ ہے: مرج البحرین یلتقین بینھما برزخ لا یبغین (اس نے دو دریا بہائے ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے اور وہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے) قرآن پاک کی تفسیروں میں دو سمندروں کو میٹھے اور کھارے سمندروں یعنی آسمان میں موجود سمندر اور زمین پر موجود سمندر سے تفسیر کیا ہے۔صوفیائے کرام میں سے بیشتر اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ان دو سمندروں سے مراد کفر کا سمندر اور ایمان کا سمندر ہے یا اس سے مراد انسان کی نفسانی اور روحانی جہتیں ہیں۔گویا یہاں کڑوے سمندر سے مراد کافر، گمراہ اور نادان انسان ہیں اور میٹھے سمندر سے مراد مومن اور خدا پرست انسان ہیں۔

☆☆☆

٧٠۔ دانکه این هر دو زیک اصلی روان — بر گذر زین هر دو رو تا اصل آن

٧١۔ زرّ قلب و زرّ نیکو در عیار — بی محك هرگز ندانی زاعتبار

٧٢۔ هر که را در جان خدا بنهد محك — مر یقین را باز داند او زِشك

٧٣۔ در دهان زنده خاشاکی جهد — آنگه آرامد که بیرونش نهد

٧٤۔ در هزاران لقمه یك خاشاكِ خُرد — چون در آمد حسّ زنده پی ببُرد

الفاظ معانی:

دانکه: جان لے کہ، این هر دو: یہ دونوں، زرقلب: کھوٹا سونا، زرنیکو: کھرا سونا، بی محك: کسوٹی کے بغیر، نہادن: رکھنا، دهان: منہ، خاشا کی: کوئی تنکا، آنگه: اس وقت، خرد: چھوٹا، چون: جب۔

ترجمہ:

70۔ جان لے کہ یہ دونوں ایک اصل سے رواں ہیں۔ان دونوں سے گزر جا ان کی اصل تک جا۔

71۔ کھوٹا سونا اور کھرا سونا پرکھنے میں کسوٹی کے بغیر تو ہرگز اعتبار نہیں کرسکتا۔

72۔ جس کی جان میں خدا کسوٹی رکھ دے وہ یقین کو شک سے علیحدہ جانتا ہے۔

73۔ زندہ کے منہ میں کوئی تنکا پڑ جائے تو اس کو چین اس وقت آتا ہے جب وہ اسے باہر نکال دیتا ہے۔

74۔ ہزاروں لقموں میں ایک چھوٹا سا تنکا جب آیا تو زندہ کی حس نے (اس کا) پتہ لگا لیا۔

تشریح:

اس شعر کا تعلق پچھلے شعر سے ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ دو سمندروں سے مراد کفر کا سمندر اور ایمان کا سمندر ہے یعنی کڑوے سمندر سے مراد کافر، گمراہ اور نادان انسان ہیں اور میٹھے سمندر سے مراد مومن اور خود پرست انسان کے ہیں۔مولانا قاری سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ جان لے، یہ دونوں سمندر ایک ہی منبع سے رواں ہیں کہ دونوں سمندر یعنی کافر، گمراہ اور نادان انسان اور اسی طرح انسان کامل، مومن اور آگاہ انسان ہر دو طرح کے انسانوں کا خالق ایک ہی ہے اور

وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔اس لیے تجھے چاہیے کہ ان دوطرح کے انسانوں کو پہچاننے کے لیے ان کے خالق پر نظر رکھنی چاہیے۔بالکل ایسے جیسے کھوٹا سونا اور کھرا سونا کسوٹی کے بغیر نہیں پرکھا جاتا اسی طرح اچھے راستے اور برے راستے کو پہچاننے کے لیے اس کی کسوٹی یعنی پیر طریقت کی ضرورت ہوتی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں کسوٹی رکھ دی ہے۔جب کسی زندہ شخص کے منہ میں کوئی تنکا گر جاتا ہے تو وہ شخص اس وقت تک قرار نہیں پاتا جب تک وہ اس چھوٹے سے تنکے کو نکال باہر نہیں کرتا۔مولانا روم کہتے ہیں کہ ہزاروں لقموں میں جب ایک چھوٹا سا تنکا یا ذرہ منہ میں آ جاتا ہے تو زندہ شخص اس چھوٹے سے ذرے کو اپنے منہ میں محسوس کر لیتا ہے اور اس کا پتہ لگا لیتا ہے۔

☆☆☆

۷۵۔ حسّ دنیا نردبان این جہان	حسّ دینی نردبان آسمان
۷۶۔ صحت این حس بجویید از حبیب	صحت آن حس بخواہید از حبیب
۷۷۔ صحت این حسّ زمعموریِ تن	صحت آن حسّ ز تخریب بدن
۷۸۔ راہ جان مر جسم را ویران کند	بعد از آن ویرانی آبادان کند
۷۹۔ کرد ویران خانہ بہر گنج زر	وزہمآن گنجش کند معمورتر
۸۰۔ آب را ببرید و جُو را پاک کرد	بعد از آن در جُو روان کرد آب خورد

الفاظ معانی:

نردبان: سیڑھی، معموری تن: جسم کی تندرستی، حبیب: معشوق یعنی اللہ تعالیٰ، آبادان کردن: آباد کرنا، بہر گنج: خزانے کے لیے، خانہ: گھر، معمورتر: زیادہ آباد، آب بریدن: پانی بند کرنا، جو: نہر، پاک کردن: صاف کرنا، آب خورد: پینے کا پانی،

ترجمہ:

75۔ دنیا کا احساس اس دنیا کی سیڑھی ہے۔دینی حس آسمان کی سیڑھی ہے۔

76۔ اس احساس کی صحت طبیب سے تلاش کر۔اس حس کی صحت معشوق سے چاہو۔

77۔ اس احساس کی صحت جسم کی تندرستی سے ہے۔اس حس کی صحت جسم کی ویرانی سے ہے۔

78۔ روح کا راستہ جسم کو ویران کرتا ہے۔اس ویرانی کے بعد آباد کرتا ہے۔

79۔ اس نے سونے کے خزانے کے لیے گھر ویران کیا اور وہ اس کے اسی خزانے سے زیادہ آباد کرتا ہے۔

80۔ اس نے پانی بند کیا اور نہر کو صاف کیا۔اس کے بعد نہر میں پینے کا پانی جاری کر دیا۔

تشریح:

ان اشعار میں مولانا فرماتے ہیں دنیاوی احساس یعنی انسان کے ظاہری حواس مالی امور کی اچھائی یا برائی معلوم کرنے کے لیے ہیں۔لیکن دینی اور معنوی حس روحانی دنیا سے رابطہ برقرار رکھنے کا باعث بنتی ہے۔دنیاوی احساس کا علاج طبیب یا معالج کے پاس ہوتا ہے۔وہی اسے درست کر سکتا ہے۔مگر دینی اور معنوی حس معشوق ازلی یعنی خداوند تعالیٰ سے طلب کی جا سکتی ہے۔ظاہری یا دنیاوی احساس کا تعلق انسان کے جسم سے ہوتا ہے جب کہ دینی یا معنوی حس کی سلامتی کا تعلق جسم کے فنا ہونے سے ہے۔روح کا راستہ یعنی روحانی راستہ جسم اور جسمانی تعلقات کی ویرانی کا باعث بنتا ہے لیکن اسے ویران کر دینے

کے بعد روحانی اور معنوی آبادکاری حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اس طرح جیسے کسی گھر میں سونے کا خزانہ چھپا ہو جب تک اس میں اکھاڑ پچھاڑ نہ کریں وہ خزانہ حاصل نہیں ہوتا، جب گھر کھودنے سے خزانہ حاصل ہو جائے تو پھر اسی خزانے سے گھر کو بہتر طور پر آباد کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ایک اور مثال اس نہر کی ہے، جس کا پانی اس کی صفائی کے لیے بند کر دیا جائے اور اس نہر کی صفائی کے بعد اس میں پینے کا صاف پانی رواں کر دیا جائے۔

☆☆☆

۸۱۔ پوست را بشکافت و پیکان را کشید — پوست تازه بعد از آتش بر دمید

۸۲۔ قلعه ویران کرد و از کافر ستد — بعد از آن بر ساختیش صد برج و سد

۸۳۔ کار بی چون را که کیفیت نهد — این که گفتم هم ضرورت می دهد

۸۴۔ گه چنین بنماید و گه ضدّ این — جز که حیرانی نباشد کار دین

۸۵۔ نی چنان حیران که پشتش سوی اوست — بل چنین حیران و غرق و مست دوست

الفاظ معانی:

پوست: کھال، شکافتن: چیرنا، پیکان: تیر، کشیدن: کھینچنا، بر دمیدن: پھوٹنا، بستد: چھین لیا، ساختن: بنانا، سد: فصیل، کار: کام، بی چون: اللہ تعالیٰ، کہ: کون، کیفیت نهادن: کیفیت بیان کرنا، گہ: کبھی، چنین نمودن: ایسا دکھانا، ضد این: اس کے برعکس، نی چنان: نہ ایسا، سوی اوست: اس کی طرف ہے، بل: بلکہ، چنین: ایسا۔

ترجمہ:

81۔ اس نے کھال چیری اور تیر کو کھینچا۔ اس کے بعد نئی کھال اس سے پھوٹی۔

82۔ اس نے قلعہ ویران کیا اور کافر سے چھینا۔ اس کے بعد اس پر سو برج اور فصیلیں بنائیں۔

83۔ خدا کے کام کی کیفیت کون بیان کرے۔ یہ جو کچھ میں نے کہا یہ بھی ضرورت کے تحت ہے۔

84۔ کبھی وہ یوں جلوہ آرا ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس، دین کا کام حیران کے بغیر نہیں ہوتا۔

85۔ نہ ایسا حیران کہ جس کی پیٹھ اس کی طرف ہو بلکہ ایسا حیران کہ وہ دوست میں غرق اور مست ہو۔

تشریح:

مولانا روم کا عقیدہ یہ ہے کہ روحانی راستہ جسم اور جسمانی تعلقات کی ویرانی کا باعث بنتا ہے لیکن اسے ویران کر دینے کے بعد روحانی اور معنوی آبادکاری حاصل ہوتی ہے۔ اسی موضوع کو ثابت کرنے کے لیے مولانا مختلف مثالیں دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کوئی کھال چیر کر تیر کو جسم سے باہر نکالتا ہے تو اس سے وقتی طور پر جسم کا زخم بڑھ جاتا ہے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زخم بھر جاتا ہے۔ اسی طرح سے کوئی قلعہ کو تباہ کرتا ہے اور اسے کافروں سے چھین لیتا ہے۔ پھر وہی شخص جس نے قلعہ تباہ کیا تھا اس قلعہ کو تعمیر کرتا ہے اور اس پر نئے برج اور فصیلیں بناتا ہے۔ یہ سب اللہ کے کام ہیں اور کوئی شخص یہ اہلیت نہیں رکھتا کہ وہ خدا کے کاموں کی کیفیت مکمل طور پر بیان کر سکے۔ مولانا کہتے ہیں یہ جو کچھ میں نے خدا کے کاموں کے بارے میں کہا ہے وہ بھی صرف ضرورت کے تحت تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کاموں کا تعین خود کرتا ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اللہ کے کام کبھی ہماری نظر میں یوں دکھائی دیتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس

دکھائی دیتے ہیں۔ اللہ کے کاموں کو ہر لحہ ہم مختلف دیکھتے ہیں۔ ہماری ناقص عقل ان کا حصار کرنے سے قاصر ہے۔ ہم اللہ کے کاموں پر حیران ہیں۔ حیرانگی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ حیرت جس کی بنیاد شک، تردید اور جہالت پر ہوتی ہے اور اس حیرت کا نتیجہ گمراہی اور بے ایمانی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ آخری شعر کے پہلے مصرع میں اشارہ اس طرح کی حیرت کی طرف ہے۔ جس میں کہا گیا ہے: نہ ایسا حیران کہ جس کی پیٹھ اس یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ دوسری حیرت معرفت الٰہی کے غلبے سے ابھرتی ہے اور دوسرے مصرع میں اس کی جانب اشارہ ہے: بلکہ ایسا حیران کہ وہ دوست یعنی اللہ تعالیٰ میں غرق اور مست ہو۔ پہلی قسم کی حیرت کو حیرت مذموم اور دوسری قسم کی حیرت کو حیرت ممدوح کہا جاتا ہے۔

☆☆☆

۸۶۔ آن یکی را روی او شد سوی دوست	و آن یکی را روی او خود روی دوست
۸۷۔ روی هریك می نگر می دار پاس	بوك گردی توز خدمت روشناس
۸۸۔ چون بسی ابلیس آدم روی هست	پس به هر دستی نشاید داد دست
۸۹۔ زآنك صیّاد آورد بانگ صفیر	تافریبد مرغ را آن مرغ گیر
۹۰۔ بشنود آن مرغ بانگ جنس خویش	از هوا آید بیابد دام و نیش

الفاظ معانی:

روی او: اس کا رخ، سوی دوست: دوست کی جانب، می نگر: دیکھ، بسی: بہت، روشناس: چہرہ پہچاننے والا، آدم روی: انسان کا چہرہ، نشاید: مناسب نہیں، دست: ہاتھ، صیاد: شکاری، بانگ صفیر: سیٹی کی آواز، تافریبد: تا کہ فریب دے، مرغ: پرندہ، مرغ گیر: پرندے پکڑنے والا، دام: جال، نیش: ڈنک

ترجمہ:

86۔ اس ایک کا رخ دوست کی جانب ہو گیا اور اس ایک کا اپنا رخ خود دوست کا رخ ہے۔

87۔ ہر ایک کے رخ کو دیکھ اور ادب کر، ہو سکتا ہے کہ تو خدمت سے روشناس ہو جائے۔

88۔ کیونکہ بہت سے شیطان انسانی چہرے والے ہیں۔ اس لیے ہر ہاتھ میں ہاتھ پکڑانا مناسب نہیں۔

89۔ شکاری نے پرندے جیسی سیٹی کی آواز اس لیے نکالی کہ وہ پرندے پکڑنے والا پرندے کو دھوکہ دے۔

90۔ وہ پرندہ اپنے ہم جنس کی آواز سنتا ہے۔ وہ ہوا سے آتا ہے، جال اور ڈنک پاتا ہے۔

تشریح:

مولانا روم ان اشعار میں کہتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنا چہرہ دوست یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور اس کے راستے پر قدم رکھتے ہیں تا کہ اس تک رسائی حاصل کر سکیں۔ کچھ اور لوگ ایسے ہیں کہ جنہوں نے اپنے آپ کو دنیاوی تعلقات سے بے نیاز کر لیا ہے اور وصال حق تعالیٰ تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کا چہرہ دوست کا چہرہ بن گیا ہے۔ اگلے شعر میں مولانا قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تو دونوں کو دیکھ اور ان کا احترام کر۔ ان کا بھی جن کا

رخ اللہ کی طرف ہے اوران کا بھی جن کا رخ دوست کا رخ ہے۔ان دونوں کے وجود کی برکت سے تو بھی حق اور حقیقت سے روشناس ہو جائے گا۔بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا چہرہ تو آدمی جیسا ہے مگر وہ اندر سے شیطان صفت ہیں۔اس لیے تجھے اپنا ہاتھ ہر اس آدمی کے ہاتھ میں نہیں دینا چاہیے جو ظاہری طور پر تو انسان دکھائی دیتا ہو مگر حقیقت میں شیطان کا پیروکار ہو۔اس کی مثال ایسے شکاری کی سی ہے جو سیٹی کی آواز کے ذریعے ہو بہو پرندے کی آواز نکالتا ہے۔ہوا میں اڑنے والے آزاد پرندے جب اس سیٹی کی پرندے جیسی آواز سنتے ہیں تو دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اسے اپنا ہم جنس پرندہ سمجھ کر نیچے زمین پر اتر آتے ہیں۔جہاں شکاری نے جال لگایا ہوتا ہے اور یوں وہ دھوکہ کھا کر جال میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔اسی طرح شیطان صفت انسان بھی اپنے آپ کو ظاہری طور پر نیک اور پرہیز گار بناتے ہیں تا کہ وہ دوسرے انسانوں کو دھوکہ اور فریب دے سکیں۔

☆☆☆

۹۱۔ حرف درویشان بدزدد مرد دون	تا بخواند برسلیمی زآن فسون
۹۲۔ کار مردان روشنی و گرمی است	کار دونان حیله و بیشرمی است
۹۳۔ شیر پشمین از برای گد کنند	بُو مُسَیلم را لقب احمد کنند
۹٤۔ بو مسیلم را لقب کذّاب ماند	مر محمد را أولو الألباب ماند
۹۵۔ آن شراب حق ختامش مشك ناب	باده را ختمش بود گند و عذاب

الفاظ معانی:

دزدیدن: چرانا، مرد دون: پست فطرت آدمی، سلیم: سادہ دل، فسون: منتر، کارمردان: مردوں کا کام، حیلہ: دھوکہ، شیر پشمین: اونی شیر، برای گد: گدائی کے لیے، اولوالالباب: صاحب عقل، ختامش: اس کا انجام، مشك ناب: خالص مشک، بادہ: شراب۔

ترجمہ:

91۔ پست فطرت آدمی درویشوں کی باتیں چراتا ہے تا کہ وہ کسی سادہ دل پر منتر پڑھے۔

92۔ مردوں کا کام روشنی اور گرمی (فراہم کرنا) ہے کمینے آدمیوں کا کام دھوکہ اور بے شرمی ہے۔

93۔ وہ گدائی کے لیے اونی شیر بناتے ہیں۔بومسیلمہ (کذاب) کو احمد کا لقب دیتے ہیں۔

94۔ بومسیلمہ کا لقب کذاب رہ گیا۔محمد کا لقب صاحب عقل رہ گیا۔

95۔ شراب حق کا انجام خالص مشک ہے اور (دنیاوی) شراب کا انجام گندگی اور عذاب ہے۔

تشریح:

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو شیطان صفت اور بدذات ہیں۔وہ سادہ دل اور شریف لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ظاہری طور پر اپنے آپ کو پرہیزگار اور نیک شخص کے روپ میں ظاہر کرتے ہیں۔یہ پست فطرت لوگ خدا کے برگزیدہ بندوں کی سی باتیں کرتے ہیں اور مکاری سے کام لیتے ہیں۔ان کے برعکس خدا کے بندے اور انسان کامل زندگی اور روشنی بخشتے ہیں۔پست فطرت لوگ بے شرمی اور حیلہ گری کو اپنا وطیرہ بناتے ہیں۔وہ گدائی کے لیے اونی شیر بناتے ہیں۔مراد یہ ہے کہ وہ حقیقی طور پر عابد اور زاہد نہیں ہوتے بلکہ وہ ظاہری طور پر خود کو ایسا بنا کر پیش کرتے ہیں۔انہوں نے بھیک مانگنے کے لیے یہ روپ دھارا ہوتا ہے۔وہ مسیلمہ کو احمد کا لقب دیتے ہیں۔مسیلمہ وہ شخص تھا جس نے پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا اور اس کا تعلق قبیلہ بنی حنیفہ سے تھا۔مسلمانوں اور اس

کے درمیان شدید جنگ ہوئی اور وہ اس جنگ میں مارا گیا۔ یوں 11 ہجری میں یہ فتنہ اپنے اختتام کو پہنچا۔ پس فطرت لوگ بھی مسیلمہ کذاب کی طرح خود کو پیغمبر ظاہر کرتے ہیں۔ عشق معرفت اور عشق الٰہی کا انجام خاص مشک جیسا اثر رکھتا ہے جو آ گاہ کنندہ اور لذت بخش ہے۔ لیکن اس دنیا کی مجازی اور مادی شراب کا انجام بد بو اور عذاب الٰہی پر ختم ہوتا ہے اس شعر میں سورہ المطففین کی آیات 25 اور 26 کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: یسقون من رحیق مختوم ختامہ مسك جس کا ترجمہ ہے: لوگ سربمہر خالص شراب پلائے جائیں گے جس پر مشک کی مہر ہوگی۔

(ii) Ghazliat-e-Rumi

غزلیات مولانا روم

(۱)

۱۔ یار مرا، غار مرا، عشق جگر خوار مرا — یار تویی، غار تویی، خواجہ! نگہدار مرا

۲۔ نوح تویی، روح تویی، فاتح و مفتوح تویی — سینۂ مشروح تویی، بر در اسرار مرا

۳۔ نور تویی، سور تویی، دولت منصور تویی — مرغ کہ طور تویی خستہ بہ منقار مرا

۴۔ قطرہ تویی، بحر تویی، لطف تویی، قہر تویی — قند تویی، زہر تویی، بیش میازار مرا

۵۔ حجرۂ خورشید تویی، خانۂ ناہید تویی — روضۂ اومید تویی، راہ دہ ای یار مرا

۶۔ روز تویی، روزہ تویی، حاصل در یوزہ تویی — آب تویی، کوزہ تویی، آب دہ این بار مرا

۷۔ دانہ تویی، دام تویی، بادہ تویی، جام تویی — پختہ تویی، خام تویی، خام بمگذار مرا

۸۔ این تن اگر کم تندی، راہ دلم کم زندی
راہ شدی تا نبدی، این ہمہ گفتار مرا

الفاظ معانی:

نگہداشتن: سہارا دینا، تویی: تو ہے، مفتوح: فتح کیا ہوا، مشروح: بیان شدہ، اسرار: راز (جمع)، سور: قرآن کی سورتیں، دولت منصور: کامیاب دولت، مرغ: پرندہ، خستہ: زخمی، منقار: چونچ، لطف: مہربانی، آزردن: ستانا، خورشید: سورج، خانہ ناہید: زہرہ ستارے کا گھر، روضہ: باغ، دریوزہ: بھیک، گدائی، دام: جال، بادہ: شراب، خام: کچا، ناپختہ، تنیدن: تننا، زدن: مارنا، زخمی کرنا،

ترجمہ:

1۔ میرا یار، میری غار، میرا جگر خوار عشق (تو ہے) یار تو ہے، غار تو ہے، آقا! مجھے سہارا دے۔

2۔ (میرا) نوح تو ہے، روح تو ہے، فاتح اور مفتوح تو ہے، میرے رازوں کے دروازے پر کھلا سینہ تو ہے۔

3۔ نور تو ہے، خوشی تو ہے، کامیاب دولت تو ہے، کوہ طور کا پرندہ تو ہے جس نے مجھے چونچ سے زخمی ہے۔

4۔ قطرہ تو ہے، سمندر تو ہے، مہربانی تو ہے، قہر تو ہے، قند تو ہے، زہر تو ہے، مجھے اور نہ ستا۔

5۔ سورج کا حجرہ تو ہے، زہرہ (ستارے) کا گھر تو ہے، اُمید کا باغ تو ہے، اے یار مجھے راستہ دے۔

دن تو ہے، روزہ تو ہے، میری گدائی کا نتیجہ تو ہے، پانی تو ہے، کوزہ تو ہے، اس بار مجھے پانی دے۔ -6

دانہ تو ہے، جال تو ہے، شراب تو ہے، جام تو ہے، پختہ تو ہے، خام تو ہے، مجھے خام نہ رہنے دے۔ -7

اگر تو نے یہ تن کم دھنا، میرے دل کا راستہ کم مارا تو تو راستہ بن گیا تا کہ میری یہ سب گفتگو نہ ہو۔ -8

تشریح:

مولانا روم کی یہ غزل ان کے ''دیوان شمس تبریز'' سے لی گئی ہے جسے ''دیوان کبیر'' بھی کہتے ہیں۔ ویسے تو یہ غزل گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے مگر اس کی دو نمایاں ترین خصوصیات ہیں: پہلی یہ کہ یہ غزل نظریہ وحدت الوجود کی ترجمان ہے اور دوسری یہ کہ مولانا نے ہم آہنگ الفاظ کے استعمال سے اس غزل میں ایک خاص ترنم اور موسیقی ایجاد کی ہے، عام فہم الفاظ میں نظریہ وحدت الوجود کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی جو کچھ نظر آتا ہے سب خدا ہی ہے۔ یعنی خدا ہر شے ہے اور ہر شے خدا ہے۔ یہ عقیدہ اور نظریہ محی الدین ابن عربی نے وضع کیا جو تصوف کی تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ ابن عربی چھٹی صدی ہجری میں اندلس میں پیدا ہوئے اور 638 ہجری میں دمشق میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ انہوں نے نظریہ وحدت الوجود فلسفیانہ رنگ میں پیش کیا اور ان کا انداز بیان اس قدر پیچیدہ، دشوار اور مبہم تھا کہ ان کے پیش کردہ بیشتر نکات لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ اس وجہ سے ان کا یہ نظریہ مفکرین کے ایک خاص طبقہ تک محدود ہو گیا۔ لیکن مولانا روم نے نظریہ وحدت الوجود کو اپنے اشعار کی زبان میں ایسے عام فہم، دلکش اور افسانوی انداز میں پیش کیا کہ اس کا ایک ایک لفظ زبان زد عام ہو گیا۔ مولانا کے یہ اشعار دلوں کو گرمانے اور انہیں وجد و کیف کے عالم میں لے جانے کے لیے جادو کا کام کرتے ہیں۔

اس غزل میں مولانا روم مخصوص عارفانہ اور صوفیانہ انداز میں اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میرا یار، میری غار اور میرا جگر خوار عشق تو ہے۔ یار اس لیے ہے کہ وہ ہمدم ہے اور اپنے بندوں کی بھلائی کے سوا کچھ اور نہیں چاہتا۔ غار اس لیے ہے کہ وہ ہمیں نہ صرف شیطان سے بلکہ تمام وسوسوں سے بچاتا ہے اور اپنی پناہ میں رکھتا ہے۔ جگر خوار عشق اس لیے کہ اس عشق سے بڑھ کر کوئی عشق نہیں۔ اگلے مصرع میں دوبارہ تکرار کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں کہ یار تو ہے، غار تو ہے، آقا! مجھے سہارا دے۔ یعنی اے اللہ جب تو میرا یار ہے اور تو ہی میری غار ہے تو پھر اے آقا تو ہی مجھے سہارا دے کیونکہ تیرے سوا کوئی آقا بننے کے لائق نہیں۔

دوسرے شعر میں مولانا کہتے ہیں۔ کہ میرے لیے نوح تو ہے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے نیک لوگوں کے لیے کشتی بنائی اور انہیں طوفان سے بچا کر محفوظ مقام پر لے گئے اس طرح میرے لیے اے اللہ تو رہبر ہے۔ میری روح بھی تو ہے۔ جس طرح روح کے بغیر انسان کا جسم مردہ اور بے کار ہے اس طرح میرے اللہ تیرے بغیر میں بے کار ہوں۔ میرے لیے فاتح بھی تو ہے اور مفتوح بھی تو ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے نیک بننے کی توفیق عطا کرتا ہے پہلے اس کا دل فتح کرتا ہے اور اس شخص کے دل میں تبدیلی رونما ہوتی ہے مفتوح اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور پرہیزگار بندوں کا محبوب بن جاتا ہے اور ان کی ہر بات مانتا ہے مولانا مزید کہتے ہیں کہ میرے رازوں کے دروازے پر کھلا سینہ تو ہے۔ یہاں مولانا کا اشارہ سورہ طٰہ کی آیت نمبر 25 کی طرف ہے جو یوں ہے: رب اشرح لی صدری (اے میرے مالک کھول دے میرا سینہ)۔ جب اللہ انسان کا سینہ کھول دے تو اس کا ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔ تیسرے شعر میں مولانا کہتے ہیں کہ میرے لیے نور تو ہے۔ نور یا روشنی بھلائی یا نیکی کی علامت ہے جب کہ اندھیرا یا تاریکی بدی یا برائی کی علامت ہے۔ جب روشنی آتی ہے تو تاریکی مٹ جاتی ہے اس لیے مولانا اللہ تعالیٰ کو نور کہہ کر پکار رہے ہیں۔ مولانا کہتے ہیں اے اللہ میرے لیے خوشی تو ہے اور کامیاب دولت تو ہے۔ دل کو کسی بھی دولت سے اتنی خوشی میسر نہیں آتی یا اتنا سکون حاصل نہیں ہوتا جتنا اسے اپنے رب کی قربت حاصل کرنے میں ہوتا ہے۔ انسان کے لیے مادی دولتیں اس دنیا میں موجود ہیں مگر رب کی قربت حاصل کر لینا وہ کامیاب دولت ہے جسے کبھی زوال نہیں آتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہنے والا ہے اس لیے اس سے وابستگی کی

خوشی بھی دائی ہے۔ مولانا مزید کہتے ہیں کہ کوہ طور کا مقدس پرندہ تو ہے جس نے اپنی چونچ سے مجھے زخمی کیا۔ اس شعر میں مولانا کا اشارہ کوہ طور کے اس واقعہ کی طرف ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام دیدار حق کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش ہو گئے۔ مولانا فرماتے ہیں اے اللہ میرے لیے قطرہ تو ہے اور سمندر بھی تو ہے۔ قطرہ جز کی دلالت کرتا ہے اور سمندر کل کی۔ مراد یہ ہے کہ میرے لیے جز اور کل سب کچھ تو ہے۔ میرے لیے مہربانی اور قہر تو ہے۔ یہاں بھی معنی وہی ہیں کہ اے اللہ میرے لیے سب کچھ تو ہے کیونکہ تو نیکی کرنے پر مہربانی کرتا ہے اور بدی کرنے والوں پر اپنا قہر نازل کرتا ہے۔ اے اللہ تو ہی قند ہے اور تو ہی زہر ہے یعنی تیری قربت میرے لیے قند ہے اور تجھ سے دوری میرے لیے زہر ہے اس لیے مجھے مزید نہ ستا۔ اپنے آپ سے دور نہ رکھ اور مجھے اپنی قربت میسر کر۔ اے اللہ سورج کا حجرہ تو ہے۔ سورج جو روشنی کا سرچشمہ ہے تیرے اشارے اور حکم پر گردش کرتا ہے۔ مگر میرے لیے سورج کا حجرہ تو ہے۔ روشنی کا سرچشمہ تو ہے۔ میرے لیے زہرہ ستارے کا گھر بھی تو ہے۔ زہرہ جسے ناھید بھی کہتے ہیں یہ بھی نہایت روشن ہونے کی وجہ سے معروف ہے۔ اس روشن ستارے کا گھر بھی اللہ تعالیٰ ہے یعنی وہ بھی اللہ تعالیٰ کے تابع ہے۔ میری اُمید کا باغ بھی تو ہے۔ مراد یہ ہے کہ اے اللہ میں نے اپنی سب اُمیدیں تجھ سے لگا رکھی ہیں اس لیے اے میرے دوست مجھے راستہ دکھا وہ راستہ جس پر تو اپنے نیک بندوں کو دیکھنا چاہتا ہے اور وہ راستہ جو تجھے پسند ہے۔ اے اللہ میرے لیے عام دن اور خاص دن یعنی روزے کا دن بھی تو ہے۔ تیرے سامنے میری حیثیت ایک بھکاری کی سی ہے اور میری بھیک کا حاصل تو ہی ہے میرے لیے تو پانی بھی تو ہے اور پانی کا برتن بھی تو ہے۔ اس بار مجھے پانی دے۔ مراد یہ ہے کہ مجھے اپنے عرفانات عطا کر۔ دانہ تو ہے اور جال بھی تو ہے۔ شراب تو ہے اور جام بھی تو ہے۔ پختہ تو ہے اور خام بھی تو ہی ہے۔ اس شعر میں بھی اس غزل کے باقی اشعار کی طرح نظریہ وحدت الوجود کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں کہ میرا سب کچھ تو ہے تو مجھے خام نہ رہنے دینے بلکہ اپنے عشق میں پختہ کر دے۔ آخری شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ اے اللہ اگر تو نے میرا تن کم دھنا ہے۔ دھننے سے مراد ذرہ ذرہ کرنا جیسے روئی دھنی جاتی ہے۔ اگر تو نے دل کا راستہ کم مارا ہے تو تو راستہ بن گیا تا کہ یہ سب میری گفتگو نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ اگر معرفت الٰہی اور عرفانیت کے راستے پر مجھ میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو اے اللہ اسے پورا کر دے۔ تو میرا راستہ بن گیا ہے تا کہ میری یہ سب گفتگو نہ ہو کیونکہ تو اپنے بندوں کو نا اُمید نہیں کرتا۔

(۲)

۱۔ معشوقه بسامان شد، تا باد چنین بادا — کفرش همه ایمان شد، تا باد چنین بادا

۲۔ ملکی که پریشان شد، از شومی شیطان شد — باز آن سلیمان شد، تا باد چنین بادا

۳۔ یاری که دلم خستی، در بر رخ ما بستی — غمخوارهٔ یاران شد، تا باد چنین بادا

٤۔ زان طلعت شاهانه، زان مشعلهٔ خانه — هر گوشه چو میدان شد، تا باد چنین بادا

۵۔ زان خشم درو غینش، زان شیوهٔ شیرینش — عالم شکرستان شد، تا باد چنین بادا

٦۔ شب رفت صبوح آمد، غم رفت فتوح آمد — خورشید درخشان شد، تا باد چنین بادا

۷۔ از دولت محزونان وز همت مجنونان — آن سلسله جنبان شد، تا باد چنین بادا

۸۔ عید آمد وعید آمد، یاری که رمید آمد — عیدانه فراوان شد، تا باد چنین بادا

۹۔ آن باد هوا را بین، ز افسون لب شیرین — با نای در افغان شد، تا باد چنین بادا

۱۰۔ فرعون بدان سختی، با آن همه بدبختی — نک موسی عمران شد، تا باد چنین بادا

۱۱۔ آن گرگ بدان زشتی، باجهل و فرامشتی — نک یوسف کنعان شد، تا باد چنین بادا

۱۲۔ شمس الحق تبریزی، از بس که در آمیزی — تبریز خراسان شد، تا باد چنین بادا

۱۳۔ ”از اَسۡلَمَ شیطانی“ شد نفس تو ربانی ابلیس مسلمان شد، تا باد چنین بادا

۱٤۔ آن ماه چو تابان شد، کونین گلستان شد اشخاص همه جان شد، تا باد چنین بادا

۱۵۔ بر روح بر افزودی تا بود چنین بودی فرّ تو فروزان شد، تا باد چنین بادا

۱٦۔ قهرش همه رحمت شد، زهرش همه شربت شد ابرش شکر افشان شد، تا باد چنین بادا

۱۷۔ ارضی چو سمایی شد مقصود سنایی شد این بود همه آن شد، تا باد چنین بادا

۱۸۔ خاموش، که سر مستم بربست کسی دستم
اندیشه پریشان شد، تا باد چنین بادا

الفاظ معانی:

همه: **سارا**، چنین: **ایسا**، شومی: **نحوست**، خستن: **زخمی کرنا**، در: **دروازہ**، غمخوار: **ہمدرد**، طلعت: **وضع قطع**، خشم: **ناراضگی**، دروغین: **جھوٹی**، صبوح: **صبح کی شراب**، فتوح: **کامیابیاں**، خورشید: **سورج**، محزونان: **غمگین (جمع)**، دولت: **حکومت**، سلسله جنبان شدن: **باعث بننا**، رمیدن: **گریز کرنا**، بین: **دیکھ**، افسون: **جادو**، گرگ: **بھیڑیا**، زشتی: **بدصورتی**، ماه: **چاند**، تابان: **چمکتا ہوا**، کونین: **دونوں جہاں**، گلستان: **باغ**، فر: **شان و شوکت**، فروزان شدن: **بڑھنا**، بربستن: **باندھنا**۔

ترجمہ:

1۔ معشوقہ نیک ہوگئی، جب تک رہے ایسا رہے۔ اس کا سارا کفر ایمان بن گیا، جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

2۔ وہ ملک جو مضطرب ہوگیا، شیطان کی نحوست کے باعث ہوا، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہوگیا، جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

3۔ وہ دوست جو دل زخمی کرتا تھا، ہمارے چہرے (یعنی ہم) پر دروازہ بند کر لیتا تھا، وہ یاروں کا غمخوار ہوگیا، جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

4۔ اس شاہانہ وضع قطع سے، اس گھر کی مشعل سے ہر گوشہ میدان کی طرح ہوگیا، جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

5۔ اس کے جھوٹ موٹ کے غصے، اس کی شیریں اداؤں سے دنیا شکرستان بن گئی۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

6۔ رات گئی صبح (صبح کی شراب) آ گئی۔ غم گیا کامیابیاں (خوشیاں) آئیں۔ سورج چمکنے لگا۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

7۔ غمزدوں کی حکومت سے اور عاشقوں کی ہمت سے یہ سلسلہ جنبش میں آیا۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

8۔ عید آئی اور عید آئی۔ منہ موڑ کے جانے والا یار آ گیا۔ عیدی بہت ہوگئی۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

9۔ اس ہوا کو دیکھ، شیریں ہونٹوں کے جادو سے بانسری بجنے لگی۔ جب تک رہے، ایسا ہی رہے۔

10۔ فرعون اس سختی اور ان ساری بدبختیوں کے ساتھ (موجود رہا)، اب موسیٰ عمران آ گیا۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

11۔ اس بدصورتی کے ساتھ وہ بھیڑیا، اس جہالت اور فراموشی کے ساتھ (موجود رہا)، اب یوسف کنعان آ گیا۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

12۔ شمس الحق تبریزی کے ساتھ اس قدر زیادہ گھل مل گئے کہ تبریز خراسان بن گیا۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

13۔ اسلم شیطانی سے تیرا نفس ربانی ہوگیا۔ ابلیس مسلمان ہوگیا۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

14۔ وہ چاند جب روشن ہوا۔ دونوں جہاں گلستاں بن گئے۔ اشخاص سب روح بن گئے۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

15۔ تو نے روح کو بڑھا دیا۔ جب سے تھا تو ایسا ہی تھا۔ تیری شان و شوکت بڑھ گئی۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

16۔ اس کا قہر سب رحمت بن گیا۔ اس کا تمام زہر شربت بن گیا۔ اس کا بادل شکر برسانے والا بن گیا۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

17۔ زمین آسمان جیسی ہوگئی، سنائی کی مراد بن گئی۔ یہ ساری ایسی ہوگئی۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

18۔ خاموش کہ میں مست ہوں۔ کسی نے میرے ہاتھ باندھ دیئے۔ خیال پریشان ہوگیا۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

تشریح:

یہ مولانا روم کی ایک معروف عارفانہ غزل ہے جسے انہوں نے سنائی کی اس غزل کو مدنظر رکھ کر تحریر کیا ہے:

معشوقہ بساماں شد تا باد چنیں باد

کفرش ہمہ ایماں شد تا باد چنیں باد

اس غزل کے پہلے شعر میں مولانا روم معشوقہ کے نیک ہونے کی نوید دیتے ہیں۔ یہاں معشوقہ کا لفظ استعارہ کے طور پر اپنے نفس کے بارے میں استعمال کیا گیا ہے جس نے نیکی کا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ فارسی زبان کا لفظ ''بساماں'' قرآن پاک کے قدیم فارسی تراجم میں صالح اور نیک لوگوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مولانا مزید کہتے ہیں کہ اس کا سارا کفر ایمان بن گیا یعنی وہ راہ راست پر آ گیا۔ پھر وہ دعائیہ انداز میں فرماتے ہیں کہ جب تک رہے خدا کرے ایسا ہی نیک رہے۔ دوسرے شعر میں مولانا نے تلمیح نہایت خوبصورت انداز میں پیش کی ہے۔ اشارہ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی گم ہو جانے کے واقعہ کی طرف کہ ان کی انگوٹھی گم ہوگئی اور وہ ایک دیو کے ہاتھ آ گئی جس نے اس انگوٹھی کی مدد سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ بالآخر حضرت سلیمان علیہ السلام دوبارہ اپنی حکومت واپس لینے میں کامیاب ہوگئے۔ حافظ شیرازی اس واقعہ کے بارے میں کہتے ہیں:

من آں نگین سلیمان بہ ہیچ نستانم

کہ گاہ گاہ براو دست اہرمن باشد

(میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس انگوٹھی کو کسی قیمت پر نہ لوں جس پر کبھی کبھی شیطان کا ہاتھ ہو)

مگر مولانا نے اس واقعہ کو مثبت انداز میں پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا وہ ملک جو ان کے قبضے سے نکل کر بدبخت شیطان کے قبضے میں چلا گیا وہ دوبارہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو مل گیا۔ یعنی بالآخر حق کو کامیابی حاصل ہوئی اور باطل کو منہ کی کھانی پڑی اور خدا کرے ایسا ہی رہے۔ مراد یہ ہے کہ حق کا ہمیشہ بول بالا رہے۔ تیسرے شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ وہ دوست جو ہمیشہ دل کو زخمی کرتا تھا اور ہمارے لیے اپنا دروازہ بند کر لیتا تھا وہ یاروں کا غمخوار بن گیا یعنی اس نے نفرت کی بجائے محبت کا راستہ اپنا لیا۔ خدا کرے ایسا ہی رہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ جو خوبی کے راستے پر آیا ہے وہ اسی طرح خوبی کے راستے پر ہی رہے۔ چوتھے شعر میں کہتے ہیں کہ اس دوست کی شاہانہ وضع قطع سے اور اس کے گھر کی مشعل سے ہر گوشہ روشن ہوگیا۔ روشنی اور نور خیر کی دلالت کرتے ہیں اور اندھیرا شر کی۔ روشنی ہر سو پھیل جانے سے مراد خیر کا ہر سمت پھیلنا ہے۔ مولانا مزید کہتے ہیں خدا کرے جب تک رہے ایسا ہی رہے اور روشنی سے ہر گوشہ منور رہے۔ پانچویں شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ دوست کے جھوٹ موٹ کے غصے اور شیریں اداؤں سے دنیا شکرستان بن گئی۔ کیونکہ دوست کا جھوٹ موٹ کا غصہ کرنا دل کو اچھا لگتا ہے اور اس کی شیریں اداؤں کے تو کیا کہنے۔ ان سے دنیا شکرستان بن گئی۔ شکرستان ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں شکر ہی شکر ہو، مٹھاس ہی مٹھاس ہو اور اس شعر کے آخر میں وہ دعا کرتے ہیں کہ یہ شیرینی ہمیشہ برقرار رہے۔ چھٹے شعر میں بھی مولانا کا اشارہ حالات کے سازگار

ہونے کی جانب ہے کہ رات گئی اور صبوح آ گئی۔ فارسی میں صبوح کا لفظی مطلب صبح کی شراب ہے مگر یہاں مولانا نے اس لفظ سے رات کا متضاد لفظ صبح لیا ہے۔ یعنی رات ختم ہوگئی اور نئی روشن صبح کا آغاز ہوگیا۔ تاریکی کے جاتے ہی غم چلے گئے اور کامیابیاں یعنی خوشیاں آ گئیں۔ سورج چمکنے لگا۔ ہر سو روشنی پھیل گئی۔ خدا کرے جیسا ہے ایسا ہی رہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ خوشیاں اور کامیابیاں جو میسر آئی ہیں وہ ہمیشہ قائم رہیں۔ اگلے شعر میں بھی اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے مولانا کہتے ہیں کامیابیوں اور روشنی پھیلنے کا یہ سلسلہ غمزدوں کی حکومت اور عاشقوں کی ہمت سے حرکت میں آیا۔ یعنی ان کامیابیوں کا سہرا ان کے سر ہے۔ خدا کرے جب تک رہے ایسا ہی رہے۔ عاشق اور غمزدہ لوگ باہمت رہیں اور یوں کامیابیوں اور خوشیوں کا سلسلہ چلتا رہے۔ آٹھویں شعر میں مولانا عید آنے کی خوشخبری سناتے ہوئے لکھتے ہیں اور تکرار کرتے ہیں کہ عید آ گئی اور عید آ گئی۔ یہاں عید سے مراد خوشیوں کا وہی دور ہے جس کا ذکر اس پہلے والے اشعار میں کیا گیا ہے۔ وہ یار جو روٹھ گیا تھا اور گریزاں تھا وہ واپس آ گیا۔ اس کے واپس آ جانے کی خوشی میں عید کا سماں ہے۔ اس کے آنے پر ڈھیروں عیدی مل گئی۔ جب تک رہے خدا کرے ایسا ہی رہے۔ نویں شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ خوشی کی بانسری بجنے لگی۔ بانسری اس وقت بجتی ہے جب بانسری کے ایک سرے پر ہونٹ رکھ کر پھونک ماری جائے اور منہ کی ہوا بانسری میں داخل کی جائے، اس شعر میں بھی مولانا کا اشارہ اپنے دوست کی جانب ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ بانسری صرف ہوا سے نہیں بج رہی بلکہ یہ دوست کے شیریں لبوں کا جادو ہے جس سے بانسری بجنے لگی ہے۔ خدا کرے خوشی کی یہ بانسری اسی طرح ہمیشہ بجتی رہے۔ دسویں اور گیارہوں شعر دونوں میں مولانا نے بالترتیب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی تلمیح خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہوئے فرعون کے بارے میں کہا ہے کہ فرعون نے کتنی سختیاں اور کتنی بدبختیاں مسلط کیں۔ مگر ان کے مقابلے میں کامیابی موسیٰ عمران علیہ السلام کو ملی اور آخر کار وہی کامیاب ہوئے۔ باطل کو منہ کی کھانی پڑی خدا کرے جب تک رہے ایسا ہی رہے کہ فتح حق کی ہوتی رہے اور باطل کو شکست کا سامنا کرنا پڑے۔ نمرود جیسا بھیڑیا اپنی تمام تر برائیوں اور جہالت کے ساتھ کامیاب نہ ہوسکا اور بالآخر حضرت یوسف کنعان کو فتح نصیب ہوئی۔ کنعان حضرت یوسف علیہ السلام کے شہر کا نام تھا۔ اسی نسبت سے انہیں یوسف کنعان کہا جاتا ہے۔ خدا کرے اسی طرح ہمیشہ حق کو فتح حاصل ہو اور باطل کو شکست کا سامنا کرنا پڑے۔ بارہویں شعر میں مولانا اپنے پیرو مرشد شمس الحق تبریز کا ذکر لے آئے ہیں کہ وہ شمس تبریز کے ساتھ اس قدر گھل مل گئے کہ تبریز خراسان بن گیا۔ یعنی تبریز خراسان جیسا ہوگیا۔ تبریز شمس الحق کا آبائی شہر ہے۔ جو ایران کے مغرب میں واقع ہے۔ جب کہ خراسان سورج نکلنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ تبریز خراسان کی طرح روشن ہوگیا۔ شمس تبریز کے وجود کی برکت سے ایسا ہوا اور خدا کرے ایسا ہی رہے۔ تیرہویں شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ ''اسلم شیطانی'' سے تیرا نفس ربانی ہوگیا۔

یہاں مولانا کا اشارہ اس حدیث کی جانب ہے: اسلَمَ شیطانی عَلی یَدی۔ جس کا ترجمہ ہے میرا شیطان میرے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا۔ فارسی زبان کے مختلف شعرای کرام نے اس حدیث کے حوالے سے اشعار کہے ہیں۔ مثلاً

دیوی کہ برآن کفر ہمی داشت مرا ورا   آن دیو مسلمان شد تا باد چنین باد

(سنائی)

(وہ شیطان جو مجھے کفر پر اکساتا تھا وہ شیطان مسلمان ہوگیا جب تک رہے ایسا ہی رہے۔)

آن دیورا کہ درتن و جان من است   باری بہ تیغ عقل مسلمان کنم

(ناصر خسرو)

(وہ شیطان جو میرے جسم اور روح میں ہے۔ میں اسے ایک ہی مرتبہ عقل کی تلوار سے مسلمان کردوں گا)

اسم اعظم بکند کارخود ای دل خوش باش
که به تلبیس و حیل دیو مسلمان نشود

(حافظ شیرازی)

(اے دل خوش رہ (کیونکہ) اسم اعظم اپنا کام کردے گا کیونکہ حیلوں سے اور بھیس بدل کر شیطان مسلمان نہیں بن جاتا۔)

مولانا روم نے جو اپنے اس شعر میں کہا کہ ''ابلیس مسلمان ہوگیا'' اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ ابلیس مسلمان ہوگیا بلکہ یہاں ابلیس کا لفظ استعارہ کے طور پر انسان کے نفس کے لیے استعمال کیا گیا ہے یعنی وہ نفس جو برائی کی طرف راغب کرتا تھا وہ مسلمان ہوگیا۔ خدا کرے یہ نفس اب مسلمان ہی رہے۔ چودھویں شعر میں مولانا کہتے ہیں کہ جب وہ چاند روشن ہوا تو دونوں جہان باغ بن گئے یہاں چاند استعارہ ہے حضور پاک ﷺ کی مبارک ذات کے لیے کہ ان کے قدموں کی برکت سے دونوں جہان باغ بن گئے۔ اشخاص سب روح بن گئے۔ یہاں اشخاص سے مراد ظاہری جسم ہیں یعنی جسموں سے روح کی خوشبو آنے لگی۔ خدا کرے جب تک رہے ایسا ہی رہے۔ پندرہویں شعر میں مولانا اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ تو نے روح کو بڑھا دیا یعنی روح کی قدر و قیمت کو بڑھایا۔ جب سے تو تھا ایسا ہی تھا۔ اسی سے تیری شان و شوکت دنیا میں بڑھ گئی۔ جب تک رہے ایسا ہی رہے یعنی تیری شان و شوکت ایسی طرح بڑھتی رہے۔ سولہویں شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وجود مبارک کی برکت سے قہر رحمت میں بدل گیا۔ زہر شربت میں بدل گیا۔ بادل خوشی سے شکر برسانے والا بن گیا یعنی خوشیاں برسانے والا بن گیا۔ خدا کرے جیسا ہے ایسا ہی رہے۔ آخری دو اشعار میں مولانا اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی مبارک ذات سے زمین آسمان جیسی ہوگئی۔ مراد یہ ہے کہ زمین کا مقام بڑھ کر آسمان جیسا ہوگیا۔ ایسا بن گیا جیسا کہ حکیم سنائی کی مراد تھی وہ بھی زمین کا مقام بلند دیکھنا چاہتے تھے خدا کرے جب تک یہ دنیا رہے ایسی ہی رہے۔ آخری شعر میں مولانا کہتے ہیں کہ خاموش، کیونکہ میں عشق حقیقی میں مست ہوں میرے اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ کسی نے میرے ہاتھ باندھ دیئے ہیں۔ اس مقام پر عقل بھی پریشان ہے خدا کرے جب تک رہے ایسا ہی رہے۔

(۳)

۱۔ بروید ای حریفان، بکشید یار مارا — به من آورید آخر صنم گریز پارا
۲۔ به ترانه های شیرین به بهانه های زرین — بکشید سوی خانه مه خوب خوش لقا را
۳۔ وگر او به وعده گوید که دمی دگر بیایم — همه وعده مکر باشد بفریبد او شما را
۴۔ دم سخت گرم دارد که به جادوی و افسون — بزند گره بر آب او وببندد اوهوا را
۵۔ به مبارکی و شادی چو نگار من در آید — بنشین نظاره می کن تو عجایب خدا را
۶۔ چو جمال او بتابد چه بود جمال خوبان؟ — که رخ چو آفتابش بکشد چراغها را
۷۔ برو ای دل سبک رو به یمن به دلبر من
برسان سلام و خدمت تو عقیق بی بها را

الفاظ معانی:

بروید: جاؤ، حریفان: ہم نشین (جمع)، کشیدن: کھینچنا، زرین: سنہرا، سوی خانہ: گھر کی جانب، مہ: چاند، خوش لقا: خوبصورت چہرہ، مکر: فریب، نگارمن: میرا محبوب، مبارکی: نیک شگونی، شادی: خوشی، نگار: محبوب، بی بہا: قیمتی۔

ترجمہ:

1۔ اے ہم نشینو، جاؤ، ہمارے یار کو کھینچ لاؤ۔ بالآخر اس گریزاں صنم کو میرے پاس لے آؤ۔

2۔ شیریں نغموں اور سنہرے بہانوں سے اس خوبصورت چہرے والے چاند کو گھر کی طرف کھینچ لاؤ۔

3۔ اور اگر وہ وعدہ کرے کہ میں تھوڑی دیر تک آؤں گا تو اس کے سارے وعدے فریب ہوں گے وہ تمہیں فریب دے گا۔

4۔ وہ بہت زیادہ اثر انگیز ہے کیونکہ وہ جادوٹونا کے ذریعے پانی پر گرہ لگا لیتا ہے اور ہوا کو باندھ لیتا ہے۔

5۔ جب نیک شگونی اور خوشی سے میرا محبوب آ جائے تو بیٹھ کر خدا کے عجائبات کا نظارہ کر۔

6۔ جب اس کا جمال جلوہ افروز ہو تو (اس کے سامنے) حسینوں کا جمال کیا ہے؟ کیونکہ اس کا سورج جیسا چہرہ چراغوں کو بجھا دیتا ہے۔

7۔ جا اے دل تیزی سے میرے دلبر کے پاس یمن جا اور اس قیمتی عقیق کی خدمت میں میرا اسلام عقیدت پہنچا۔

تشریح:

مولانا روم کی سات اشعار پر مشتمل ان کی اس خوبصورت غزل کا موضوع ان کا محبوب ہے جو ان سے دور ہے۔ مولانا اپنے ہم نشینوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ جاؤ اور میرے گریزاں صنم کو کھینچ کر میرے پاس لے آؤ۔ وہ شاید آسانی سے آنا گوارا نہ کرے تو شیریں نغموں اور سنہرے بہانوں کے ذریعے اس خوبصورت چہرے والے چاند کو میرے پاس لے آؤ۔ اس شعر میں مولانا نے محبوب کے لیے چاند کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ اگر میرا محبوب یہ وعدہ کرے کہ میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں تو اس کے وعدے کا اعتبار نہ کرنا کیونکہ وہ جھوٹا وعدہ کر کے آپ کو فریب دے گا۔ اس کا طرز بیان اس قدر اثر انگیز ہے کہ وہ جادوٹونا کے ذریعے پانی پر گرہ لگا لیتا ہے۔ یعنی نہ ممکن کام کو بھی ممکن بنا لیتا ہے اور چلتی ہوا کو روکنا جو کسی شخص کے بس میں نہیں مگر محبوب اسے بھی اپنے جادو سے باندھ لیتا ہے اور وہ چلنے سے رک جاتی ہے۔ اگلے شعر میں مولانا روم اپنے ہم نشینوں سے کہتے ہیں کہ اگر تم میرے محبوب کو مجھ تک کھینچ لانے میں کامیاب ہو گئے تو پھر نیک شگونی اور خوشی سے میرے آئے ہوئے محبوب کے سامنے بیٹھ کر خدا کے عجائبات کا نظارہ کرو۔ کیونکہ میرے محبوب کی خوبصورت اللہ کا وہ شاہکار ہے جس کا شمار اس کے عجائبات میں ہوتا ہے۔ جب میرے محبوب کی خوبصورتی اور جمال جلوہ افروز ہو تو اس کے سامنے حسینوں کی خوبصورتی کا کیا مقام؟ کیونکہ میرے محبوب کے سورج سے چہرے کے سامنے سارے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ میرے محبوب کے حسن کے سامنے حسینوں کا حسن سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ آخری شعر میں مولانا اپنے ہم نشین سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم جلدی سے میرے دلبر کے پاس یمن جاؤ اور اس قیمتی عقیق کی خدمت میں میرا اسلام عقیدت پیش کرو۔ اس شعر میں لفظ ''بی بہا'' استعمال ہوا ہے۔ اس کا لفظی مطلب ہے ''بے قیمت''۔ مراد یہ ہے کہ اس کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اس کا تعیین نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی وہ انتہائی قیمتی ہے۔

(٤)

١۔ بنمای رخ که باغ و گلستانم آرزوست — بگشای لب که قند فراوانم آرزوست

٢۔ ای آفتاب حسن! برون آ، دمی ز ابر — کان چهرهٔ مشعشع تابانم آرزوست

٣۔ بشنیدم از هوای تو آواز طبل باز — باز آمدم که ساعد سلطانم آرزوست

٤۔ گفتی زناز "بیش مرنجان مرا، بروا" — آن گفتنت که "بیش مرنجانم" آرزوست

٥۔ وان دفع گفتنت که "برو شه بخانه نیست" — وان ناز و باز و تندی در بانم آرزوست

٦۔ یعقوب وار وا اسفاها همی زنم — دیدار خوب یوسف کنعانم آرزوست

۷۔ واللّٰه که شهر بی تو مرا حبس می شود — آوارگی و کوه و بیابانم آرزوست

۸۔ زین همرهان سست عناصر دلم گرفت — شیر خدا و رستم دستانم آرزوست

۹۔ جانم ملول گشت ز فرعون و ظلم او — آن نور روی موسی عمرانم آرزوست

۱۰۔ زین خلق پر شکایت گریان شدم ملول — آن های هوی و نعرهٔ مستانم آرزوست

۱۱۔ گویا ترم ز بلبل اما زرشك عام — مهر است بر دهانم و افغانم آرزوست

۱۲۔ دی شیخ با چراغ همی گشت گرد شهر — کز دیو و دِد ملولم و انسانم آرزوست

۱۳۔ گفتند: "یافت می نشود جسته ایم ما" — گفت: آنکه یافت می نشود آنم آرزوست

۱٤۔ پنهان ز دیده ها و همه دیده ها از اوست — آن آشکار صنعت پنهانم آرزوست

۱۵۔ گوشم شنید قصه ایمان و مست شد — کو قسم چشم؟ صورت ایمانم آرزوست

۱٦۔ یك دست جام باده و یك دست جعدیار — رقصی چنین میانهٔ میدانم آرزوست

الفاظ معانی:

گلستان: **باغ**، بگشا: **کھول**، فراوان: **زیادہ**، آفتاب: **سورج**، برون آ: **باہر آ**، دمی: **تھوڑی دیر کے لیے**، ز ابر: **بادل سے**، مشعشع تابان: **چمکتا ہوا روشن**، طبل باز: **باز کا ڈھول**، شنیدن: **سننا**، ساعد: **کلائی**، رنجاندن: **دکھ دینا**، آن گفتنت: **تیرا یہ کہنا**، بیش: **مزید**، دفع گفتن: **گریز کرنا**، ناز و باز: **ناز و انداز**، یعقوب وار: **یعقوب کی طرح**، حبس: **قید خانہ**، دلم گرفت: **میرا دل غمگین ہوگیا**، ملول گشتن: **رنجیدہ ہونا**، گریان: **روتی ہوئی**، دھان: **منہ**، دی: **گزشتہ رات**، دد: **جنگلی جانور**، جستن: **تلاش کرنا**، جعدیار: **یار کا کاکل**۔

ترجمہ:

1۔ چہرہ دکھا کیونکہ باغ اور گلستان میری آرزو ہے۔ لب کھول کیونکہ بہت زیادہ قند میری آرزو ہے۔

2۔ اے حسن کے سورج! تھوڑی دیر کے لیے بادل سے باہر آ کیونکہ چمکتا ہوا روشن چہرہ میری آرزو ہے۔

3۔ تیری آرزو سے میں نے باز کے ڈھول کی آواز سنی۔ میں واپس آ گیا کیونکہ سلطان کی کلائی میری آرزو ہے۔

4۔ تو نے ناز سے کہا ''مجھے اور دکھ نہ دے، جا! تیرا یہ کہنا ''مجھے اور دکھ نہ دے'' میری آرزو ہے۔

5۔ اور تیرا وہ گریز کرنا کہ ''جا بادشاہ گھر پر نہیں ہے۔'' دربان کا وہ ناز و انداز اور تندی میری آرزو ہے۔

6۔ میں یعقوب کی طرح افسوس کرتا ہوں۔ یوسف کنعان کا اچھا دیدار میری آرزو ہے۔

7۔ واللہ تیرے بغیر شہر میرے لیے قید خانہ بن جاتا ہے۔ آوارگی اور پہاڑ اور بیابان میری آرزو ہے۔

8۔ ان سست عناصر ہمراہوں سے میرا دل غمگین ہوگیا۔ شیر خدا اور رستم دستان میری آرزو ہے۔

9۔ فرعون اور اس کے ظلم سے میری روح رنجیدہ ہوگئی۔ موسیٰ عمران کے چہرے کا وہ نور میری آرزو ہے۔

10۔ اس روتی ہوئی پرشکایت مخلوق سے میں رنجیدہ ہوگیا۔ وہ شور وغل اور نعرہ مستان میری آرزو ہے۔

11۔ میں بلبل سے زیادہ بولنے والا ہوں لیکن عام لوگوں کے رشک کے باعث میرے منہ پر مہر ہے اور آہ و نالے میری آرزو ہیں۔

12۔ گزشتہ رات شیخ چراغ کے ساتھ شہر کے گرد گھوم رہا تھا کہ میں شیطان اور جنگلی جانوروں سے رنجیدہ ہوں اور انسان میری آرزو ہے۔

13۔ انہوں نے کہا ’’ہم نے بہت تلاش کیا ہے نہیں ملتا۔‘‘ اس نے کہا وہ جو نہیں ملتا وہ میری آرزو ہے۔

14۔ وہ آنکھوں سے چھپا ہے اور سب آنکھیں اس سے ہیں۔ اس چھپے ہنر کو آشکار کرنا میری آرزو ہے۔

15۔ میرے کانوں نے ایمان کا قصہ سنا اور مست ہو گئے۔ آنکھوں کا حصہ کہاں ہے؟ ایمان کی صورت میری آرزو ہے۔

16۔ ایک ہاتھ میں شراب کا جام اور ایک ہاتھ میں یار کا کاکل۔ میدان کے درمیان ایسا رقص میری آرزو ہے۔

تشریح:

مولانا روم کی غزل کے ان اشعار کو بے حد شہرت حاصل ہوئی۔ مولانا اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اپنا چہرہ مجھے دکھا کیونکہ میں گلستان اور باغ دیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ یعنی تیرے چہرے کے خدوخال میرے لیے کسی گلستان اور باغ سے کم نہیں ہیں۔ میں تیرے چہرے کا باغ اور گلستان دیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ دوسرے شعر میں مولانا استعارہ استعمال کرتے ہوئے اپنے محبوب کو حسن کا سورج کہتے ہیں اور مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے حسن کے سورج، تھوڑی دیر کے لیے بادل سے باہر ہے۔ چہرہ جو سورج کی طرح سفید اور روشن ہے وہ کالی زلفوں کی بدلی کے پیچھے چھپا ہوا ہے اور دکھائی نہیں دے رہا۔ مولانا اس چھپے روشن چہرے کو دیکھنے کی آرزو کا اظہار کر رہے ہیں۔ مولانا کہتے ہیں اے محبوب تو ہونٹ کھول کیونکہ بہت زیادہ قند حاصل کرنا میری آرزو ہے۔ یعنی محبوب کی باتوں میں اتنی مٹھاس ہے کہ میں اس مٹھاس کو پالینے کی آرزو رکھتا ہوں میں اپنے محبوب کے منہ سے اس کی میٹھی میٹھی باتیں سننے کی آرزو رکھتا ہوں۔ تیسرے شعر میں مولانا کہتے ہیں کہ تیری آرزو سے میں نے باز کے ڈھول کی آواز سنی اور میں واپس آ گیا۔ پہلے زمانے میں جب باز (پرندے) کو شکار کے، پیچھے اڑاتے تھے تو اسے واپس بلانے کے لیے ڈھول بجاتے تھے۔ باز ڈھول کی آواز سن کر واپس اسی کلائی پر آ کر بیٹھ جاتا جس سے اڑ کر وہ شکار کے تعاقب میں گیا تھا۔ مراد یہ ہے کہ مجھے محبوب کی آرزو میں باز کے ڈھول کی آواز سنائی دیتی ہے جو مجھے محبوب کی کلائی کی یاد دلاتی ہے اور میں واپس آ جاتا ہوں کیونکہ محبوب کی کلائی کو پانا میری آرزو ہے۔ چوتھے شعر میں مولانا محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے محبوب تو نے ناز و ادا کے ساتھ مجھ سے کہا کہ ’’جا مجھے زیادہ دکھ نہ دے‘‘ تیرا وہ ناز و ادا مجھے اس قدر عزیز ہے کہ میں تمہارے منہ سے بار بار یہی سننے کی آرزو رکھتا ہوں کہ ’’جا مجھے زیادہ دکھ نہ دے۔‘‘

مولانا پانچویں شعر میں محبوب کے لیے دربان کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ تیرا گریز کرنا یعنی ناز و ادا اور تندی سے یہ کہنا کہ جا بادشاہ گھر پر نہیں ہے۔ مجھے تیری اسی تندی اور ناز و ادا کی آرزو ہے۔ میں تیرے یہ ناز و ادا بار بار دیکھنا چاہتا ہوں۔ چھٹے شعر میں مولانا نے نہایت خوبصورت انداز میں تلمیح پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ میں اپنے محبوب کی جدائی کا اس طرح سے افسوس کرتا ہوں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی پر ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام افسوس کیا کرتے تھے، جیسے ان کو حضرت یوسفؑ سے دوبارہ ملنے کی آرزو تھی ویسے ہی مجھے تیرے فراق کی آرزو ہے۔ یہاں یوسف کنعان اس لیے تحریر کیا گیا ہے کہ کنعان حضرت یوسف علیہ السلام کا آبائی شہر تھا۔ اسی نسبت سے حضرت یوسف علیہ اسلام کو یوسف کنعان کہا جاتا ہے۔ ساتویں شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ اے محبوب تیرے بغیر یہ شہر میرے لیے کسی قید خانہ سے کم نہیں ہے۔ جیسے قید خانہ میں قید شخص کی سب سے بڑی آرزو رہائی پانا اور آزادی سے گھومنا پھرنا ہوتی ہے اسی طرح پہاڑوں اور بیابانوں میں گھومنے پھرنے کی میں آرزو رکھتا ہوں۔ آٹھویں شعر میں مولانا اپنے ہمراہ موجود لوگوں کا گلہ کرتے ہیں کہ یہ لوگ سست عناصر ہیں مرد عمل نہیں ہیں۔ میں تو شیر خدا یعنی حضرت علیؓ اور رستم دستان جیسے مرد خدا ساتھیوں کی آرزو رکھتا ہوں۔ اگر ان جیسے مرد عمل میرے ساتھی ہوں تو میری بات بن جائے۔ اس لیے میں ان کی آرزو کرتا ہوں جو مرد عمل ہیں۔ نویں شعر میں مولانا کہتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ظلم سے میری روح رنجیدہ ہو گئی۔ چونکہ فرعون ظلم کی علامت ہے اس لیے مولانا نے اس کا نام استعارہ کے طور پر لیا ہے۔ مراد یہ ہے دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو فرعون کی پیروی کرتے ہوئے ظلم و ستم روا رکھتے ہیں۔ ظلم کرنے والوں اور ان کے ظلم کو دیکھ کر میری روح غمگین ہو گئی۔ میری آرزو یہ ہے کہ اب کوئی حضرت موسیٰ عمران جیسا نجات دہندہ آئے جو لوگوں کو ان ظالموں کے ظلم سے نجات دلائے۔ عمران دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام تھا اسی نسبت سے

انہیں موسیٰ عمران کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر نے اسی موضوع کو اپنی ایک رباعی میں کچھ یوں پیش کیا ہے:

یارب، تو زمانہ را دلیلی بفرست
نمرودان را پشہ جو پیلی بفرست
فرعون صفتان ہمہ زبردست شدند
موسی و عصا و رود نیلی بفرست

(اے اللہ تو زمانے کے لیے کوئی دلیل بھیج۔ نمردوں کے لیے ہاتھ جیسے مچھر بھیج۔ فرعون صفت سب زبردست ہو گئے ہیں۔ تو کوئی موسیٰ، عصا اور دریائے نیل بھیج)

دسویں شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ اس روتی اور شکایت کرتی مخلوق سے میں رنجیدہ ہوں۔ چونکہ مولانا عمل کے ذریعے اپنی بگڑی تقدیر سنوارنے کے قائل ہیں۔ اس لیے وہ تقدیر کی خرابی کی شکایت کرنے والوں اور اس پر آنسو بہانے والوں سے رنجیدہ خاطر ہیں۔ شور وغل اور نعرہ مستاں ان کی آرزو ہے اور وہ جد وجہد پر ایمان رکھتے ہیں۔ گیارہویں شعر میں مولانا نے شاعر کے لیے بلبل کا اور شاعری کے لیے بلبل کے نغموں کا استعارہ استعمال کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ میں بلبل سے زیادہ نغمے الاپنے والا ہوں یعنی دوسرے شاعروں سے زیادہ شاعری کر سکتا ہوں مگر عام لوگوں کے رشک کے باعث میرا منہ بند ہے اور میں دکھ بھرے شعر نہیں کہہ سکتا مگر ایسے شعر کہنا میری آرزو ہے۔ اس غزل کے بارہویں اور تیرہویں شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ گزشتہ رات شیخ چراغ ہاتھ میں لے کچھ ڈھونڈ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں شیطان اور جنگلی وحشی جانوروں سے رنجیدہ ہوں اور انسان میری آرزو ہے یعنی اس دنیا میں حقیقی انسان کا ملنا بہت مشکل ہے جبکہ شیطان کی پیروی کرنے والے اور دوسروں کو چیرنے پھاڑنے والے وحشی جانور انسان کی ظاہری شکل میں بہت زیادہ ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کے روپ میں شیطان اور جنگلی درندے ہیں مگر مجھے ایسے انسان کی تلاش ہے جو حقیقی معنوں میں انسان ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایسے انسان کو بہت تلاش کیا جو حقیقی معنوں میں انسان ہو مگر ہمیں ایسا انسان نہیں ملا۔ شیخ نے کہا وہی جو نہیں ملتا مجھے اس کی آرزو ہے۔ چودھویں شعر میں مولانا اللہ تعالیٰ اور اس کے ہنر کے بارے میں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آنکھ ظاہری طور پر دکھائی نہیں دیتی اور پوشیدہ ہے مگر سب آنکھیں اسی نے بنائی ہیں اور وہی بینائی دینے والا ہے وہ جو خود چھپا ہوا ہے اور اس کی صنعت اور ہنر ظاہر ہے میں اسے پانے کی آرزو رکھتا ہوں۔ پندرہویں شعر میں مولانا روم کہتے ہیں کہ میرے کانوں نے ایمان کا قصہ سنا اور وہ مست ہو گئے اب آنکھوں کا حصہ کہاں ہے یعنی مجھے ایسی آنکھ چاہیے جو حقائق کو پالے کیونکہ ہر آنکھ حقائق تک رسائی نہیں رکھتی۔ آخری شعر میں مولانا فرماتے ہیں کہ ایک ہاتھ میں شراب کا جام اور دوسرے ہاتھ میں محبوب کا کاکل یعنی اس کی زلفیں۔ میدان کے درمیان ایسا رقص میری آرزو ہے۔ مراد یہ ہے کہ محبوب حقیقی کو پالینا میری آرزو ہے۔

(۵)

۱۔ ای قوم بہ حج رفتہ کجایید کجایید؟
معشوق ہمین جاست، بیایید، بیایید

۲۔ معشوق تو ہمسایہ و دیوار بہ دیوار
در بادیہ سر گشتہ شما در چہ ہوایید؟

۳۔ گر صورت بی صورت معشوق ببینید
ہم خواجہ و ہم خانہ و ہم کعبہ شمایید

۴۔ دہ بار از آن راہ بدان خانہ برفتید
یکبار از این خانہ بر این بام برآیید

۵۔ آن خانہ لطیف است، نشانہاش بگفتید
از خواجۂ آن خانہ نشانی بنمایید

۶۔ یک دستۂ گل کو، اگر آن باغ بدیدیت؟
یک گوہر جان کو، اگر از بحر خدایید؟

۷۔ با این همه آن رنج شما گنج شما باد
افسوس که بر گنج شما پرده شمایید

الفاظ معانی:

کجایید: کہاں ہو؟، همین جا: اسی جگہ، بادیہ: صحرا، سر گشتہ: حیران، پریشان، ہوا: خیال، خواجہ: آقا، خانہ: گھر، شمایید: آپ ہیں، بام: چھت، نشانهاش: اس کی نشانیاں، کو: کہاں ہے، گنج: خزانہ۔

ترجمہ:

1۔ اے حج کو گئی قوم کہاں ہو، کہاں ہو؟ معشوق اسی جگہ ہے، آؤ، آؤ۔
2۔ تیرا معشوق ہمسایہ اور پڑوسی ہے۔ تم صحرا میں حیران و پریشاں کس خیال میں ہو۔
3۔ اگر تم صورت کے بغیر معشوق دیکھو تو آقا، گھر اور کعبہ بھی تم خود ہو۔
4۔ تم دس مرتبہ اس راستے سے اس گھر (خانہ کعبہ) گئے۔ ایک مرتبہ اس گھر سے اس چھت پر آؤ۔
5۔ یہ گھر نفیس ہے اس کی نشانیاں تم نے بیان کیں۔ اس گھر کے آقا کی بھی کوئی نشانی دکھاؤ۔
6۔ اگر تم نے وہ باغ دیکھا تو ایک گلدستہ کہاں ہے؟ اگر تم خدا کے سمندر سے آئے ہو تو روح کا ایک موتی کہاں ہے؟
7۔ تمہاری اتنی تکلیفوں کو ساتھ یہ خزانہ تمہارا ہے۔ افسوس کہ اپنے خزانے پر پردہ تم خود ہو۔

تشریح:

یہ مولانا روم کی ایک مشہور اور خوبصورت عارفانہ غزل ہے۔ اس کا موضوع یہ ہے کہ خدا دل میں رہتا ہے اس لیے اسے اپنے دل میں تلاش کرنا چاہیے۔ اس موضوع پر بہت سے صوفی شاعروں نے فارسی میں اشعار کہے ہیں۔ جیسے:

مرو کعبه که سودی نمی بری زاهد
بیا به کعبهٔ دل سجده کن، خدا اینجاست

(زاہد کعبہ نہ جا کوئی فائدہ حاصل نہیں کر پائے گا۔ آ دل کے کعبہ کو سجدہ کر خدا یہاں ہے)

خواجہ عبداللہ انصاری اس موضوع کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

در راه خدا دو کعبه آمد منزل
یك کعبه دل باشد و یك کعبه گل
تا بتوانی زیارت دلها کن
کافزون ز هزار کعبه آمد یك دل

(خدا کے راستے میں دو کعبے منزل ٹھہرے، ایک دل کا کعبہ ہے اور ایک مٹی سے بنا کعبہ۔ جہاں تک ہو سکے دلوں کی زیارت کر کیوں ہزار کعبوں سے زیادہ ایک دل ٹھہرا)

مولانا روم اس غزل میں حج کو جانے والے حاجیوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے حج کو جانے والی قوم کہاں ہو؟ معشوق اسی جگہ ہے اس لیے حج پر

جانے کی بجائے یہاں آؤ۔ یہاں معشوق کا استعارہ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مولانا نے حج پر جانے والوں کو اس لیے بلایا ہے کہ رب تو دلوں میں رہتا ہے اس لیے اسے اپنے دل میں تلاش کرنا چاہیے۔ اے حاجیو تم صحرا میں حیران و پریشان ہو جبکہ تمہارا رب تو تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے۔ ضرورت صرف اسے اپنے اندر تلاش کرنے کی ہے۔ جب تم ایسا کرو گے تو اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ آقا، گھر اور کعبہ تم خود ہو۔ وہ حاجیو سے کہتے ہیں کہ تم دس مرتبہ حج کے لیے خانہ کعبہ گئے ہو ایک مرتبہ اس گھر یعنی خانہ کعبہ سے اس چھت یعنی دل میں آؤ۔ تم اپنے رب کو یہاں پاؤں گے۔ خانہ کعبہ کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں کہ یہ گھر نفیس ہے اور اس کی نشانیاں تم نے حج کے بعد لوگوں کے سامنے بیان کی ہیں۔ اگر تم نے اس گھر کے آقا کو وہاں دیکھا ہے تو اس کی کوئی نشانی بیان کرو۔ اگر تم نے وہاں وہ باغ یعنی اپنا رب دیکھا ہے تو اس کا کوئی گلدستہ پیش کرو۔ وہ کہاں ہے؟ اگر تم خدا کے سمندر سے ہو کر آ رہے ہو تو پھر روح کا وہ موتی کہاں ہے جو تمہارے پاس ہونا چاہیے۔ اس غزل کے آخری شعر میں مولانا کہتے ہیں کہ حج پر جانے کی ان تکلیفوں کے ساتھ حج کا یہ خزانہ تمہیں مبارک ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے اور افسوس بھی ہے کہ اپنے خزانے یعنی خداوند تعالیٰ کا پردہ بھی تم خود ہو۔ یعنی تم نے اپنے رب کو اپنے دلوں میں کبھی تلاش ہی نہیں کیا اس لیے وہ تم سے پردے میں ہے اور یوں اس پردے کا باعث بھی تم خود ہو۔

(c) Gazliat-e-Hafiz

غزلیات حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

(۱)

۱۔ الا یا ایها الساقی ادر کاساً و ناولها — که عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلها

۲۔ ببوی نافهٔ کاخر صبا زان طره بگشاید — زتاب جعد مشکینش چه خون افتاد در دلها

۳۔ بمی سجاده رنگین کن گرت پیر مغان گوید — که سالك بیخبر نبوَد ز راه و رسم منزلها

٤۔ مرا در منزل جانان چه امن عیش چون هردم — جرس فریاد میدارد که بربندید محملها

۵۔ شب تاریك و بیم موج و گردابی چنین هائل — کجا دانند حال ما سبکباران بساحلها

٦۔ همه کارم زخود کامی به بدنامی کشید آری — نهان کی ماند آن رازی کزو سازند محفلها

۷۔ حضوری گر همی خواهی ازو غایب مشو حافظ — متی ما تلق من تهوی دع الدنیا و اهملها

الفاظ معانی:
آسان نمود: آسان نظر آیا، ولی: لیکن، بوی نافه: نافہ کی خوشبو، طره: زلف، تاب: شکن، جعد: گھنگھریالے بال، مشکین: کالے، هردم: ہر لمحے، می: شراب، سجاده: مصلا، گرت: اگر تجھے، جرس: گھنٹی، بربندید: باندھ لو، محملها: کجاوے، بیم موج: موج کا خوف، چنین هائل: اس قدر خوفناک ہے، کجا: کہاں، سبکباران: بے فکر (جمع)، آری: ہاں، نهان: چھپا، کزو: جس سے

ترجمہ:

1۔ آگاہ اے ساقی جام کا دور چلا اور وہ دے کیونکہ عشق پہلے آسان دکھائی دیا لیکن پھر مشکلیں آن پڑیں۔

2۔ نافہ کی خوشبو کی قسم جو بالآخر صبا اس زلف سے کھولے گی، اس کے کالے گھنگھریالے بالوں کے شکن سے دلوں میں کس قدر خون پڑ گیا۔

3۔ اگر تجھے پیر مغاں کہے تو مصلا شراب سے رنگ لے کیونکہ سالک منزلوں کی راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا۔

4۔ مجھے محبوب کے پڑاؤ میں کیا امن اور عیش کیونکہ ہر لمحے گھنٹی اعلان کر رہی ہے کہ کجاوے باندھ لو۔

5۔ اندھیری رات اور موج کا خوف اور ایسا خوفناک بھنور، ساحلوں کے بے فکر ہمارا حال کب جانتے ہیں۔

6۔ میرے سارے کام خود غرضی کے باعث بدنامی تک پہنچے۔ ہاں، وہ راز کب چھپا رہتا ہے جس سے محفلیں برپا کریں۔

7۔ حافظ اگر تو حضوری چاہتا ہے تو اس سے غائب نہ ہو۔ جب تیری محبوب سے ملاقات ہو تو دنیا کو چھوڑ اور اس کو ترک کر دے۔

تشریح:

یہ خوبصورت غزل حافظ شیرازی کے دیوان کی پہلی غزل ہے۔ اس غزل کا پہلا مصرع حافظ شیرازی نے یزید بن معاویہ کے قطعہ کے ایک شعر سے تضمین کیا ہے۔ حافظ کے ایسا کرنے پر بعض ناقدین نے حافظ پر اعتراض کیا ہے۔

شعر یہ ہے:

انا المسموم ماعندی بتریاق ولا راقی

ادر کاسا و ناولها الا یا ایها الساقی

پہلے شعر میں حافظ شیرازی ساقی کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے ساقی محفل میں شراب کے جام کا دور چلا اور مجھے بھی دے۔ کیونکہ عشق آغاز میں آسان اور سادہ دکھائی دیتا ہے مگر بعد میں بہت مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اور میں عشق کو آسان سمجھ کر مشکلات میں گرفتار ہو گیا۔ ان مشکلات سے بچنے کا اب یہی حل ہے کہ تو مجھے بھی شراب کا جام دے کیونکہ شراب کی بیخودی ان مشکلات کا حل ہے دوسرے شعر میں حافظ کہتے ہیں کہ نافہ کی اس خوشبو کی قسم جسے بالآخر باد صبا محبوب کی زلفوں سے کھولے گی، محبوب کے کالے گھنگھریالے بالوں کے شکن سے کتنے عاشقوں کے دل زخمی ہو گئے اور خون سے بھر گئے۔ مراد یہ ہے باد صبا کی نافہ جیسی خوشبو محبوب کی زلفوں سے اٹھتی ہے اور محبوب کے کالے گھنگھریالے بالوں کے شکن کتنے دلوں کو مجروح کرتے ہیں۔ درحقیقت ان کالے گھنگریالے بالوں کی یاد دلوں کو زخمی اور خون آلود کرتی ہے۔ تیسرے شعر میں حافظ شیرازی قاری کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر پیر مغاں اور شراب فروش تجھ سے یہ کہے کہ تو اپنے مصلا کو شراب سے تر کر لے تو تجھے کسی سوچ یا وسوسے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں تو فوراً اس کے کہے کے مطابق عمل کرنا چاہیے کیونکہ پیر مغاں منزلوں کے راہ و رسم سے آگاہ ہے اور وہ کامل عارفوں کی بھی منزل مقصود کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے تجھے چاہیے کہ تو اس کی پیروی اور اطاعت کرے۔ کیونکہ اس کے احکامات سے روگردانی بعد میں پشیمانی کا باعث بنتی ہے۔ پیر مغاں کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے جسے صرف وہ اور اس جیسے سمجھ سکتے ہیں۔ چوتھے شعر میں حافظ شیرازی کہتے ہیں کہ مجھے محبوب کے پڑاؤ یا قیام کرنے میں کیا امن اور عیش کیونکہ ہر لمحے گھنٹی اعلان کر رہی ہے کہ کجاوے باندھ لو۔ ہر عاشق وصال یار کی آرزو رکھتا ہے اور وصال یار اس کے لیے کسی عید کے دن سے کم نہیں ہوتا۔ مگر حافظ محبوب کے قیام کرنے پر بھی عیش میں نہیں ہے۔ کیونکہ ہر لمحہ گھنٹی کجاوے باندھنے کا اعلان کر رہی ہے۔ اس زمانے میں جب قافلے اونٹوں گھوڑوں وغیرہ پر سفر کرتے تھے تو قافلہ کے

پڑاؤ یا قیام اور پھر دوبارہ چلنے کا اعلان گھنٹی بجا کر کیا جاتا تھا جسے ''جرس'' کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جب گھنٹی کجاوے باندھنے اور پڑاؤ ختم کرنے کا اعلان کر رہی ہو تو پھر محبوب کے پڑاؤ کرنے میں کیا امن اور کیا عیش۔ پانچویں شعر میں حافظ خود کو ایک ایسا مسافر ظاہر کرتے ہیں جو رات کے اندھیرے میں سمندر کے خوفناک بھنور میں پھنسا ہوا ہے۔ اپنے آپ کو ایسا ظاہر کر کے وہ اپنی حالت زار کا نقشہ کھینچ رہے ہیں کہ شب ہجر کی تاریکی، رقیبوں کا خوف اور فراق ابدی کے بھنور میں غرق ہو جانے کا ڈر۔ ایسی حالت میں وہ لوگ جو ساحل پر وصال کی حالت میں ہیں وہ ہماری حالت کو کب سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں نہ تو کسی رقیب کا خوف اور نہ ہی معشوق سے جدا ہو جانے کا غم دامن گیر ہے۔ چھٹے شعر میں حافظ شیرازی فرماتے ہیں کہ میرے تمام اعمال اور افعال میرے دل کی مراد اور خواہش کے مطابق تھے۔ مگر میں اپنے محبوب کی مراد اور خواہش کے حصول کا پابند نہ تھا۔ میں نے اپنی مراد پر اپنے محبوب کی مراد کو فوقیت نہیں دی۔ اس لیے میرے اس کام کے نتیجے میں میرے حصے میں رسوائی اور بدنامی آئی۔ غزل کے آخری شعر یعنی مقطع میں حافظ کہتے ہیں کہ اے حافظ اگر تو آسائش کا طالب ہے تو پھر غفلت نہ کر۔ مراد یہ ہے کہ اے حافظ جو کچھ تجھے پسند ہے اگر تو اس تک پہنچنا چاہتا ہے تو پھر دنیا کو ترک کر دے۔ کیونکہ محبوب کا وصال پانے کا سب سے بڑا راستہ یہی ہے کہ عاشق مال اور نفس کو ترک کر دے۔ وہ جوان دو چیزوں کو ترک کر دیتا ہے وہ علم و معرفت میں مقام پا جاتا ہے۔

(۲)

۱۔ بیا که قصر امل سخت سست بنیادست — بیار باده که بنیاد عمر بر بادست
۲۔ غلام همت آنم که زیر چرخ کبود — ز هر چه رنگ تعلق پذیرد آزادست
۳۔ بگویمت که بمیخانه دوش مست و خراب — سروش عالم غیبم چه مژدها دادست
٤۔ که ای بلند نظر شاهباز سدره نشین — نشیمن تو نه این کنج محنت آبادست
۵۔ ترا ز کنگرهٔ عرش میزنند صفیر — ندانمت که درین دامگه چه افتادست
٦۔ نصیحتی کنمت یاد گیر و در عمل آر — که این حدیث ز پیر طریقتم یادست
۷۔ مجو درستی عهد از جهان سست نهاد — که این عجوزه عروس هزار دامادست
۸۔ غم جهان مخور و بند من مبر از یاد — که این لطیفهٔ عشقم ز ره روی یادست
۹۔ رضا بداده بده وز جبین گره بگشا — که بر من و تو در اختیار نگشادست
۱۰۔ نشان عهد و وفا نیست در تبسم گل — بنال بلبل عاشق که جای فریادست
۱۱۔ حسد چه می بری ای سست نظم بر حافظ — قبول خاطر و لطف سخن خدادادست

الفاظ معانی:

بیا: آجا، قصر امل: تمناؤں کا محل، سست بنیاد: کمزور بنیاد، بیار: لا، چرخ کبود: نیلا آسمان، دوش: گزشتہ رات، سروش: پیغام لانے والا فرشتہ، مژدها: خوشخبریاں، سدره نشین: ساتویں آسمان پر بیٹھنے والا، کنج: گوشہ، محنت آباد: دنیا، صفیر: پرندے کی آواز، دامگہ: جال کی جگہ، یاد گیر: یاد کر لے، حدیث: بات، عجوزه: بڑھیا، عروس: دلہن، داماد: دلھا، گره کشادن: گرہ کھولنا، لطف سخن: کلام کی لطافت۔

ترجمہ:

1۔ آجا کیونکہ تمناؤں کا محل بہت کمزور بنیاد ہے۔ شراب لے آ کیونکہ عمر کی بنیاد ہوا پر ہے۔

میں اس کی ہمت کا غلام ہوں جو نیلے آسمان کے نیچے ہر اس چیز سے آزاد ہے جو تعلق کا رنگ قبول کرے۔

2۔ میں تجھے کیا بتاؤں کہ گزشتہ رات مجھے مست اور خراب حالت میں عالم غیب سے پیغام لانے والے فرشتے نے کیا خوشخبریاں دی ہیں۔

3۔ کہ اے ساتویں آسمان پر ٹھکانہ کرنے والے بلند نظر شہباز، تیرا آشیانہ محنت آباد (یعنی دنیا) کا یہ گوشہ نہیں ہے۔

4۔ تجھے عرش کے کنگرے سے آواز دیتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ اس جال کی جگہ تو کیوں پھنسا ہے۔

5۔ میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں، یاد کرلے اور عمل کر کیونکہ یہ بات مجھے پیر طریقت سے یاد ہوئی ہے۔

6۔ کمزور بنیاد دنیا سے عہد کی درستگی کی اُمید نہ رکھ کیونکہ یہ بڑھیا ہزار دلہوں کی دلہن ہے۔

7۔ دنیا کا غم نہ کر اور میری نصیحت نہ بھلا کیونکہ عشق کا یہ لطیف نکتہ مجھے (طریقت کی) راہ پر چلنے والے کا بتایا ہوا یاد ہے۔

8۔ جو تجھے دیا گیا ہے اس پر راضی ہو جا اور پیشانی سے گرہ کھول دے کیونکہ تجھے پر اور مجھ پر اختیار کا دروازہ نہیں کھلا ہے۔

9۔ پھول کی مسکراہٹ میں عہد اور وفا کا نشان نہیں ہے۔ اے بے دل بلبل رو کیونکہ (یہ) فریاد کی جگہ ہے۔

10۔ اے کمزور شعر کہنے والے حافظ سے حسد کیوں کرتا ہے۔ کلام کی لطافت اور دلپذیری خداداد ہے۔

11۔

تشریح:

حافظ شیرازی کہتے ہیں کہ امید اور تمناؤں کے محل کی بنیادیں بہت کمزور ہیں اسی طرح زندگی کی بنیاد بھی ہوا پر ہے یعنی کچھ پتہ نہیں زندگی کا کب اختتام ہو جائے۔ اس لیے شراب لا۔ مراد یہ ہے کہ اس مختصری زندگی میں بڑی بڑی آرزوئیں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ شراب لا اور موج مستی کر کیونکہ آج کا دن ہی زندگی ہے اور کل کا کوئی اعتبار نہیں۔ دوسرے شعر میں حافظ فرماتے ہیں میں اس کی ہمت کا غلام ہوں جو اس نیلے آسمان کے نیچے ہر اس چیز سے آزاد ہے جو تعلق کا رنگ قبول کرے یعنی میں اس کی ہمت کا غلام ہوں جو دنیاوی چیزوں سے انس یا محبت نہ رکھتا ہو۔ حافظ کا یہ شعر صوفیا کے نزدیک ضرب المثل کا مقام رکھتا ہے۔ تیسرے شعر میں وہ قاری سے کہتے ہیں کہ میں تجھ سے کیا کہوں کہ گزشتہ رات میخانہ میں جب میں مست تھا تو اس وقت عالم غیب کے فرشتے نے مجھے کیا خوشخبریاں دیں۔ اگلے اشعار میں وہ ان خوشخبریوں کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ عالم غیب کے فرشتے نے مجھ سے کہا کہ اے بلند نظر ساتویں آسمان پر بیٹھنے والے شہباز دنیا کا یہ گوشہ تیرا ٹھکانہ نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ دنیا سفلی اور گھٹیا مقام ہے اس لیے یہ مقام تیرے شایان شان نہیں ہے۔ تجھے عرش کے کنگرے سے آواز دیتے ہیں کہ دنیا کی اس شکارگاہ میں تجھے کیا حاصل ہوا ہے۔ یعنی تیرا اصل مقام تو ارواح قدس کا مقام ہے اور تجھے اسی مقام کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس بے ارزش دنیا میں کیا چیز باعث بنی کہ تو اس ناپائیدار دنیا سے دل لگا بیٹھا۔ چھٹے شعر میں حافظ شیرازی قاری کو نصیحت کرتے ہیں کہ تو یہ نصیحت مجھ سے سیکھ اور اس پر عمل کر کیونکہ میں نے یہ نصیحت پیر طریقت سے لی ہے۔ میں نے اس نصیحت کو ازبر کر لیا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تو بھی اسے ازبر کر لے اور اس پر عمل بھی کرے۔ اگلے شعر میں وہ نصیحت بیان کرتے ہیں کہ دنیا کا غم نہ کھا اور میری نصیحت اپنے دماغ سے نہ نکال کیونکہ میں نے عشق کا یہ لطیف نسخہ سیکھا ہے۔ تجھے جو کچھ عطا کیا گیا ہے تو اس پر راضی ہو جا یعنی قناعت اختیار کر۔ جو نہیں ملا اس پر غم زدہ نہ ہو اور اپنی پیشانی سے گرہ کھول دے۔ تیرے لیے ایسا کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ مجھ پر اور تجھ پر اختیار کا دروازہ نہیں کھولا گیا۔ مراد یہ ہے کہ اختیار کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے جو کچھ تجھے عطا کیا ہے تو اسی پر راضی ہو جا اور زمانے کی ناسازگاری کے باعث اپنی پیشانی پر گرہ نہ لگا۔ کیونکہ اختیار کی لگام میرے یا تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہونا وہی ہے جو کاتب تقدیر نے لکھا ہے اسے لیے غمزدہ یا دکھی ہونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ نویں شعر میں حافظ کہتے ہیں کہ تو اسے بے اعتبار اور گھٹیا دنیا سے یہ امید نہ رکھ کہ وہ تیرے ساتھ وفا کرے گی یا عہد نبھائے گی۔ کیونکہ یہ دنیا تو ایسی بڑھیا ہے جو ہزاروں دلہوں کی دلہن رہی ہے یعنی کسی ایک کی ہو کر نہیں رہی۔ اگر یہ دنیا کچھ مدت

کے لیے تمہاری منشا کے مطابق چلے بھی تو یہ گمان نہ کرو کہ اس نے تمہارے ساتھ وفا کا عہد باندھ لیا ہے اور یہ ہمیشہ تمہاری منشا کے مطابق چلے گی۔ یہ بڑھیا یعنی دنیا تجھ جیسے ہزاروں دلہوں کی دلہن ہے نہ اس نے کسی ایک سے وفا کی اور نہ کرے گی۔ دسویں شعر میں حافظ شیرازی کہتے ہیں کہ پھول کی مسکراہٹ یعنی پھول کے کھلنے میں وفا کا کوئی نام ونشان نہیں ہے تو پھر اے عاشق بلبل تو آہ وزاری کر کیونکہ تو ایسا کرنے میں حق بجانب ہے۔ پھول کی عمر کوتاہ ہوتی ہے وہ ایک ہی دن میں مرجھا جاتا ہے اس سے زیادہ اپنے عاشق کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس لیے بعد میں عاشق کے پاس آہ وزاری کرنے کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا غزل کے مقطع میں حافظ خود سے حسد کرنے والے شاعر کو مخاطب کر کے کہتے ہیں اے کمزور شعر کہنے والے تو حافظ سے حسد کیوں کرتا ہے۔ تو اس سے حسد نہ کر کیونکہ حافظ کو اس طرح اچھے شعر کہنے کی صلاحیت اسے خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ اس لیے تیرے حسد کرنے سے کچھ نہ ہوگا۔

(۳)

۱۔ سالها دل طلب جام جم از ما می کرد — و آنچه خود داشت ز بیگانه تمنا می کرد

۲۔ گوهری کز صدف کون و مکان بیرونست — طلب از گم شدگان ره دریا می کرد

۳۔ مشکل خویش بر پیر مغان بردم دوش — کو بتأیید نظر حل معما می کرد

۴۔ دیدمش خرم و خوش دل قدحی باده بدست — و اندران آینه صد گونه تماشا می کرد

۵۔ گفتم این جام جهان بین بتو کی داد حکیم — گفت آن روز که این گنبد مینا می کرد

۶۔ گفت آن یار کز و گشت سردار بلند — جرمش این بود که اسرار هویدا می کرد

۷۔ آن همه شعبدهٔ عقل که می کرد آنجا — ساحری پیش عصا و ید بیضا می کرد

۸۔ فیض روح القدس ار باز مدد فرماید — دیگران هم بکنند آنچه مسیحا می کرد

۹۔ گفتمش سلسلهٔ زلف بتان از پی چیست — گفت حافظ گلهٔ از دل شیدا می کرد

الفاظ معانی:

جام جم: جام جمشید، آنچہ: جو کچھ، گوهر: موتی، صدف: سیپ، کون و مکان: کائنات، مشکل خویش: اپنی مشکل، دوش: گزشتہ رات، دیدمش: میں نے اسے دیکھا، قدحی باده: شراب کا ایک جام، جام جهان بین: دنیا کو دیکھنے والا جام، بتو: تجھ کو، کی داد: کس نے دیا، گنبد مینا: جڑاؤ گنبد، سردار: سولی کا سر، هویدا کردن: آشکار کرنا، روح القدس: حضرت جبرائیلؑ، مسیحا: حضرت عیسیٰؑ، دل شیدا: دیوانہ دل۔

ترجمہ:

1۔ دل سالوں ہم سے جام جمشید مانگتا تھا اور جو کچھ وہ خود رکھتا تھا اسے غیروں سے مانگتا تھا۔

2۔ وہ موتی جو کائنات کے سیپ سے باہر ہے وہ اسے سمندر کے کنارے پر گم ہو جانے والوں سے مانگتا تھا۔

3۔ میں گزشتہ رات اپنی مشکل پیر مغاں کے پاس لے گیا کیونکہ وہ نظر کی مدد سے معمہ حل کرتا تھا۔

4۔ میں نے اسے ہاتھ میں شراب کا جام لیے خوش اور ہنستا ہوا دیکھا اور وہ اس آئینہ میں سو طرح کی چیزیں دیکھ رہا تھا۔

5۔ میں نے کہا یہ دنیا کو دیکھنے والا جام حکمت والے (خدا) نے تمہیں کب دیا؟ اس نے کہا جس دن خدا یہ جڑاؤ گنبد بنا رہا تھا۔

6۔ اس نے کہا وہ دوست کہ جس سے سولی کا سر بلند ہو گیا اس کا جرم یہ تھا کہ وہ راز آشکار کرتا تھا۔

7۔ وہ تمام شعبدے جو عقل وہاں کرتی تھی سامری لاٹھی اور روشن ہاتھ کے سامنے کرتا تھا۔

جو حضرت عیسیٰ کرتے تھے۔

8۔ اگر جبرائیل کا فیض پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ کریں جو حضرت عیسیٰ کرتے تھے۔

9۔ میں نے اس سے کہا کہ معشوق کی زلف کا سلسلہ کس لیے ہے؟ اس نے کہا کہ حافظ اپنے دیوانے دل کا گلہ کرتا تھا۔

تشریح:

یہ حافظ کی بہت مشہور غزل ہے جس کے پہلے شعر میں انہوں نے خوبصورت انداز میں تلمیح استعمال کی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایران کے ایک عظیم بادشاہ جمشید کے پاس ایک ایسا جام تھا جس میں جھانک کر وہ دنیا میں رونما ہونے والے اہم واقعات سے باخبر ہو جاتا تھا اور معلومات حاصل کر لیتا تھا۔ اسی جام جمشید کا حوالہ دیتے ہوئے حافظ شیرازی کہتے ہیں کہ ہمارا دل سالوں ہم سے جام جمشید طلب کرتا تھا۔ درحقیقت جو کچھ خود اس دل کے پاس پہلے سے موجود تھا اسی کو وہ غیروں سے مانگتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کا دل جام جمشید کی طرح انوار الٰہی کی جلوہ گاہ ہے۔ اسی دل کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں حقائق معلوم کرتا ہے۔ دراصل دل اپنی اس کیفیت اور صلاحیت سے بے خبر ہے اس لیے وہ غیروں سے ایسی چیز طلب کر رہا ہے جو خود اس کے پاس ہے۔ وہ اس صلاحیت سے انوار الٰہی کے رازوں کو عیاں کر سکتا ہے۔ دوسرے شعر میں حافظ شیرازی فرماتے ہیں کہ دل کا غیروں سے جام جمشید طلب کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص ساحل سمندر پر گم ہو جانے والوں سے ایسا موتی طلب کرے جو اس کائنات کے سیپ میں سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ یعنی وہ لوگ جو معرفت کے سمندر کے کنارے سرگرداں ہیں وہ اپنا راستہ نہیں ڈھونڈ پا رہے۔ ایسے لوگ جنہیں اپنے راستے کی حقیقت کا علم نہیں وہ معرفت الٰہی کے موتی کے بارے میں کیا بتائیں گے۔ یہ موتی تو خود انسان کے اپنے دل کی اتھاہ گہرائی میں موجود ہوتا ہے۔ اسے پانے کے لیے دل پاکیزہ رکھنا پڑتا ہے۔ تیسرے شعر میں حافظ اپنی حالت کی وضاحت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے مشکلات درپیش تھیں۔ گزشتہ رات میں اپنی مشکلات مرشد کامل کی خدمت میں لے گیا اور ان کے سامنے بیان کیے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مرشد کامل ایک نظر میں ان پریشانیوں کو انسان سے دور کر دیتے ہیں۔ اگلے شعر میں وہ اس بات کو جاری رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب میں مرشد کامل کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں ہاتھ میں شراب کا جام اٹھائے خوش اور ہنستا ہوا دیکھا۔ مرشد کامل اس جام میں جو آئینے جیسا تھا وہ مختلف چیزیں دیکھ رہے تھے۔ اس شعر میں شراب سے مراد معرفت الٰہی اور عشق الٰہی کی شراب ہے جبکہ جام سے مراد مرشد کامل کا دل ہے جو عشق الٰہی کی شراب سے لبریز ہے۔ یہ دل ایک ایسا آئینہ ہے جس میں مرشد کامل معرفت الٰہی کے سو طرح کے نظارے کرتے ہیں۔ پانچویں شعر میں حافظ کہتے ہیں کہ میں نے مرشد کامل سے پوچھا کہ معرفت کی شراب سے لبریز دل یعنی آئینہ آپ کو کب دیا گیا۔ مرشد کامل نے جواب دیا کہ جب اللہ تعالیٰ یہ آسمان بنا رہا تھا اس وقت اس نے مجھے عطا کیا۔ مراد یہ ہے کہ ازل سے مجھے ایسا دل عطا کیا گیا جو عشق الٰہی سے لبریز تھا چھٹے شعر میں حافظ شیرازی منصور حلاج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ معرفت الٰہی کے رازوں سے پردہ اٹھانا اور انہیں عام لوگوں پر ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ منصور حلاج کا جرم یہی تھا کہ اس نے معرفت الٰہی کے رازوں سے پردہ اٹھایا اور لوگوں نے اسے سولی پر چڑھا دیا۔ البتہ اس نے سولی پر چڑھ سولی کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ ساتویں شعر میں حافظ نے تلمیح استعمال کرتے ہوئے کہا ہے کہ سامری جادوگر حضرت موسیٰ کے عصا اور ید بیضا کے سامنے وہ تمام شعبدے کرتا تھا جو عقل وہاں کر سکتی تھی۔ عصا اور ید بیضا سے مراد حضرت موسیٰ کے دو معجزے ہیں ان معجزوں کا ذکر ان معنوں میں کیا گیا ہے کہ عشق کے مقابلے میں عقل کی شعبدہ بازی ایسے ہے جیسے سامری جادوگر کی حضرت موسیٰ کے مقابلے میں شعبدہ بازی۔ حضرت موسیٰ عشق الٰہی سے سرشار تھے۔ اسی کے باعث انہیں معجزے ملے ان کے مقابلے میں سامری عقل کے بل بوتے پر شعبدے کرتا تھا۔ بالآخر عقل پر عشق کو فتح حاصل ہوئی۔ اگلے شعر میں حافظ کہتے ہیں کہ اگر اللہ کا فضل کرم شامل حال ہو تو پھر ہر آدمی ایسے معجزے کر سکتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرے ہوئے لوگوں کو زندہ کر لیا کرتے تھے۔ اس معجزے کی بنیاد بھی عشق الٰہی ہے۔ آخری شعر میں حافظ فرماتے ہیں کہ میں نے مرشد کامل سے محبوب کی زلف کی زنجیر کے بارے میں پوچھا کہ یہ زنجیر کس لیے ہے؟ مرشد کامل نے جواب دیا کہ حافظ اپنے دل کے دیوانہ ہو جانے کا شکوہ کرتا ہے۔ اس کے دیوانے دل کو جکڑنے کے لیے یہ زنجیر بنی ہے۔

(٤)

۱۔ بیا تا گل برافشانیم و می در ساغر اندازیم
فلك را سقف بشكافیم و طرحی نو دراندازیم

۲۔ اگر غم لشکر انگیزد که خون عاشقان ریزد
من و ساقی بهم تازیم و بنیادش بر اندازیم

۳۔ شراب ارغوانی را گلاب اندر قدح ریزیم
نسیم عطر گردانرا شکر در مجمر اندازیم

٤۔ چودر دستت رو دی خوش بزن مطرب سرودی خوش
که دست افشان غزل خوانیم و پاکوبان سر اندازیم

۵۔ صبا خاك وجود مابدان عالی جناب انداز
بود كان شاه خوبانرا نظر بر منظر اندازیم

٦۔ یکی از عقل می لافدیکی طامات می بافد
بیا کاین داوریهارابه پیش داور اندازیم

۷۔ بهشت عدن اگر خواهی بیابا ما بمیخانه
که از پای خمت روزی بحوض کوثر اندازیم

۸۔ سخن دانی و خوش خوانی نمی ورزندرشیراز
بیا حافظ که تاخودرا بملکی دیگر اندازیم

الفاظ معانی:

بیا: آ، برافشاندن: برسانا، سقف: چھت، شکافتن: پھاڑنا، ریختن: بہانا، من: میں، بهم تاختن : اکٹھے حملہ کرنا، قدح : جام، مجمر: انگیٹھی، سرود: نغمہ، پاکوبان : ناچتے ہوئے، می لافد: ڈینگیں مارتا ہے، طامات: بیہودہ باتیں، بافتن: بننا، داوریھا: فیصلے، داور: منصف، خم: مٹکا، روزی: کسی دن، ورزیدن: انجام دینا۔

ترجمہ:

1۔ آ تا کہ ہم پھول برسائیں اور شراب ساغر میں ڈالیں۔ آسمان کی چھت پھاڑیں اور نئی روایت قائم کریں۔

2۔ اگر غم لشکر کشی کرے تا کہ عاشقوں کا خون بہائے تو میں اور ساقی اکٹھے حملہ کریں اور اس کی بنیاد اکھاڑ دیں۔

3۔ سرخ شراب کے جام میں گلاب ڈالیں۔ خوشبو پھیلانے والی نسیم کی انگیٹھی میں شکر ڈالیں۔

4۔ جب تیرے ہاتھ میں اچھا ساز ہے تو مطرب اچھا نغمہ گا تا کہ ہاتھ اچھالتے ہوئے غزل پڑھیں اور رقص کرتے ہوئے سر دھنیں۔

5۔ اے بادِ صبا ہمارے وجود کی خاک کو اس بلند دربار میں ڈال دے ہوسکتا ہے کہ ہم حسینوں کے اس بادشاہ کا نظارہ کر لیں۔

6۔ ایک عقل کی ڈینگیں مارتا ہے اور ایک بیہودہ باتیں گھڑتا ہے۔ آ ہم ان فیصلوں کو منصف کے سامنے پیش کریں۔

7۔ اگر تو بہشت عدن چاہتا ہے تو آ ہمارے ساتھ میخانہ چل تا کہ ہم تجھے مٹکے کے پہلو سے کسی دن حوض کوثر پہنچا دیں۔

8۔ سخن دانی اور خوش الحانی شیراز میں انجام نہیں دیتے، آ حافظ تا کہ ہم خود کو کسی اور ملک پھینک دیں۔

تشریح:

اس خوبصورت غزل کے پہلے شعر میں حافظ شیرازی قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ آ تا کہ ہم پھول برسائیں اور شراب جام میں ڈالیں۔ آسمان کی چھت پھاڑیں اور نئی روایت قائم کریں۔ مراد یہ ہے کہ آج کا دم غنیمت ہے ہم اسے خوشی اور سرور میں گزاریں۔ شاعروں کے نزدیک عام رائے یہ پائی جاتی ہے کہ ہماری زندگی میں آنے والے دکھوں کا ذمہ دار آسمان ہے۔ اس لیے حافظ اسے پھاڑ کر نئی روایت برقرار کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ یعنی اگر ہمیں آسمان کوئی دکھ دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو ہم اسے بھی بدل ڈالیں۔ دوسرے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ اگر غم ہمارے دل کی سلطنت کا رخ کرے اور اس پر لشکر کشی کرے تو پھر میں اور شراب پلانے والا ساقی مل کر غم کے حملے کا منہ توڑ جواب دیں اور اسے بنیاد سے ختم کر دیں۔ تیسرے شعر میں حافظ فرماتے ہیں کہ ہم اپنے خوشی کے

سامان میں اور بہتری لائیں۔ وہ یہ کہ سرخ شراب کے جام میں اسے معطر کرنے کے لیے گلاب ڈالیں اور خوشبو پھیلانے والی نسیم کی انگیٹھی میں شکر ڈالیں۔ قدیم زمانے میں عیش وعشرت کی محافل کو گرم رکھنے کے لیے انگیٹھی میں عود اور شکر ڈال کر جلاتے تھے تا کہ محفل میں میٹھی میٹھی خوشبو پھیلی رہے۔ مراد یہ ہے کہ ہم اپنے آج کو بھر پور خوشیوں کے ساتھ گزاریں۔ حافظ شیرازی اگلے شعر میں مزید کہتے ہیں کہ جب تیرے ہاتھ میں اچھا سا ساز موجود ہے تو پھر اے مطرب اچھا نغمہ گا تا کہ ہم ہاتھ اچھالتے ہوئے غزل پڑھیں اور رقص کرتے ہوئے سر دھنیں۔ یعنی آج تمہیں شاندار موقع میسر ہے تم اس سے بھر پور فائدہ اٹھاتے ہوئے گاؤ، جھومو، ناچو اصل زندگی یہی ہے جو آج تمہیں میسر ہے۔ پانچویں شعر میں حافظ باد صبا سے درخواست کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے باد صبا، تو ہمارے وجود کی خاک کو اڑا کر اس بلند دربار میں لے جا تا کہ اس طرح شاید ہم حسینوں کے بادشاہ کا نظارہ کر سکیں۔ یعنی بظاہر اس بلند دربار تک رسائی کی کوئی صورت یا امید دکھائی نہیں دیتی مگر یہ کہ باد صبا ہمارے وجود کی خاک کو اڑا کر اس اعلی دربار میں لے جائے اور ہم حسینوں کے بادشاہ کا نظارہ کر سکیں۔ چھٹے شعر میں حافظ لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کوئی عقل کے کمالات بیان کرتا ہے تو کوئی بیہودہ باتوں کا تانا بانا بنتا ہے۔ تو ان سب باتوں کو چھوڑ اور ان کا فیصلہ سب سے بڑے منصف یعنی خداوند تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ صرف وہی صحیح فیصلے کر سکتا ہے اور وہی ہر چیز کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ ہر شے کا خالق وہی ہے۔ ہم اپنی محدود عقل سے کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے ہمیں ان کا فیصلہ عقل کل یعنی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔ ساتویں شعر میں حافظ میخانے چلنے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تو بہشت عدن چاہتا ہے تو آ ہمارے ساتھ میخانے چل۔ عدن کا لفظی مطلب ہے ہمیشہ رہنے کی جگہ۔ بہشت عدن سے مراد ایسی بہشت ہے جہاں ہمیشہ کے لیے رہا جا سکے۔ حافظ جس میخانے کا راستہ دکھا رہے ہیں وہ ہے عشق الٰہی کی شراب کا میخانہ۔ عشق الٰہی کی شراب پی کر مست ہونے سے تمام منازل طے ہو جاتی ہیں۔ یہی وہ راستہ ہے جو سیدھا حوض کوثر کو جاتا ہے۔ آخری شعر میں حافظ اہل شیراز کا گلہ کرتے ہیں کہ وہ سخن دانی اور خوش الحانی کو مد نظر نہیں رکھتے۔ حافظ جو سخن دانی اور خوش الحانی دونوں ذوق رکھتے ہیں وہ قاری سے کہتے ہیں کہ آ ہم کسی اور ملک چلے جائیں جہاں ان چیزوں کی قدر کی جاتی ہو۔

(۵)

۱۔ ای پادشه خوبان داد از غم تنهایی	دل بی تو بجان آمد وقتست که باز آیی
۲۔ مشتاقی و مهجوری دور از تو چنانم کرد	کز دست بخواهد شد پایاب شکیبایی
۳۔ در دایرهٔ فرمان ما نقطهٔ تسلیمیم	لطف آنچه تو اندیشی حکم آنچه تو فرمایی
٤۔ فکر خود و رای خود در عالم رندی نیست	کفرست درین مذهب خودبینی و خود رایی
۵۔ یارب بکه شاید گفت این نکته که در عالم	رخساره بکس ننمود آن شاهد هر جایی
٦۔ صد باد صبا آنجا با سلسله میرقصند	اینست حریف ای دل تا باد نه پیمایی
۷۔ دیشب گلهٔ زلفت با باد همی گفتم	گفتا غلطی بگذر زین فکرت سودایی
۸۔ دائم گل این بستان سیراب نمی ماند	دریاب ضعیفا نرا هنگام توانایی
۹۔ زین دایرهٔ مینا خونین جگرم می ده	تا حل کنم این مشکل در ساغر مینایی
۱۰۔ حافظ شب هجران شد بوی خوش صبح آمد	شادیت مبارک باد ای عاشق شیدایی

☆☆☆

الفاظ معانی:

پادشه خوبان: حسینوں کا بادشاہ، داد: فریاد، بجان آمدن: عاجز آنا، باز آمدن: واپس آنا، مشتاقی: عشق، مهجوری: ہجر، چنانم کرد: مجھے ایسا کر دیا،

شکیبائی :صبر،دایرۂ فرمان:حکم کا دایرہ،لطف:مہربانی،شاھد:معشوق،سلسلہ:زنجیر،حریف:دوست،گفتا:اس نے کہا،سودائی:پاگل،بی دہ:شراب دے،مینایی:ملمع شدہ،چمکایا ہوا۔

ترجمہ:

1- اے حسینوں کے بادشاہ،تنہائی کے غم سے فریاد ہے۔تیرے بغیر دل عاجز آ گیا وقت ہے کہ تو لوٹ آئے۔

2- تجھ سے دور رہ کر تیرے عشق اور ہجر نے مجھے ایسا کر دیا کہ صبر ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔

3- حکم کے دایرے میں ہم تسلیم کا ایک نقطہ ہیں۔مہربانی وہی ہے جو تو خیال کرے حکم وہی جو تو فرمائے۔

4- رندی کی دنیا میں اپنی فکر اور اپنی رائے (کا وجود) نہیں ہے۔اس مذہب میں خود بینی اور خود رائے کفر ہے۔

5- اے خدا یہ نکتہ کس سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں ہر جائی معشوق نے کسی کو رخسار نہیں دکھایا۔

6- اس جگہ سینکڑوں باد صبا زنجیر کے ساتھ ناچتی ہیں۔اے دل یہ دوست موجود ہے تا کہ تو باد پیمائی نہ کرے۔

7- گزشتہ رات میں باد صبا سے تیری زلف کا گلہ کر رہا تھا۔اس نے کہا تو غلطی پر ہے اپنی اس پاگل سوچ کو چھوڑ دے۔

8- اس باغ کا پھول ہمیشہ تر و تازہ نہیں رہتا۔طاقت کے وقت کمزوروں کی دلجوئی کر۔

9- میں اس مینائی دائرے سے خونی جگر ہوں،شراب دے،تا کہ اس مینائی ساغر سے میں یہ مشکل حل کروں۔

10- حافظ،ہجر کی رات ختم ہوئی،صبح کی خوشبو آئی،اے دیوانے عاشق تجھے خوشی مبارک ہو۔

تشریح:

اس غزل کے پہلے شعر میں حافظ نے حسینوں کے بادشاہ کے سامنے اپنی تنہائی کے ہاتھوں فریاد کی ہے اور کہا ہے کہ تیری جدائی سے تیرے بغیر میرا دل عاجز آ گیا ہے۔اس لیے اب وقت ہے کہ تو واپس آ جائے۔تیرے واپس آ جانے سے میرے دل کو قرار آئے گا ورنہ یہ اسی طرح بے قرار رہے گا۔دوسرے شعر میں حافظ شیرازی فرماتے ہیں کہ اب صبر کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا کیونکہ مجھ میں مزید صبر کرنے کی سکت نہیں رہی۔اے میرے محبوب تجھ سے دور رہ کر تیرے عشق اور تیری جدائی کے باعث میں اس حالت کو پہنچا ہوں۔تیسرے شعر میں وہ انسان کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حکم کے دایرے میں ہم تسلیم کا ایک نقطہ ہیں۔یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے احکامات کے دایرے کو ہم دیکھیں تو اس دائرے میں ہمارے حیثیت تسلیم کے ایک نقطے جیسی ہے۔ہمارا کام رب کی رضا کے سامنے سر جھکانا ہے۔حافظ شیرازی اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ مہربانی وہی جو تو کرے اور حکم وہی جو تو فرمائے کیونکہ خالق و مالک صرف تیری ذات ہے۔چوتھے شعر میں حافظ کہتے ہیں کہ رندی کی دنیا میں اپنی سوچ اور اپنی رائے کا کوئی وجود نہیں ہے۔عشق الٰہی کی شراب پی کر رند اپنی سوچ یا اپنی رائے کب رکھتا ہے۔وہ اپنے آپ کو اس کل میں فنا کر دیتا ہے۔اہل تصوف کے نزدیک خود بینی اور خود رائے کفر ہے۔جب کوئی اپنے آپ کو اُس کل میں فنا کر لے تو کہاں اس کا وجود رہتا ہے اور کہاں اس کی اپنی کوئی رائے رہتی ہے۔پانچویں شعر میں حافظ فرماتے ہیں کہ یہ نکتہ تیرے سوا کس کے آگے بیان کیا جا سکتا ہے کہ تو ہر جگہ موجود ہونے کے باوجود کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔کسی آنکھ کو یہ اجازت نہیں کہ وہ تجھے دیکھ سکے۔چھٹے شعر میں حافظ شیرازی کہتے ہیں کہ اس محبوب کی زلفوں کی زنجیر میں سینکڑوں باد صبا رقص کرتی ہیں۔اگر تو نے باد پیمائی کرنی ہو تو دوست کی زلفوں کا رخ کر تا کہ تو باد پیمائی کر سکے۔تجھے باد صبا محبوب کی زلفوں میں جکڑی ملے گی۔ساتویں شعر میں حافظ کہتے ہیں کہ گزشتہ رات میں باد صبا سے محبوب کی زلفوں کا گلہ کر رہا تھا کہ انہوں نے مجھے قید کر رکھا ہے اور مجھے اپنا دیوانہ بنا لیا ہے۔باد صبا جو خود اس زلف کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اس نے جواب دیا کہ زلفوں کی قید سے رہائی ممکن نہیں۔لہٰذا ان کا شکوہ کرنا بے سود ہے۔آٹھویں شعر میں حافظ شیرازی محبوب سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اس باغ کا پھول ہمیشہ تر و تازہ نہیں رہتا یعنی تیرا یہ حسن ناپائیدار ہے اور

ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہے۔اس لیے جب تو طاقت میں ہے تو کمزوروں کی دلجوئی کر کیونکہ حسن کی طرح طاقت اور اختیار بھی ہمیشہ رہنے والی چیز نہیں ہیں۔ نویں شعر میں حافظ کہتے ہیں کہ میں اس مینائی دائرے یعنی اس دنیا سے خونی جگر اور دکھی ہوں۔ مجھے شراب دے تا کہ اس ملمع شدہ ساغر یا جام سے میں اپنی مشکل حل کر سکوں۔حافظ کے عقیدے کے مطابق اس دنیا کے دکھوں کا حل شراب کا ایک جام ہے البتہ شراب عشق الٰہی کا جام۔غزل کے آخری شعر میں حافظ اپنے آپ کو مبارک دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے حافظ ہجر کی رات ختم ہوگئی اور نئی صبح کی خوشبو آ رہی ہے۔نئی صبح تمہیں مبارک ہو۔حافظ امید کے شاعر ہیں اس شعر میں بھی وہ ہجر زدہ شخص کی امید بڑھا رہے ہیں اور اسے نئی صبح کی خوشخبری دے رہے ہیں۔

حکیم عمر خیام (Khayyam)

گویند کسان بہشت باحور خوش است
من می گویم کہ آب انگور خوش است
این نقد بگیر و دست از آن نسیہ بدار
کاواز دہل شنیدن از دور خوش است

(خیام)

(بعض لوگ کہتے ہیں حور کے ساتھ بہشت اچھی ہے۔ میں کہتا ہوں انگور کا پانی اچھا ہے۔ یہ نقد (انگور کا پانی یعنی شراب) لے اور ادھار (یعنی حور کے ساتھ بہشت) سے ہاتھ کھینچ لے کیونکہ ڈھول کی آواز دور سے سننا اچھا ہے)

اس خوبصورت اور پرمعنی رباعی کے شاعر حکیم عمر خیام نیشاپوری ہیں۔ ایران کے نامور محقق اور ادیب محمد علی فروغی کے مطابق ان کا نام عمر، کنیت ابوالفتح اور لقب غیاث الدین تھا۔ جب کہ ان کے والد کا نام ابراہیم، وطن نیشاپور اور پیشہ خیمہ دوزی تھا۔ اسی پیشے کی نسبت سے خیام کہلائے۔ عمر خیام کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کسی حتمی تاریخ پر سب محقق متفق نہیں ہیں۔ مختلف محققین نے ان کی پیدائش کا سال 440،481 اور 489 ہجری تحریر کیا ہے۔ اور ان میں سے 440 ہجری (1048ء) کو درست گمان کیا جاتا ہے۔ ابتدائی تعلیم یعنی لکھنا، پڑھنا، قرآن، فارسی اور عربی ادبیات نیشاپور سے حاصل کی اور ریاضی کی تعلیم اپنے استاد بھمنیار سے حاصل کی جو خود بوعلی سینا کے شاگرد تھے۔ خیام بعد میں ترکستان چلے گئے۔ وہ سب سے زیادہ فلسفہ کی درس و تدریس میں مشغول رہے۔ خیام یونانی مفکروں اور فلسفیوں کے عقاید و افکار پر بہت زیادہ اعتقاد رکھتے تھے۔ انہوں نے فلسفہ اور حکمت میں بوعلی سینا کی پیروی کی۔ ترکستان میں قاضی ابوطاہر سمرقندی انہیں شمس الملوک خاقان بخاری کے دربار میں لے گئے۔ خیام نے بعد میں اس دربار سے ملک شاہ سلجوقی کے دربار تک رسائی حاصل کی اور وہاں بہت زیادہ قدر و منزلت پائی۔ یہاں آپ کے ذمے رصد خانہ ملک شاہی کی تعمیر کا کام سونپا گیا۔ انہوں نے اسی دوران زیج ملک شاہی تحریر کی۔ خیام نے 526 (1132ء) ہجری نیشاپور میں وفات پائی اور حیرہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

عمر خیام صرف شاعر نہیں تھے۔ وہ حکیم، فلاسفر، طبیب، نجومی، ریاضی دان، ادیب اور موسیقی دان تھے۔ قرآن کریم سے مکمل آشنائی رکھتے تھے۔ الجبرا اور ریاضی میں انہوں نے نئی تحقیقات کیں۔ مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے میں ایک شہزادے کی مہلک بیماری کا کامیاب علاج کیا۔ خیام محقق اور دانشمند ہونے کے ساتھ ساتھ تندمزاج شخص تھے۔ خیام اجسام اور دھاتوں خاص طور پر سونا اور چاندی کے مخصوص اوزان کے بارے میں جدید علمی نظریہ رکھتے تھے۔ اس کے لیے انہوں نے مخصوص ترازو ایجاد کیا۔ علم نجوم کے حوالہ سے کئی مشہور واقعات آپ کے نام کے ساتھ منسوب ہیں۔

خیام، ایران اور پوری دنیا میں سب سے زیادہ شہرت شاعری اور بالخصوص رباعیات میں رکھتے ہیں۔ جیسے ان کی کہی ہوئی بہت سی رباعیات آج ان کے مجموعہ کلام میں شامل نہیں ہیں اسی طرح موجودہ رباعیات میں کئی رباعیاں خیام کی نہیں ہیں۔ خیام کی رباعیات سادہ، رواں، جذاب اور خوبصورت ہیں۔ رباعی سرائی میں زیادہ تر ان کی توجہ ''انسان کی فنا'' کے موضوع پر ہے۔ وہ انسان کی اس فنا پذیری کا ازالہ آج کی میسر لذتوں سے کرتے ہیں۔ خیام رباعی سرائی کے ذریعے شاعری میں شہرت حاصل کرنے کا ہدف نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے فلسفیانہ نظریات کو شعروں میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ وہ حکیم، فلاسفر اور ریاضی دان تو تھے ہی مگر رباعیات میں ان کی شہرت باقی تمام خصوصیات پر سبقت لے گئی اور وہ دنیا میں بھر میں رباعی سرائی میں مشہور ہوئے۔

عمر خیام کی رباعیات میں تصوف اور عرفان کا موضوع نہیں ہے بلکہ فلسفہ حیات انسانی کے متعدد موضوعات موجود ہیں جو حکیموں اور فلسفیوں کے لیے

سوال رہے ہیں کہ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ ہم نے کہاں جانا ہے؟ اس دنیا میں ہمارے آنے کا مقصد کیا ہے؟ اور اس دنیا سے جانے کے بعد ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ زندگی کی عدم پائیداری کو خیام نے اپنی رباعیات میں کثرت سے پیش کیا ہے اور اس کے اظہار کے منفرد اور دلچسپ انداز اپنائے ہیں۔ خیام کی خمریات میں شراب نوشی کا ذکر تو بنیادی طور پر موجود ہے مگر یہ ذکر مادی شراب کا ہے عشق الٰہی کی معنوی شراب کا نہیں ہے۔ حافظ شیرازی نے اپنے کلام میں شراب کا بہت ذکر کیا ہے۔ مگر یہ ذکر زیادہ تر معنوی شراب کا ہے اور اگر کہیں حافظ نے دنیاوی مادی شراب کا ذکر کیا بھی ہے تو ایرانی شارحین نے یہ کہہ کر اسے معنوی شراب کا لبادہ پہنا دیا ہے کہ وہ حافظ قرآن ہے وہ ایسی بات نہیں کر سکتا۔ مگر عمر خیام کے بارے میں وہ ایسا نہیں کر پائے کیونکہ وہ اپنے اشعار میں کثرت سے مادی شراب کا ذکر کرتے ہیں۔ مثلاً:

گویند بهشت، حور و کوثر باشد

جوی می وشیر و شهد و شکر باشد

پر کن قدح باده و بر دستم نه

نقدی ز هزار نسیه خوشتر باشد

(کہتے ہیں بہشت، حور اور آب کوثر ہوگا۔ شراب، دودھ، شہد اور شکر کی نہریں ہوں گی۔ شراب کا جام بھر اور میرے ہاتھ پر رکھ۔ ہزار ادھار سے ایک نقد بہتر ہوگا)

تصانیف

تقویم جلالی

عمر خیام کی ایک زندہ جاوید یادگار ''تقویم جلالی'' ہے۔ انہوں نے ملک شاہ سلجوقی کی حکومت اور خواجہ نظام الملک طوسی کی وزارت کے دور میں اسے ترتیب دیا۔ تقویم کیلنڈر کو کہتے ہیں اور عمر خیام کے دور میں تقویم رائج تھی مگر وہ ناقص تھی۔ تقویم جلالی کے ذریعے ایرانی سال ہجری شمسی کی روزشماری کا کام نئے سرے سے مرتب کیا گیا۔ اسے عمر خیام کا بہت بڑا کارنامہ کہا جاتا ہے۔ جو انہوں نے دنیائے علم اور بالخصوص ایران اور ایرانیوں کے لیے انجام دیا۔

نوروز

حکیم عمر خیام نے نوروز کی حقیقت کشف کرنے کے لیے ایک رسالہ تحریر کیا جسے ''رسالہ در کشف حقیقت نوروز'' بھی کہتے ہیں۔ قابل ذکر ہے کہ فارسی ادبیات میں اس نام سے تین رسالے مختلف لوگوں نے تحریر کیے ہیں جن میں سے ایک عمر خیام کا ہے۔

میزان الحکم

مخصوص اوزان معلوم کرنے کے لیے عمر خیام نے یہ رسالہ تحریر کیا اور اس رسالہ کا مکمل نام ''رسالہ فی الاحتیال لمعرفۃ مقداری الذهب والفضہ فی جسم مرکب منهما ہے۔ درحقیقت میزان الحکم ایک ایسے ترازو کا نام ہے جس کے ذریعے مرصع چیزوں کو ایک دوسرے سے جدا کیے بغیر کسی بھی جزو کا وزن معلوم کیا جا سکتا ہے۔

رسالہ فی قسمۃ ربع الدائرہ

یہ رسالہ چوتھائی دیرے کی تقسیم کے موضوع پر تحریر کیا گیا ہے اور گیارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

رسالہ فی شرح ما اشکل من مصادرات کتاب اقلیدوس

یہ رسالہ 470 ہجری (1078ء) میں تحریر کیا گیا اور یہ ہندسے کے موضوع پر ہے۔اس رسالہ میں عمر خیام نے اپنے ہاتھ کی تحریر کے ساتھ اس رسالہ کے سال تالیف کی طرف اشارہ کیا ہے۔

القول علی اجناس الذی بالاربعہ

موسیقی کے موضوع پر تحریر کیا جانے والا یہ رسالہ پانچ صفحات پر مشتمل ہے اور ترکی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

رسالہ فی ابراھین علی مسایل الجبر والقابلہ

الجبرا کے موضوع پر تحریر کیا جانے والا یہ رسالہ ''رسالہ فی قسمۃ ربع الدایرہ'' کے بعد تحریر کیا گیا۔

ترجمۃ خطبۃ الغراء ابن سینا

عمر خیام نے 472 (1079ء) ہجری میں ابن سینا کے اس خطبہ کو فارسی میں ترجمہ کیا۔اس خطبہ کا موضوع حکمت اور فلسفہ ہے۔

رسالہ فی الکون والتکلیف

ابن سینا کے ایک شاگرد قاضی عبدالرحیم نسوی نے 473 ہجری (1080ء) میں عمر خیام کو ایک خط تحریر کیا۔اس خط میں مخلوق عالم کے بارے میں حکمت خداوندی اور عبادات کی انجام دہی کے بارے میں سوالات کیے۔ان سوالات کے جواب میں عمر خیام نے یہ رسالہ تحریر کیا جو خیام کے اپنے ہاتھ کی تحریر ہے اور آج تک محفوظ ہے۔

ضرورۃ التضاد فی العالم والجبر والبقاء

خیام نے یہ رسالہ ان تین سوالات کے جواب میں تحریر کیا جو ان سے حکمت اور فلسفہ کے بارے میں کیے گئے۔بعض کا خیال ہے کہ یہ سوال بھی ابن سینا کے شاگرد قاضی عبدالرحیم نسوی نے عمر خیام سے کیے تھے۔

رسالہ الضیاء العقلی فی موضوع العلم الکلی

عمر خیام نے یہ رسالہ حکمت، فلسفہ اور اشیاء کی موجودیت کے موضوع پر تحریر کیا۔

سلسلۃ الترتیب

اس رسالہ کا اصل نام ''رسالہ در علم کلیات وجود'' ہے۔اسے خیام نے خواجہ نام الملک طوسی کے بیٹے مؤید الملک کو ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔

رسالہ جواباً لثلث مسایل

عمر خیام نے تین سوالات کے جواب میں یہ رسالہ تحریر کیا۔یہ سوالات جمال الدین عبدالجبار بن محمد المشکوی نے ان سے پوچھے۔اس رسالہ کا دوسرا نام ''امین الحضرۃ'' ہے۔

رسالہ فی الوجود

یہ رسالہ ''رسالہ فی تحقیقات الصفات'' کے نام سے مشہور ہے۔اس کا موضوع حکمت اور فلسفہ ہے۔

عربی اشعار

عمر خیام نے عربی میں بھی اشعار تحریر کیے جن کے تعداد بہت کم ہے۔

مکتوبات خیام

یہ مکتوبات حکیم عمر خیام نے مختلف شخصیات کو تحریر کیے۔ ان کا ذکر مختلف کتابوں میں موجود ہے، مگر یہ اب موجود نہیں ہیں۔

رباعیات

رباعیات، عمر خیام کی شہرت کا باعث بنیں۔ عمر خیام نے تقریباً ایک ہزار رباعیات نہایت سادہ اور رواں انداز میں تحریر کی ہیں۔ مغرب میں ان رباعیات کو بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ خیام کی بیشتر رباعیات ان کی مفکرانہ اور جستجو گر روح کی عکاسی کرتی ہیں۔

نمونہ کلام

گر باده خوری تو با خرد مندان خور
یا با صنمی، لاله رخی خندان خور
بسیار مخور ورد مکن، فاش مساز
اندك خور و گهگاه خورو پنهان خور

☆☆☆

این کوزه چومن عاشق زاری بوده است
دربند سر زلف نگاری بوده است
این دسته که بر گردن او می بینی
دستی است که بر گردن یاری بوده است

☆☆☆

ای واقف اسرار ضمیر همه کس
درحالت عجز دستگیر همه کس
یارب تو مرا توبه ده و عذر پذیر
ای توبه ده و عذر پذیر همه کس

☆☆☆

(d) Rubaiat-e-khayyam

رباعیات حکیم خیام نیشاپوری

(۱)

برخیز بتا بیار بهر دل ما
حل کن بجمال خویشتن مشکل ما
یک کوزه شراب تا بهم نوش کنیم
زان پیش که کوزه ها کنند از گل ما

الفاظ معانی:

برخیز: اٹھ، بتا: اے محبوب، خویشتن: اپنا، کوزہ: صراحی، گل ما: ہماری مٹی۔

ترجمہ:

اے محبوب اٹھ ہمارے دل کے لیے لا۔ ہماری مشکل کو اپنی خوبصورتی سے حل کر، شراب کی ایک صراحی لا تا کہ ہم اکٹھے پئیں۔ اس سے پہلے کہ ہماری مٹی سے صراحیاں بنائیں۔

تشریح:

اس خوبصورت رباعی میں حکیم عمر خیام اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے محبوب اٹھ اور ہمارے دل کے لیے شراب لے آ۔ شراب کے علاوہ ہماری مشکل کو اپنی خوبصورتی یعنی شباب سے حل کر۔ شراب کی صراحی لا تا کہ ہم اکٹھے شراب پئیں۔ اس سے پہلے کہ ہماری مٹی سے صراحیاں بنائی جائیں۔ مراد یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ ہمیں موت آ جائے اور ہمیں مٹی میں دفن کر دیا جائے اور جب ہمارا وجود مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے تو پھر ہماری مٹی سے صراحیاں بنائی جائیں۔ زندگی کا فانی ہونا خیام کی اکثر رباعیات کا بنیادی موضوع ہے۔ وہ انسان کی اس فنا پذیری کا ازالہ آج کی میسر لذتوں شراب اور شباب سے کرتا ہے۔ یہی فلسفہ اس رباعی میں موجود ہے۔

(۲)

آن قصر که جمشید در او جام گرفت
آهو بچه کرد و روبه آرام گرفت
بهرام که گور می گرفتی همه عمر
دیدی که چگونه گور بهرام گرفت

الفاظ معانی:

قصر: محل، دراو: اس میں، گرفتن: پکڑنا، آهو: ہرن، روبه: لومڑی، گور: گورخر، همه عمر: ساری زندگی، دیدی: تو نے دیکھا، چگونه: کس طرح، گور: قبر۔

ترجمہ:

وہ محل کہ جس میں جمشید نے جام پکڑا۔ ہرن نے بچے دیئے اور لومڑی نے (وہاں) آرام کیا۔ وہ بہرام جو ساری زندگی گورخر پکڑتا تھا۔ تو نے دیکھا کہ قبر نے کیسے بہرام کو پکڑا۔

تشریح

زندگی کی ناپائیداری کے موضوع پر اس معروف رباعی میں عمر خیام فرماتے ہیں کہ وہ محل جس میں جمشید بادشاہ جام پکڑتا تھا آج وہ ایسے کھنڈر میں تبدیل ہو چکا ہے جہاں اب انسان نہیں رہتے بلکہ ہرن وہاں بچے دیتے ہیں اور لومڑیاں آرام کرتی ہیں۔ وہ بہرام بادشاہ جو ساری زندگی گورخر کا شکار کرتا رہا تو نے دیکھا کہ اسے کیسے اس کی قبر نے اپنی گرفت میں جکڑ لیا اور پھر اٹھ کر دنیا میں واپس نہیں آنے دیا۔ جمشید بادشاہ نہ صرف خود مشہور تھا بلکہ اس کا جام "جام جم" کے نام سے مشہور تھا۔ اسی طرح بہرام بادشاہ کی شہرت بہرام گور کے نام سے تھی کیونکہ وہ گورخر بہت شکار کیا کرتا تھا۔ اس رباعی کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں بہت بڑی بڑی ہستیاں اور ان کے محل صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ وہ مرنے کے بعد مٹی میں مٹی ہو گئے۔ کوئی بھی اپنی مرضی سے زندگی کو طول نہیں دے سکا اور زندگی کی بے ثباتی سے نہیں بچ سکا۔

(۳)

این کوزه چومن عاشق زاری بوده است
بند سر زلف نگاری بوده است
این دسته که بر گردن اومی بینی
دستی است که بر گردن یاری بوده است

الفاظ معانی:

کوزہ: صراحی، چومن: میری طرح، بودہ است: رہی ہے، نگاری: کوئی محبوب، دست: ہاتھ۔

ترجمہ:

یہ صراحی میری طرح عاشق زار رہی ہے۔ یہ کسی محبوب کی زلف کی گرہ رہی ہے۔ یہ دستہ جو تو اس (صراحی) کی گردن پر دیکھتا ہے، یہ ہاتھ ہے جو کسی یار کی گردن پر رہا ہے۔

تشریح

اس رباعی میں حکیم عمر خیام نے زندگی کے فانی ہونے کے موضوع کو نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مٹی کی صراحی میری طرح عاشق زار رہی ہے۔ صراحی عاشق زار کیسے رہی ہے؟ کوئی عاشق زار جب مر کر مٹی میں دفن ہونے کے بعد مٹی میں مل گیا تو پھر اسی مٹی سے یہ صراحی بنائی گئی۔ یہ صراحی کسی محبوب کی زلف کی گرہ رہی ہے۔ یعنی عاشق اور معشوق دونوں کا انجام مرنے کے بعد مٹی میں مل کر مٹی ہونا ہے۔ صراحی کا یہ دستہ جو صراحی کی گردن پر لگا ہوا ہے یہ درحقیقت وہ ہاتھ ہے جو کبھی اپنے یار کی گردن پر رہا ہے۔ مگر اب مرنے کے بعد مٹی میں مل کر اس صراحی کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ یہ زندگی فانی ہے اور انسانی جسم کی آخری منزل یہی ہے کہ وہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے۔

(٤)

امروز تـرا دستـرس فـرداد نیسـت
وانـدیشـه فـردات بـجز سـو دانیسـت
ضـایع مـکن این دم اردلـت شید انیسـت
کـایـن بـاقـی عـمر را بهـا پید انیسـت

الفاظ معانی:

امروز: آج، فردا: آنے والا کل، سودا: پاگل پن، این دم: یہ لمحہ، شیدا: دیوانہ، بہا: قیمت۔

ترجمہ:

آج تجھے آنے والے کل پر دسترس نہیں ہے اور آنے والے کل کی فکر دیوانگی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر تیرا دل دیوانہ نہیں تو یہ لمحہ ضائع نہ کر کیونکہ اس باقی عمر کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

تشریح:

اس رباعی میں عمر خیام نے زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیداری کے موضوع کو پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آج تیرے پاس آنے والے کل کا اختیار نہیں ہے۔ تجھے معلوم نہیں کہ کل آئے گا یا اس سے پہلے موت آئے گی۔ اسی لیے کہتے ہیں زندگی شک ہے، موت برحق ہے۔ خیام کہتے ہیں آنے والے کل کی فکر آج دامن گیر کرنا عقلمندی نہیں ہے بلکہ پاگل پن ہے۔ یہ ایک لمحہ جو تجھے اب میسر ہے اسے خوش گزار اور ضائع مت کر۔ اگر تو عقلمند ہے تو اس بات پر یقین کرے گا کہ جو دم آج میسر ہے وہ غنیمت ہے۔ کیونکہ باقی عمر کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ کل آئے گا یا نہیں آئے گا اس کی زندگی کتنی باقی ہے۔

(٥)

ایـن کـهـنـه رباط را کـه عـالـم نـامسـت
وارامـگـه ابـلـق صبـح و شـامسـت
بزمیسـت کـه و امـانده صد جمشید است
قـصـر یسـت کـه تـکـیـه گاه صد بهرامسـت

الفاظ معانی:

کہنہ: پرانی، رباط: سرائے، ارامگہ: آرام گاہ، ابلق: چتکبرہ گھوڑا، وامانده: پیچھے رہ گئی۔

ترجمہ:

یہ پرانی سرائے جس کا نام دنیا ہے یہ صبح اور شام کے چتکبری گھوڑے کی آرام گاہ ہے۔ ایک ایسی بزم ہے جو سینکڑوں جمشیدوں کی چھوڑی ہوئی ہے۔ ایک ایسا محل ہے جو سینکڑوں بہراموں کی آرام گاہ ہے۔

تشریح:

اس رباعی میں عمر خیام کہتے ہیں کہ یہ پرانی سرائے جس کا نام دنیا ہے۔ یہ دنیا اس لیے سرائے ہے کہ لوگ یہاں پیدا ہوتے ہیں، آتے ہیں اور اپنی ایک محدود سی زندگی گزارنے کے بعد موت کو گلے لگاتے ہیں یعنی اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں یہاں کوئی ہمیشہ کے لیے نہیں رہتا۔ یہ دنیا صبح اور شام کے چتکبری گھوڑے کی آرام گاہ ہے۔ خیام نے صبح کے لیے سفید گھوڑے اور شام کے لیے کالے گھوڑے کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ سفید اور کالے رنگ کی آمیزش والا گھوڑا چتکبری کہلاتا ہے۔ جب سے یہ دنیا بنی یہاں صبح ہوتی ہے اور پھر شام ہوتی ہے۔ یہ دنیا ایسی محفل ہے جو سینکڑوں جمشیدوں کی چھوڑی ہوئی ہے۔ جمشید ایران کا نامور بادشاہ تھا۔ جمشید جیسے سینکڑوں بادشاہ اس دنیا میں آئے اور چلے گئے۔ بہرام جیسے سینکڑوں بادشاہوں نے اس دنیا میں تکیہ کیا اور پھر موت آنے پر انہیں اس دنیا سے رخصت ہونا پڑا۔ اس رباعی کا مرکزی خیال زندگی کی ناپائیداری اور بے ثباتی ہے۔

(٦)

هر ذره که در خاک زمینی بوده است
پیش از من و تو تاج و نگینی بوده است
گرد از رخ نازنین بآزرم فشان
کانهم رخ خوب نازنینی بوده است

الفاظ معانی

پیش: پہلے، رخ: چہرہ، بآزرم: نرمی سے، فشاندن: ہٹانا، کانهم: کیونکہ وہ بھی۔

ترجمہ:

ہر وہ ذرہ جو زمین کی خاک میں رہا ہے۔ مجھ سے اور تجھ سے پہلے کوئی تاج اور نگینہ رہا ہے۔ اپنے نازنین چہرے سے گرد نرمی سے ہٹا۔ کیونکہ یہ (گرد) بھی کسی نازنین کا خوبصورت چہرہ رہی ہے۔

تشریح:

اس دنیا میں پیدا ہونے والا ہر شخص ایک مقررہ وقت پر مر جاتا ہے۔ مرنے کے بعد اسے زمین کے نیچے دفن کر دیتے ہیں۔ تھوڑے عرصے میں اس کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ عمر خیام نے اسی موضوع کو اس رباعی میں یوں بیان کیا ہے کہ ہر وہ ذرہ جو زمین کی خاک میں رہا ہے وہ مجھ سے اور تجھ سے پہلے کوئی تاج اور نگینہ رہا ہے مراد یہ ہے اس دنیا میں کوئی اہم شخصیت رہا ہے۔ تیرے نازنین چہرے پر جو مٹی گری ہے اسے تو نرمی سے ہٹا۔ کیونکہ یہ مٹی بھی کبھی کسی نازنین کا خوبصورت چہرہ رہی ہے جو اب مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا ہے۔ اس رباعی کا موضوع زندگی کی ناپائیداری اور بے ثباتی ہے۔

(٧)

هر راز که اندر دل دانا باشد
باید که نهفته تر ز عنقا باشد
کاندر صدف از نهفتگی گردد در
آن قطره که راز دل دریا باشد

الفاظ معانی:

دانا: عقلمند، نہفتہ: چھپا ہوا، عنقا: سیمرغ، ایک افسانوں پرندہ، صدف: سیپ، در: موتی، دریا: سمندر۔

ترجمہ:

ہر راز جو عقلمند کے دل میں ہو، اسے عنقا پرندے سے زیادہ چھپا ہونا چاہیے۔ وہ قطرہ جو سمندر کے دل کا راز ہوتا ہے وہ سیپ کے اندر چھپا ہونے کی وجہ سے موتی بن جاتا ہے۔

تشریح:

اس رباعی میں عمر خیام نے ایک حکمت کی بات بیان کی ہے کہ ہر وہ راز جو کسی عقلمند کے دل میں ہو اسے عنقا پرندے سے زیادہ چھپا ہونا چاہیے۔ عنقا کو سیمرغ بھی کہتے ہیں یہ ایسا پرندہ ہے جسے افسانوی پرندہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگوں نے اس کا نام بارہا سنا ہے مگر اسے آج تک دیکھا کسی نے نہیں ہے۔ گویا عقلمند کے دل میں راز کو عنقا پرندے سے بھی زیادہ پوشیدہ ہونا چاہیے۔ پھر خیام نے ایک خوبصورت مثال دلیل کے طور پر پیش کی ہے کہ پانی کا صرف ایک قطرہ جو سمندر کے دل کا راز ہوتا ہے وہ سیپ میں چھپا رہتا ہے اور وہی قطرہ ایک عرصے کے بعد موتی اور مروارید میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک قطرے سے قیمتی موتی بن جاتا ہے۔

(۸)

در کارگہ کوزہ گری رفتم دوش

دیدم دو ھزار کوزہ گویا و خموش

ناگاہ یکی کوزہ برآورد خروش

کو کوزہ گر و کوزہ خر و کوزہ فروش

الفاظ معانی:

کارگہ: کارخانہ، رفتم: میں گیا، دوش: گزشتہ رات، دیدم: میں نے دیکھا، کوزہ: برتن، گویا: بولنے والے، ناگاہ: اچانک، خروش: زور سے بولنا، کو: کہاں ہے، کوزہ گر: برتن بنانے والا، کوزہ خر: برتن خریدنے والا، کوزہ فروش: برتن فروش۔

ترجمہ:

میں گزشتہ رات برتن بنانے کے کارخانے گیا۔ میں نے دو ہزار بولنے والے اور خاموش برتن دیکھے۔ اچانک ایک برتن اونچی آواز میں بولا: برتن بنانے والا، برتن خریدنے والا اور برتن بیچنے والا کہاں ہے؟

تشریح:

اس رباعی میں حکیم عمر خیام نے واقعہ کی صورت میں اپنے افکار بیان کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گزشتہ رات میں مٹی کے برتن بنانے والے کارخانے میں گیا اور وہاں دو ہزار خاموش اور بولنے والے برتن دیکھے۔ اچانک ایک برتن اونچی آواز میں بولا کہ برتن بنانے والا، برتن خریدنے والا اور برتن بیچنے والا کہاں ہے؟ اس رباعی میں انسان کے لیے مٹی کے برتن کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ جب کہ اس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ انسان جسے بنا کر اس کائنات

میں بھیجا گیا ہے اور پھر وہ مرنے کے بعد آگے کہیں چلا جاتا ہے وہ اس امر سے بے خبر ہے کہ اسے بنایا کس نے اور وہ جائے گا کہاں کیونکہ اللہ تعالیٰ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتا۔

(۹)

از کوزہ گری کوزہ خریدم باری
آن کوزہ سخن گفت زهر اسراری
شاهی بودم که جام زرینم بود
اکنون شده ام کوزه هر خماری

الفاظ معانی:

کوزہ گر: برتن بنانے والا، خریدم: میں نے خریدا، باری: ایک مرتبہ، سخن: بات، اکنون: اب، خماری: شرابی۔

ترجمہ:

میں نے ایک مرتبہ ایک برتن بنانے والے سے صراحی خریدی۔ اس صراحی نے ہر راز کے بارے میں بات کی (اس نے کہا) میں ایسا بادشاہ تھی کہ میرے پاس زریں جام تھا۔ اب میں ہر شرابی کی صراحی بن گئی ہوں۔

تشریح:

حکیم عمر خیام نے اس خوبصورت رباعی میں اپنی ایک حکایت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک برتن بنانے والے سے مٹی سے بنی ایک صراحی خریدی اور وہ صراحی رازوں کو بیان کرتی تھی اور بولتی تھی۔ اس صراحی نے کہا میں ایک بادشاہ تھی اور میرے پاس سونے کا جام تھا۔ اب ہر شرابی کی صراحی بن گئی ہوں۔ صراحی کی زبانی عمر خیام نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ سونے کا جام رکھنے والا عظیم بادشاہ مرنے کے بعد مٹی میں مل کر مٹی بن گیا۔ جب برتن بنانے والے نے اس مٹی سے برتن بنائے تو بادشاہ کی مٹی صراحی کی شکل اختیار کر گئی اور یوں اب وہ ہر شرابی کی صراحی ہے۔ اس رباعی کا مرکزی خیال انسان کی زندگی کی ناپائیداری اور بے ثباتی ہے۔

(۱۰)

در پردۂ اسرار کسی را رہ نیست
زین تعبیه جان هیچ کس آگه نیست
جز در دل خاك هیچ منزلگه نیست
می خور که چنین فسانه ها کوته نیست

الفاظ معانی:

اسرار: راز (جمع)، تعبیه: تیاری، روانگی، هیچ: کوئی، می خور: شراب پی، کوته: کم۔

ترجمہ:

رازوں کے پردے تک کسی کو رسائی نہیں ہے۔ روح کی اس تیاری سے کوئی آگاہ نہیں ہے۔ مٹی کے دل کے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ شراب پی کیونکہ ایسے افسانے کم نہیں ہیں۔

تشریح:

حکیم عمر خیام فرماتے ہیں کہ رازوں کے پردے تک کسی کو رسائی حاصل نہیں۔ وہ راز کیا ہیں؟ ہم اس دنیا میں کہاں سے آئے ہیں؟ کیوں آئے ہیں؟ مرنے کے بعد کہاں جائیں گے؟ یہ سب وہ سوالات ہیں جن کا جواب ہمیں معلوم نہیں۔ ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ہماری یہ زندگی کب تک جاری رہے گی۔ روح جب جانے کی تیاری کر لیتی ہے اس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کب اس دنیا سے جانے کا ارادہ کرے گی۔ روح کے جسم کو چھوڑ جانے کے بعد اس مردہ جسم کا ٹھکانہ مٹی کی گہرائی کے سوا اور کوئی نہیں۔ ان سب باتوں کو سوچنے سے بہتر ہے کہ تو شراب پی۔ آج کے دن کو عیش و عشرت میں گزار۔ دنیا میں ایسے افسانے کم نہیں ہیں کہ بڑی بڑی ہستیاں مرنے کے بعد مٹی میں مل کر مٹی ہو گئیں اور ان کا کوئی نشان تک باقی نہ رہا۔

نیمایوشیج (Neema Yushij)

چودھویں صدی ہجری میں ایرانی شاعروں کی یورپی اور دنیا کے دیگر شاعروں کی سبکوں سے آشنائی، تحریک مشروطیت کی جنبش اور ایران میں معاشرتی زندگی میں تغیرات کے باعث ایک نئی سبک وجود میں آئی جس کے باعث شاعری میں زبان، فکر اور ادبیات کی تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اشعار میں نئے موضوعات سامنے آئے مثلاً سیاسی اور معاشرتی تنقید۔ جبکہ اشعار کی ظاہری شکل میں بھی تبدیلی رونما ہوئی۔ جدید شاعری میں اشعار کے مصرعے برابر نہیں بلکہ چھوٹے بڑے ہیں۔ اس سبک کا بانی مشہور ایرانی شاعر نیما یوشیج ہے اس لیے اسے ''سبک نیمائی'' بھی کہتے ہیں۔

نیما کا اصل نام علی اسفندیاری ہے جو کوہ البرز کے دامن میں موجود صوبہ مازندران کے شہر نور کے ایک گاؤں ''یوش'' 21 آبان 1276ء ہجری شمسی (11 نومبر 1897ء) میں ایک دلاور اور تندمزاج کسان ابراہیم خان کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا بچپن فطری مناظر کے نزدیک گزرا۔ لکھنا پڑھنا اپنے گاؤں کے ایک مولوی سے سیکھا اور اس کے ظلم برداشت کیے۔ نوجوانی میں اپنے خاندان کے ساتھ تہران آ گئے۔ مدرسہ سن لوئی سے فرانسیسی کی تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے اپنی تعلیم کے ابتدائی سال سرکشی اور کج روی میں گزارے۔ ایک مہربان استاد ''نظام وفا'' کی حوصلہ افزائی سے شعر و شاعری کی طرف راغب ہوئے۔ فرانسیسی زبان اور ادب نے ان کی شاعری کے لیے ایک نیا دروازہ کھولا۔

وزارت مالیات میں ملازمت اختیار کی۔ تقریباً 8 سال اس محکمہ میں رہے مگر یہ ملازمت ان کی طبیعت کے ساتھ سازگار نہ تھی۔ 1926ء میں جب ان کی عمر 29 سال تھی انہوں نے معروف انقلابی شہید میرزا جہانگیر خان صور اسرافیل کی بھانجی عالیہ جہانگیر کے ساتھ شادی کی۔ 1928ء میں آمل اور پھر رشت منتقل ہو گئے۔ اس وقت ان کی بیوی رشت کے معروف ترین سکول کی ہیڈ مسٹریس تھیں اور نیما کے پاس کوئی کام نہ تھا۔ 1930ء میں نیما آستارا چلے گئے اور مدرسہ ''حکیم نظامی'' میں تدریس شروع کی۔ وہ سکول میں تاریخ، فارسی، عربی اور جغرافیہ پڑھاتے رہے۔ انہوں نے آستارا شہر کے لوگوں سے قریبی تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی لیکن جلد ان کے ناروا رویے کے باعث ناامید ہو گئے۔ اپنے شہر سے دوری اور تنہائی نے انہیں بے حوصلہ اور افسردہ بنا دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ظاہری حالت سے بھی بے پرواہی برتنے لگے۔ آستارا میں اقامت کے تیسرے سال ان پر سردیوں میں سکول کی لکڑی کی سیڑھی توڑ کر جلانے کا الزام لگا۔ نیما یوشیج کو مجبوراً آستارا کو ترک کرنا پڑا۔ 1933ء میں تہران آ کر انہوں نے خود پر لگنے والے الزام کا دفاع کیا مگر ان کو معلمی سے ہاتھ دھونا پڑے۔ 1936ء میں انہوں نے تہران میں ایران اور جرمنی کے صنعتی مدرسے میں ادبیات پڑھانے کا کام شروع کیا۔ یہاں بھی وہ مدرسے والوں کے ساتھ سازگاری قائم نہ کر سکے اور ایک بار پھر کام سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ 1938ء میں انہوں نے دوستوں کی مدد سے وزارت ثقافت میں موسیقی کے شعبے میں ملازمت حاصل کر لی۔ اسی دوران صادق ہدایت، عبدالحسین نوشین اور ضیا ھشترودی کے ساتھ مل کر موسیقی پر رسالہ شروع کیا۔

پہلی بار ان کو ان کے مزاج کے مطابق کام ملا۔ 1940ء میں نیما نے ''خانہ سریولی'' کے نام سے آزاد شاعری میں پہلا منظومہ تحریر کیا۔ 1941ء میں موسیقی کا رسالہ بند ہو جانے پر ایک بار پھر بے کار ہو گئے۔ 1947ء میں ایران کی تودہ پارٹی (حزب تودہ) سے تعلقات قائم کر لیے۔ بعد میں اسی تعلق کے باعث انہیں جیل جانا پڑا۔ نیما یوشیج کی عادت تھی کہ وہ گرمیوں میں اپنے وطن ''یوش'' جاتے تھے۔ مگر اس مرتبہ وہ سردیوں میں وہاں چلے گئے۔ انہوں نے 8 مرداد 1338ء ہجری شمسی (31 جولائی 1959ء) کو آخری خط یوش سے اپنے اکلوتے بیٹے کو تحریر کیا۔ یوش کی سخت سردی سے انہیں بیماری کے بستر پر سلا دیا۔ انہیں یوش سے چالوس کی سڑک تک خچر پر لایا گیا۔ 23 دی ماہ 1338 ہجری شمسی (14 جنوری 1960ء) کو وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

نیمایوشیج کی شاعری

نیمایوشیج کی شاعری میں ابتدا ہی سے کہانی کی صورت میں کوئی موضوع اپنے اشعار میں بیان کرنے کا میلان تھا۔ آغاز میں انھوں نے قدیم شعرا اور بالخصوص سبک خراسانی کی پیروی کی اور اس میں بھی داستان سرائی کا موضوع مدنظر رکھا۔ انھوں نے 23 سال کی عمر میں ''قصۂ رنگ پریدہ'' کے نام سے ایک منظومہ تحریر کیا جو 500 اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے دو سال بعد انھوں نے قطعہ ''ای شب'' تحریر کیا۔ درحقیقت منظومہ ''قصۂ رنگ پریدہ'' اور کسی حد تک قطعہ ''ای شب'' خود نیمایوشیج کی اپنی دردناک کہانیاں ہیں۔ پھر انھوں نے 1928ء میں اپنا معروف قطعہ ''افسانہ'' تحریر کیا۔ یہ ایک طویل نظم ہے جو پانچ پانچ مصرعوں کے 128 بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند کا اول وسوم اور دوم و چہارم مصرع آپس میں ہم قافیہ ہیں جبکہ پانچواں مصرع آزاد ہے۔ یہ قطعہ بھی داستان کی صورت میں شروع ہوتا ہے:

در شب تیرہ دیوانہ ای کو
دل بہ رنگی گریزان سپردہ
دردرہ ی سرد و خلوت نشستہ
ھمچو ساقۂ گیاھی فسردہ
می کند داستانی غم آور

گویا یہ ایک دیوانے کے غم کی داستان ہے جو نیما نے اپنے اشعار میں بیان کی ہے۔ قطعہ ''افسانہ'' کے بعد نیمایوشیج نے کئی منظومے اور قطعات تحریر کیے۔ مثلاً خانوادۂ یک سرباز، بزملاحسن، پرندۂ منزوی، خروس و بوقلمون، عموجب اور میرداماد وغیرہ۔ یہ سب اشعار بھی نیما نے کسی نہ کسی کہانی یا داستان کی صورت میں پیش کیے ہیں۔ 1937ء میں انھوں نے قطعہ ''ققنوس'' شاعری کے نئے انداز میں تحریر کر کے سبک ''شعرنو'' کا آغاز کیا۔ یہ قطعہ بھی ایک افسانوی پرندے کی کہانی ہے۔ ققنوس یا قفنس یونانی کلمہ "Kuknos" سے بنا عربی لفظ ہے۔ یہ ایک افسانوی پرندے کا نام ہے جس کی چونچ میں بہت سے سوراخ ہیں اور وہ عجیب وغریب آوازیں نکالتا ہے۔ یہ پرندہ ہزار سال تک زندہ رہتا ہے اور جب وہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں پہنچتا ہے تو بہت سی لکڑیاں اکٹھی کر کے ان پر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے پر تیزی سے پھڑ پھڑاتا ہے یہاں تک کہ ان لکڑیوں میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ اسی آگ میں جل کر مر جاتا ہے۔ اس آگ کی راکھ سے انڈا نکلتا ہے اور اس انڈے سے ایک اور ققنوس نکلتا ہے۔ قطعہ ''ققنوس'' بھی ایک تمثیلی کہانی ہے جس میں شاعر نے اپنی سرگذشت کنایہ کی صورت میں بیان کی ہے:

ققنوس، مرغ خوش خوان، آوازۂ جھان
آوارہ ماندہ از وزش بادھای سرد
برشاخ خیزران
بنشستہ است سرد

اس کے بعد مرغ غم، غراب، وای برمن، خواب زمستانی اور مرغ آمین بھی نیمایوشیج کے ایسے تمثیلی قطعات ہیں جن میں نیما نے کوئی نہ کوئی داستان بیان کی ہے۔ گویا اس کی شاعری کا ایک نمایاں پہلو اس کا کسی کہانی یا داستان کی صورت میں شعر کہنا ہے۔

(e) Aie Aadamha

آی آدمھا

فارسی اشعار

آی آدمھا کہ بر ساحل نشستہ شاد و خندانید!
یك نفر در آب دارد می سپارد جان
یك نفر دارد کہ دست و پای دائم می زند
روی این دریای تند و تیرہ و سنگین کہ می دانید
آن زمان کہ مست ہستید از خیال دست
یا بیدن بہ دشمن
آن زمانہ کہ پیش خود بیہودہ پندارید
کہ گرفتستید دست ناتوانی را
تا توانایی بھتر را پدید آرید
آن زمان کہ تنگ می بندید
بر کمرھاتان کمر بند
درچہ ھنگامی بگویم من؟
یك نفر در آب دارد می کُند بیھودہ جان قربان
آی آدمھا کہ بر ساحل بساط دلگشا دارید!
نان بہ سفرہ، جامہ تان برتن
یك نفر در آب می خواند شمارا
موج سنگین رابہ دست خستہ می کوبد
باز می دارد دھان با چشم از وحشت دریدہ

اردو ترجمہ

اے انسانو جو ساحل پر خوش اور ہنستے ہوئے بیٹھے ہو
ایک شخص پانی میں مر رہا ہے
ایک شخص مسلسل ہاتھ پاؤں مار رہا ہے
اس تند اور تاریک اور سنگین سمندر پر جسے تم جانتے ہو
اس وقت جب تم دشمن تک ہاتھ پہنچنے کے خیال سے
مست ہو
اس وقت جب تم اپنے ذہن میں فضول گمان کرتے ہو
کہ تم نے ایک کمزور (دشمن) کا ہاتھ پکڑ لیا
تا کہ بہتر طاقت حاصل کر سکو
اس وقت جب تم کس کے باندھتے ہو
اپنی کمروں پر کمر بند (پیٹی)
میں کس وقت کہوں؟
ایک شخص پانی میں فضول جان قربان کر رہا ہے
اے انسانو جو ساحل پر دلکش بساط رکھتے ہو!
تمہارے دسترخوان پر روٹی، جسم پر لباس ہے
ایک شخص پانی میں تمہیں بلا رہا ہے
سنگین موج کو تھکے ہاتھوں سے پیٹ رہا ہے
وحشت سے پھٹی آنکھوں کے ساتھ منہ کھلا رکھتا ہے

سایه هاتان را ز راه دور دیده	اس نے دور سے تمہارے سایوں کو دیکھا ہے
آب را بلعیده در گود کبود و هر زمان بی تابیش افزون	اس نے گہرے نیلے عمیق سمندر کا پانی نگلا ہے اور اس کی بیتابی ہر لحظہ بڑھ رہی ہے
می کند زین آبها بیرون	ان پانیوں سے وہ باہر نکالتا ہے
گاه سر، گه پا	کبھی سر، کبھی پاؤں
آی آدمها!	اے انسانو!
او ز راه دور این کهنه جهان را باز می پاید	وہ دور سے اس پرانی دنیا پر دوبارہ نظریں جماتا ہے
می زند فریاد و امید کمك دارد	وہ چلاتا ہے اور مدد کی امید رکھتا ہے
آی آدمها که روی ساحل آرام در کار تماشایید!	اے انسانو جو ساحل پر سکون سے نظارہ کرنے میں مشغول ہو
موج می کوبد به روی ساحل خاموش	موج خاموش ساحل سے ٹکراتی ہے
پخش می گردد چنان مستی به جای افتاده بس مدهوش	دور دراز جگہ پر اتنی مست اور مدہوش پھیل جاتی ہے
می رود نعره زنان وین بانگ باز از دور می آید	نعرہ لگاتی جاتی ہے اور یہ پکار پھر دور سے آتی ہے
"آی آدمها"	"اے انسانو"
و صدای باد هر دم دلگزاتر	اور ہوا کی آواز ہر لحظہ زیادہ دلخراش
در صدای باد بانگ او رهاتر	ہوا کی آواز میں اس کی پکار اور زیادہ مدہم
ازمیان آبهای دور و نزدیك	دور اور نزدیک کے پانیوں کے درمیان سے
باز درگوش این نداها	کانوں میں پھر یہ پکاریں
"آی آدمها"	"اے انسانو"

الفاظ معانی:

نشستن: بیٹھنا، شاد: خوش، خندان: ہنستے ہوئے، یك نفر: ایک شخص، جان سپردن: جان دینا، دست و پا: ہاتھ اور پاؤں، دائم: مسلسل، تیرہ: تاریک،

پنداشتن: گمان کرنا، بر کمر هاتان: اپنی کمروں پر، چه هنگامی: کس وقت، بیهوده: فضول، دلگشا: دلکش، سفره: دسترخوان، جامه: لباس، خسته: تھکا ہوا، دهان: منہ، دریده: پھٹی ہوئی، بلعیدن: نگلنا، گود: عمیق، کبود: گہرا نیلا، افزون: زیادہ، گه: کبھی، پا: پاؤں، باز: دوبارہ، کمک: مدد، رهاتر: زیادہ مدہم، گوش: کان۔

تشریح:

چودہویں صدی ہجری میں تحریک مشروطیت کی جنبش، ایران میں معاشرتی زندگی میں رونما ہونے والی تبدیلیوں اور ایرانی شاعروں کی یورپ اور دنیا کے دیگر شاعروں کی سبکوں سے آشنائی کے باعث ایک نئی سبک وجود میں آئی۔ جس کے نتیجہ میں شعر سرائی میں زبان، فکر اور ادبیات کی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جدید شاعری میں اشعار کے مصرعے برابر نہیں بلکہ چھوٹے بڑے لکھے جانے لگے۔ اس سبک کے بانی کا نام نیما یوشیج ہے۔ اس لیے اسے ''سبک نیمائی'' بھی کہتے ہیں۔

نیما یوشیج کی یہ نظم ''آی آدمھا'' ان کی جدید شاعری کا خوبصورت نمونہ ہے۔ انہوں نے 1946ء میں ایک علمی و ادبی سیمینار کے دوران یہ نظم پڑھی، اس نظم میں نیما یوشیج نے معاشرتی زندگی کے اہم پہلو ''انسانوں کی بے حسی'' کو نہایت خوبصورت داستانی انداز میں پیش کیا ہے۔ سمندر میں غرق ہوتے ایک شخص کی مدد کے لیے پکار اور ساحل سمندر پر تفریح کرنے والوں کی بے حسی کو نیما یوشیج یوں بیان کرتے ہیں کہ ساحل سمندر پر موجود لوگوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں اے ساحل پر خوش اور ہنستے مسکراتے لوگو ایک شخص پانی میں ڈوب کر مر رہا ہے وہ جان بچانے کے لیے مسلسل ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اس تند و تیز اور تاریک سمندر میں اپنی جان بچانے کی تگ و دو کر رہا ہے۔ نیما یوشیج ساحل سمندر پر موجود لوگوں کو یاد دلاتے ہیں کہ جب تم کسی دشمن کا ہاتھ پکڑ لیتے ہو یا اسے دبوچ لیتے ہو تو اس خیال سے تمہیں بہت خوشی میسر آئی ہے کہ تم نے ایک دشمن کو پکڑ لیا۔ مگر اب کسی ڈوبتے شخص کی جان بچانے کے لیے تم اس کا ہاتھ پکڑنے کو تیار نہیں۔ کمزور دشمن پر غلبہ پا کر تمہیں اپنے طاقتور ہونے کی خوشی ملتی ہے لیکن کمزور درد مند کا ہاتھ تھامنا تمہیں گوارا نہیں۔

وہ مزید کہتے ہیں اے انسانو ساحل سمندر پر تمہیں خوشی اور نشاط کے اسباب مہیا ہیں۔ تمہارے دسترخوان پر روٹی موجود ہے اور تمہارے جسم پر کپڑے موجود ہیں۔ ایک شخص جو پانی میں چلا کر اپنی جان بچانے کے لیے تمہیں پکار رہا ہے۔ اپنی وحشت زدہ آنکھوں اور کھلے منہ کے ساتھ مدد کے لیے تم پر نظریں جمائے ہوئے ہے۔ اس کی بے تابی ہر لحظہ بڑھ رہی ہے۔ وہ گہرے نیلے عمیق سمندر کا پانی نگل چکا ہے۔ وہ پانی سے کبھی سر باہر نکالتا ہے اور کبھی پاؤں، وہ چلاتا ہے مدد کی امید رکھتا ہے۔ مگر کوئی اس کی مدد کو نہیں پہنچتا اور آہستہ آہستہ اس ڈوبنے والے کی آواز اور پکار دھیمی پڑ جاتی ہے۔ آخر میں شاعر یہ کہہ کر کہ ''دور اور نزدیک کے پانیوں کے درمیان کانوں میں پھر یہ آوازیں ''اے انسانو'' آتی ہیں یہ پیغام دینا چاہتا ہے کہ یہاں معاشرے کا ایک نہیں بے شمار لوگ مدد کے منتظر ہیں مگر معاشرہ بے حسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان پر کوئی توجہ نہیں دیتا کیونکہ انسانوں کو اپنی خوشیاں زیادہ عزیز ہوتی ہیں۔

(D) Sub-continent's Poetry

برصغیر کی شاعری

(a) Ghazals of Amir Khusrou

غزلیات امیر خسرو

(۱)

۱۔ ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
چون کنم دل به چنین روز ز دلدار جدا

۲۔ ابر و باران و من و یار ستاده به وداع
من جدا گریه کنان، ابر جدا، یار جدا

۳۔ سبزه نوخیز و هوا خرّم و بُستان سرسبز
بلبلِ روی سیه مانده ز گلزار جدا

٤۔ ای مرا در تهِ هر موی به زلفت بندی
چه کنی بند ز بندم همه یکبار جدا

۵۔ دیده از بهرِ تو خونبار شد، ای مردُمِ چشم
مردمی کن، مشو از دیدهٔ خونبار جدا

٦۔ نعمتِ دیده نخواهم که بمانَد پس ازاین
مانده چون دیده ازان نعمتِ دیدار جدا

۷۔ دیده صد رخنه شد از بهرِ تو، خاکی ز رهت
زود برگیر و بکُن رخنهٔ دیدار جدا

۸۔ میدهم جان مرو از من، وگرت باور نیست
پیش ازان خواهی، بُستان و نگهدار جدا

۹۔ حسنِ تو دیر نپاید چو ز خسرو رفتی
گل بسی دیر نمانَد چو شد از خار جدا

الفاظ معانی:

ابر: بادل، مسی بارد: برس رہا ہے، چون کنم: میں کیسے کروں، گریہ کنان: روتے ہوئے، نوخیز: تازہ اگا، بستان: باغ، روی سیہ: بدنصیب، مردم چشم: آنکھ کی پتلی، مشو: مت ہو، مرو: مت جا، پیش از ان: اس سے پہلے، نگہدار: دیکھ بھال کرنے والا، خار: کانٹا۔

ترجمہ:

1۔ بادل برس رہا ہے اور میں یار سے جدا ہو رہا ہوں۔ ایسے دن میں دلدار سے دل کیسے جدا کروں۔

2۔ بادل اور بارش اور میں اور یار جدا ہونے کے لیے کھڑے ہیں۔ میں جدا روتے ہوئے، بادل جدا، یار جدا۔

3۔ سبزہ تازہ اگا اور موسم خوشگوار اور باغ سرسبز (ہے)۔ بدنصیب بلبل باغ سے جدا رہ گیا ہے۔

4۔ اے وہ کہ میرے ہر بال کی جڑ تیری زلف کے ساتھ گرہ کھائے ہوئے ہے۔ تو ایک ہی دفعہ میری سب گرہوں کو جدا کیوں کرتا ہے۔

5۔ اے میری آنکھ کی پتلی میری آنکھیں تیرے لیے خون بار ہو گئیں۔ مروت کر، خون بار آنکھوں سے جدا مت ہو۔

6۔ اس کے بعد میں نہیں چاہتا کہ آنکھوں کی نعمت میرے پاس رہے کیونکہ آنکھیں دیدار کی نعمت سے جدا رہ گئی ہیں۔

7۔ سوراخ رکھنے والی آنکھیں تیرے لیے تیرے راستے کی خاک بن گئیں۔ جلد لے جا اور دیدار کے رخنہ کو جدا کر دے۔

8۔ میں جان دے دوں گا مجھ سے دور مت جا اور اگر تجھے یقین نہیں تو تو اس سے پہلے باغ اور دیکھ بھال کرنے والے کو جدا کرنا چاہتا ہے۔

9۔ چونکہ تو خسرو سے دور چلا گیا، تیرا حسن دیر تک نہیں رہے گا۔ پھول جب کانٹے سے جدا ہو جائے تو زیادہ دیر تک نہیں رہتا۔

تشریح:

امیر خسرو کی یہ غزل منظر نگاری کا خوبصورت شاہکار ہے۔ پہلے شعر میں امیر خسرو نے برسات کے موسم میں اپنے یار سے جدا ہونے کی منظر کشی نہایت دلکش انداز میں کی ہے۔ برسات کا موسم پیار اور محبت کا موسم ہوتا ہے۔ ایسے موسم میں عاشق اپنے محبوب کی قربت کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ ایسے موسم میں عاشق اپنے محبوب سے جدا ہو رہا ہے اور یہ جدائی اس کے لیے نہایت تکلیف دہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایسے برسات کے دن میں اپنا دل محبوب سے کیسے جدا کروں۔ دوسرے شعر میں امیر خسرو نے جدائی کا منظر خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ بادل کے برسنے کو اس کا رونا قرار دیتے ہیں جیسے بارش کی بوندیں بادل کو الوداع کہتے ہوئے زمین کی طرف آ رہی ہیں اسی طرح شاعر کا محبوب اسے الوداع کہہ رہا ہے۔ امیر خسرو کہتے ہیں کہ میں، بادل اور میرا محبوب تینوں روتے ہوئے جدا کھڑے ہیں کیونکہ تینوں کا غم ایک ہے اور وہ ہے جدائی۔ تیسرے شعر میں امیر خسرو بہار کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں سبزہ تازہ اگا ہے، موسم خوشگوار ہے اور باغ سرسبز ہے۔ بہار کے موسم میں عاشق بھنورے اور بلبل پھولوں کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ امیر خسرو اپنے لیے بلبل کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بہار کے مستی بھرے اس موسم میں بدنصیب بلبل باغ سے جدا رہ گیا ہے اور اپنے محبوب کی قربت نہیں پا سکتا۔ چوتھے شعر میں امیر خسرو اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں اے وہ کہ میرے ہر بال کی جڑ تیری زلف کے ساتھ گرہ کھائے ہوئے ہے۔ اے محبوب تو ایک ہی دفعہ ان سب گرہوں کو علیحدہ علیحدہ کیوں کرتا ہے۔ مراد یہ ہے میں جو اس قدر تم سے وابستہ ہوں تم مجھ سے یوں اچانک جدا نہ ہو۔ پانچویں شعر میں امیر خسرو محبوب سے کہتے ہیں کہ اے میری آنکھ کی پتلی، تیرے خاطر میری آنکھیں آنسو کی بجائے خون برسا رہی ہیں تو مروت سے کام لے اور ان خونبار آنکھوں سے جدا مت ہو۔ اس شعر میں شاعر نے اپنے محبوب کے لیے آنکھ کی پتلی کا استعارہ استعمال کیا ہے اور آنکھ کی پتلی کی اہمیت سے سب آگاہ ہیں کہ انسانی آنکھ پتلی کے ذریعے دیکھتی ہے ورنہ آنکھ دیکھنے سے قاصر رہتی ہے چھٹے شعر میں امیر خسرو فرماتے ہیں کہ جب میری آنکھوں کو میرے محبوب کا دیدار میسر نہ رہے تو پھر

مجھے یہ آنکھیں نہیں چاہیں۔ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آنکھیں نعمت ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ نعمت نہیں چاہیے۔ اس سے عاشق کے عشق کی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کو کس قدر چاہتا ہے۔ ساتویں شعر میں امیر خسرو کہتے ہیں کہ یہ سوراخ اور رکاوٹ رکھنے والی آنکھیں اب تیرے راستے کی خاک بن گئی ہیں اور تیرے دیدار کی منتظر ہیں۔ ان ترسی آنکھوں کو جلد اپنا دیدار دکھا اور اگر کوئی رخنہ ہے تو اس کو دور کر۔ آٹھویں شعر میں وہ محبوب سے کہتے ہیں کہ تو مجھ سے دور مت جا اور اگر ایسا ہوا تو میں جان دے دوں گا۔ اس شعر میں شاعر نے استعارہ نہایت خوبصورت انداز میں استعمال کیا ہے۔ محبوب کے حسین چہرے اور خدوخال کے لیے باغ کا استعارہ استعمال کیا ہے جب کہ خود یعنی عاشق کے لیے اس باغ کی دیکھ بھال کرنے والے کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اگر تمہیں میری اس بات پر یقین نہیں کہ میں تمہاری جدائی میں جان دے دوں گا تو پھر تو اس باغ کو اس کے دیکھ بھال کرنے والے سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس غزل کے آخری شعر میں امیر خسرو ایک خوبصورت مثال کے ذریعے محبوب کو سمجھاتے ہیں کہ اگر تو خسرو سے جدا ہو کر چلا گیا تو پھر تمہارا حسن زیادہ دیر برقرار نہیں رہے گا بالکل ایسے جیسے پھول اپنے کانٹے سے جدا ہو کر زیادہ دیر تر و تازہ نہیں رہتا اور مرجھا جاتا ہے۔

(۲)

۱۔ دلم در عاشقی آوارہ شد آوارہ تر بادا
تنم از بیدلی بیچارہ شد بیچارہ تر بادا

۲۔ بہ تاراجِ عزیزان زلفِ تو عیاریئی دارد
بہ خونریز غریبان چشمِ تو عیارہ تر بادا

۳۔ رُخت تازہ ست و بہرِ مردنِ خود تازہ تر خواہم
دلت خارہ است و بہرِ کشتن من خارہ تر بادا

۴۔ گر، ای زاہد، دعایِ خیر میگوئی مرا این گو
کہ آن آوارہ از کویِ بتان آوارہ تر بادا

۵۔ ہمہ گویند کز خونخواریش خلقی بہ جان آمد
من این گویم کہ بہرِ جان مِن خونخوارہ تر بادا

۶۔ دلِ من پارہ گشت از غم نہ زانگونہ کہ بہ گردد
وگر جانان بدین شاد است، یارب، پارہ تر بادا

۷۔ چو با تردامنی خو کرد خسرو با دو چشمِ تر
بہ آبِ چشمِ پاکان دامنش ہموارہ تر بادا

الفاظ معانی:

تنم: میرا جسم، تاراج: لوٹ مار، عیاریئی: دھوکہ بازی، بہرِ مردن: مرنے کے لیے، خارہ: سخت پتھر، کوی بتان: محبوبوں کی گلی، ہمہ گویند: سب کہتے ہیں
بہ جان آمدن: تنگ آنا، بہ: بہتر، بدین: اس سے، خو کردن: عادت کرنا۔

ترجمہ: میرا جسم بے دلی سے بیچارہ ہو گیا (خدا کرے) اور زیادہ بیچارہ ہو جائے۔

1۔ میرا دل عاشقی میں آوارہ ہو گیا (خدا کرے) اور آوارہ ہو جائے۔

2۔ پیاروں کو لوٹنے کے لیے تیر زلف عیاری رکھتی ہے۔ پردیسیوں کا خون بہانے کے لیے (خدا کرے) تیری آنکھیں اور زیادہ عیار ہو جائیں۔

3۔ تیرا چہرہ تروتازہ ہے اور میں اپنے مرنے کے لیے اور تروتازہ چاہتا ہوں۔ تیرا دل سخت پتھر ہے اور (خدا کرے) میرے قتل کرنے کے لیے اور زیادہ سخت پتھر بن جائے۔

4۔ اے زاہد اگر تو دعائے خیر کرتا ہے تو مجھے یہ دعا دے کہ محبوبوں کی گلی کا یہ آوارہ (عاشق) (خدا کرے) اور زیادہ آوارہ ہو جائے۔

5۔ سب کہتے ہیں کہ اس کی خونخواری سے مخلوق بہت تنگ آ گئی۔ میں یہ کہتا ہوں کہ میری جان کے لیے (خدا کرے) اور زیادہ خونخوار ہو جائے۔

6۔ میرا دل غم سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا نہ اس طرح کو بہتر ہو جائے اور اگر محبوب اس پر خوش ہے تو (خدا کرے) زیادہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

7۔ جب خسروؔ نے تر آنکھوں کے ساتھ تر دامنی کی عادت کر لی تو (خدا کرے) اس کا دامن پاک لوگوں کے آنکھوں کے پانی سے اور زیادہ تر رہے۔

تشریح:

امیر خسرو کی اس خوبصورت غزل کے پہلے شعر میں انہوں نے کہا ہے کہ میرا دل عاشقی میں آوارہ ہو گیا مگر یہ عشق کی آورگی اس قدر اچھی ہے کہ خدا کرے میں اور زیادہ آوارہ ہو جاؤں۔ مراد یہ ہے کہ میں اور زیادہ عاشق ہو جاؤں۔ اسی طرح میرا جسم بے دلی کی وجہ سے بیچارہ ہو گیا۔ عام طور پر عشق میں مبتلا ہو کر عاشق اپنا دل اپنے محبوب کو دے بیٹھتا ہے تو اس کے دل میں بے دلی کی کیفیت جنم لیتی ہے اور یہ بے دلی عاشق کو بے چارہ کر دیتی ہے۔ اس کے باوجود یہ بیچارگی عاشق کو اس قدر عزیز ہوتی ہے کہ وہ اپنے اور زیادہ بیچارہ ہونے کی دعا کرتا ہے۔ امیر خسرو دوسرے شعر میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ پیاروں کو لوٹنے کے لیے تیری زلف عیاری سے کام لیتی ہے خدا کرے تیری آنکھ پردیسیوں کا خون بہانے کے لیے اور زیادہ عیار ہو جائے۔ یعنی تیری آنکھ عاشقوں کو اور زیادہ چالا کی دکھائے اور ان کو اپنے عشق میں گرفتار کرے۔

تیسرے شعر میں وہ محبوب سے کہتے ہیں کہ تیرا چہرہ تروتازہ ہے مگر میں مرنے کے لیے اور بھی تروتازہ چہرہ چاہتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ میں اور زیادہ تروتازہ چہرے سے میں اور زیادہ عشق میں مبتلا ہو جاؤں گا اور جب تمہارا وصال نصیب ہوگا تو پھر موت یقینی ہے۔ خسرو مزید کہتے ہیں کہ اے محبوب تیرا دل سخت پتھر ہے اور تجھے کسی پر رحم نہیں آتا۔ مگر میری خواہش ہے کہ مجھے قتل کرنے کے لیے تیرا دل اور بھی سخت ہونا چاہیے تا کہ تجھے مجھ پر کسی قسم کا رحم نہ آئے اور تو مجھے قتل کر کے ہجر کے اس دکھ سے نجات دلا دے۔ چوتھے شعر میں امیر خسرو زاہد کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے زاہد اگر تو مجھے کوئی دعائے خیر دینا چاہتا ہے تو پھر میرے لیے یہ دعا کر کہ میں محبوبوں کی گلی کا اور زیادہ آوارہ ہو جاؤں۔ مراد یہ ہے کہ محبوب کے عشق میں مجھے آوارگی ملی ہے اور اگر عشق کا انجام آوارگی ملنا ہے تو میں اور زیادہ آوارہ ہونے کی آرزو رکھتا ہوں۔ تا کہ عشق میں میرا مقام بڑھ جائے۔ اگلے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ لوگ میرے محبوب کا شکوہ کرتے ہیں کہ وہ ظالم، بے رحم اور خونخوار ہے۔ لوگ اس کے ظلم وستم سے تنگ آ چکے ہیں اور نجات چاہتے ہیں۔ مگر میری سوچ ان لوگوں کے برعکس ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا محبوب اور زیادہ خونخوار ہو جائے اور زیادہ ظلم اور بربریت کا مظاہرہ کرے۔ کیونکہ محبوب کے ہاتھوں دکھ اور تکلیف اٹھانے میں ہی مجھے لطف آتا ہے۔ چھٹے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ غم ہجر میں میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس طرح سے ٹکڑے ٹکڑے ہوا کہ اب بہتر نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے پر دکھی نہیں ہوں بلکہ میری خدا سے یہ دعا ہے کہ میرے اس دل کے اور زیادہ ٹکڑے ہو جائیں۔ غزل کے مقطع میں امیر خسرو فرماتے ہیں کہ اے محبوب تیرے عشق اور فراق میں خسرو کی آنکھیں تر رہتی ہیں۔ مسلسل آنسو جاری رہنے کے باعث خسرو کا دامن بھی تر رہتا ہے۔ مگر عشق میں بہنے والے یہ آنسو مقدس ہیں۔ میری

دعا ہے کہ میرا دامن نیک لوگوں کے آنسوؤں سے تر رہے کیونکہ نیک لوگوں کے آنسو بھی عاشقوں کے آنسوؤں کی طرح مقدس ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ نیک لوگ خدا کی یاد میں آنسو بہاتے ہیں۔

(۳)

۱۔ خبرم رسید امشب کہ نگار خواہی آمد
سر من فدای راہی کہ سوار خواہی آمد

۲۔ ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف
بہ امید آن کہ روزی بہ شکار خواہی آمد

۳۔ کششی کہ عشق دارد، نگذاردت بدین سان
بہ جنازہ گر نیایی، بہ مزار خواہی آمد

۴۔ بہ لبم رسیدہ جانم، تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازان کہ من نمانم بہ چہ کار خواہی آمد

۵۔ بہ یک آمدن ربودی دل و دین و جان خسرو
چہ شود اگر بدین سان دو سہ بار خواہی آمد

الفاظ معانی:

رسیدن: پہنچنا، امشب: آج رات، نگار: محبوب، آہوان: ہرن (جمع)، نہادن: رکھنا، نگذاردت: تجھے نہیں چھوڑے گی، بدین سان: اس طرح، تو بیا: تو آ، زندہ ماندن: زندہ رہنا، چہ کار: کس کام، ربودن: لوٹنا، چہ شود: کیا ہوگا۔

ترجمہ:

1۔ مجھے آج رات خبر ملی کہ محبوب تو آئے گا۔ میرا سر اس راستے پر قربان جس سے تو سوار ہو کر آئے گا۔

2۔ صحرا کے سارے ہرنوں نے اپنے سر اس امید پر ہتھیلی پر رکھے ہیں کہ ایک دن تو شکار کو آئے گا۔

3۔ وہ کشش جو عشق رکھتا ہے تمہیں اس طرح نہیں رہنے دے گی۔ اگر تو جنازے پر نہ آیا تو مزار پر آئے گا۔

4۔ میری جان لبوں پر آگئی ہے تو آ تا کہ میں زندہ رہ سکوں جب میں ہی نہ رہوں تو اس کے بعد تو کس کام سے آئے گا۔

5۔ تو نے ایک بار آنے سے خسرو کا دل، دین اور جان لوٹ لیے۔ اگر اس طرح تو دو تین مرتبہ آیا تو کیا ہوگا۔

تشریح:

اس چھوٹی سی مگر نہایت مترنم غزل کے پہلے شعر میں امیر خسرو کہتے ہیں کہ آج رات مجھے خبر ملی ہے کہ محبوب تو آئے گا۔ جس راستے سے تیری سواری گزر کر آئے گی اس راستے پر میرا سر قربان۔ اس شعر میں شاعر نے اپنے عشق کی شدت کا اظہار کیا ہے کہ وہ اس راستے پر اپنا سر قربان کرنے کو تیار ہے جس پر محبوب

سوار ہوکر آئے۔دوسرے شعر میں امیر خسرو نے کہا ہے کہ میں تو کیا صحرا کے سارے ہرن اس امید پر سر اپنی ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں کہ محبوب تو کسی دن شکار کرنے آئے گا۔اپنی جان ہر کسی کو پیاری ہوتی ہے مگر محبوب کے عشق میں انسان تو کیا جنگلی جانور بھی اپنی جان کی قربانی دینے کو سعادت خیال کرتے ہیں۔ تیسرے شعر میں امیر خسرو محبوب سے کہتے ہیں کہ میرے عشق کی کشش تجھے ایسے سکون سے نہیں رہنے دے گی۔اگر میں تمہارے عشق میں مرگیا اور تو میرے جنازے پر نہ آیا تو مزار پر ضرور آئے گا۔میرے عشق کی کشش تجھے وہاں کھینچ لائی گی۔اس شعر میں اس سمت بھی اشارہ ہے کہ ممکن ہے محبوب لوگوں میں بدنام ہو جانے کے خوف سے جنازے پر سب لوگوں کے سامنے نہ آئے مگر وہ اکیلے میں مزار پر ضرور آئے گا۔اگلے شعر میں خسرو اپنی حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری جان لبوں پر آ گئی ہے یعنی میری روح نکلنے کو ہے۔تو آ جا تا کہ مجھے پھر سے زندگی مل جائے۔اگر تو نہ آیا تو میں مرجاؤں گا اور میرے مرجانے کے بعد تیرا آنا کس کام کا ہوگا۔جب میں ہی نہ رہوں تو پھر تو کس لیے آئے گا۔اس غزل کے آخری شعر میں امیر خسرو محبوب سے کہتے ہیں کہ تو نے ایک بار آ کر خسرو کا دل، دین اور جان لوٹ لیے۔یعنی تیرے ایک بار آنے پر میں سب کچھ لٹا بیٹھا ہوں۔اگر تو دو تین مرتبہ آیا تو پھر کیا ہوگا۔اس شعر میں امیر خسرو نے محبوب کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔

(٤)

١۔ دل ز تن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز

٢۔ آشکارا سینہ ام بشگافتی
ہمچنان در سینہ پنہانی ہنوز

٣۔ ملکِ دل کردی خراب از تیغِ کین
وندراین ویرانہ سلطانی ہنوز

٤۔ ہر دو عالم قیمتِ خود گفتہ ای
نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

٥۔ خونِ کس یارب نگیرد دامنت
گرچہ در خون ناپشیمانی ہنوز

٦۔ جور کردی سالہا چون کافراں
بھر رحمت نا مسلمانی ہنوز

٧۔ ما ز گریہ چون نمک بگداختیم
تو بہ خندہ شکرستانی ہنوز

٨۔ جان ز بندِ کالبد آزاد گشت
دل بہ گیسوی تو زندانی ہنوز

۹۔ پیری و شاهد پرستی ناخوش است
خسروا، تا کی پریشانی هنوز

الفاظ معانی:

بردن: لے جان، هنوز: ابھی تک، شگافتن: پھاڑنا، همچنان: اسی طرح، تیغ کین: دشمنی کی تلوار، ارزان: سستا، جور: ظلم، چون: کی طرح، بهر رحمت: رحمت کے لیے، گریه: رونا، گداختن: پگھلانا، خنده: ہنسی، کلاله: بال، پیری: بڑھاپا، شاهد پرستی: معشوق پرستی۔

ترجمہ:

1۔ تو جسم سے جان لے گیا اور ابھی تک جان میں ہے تو نے درد دیئے اور ابھی تک تو علاج ہے۔

2۔ تو نے میرا سینہ آشکارا چیر دیا۔ ابھی تک اسی طرح تو میرے سینے میں چھپا ہے۔

3۔ تو نے دشمنی کی تلوار سے دل کا ملک خراب کر دیا اور اس ویرانے میں ابھی تک تو بادشاہ ہے۔

4۔ تو نے اپنی قیمت دونوں جہان بتائی ہے۔ قیمت بڑھا کیونکہ ابھی تک تو سستا ہے۔

5۔ یارب، تیرے دامن پر کسی کا خون نہ آئے اگرچہ خون کرنے میں ابھی تک تو پشیمان نہیں ہے۔

6۔ تو نے سالوں کافروں کی طرح ظلم کیا۔ رحم کرنے کے لیے تو ابھی تک نامسلمان ہے۔

7۔ رونے سے ہم نمک کی طرح پگھل گئے۔ تو ابھی تک ہنسی سے شکرستان ہے۔

8۔ جان جسم کی قید سے آزاد ہو گئی۔ دل ابھی تک تیرے گیسو کی قید میں ہے۔

9۔ بڑھاپا اور معشوق پرستی اچھی نہیں ہے۔ خسرو تو ابھی کب تک پریشان ہے۔

تشریح:

اس خوبصورت غزل کے پہلے شعر میں امیر خسرو محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تو میرے جسم سے میرا دل نکال کر لے گیا۔ مراد یہ ہے کہ جب سے میں تیرے عشق میں مبتلا ہوا میرا دل میرے بس میں نہیں رہا بلکہ وہ صرف تمہارا ہو کر رہ گیا ہے۔ اس کے باوجود کہ تو میرے جسم سے میرا دل لے گیا تو ابھی تک میری روح میں سمایا ہے۔ جدائی کے درد وغم تو نے دیئے ہیں مگر پھر بھی ابھی تک ان دردوں کا علاج بھی تم ہی ہو اور وہ علاج تمہارا وصال پا لینا ہے۔ عاشق عام طور پر اپنا محبوب کے ناروا سلوک اور بے وفائی کا رونا روتے دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ عشق کی معراج ہے کہ کوئی عاشق اپنے محبوب کے ظلم وستم کے عوض اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک روا رکھے۔ دوسرے شعر میں امیر خسرو محبوب سے کہتے ہیں کہ تو نے آشکارا میرا سینہ چاک کر دیا مگر اس کے باوجود تو ابھی تک میرے سینے میں چھپا ہے مراد یہ ہے کہ تو جتنا بھی ظلم کرے ہمارے عشق میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اس شعر میں متضاد الفاظ، آشکارا اور پنہاں استعمال کر کے امیر خسرو نے صنعت تضاد کو خوبصورتی سے استعمال کیا ہے۔ تیسرے شعر میں وہ محبوب سے کہتے ہیں کہ تو نے دشمنی کی تلوار سے دل کا ملک خراب کر دیا اور تباہ کر دیا۔ مگر اس ویرانے میں یعنی دل کے ویرانے میں ابھی بھی تو بادشاہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ تو نے میرے دل کو تہ تیغ کر دیا مگر ابھی تک میں تجھے اپنے دل کا سلطان مانتا ہوں۔ اگلے شعر میں امیر خسرو محبوب سے کہتے ہیں کہ تو نے اپنی قیمت دونوں جہان بتائی ہے اور تو اپنے آپ کو بہت قیمتی سمجھتا ہے مگر میری نظر میں تیری یہ قیمت بہت کم ہے اور تو دونوں جہانوں سے زیادہ قیمت رکھتا ہے۔ پانچویں شعر میں امیر خسرو فرماتے ہیں اے محبوب میری دعا ہے کہ تیرے دامن پر کسی کا خون نہ آئے۔ مراد یہ ہے کہ کسی کو قتل کرنے کا الزام تمہاری گردن پر نہ آئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ تو ابھی تک قتل کرنے پر نادم یا پشیمان نہیں ہے۔ یعنی تو نے میرے دل کا خون کیا مگر تجھے اس پر کوئی ندامت نہیں ہے۔ چھٹے شعر میں وہ محبوب سے کہتے ہیں کہ اے محبوب تو نے سالوں کافروں کی طرح ظلم کیا۔ کافروں کی

ہو جاتا ہے۔ تو پھر ان میں خدا کا خوف نہیں ہوتا اور جسے خدا کا خوف نہیں ہوتا وہ سنگ دل اور بے رحم ہو

طرح ظلم کرنے سے مراد یہ ہے کہ کافر خدا کو نہیں مانتے اس لیے ان کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہوتا اور جسے خدا کا خوف نہیں ہوتا وہ سنگ دل اور بے رحم ہو جاتا ہے۔ محبوب سالوں سے بے رحمی سے ظلم کر رہا ہے اور یہ ظلم آج بھی کم نہیں ہوا کیونکہ رحم کے معاملے میں محبوب ابھی تک مسلمان نہیں ہوا یعنی ابھی بھی اس میں خدا خوفی نہیں ہے۔ ساتویں شعر میں امیر خسرو فرماتے ہیں اے محبوب تیرے عشق اور تیری جدائی کے غم میں ہم رو رو کر پگھل گئے ہیں یعنی ایسے پگھل گئے ہیں جیسے نمک پانی میں گرنے سے پگھل جاتا ہے اور محبوب تو آج بھی ہنسی کے ساتھ شکرستان ہے۔ اس شعر میں رونے اور ہنسنے کے متضاد الفاظ لا کر امیر خسرو نے صنعت تضاد استعمال کی ہے۔ لفظ شکرستان کے معنی ہیں ایسی جگہ جہاں شکر ہی شکر ہو۔ شکر یا مٹھاس خوشی کی علامت ہے اس لیے اس شعر کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ہم تیرے غم میں گھل گئے ہیں اور تو ابھی تک خوشیوں سے سرشار ہے۔ آٹھویں شعر میں امیر خسرو کہتے ہیں کہ میری روح جسم کی قید سے رہائی پا گئی مگر میرا دل اب بھی تیری زلف کی قید میں ہے۔ یعنی یہ کہ میرا عشق اتنا زیادہ ہے کہ میں مر کر بھی تمہیں چاہتا ہوں۔ آخری شعر میں امیر خسرو کہتے ہیں کہ بڑھاپے میں معشوق پرستی اچھی بات نہیں ہے۔ کیونکہ بڑھاپے میں عشق پریشانی کا باعث بنتا ہے۔ اے خسرو تو کب تک پریشان ہوتا رہے گا۔ یعنی تو بوڑھا ہو گیا ہے مگر تیرے دل سے ابھی تک عشق باہر نہیں نکلا۔ اسی عشق کی وجہ سے تیرا دل ابھی تک پریشان ہے۔

(۵)

۱۔ هر شب از شوق جامه پاره کُنم
عاشقم عاشقم، چه چاره کُنم

۲۔ گر بر آید مه از گریبانش
دامن از گریه پُر ستاره کُنم

۳۔ از درونم برون نخواهد رفت
گرچه صد جای سینه پاره کُنم

٤۔ خون شد این دل، نگر ز بهرِ جفات
دلِ دیگر ز سنگِ خاره کُنم

۵۔ جرعهٔ گر بیابم از لبِ تو
صوفیان را شراب خواره کُنم

٦۔ چند گوئی که صبر کُن در هجر
گر توانم هزار باره کُنم

۷۔ من همی میرم و تو آبِ حیات
چون توانم ز تو کناره کُنم

۸۔ تو کُنی جور بر دلِ خسرو
من چو بیگانگان نظاره کُنم

الفاظ معانی:

از شوق: جوش سے، جامہ: لباس، پارہ کردن: پھاڑنا، چہ: کیا، مہ: چاند، برآمدن: نکلنا، گریہ: رونا، سنگ خارہ: سخت پتھر، جرعہ: گھونٹ، جور: ظلم۔

ترجمہ:

1۔ میں ہر رات جوش سے لباس پھاڑتا ہوں۔ میں عاشق ہوں، میں عاشق ہوں، کیا علاج کروں۔

2۔ اگر اس کے گریبان سے چاند نکلے تو میں رونے سے دامن ستاروں سے بھرلوں۔

3۔ میرے اندر سے باہر نہیں جائے گا اگر چہ سوجگہوں سے سینہ چاک کروں۔

4۔ دیکھ تیری جفا سے یہ دل خون ہو گیا، میں دوسرا دل سخت پتھر کا لاؤں۔

5۔ اگر میں تیرے ہونٹوں سے ایک گھونٹ پالوں، تو صوفیوں کو شراب خود بنادوں۔

6۔ تو کتنا کہے گا کہ ہجر میں صبر کر، اگر کرسکوں تو ہزار بار کروں۔

7۔ میں مر رہا ہوں اور تو آب حیات ہے۔ میں تجھ سے کنارہ کیسے کرسکتا ہوں۔

8۔ تو خسرو کے دل پر ظلم کرتا ہے۔ میں بیگانوں کی طرح نظارہ کرتا ہوں۔

تشریح:

اس غزل میں امیر خسرو نے اپنے محبوب کے ساتھ اپنے عشق اور اس کی شدت کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ پہلے شعر میں وہ اپنی حالت زار بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں ہر رات عشق کے جوش سے اپنا لباس پھاڑتا ہوں۔ مجھ پر دیوانگی کی یہ حالت اس لیے طاری ہوتی ہے کہ میں عاشق ہوں، میں عاشق ہوں۔ اس دیوانگی کو روکنا میرے اپنے بس میں نہیں ہے۔ میں اس کا کیا علاج کروں، دوسرے شعر میں بھی اپنے عشق کی شدت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اس کے گریبان سے چاند نکلے تو میرے عشق کا یہ عالم ہے کہ میں رورو کہ اپنا دامن ستاروں سے بھرلوں گا۔ تاکہ چاند کے ساتھ ستاروں کا جھرمٹ نکلے۔ تیسرے شعر میں امیر خسرو فرماتے ہیں اگر میں سوجگہوں سے اپنا سینہ چاک کرلوں تو بھی میرا محبوب میرے سینے سے باہر نہیں جائے گا۔ مراد یہ ہے کہ میرا محبوب کچھ اس طرح سے میرے سینے میں ٹھکانہ کر گیا ہے کہ اب اگر اس سینے کو سوجگہ سے چاک بھی کر دیا جائے تو بھی محبوب اس سینے سے باہر نہیں جائے گا۔ چوتھے شعر میں امیر خسرو کہتے ہیں اے میرے محبوب تو دیکھ کہ تیری جفا سے میرا یہ دل خون ہو گیا۔ اب مجھے چاہیے کہ دوسرا دل سخت پتھر کا لے آؤں جو تیری جفاؤں سے خون نہ ہوسکے پانچویں شعر میں وہ فرماتے ہیں کہ اے محبوب اگر میں تیرے ہونٹوں سے ایک گھونٹ لے لوں یعنی اگر میں ایک بار تیرے ہونٹوں کو چوم لوں تو اس کا اس قدر چرچہ کروں کہ صوفیوں کو بھی شراب خوار بنادو۔ وہ بھی چومنے کی خواہش کرنے لگیں۔ مراد یہ ہے کہ صوفیوں کو بھی جو پرہیز گار ہیں اور شراب پینے سے گریز کرتے ہیں انہیں بھی محبوب کے ہونٹوں سے شراب پینی سکھادوں اور شرابی بنادوں۔ چھٹے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ اے محبوب تو مجھے کتنا کہتا ہے کہ میں تیری جدائی پر صبر کروں۔ ایسا کرنا میرے بس میں نہیں۔ اگر ایسا کرنا میرے بس میں ہوتا تو پھر میں تمہارے کہنے پر ایک بار تو کیا ہزار بار صبر کرتا۔ ساتویں شعر میں امیر خسرو اپنے محبوب سے کہتے ہیں کہ میں مر رہا ہوں اور میرے محبوب تو میرے لیے آب حیات ہے۔ یعنی تو میرے لیے ایسا پانی ہے جسے پینے سے مجھے زندگی مل سکتی ہے اس لیے میں تم سے کیسے کنارہ کشی کروں۔ میں اپنی زندگی یعنی تم سے دستبردار کیسے ہو جاؤں۔ غزل کے آخری شعر میں امیر خسرو اپنی حالت زار اور بے بسی کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں کہ اے محبوب تو خسرو کے دل پر ظلم کرتا ہے اور میں بیگانوں کی طرح اپنے ہی دل پر ظلم ہونے کا نظارہ کرتا ہوں۔ یہ بھی عشق کی انتہا ہے کہ کوئی عشق کی وجہ سے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کو بیگانوں کی طرح نظارہ کرے اور یہ کام کوئی عام عاشق نہیں کرسکتا۔

(b) Ghazals of Ghalib

غزلیات غالب دہلوی

(۱)

۱۔ من آن نیم که دگر می توان فریفت مرا
فریبمش که مگر می توان فریفت مرا

۲۔ به حرف ذوق نگه می توان ربود مرا
به وهم تاب کمر می توان فریفت مرا

۳۔ ز ذکر مل به گمان می توان فگند مرا
ز شاخ گل به ثمر می توان فریفت مرا

٤۔ زدرد دل که به افسانه درمیان آید
به نیم جنبش سرمی توان فریفت مرا

۵۔ ز سوز دل که به وا گویه بر زبان گزرد
به یك دو حرف حذر می توان فریفت مرا

٦۔ من و فریفتگی هرگز آن محال اندیش
چرا فریفتٔ اگر می توان فریفت مرا

۷۔ خدنگ جز به گرایش کشاد نه پذیرد
ازو به زخم جگر می توان فریفت مرا

۸۔ زبازنامدن نامه برخوشم که هنوز
به آرزوی خبر می توان فریفت مرا

۹۔ شب فراق ندارد سحر ولی یك چند
به گفتگوی سحر می توان فریفت مرا

۱۰۔ نشان دوست ندانم جز اینکه پرده در است
ز در به روزن در می توان فریفت مرا

۱۱۔ گرسنه چشم اثر نیستم که در ره دید
به کیمیای نظر می توان فریفت مرا

۱۲۔ سرشت من بود این ورنه آن نیم غالب
که از وفا به اثر می توان فریفت مرا

الفاظ معانی:

آن نیم: وہ نہیں ہوں، فریفتن: فریب دینا، ربودن: موہ لینا، مرا: مجھ کو، تاب: بل، مل: شراب، فگندن: گرانا، نیم جنبش: آدھی حرکت، واگویہ: تکرار، حذر: احتیاط، پرہیز، محال اندیش: ناممکن، چرا: کیوں، خدنگ: تیر، گرایش: میلان، رجحان، پذیرفتن: قبول کرنا، نامدن: نہ آنا، نامہ: خط، ہنوز: ابھی، ولی: لیکن، یك چند: کچھ وقت، پردہ در: پردہ چاک کرنے والا، روزن: کھڑکی، گرسنہ: بھوکا، سرشت: فطرت، عادت۔

ترجمہ:

1۔ میں وہ نہیں ہوں کہ مجھے اب کوئی فریب دے سکے۔ میں اسے فریب دیتا ہوں کہ شاید مجھے فریب دیا جا سکتا ہے۔

2۔ ذوق نگاہ کی ایک بات سے مجھے موہ لیا جا سکتا ہے۔ کمر کے بل کے تصور سے مجھے فریب دیا جا سکتا ہے۔

3۔ شراب کے ذکر سے مجھے سرور میں لایا جا سکتا ہے۔ پھولوں کی شاخ سے مجھے پھل کا فریب دیا جا سکتا ہے۔

4۔ درد دل کی بات جو افسانہ کے درمیان میں آئے اس سے سر کی آدھی جنبش سے مجھے فریب دیا جا سکتا ہے۔

5۔ اس سوز دل سے جو تکرار سے زبان پر آئے، احتیاط کے دو حرفوں سے مجھے فریب دیا جا سکتا ہے۔

6۔ میں اور فریب کھاؤں، ایسی سوچ عقل کی رو سے محال ہے۔ اس نے فریب کیوں دیا اگر مجھے فریب دیا جا سکتا ہے۔

7۔ تیر اس وقت تک نہیں چلتا جب تک اسے چلانے کا رجحان نہ ہو۔ اس سے جگر پر لگنے والے زخم سے مجھے فریب دیا جا سکتا ہے۔

8۔ میں پھر خط نہ آنے پر خوش ہوں کیونکہ ابھی خبر کی آرزو سے مجھے فریب دیا جا سکتا ہے۔

9۔ شبِ فراق کی سحر نہیں ہے لیکن تھوڑی دیر کیلئے سحر کی گفتگو سے مجھے فریب دیا جاسکتا ہے۔

10۔ میں دوست کی ملامت اس کے سوا نہیں جانتا کہ وہ پردہ چاک کرنے والا ہے۔ دروازے کی کھڑکی سے مجھے دروازے کا فریب دیا جاسکتا ہے۔

11۔ آنکھوں کے اثر کا بھوکا نہیں ہوں کیونکہ آنکھوں کے راستے میں نظر کے کیمیا سے مجھے فریب دیا جاسکتا ہے۔

12۔ میری فطرت یہ تھی ورنہ غالب میں وہ نہیں ہوں کہ وفا کے اثر سے مجھے فریب دیا جاسکے۔

تشریح:

اس غزل کے پہلے شعر میں مرزا غالب کہتے ہیں کہ میں وہ نہیں ہوں کہ اب مجھے کوئی فریب دے سکے۔ مگر میں اپنے محبوب کو غلط احساس دلاتا ہوں کہ مجھے فریب دیا جاسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے یوں محبوب فریب کھا کر مجھے فریب دینے پر تیار ہوجائے۔ مراد یہ ہے کہ میں اب حسن کے کسی فریب میں نہیں آسکتا۔ لیکن فریب کھانے میں جو لذت ہے میں ابھی تک اسے نہیں بھلا سکا۔ اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میرا محبوب مجھے ایک بار پھر فریب دے۔ دوسرے شعر میں غالب کہتے ہیں کہ ذوق نگاہ کی ایک بات سے مجھے موہ لیا جاسکتا ہے۔ محبوب کی کمر اتنی خوبصورت ہے کہ اس کے بل کا تصور میرے سامنے پیش کر کے مجھے فریب دیا جا سکتا ہے۔ تیسرے شعر میں وہ اپنی شراب کے ساتھ محبت اور وابستگی کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ شراب نہ سہی شراب کے خالی ذکر سے ہی مجھے سرور میں لایا جاسکتا ہے۔ پھولوں کی شاخ سے مجھے پھل کا فریب دیا جاسکتا ہے۔ یعنی میں پھولوں کی کسی شاخ کو دیکھ کر اس دھوکے میں آسکتا ہوں کہ اس پر پھول نہیں پھل لگے ہوئے ہیں۔ محبوب کا حسن بھی پھولوں بھری ایسی شاخ ہے جس پر ناز و ادا کے پھول تو کھلتے ہیں مگر وفا کا پھل نہیں لگتا۔ لیکن مرزا غالب کہتے ہیں کہ اس میں بھی مجھے فریب دیا جاسکتا ہے۔ چوتھے شعر میں غالب کہتے ہیں محبت کا کوئی افسانہ سناتے ہوئے کہیں درد دل کی بات آجائے تو اس بات پر افسانہ سننے والے کا آہستہ سے سر ہلا دینا بھی مجھے فریب دینے کے لیے کافی ہے۔ افسانہ سننے والے کے سر کی وہ آدھی جنبش سے میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ یہ شخص بھی درد دل رکھتا ہے اور اسی احساس کے پیش نظر درد دل کی بات پر سر کو جنبش دے رہا ہے۔ پانچویں شعر میں مرزا غالب فرماتے ہیں کہ وہ سوز دل جو بار بار زبان پر آجائے اور اس کی گفتگو کے دوران اگر کوئی احتیاط کے دو حرف بول دے تو ان دو حرفوں سے مجھے فریب دیا جاسکتا ہے۔ چھٹے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ میں اور فریب کھا جاؤں! ناممکن سی بات ہے اور اگر مجھے فریب دیا بھی جاسکتا ہے تو میرے محبوب نے مجھے دھوکہ کیوں دیا۔ مراد یہ ہے کہ محبوب فریب دینے سے گریز کرے اور عاشق فریب کھانے کی کوشش کرے تو بھی عشق میں فریب کا عنصر پیدا ہوجاتا ہے۔ ساتویں شعر میں مرزا غالب کہتے ہیں کہ تیر اُس وقت تک نہیں چلتا جب تک تیر چلانے والے میں کسی پر تیر چلانے کا میلان یا رجحان نہ ہو۔ اس تیر کے لگنے سے جگر پر جو زخم ہوا مجھے اس سے فریب دیا جاسکتا ہے۔ سچا عاشق اسی بات پر راضی ہوجاتا ہے کہ تیر چلانے کے لیے محبوب نے میری طرف میلان تو کیا۔ وہ جگر کے زخم کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس میلان کو اہمیت دیتا ہے جو تیر چلانے والے محبوب کے دل میں پیدا ہوا۔ آٹھویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ محبوب کا خط نہ آنے پر میں خوش ہوں۔ عام طور پر عاشق اپنے محبوب کا خط نہ آنے پر اداس اور غمگین ہوجاتے ہیں مگر مرزا غالب اس لیے خوش ہیں کہ خط آنے کی خبر کی آرزو سے مجھے فریب دیا جاسکتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ خط آنے کی خبر آئے گی۔ یہ امید اُن کے کے لیے خوشی کا باعث ہے۔ نویں شعر میں مرزا غالب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شب فراق کی سحر نہیں ہے لیکن تھوڑی دیر کے لیے سحر کے بارے میں وہ گفتگو کر کے خوش ہوسکتے ہیں۔ اس طرح بھی ان کو فریب دیا جاسکتا ہے۔ دسویں شعر میں مرزا غالب دوست اور محبوب کی نشانی بتاتے ہوئے کہتے ہیں، کہ اس کے بارے میں مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ پردہ چاک کرنے والا ہے۔ کسی کا بھرم قائم نہیں رہنے دیتا۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اگر وہ مجھے دروازے کی کھڑکی سے دروازے کا فریب دے تو میں اس فریب میں آجاؤں گا۔ گیارہویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ میں آنکھوں کے اثر کا بھوکا نہیں ہوں۔ مگر آنکھوں کے کیمیا سے مجھے فریب دیا جاسکتا ہے۔ آنکھوں کا کیمیا محبوب کا محبت بھری نظروں سے عاشق کی طرف دیکھنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ مجھے محبت بھری نظروں سے دیکھ کر فریب دیا جاسکتا ہے۔ غزل کے آخری شعر میں غالب کہتے ہیں کہ میری فطرت یہی تھی ورنہ غالب میں وہ نہیں ہوں کہ وفا کے اثر سے مجھے فریب دیا جاسکے۔ مراد یہ ہے کہ فطری طور پر میں خوگر وفا ہوں۔ محبوب کی طرف سے وفا ملے یا نہ ملے۔

(۲)

۱۔ حق جلوہ گر ز طرز بیان محمد است ‏ آری کلام حق بزبان محمد است

۲۔ آئینہ دار پرتو مہرست ماھتاب ‏ شان حق آشکار ز شان محمد است

۳۔ تیر قضا ھر آئنہ در ترکش حق است ‏ امّا کشاد آن ز کمان محمد است

٤۔ دانی اگر بمعنی لولاک وارسی ‏ خود ھرچہ از حق است ازان محمد است

۵۔ ھر کس قسم بدانچہ عزیز است میخورد ‏ سوگند کردگار بجان محمد است

٦۔ واعظ حدیث سایۂ طوبی فرو گذار ‏ کاینجا سخن ز سروروان محمد است

۷۔ بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را ‏ کان نیمہ جنبشی بنان محمد است

۸۔ ور خود ز نقش مہر نبوت سخن رود ‏ آن نیز نامور ز نشان محمد است

۹۔ غالب ثنای خواجہ بیزدان گذاشتن ‏ کان ذات پاک مرتبہ دان محمد است

الفاظ معانی:

حق: اللہ تعالیٰ، آری: ہاں، پرتو: عکس، مہر: سورج، ماھتاب: چاندنی، تیر قضا: قسمت کا تیر، ہر آئینہ: یقیناً، کشاد: کھلنا، چلنا، سوگند: قسم، کردگار: اللہ تعالیٰ، طوبیٰ: جنت کے ایک درخت کا نام، فرو گذاشتن: چھوڑ دینا، بنگر: دیکھ، دونیمہ گشتن: دو آدھے ہونا یا دو ٹکڑے ہونا، ماہ تمام: مکمل چاند، چودھویں کا چاند، نیمہ جنبش: ہلکی سی جنبش، بنان: انگلی کا سرا، یزادن: اللہ تعالیٰ، مرتبہ دان: مرتبہ جاننے والی۔

ترجمہ:

1۔ اللہ تعالیٰ، حضرت محمد ﷺ کے طرز بیان سے جلوہ نما ہے۔ ہاں، اللہ تعالیٰ کا کلام محمد ﷺ کی زبان پر ہے۔

2۔ چاند سورج کے عکس کا آئینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان حضرت محمد ﷺ کی شان سے ظاہر ہے۔

3۔ قسمت کا تیر یقیناً اللہ تعالیٰ کے ترکش میں ہے لیکن اس کا چلنا حضرت محمد ﷺ کی کمان سے ہے۔

4۔ کیا تو جانتا ہے اگر تو ''لولاک'' کے معنی سمجھ لے تو خود جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ محمد ﷺ کی آن سے ہے۔

5۔ ہر کوئی اس کی قسم کھاتا ہے جو اسے عزیز ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کی جان کی قسم کھاتے ہیں۔

6۔ واعظ طوبیٰ کے سائے کی بات چھوڑ دے کیونکہ یہاں حضرت محمد ﷺ کے سروروان کی بات ہو رہی ہے۔

7۔ پورے چاند کا دو ٹکڑے ہونا دیکھ کہ یہ حضرت محمد ﷺ کے انگلی کے سرے کی ہلکی سی جنبش ہے۔

8۔ اور اگر خود مہر نبوت کے نقش کی بات کی جائے وہ بھی حضرت محمد ﷺ کے نشان سے نامور ہے۔

9۔ غالب! ہم نے آقا (یعنی حضرت محمد ﷺ) کی تعریف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دی کیونکہ وہ پاک ذات ہی حضرت محمد ﷺ کا رتبہ جاننے والی ہے۔

تشریح:

اپنی اس خوبصورت نعت کے پہلے شعر میں مرزا غالب فرماتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کے طرز بیان میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ حق، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی زبان پر جو کچھ جاری ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت

محمد ﷺ کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے طرز بیان میں خالق حقیقی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ دوسرے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ جس طرح چاندنی سورج کی روشنی کی مظہر ہے یعنی چاند سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے اور چاندنی چاند کی روشنی ہے۔ اگر سورج نہ ہوتا تو چاندنی نہ ہوتی۔ چاندنی کا موجود ہونا سورج کے موجود ہونے کی دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت محمد ﷺ کی شان سے اللہ تعالیٰ کی شان عیاں ہوتی ہے۔ جب حضرت محمد ﷺ کی شان اتنی عظمت والی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی شان کس قدر بلند ہوگی۔ نعت کے تیسرے شعر میں غالب کہتے ہیں کہ قسمت کے تیر یقیناً اللہ تعالیٰ کے ترکش میں ہیں۔ یعنی وہی ہونا ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی کی تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ گویا کاتب تقدیر تو خود اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر کسی کو حضرت محمد ﷺ کی وساطت سے یہ قسمت دیتے ہیں۔ اس سے حضرت محمد ﷺ کے مقام کی بلندی اور عظمت کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے بلند عہدے پر فائز ہیں۔ چوتھے شعر میں وہ فرماتے ہیں، کیا تو جانتا ہے کہ اگر تو "لولاک" کے معنی سمجھ لے تو جو کچھ ہے وہ حضرت محمد ﷺ کی آن کی وجہ سے ہے۔ اس شعر میں غالب نے لولاک کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حدیث قدسی ہے، "لولاك لما خلقت الافلاك" (اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا)۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ تخلیق ہوا ہے وہ حضرت محمد ﷺ کی آن سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کی امت پر بھی انہی کی وجہ سے مہربانیاں کی ہیں۔ پانچویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ ہر کوئی اپنی عزیز چیز کی قسم کھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی جان کی قسم کھائی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا بلند مقام رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کس قدر عزیز ہیں۔ اس امر سے بھی حضرت محمد ﷺ کی عظمت اور مرتبہ ظاہر ہوتا ہے۔ چھٹے شعر میں غالب وعظ کرنے والے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ جنت کے درخت طوبیٰ کے سائے کی بات چھوڑ دو کیونکہ یہاں تو حضرت محمد ﷺ کے سرِرواں یعنی ان کے قد و قامت کی بات ہو رہی ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کا ذکر خیر باقی چیزوں کے ذکر سے افضل ہے۔ جنت کے درخت کا اپنا ایک مقام ہے مگر حضرت محمد ﷺ کے مقام سے سامنے کچھ بھی نہیں کیونکہ حضرت محمد ﷺ کا مقام ان چیزوں سے بہت زیادہ افضل ہے۔ ساتویں شعر میں وہ ایک معروف واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی انگلی کے سرے کی ہلکی سی جنبش سے ماہ کامل دو ٹکڑے ہو گیا۔ یہ ہے محمد مصطفیٰ کا مقام۔ غالب نے اس واقعہ کو شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آٹھویں شعر میں انہوں نے حضرت محمد ﷺ کی پیٹھ پر موجود مہر نبوت کی بات کی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے جسم مبارک پر ایک قدرتی نشان تھا جسے مہر نبوت کہتے ہیں۔ غالب کہتے ہیں اگر مہر نبوت کی حقیقت کے بارے میں بات کی جائے تو بھی ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مہر نبوت حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی سے سرفراز ہوئی ہے۔ نعت کے آخری شعر میں غالب اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے غالب ہم نے آقا یعنی سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی تعریف اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات حضور ﷺ کا مرتبہ جاننے والی ہے اور وہی ان کے مقام سے بخوبی آگاہ ہے کیونکہ انہوں نے ہی حضرت محمد ﷺ کو یہ رتبہ بخشا ہے۔

(۳)

۱۔ بوادی کہ درآن خضر را عصا خفتست | بہ سینہ می سپرم رہ اگرچہ پا خفتست
۲۔ بدین نیاز کہ با تست ناز می رسدم | گدا بسایہ دیوار پادشاہ خفتست
۳۔ بہ صبح حشر چنین خستہ روسیہ خیزد | کہ در شکایت درد و غم دوا خفتست
۴۔ خروش حلقۂ رندان ز نازنین پسریست | کہ سر بزانوی زاھد بہ بوریا خفتست
۵۔ ھوا مخالف و شب تار و بحر طوفان خیز | گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتست
۶۔ غمت بہ شہر شبیخون زنان بہ بنگہ خلق | عسس بخانہ وشہ در حرم سرا خفتست
۷۔ دلم بہ سجہ و سجادہ و ردا لرزد | کہ دزد مرحلہ بیدار و پارسا خفتست
۸۔ درازی شب و بیداری من این ھمہ نیست | ز بخت من خبر آرید تا کجا خفتست
۹۔ ببین ز دور و مجو قرب شہ کہ منظر را | دریچہ باز و بدروازہ اژدھا خفتست
۱۰۔ براہ خفتن من ھر کہ بنگرد داند | کہ میر قافلہ در کاروانسرا خفتست
۱۱۔ دگر ز ایمنی راہ و قرب کعبہ چہ حظ | مرا کہ ناقہ ز رفتار ماند و پا خفتست
۱۲۔ بخواب چون خودم آسودہ دل مدان غالب | کہ خستہ غرقہ بخون خفتہ است تا خفتست

الفاظ معانی:

خفتست: سوگیا ہے، پا: پاؤں، چنین: ایسا، خستہ: تھکا ہوا، روسیہ: بدنصیب، بوریا: چٹائی، شب تار: رات تاریک، گسستن: ٹوٹنا، ناخدا: ملاح، بنگہ: گھر، جگہ، عسس: چوکیدار، خانہ: گھر، سبحہ: تسبیح، سجادہ: جانماز، ردا: چادر، لرزیدن: کانپنا، دزد: چور، کجا: کہاں، ببین: دیکھ، قرب: قربت، بنگرد: دیکھے، دانستن: جاننا، میر: سردار، حظ: لطف، ناقہ: اونٹنی، مدان: مت سمجھ۔

ترجمہ:

1۔ اس وادی میں جہاں عصائے خضر سوگیا ہے میں اپنے سینے کے بل راستہ طے کر رہا ہوں اگرچہ (میرے) پاؤں سوگئے ہیں۔

2۔ اس نیازمندی کے باعث جو مجھے تجھ سے ہے مجھے ناز آتا ہے۔ فقیر بادشاہ کی دیوار کے سائے میں سویا ہوا ہے۔

3۔ وہ (عاشق) جو درد کی شکایت اور دوا کے غم میں سوگیا ہے، روزِ محشر کی صبح کو تھکا ماندہ اور روسیاہ اٹھے گا۔

4۔ رندوں کے گروہ کا شور اس نازنین لڑکے پر ہے جو زاہد کے زانو پر سر رکھ کر چٹائی پر سویا ہوا ہے۔

5۔ ہوا مخالف، رات اندھیری اور سمندر طوفانی ہے۔ کشتی کا لنگر ٹوٹ گیا ہے اور ملاح سویا ہوا ہے۔

6۔ تیرا غم شہر میں لوگوں کے گھروں پر شبخون مار رہا ہے۔ چوکیدار گھر میں اور بادشاہ حرم سرا میں سویا ہوا ہے۔

7۔ میرا دل تسبیح، جانماز اور چادر سے کانپتا ہے کیونکہ چور جاگ رہا ہے اور پرہیزگار سویا ہوا ہے۔

8۔ رات کی طوالت اور رات بھر جاگنے کا ہی قصہ نہیں ہے۔ میرے نصیب کے بارے میں خبر لائیں کہ وہ کہاں سویا ہوا ہے۔

9۔ دور سے دیکھ اور بادشاہ کی قربت کی جستجو نہ کر کیونکہ دیکھنے کی جگہ کے دریچے تو کھلے ہیں اور دروازے میں اژدھا سویا ہوا ہے۔

10۔ راستے میں، میرا سونا، جو بھی دیکھے وہ جان لیتا ہے کہ قافلے کا سردار کارواں سرا میں سویا ہوا ہے۔

11۔ اب راستے کے محفوظ ہونے اور کعبہ کے نزدیک ہونے سے کیا حاصل۔ میری اونٹنی چلنے سے رہ گئی ہے اور میرے پاؤں بھی سوئے ہوئے ہیں۔

12۔ غالب مجھے اپنی طرح سکھ کر نیند سوئے ہوئے نہ سمجھ کیونکہ تھکا ماندہ شخص خون میں لت پت ہو کر سویا ہے تب جا کر سویا ہے۔

تشریح:

غزل کے پہلے شعر میں مرزا غالب کہتے ہیں کہ عشق کی اس وادی میں جہاں حضرت خضر علیہ السلام کا عصا راستہ بھولنے والوں کی رہنمائی کرنے کی بجائے سو گیا ہے عشق کے دشوار راستے پر میں اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہوں۔ اگرچہ اس سفر میں تھکن سے میرے پاؤں سو چکے ہیں مگر میں سینے کے بل رینگ کر عشق کی وادی میں اپنے سفر کو جاری رکھے ہوئے ہوں۔ اس شعر میں مرزا غالب نے خوبصورت تلمیح پیش کی ہے۔ ان کا اشارہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف ہے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ راستے سے بھٹک جانے والے مسافروں کو منزل کا راستہ بتاتے ہیں اور ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ مگر عشق کی وادی میں وہ ایسا کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ عشق کا سفر حضرت خضر علیہ السلام کے بس میں نہیں۔ اس سفر کو کوئی عاشق ہی طے کر سکتا ہے دوسرے شعر میں مرزا غالب محبوب سے کہتے ہیں کہ وہ عقیدت اور نیاز مندی جو میں تجھ سے رکھتا ہوں اس عقیدت پر میں جتنا ناز کروں کم ہے۔ کیوں کہ حقیقت میں اپنے آپ کو میں یوں محسوس کرتا ہوں جیسے میں کوئی فقیر ہوں اور بادشاہ کی دیوار کے سائے میں سویا ہوا ہوں شاعر نے عاجزی اور انکساری کے باعث اپنے آپ کو فقیر اور محبوب کو اس کے حسن و جمال کے باعث بادشاہ سے تشبیہ دی ہے۔ فقیر اور بادشاہ کے متضاد الفاظ کو ایک ہی شعر میں لا کر مرزا غالب نے صنعت تضاد استعمال کی ہے۔ تیسرے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ ایسے عاشق جو جدائی کے درد کا شکوہ کرتے ہیں۔ اس کا رونا روتے ہیں اور دوا کی جستجو میں سو جاتے ہیں وہ سچے عاشق نہیں ہیں۔ قیامت کے روز ایسے عاشقوں کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ سچا عاشق تو وہ ہوتا ہے جو عشق کے درد کو سینے سے لگا لے۔ سچا عاشق درد کے درمان کا کبھی نہیں سوچتا بلکہ اسے تو اسی درد میں راحت میسر آتی ہے۔ چوتھے شعر میں غالب نے ظاہر ساز زاہدوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے وہ زاہد جو رندوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں ان کے بارے میں رندوں کا گروہ یہ کہتا ہے کہ ایک نازنین لڑکا زاہد کے زانو پر سر رکھ کر چٹائی پر سویا ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ رند شور مچا رہے ہیں کہ اس نازنین لڑکے کا زاہد سے کیا تعلق ہے۔ پانچویں شعر میں مرزا غالب نے عشق کی کشتی کے خطرناک سمندر میں پھنسا ہونے کی منظر کشی نہایت خوبصورت انداز میں کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہوا مخالف ہے، رات تاریک ہے، سمندر طوفانی ہے، کشتی کا لنگر ٹوٹ گیا ہے اور ملاح بھی سویا ہوا ہے۔ عشق کی وہ کشتی جسے ایک ہی وقت اتنی مشکلات درپیش ہوں وہ منزل مقصود پر کیسے پہنچ سکتی ہے۔ مرزا غالب نے ایک شعر میں سمندر، کشتی، لنگر، طوفان اور ملاح جیسے الفاظ لا کر صنعت مراعات النظیر کا استعمال کیا ہے۔ چھٹے شعر میں وہ فرماتے ہیں کہ اے محبوب تیرا غم لوگوں کے گھروں میں شبخون مار رہا ہے۔ یعنی تیری جدائی کا درد صرف مجھے لاحق نہیں بلکہ ہزاروں اور ہیں جو اس درد کی شدت میں مبتلا ہیں۔ مگر اس درد کا درمان کرنے والے محبوب احساس کرنے کی بجائے خواب غفلت میں بے فکر سو رہے ہیں۔ اگلے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ میرا دل تسبیح، جانماز اور چادر سے کانپتا ہے کیونکہ چور بیدار ہے اور پارسا سویا ہوا ہے۔ عبادت کا اصل مقصد نفسانی اور شیطانی خواہشات پر قابو پانا ہے۔ ظاہر کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کو بھی پاکیزہ رکھنا ہے۔ مگر یہاں تو معاملہ برعکس ہے شیطان بیدار ہے اور پارسا سویا ہوا ہے۔ یہ عبادت پارسا کو خواب غفلت سے بیدار نہیں کر پا رہی۔ اس شعر میں غالب نے تسبیح، جانماز، چادر اور پارسا کے الفاظ ایک ہی شعر میں لا کر صنعت مراعات النظیر سے کام لیا ہے۔ آٹھویں شعر میں مرزا غالب اپنی تمام مشکلات کا ذمہ دار اپنے نصیب کو ٹھہراتے ہیں۔ وہ ایک سچے عاشق ہیں اور عاشق جب شب ہجر کی طوالت کو جاگ کر مرغ بسمل کی طرح تڑپتے ہوئے کاٹتا ہے تو اس پر عجیب طرح کی وحشت طاری ہو جاتی ہے۔ غالب شب ہجر کی طوالت اور اسے جاگ کر کاٹنے کو نصیب کا سونا قرار دیتے ہیں۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ میرے بخت کے بارے میں خبر لاؤ کہ وہ کہاں سویا ہوا ہے۔ نویں شعر میں مرزا غالب کہتے ہیں کہ دور سے دیکھ اور بادشاہ کی قربت کی جستجو نہ کر۔ اس شعر میں دور سے دیکھنے والا عاشق اور بادشاہ محبوب ہے۔ منظر دیوار کے باہر چھجا نما اونچی جگہ کو کہتے ہیں جس میں ایک سے زیادہ کھڑکیاں ہوتی ہیں تاکہ وہاں سے اردگرد دیکھا جا سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ منظر یعنی دیکھنے والی جگہ کے دریچے تو کھلے ہیں لیکن محل کے دروازے پر اژدھا سویا ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ حسن کے بادشاہ کو دور سے دیکھنا بہتر ہے۔ اس کی قربت میں جان کا خطرہ ہے اور دشواریاں ہیں۔ دسویں شعر

میں غالب کہتے ہیں کہ مجھے راستے میں سویا ہوا دیکھ کر ہر کوئی سمجھ جاتا ہے کہ اس قافلے کا سردار کاروان سرا میں سویا ہوا ہے۔ یہاں قافلے سے مراد عاشقوں کا قافلہ ہے۔ گیارہویں شعر میں غالب کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں۔ اگر کوئی ہمت کر کے اس کے قریب پہنچ بھی جائے تو اس وقت اس کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوتی ہیں جب اونٹنی کعبہ تک پہنچنے سے پہلے چلنا چھوڑ دے اور پاؤں بھی سوئے ہوئے ہوں یعنی پیدل بھی وہاں تک نہ پہنچا جا سکے۔ اس ساری بات سے غالب نے اپنی کیفیت کا اظہار کیا ہے کہ میں منزل مقصود کے قریب پہنچ کر بھی منزل مقصود کو حاصل نہیں کر پا رہا کیونکہ میری ہمت جواب دے گئی ہے۔ غزل کے آخری شعر میں غالب عاشق اور محبوب دونوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبوب آرام اور سکون سے سوتا ہے جب کہ عاشق تمام رات درد اور جدائی میں تڑپتا ہے۔ غالب اپنے محبوب سے کہتے ہیں کہ اگر تو اپنے عاشق کو سویا ہوا دیکھے تو یہ گمان نہ کر کہ وہ بھی تیری طرح سکون کی نیند سویا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تھکا ماندہ خون میں لت پت اور زخمی ہو کر سویا ہے۔ اس لیے عاشق کے سونے اور محبوب کے سونے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

(٤)

۱۔ بیا و جوش تمنای دیدنم بنگر — چو اشك از سر مژگان چکیدنم بنگر

۲۔ ز من بجرم تپیدن کناره می کردی — بیا بخاك من و آرمیدنم بنگر

۳۔ گذشته کار من از رشك غیر شرمت باد — ببزم وصل تو خود را ندیدنم بنگر

٤۔ شنیده ام که نه بینی و نا امید نیم — ندیدن تو شنیدم شنیدنم بنگر

۵۔ دمید دانه و بالید و آشیان گه شد — در انتظار هما دام چیدنم بنگر

٦۔ نیاز مندی حسرت کشان نمیدانی — نگاه من شو و دزدیده دیدنم بنگر

۷۔ اگر هوای تماشای گلستان داری — بیا و عالم در خون تپیدنم بنگر

۸۔ جفای شانه که تاری گسسته زان سر زلف — ز پشت دست بدندان گزیدنم بنگر

۹۔ بهار من شو و گل گل شگفتنم دریاب — بخلوتم بر و ساغر کشیدنم بنگر

۱۰۔ بداد من نرسیدی ز درد جان دادم — بداد طرز تغافل رسیدنم بنگر

۱۱۔ تواضعی نکنم بی تواضعی غالب — بسایهٔ خم تیغش خمیدنم بنگر

الفاظ معانی:

دیدن: دیکھنا، بنگر: دیکھ، مژگان: پلکیں، چکیدن: ٹپکنا، تپیدن: تڑپنا، کناره کرن: کنارہ کشی کرنا، بیا: آ، بخاك من: میری قبر پر، آرمیدن: آرام کرنا، کار من: میرا کام، شرمت باد: شرم کر، شنیده ام: میں نے سنا ہے، دمیدن: اگنا، بالیدن: بڑھنا، نشوونما پانا، دام چیدن: جال بچھانا، دزدیده: چوری چھپے، گسسته: ٹوٹا، دندان: دانت، گزیدن: کاٹنا، شانه: کنگھی، گل گل شگفتن: کلی کلی کھلنا، بردن: لے جانا، بداد رسیدن: مدد کو پہنچنا، رسیدن: پہنچنا، تیغش: اس کی تلوار، خمیدن: جھکنا۔

ترجمہ:

1۔ آ اور میرے دیکھنے کی تمنا کا جوش دیکھ۔ آنسوؤں کی طرح میرا پلکوں کی نوکوں سے ٹپکنا دیکھ۔

2۔ تو تڑپنے کے جرم میں مجھ سے کنارہ کشی کرتا تھا۔ میری قبر پر آ اور میرا آرام کرنا دیکھ۔

3۔ میرا کام غیروں پر رشک کرنے سے بڑھ گیا۔ تجھے شرم کرنی چاہیے۔ تیرے وصال کی محفل میں اپنے آپ کو نہ دیکھنے کو دیکھ۔

4۔ میں نے سنا ہے کہ تو نہیں دیکھتا اور میں ناامید نہیں ہوں، تیرے نہ دیکھنے کو میں نے سنا، میرا سننا دیکھ۔

5۔ دانہ اگا، پھلا پھولا اور آشیانہ بنانے کے قابل ہو گیا۔ ہما کے انتظار میں میرا جال بچھانا دیکھ۔

6۔ تو حسرت کے ماروں کی نیاز مندی نہیں جانتا۔ میری آنکھ بن اور میرا چوری چھپے دیکھنا دیکھ۔

7۔ اگر تو باغ دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے تو آ اور مجھے خون میں لت پت تڑپتے ہوئے دیکھ۔

8۔ کنگھی کی ستم ظریفی ہے کہ تیری زلف سے ایک بال ٹوٹ گیا ہے۔ ہاتھ کے پیچھے میرا دانتوں سے کاٹنا دیکھ۔

9۔ میری بہار بن جا اور کلی کلی میرا کھلنا دیکھ۔ مجھے خلوت میں لے جا اور میرا ساغر پینا دیکھ۔

10۔ تو نے میری دادرسی نہیں کی اور میں نے درد میں جان دے دی۔ میرا طرز تغافل کی داد دینا دیکھ۔

11۔ اے غالب میں تواضع کے بغیر تواضع نہیں کرتا۔ اس کی تلوار کے خم تلے میرا جھکنا دیکھ۔

تشریح:

مرزا غالب پہلے شعر میں محبوب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ تو آ کر میرا جوش محبت دیکھ۔ اگر تجھے میری بات کا یقین نہیں تو آ کر خود اپنی آنکھوں سے میرا دردِ جدائی میں تڑپ تڑپ کر جان دینا دیکھ۔ میری حالت ان آنسوؤں کی سی ہے جو پلکوں سے ٹپک کر مٹی میں مل جاتے ہیں۔ اس شعر کے دوسرے مصرعے میں غالب نے خوبصورت تشبیہ "چو اشک از سر مژگان" استعمال کی ہے۔ دوسرے شعر میں مرزا غالب اپنے محبوب سے گلہ کرتے ہیں کہ جب میں زندہ تھا اس وقت تو میرے تڑپنے کے جرم میں مجھ سے کنارہ کشی اختیار کرتا تھا۔ اب میرے مرنے کے بعد میری قبر پر آ اور میرا سکون سے آرام کرنا دیکھ۔ اس شعر میں مرزا غالب نے تڑپنے اور آرام کرنے کو ایک شعر میں لا کر صنعت تضاد استعمال کی ہے۔ تیسرے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ کوئی عاشق اپنے رقیب کو محبوب کے قریب برداشت نہیں کرتا۔ مگر میرا کام اس سے بھی بڑھ گیا ہے۔ رقیب تو کیا اب میں اپنے آپ کو بھی تیرے وصال کی محفل میں دیکھنا گوارا نہیں کرتا، اس شعر کے آخر میں وہ تھوڑا سخت رویہ اپناتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے اس حال تک پہنچنے پر تجھے شرم آنی چاہیے۔ چوتھے شعر میں وہ اپنے محبوب کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ تو اپنے عاشق یعنی میری طرف نہیں دیکھتا لیکن پھر بھی میں تجھ سے ناامید نہیں ہوں۔ تیرے دیکھنے کے بارے میں میرا یہ سننا دیکھ۔ یعنی یہ کہ تو مجھے دیکھنا گوارا نہیں کرتا اور یہ بات میں لوگوں کی زبانی سنتا ہوں کہ تو میرے بارے میں ایسا کہتا ہے مگر پھر بھی میرا حوصلہ دیکھ کہ میں نے اتنی بری خبر سن کر بھی تیرے عشق کو ترک نہیں کیا اور تجھ سے ناامید نہیں ہوا۔ پانچویں شعر میں مرزا غالب اپنے آپ کو ایک درخت اور محبوب کو ہما پرندہ گمان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں ایک ایسا بیج ہوں جو اگا، پھلا پھولا اور بڑا ہو کر اس امید پر درخت بن گیا کہ خوش بختی کا افسانوی پرندہ ہما (محبوب) اس درخت پر بسیرا کرے گا اور گھونسلہ بنائے گا۔ اس طرح ہما کی خوش بختی کا سایہ مجھ پر پڑے گا تو میری بدنصیبی خوش نصیبی میں بدل جائے گی۔ مرزا غالب کا یہ شعر تخیل بانی یعنی سبک ہندی کا خوبصورت شاہکار ہے۔ چھٹے شعر میں مرزا غالب محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اگر تو نے حسرت کے مارے عاشقوں کی نیاز مندی دیکھنی ہو تو آ کر میری آنکھ بن جا۔ اس طرح تجھے معلوم ہو گا کہ میں تیری جدائی میں کتنا بیتاب رہتا ہوں اور تمہیں چوری چھپے دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرے اس چوری چھپے دیکھنے میں بھی میری نیاز مندی کا پہلو موجود ہے۔ میں اگر تمہیں آشکارا دیکھوں تو اس میں تمہاری بدنامی کا اندیشہ ہے۔ ساتویں شعر میں مرزا غالب محبوب سے کہتے ہیں کہ اگر تو باغ دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے تو پھر تو میری طرف آ اور مجھے خون میں لت پت تڑپتا ہوا دیکھ۔ باغ کے لالہ کے پھولوں کا رنگ تجھے میرے خون کے داغوں میں دکھائی دے گا۔ آٹھویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ کنگھی کی ستم ظریفی دیکھ کر اس نے تیری زلف سے بال توڑ لیا۔ مجھ سے یہ صدمہ برداشت نہیں ہوا اور میں نے بے اختیار اپنے ہاتھ کے پچھلے حصے کو اپنے دانتوں سے کاٹ لیا۔ اس شعر میں انہوں نے یہ احساس اجاگر کیا ہے کہ میرے نزدیک محبوب تو کیا اس کے ایک بال کی کتنی اہمیت ہے۔ اس سے میرے عشق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ نویں شعر میں وہ محبوب سے کہتے ہیں کہ تو میری بہار بن جا۔ یعنی اے محبوب تو میری زندگی میں بہار

بن کر آجا اور یہاں میرا شراب پیتا دیکھ کہ میں تنہائی میں تمہارے ہجر کے غم کو بھلانے کے لیے کتنی شراب پیتا ہوں۔ دسویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ اے محبوب تو نے میری دادرسی نہیں کی اور میں نے عشق کے درد میں اپنی جان دے دی۔ یہاں آ کر دیکھ کہ میں نے تیری بے رخی اور بے پرواہی کی داد کس طرح دی ہے۔ یعنی میں نے تیری بے مروتی کی داد اس طرح سے دی ہے کہ تیری جدائی میں اپنی جان ہار دی ہے۔ غزل کے مقطع میں غالب کہتے ہیں کہ میں اپنے محبوب کے شمشیر جیسا خم رکھنے والے ابرو کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ یعنی اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ میں اپنے محبوب کی تواضع بھی تواضع سے کرنا چاہتا ہوں۔

(۵)

۱- بیا کہ قاعدۂ آسمان بگردانیم — قضا بہ گردش رطل گران بگردانیم

۲- ز چشم و دل بہ تماشا تمتع اندوزیم — ز جان و تن بہ مدارا زیان بگردانیم

۳- بگوشۂ بنشینیم و در فراز کنیم — بہ کوچہ بر سر رہ پاسبان بگرادنیم

٤- اگر ز شحنہ بود گیر و دار نندیشیم — وگر ز شاہ رسد ارمغان بگردانیم

۵- اگر کلیم شود ہمزبان سخن نکنیم — وگر خلیل شود میہمان بگردانیم

٦- گل افگنیم و گلابیبہ رہگذر پاشیم — می آوریم و قدح درمیان بگردانیم

۷- ندیم و مطرب و ساقی ز انجمن رانیم — بہ کار و بار زنی کاردان بگردانیم

۸- گہی بہ لابہ سخن با ادا بیامیزیم — گہی ببوسہ زبان در دہان بگردانیم

۹- نہیم شرم بہ یک سو و باہم آویزیم — بشوخی کہ رخ اختران بگردانیم

۱۰- ز جوش سینہ سحر را نفس فروبندیم — بلای گرمی روز از جہان بگردانیم

۱۱- بوہم شب ہمہ را در غلط بیاندازیم — ز نیمہ رہ رمہ را با شبان بگردانیم

۱۲- بجنگ باج ستانان شاخساری را — تہی سبد ز در گلستان بگردانیم

۱۳- بصلح بال فشانان صبحگاہی را — ز شاخسار سوی آشیان بگردانیم

۱٤- ز حیدریم من و تو ز ما عجب نبود — گر آفتاب سوی خاوران بگردانیم

۱۵- بمن وصال تو باور نمی کند غالب — بیا کہ قاعدۂ آسمان بگردانیم

☆☆☆

الفاظ معانی:

بیا: آ، گرداندن: گھمانا، بدلنا، رطل گران: بڑا جام، نشستن: بیٹھنا، تمتع: لطف اندوزی، شحنہ: کوتوال، گیرودار: پکڑ دھکڑ، اندیشیدن: سوچنا، ارمغان: تحفہ، سخن کردن: بات چیت کرنا، گل افگندن: پھول برسانا، پاشیدن: چھڑکنا، می: شراب، قدح: جام، ندیم: ساتھی، مطرب: سازندہ، کاردان: کام جاننے والی، گہی: کبھی، لابہ: التجا، آمیختن: ملانا، دہان: منہ، نہیم: ہم رکھیں، بہ یک سو: ایک طرف، شوخی: مذاق، رخ اختران: ستاروں کا رخ، نفس فروبستن: سانس روکنا، باج ستانان شاخسار: ٹہنیوں سے پھول چننے والے، تہی سبد: خالی ٹوکری، بال فشانان: پر پھڑ پھڑانے والے، شاخسار: ٹہنی، آفتاب: سورج، خاوران: مشرق، باور کردن: یقین کرنا۔

ترجمہ:

1۔ آ تا کہ ہم آسمان کا قاعدہ بدل دیں۔تقدیر کو بڑے جام کی گردش سے بدل دیں۔

2۔ دل اور آنکھیں لطف اندوزی کے تماشا پر لگائیں۔جسم و جان سے مدارا کر کے نقصان کو بدل دیں۔

3۔ ایک کونے میں بیٹھ جائیں اور دروازہ کھول دیں۔کوچے میں راستے سے پاسبان لوٹا دیں۔

4۔ اگر کوتوال کی طرف سے پکڑ دھکڑ ہو تو ہم اندیشہ نہ کریں اور اگر بادشاہ کی طرف سے تحفہ پہنچے تو لوٹا دیں۔

5۔ اگر کلیم ہم سے بات چیت کرے تو ہم بات نہ کریں اور اگر خلیل ہمارا مہمان بنے تو اسے لوٹا دیں۔

6۔ پھول برسائیں اور راستے میں گلاب چھڑکیں۔شراب لائیں اور درمیان میں جام گردش میں لائیں۔

7۔ ساتھیوں، سازندوں اور ساقی کو انجمن سے نکال دیں۔کام کاج پر کام جاننے والے عورت کو لگائیں۔

8۔ کبھی التجا کے ساتھ باتوں میں ادائیں ملائیں۔کبھی چومتے ہوئے زبان منہ میں گھمائیں۔

9۔ شرم ایک طرف رکھ دیں اور ایک دوسرے سے لپٹ جائیں۔ایسی شوخی کے ساتھ کہ ستاروں کا منہ موڑ دیں۔

10۔ سینے کے جوش سے سحر کا سانس بند کر دیں دن کی گرمی کی بلا دنیا سے لوٹا دیں۔

11۔ رات کے وہم میں سب کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیں۔آدھے راستے سے گلے کو چرواہے کے ساتھ واپس بھیج دیں۔

12۔ درختوں کی ٹہنیوں سے پھول چننے والوں کو جنگ کر کے باغ کے دروازے سے خالی ٹوکریوں کے ساتھ واپس بھیج دیں۔

13۔ صبح کے وقت پھڑ پھڑانے والوں (پرندوں) کو ٹہنیوں سے آشیانے کی طرف واپس بھیج دیں۔

14۔ اگر ہم سورج کو مشرق کی سمت لوٹا دیں تو ہم پر تعجب نہ کر کیونکہ میں اور تو حیدری ہیں۔

15۔ تیرے اور میرے وصال پر غالب یقین نہیں کرتا۔آ تا کہ آسمان کا قاعدہ بدل دیں۔

تشریح:

مرزا غالب نے یہ غزل عیش و مستی کی بلندیوں پر پہنچ کر اور وصال کی مستی میں مدہوش ہو کر تحریر کی ہے۔وہ اس غزل کے پہلے شعر میں محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تو آ تا کہ ہم آسمان کا قاعدہ اور قانون بدل دیں۔برصغیر کے شاعروں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم پر جو کچھ بیتتی ہے وہ آسمان کی طرف سے ہوتی ہے۔تقدیر بھی آسمان کی طرف سے مقرر کی جاتی ہے۔غالب کہتے ہیں محبوب تو آ اور ہم شراب کے بڑے جام کو گردش میں لائیں اور اپنی تقدیر بدل دیں۔مراد یہ ہے کہ شراب کے جام کے ذریعے اپنی لکھی تقدیر کو بدل دیں اور ناممکن کو بھی ممکن کر دیں۔دوسرے شعر میں غالب اپنے محبوب سے کہتے ہیں کہ آ ہم اپنا دل اور آنکھیں لطف اندوزی کے تماشا پر لگائیں۔یعنی ہم اپنے دل اور آنکھوں سے خوب لطف اٹھائیں۔جدائی کے باعث وہ نقصان جو ہمارا ہو چکا ہے ہم دل و جان سے اس کا ازالہ کریں اور اس نقصان کو فائدے میں بدل دیں۔تیسرے شعر میں مرزا غالب کہتے ہیں کہ آؤ ہم کسی کمرے کے ایک کونے میں گوشہ نشین ہو جائیں اور گھر کا دروازہ بھی کھلا رکھیں یہاں تک کہ کوچے میں راستے پر کوئی دربان یا نگہبان بھی نہ بٹھائیں۔مراد یہ ہے کہ ہم اپنی مستی میں اتنے مست ہو جائیں کہ کسی آنے جانے والے کے ڈر اور خوف کو بھی خاطر میں نہ لائیں۔اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے اگلے شعر میں وہ کہتے ہیں اگر پابندیوں کے باعث کوتوال کی طرف سے پکڑ دھکڑ ہونے لگے تو ہم اس کی بھی پرواہ نہ کریں۔اس کے بارے میں حتی سوچیں بھی نہ۔اگر بادشاہ کی طرف سے یا حاکم وقت کی طرف سے کوئی تحفہ آئے تو ہم اس کو بھی خاطر میں نہ لائیں کیونکہ ہمارے لیے سب سے بڑا تحفہ ہمارا وصال ہے۔عاشق لوگ مادی تحفوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔پانچویں شعر میں مرزا غالب کہتے ہیں کہ جب ہم وصال کی حالت میں ہوں تو اس وقت اگر کلیم اللہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہم سے بات کرنا چاہے تو ہم اس سے

بات نہ کریں اور حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام جیسی عظیم شخصیت ہماری مہمان بننا چاہے تو ہم لوٹا دیں۔ مراد یہ ہے کہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی دخالت اپنے وصال میں نہ ہونے دیں۔ چھٹے شعر میں مرزا غالب کہتے ہیں کہ ہم پھول برسائیں اور راستے میں گلاب چھڑکیں۔ شراب لائیں اور شراب کے دور چلائیں اور یوں وصال کو بھرپور مستی میں منائیں۔ یہاں تک کہ مصاحبوں، سازندوں اور ساقی جو عیش و نوش کی محفلوں میں رونق افروز ہوتے ہیں ان کو بھی ہم اپنی محفل سے نکال دیں اور کام ایسی عورت کے سپرد کریں جو آداب و رموز سے بخوبی آگاہ ہو۔ یعنی اپنے وصال میں کسی کی مداخلت قبول نہ کریں۔ آٹھویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ کبھی التجا کے ساتھ ہم ادائیں ملائیں۔ کبھی چومتے ہوئے زبان منہ میں گھمائیں۔ التجا کا پہلو اور ادائیں بوسہ طلب کرنے کے لیے ہیں۔ اگلے شعر میں غالب مستی میں ایک قدم اور آگے بڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آؤ ہم شرم ایک طرف رکھ دیں اور ایک دوسرے سے لپٹ جائیں۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ایسی شوخی اور بیباکی کا مظاہرہ کریں کہ شرم سے ستارے بھی منہ موڑ لیں اور اس منظر کو دیکھنا بند کر دیں۔ دسویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ وصال میں ہمارے سینے میں جوش محبت سے سانس یوں تیزی سے چل رہا ہو کہ صبح کا سانس رک جائے۔ یعنی وصال کی رات جاری ہے اور صبح طلوع ہی نہ ہو اور دن کی گرمی بلا لوٹا دیں۔ جب صبح طلوع نہیں ہوگی تو دن نہیں ہوگا جب دن نہیں ہوگا تو دن کی گرمی جو ایک مصیبت ہے اس سے چھٹکارا مل جائے گا۔ گیارہویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ رات کے وہم میں ہم سب کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیں اور یوں ریوڑ کو چرواہے کے ساتھ آدھے راستے سے واپس بھیج دیں۔ جب شب وصال جاری ہے گی اور دن طلوع نہیں ہوگا تو چرواہا تو اپنا ریوڑ منہ اندھیرے باہر لے کر نکلے گا۔ مگر جب اسے یہ احساس ہوگا کہ ابھی تو رات ہے تو پھر وہ آدھے راستے سے ریوڑ لے کر واپس چلا جائے گا۔ اگلے شعر میں وہ اسی موضوع کو مزید مثالوں کے ساتھ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ درختوں کی شاخوں سے پھول چننے والے منہ اندھیرے گھروں سے باہر آ کر پھول چننا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم ان سے لڑ کر ان کو بتائیں کہ ابھی شب وصال ہے صبح طلوع نہیں ہوئی اور یوں ان کو پھول چنے بغیر باغ کے دروازے سے واپس لوٹا دیں۔ تیرہویں شعر میں وہ چہچہانے والے پرندوں کے بارے میں بات کرتے ہیں جو اپنے آشیانوں سے نکل کر منہ اندھیرے چہچہانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم ان پرندوں کو بھی بتائیں کہ ابھی شب وصال ہے۔ صبح نہیں ہوئی۔ یوں ان پرندوں کو ان کے آشیانوں کی طرف واپس بھیج دیں۔ چودھویں شعر میں مرزا غالب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نہایت خوبصورت تلمیح پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم حیدر کرار کے ماننے والے ہیں۔ اس لیے اگر ہم سورج کا رخ واپس مشرق کی طرف موڑ دیں تا کہ دن طلوع نہ ہو تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ غزل کے آخری شعر میں غالب اپنے محبوب سے کہتے ہیں کہ میرے اور تمہارے وصال کے بارے میں غالب یقین نہیں کرتا کیونکہ اس وصال کا عملی ہونا اسے ناممکن نظر آتا ہے۔ اس لیے آ تا کہ ہم اس وصال کے ذریعے ناممکن کو ممکن بنا دیں۔ آسمان کے قانون اور قاعدے کو یکسر بدل کر رکھ دیں۔

(E) Iqbal Studies

مطالعہ اقبال

(a) Masnavi-e-Asrar-e-Khudi

مثنوی اسرارِ خودی

تمہید

۱۔ نیست در خشک و ترِ بیشۂ من کوتاہی
چوبِ ہر نخل کہ منبر نشود دار کنم

نظیری نیشاپوری

۲۔ راہِ شب چوں مہرِ عالمتاب زد — گریۂ من بر رُخِ گُل آب زد
۳۔ اشک مِن از چشمِ نرگس خواب شُست — سبزہ از ہنگامہ ام بیدار رُست
٤۔ باغباں زورِ کلامم آزمود — مصرعے کارید و شمشیرے درود
۵۔ در چمن جز دانۂ اشکم نکشت — تارِ افغانم بپودِ باغ رشت

الفاظ معانی:

نیست: نہیں ہے، بیشۂ من: میرا جنگل، کوتاہ: چھوٹی، حقیر، چوب: لکڑی، نخل: درخت، دار: سولی، مہر: سورج، عالمتاب: دنیا کو روشن کرنے والا، گریہ: رونا، خواب شستن: نیند دھونا، رستن: اگنا، آزمون: آزمانا، درودن: کاٹنا، کشتن: کاشت کرنا، افغانم: میری فغان، رشتن: جوڑنا۔

ترجمہ:

1۔ میرے جنگل کے خشک وتر میں کوئی چیز حقیر نہیں، جس درخت کی لکڑی منبر نہیں بنتی میں (اس سے) سولی بنا دیتا ہوں۔
2۔ جب دنیا کو روشن کرنے والے سورج نے رات کا راستہ کاٹا۔ میرے رونے نے پھول کے چہرے پر پانی چھڑکا۔
3۔ میرے آنسوؤں نے نرگس کی آنکھ سے نیند اڑادی۔ میرے شور سے سبزہ بیدار ہو کر اگ آیا۔
4۔ باغبان نے میرے کلام کے زور کو آزمایا۔ ایک مصرع بویا اور ایک تلوار کاٹی۔
5۔ اس نے باغ میں میرے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں بویا۔ اس نے میری فغان کے تار کو باغ کے پود سے جوڑ دیا۔

تشریح:

مثنوی اسرار خودی کا پہلا شعر نامور شاعر نظیری نیشاپوری کا ہے جسے علامہ محمد اقبال نے مثنوی اسرار خودی کے آغاز میں تضمین کیا ہے۔ اس شعر کے ذریعے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میرے اس کلام میں کوئی چیز ناکارہ یا نکمی نہیں ہے۔ منبر شریعت کی علامت ہے اور سولی طریقت کی علامت ہے۔ یعنی اس کلام

میں بعض موضوعات کا تعلق شریعت سے ہے تو بعض کا طریقت سے۔ پہلے شعر میں تحریر ہے کہ میرے جنگل کی وہ لکڑی جو منبر نہیں بنتی میں اس سے سولی بنالیتا ہوں۔ جس طرح منبر متبرک جگہ ہے اسی طرح حق پر سولی چڑھنے والوں کے لیے سولی بھی متبرک جگہ ہے۔ علامہ اقبال دوسرے شعر میں کہتے ہیں کہ جب دنیا کو روشن کرنے والے سورج نے رات کو ختم کر دیا اور پھر سحر ہو گئی تو میرے آنسوؤں نے پھول کے چہرے پر پانی چھڑکا۔ چونکہ اقبال عالم انسانیت اور بالخصوص مسلمانوں کو ایک نیا پیغام دینے جا رہے ہیں اس لیے انہوں نے اپنی مثنوی کی تمہید کا آغاز طلوع سحر سے کیا۔ تیسرے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ آنسوؤں نے نرگس کے پھول کی آنکھوں سے نیند اڑا دی اور اسے خواب غفلت سے بیدار کر دیا۔ میرے شور و غل سے سبزہ بیدار ہو کر اگ آیا۔ نرگس کے پھول کی شکل کھلی آنکھ جیسی ہوتی ہے لیکن اس شعر میں علامہ اقبال نے مسلمانوں کی قوم کے لیے نرگس کے پھول کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ چوتھے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ فطرت کے باغبان نے میرے کلام کے زور کو آزمایا۔ مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات میری پوشیدہ صلاحیتوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ اس نے ایک مصرع بویا اور ایک تلوار کاٹی۔ یعنی میرے شعر کے ایک مصرع میں اتنا اثر موجود ہے کہ اس کو پڑھنے والے حق کے لیے تلوار اٹھا لیتے ہیں۔ پانچویں شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میرے آنسوؤں کی اتنی اہمیت ہے کہ فطرت کے باغبان نے میرے آنسوؤں کے دانے کے سوا کچھ بونا گوارا نہ کیا۔ میری آہ و فغان کا تانا اس باغ کے بانے سے جوڑ دیا۔ تانا بانا دھاگے کے اس جال کو کہتے ہیں جو کپڑا بننے سے پہلے بنایا جاتا ہے۔ گویا کسی بھی کپڑے کی بنیاد کو تانا بانا کہتے ہیں۔ اس شعر سے مراد یہ ہے میری آنسوؤں اور میری آہ و فغاں کا تعلق مسلمان امت سے جوڑ دیا۔

۶۔ ذرّہ ام مہرِ منیر آنِ من است	صد سحر اندر گریبانِ من است
۷۔ خاکِ من روشن تراز جامِ جم است	محرم از ناز ادہائے عالم است
۸۔ فکرم آں آہو سرِ فتراک بست	کو ہنوز از نیستی بیروں نجست
۹۔ سبزہ نا روئیدہ زیبِ گلشنم	گل بشاخ اندر نہاں در دامنم
۱۰۔ محفلِ رامش گری برہم زدم	زخمہ بر تارِ رگِ عالم زدم

الفاظ معانی:

مہر منیر: درخشاں سورج، جام جم: جام جمشید، ناز ادھا: وہ چیزیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں، آھو: ہرن، فتراک: شکار بند، کو: کہ جو، ہنوز: ابھی، نیستی: عدم، نارونیدہ: نا اگا، رامش گری: ساز و آواز، برہم زدن: منتشر کرنا، زخمہ: مضراب۔

ترجمہ:

6۔ میں ذرہ ہوں، درخشاں سورج میری ملکیت ہے۔ سینکڑوں صبحیں میرے گریبان کے اندر ہیں۔

7۔ میری مٹی جام جمشید سے زیادہ روشن ہے۔ دنیا کے ابھی پیدا نہ ہونے والوں سے واقف ہے۔

8۔ میری فکر نے وہ ہرن شکار بند سے باندھ لیا جو ابھی عدم سے باہر نہیں آیا۔

9۔ وہ سبزہ جو ابھی نہیں اگا میرے گلشن کی زینت ہے۔ شاخ کے اندر چھپا پھول میرے دامن میں ہے۔

10۔ میں نے ساز و آواز کی محفل منتشر کر دی۔ میں نے مضراب سے رگِ عالم کے تار کو چھیڑا۔

تشریح:

چھٹے شعر میں علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں اگرچہ میں ایک ذرہ ہوں مگر درخشاں سورج میری ملکیت ہے۔ جس طرح ہر روز صبح طلوع ہونے والا سورج ایک

نئی صبح لے کر آتا ہے اسی طرح سینکڑوں نئی صبحیں میرے گریبان میں ہیں جنہیں میں طلوع کر سکتا ہوں۔ اگلے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ میری خاک جام جمشید سے بھی زیادہ روشن ہے۔ جمشید ایران کا ایک نامور بادشاہ تھا جس کے پاس ایک ایسا جام تھا جس میں جھانک کر وہ تمام دنیا کے حال سے آگاہ ہو جاتا تھا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جام جمشید میں تو صرف دنیا کے حالات و واقعات سے آگاہی ہوتی تھی لیکن میری خاک تو ان حالات سے بھی واقف ہے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے یا رونما نہیں ہوئے۔ علامہ اقبال نے اس شعر میں جام جم کا ذکر لا کر خوبصورت تلمیح پیش کی ہے۔ آٹھویں شعر میں وہ اپنے آگاہ ہونے کی مثال یوں پیش کرتے ہیں کہ میری سوچ نے وہ ہرن اپنے شکار بند سے باندھ رکھا ہے جو ابھی تک نیستی یعنی عدم سے باہر نہیں آیا یعنی جو ابھی تک اس دنیا میں نہیں آیا اور پیدا ہی نہیں ہوا۔ اگلے شعر میں وہ دوسری مثال یہ پیش کرتے ہیں کہ وہ سبزہ جو ابھی تک اگا ہی نہیں وہ میرے باغ کی زینت ہے۔ وہ پھول جو ابھی شاخ پر کھلا ہی نہیں وہ میرے دامن میں ہے۔ ان مثالوں سے ان کی مراد یہ ہے کہ میرے شعر ایسے ہیں جو ابھی تک اس دنیا میں کسی نے نہیں کہے۔ دسویں شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میں نے ساز و آواز کی محفل منتشر کر دی۔ یعنی مجھ سے پہلے شاعر اپنی شاعری کے ذریعے نغمہ اور ساز کی محفلیں برپا کرتے تھے۔ میرے شعر ایسے نہیں ہیں۔ میں تو مضراب سے رگ عالم کے تار کو چھیڑ رہا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ میں اپنے اشعار کے ذریعے زندگی کے حقائق سے پردہ ہٹا رہا ہوں۔ یہ وہ کام ہے جو شاعروں نے انجام نہیں دیا۔

۱۱۔ بسکہ عودِ فطرتم نادر نواست — ہم نشیں از نغمہ ام نا آشناست

۱۲۔ در جہاں خورشید نوزائیدہ ام — رسم و آئینِ فلک نادیدہ ام

۱۳۔ رم ندیدہ انجم از تابم ہنوز — ہست نا آشفتہ سیمابم ہنوز

۱۴۔ بحر از رقصِ ضیایم بے نصیب — کوہ از رنگ حنایم بے نصیب

۱۵۔ خوگرِ من نیست چشمِ ہست و بود — لرزہ برتن خیزم از بیمِ نمود

الفاظ معانی:

بسکہ: بہت زیادہ، عود: ایک ساز کا نام ہے، خورشید نو: نیا سورج، زائیدن: پیدا ہونا، رم: چھپا، انجم: ستارہ، نا آشفتہ: قرار میں، سیمابم: میرا پارا، ضیایم: میری روشنی، حنا: مہندی، خوگر: مانوس، ہست و بود: زمانہ، بیم: خوف۔

ترجمہ:

11۔ میری فطرت کا ساز بہت زیادہ نادر نغمے الاپنے والا ہے ہم نشین میرے نغموں سے ناواقف ہے۔

12۔ میں دنیا میں نیا وجود میں آیا سورج ہوں۔ میں نے آسمان کے رسم و آئین نہیں دیکھے ہیں۔

13۔ ابھی میری روشنی سے ستارے نہیں چھپے۔ میرا پارا ابھی قرار میں ہے۔

14۔ سمندر میری روشنی کے رقص سے بے نصیب ہے۔ پہاڑ میری مہندی کے رنگ سے محروم ہیں۔

15۔ زمانے کی آنکھ مجھ سے مانوس نہیں ہے۔ میں خود اپنے برسر عام آنے کے خوف سے کانپ اٹھتا ہوں۔

تشریح:

گیارہویں شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میری فطرت کا ساز انوکھے نغمے الاپنے والا ہے۔ ایسے نغمے یعنی شعر جو دنیا نے پہلے نہ سنے ہوں۔ میرے ساتھی یعنی میرے دور کے لوگ ان نغموں سے نا آشنا ہیں۔ میرے زمانے کے لوگوں نے ایسی شاعری پہلے کبھی نہیں سنی جو میں پیش کر رہا ہوں۔ بارہویں شعر

میں وہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں دنیا کو روشن کرنے والا وہ سورج ہوں جو نیا وجود میں آیا ہوں۔ چونکہ نیا وجود میں آیا ہوں اس لیے پرانے سورج کی طرح میں آسمان کے رسم وآئین سے آگاہ نہیں ہوں۔ اگلے شعر میں وہ اسی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ستارے سورج کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں مگر میرے روشنی سے ابھی ستارے نہیں چھپے۔ پارا جو کبھی قرار نہیں پاتا اس کے برعکس میرے وجود کا پارا ابھی قرار میں ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں اس میدان عمل میں نیا ہوں۔ اس کے نشیب وفراز سے ابھی آگاہ نہیں ہوا۔ چودھویں شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ سمندر نے ابھی میری روشنی کا رقص نہیں دیکھا۔ پہاڑ ابھی میری مہندی کے رنگ سے ناواقف ہیں۔ مراد یہ ہے کہ میں نیا وجود میں آیا ہوں اس لیے دنیا کی یہ چیزیں مجھ سے ناواقف ہیں۔ پندرھویں شعر میں وہ فرماتے ہیں کہ زمانے کی آنکھ مجھ سے واقف نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے برسرعام آنے کے خوف سے کانپ جاتا ہوں کہ مجھ سے آشنا ہونے کے بعد زمانے کی رائے میرے بارے میں کیا ہوگی۔

۱۶۔ بامم از خاور رسید و شب شکست — شبنمِ نو برگلِ عالم نشست

۱۷۔ انتظارِ صبح خیزان می کشم — اے خوشا زرتشتیانِ آتشم

۱۸۔ نغمہ ام از زخمہ بے پروا ستم — من نوائے شاعرِ فرداستم

۱۹۔ عصرِ من دانندۂ اسرار نیست — یوسفِ من بہرایں بازار نیست

۲۰۔ نا اُمید استم زیارانِ قدیم — طورِ من سوزد کہ مے آید کلیم

الفاظ معانی:

بامم: میری صبح، خاور: مشرق، رسیدن: پہنچنا، نشستن: بیٹھنا، صبح خیزاں: صبح اٹھنے والے، اے خوشا: کتنے خوش نصیب ہیں، زخمہ: مضراب، شاعر فردا: آنے والے کل کا شاعر، دانندہ: جاننے والا، اسرار: راز (جمع)، بہرایں بازار: اس بازار کے لیے، سوختن: جلنا۔

ترجمہ:

16۔ میری صبح مشرق سے نمودار ہوئی اور رات ختم ہوگئی۔ دنیا کے پھولوں پر نئی شبنم پڑی۔

17۔ میں صبح اٹھنے والوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ کتنے خوش نصیب ہیں میری آگ کے زرتشت۔

18۔ میں نغمہ ہوں۔ مضراب سے بے پرواہ ہوں۔ میں آنے والے کل کے شاعر کی آواز ہوں۔

19۔ میرا زمانہ رازوں کو جاننے والا نہیں ہے۔ میرا یوسف اس بازار کے لیے نہیں ہے۔

20۔ میں پرانے دوستوں سے ناامید ہوں۔ میرا طور جل رہا ہے کہ کلیم آئے۔

تشریح:

سولہویں شعر میں علامہ محمد اقبال اپنے جلوہ گر ہونے کی نوید دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ میری صبح مشرق سے نمودار ہوئی اور رات کی تاریکی ختم ہوگئی۔ دنیا کے پھولوں پر نئی شبنم آن پڑی۔ وہ شبنم جو صبح سویرے پھولوں پر گرتی ہے، پھولوں کو نیند سے بیدار کرتی ہے جیسے علامہ محمد اقبال کے اشعار نے خواب غفلت میں سوئی قوم کو بیدار کیا۔ میں صبح سویرے بیدار ہونے والوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ کتنے خوش نصیب ہیں میری آگ کے زرتشت۔ اس کو تفسیر یوں کیا جا سکتا ہے کہ زرتشت ایک مذہب کا نام ہے جس کے پیروکار آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ اقبال کی آگ سے کیا مراد ہے؟ اقبال کی آگ ان کے وہ جذبے ہیں جنہیں انہوں نے اشعار کا روپ دیا ہے۔ مراد یہ ہے میرے جذبوں کی آگ کی پیروی کرنے والے بہت خوش نصیب ہیں۔ وہ اگلے شعر میں کہتے ہیں نغمہ ہوں۔ ایک

اپنا نغمہ جو مضراب سے بے پرواہ ہے۔ میں آنے والے کل کے شاعر کی آواز ہوں۔ آنے والے کل کے شاعر سے مراد ہے مستقبل کا شاعر یعنی میری شاعری ایسی شاعری ہے جسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ میرے شعر مستقبل کے شعر ہیں کیونکہ میری نظر آنے والے کل پر ہے۔ انیسویں شعر میں وہ اپنے زمانے کا گلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا زمانہ رازوں کو جاننے والا نہیں ہے۔ اس لیے میرا یوسف اس بازار کے شایانِ شان نہیں ہے۔ اس شعر میں علامہ اقبال نے نہایت خوبصورت انداز میں تلمیح استعمال کی ہے۔ اگلے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ میرے کوہ طور پر آگ روشن ہے شاید وہاں بھی کوئی کلیم آئے یعنی میرے جذبوں کو سمجھنے والا کوئی آئے۔

۲۱۔ قلزمِ یاراں چو شبنم بے خروش — شبنمِ من مثلِ یم طوفاں بدوش

۲۲۔ نغمۂ من از جہانِ دیگر است — ایں جرس را کاروانِ دیگر است

۲۳۔ اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد — چشمِ خود بربست و چشمِ ما کشاد

۲۴۔ رخت باز از نیستی بیروں کشید — چوں گل از خاکِ مزارِ خود دمید

۲۵۔ کارواں ہا گرچہ زیں صحرا گذشت — مثلِ گامِ ناقہ کم غوغا گذشت

الفاظ معانی:

قلزم: سمندر، بے خروش: بے جوش، یم: سمندر، طوفان بدوش: کندھوں پر طوفان اٹھائے ہوئے، جرس: گھنٹی، زائیدن: پیدا ہونا، بربستن: بند کرنا، کشادن: کھولنا، رخت: سامان، باز: دوبارہ، کشیدن: کھینچنا، دمیدن: اگنا، گذشتن: گزرنا، گام ناقہ: اونٹنی کا قدم۔

ترجمہ:

21۔ دوستوں کا سمندر شبنم کی طرح بے جوش ہے۔ میری شبنم سمندر کی طرح طوفان کندھے پر اٹھائے ہوئے ہے۔

22۔ میرا نغمہ ایک اور دنیا سے ہے۔ یہ گھنٹی کسی اور کارواں کے لیے ہے۔

23۔ اے کہ بہت سے شاعر ایسے ہیں جو مرنے کے بعد پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور ہماری آنکھیں کھول دیں۔

24۔ انہوں نے اپنا سامان دوبارہ عدم سے باہر کھینچا۔ اپنے مزار کی مٹی سے پھول کی طرح اگ آئے۔

25۔ اگرچہ اس کارواں سے قافلے گزرے مگر اونٹنی کے قدموں کی طرح کم آواز گزرے۔

تشریح:

اکیسویں شعر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میرے دوستوں کا سمندر جوش و خروش سے عاری ہے۔ مراد یہ ہے کہ میرے ہم وطنوں کا دل جوش و خروش کے جذبات سے عاری ہے۔ اس کے برعکس میری شبنم سمندر کی طرح طوفان کندھے پر لیے ہوئے ہے۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں تشبیہ استعمال ہوئی ہے۔ ''شبنم کی طرح بے جوش'' اور ''سمندر کی طرح طوفان کندھے پر اٹھائے۔'' اگلے شعر میں وہ فرماتے ہیں کہ میرا نغمہ ایک اور دنیا سے ہے۔ یہاں نغمہ استعارہ کے طور پر شاعری کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ میری شاعری ایک نئی دنیا کی نوید دیتی ہے۔ دوسرے مصرع میں ''جرس'' کا لفظ بھی شاعری کے لیے استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ جیسے جرس کسی قافلے کے راستے پر گامزن ہونے کا اعلان کرتی ہے اسی طرح میری شاعری بھی قوم کو ایک نئے راستے پر گامزن ہونے کا پیام دے رہی ہے۔ اس سے اگلے دو شعروں میں علامہ محمد اقبال شاعروں کے بارے میں کہتے ہیں کہ بہت سے شاعر ایسے ہی جو مرنے کے بعد زندہ ہوئے ہیں۔ مرنے کے بعد زندہ اس طرح سے ہوئے کہ ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کے شعروں کو اتنی شہرت ملی کہ ان کا

نام اس دنیا میں زندہ ہوگیا اور زندہ رہے گا۔ یہ شاعر اپنی آنکھیں تو بند کر لیتے ہیں مگر ہماری آنکھیں کھول دیتے ہیں۔ یہ شاعر دوبارہ عدم سے زندگی کا سروسامان لے کر آجاتے ہیں یعنی پہلی مرتبہ عدم سے اس دنیا میں اس وقت آئے جب وہ پیدا ہوئے دوبارہ عدم سے زندگی کا سروسامان اس وقت لائے جب ان کا نام ان کی شاعری کے باعث دنیا میں زندہ ہوگیا۔ یہ شاعر اپنی قبر کی مٹی سے پھولوں کی طرح اگ آتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ مرنے کے بعد زندہ ہو جاتے ہیں۔ ''پھول کی طرح اگنا'' بھی تشبیہ ہے جو علامہ اقبال نے خوبصورت انداز میں پیش کی ہے۔ درحقیقت اس کی سب سے بڑی مثال خود علامہ اقبال ہیں۔ ان کی وفات کے بعد جب اس دنیا کے لوگوں نے ان کے پیغام کی حقیقت کو سمجھا تو وہ شہرت پا گئے۔ ان کا نام اُن کے مرنے کے بعد آج زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ پچیسویں شعر میں وہ کہتے ہیں اگرچہ اس صحرا سے کئی قافلے گزرے لیکن وہ سب اونٹنی کے قدموں کی طرح کم آواز گزرے۔ ان کی آواز کسی کے کانوں میں نہیں پڑی۔ مراد یہ ہے کہ قوم ان کے جوش و جذبے سے آگاہ نہ ہو سکی اور قوم میں جوش و جذبہ پیدا نہ ہوا۔

۲۶۔ عاشقم فریاد ایمانِ من است — شور حشر از پیش خیزانِ من است

۲۷۔ نغمہ ام زاندازۂ تار است بیش — من نترسم از شکستِ عودِ خویش

۲۸۔ قطرہ از سیلاب من بیگانہ بہ — قلزم از آشوبِ او دیوانہ بہ

۲۹۔ در نمی گنجد بجو عمّانِ من — بحرہا باید پئے طوفانِ من

۳۰۔ غنچہ کز بالیدگی گلشن نشد — درخور ابر بہار من نشد

الفاظ معانی:

پیش خیزان: آگے چلنے والے، بیش: زیادہ، ترسیدن: ڈرنا، عود خویش: اپنا ساز، بہ: بہتر، گنجیدن: سمانا، جو: نہر، عمان: سمندر، بالیدگی: نشوونما، درخور: لائق، ابر بہار: بہار کا بادل۔

ترجمہ:

26۔ میں عاشق ہوں، فریاد میرا ایمان ہے۔ قیامت کا شور میرے آگے آگے چلنے والوں میں سے ہے۔

27۔ میرا نغمہ (ساز کے) تار کی حد سے زیادہ ہے۔ میں اپنے ساز کے ٹوٹ جانے سے نہیں ڈرتا۔

28۔ قطرے کے لیے بہتر ہے کہ وہ میرے سیلاب سے بیگانہ رہے۔ سمندر کا اس کے آشوب سے دیوانہ ہونا بہتر ہے۔

29۔ میرا سمندر ندی میں نہیں سماتا۔ میرے طوفان کے لیے سمندر درکار ہیں۔

30۔ وہ کلی جو نشوونما پا کر باغ نہیں بنی وہ میرے بہار کے بادل کے لائق نہیں ہوئی۔

تشریح:

چھبیسویں شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میں صرف شاعر نہیں عاشق ہوں۔ عاش ہونے کے باعث میرے دل میں سوز اور تڑپ ہے جسے میں ہر دل میں اتارنا چاہتا ہوں۔ فریاد میرا ایمان ہے اور یہ فریاد کرنا اس درجہ تک پہنچا ہوا ہے کہ قیامت کا شور میرے آگے آگے چلنے والوں میں سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ قیامت کے شور کی حیثیت تو میرے ایک خدمتگار جیسی ہے۔ اگلے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ میرا نغمہ ساز کے تار کی گنجائش سے زیادہ ہے اور میں اپنے ساز کے ٹوٹنے سے نہیں ڈرتا۔ میرا ساز ٹوٹ بھی جائے تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ مراد یہ ہے کہ میرا اصل مقصد اس نغمے یعنی اپنی شاعری لوگوں تک پہنچانا ہے اس میں اگر کوئی نقصان بھی اٹھانا پڑے تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اگلے تین اشعار میں وہ فرماتے ہیں کہ قطرے کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ میرے طوفان سے

دیوانہ ہوجائے۔ یہاں قطرے سے مراد کم ہمت لوگ ہیں اور سمندر سے مراد وہ باہمت لوگ ہیں جو اپنے اندر سمندر جیسا جوش رکھتے ہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ میرا سمندر رندی میں نہیں سما سکتا اس کے لیے تو بڑے بڑے سمندر چاہیں یعنی دل مردہ لوگ نہیں بلکہ جذبوں سے سرشار لوگ چاہیں۔ وہ کلی جو نشوونما پا کر گلشن نہیں بن سکتی وہ میرے بہار کے بادل سے فیض یاب ہونے کے لائق نہیں ہے۔ اس میں بہار کا بادل شاعری کے لیے استعارہ استعمال کیا گیا ہے جبکہ کلی سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے اندر تبدیلی لانے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے۔

۳۱۔ برقہا خوابیدہ در جانِ من است ... کوہ و صحرا بابِ جولانِ من است

۳۲۔ پنجہ کن بابحرم ار صحراستی ... برقِ من در گیر اگر سیناستی

۳۳۔ چشمۂ حیواں براتم کردہ اند ... محرمِ رازِ حیاتم کردہ اند

۳۴۔ ذرّہ از سوزِ نوایم زندہ گشت ... پر کشود و کرمکِ تابندہ گشت

۳۵۔ ہیچکس رازے کہ من گویم نگفت ... ہمچو فکرِ من دُرِ معنی نہ سفت

۳۶۔ سِرِّ عیشِ جاوداں خواہی بیا ... ہم زمیں ہم آسماں خواہی بیا

۳۷۔ پیرِ گردوں بامن ایں اسرار گفت ... از ندیماں رازہا نتواں نہفت

الفاظ معانی:

برقہا: بجلیاں، خوابیدن: سونا، جولان: دوڑ دھوپ، پنجہ کن: پنجہ آزمائی کر، ار: اگر، در گرفتن: سمیٹ لینا، چشمہ حیوان: آبِ حیات، برات: حوالے، سوزنوا: نغمے کا سوز، زندہ گشتن: زندہ ہوجانا، پر کشودن: پر کھولنا، کرمک تابندہ: چمکنے والا کیڑا، ہیچکس: کسی نے بھی، نگفت: نہیں کہے، ہمچو: کی طرح، در معنی: معنی کے موتی، سفتن: پرونا، عیش جاویدان: ہمیشہ رہنے والا عیش، بیا: آ، پیر گردوں: آسمان کا پیر، ندیمان: ساتھی (جمع)۔

ترجمہ:

31۔ میری جان میں بجلیاں سوئی ہوئی ہیں۔ پہاڑ اور صحرا میری دوڑ دھوپ کا میدان ہیں۔

32۔ اگر تو صحرا ہے تو میرے سمندر سے پنجہ آزمائی کر۔ اگر تو سینا ہے تو میری بجلی اپنے دامن میں سمیٹ۔

33۔ انہوں نے آبِ حیات میرے حوالے کر دیا ہے۔ مجھے زندگی کے رازوں کا محرم بنا دیا ہے۔

34۔ ذرہ میرے نغمے کے سوز سے زندہ ہوگیا۔ اس نے پر کھولے اور چمکنے والا کیڑا بن گیا۔

35۔ میں جو راز بتاتا ہوں وہ کسی نے نہیں بتائے۔ میری سوچ کی طرح کسی نے معنی کے موتی نہیں پروئے۔

36۔ اگر تو دائمی عیش کا راز چاہتا ہے تو آ۔ اگر تو زمین اور آسمان چاہتا ہے تو آ۔

37۔ آسمان کے پیرو مرشد نے مجھے یہ راز بتائے۔ ساتھیوں سے راز چھپائے نہیں جا سکتے۔

تشریح:

اکتیسویں شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میری جان میں بجلیاں سوئی ہوئی ہیں۔ پہاڑ اور صحرا جن کی وسعت بہت زیادہ ہے وہ میری دوڑ دھوپ کا میدان ہیں۔ سوز، درد، تڑپ اور جذبے وہ بجلیاں ہیں جو اقبال کی جان میں موجود ہیں اور ان کا دائرہ کار جغرافیائی لحاظ سے محدود نہیں ہے بلکہ وسیع پہاڑ اور صحرا ان کی دوڑ دھوپ کا میدان ہیں۔ اگلے شعر میں وہ للکار کر کہتے ہیں کہ اگر تو صحرا ہے تو پھر میرے سمندر سے پنجہ آزمائی کر۔ اگر تو کوہ سینا ہے تو پھر میری بجلی اپنے

دامن میں سمیٹ۔ مراد یہ ہے کہ اگر تجھے اپنے آپ پر بھروسا ہے تو آ میرے جذبوں سے پنجہ آزمائی کرتا کہ تو حقیقت سے آگاہ ہو سکے۔ اس شعر میں علامہ اقبال نے کوہ سینا اور بجلی کا ذکر کر کے تلمیح کا استعمال کیا ہے۔ تینتیسویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے آب حیات کا چشمہ مجھے دے دیا ہے۔ انہوں نے مجھے رازِ حیات سے آگاہ کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے مجھے آب حیات کا چشمہ دیا گیا ہے تا کہ اپنی شاعری کے ذریعے میں مردہ جسموں میں زندگی کی نئی روح پھونکوں۔ انہوں نے مجھے زندگی کے رازوں کا محرم بنا دیا ہے یعنی مجھ پر ایسے راز کھول دیئے جو سربستہ تھے۔ اس سے اگلے شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ میرے نغمے کے سوز سے ذرہ زندہ ہو گیا۔ اس نے پر کھولے اور چمکنے والا کیڑا بن گیا۔ یہاں نغمہ، شاعری کے لیے استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ذرہ بے جان ہوتا ہے مگر شاعری کے اثر سے وہ زندہ ہو گیا۔ نہ صرف زندہ ہوا بلکہ ایک خوددار چمکنے والا کیڑا جگنو بن گیا۔ اقبال کے نزدیک جگنو خودداری کی علامت ہے۔ وہ چاند سے زیادہ جگنو کی حیثیت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک چاند تو سورج کی روشنی کا مرہونِ منت ہے اس لیے اس کی پیشانی پر سورج کے احساس کا داغ ہے۔ چاند کے مقابلے میں ننھا سا کیڑا جگنو اپنی روشنی خود پیدا کرتا ہے اس لیے یہ خوددار ہے۔ اگلے شعر میں کہتے ہیں کہ جو راز میں بتاتا ہوں وہ کسی نے نہیں بتائے۔ میری سوچ کی طرح کسی نے معنی کے موتی نہیں پروئے۔ اس شعر میں انہوں نے اپنے افکار کی اہمیت بیان کی اور کہا ہے کہ اس سے پہلے ان رازوں سے کسی نے آگاہ نہیں کیا۔ وہ اگلے دو شعروں میں فرماتے ہیں اے اس کلام کو پڑھنے والے اگر تو ہمیشہ رہنے والی عیش و عشرت اور خوشی کا راز جاننا چاہتا ہے تو پھر تو میرے پاس آ، اگر تو زمین اور آسمان دونوں حاصل کرنا چاہتا ہے تو پھر میرے پاس آ۔ اس شعر میں اقبال نے متضاد الفاظ زمین اور آسمان ایک شعر میں لا کر صنعت تضاد استعمال کی ہے۔ چونکہ اقبال ہر چیز کو شریعت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور ان کا کوئی نظریہ شریعت سے متصادم نہیں ہے اس لیے جو کچھ ان کے کلام میں کہا گیا ہے اس پر عمل کرنے سے آسمان اور زمین دونوں کی نعمتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اقبال یہ بھی کہتے ہیں کہ آسمان کے پیر و مرشد نے مجھے یہ راز بتائے ہیں۔ میں انہیں اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ دوستوں سے راز چھپائے نہیں جا سکتے۔

۳۸۔ ساقیا بر خیز و مَے در جام کن — محو از دل کاوشِ ایام کن

۳۹۔ شعلۂ آبے کہ اصلش زمزم است — گر گدا باشد پرستارش جم است

۴۰۔ می کند اندیشہ را ہشیار تر — دیدۂ بیدار را بیدار تر

۴۱۔ اعتبارِ کوہ بخشد کاہ را — قوتِ شیراں دہد روباہ را

۴۲۔ خاک را اوجِ ثریا میدہد — قطرہ را پہنائے دریا میدہد

الفاظ معانی:

برخیز: اٹھ، کاوش ایام: زمانے کے غم، شعلہ آبی: ایسے پانی کا شعلہ، اصلش: جس کی بنیاد، پرستارش: اس کی نگہداری کرنے والا، جم: جمشید، اندیشہ: عقل، کوہ: پہاڑ، کاہ: تنکا، روباہ: لومڑی، اوج: بلندی، ثریا: چھ ستاروں کا جھرمٹ، دریا: سمندر۔

ترجمہ:

38۔ اے ساقی، اٹھ اور جام میں شراب ڈال۔ زمانے کے رنج و غم میرے دل سے محو کر۔

39۔ پانی کا وہ شعلہ جس کی بنیاد زمزم ہے۔ اگر فقیر اس کی نگہداری کرنے والا ہو تو وہ جمشید ہے۔

40۔ وہ (شراب) عقل کو اور زیادہ ہوشیار کرتی ہے اور بیدار آنکھ کو اور زیادہ بیدار کرتی ہے۔

41۔ وہ تنکے کو پہاڑ کا وقار بخشتی ہے۔ لومڑی کو شیروں کی طاقت عطا کرتی ہے۔

42۔ وہ خاک کو ثریا کی بلندی دیتی ہے۔ قطرے کو سمندر کی وسعت دیتی ہے۔

تشریح:

علامہ اقبال اڑتیسویں شعر میں ساقی کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے ساقی، اے پلانے والے، میرے جام میں شراب ڈال۔ زمانے کے رنج وغم میرے دل سے مٹادے۔ یعنی اس شراب کے ذریعے میرے دل سے زمانے کے رنج وغم مٹادے۔ اگلے شعر میں اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ کون سی شراب؟ پانی کا وہ شعلہ جس کی بنیاد زمزم ہے۔ مراد یہ ہے ایسی شراب جس کی بنیاد زمزم کی طرح پاکیزہ ہے۔ دنیاوی شراب نہیں بلکہ شراب معرفت، شراب عشق الٰہی جس کو پی کر انسان ایسا مست ہوتا ہے کہ زمانے کے رنج وغم اس کے دل سے محو ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی فقیر ایسی پاکیزہ شراب کی نگہداری کرے تو وہ فقیر درحقیقت جمشید ہے یعنی بادشاہ ہے۔ دنیاوی شراب عقل کو کند کرتی ہے جب کہ حقیقی شراب یا عشق الٰہی کی شراب عقل کو اور زیادہ ہوشیار کرتی ہے۔ بیدار آنکھ کو اور زیادہ بیدار کرتی ہے۔ اسے وہ نظر آنے لگتا ہے جسے عام آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ حقیقی شراب ایک بے قیمت تنکے کو پہاڑ کا وقار بخشتی ہے۔ کمزور لومڑی کو شیروں کی سی طاقت عطا کر دیتی ہے۔ حقیقی شراب خاک کو ثریا کی بلندی دیتی ہے اور ایک قطرے کو سمندر کی وسعت عطا کرتی ہے۔ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو علامہ اقبال نے شراب حقیقی کی تاثیر کے حوالے سے بیان کی ہیں۔

۴۳۔ خامشی را شورشِ محشر کند — پائے کبک از خونِ باز احمر کند

۴۴۔ خیز و در جامم شرابِ ناب ریز — بر شبِ اندیشہ ام مہتاب ریز

۴۵۔ تا سوے منزل کشم آوارہ را — ذوقِ بیتابی دہم نظارہ را

۴۶۔ گرم رو از جستجوئے نو شوم — روشناسِ آرزوئے نو شوم

۴۷۔ چشمِ اہلِ ذوق را مردُم شوم — چون صدا در گوشِ عالم گم شوم

الفاظ معانی:

شورش محشر: قیامت کا ہنگامہ، پائے کبک: چکور کے پاؤں، احمر: سرخ، شراب ناب: خالص شراب، اندیشہ: عقل، مہتاب: چاندنی، سوے منزل: منزل کی سمت، نو: نئی، مردم: پتلی، چون صدا: آواز کی طرح، گوش عالم: دنیا کا کان۔

ترجمہ:

43۔ وہ خاموشی کو قیامت کا ہنگامہ بنا دیتی ہے۔ چکور کے پنجوں کو باز کے خون سے سرخ کرتی ہے۔

44۔ اٹھ اور میرے جام میں خالص شراب ڈال۔ میری عقل کی رات پر چاندنی بکھیر۔

45۔ تاکہ میں آواروں کو منزل کی طرف لاؤں۔ نگاہوں کو بیتابی کا ذوق عطا کروں۔

46۔ نئی جستجو کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھانے والا بن جاؤں۔ نئی آروز سے روشناس ہو جاؤں۔

47۔ اہل ذوق کی آنکھ کی پتلی بن جاؤں۔ آواز کی طرح دنیا کے کانوں میں گم ہو جاؤں۔

تشریح:

علامہ محمد اقبال عشق الٰہی کی پاکیزہ شراب کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں یہ شراب خاموشی کو قیامت کا ہنگامہ بنادیتی ہے۔ چکور کے پنجوں کو باز کے خون سے سرخ کرتی ہے۔ عام طور پر ہوتا یہی ہے کہ باز اپنے پنجوں کو چکور کے خون سے سرخ کرتے ہیں۔ شراب معرفت کمزور چکور کو اتنی طاقت بخشتی ہے کہ وہ باز کا شکار کرے یعنی ناممکن کو ممکن کر دکھائے۔ وہ پھر ساقی سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اٹھ اور میرے جام میں معرفت الٰہی کی خالص شراب ڈال اور میری

عقل کی رات پر چاندنی بکھیر۔ مراد یہ ہے میری وہ عقل جو تاریکیوں میں سرگرداں ہے اسے عشق الٰہی کے ذریعے روشنی فراہم کرتا کہ اس عقل پر حقیقت عیاں ہو جائے۔ اگلے شعر میں وہ کہتے ہیں مجھے خالص شراب دے تا کہ میں آواروں کو منزل کی طرف لاؤں اور ننگا ہوں کو بیتابی کا ذوق عطا کروں یعنی میں اپنی سرگرداں ملت کے افراد کو راستہ دکھاؤں اور وہ آنکھیں جو خواب غفلت میں بند ہیں ان کو بیتابی کا ذوق عطا کروں۔ یہ شراب پی کر میں نئی جستجو کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھانے والا بن جاؤں اور نئی امیدوں اور آرزوں سے روشناس ہو جاؤں اسی طرح اہل ذوق کی آنکھ کی پتلی بن جاؤں۔ انسان کی آنکھ کو جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ آنکھ کی پتلی کے ذریعے دکھائی دیتا ہے۔ علامہ اقبال یہاں یہ آرزو کر رہے ہیں کہ میں اہل ذوق کی آنکھ کی پتلی بن جاؤں یعنی ان کو میں نئی دنیا دکھاؤں اور آواز کی طرح ان کے کانوں میں گم ہو جاؤں۔ شاعری سننے کا تعلق کان سے ہے اور اقبال کی آرزو یہ ہے کہ ان کا کلام ان کی ملت کے لوگوں کے کانوں میں اتر جائے۔

۴۸۔ قیمتِ جنسِ سخن بالا کنم — آبِ چشمِ خویش در کالا کنم

۴۹۔ باز بر خوانم زفیضِ پیرِروم — دفترِ سربستہ اسرارِ علوم

۵۰۔ جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار — من فروغ یك نفس مثلِ شرار

۵۱۔ شمعِ سوزاں تاخت بر پروانہ ام — بادہ شبخوں ریخت برپیمانہ ام

۵۲۔ پیرِ رومی خاك را اکسیر کرد — از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

۵۳۔ ذرّہ ازخاكِ بیاباں رخت بست — تاشعاعِ آفتاب آرد بدست

۵۴۔ موجم و دربحرِ او منزل کنم — تا دُرِ تابندۂ حاصل کنم

۵۵۔ من کہ مستی ہاز صہبایش کنم — زندگانی از نفس ہایش کنم

الفاظ معانی:

جنس سخن: شاعری، کلام، آب چشم خویش: اپنی آنکھوں کے آنسو، باز: دوبارہ، برخواندن: پڑھنا، اسرار: راز (جمع)، فروغ یك نفس: ایک لمحہ کی روشنی، مثل شرار: چنگاری کی طرح، تاختن: حملہ کرنا، پیمانہ ام: میرا جام، رخت بستن: سامان باندھنا، آردبدست: حاصل کرے، در تابندہ: چمکدار موتی، صہبایش: اس کی شراب، نفس ہایش: اس کی سانسیں۔

ترجمہ:

48۔ میں شاعری کی قیمت بڑھاؤں۔ اپنی آنکھوں کے آنسو اس مال میں شامل کردوں۔

49۔ پیرروم کے فیض سے علوم کے رازوں کا سربستہ دفتر پھر پڑھوں۔

50۔ اس کی جان میں شعلوں کا خزانہ ہے۔ مجھ میں چنگاری طرح لمحے بھر کی روشنی ہے۔

51۔ جلتی ہوئی شمع میرے پروانے پر حملہ آور ہوئی۔ شراب نے میرے جام پر شبخوں مارا۔

52۔ پیرروم نے (میری) خاک کو اکسیر بنادیا اور غبار سے جلوے تعمیر کیے۔

53۔ ذرے نے بیابان کی خاک چھوڑ دی تا کہ سورج کی کرن حاصل کرے۔

54۔ میں موج ہوں اور اس کے سمندر میں میرا بسیرا ہے تا کہ ایک چمکدار موتی حاصل کروں۔

55۔ میں اس کی شراب سے مست رہتا ہوں اور اس کی سانسوں سے زندگی گزارتا ہوں۔

تشریح:

علامہ اقبال اڑتالیسویں شعر میں کہتے ہیں کہ میں اپنی شاعری کی قدر و قیمت کو بڑھاؤں اور وہ اس طرح سے کہ شاعری میں اپنے دل کے درد و غم اور اپنے آنسوؤں کو شامل کرلوں کیونکہ جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر اثر کرتی ہے۔ اگلے اشعار میں وہ اپنے پیر اور مرشد مولانا روم کے بارے میں اظہار نظر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں پیر روم مولانا جلال الدین رومی کے فیض سے پھر وہ دفتر دنیا کو سناؤں جس میں علوم کے راز بند ہیں۔ مولانا روم کی جان میں شعلوں کا خزانہ ہے ان کے مقابلے میں میری حیثیت ایک ایسی چنگاری کی سی ہے جو لمحے بھر کے لیے روشن ہوتی ہے۔ مولانا کی جلتی ہوئی روشن شمع میرے پروانے پر حملہ آور ہوئی اور ان کی حقیقی شراب نے میرے جام پر شبخون مارا۔ مراد یہ ہے کہ ان کے جذبات کی تپش اور عشق الٰہی کی شراب مجھے ان سے حاصل ہوئی۔ پیر روم نے میری خاک کو اکسیر کر دیا اور میں جو مٹی کا محض غبار تھا اس سے انہوں نے جلوے تعمیر کر دیئے۔ وہ جلوے جو لوگوں کو ایک نیا جہان دکھا سکیں۔ پیر روم کی شراب معرفت کی تاثیر سے ذرے یعنی میں نے صحرا کی خاک سے اپنا سامان باندھا تا کہ سورج کی کرن حاصل کرسکوں۔ مراد یہ ہے کہ میں زمین کی تاریکیوں سے نکل کر روشنی کا طالب ہوگیا۔ اگلے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ میں موج ہوں اور میرا بسیرا اس لیے سمندر میں ہے کہ کوئی چمکدار موتی یا مروارید حاصل کرسکوں یعنی میں ایک موج ہوں اور میرا بسیرا مولانا روم کے علم و حکمت کے سمندر میں ہے تا کہ میں کوئی علم کا گوہر پاسکوں۔ میں مولانا روم کی شراب سے مست رہتا ہوں اور اس کی سانسوں سے زندگی گزارتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ میرا اوڑھنا بچھونا مولانا روم کے وہ افکار ہیں جو انہوں نے اپنے کلام میں بیان کیے ہیں۔

۵۶۔ شب دل من مائلِ فریاد بُود — خامشی از یارب آباد بُود!

۵۷۔ شکوہ آشوبِ غمِ دوراں بُدم — از تہی پیمانگی نالاں بُدم

۵۸۔ ایں قدر نظّارہ ام بیتاب شد — بال و پر بشکست و آخر خواب شد

۵۹۔ روئے خود بنمود پیرِ حق سرشت — کو بحرفِ پہلوی قرآں نوشت

۶۰۔ گفت اے دیوانۂ اربابِ عشق — جرعۂ گیر از شرابِ نابِ عشق

الفاظ معانی:

غم دوران: زمانے کا غم، تہی پیمانگی: جام کا خالی ہونا، حق سرشت: حق فطرت، نوشتن: لکھنا، ارباب عشق: عشق کے مالک، جرع: گھونٹ، شراب ناب: خالص شراب۔

ترجمہ:

56۔ رات کو میرا دل فریاد پر مائل تھا۔ خاموشی میری یارب کی آواز سے آباد تھی۔

57۔ میں زمانے کے غموں کی شکایات کا طوفان برپا کیے تھا۔ جام کے خالی ہونے پر شاکی تھا۔

58۔ میری نگاہیں اس قدر بیتاب ہوئیں کہ بال و پر توڑ بیٹھیں اور آخر میں سو گیا۔

59۔ حق فطرت پیر میرے خواب میں آئے۔ جنہوں نے پہلوی (زبان) میں قرآن لکھا۔

60۔ انہوں نے کہا: اے اہل عشق کے دیوانے عشق کی خالص شراب سے ایک گھونٹ لے۔

تشریح:

علامہ اقبال ایک رات اپنے دل کی کیفیت کا ماجرا خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رات کو میرا دل فریاد کی طرف مائل تھا۔ اردگرد خاموشی تھی اور میں یارب یارب کا ورد کر رہا تھا۔ میں نے زمانے کے ناساز گار حالات کی شکایتوں کا طوفان برپا کر رکھا تھا اور اپنا جام شراب معرفت سے خالی ہونے پر شکوہ کر رہا تھا۔ میری نظریں اس قدر بیتاب اور بے قرار ہوئیں کہ اپنے بال و پر توڑ بیٹھیں۔ ان میں مزید ادھر ادھر پرواز کرنے کی طاقت نہ رہی اور بالآخر مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں مولانا روم تشریف لائے جن کی فطرت سراپا حق ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے پہلوی زبان میں قرآن مجید کے حقائق بیان کیے ہیں۔ پہلوی زبان کو فارسی میانہ بھی کہتے موجودہ فارسی (دری) اس کی ارتقائی شکل ہے۔ یہاں علامہ محمد اقبال کا اشارہ مولانا جامی کے اس شعر کی جانب ہے:

مثنوی مولوی معنوی
ہست قرآن درزبان پہلوی
(مولوی کی مثنوی معنوی پہلوی زبان میں قرآن ہے)

اگلے شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ مولانا روم نے مجھے کہا اے اہل عشق کے دیوانے تو بھی عشق کی خالص شراب سے ایک گھونٹ پی لے۔ ان کا اشارہ عشق الٰہی کی خالص حقیقی شراب کی جانب ہے۔

٦١۔ بر جگر ہنگامۂ محشر بزن — شیشہ بر سر دیدہ برنشتر بزن
٦٢۔ خندہ را سرمایۂ صد نالہ ساز — اشکِ خونیں راجگر پر کالہ ساز
٦٣۔ تابکے چوں غنچہ می باشی خموش — نکہت خود را چو گل ارزاں فروش
٦٤۔ در گرہ ہنگامہ داری چوں سپند — محملِ خود بر سرِ آتش بہ بند
٦٥۔ چوں جرس آخر زہر جزوِ بدن — نالۂ خاموش را بیروں فگن

الفاظ معانی:

بزن: مار، خندہ: ہنسی، اشك خونین: خون کے آنسو، پر کالہ: ٹکڑا، تابکے: کب تک، نکہت خود: اپنی خوشبو، ارزان: سستا، سپند: حرمل، محمل: کجاوا، بربند: باندھ، جرس: گھنٹی، بیرون فگن: باہر نکال۔

ترجمہ:

61۔ جگر میں قیامت کا ہنگامہ پیدا کر۔ سر پر شیشہ اور آنکھیں نشتر پر مار۔
62۔ ہنسی کو سینکڑوں فریادوں کا سرمایہ بنا، خون کے آنسوؤں کو جگر کے ٹکڑوں میں تبدیل کر۔
63۔ تو کب تک کلی کی طرح خاموش رہے گا۔ اپنی خوشبو کو پھول کی طرح سستا بیچ۔
64۔ حرمل کے دانے کی طرح تو اپنی گرہ میں ہنگامہ رکھتا ہے تو اپنے کجاوے کو آگ پر باندھ۔
65۔ گھنٹی کی طرح جسم کے ہر حصے سے خاموش نالے باہر نکال۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ محمد اقبال خواب میں مولانا روم سے ہونے والی گفتگو کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ مولانا روم نے فرمایا اپنے جگر یعنی دل میں قیامت کا ہنگامہ پیدا کر شراب کی صراحی سر پر مار اور نشتر سے اپنی آنکھیں پھوڑ لے۔ مراد یہ ہے کہ آنکھوں سے دنیا کے نظارے دیکھنے کی بجائے عشق کو اپنا کاروان راہ بنا۔ ہنسی کو سینکڑوں فریادوں کا سرمایہ بنا۔ خون کے آنسوؤں کو جگر کے ٹکڑوں میں تبدیل کر۔ یعنی خون کے آنسو اتنے سرخ ہوں جیسے جگر کے ٹکڑوں سے خون نکل رہا ہو۔ تو کب تک غنچے کی طرح اپنے ہونٹوں کو بند کیے رکھے گا۔ اپنی خوشبو کو پھول کی طرح سستا کر دے۔ جیسے پھول کی خوشبو بغیر کسی قیمت کے چار سو پھیل جاتی ہے اس طرح تو بھی اپنی خوشبو چار سو پھیلا دے۔ حرمل کے دانے کی طرح تو اپنی گرہ میں ہنگامہ رکھتا ہے۔ حرمل کے دانے کی خاصیت یہ ہے کہ جب یہ آگ میں گرتا ہے تو اس سے چڑ چڑ کی آوازیں آتی ہیں۔ گویا یہ ہنگامہ کرتا ہے اچھلتا ہے اس لیے تو بھی اپنا سر و سامان آگ پر باندھ تا کہ تو بھی حرمل کے دانے کی طرح ہنگامہ برپا کر سکے۔ تیرے جسم کے ہر عضو میں ہر حصے میں ہنگامے موجود ہیں تو ان سے آگاہ ہو جا اور ان کو بروئے کار لاتے ہوئے جرس کی آواز کی طرح باہر نکال تا کہ قوم ان سے بیدار ہو سکے۔

٦٦۔ آتش استی بزمِ عالم برفروز	دیگراں را ہم رسوزِ خود بسوز
٦٧۔ فاش گو اسرارِ پیرِ مَے فروش	موجِ مَے شو کسوتِ مینا بپوش
٦٨۔ سنگ شو آئینہ اندیشہ را	برسرِ بازار بشکن شیشہ را
٦٩۔ از نیستاں ہمچونے پیغام دہ	قیس را از قومِ حَے پیغام دہ
٧٠۔ نالہ را اندازِ نو ایجاد کن	بزم را از ہائے و ہو آباد کن

الفاظ معانی:

برفروز: روشن کر دے، بسوز: جلا دے، فاش گو: صاف بیان کر، موج مے شو: شراب کی لہر بن جا، کسوت: پوشاک، مینا: صراحی، سنگ شو: پتھر بن جا، اندیشہ: عقل، بشکن: توڑ دے، ہمچونے: بانسری کی طرح۔

ترجمہ:

66۔ تو آگ ہے، دنیا کی محفل روشن کر دے۔ دوسروں کو بھی اپنے سوز سے جلا کر رکھ دے۔

67۔ مے فروش پیر کے راز صاف بیان کر۔ شراب کی موج بن جا اور صراحی کا لباس پہن۔

68۔ عقل کے آئینے کے لیے پتھر بن جا۔ (عقل کے) شیشے کو سر بازار توڑ دے۔

69۔ بانسری کی طرح نیستان سے پیغام دے۔ قیس کو قوم حی کی طرف سے پیغام دے۔

70۔ آہ و نالے کا ایک نیا انداز ایجاد کر۔ محفل کو شور و غوغا سے آباد کر۔

تشریح:

ان اشعار میں بھی مولانا روم کا علامہ محمد اقبال کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تو آگ ہے۔ دنیا کی محفل کو اپنی روشنی سے جگمگا دے۔ ''آگ ہے'' سے مراد یہ ہے کہ تجھ میں جذبوں کا سوز اور آگ ہے۔ اپنے ان جذبوں کو دوسروں سے بھی روشناس کروا دے اور ان کے دل بھی ان جذبوں سے بھر دے۔ وہ راز جو مے فروش پیر مولانا روم نے بیان کیے ان کو صاف بیان کر۔ تو خود شراب عشق الٰہی یا شراب حقیقی کی موج بن جا اور اس کی صراحی کا لباس

پہن لے۔یعنی شراب عشق الٰہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے۔عقل کے آئینے کے لیے پتھر بن جا اور عقل کے شیشے کو سر بازار توڑ دے۔عقل کے شیشے کو سر بازار توڑنا تھوڑا عجیب ضرور لگتا ہے۔مگر حقیقت یہ ہے کہ علامہ محمد اقبال عقل اور دل دونوں کے مکتب میں سے دل کے مکتب کو ترجیح دیتے ہیں۔ان کے نزدیک عقل انسان کو پھول بھلیوں میں ڈالتی ہے۔جب کہ دل کے جذبوں سے انسان ناممکن کو ممکن کر دکھاتا ہے۔طارق بن زیاد کا اندلس کے کنارے کشتیاں جلانا عقل کی رو سے غلطی تھی مگر دل کے جذبوں کے اعتبار سے یہی بات فتح کا باعث بنی۔اس لیے وہ کہتے ہیں کہ عقل کے آئینے کو سر بازار پتھر سے توڑ دے۔عقل ہمیشہ نفع اور نقصان کے چکر میں رہتی ہے۔تو ایک بانسری طرح نغمے الاپنے والا ہے۔وہ نغمے جو بانسری کے نیستان یعنی سرکنڈوں کے جنگل سے جدا ہونے کا پتہ دیتے ہیں ان نغموں میں نیستان سے جدا ہونے کا دکھ اور رنج موجود ہے۔اس طرح تو بھی ایسے شعر کہہ جن میں تیرے دل کا درد اور سوز موجود ہو اور تو ان شعروں سے سب کو درد آشنا کر دے۔عاشق کو ہمیشہ محبوب کی طرف سے پیغام کا انتظار رہتا ہے۔اس لیے تو لیلیٰ کے قبیلے ”حی“ کی طرف سے مجنوں کو محبت کا پیغام دے۔اپنی آہوں اور نالوں کے لیے ایک نیا انداز ایجاد کر۔محفل کو اپنے شور وغوغا کی آواز سے آباد کر دے۔یعنی سوئی ہوئی قوم کو اپنے شور وغوغا کی آواز سے بیدار کر دے۔یہ سب وہ باتیں ہیں جو مولانا روم نے علامہ اقبال سے ان کے خواب میں کی ہیں۔

۷۱۔ خیز و جانِ نو بدہ ہر زندہ را　　از قُمِ خود زندہ تر کن زندہ را

۷۲۔ خیز و پا بر جادۂ دیگر بنہ　　جوشِ سودائے کہن از سر بنہ

۷۳۔ آشنائے لذّتِ گفتار شو　　اے درائے کاروان بیدار شو

۷۴۔ زیں سخن آتش بہ پیراہن شدم　　مثلِ نے ہنگامہ آبستن شدم

۷۵۔ چوں نوا از تارِ خود برخاستم　　جنّتے از بہرِ گوش آراستم

۷۶۔ بر گرفتم پردہ از رازِ خودی　　وا نمودم سرِّ اعجازِ خودی

الفاظ معانی:

خیز :اٹھ، جان نو :نئی روح، قم :قم عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں اٹھ، جادہ دیگر :اور راستہ، نہادن :رکھنا، جوش سودا :دیوانگی کا جوش، کہن :پرانا، ازسر نہادن :سر سے اتارنا، گفتار :گفتگو، درائے کاروان :قافلے کی گھنٹی، مثل نے :بانسری کی طرح، آبستن :لبریز ہونا، چون نوا :آواز کی طرح، برخاستن :اٹھنا، گوش :کان، بر گرفتن :اٹھانا، وانمودن :ظاہر کرنا، اعجاز :معجزہ۔

ترجمہ:

71۔ اٹھ اور ہر زندہ کو نئی روح دے اور اپنے ”قم“ سے زندہ کو زندہ تر کر دے۔

72۔ اٹھ اور دوسرے راستے پر قدم رکھ۔پرانی دیوانگی کا جوش سر سے اتار دے۔

73۔ لذت بیان سے آشنا ہو جا، اے قافلے کی گھنٹی بیدار ہو جا۔

74۔ اس بات سے میرے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔میں بانسری کی طرح ہنگامے سے لبریز ہو گیا۔

75۔ آواز کی طرح اپنی تار سے اٹھا۔میں نے کانوں کے لیے ایک جنت آراستہ کر دی۔

76۔ میں نے خودی کے راز سے پردہ اٹھا دیا۔خودی کہ معجزے کا راز ظاہر کر دیا۔

تشریح:

علامہ اقبال نے شعر نمبر 71 سے 73 تک وہی باتیں بیان کی ہیں جو مولانا روم نے علامہ اقبال کے خواب میں ان سے کیں۔ مولانا روم نے کہا اٹھ اور ہر زندہ میں نئی روح پھونک۔ جو زندہ ہیں ان کو اپنے "قم" سے اور زیادہ زندہ کردے۔ اس شعر میں علامہ اقبال نے ایک قرآنی تلمیح نہایت خوبصورت انداز سے پیش کی ہے اور حضرت عیسیٰ کے اس معجزے کی طرف اشارہ کیا ہے جس وہ "قم باذن اللہ" (اللہ کے حکم سے اٹھ) کہہ کر مردوں کو زندہ کردیتے تھے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ قوم جو خواب غفلت میں غرق ہو کر مردوں جیسی ہوگئی ہے اس میں حضرت عیسیٰؑ کی طرح نئی روح پھونک دے اور زندوں کو اور زیادہ زندہ کردے۔ اگلے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ اٹھ اور نئے راستے پر گامزن ہو جا اور پرانی دیوانگی کا جوش سر سے اتار دے کیونکہ پرانا طریقہ کارگر ثابت نہیں ہوسکا اس لیے نئے راستے پر قدم رکھ۔ بیان کی لذت سے آشنا ہو جا۔ یعنی اس انداز سے شعر بیان کر کہ دوسروں پر اثر کریں۔ اے قافلے کی گھنٹی بیدار ہو جا۔ اس شعر میں علامہ اقبال نے شاعر کے لیے "جرس" یعنی گھنٹی اور قوم کے لیے "کارواں" کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ جس طرح گھنٹی قافلے والوں کو چلنے کے لیے بیدار کرتی ہے اسی طرح شاعر بھی قوم کو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ شاعر اپنی قوم کو اس وقت بیدار کرسکتا ہے جب وہ خود بیدار ہو۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میں مولانا روم کی اس بات سے میں بے قرار ہوگیا اور اضطراب کی حالت مجھ پر طاری ہوگئی۔ میں بانسری کی طرح ہنگامے سے لبریز ہوگیا۔ آواز کی طرح میں اپنے ساز کے تار سے اٹھا اور میں نے دنیا کے کانوں کے لیے جنت آراستہ کردی۔ کانوں کے لیے جنت علامہ اقبال کی شاعری ہے۔ میں نے خودی کے راز سے پردہ اٹھا دیا اور خودی کی کرامت کا معجزہ ظاہر کردیا۔ خودی راز اس لیے ہے کہ اقبال سے پہلے اس انداز سے کسی نے خودی کو ظاہر نہیں کیا اور یہ معجزہ اس لیے ہے کہ جب انسان اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو خود شناسی کے عمل سے دریافت کرلیتا ہے تو پھر وہ ناممکن کو ممکن کرنے کی طاقت پالیتا ہے۔

۷۷۔	بود نقشِ، ہستیم انگارۂ	نا قبولے نا کسے نا کارۂ
۷۸۔	عشق سوہاں زد مرا آدم شدم	عالمِ کیف و کمِ عالم شدم
۷۹۔	حرکتِ اعصابِ گردوں دیدہ ام	در رگِ مہ گردشِ خوں دیدہ ام
۸۰۔	بہرِ انساں چشمِ من شبہا گریست	تا دریدم پردۂ اسرارِ زیست
۸۱۔	از درونِ کارگاہِ ممکنات	بر کشیدم سرِّ تقویمِ حیات

الفاظ معانی:

انگارۂ: خیالی، سوہاں: ریتی، مرا: مجھے، گردوں: آسمان، دیدہ ام: میں نے دیکھی ہے، مہ: چاند، بہرِ انساں: انسان کے لیے، چشمِ من: میری آنکھیں، گریستن: رونا، دریدن: پھاڑنا، زیست: زندگی، کار گاہ: کارخانہ، تقویم حیات: زندگی کی حقیقت۔

ترجمہ:

77۔ میری ہستی کا نقش خیال تھا، ناقابل قبول، ناکس اور ناکارہ تھا۔

78۔ عشق نے مجھ پر ریتی لگائی اور میں انسان بن گیا۔ میں دنیا کی تمام چیزوں اور کیفیات سے آگاہ ہوگیا۔

79۔ میں نے آسمان کے اعصاب کی حرکت دیکھی ہے۔ چاند کی رگوں میں خون کی گردش دیکھی ہے۔

80۔ انسانوں کے لیے میری آنکھیں راتوں کو روئیں تب جا کر میں نے زندگی کے رازوں کا پردہ چاک کیا۔

81۔ ممکنات کے کارخانے کے اندر سے میں نے زندگی کی حقیقت کے راز کو پالیا۔

تشریح:

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اس سے پہلے میرا وجود ایک نا تمام یعنی ادھورا، خیالی اور نا قابل قبول تھا۔ اس کی حیثیت ایک بے رنگ خاک کے سے زیادہ نہ تھی۔ یہ وجود کسی کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔ نہ اس میں کوئی خوبی تھی اور نہ یہ کسی کے کام آ سکتا تھا۔ مجھ پر عشق کی ریتی لگی اور میں انسان ہو گیا یعنی میں نے آدمی کی صورت اختیار کر لی اور اس کے ساتھ ساتھ میں دنیا کے تمام رازوں کو جاننے والا بن گیا۔ میں نے وہ چیزیں دیکھیں جو عام آنکھ سے کسی نے نہ دیکھی ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے آسمان کے پٹھوں کی حرکت دیکھی ہے اور چاند کی رگوں میں خون کی گردش دیکھی ہے یعنی میں چاند اور آسمان کے اندرونی امور سے آگاہ ہو گیا ہوں اور ایسا عشق الٰہی کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں نے اپنی راتیں انسانوں کے غم میں رو رو کر گزاریں تب جا کر میں اس قابل ہوا کہ زندگی کے رازوں کا پردہ چاک کر سکوں اور زندگی کے بھیدوں کو جان سکوں۔ اس ممکنات کے کارخانے یعنی اس دنیا کے اندر میں نے زندگی کی حقیقت کا راز پا لیا۔

۸۲۔ من کہ ایں شب را چومہ آراستم ‌ ‌ گردِ پائے ملّتِ بیضا ستم

۸۳۔ ملتے در باغ و راغ آوازہ اش ‌ ‌ آتشِ دلہا سرودِ تازہ اش

۸٤۔ ذرّہ کشت و آفتاب انبار کرد ‌ ‌ خرمن از صد رومی و عطّار کرد

۸۵۔ آہِ گرمم رخت بر گردوں کشم ‌ ‌ گرچہ دُو دم از تبارِ آتشم

۸٦۔ خامہ ام از ہمّتِ فکرِ بلند ‌ ‌ راز ایں نُہ پردہ در صحرا فگند

۸۷۔ قطرہ تا ہمپایۂ دریا شود ‌ ‌ ذرّہ از بالیدگی صحرا شود

الفاظ معانی:

چومہ: چاند کی طرح، ملت بیضا: ملت اسلامیہ، راغ: سبزہ زار، آوازہ اش: اس کی شہرت، سرود: نغمہ، کشتن: بونا، آفتاب: سورج، خرمن: کھلیان، گردوں: آسمان، دود: دھواں، تبار: خاندان، خامہ ام: میرا قلم، نہ: نو، ہمپایہ دریا: سمندر کا ہم پلہ، بالیدگی: نشو و نما، بڑھنا۔

ترجمہ:

82۔ میں نے اس رات کو چاند کی طرح آراستہ کیا۔ میں ملت اسلامیہ کے پاؤں کی خاک ہوں۔

83۔ وہ قوم جس کی شہرت باغوں اور سبزہ زاروں میں ہے اس کا تازہ نغمہ دلوں کے لیے آگ ہے۔

84۔ اس (قوم) نے ذرہ بویا اور سورج کا انبار لگایا۔ اس نے کھلیان سینکڑوں رومیوں اور عطاروں سے بھر دیا۔

85۔ میں ایک گرم آہ ہوں، آسمان تک میری رسائی ہے۔ اگرچہ میں دھواں ہوں اور آگ کے خاندان سے ہوں۔

86۔ میرے قلم نے بلندی فکر کی ہمت سے ان نو پردوں کا راز صحرا میں عیاں کر دیا۔

87۔ تا کہ قطرہ سمندر کے برابر پہنچ جائے اور ذرہ بڑھ کر صحرا بن جائے۔

تشریح:

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میں نے زندگی کی تاریکیوں سے چھٹکارہ پا لیا ہے اور زندگی کے اندھیروں کو روشن چاند کی طرح منور کر لیا ہے جبکہ میں خود ملت اسلامیہ کے پاؤں کی خاک ہوں۔ ملت اسلامیہ ایسی ملت ہے جس کی شہرت باغوں اور سبزہ زاروں میں ہے یعنی اس کی شہرت دنیا میں چاروں طرف ہے۔ اس ملت کا تازہ گیت دلوں کو گرما دینے والا ہے۔ ملت اسلامیہ وہ قوم ہے جس نے ذرہ بویا اور سورج کا انبار لگا لیا۔ ملت اسلامیہ کے کھیت سے جو فصل ملی وہ

سینکڑوں رومیوں اور عطاروں کی شکل میں عظیم لوگ ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ملت اسلامیہ نے بہت بڑی بڑی ہستیوں کو اپنے دامن میں پرورش دی ہے۔ اگلے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ میں ایک گرم آہ ہوں اور آسمانوں تک میری رسائی ہے۔ اگرچہ میں دھواں ہوں مگر میرا تعلق آگ کے خاندان سے ہے۔ آگ کی اسی فضیلت کا دعویٰ ابلیس نے کیا تھا۔ جب اسے مٹی سے بنے آدم کو سجدہ کرنے کا کہا گیا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے بنا ہے۔ میں اس سے افضل ہوں۔ اقبال کہتے ہیں کہ میرے قلم نے فکری بلندی کے بل بوتہ پر نو آسمانوں کے راز سب پر ظاہر کر دیئے تاکہ ایک معمولی قطرہ سمندر کے ہم پایہ ہو جائے اور ایک معمولی ذرہ بڑھ کر صحرا بن جائے۔

۸۸۔ شاعری زیں مثنوی مقصود نیست — بت پرستی بت گری مقصود نیست

۸۹۔ ہندیم از پارسی بیگانه ام — ماہ نو باشم تہی پیمانه ام

۹۰۔ حُسنِ اندازِ بیاں از من مجو — خوانسار و اصفہاں از من مجو

۹۱۔ گرچہ ہندی در عذوبت شکر است — طرزِ گفتارِ دری شیریں تر است

۹۲۔ فکرِ من از جلوه اش مسحور گشت — خامهٔ من شاخِ نخلِ طور گشت

۹۳۔ پارسی از رفعت اندیشه ام — در خورد با فطرت اندیشه ام

۹۴۔ خُرده بر مینا مگیر اے ہوشمند — دل بذوقِ خردهٔ مینا ببند

الفاظ معانی:

بت گری: بت بنانا، ماہ نو: نیا چاند، تہی پیمانہ: خالی جام، مجو: طلب نہ کر، درعذوبت: مٹھاس میں، طرز گفتار: طرز سخن، خامہ: قلم، نخل طور: طور کا درخت، رفعت: بلندی، اندیشہ: فکر، درخورد: مناسبت رکھتی ہے، خردہ گرفتن: اعتراض کرنا، خردۂ مینا: صراحی کی شراب۔

ترجمہ:

88۔ اس مثنوی کی ذریعے شاعری کرنا مقصود نہیں۔ بت پرستی یا بت تراشی مقصود نہیں۔

89۔ میں ہندوستانی ہوں اور فارسی سے بیگانہ ہوں۔ نیا چاند ہوں اور میرا جام خالی ہے۔

90۔ انداز بیان کے حسن کی توقع مجھ سے نہ رکھ۔ خوانسار اور اصفہان مجھ سے طلب نہ کر۔

91۔ اگرچہ ہندی مٹھاس میں شکر ہے مگر دری کا طرز سخن زیادہ میٹھا ہے۔

92۔ میری فکر اس کے جلوے سے مسحور ہوگئی۔ میرا قلم طور کے درخت کی شاخ بن گیا۔

93۔ میرے افکار بلند ہیں اور فارسی میرے افکار کی فطرت سے مناسبت رکھتی ہے۔

94۔ اے عقلمند صراحی پر اعتراض نہ کر بلکہ صراحی میں موجود شراب کے ذوق سے دل لگا۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ محمد اقبال اپنی شاعری کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے جو یہ مثنوی اسرار خودی تحریر کی ہے اس سے میرا مقصد شاعری کرنا یا شاعری کے کمالات دکھانا نہیں ہے۔ اس سے بت پرستی یا بت تراشی مقصود نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں عام شاعروں کی طرح اپنے شعروں میں محبوب کی حسن پرستی کے چرچے نہیں کرنا چاہتا یا اس کی خوبصورتی کے بت نہیں تراشنا چاہتا۔ یہ قابل ذکر بات ہے کہ علامہ اقبال کے دور میں زیادہ تر شاعر

محبوب کے لب ورخسار اور کمر کی باریکی پر شاعری کر رہے تھے۔علامہ اقبال نے ان کی روش سے ہٹ کر با مقصد شاعری کی اور اپنی شاعری کو خواب غفلت میں سوئی قوم کو بیدار کرنے کا وسیلہ بنایا۔اقبال کہتے ہیں کہ میں ہندوستانی ہوں اور فارسی زبان سے بیگانہ ہوں۔فارسی میری مادری زبان نہیں ہے۔اس لحاظ سے میری مثال پہلی کے اس چاند جیسی ہے جس کا پیالہ یعنی درمیانی حصہ خالی ہوتا ہے۔اس لیے تو مجھ سے انداز بیان کے حسن کی توقع نہ رکھ۔میری شاعری ایران کے شہروں خوانسار اور اصفہان کے شاعروں جیسی تو نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کی مادری زبان فارسی ہے اس لیے ان کا انداز بیان یقیناً مجھ سے بہتر ہوگا۔اگرچہ ہندوستان میں بولی جانے والی زبان ہندی مٹھاس میں شکر ہے مگر دری (فارسی زبان) کا طرز سخن اور زیادہ شیریں ہے۔میری فکر پر فارسی کی جلوہ افروزی کا جادو چل گیا اور میرا قلم طور کے درخت کی شاخ جیسی اہمیت حاصل کر گیا۔اس شعر میں علامہ اقبال نے تلمیح استعمال کی ہے۔اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جب کوہ طور پر حضرت موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔اقبال کہتے ہیں کہ میرے افکار بلند ہیں اور فارسی زبان میرے افکار کی فطرت سے مناسبت رکھتی ہے۔وہ شعر پڑھنے والے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے عقلمند تو صراحی پر اعتراض نہ کر یعنی میری شاعری کی ظاہری اور فنی خامیوں اور کوتاہیوں پر اعتراض نہ کر بلکہ صراحی میں موجود شراب کے ذوق سے دل لگا۔یعنی ان شعروں میں موجود افکار اور پیغام پر نظر رکھ تا کہ تو ان سے مستفید ہو سکے۔ان اشعار میں علامہ اقبال نے بنیادی طور پر فارسی میں شعر کہنے کی دو وجوہات بیان کی ہیں۔ایک یہ کہ فارسی زبان زیادہ میٹھی ہے اور دوسرا یہ کہ میرے بلند افکار کو اچھے انداز سے پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔علامہ اقبال اپنے پیغام کو تمام عالم اسلام تک پہنچانا چاہتے تھے اور ان کے زمانے میں عالم اسلام کے ایک وسیع حلقے میں فارسی زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی۔فارسی زبان اردو کا سرچشمہ ہے۔علامہ اقبال اپنے کلام کے لیے سرچشمے کا رخ کیا۔

دربیان اینکہ خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد

۹۵۔ نقطۂ نورے کہ نامِ او خودی است — زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی است

۹۶۔ از محبّت می شود پائندہ تر — زندہ تر سوزندہ تر تابندہ تر

۹۷۔ از محبت اشتعالِ جوہرش — ارتقاے ممکناتِ مضمرش

۹۸۔ فطرتِ او آتش اندوزد زعشق — عالم افروزی بیاموزد زعشق

۹۹۔ عشق را از تیغ و خنجر باک نیست — اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست

الفاظ معانی:

شرار زندگی: زندگی کی چنگاری، سوزندہ تر: زیادہ جلانے والی، تابندہ تر: زیادہ چمکنے والی، اشتعال: نکھرا ہوا، مضمرش: اس میں پوشیدہ، آتش اندوختن: آگ جمع کرنا، عالم افروزی: دنیا کو روشن کرنا، آموختن: سیکھنا، باک: خوف، اصل: بنیاد۔

ترجمہ:

اس بارے میں کہ خودی عشق اور محبت سے استحکام حاصل کرتی ہے

95۔ نور کا وہ نقطہ جس کا نام خودی ہے۔ہماری خاک کے نیچے زندگی کی چنگاری ہے۔

96۔ یہ محبت سے اور زیادہ پائیدار بن جاتی ہے، زیادہ زندہ، زیادہ جلانے والی اور زیادہ چمکنے والی بن جاتی ہے۔

97۔ محبت سے اس کے جوہر نکھرتے ہیں۔ممکنات کا ارتقاء اس میں پوشیدہ ہے۔

98۔ اس کی فطرت عشق سے آگ حاصل کرتی ہے اور عشق سے دنیا کو جگمگا دینا سیکھتی ہے۔

99- عشق کو خنجر اور تلوار کا کوئی خوف نہیں۔ عشق کی بنیاد پانی ہوا اور مٹی سے نہیں ہے۔

تشریح:

اس عنوان "اس بارے میں کہ خودی عشق و محبت سے استحکام حاصل کرتی ہے" کے تحت علامہ محمد اقبال خودی کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ نقطہ جس کا نام خودی ہے۔ ہماری خاک کے اندر زندگی کی ایک چنگاری ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہماری زندگی کا دارومدار خودی پر ہے۔ خودی عشق و محبت سے اور زیادہ پائیدار، اور زیادہ زندہ اور زیادہ جلانے والی اور چمکنے والی بن جاتی ہیں۔ اس کے باعث خودی کے جوہر نکھرتے ہیں اور جلا پاتے ہیں نہ صرف نکھرتے ہیں بلکہ ان کی جلوہ افروزی اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ اللہ تعالی نے خودی کے اندر جو صلاحیتیں پیدا کی ہیں یہ تمام صلاحیتیں عشق و محبت کی برکت سے نشوونما پاتی ہیں اور پھلتی پھولتی ہیں۔ عشق و محبت کی مدد سے خودی اپنے ارتقائی مراحل طے کرتی ہے۔ اس کی فطرت عشق سے حرارت حاصل کرتی ہے۔ یہ عشق ہے جو خودی کو دنیا کو روشن کرنا اور چمکا دینا سکھاتا ہے۔ عشق کو تلوار اور خنجر سے ڈر نہیں لگتا۔ تلوار اور خنجر پانی، ہوا اور دیگر عناصر سے بنے جسم کو زخمی کر سکتے ہیں۔ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مگر عشق کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ عشق ان عناصر سے نہیں بنا اور نہ ہی وہ کوئی جسامت رکھتا ہے بلکہ عشق ایک احساس کا نام ہے اس لیے اسے تلوار یا خنجر وغیرہ سے خوف نہیں آتا۔

۱۰۰- در جہاں ہم صلح و ہم پیکار عشق
آبِ حیوان تیغ جوہر دار عشق

۱۰۱- از نگاہِ عشق خارا شق بود
عشقِ حق آخر سراپا حق بود

۱۰۲- عاشقی آموز و محبوبے طلب
چشم نوحے قلب ایوبے طلب

۱۰۳- کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

۱۰٤- شمع خود را ہمچو رومی برفروز
روم را در آتشِ تبریز سوز

الفاظ معانی:

درجہاں: دنیا میں، صلح: امن، پیکار: جنگ، آب حیوان: آب حیات، تیغ: تلوار، جوہردار: چمکدار، خارا: سخت پتھر، شق شدن: شگاف پڑ جانا، آموختن: سیکھنا، چشم: آنکھ، قلب: دل، مشت گلی: خاک کی ایک مٹھی، بوسہ زن: چوم، ہمچو: کی طرح، برفروز: روشن کر، سوز: جلا۔

ترجمہ:

100- دنیا میں عشق امن بھی ہے اور جنگ بھی۔ آب حیات عشق کی چمکدار تلوار ہے۔

101- عشق کی نگاہ سے سخت پتھر شق ہو جاتا ہے۔ حق کا عشق آخر سراپا حق بن جاتا ہے۔

102- عاشقی سیکھ اور کوئی محبوب طالب کر۔ حضرت نوح علیہ السلام کی سی آنکھ اور حضرت ایوب علیہ السلام سا دل پیدا کر۔

103- خاک کی مٹھی سے کیمیا پیدا کر۔ کسی کامل کے آستانے پر بوسہ دے۔

104- اپنی شمع کو رومی کی طرح روشن کر۔ روم کو تبریز کی آگ میں جلا۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ اقبال عشق کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں عشق امن بھی ہے اور جنگ بھی۔ کسی کام کو کر گزرنے کا جنون اور عشق امن کا باعث بھی بنتا ہے اور جنگ کا بھی۔ آب حیات عشق کی چمکدار تلوار ہے۔ یہاں اشارہ سکندر کی جانب ہے۔ جس نے آب حیات کی تلاش میں اور

اس کے جنون میں دنیا کو تہ وتیغ کیا۔ عشق کی نگاہ سے سخت پتھر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عشق رکھنے کے باعث حضرت محمد ﷺ ایک اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر پائے۔ جب اللہ کا کوئی بندہ اللہ سے عشق کرتا ہے تو پھر اللہ ہی اس کا حامی و ناصر ہوتا ہے۔ اس سے اگلے شعر میں علامہ اقبال قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں تو بھی عاشقی سیکھ اور کوئی محبوب طلب کر۔ تو بھی حضرت نوح علیہ السلام کی سی آنکھ اور حضرت ایوب علیہ السلام سا دل مانگ۔ حضرت نوح علیہ السلام کی آنکھ یعنی اللہ کے حضور بہت زیادہ آنسو بہانے والی آنکھ اور قلب ایوب علیہ السلام یعنی اللہ کے حضور بہت زیادہ صبر کرنے والا دل۔ تو اپنی خاک کی مٹی یعنی جسم سے کیمیا پیدا کر اور کسی انسان کامل کے آستانے پر بوسہ دے۔ مراد یہ ہے کہ کسی انسان کی یہ مٹھی بھر خاک جس سے وہ بنا ہے اس وقت اکسیر بنتی ہے جب وہ کسی انسان کامل سے تربیت حاصل کرتا ہے۔ تو اپنی زندگی کو پیر روم یعنی مولانا روم کی طرح روشن کر اور روم کو تبریز کی آگ میں جلا دے۔ یہاں روم سے مراد مولانا روم اور تبریز سے مراد شمس تبریز کے ہیں۔ یہاں اشارہ مولانا روم کے مرشد شمس الدین تبریز کی جانب ہے جن کے ساتھ ملاقات کے بعد مولانا کی کایا پلٹی اور انہوں نے ظاہری علوم سے توجہ ہٹا کر عشق و معرفت اور جذب و سلوک کا رخ کیا۔

۱۰۵۔ ہست معشوقے نہاں اندر دلت	چشم اگر داری بیا بنمائمت
۱۰۶۔ عاشقانِ او ز خوباں خوب تر	خوشتر و زیبا تر و محبوب تر
۱۰۷۔ دل ز عشقِ او توانا می شود!	خاک ہمدوشِ ثریا می شود
۱۰۸۔ خاکِ نجد از فیضِ او چالاک شد	آمد اندر وجد و بر افلاک شد
۱۰۹۔ در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰ است	آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

الفاظ معانی:

نہاں: چھپا ہوا، بنمائمت: میں تجھے دکھاؤں، خوباں: حسین (جمع)، خوشتر: زیادہ اچھے، ہمدوش: برابر، خاک نجد: عرب کی خاک، افلاک: آسمان (جمع)۔

ترجمہ:

105۔ تیرے دل میں ایک معشوق چھپا ہے۔ اگر تو آنکھ رکھتا ہے تو آ میں تجھے دکھاؤں۔

106۔ اس کے عاشق حسینوں سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ زیادہ اچھے، زیادہ خوبصورت اور زیادہ پیارے ہیں۔

107۔ دل اس کے عشق سے توانا ہو جاتا ہے۔ خاک ثریا کے برابر ہو جاتی ہے۔

108۔ عرب کی خاک اس کے فیض سے چالاک ہو گئی۔ وہ وجد میں آئی اور آسمانوں تک جا پہنچی۔

109۔ مسلمانوں کے دل میں حضرت محمد ﷺ کا مقام ہے۔ ہماری آبرو حضرت محمد ﷺ کے نام سے ہے۔

تشریح:

علامہ محمد اقبال اپنے قاری سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تیرے دل میں ایک معشوق چھپا ہے اگر تو اسے دیکھنے والی آنکھ رکھتا ہے تو آ میں تجھے دکھاؤں۔ یہاں علامہ اقبال کا اشارہ خالق حقیقی اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ اس لیے ہمیں سب سے پہلے اللہ کا عشق دل میں رکھنا چاہیے۔ یہ ایسا محبوب ہے کہ اس سے محبت کرنے والے حسینوں سے زیادہ خوبصورت، زیادہ اچھے، زیادہ حسین اور زیادہ پیارے ہیں۔ اس محبوب کے عشق سے دل میں طاقت پیدا ہوتی ہے اور خاک یا مٹی سے بنے انسان کا درجہ اتنا بلند ہوتا ہے کہ وہ ستاروں کے برابر بلندی پا لیتا ہے۔ اسی محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کے فیض سے

عرب کی مٹی چالاک ہوگئی۔ وجد میں آئی اور آسمانوں تک جا پہنچی۔ یہاں اشارہ حضور پاک ﷺ کے آسمانوں کی سیر کرنے اور معراج پاک کی طرف ہے۔ اللہ کے بعد ہمارے دل میں چھپے محبوب محمد مصطفٰے ہیں۔ آج ہمیں جو عزت ملی ہے وہ انھی کے نام سے ملی ہے۔ وہی ہماری آبرو ہیں۔

۱۱۰۔ طور موجے از غبارِ خانہ اش　　کعبہ رابیت الحرم کاشانہ اش

۱۱۱۔ کمتر از آنے ز اوقاتش ابد　　کاسبِ افزایش از ذاتش ابد

۱۱۲۔ بوریا ممنونِ خوابِ راحتش　　تاجِ کسریٰ زیرپائے اُمتش

۱۱۳۔ درشبستانِ حرا خلوت گزید　　قوم و آئین و حکومت آفرید

۱۱۴۔ ماند شبہا چشمِ او محرومِ نوم　　تابہ تختِ خسروی خوابید قوم

الفاظ معانی:

خانہ اش: اس کا گھر، آنے: ایک لمحہ، ابد: ہمیشگی، کاسب: حاصل کرنے والا، کسریٰ: ایران کے قدیم بادشاہوں کا لقب، خلوت گزیدن: تنہائی اختیار کرنا، آفریدن: بنانا، نوم: نیند، خوابیدن: سونا۔

ترجمہ:

110۔ طور اس کے گھر کے غبار کی ایک موج ہے۔ کعبہ کے لیے اس کا گھر بیت الحرام ہے۔

111۔ ابد تک کی مدت حضور ﷺ کے اوقات میں سے ایک لمحہ ہے۔ وہ حضور ﷺ کی ذات سے طوالت کا سروسامان حاصل کرتا ہے۔

112۔ چٹائی اس کے خواب راحت کی احسان مند ہے۔ کسریٰ کا تاج اس کی امت کے پاؤں کے نیچے ہے۔

113۔ اس نے غار حرا کی تاریکیوں میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ قوم، آئین اور حکومت بنائی۔

114۔ اس کی آنکھیں راتوں کو نیند سے محروم رہیں۔ تب جا کر قوم تخت خسروی پر سوئی۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ اقبال نے حضرت محمد ﷺ کی شان اور عظمت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ کوہ طور جیسا عظیم پہاڑ حضرت محمد ﷺ کے گھر کے غبار کی ایک موج کی حیثیت رکھتا ہے۔ کعبہ جو تمام مسلمانوں کے لیے احترام اور عقیدت کی جگہ ہے اس کے لیے حضور پاک ﷺ کا گھر بیت الحرام ہے۔ یعنی حرمت والے گھر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ابد تک کا نہایت طویل عرصہ حضرت محمد ﷺ کے اوقات کے ایک لمحے سے بھی کمتر ہے اور آپ ﷺ کے ذات مبارک سے فیض حاصل کرنے والا ہے۔ چٹائی حضرت محمد ﷺ کی راحت بھری نیند کی احسان مند ہے۔ آپ ﷺ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ چٹائی پر آرام فرماتے تھے۔ کسریٰ یعنی ایرانی بادشاہوں کا تاج حضور ﷺ کی امت کے پاؤں تلے ہے۔ یہاں عربوں کے ہاتھوں ایران کی فتح کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے غار حرا کی تاریکیوں میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اس کے نتیجے میں ایک قوم ایک آئین اور حکومت دنیا کے سامنے پیش کی۔ حضرت محمد ﷺ نے بے شمار راتیں جاگ کر گزاریں تب جا کر مسلمان قوم شاہی تخت پر سوئی۔ یہاں بھی مسلمانوں کے ہاتھوں ایران کی فتح کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حضور ﷺ راتوں کو جاگ جاگ کر اپنی امت کے لیے خدا کے آگے دعائیں مانگتے رہے۔ ان دعاؤں کے عوض مسلمانوں کو یہ کامیابیاں حاصل ہوئیں۔

۱۱۵۔ وقتِ ہیجا تیغِ او آہن گداز　　دیدۂ او اشکبار اندر نماز

۱۱۶۔ در دعائے نصرت آمیں تیغِ او — قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغِ او

۱۱۷۔ در جہاں آئینِ نو آغاز کرد — مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد

۱۱۸۔ از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد — ہمچو او بطنِ امِ گیتی نزاد

۱۱۹۔ در نگاہِ او یکے بالا و پست — با غلامِ خویش بریک خواں نشست

الفاظ معانی:

وقت ہیجا: جنگ کے وقت، تیغ او: اس کی تلوار، آہن گداز: لوہے کی پگھلانے والی، دیدۂ او: اس کی آنکھیں، نصرت: فتح، قاطع: کاٹنے والی، در نوردن: لپیٹنا، کلید: چابی، کشادن: کھولنا، ہمچو او: اس کی طرح، ام گیتی: زمانے کی ماں، زائیدن: جنم دینا، خواں: دستر خوان۔

ترجمہ:

115۔ جنگ کے وقت اس (ﷺ) کی تلوار لوہے کو پگھلا دیتی۔ نماز میں اس (ﷺ) کی آنکھیں آنسو بہاتیں۔

116۔ فتح کی دعا میں آمین اس کی تلوار ہوتی اور اس کی تلوار بادشاہوں کی نسل کاٹ دینے والی تھی۔

117۔ اس (ﷺ) نے دنیا میں نئے آئین کی بنیاد رکھی۔ پچھلی قوموں کی مسندیں الٹ دیں۔

118۔ اس نے دین کی چابی سے دنیا کا دروازہ کھولا، زمانے کی ماں کے بطن سے اس جیسا کوئی پیدا نہیں ہوا۔

119۔ اس (ﷺ) کی نظر میں بڑا اور چھوٹا برابر ہے۔ وہ اپنے غلام کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھے۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ محمد اقبال حضرت محمد ﷺ کی شان بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے چند حقائق پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنگ کے وقت حضرت محمد ﷺ کی تلوار دشمنوں کی تلواروں کے لوہے کو پگھلا دیتی تھی۔ یعنی وہ جوش و جذبے سے جنگ لڑتے تھے لیکن دوسری طرف جب وہ اللہ کے حضور نماز پڑھنے لگتے تو ان کا دل اس قدر نرم ہو جاتا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ اللہ کے حضور جب حضرت محمد ﷺ دعا فرماتے تو آپ کے تلوار آمین کہتی۔ مراد یہ ہے کہ وہ دعا کے ساتھ ساتھ عمل پر یقین رکھتے تھے۔ یہ کوئی عام تلوار نہیں تھی۔ یہ وہ تلوار تھی جس سے بادشاہوں کی نسلوں کے سلسلے کو کاٹ کر رکھ دیا۔ حضور پاک ﷺ نے اس دنیا میں ایک نئے قانون اور ایک نئے نظام اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ ماضی کی قوموں نے جو مسندیں ان کے تشریف لانے سے پہلے بچھائیں تھیں، آپ نے وہ سب لپیٹ دیں اور اسلام متعارف کرایا۔ حضرت محمد ﷺ نے دین کی چابی سے دنیا کا دروازہ کھولا۔ مراد یہ ہے کہ دینی نظام کو تمام دنیاوی معاملات کی بنیاد اور اساس بنایا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس زمانے کی کوکھ سے حضرت محمد ﷺ جیسا کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے امیر غریب چھوٹے بڑے کا فرق ختم کرتے ہوئے سب مسلمانوں کو برابر قرار دیا۔ انسانوں کے لیے جو اعلیٰ اور ادنیٰ درجے بنائے گئے تھے آپ ﷺ نے ان سب کی نفی کی اور ان کو برابر مقام دیا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ ایک دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے تا کہ عملاً مساوات کا درس دیا جا سکے۔

۱۲۰۔ در مصافے پیشِ آں گردوں سریر — دخترِ سردارِ طے آمد اسیر

۱۲۱۔ پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود — گردن از شرم و حیا خم کردہ بود

۱۲۲۔ دخترک را چوں نبی بے پردہ دید — چادرِ خود پیشِ روئے او کشید

۱۲۳۔ ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم — پیشِ اقوامِ جہاں بے چادریم

۱۲۴۔ روزِ محشر اعتبارِ ماست او — در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او

الفاظ معانی:

درمصافی: ایک جنگ میں، گردوں: آسمان، سریر: تخت، دختر: بیٹی لڑکی، اسیر: قیدی، ہم: بھی، خم کردن: جھکانا، اعتبار ماست: ہمارا اعتبار ہیں، او: وہ۔

ترجمہ:

120۔ آسمان جس کا تخت تھا اس کے سامنے ایک جنگ میں طے قبیلے کے سردار کی بیٹی قیدی بن کر آئی۔

121۔ اس کے پاؤں میں زنجیر اور وہ بے پردہ تھی۔ اس نے اپنی گردن شرم وحیا سے جھکا رکھی تھی۔

122۔ جب نبی ﷺ نے اس لڑکی کو بے پردہ دیکھا تو اپنی چادر اس کے اوپر ڈال دی۔

123۔ ہم طے قبیلے کی اس خاتون سے زیادہ عریاں ہیں۔ دنیا کی قوموں کے سامنے بے چادر ہیں۔

124۔ قیامت کا روز ان پر ہمارا بھروسہ ہے اور دنیا میں بھی وہ ہمارے پردہ دار ہیں۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ محمد اقبال نے حضرت محمد ﷺ کے دور کا ایک مشہور واقعہ پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک روز ایک جنگ میں حضرت محمد ﷺ (جن کے وجود مبارک کا تخت بننے پر آسمان فخر محسوس کرتا تھا) کے سامنے طے قبیلے کے سردار حاتم طائی کی بیٹی قیدی بنا کر لائی گئی۔ اس کے پاؤں میں زنجیریں پڑی تھیں۔ شرم وحیا کی وجہ سے اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ جب حضرت محمد ﷺ نے اس لڑکی کو بے پردہ دیکھا تو اپنی چادر مبارک اس پر ڈال دی۔ اس واقعہ کو پیش کر کے وہ اپنی قوم اور ملت پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو طے قبیلے کی اس خاتون سے بھی زیادہ عریاں اور بے پردہ ہیں۔ دنیا کی قوموں کے سامنے بے چادر ہیں۔ مراد یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی دنیا میں عزت نہیں ہے۔ مگر ہمیں یقین ہے کہ قیامت کے روز حضور ﷺ ہماری شفاعت فرمائیں گے تا کہ ہماری بخشش کا سامان ہو سکے۔ اس طرح قیامت کے روز ہماری عزت رہ جائے گی۔ وہ اس دنیا اور دوسری دنیا دونوں جہانوں میں ہمارا پردہ اور بھرم رکھنے والے ہیں۔

۱۲۵۔ لطف و قہرِ او سراپا رحمتے — آں بیاراں ایں باعدا رحمتے

۱۲۶۔ آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد — مکہ را پیغامِ لا تثریب داد

۱۲۷۔ ما کہ از قیدِ وطن بیگانہ ایم — چوں نگہ نورِ دو چشمیم ویکیم

۱۶۸۔ از حجاز و چین و ایرانیم ما — شبنمِ یک صبحِ خندانیم ما

۱۲۹۔ مستِ چشمِ ساقیِ بطحاستیم — در جہاں مثلِ مے و میناستیم

الفاظ معانی:

لطف: مہربانی، قہر: غصہ، اعدا: دشمن (جمع)، لا تثریب: کوئی سرزنش نہیں، چوں: کی طرح، یکیم: ہم ایک ہیں، صبح خنداں: ہنستی ہوئی صبح، بطحا: مکہ مکرمہ کی وادی، مے: شراب، مینا: صراحی، مثل: کی طرح۔

ترجمہ:

125۔ ان کی مہربانی اور غصہ سراپا رحمت ہیں۔ وہ (مہربانی) یاروں کے لیے اور وہ (غصہ) دشمنوں کے لیے۔

126۔ وہ جس نے دشمنوں پر رحمت کا دروازہ کھول دیا۔ مکہ کو لاتثریب کا پیغام دیا۔

127۔ ہم جو وطن کی قید سے بیگانہ ہیں۔ نگاہ کی طرح دو آنکھوں کا نور ہیں لیکن ایک ہیں۔

128۔ ہمارا تعلق حجاز، چین اور ایران سے ہے۔ ہم ایک ہنستی ہوئی صبح کی شبنم ہیں۔

129۔ ہم بطحا کی ساقی آنکھوں کے مست ہیں۔ ہم دنیا میں شراب اور صُراحی کی طرح ہیں۔

تشریح:

علامہ اقبال حضرت محمد ﷺ کی شان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کی مہربانی اور غصہ دونوں ہی سراپا رحمت تھے۔ ان کی مہربانی اور کرم ان کے دوستوں کے لیے رحمت تھا اور ان کا غصہ دشمنوں کے لیے باعث رحمت تھا۔ ان کے دشمنوں کے لیے غصہ اس لیے سراپا رحمت تھا کہ ان کے غصے سے وہ راہ راست پر آجاتے اور اللہ کی رحمت اور برکت سے مستفید ہوتے۔ حضرت محمد ﷺ نے فتح مکہ پر اپنے دشمنوں پر رحمت کا دروازہ کھول دیا۔ اہلِ مکہ نے حضور ﷺ کو بہت تکالیف دیں۔ فتح مکہ پر آپ چاہتے تو ان سے ان کے برے رویوں کا انتقام لے سکتے تھے۔ مگر آپ نے ان کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا اور کسی کی کوئی سرزنش نہیں کی۔ حضرت محمد ﷺ نے ہمیں ایک قوم بنا کر وطن کی قید سے آزاد کر دیا۔ ہم مختلف ممالک میں رہتے ہیں مثلاً حجاز، چین، ایران وغیرہ۔ مگر ہم ایک اُمت ہیں۔ ہم آنکھوں کے اس نور کی طرح ہیں جو دونوں آنکھوں میں ہوتا ہے۔ ہم سب ایک ہنستی روشن صبح کی شبنم ہیں۔ ہنستی صبح سے مراد حضور ﷺ کی ذات ہے اور ہم مختلف ممالک میں رہنے والے مسلمان ان کے پیروکار ہیں اور ان کی شبنم کی طرح ہیں۔ ہم ساقی بطحا کی آنکھوں کے مست اور سرشار ہیں۔ ساقی بطحا کا استعارہ بھی حضور پاک ﷺ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ دنیا میں ہماری مثال شراب اور صراحی کی سی ہے جو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں۔

۱۳۰۔ امتیازاتِ نسب را پاک سوخت — آتشِ او ایں خس و خاشاک سوخت

۱۳۱۔ چوں گلِ صد برگ مارا بو یکیست — اوست جانِ ایں نظام و او یکیست

۱۳۲۔ سِرِّ مکنونِ دلِ او ما بدیم — نعرہ بے باکانہ زد افشا شدیم

۱۳۳۔ شورِ عشقش درنئے خاموشِ من — می تپد صد نغمہ در آغوشِ من

۱۳۴۔ من چہ گویم از تولایش کہ چیست — خشک چوبے در فراقِ او گریست

الفاظ معانی:

امتیازات: فرق (جمع)، نسب: خاندان، پاک سوختن: مکمل طور پر ختم کر دینا، خس و خاشاک: گھاس پھونس، سوختن: جلانا، گل صد برگ: سو پنکھڑیوں والا پھول، بو: خوشبو، سرِ مکنون: چھپا ہوا راز، افشا شدن: ظاہر ہونا، نے: بانسری، تپیدن: تڑپنا، تولایش: اس کی عقیدت، چوب: لکڑی، گریستن: رونا۔

ترجمہ:

130۔ اس نے اصل و نسب کے امتیازات کو مکمل طور پر جلا دیا۔ اس کی آگ نے خس و خاشاک جلا دیئے۔

131۔ سو پنکھڑیوں والے پھول کی طرح ہماری خوشبو ایک ہے۔ وہ اس نظام کی جان ہے اور وہ ایک ہے۔

Scanned with CamScanner

132۔ ہم اس کے دل میں چھپا ہوا ایک راز تھے۔اس نے بے خوف ہو کر نعرہ لگایا اور ہم ظاہر ہو گئے۔

133۔ میری خاموش بانسری میں اس کے عشق کا جوش و خروش ہے۔میری آغوش میں سینکڑوں نغمے تڑپ رہے ہیں۔

134۔ میں ان کی عقیدت کے بارے میں کیا بتاؤں کہ وہ کیا ہے۔خشک لکڑی ان کی جدائی میں رو پڑی۔

تشریح:

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے رنگ و نسل کی تمیز مکمل طور پر ختم کر دی اور کہا کہ کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں مگر یہ کہ تقویٰ میں کوئی آگے ہو۔اس کا علم صرف خدا کو ہوتا ہے۔رنگ و نسل کی تمیز جیسی چیزوں کی حیثیت باغ میں موجود گھاس پھونس جیسی تھی اس لیے حضور ﷺ نے انہیں جلا ڈالا۔سو پتیوں والے پھول کی طرح ہماری خوشبو ایک ہے۔کوئی افغان ہے تو کوئی ایرانی ہے،کوئی پاکستانی ہے تو کوئی ترک ہے مگر سب ایک ہیں اور مسلمان ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ ہم مسلمانوں کے نظامِ عمل کی روح رواں ہیں۔چونکہ وہ ایک ہیں اس لیے ان کے باعث ہم بھی ایک اُمت ہیں۔ہم مسلمان حضرت محمد ﷺ کے دل میں چھپا ہوا ایک راز تھے جو انسانیت کی شکل میں ظاہر ہوا۔حضور ﷺ نے کلمہ توحید کا نعرہ لگایا اور وہ راز کھل کر سامنے آ گیا۔میری بانسری اگرچہ خاموش ہے مگر اس میں حضور ﷺ کے عشق کا جوش و خروش بھرا ہوا ہے۔میرے آغوش میں عشق و محبت کے سینکڑوں نغمے یعنی شعر تڑپ رہے ہیں تاکہ یہ جلد سے جلد دنیا کے کانوں تک پہنچیں۔علامہ اقبال حضور ﷺ کی عقیدت کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں ان کی عقیدت کے بارے میں کیا کہوں میری قوت گویائی تو اسے بیان کرنے سے قاصر ہے۔آپ ﷺ اس قدر محبوب ہستی تھے کہ خشک لکڑی آپ کی جدائی میں رونے لگی۔اس شعر میں علامہ اقبال کا اشارہ اس واقعہ کی جانب ہے جب مسجد نبوی میں خشک لکڑی حضور ﷺ کی جدائی میں زار و قطار روئی۔

۱۳۵۔ ہستیٔ مسلم تجلّی گاہِ او!	طور ہا بالد ز گردِ راہِ او
۱۳۶۔ پیکرم را آفرید آئینہ اش	صبحِ من از آفتابِ سینہ اش
۱۳۷۔ در تپیدِ دمبدم آرامِ من	گرم تر از صبحِ محشر شامِ من
۱۳۸۔ ابرِ آذار است و من بستانِ او	تاکِ من نمناک از بارانِ او
۱۳۹۔ چشم در کشتِ محبت کاشتم	از تماشا حاصلے برداشتم

الفاظ معانی:

تجلی گاہ: جلوہ گاہ،بالیدن: جلوہ افروز ہونا،آفریدن: بنانا،آفتاب: سورج،تپیدن: تڑپنا،دمبدم: لحہ بہ لحہ،ابرِ آذار: بہار کا بادل،بستان: باغ،تاک: انگور کی بیل،باران: بارش،کشت: کھیتی،کاشتن: بونا،حاصلے: ایک فصل۔

ترجمہ:

135۔ مسلمان کی ہستی اس ﷺ جلوہ گاہ ہے۔اس کے راہ کی گرد سے طور جلوہ افروز ہوتے ہیں۔

136۔ میرے پیکر کو اس کے آئینے نے بنایا۔میری صبح اس کے سینے کے سورج سے ہے۔

137۔ لحہ بہ لحہ تڑپنے میں میرا آرام ہے۔قیامت کی صبح سے زیادہ گرم میری شام ہے۔

138۔ وہ ﷺ بہار کا بادل ہیں اور میں ان کا باغ ہوں۔میری انگور کی بیل اس کی بارش سے نمناک ہے۔

139۔ میں نے محبت کے کھیت میں آنکھ بوئی اور دیکھنے سے فصل حاصل کی۔

تشریح:

علامہ اقبال ان اشعار میں حضرت محمد ﷺ کی شان اوران کا مقام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمان کی ہستی درحقیقت حضور پاک ﷺ کی جلوہ گاہ ہے یعنی جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا اور عملاً اپنے اوپر لاگو کیا وہ عملی طور پر ایک سچے مسلمان کے طرز عمل میں دکھائی دیتا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کے راستے کی گرد سے کوہِ طور جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ کتنا بلند ہے میرے آقا ﷺ کا مقام۔ اگلے شعر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے آئینے نے میرے وجود کو بنایا یعنی ان کی تقلید سے میرا وجود بنا اور میری صبح حضور ﷺ کے سینہ مبارک کے سورج سے طلوع ہوئی۔ مراد یہ ہے کہ میں اندھیروں میں بھٹک رہا تھا مجھے حضور ﷺ کے سینہ مبارک کے نور سے رہنمائی ملی اور میں نے اپنا راستہ پایا۔ میرے آرام اور سکون کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ میں حضور ﷺ کی محبت میں لمحہ بہ لمحہ تڑپتا رہوں۔ میرے تڑپنے کا یہ عالم ہے کہ میری شام قیامت کی صبح سے بھی زیادہ گرم ہے۔ حضور ﷺ بہار کا ایسا بادل ہیں جس کے برسنے سے باغ سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں۔ میں ایک ایسا باغ ہوں کہ جو اسی بہار کے بادل سے سیراب ہوا اور میرے انگور کی بیل بھی اسی کی بارش سے نمناک ہوئی۔ اس شعر میں حضور پاک ﷺ کے لیے بہار کے بادل کا استعارہ اور علامہ اقبال نے اپنے لیے باغ کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ اس شعر کے حوالے سے دوسری بات یہ ہے کہ بعض شارحین نے ''آذار'' کو ایرانی سال یعنی ہجری شمسی کا ایک ماہ قرار دیا ہے۔ جبکہ آذار یونانی یا شامی سال کا چھٹا ماہ ہے جو عیسوی سال کا مارچ یعنی بہار کا مہینہ بنتا ہے۔ ایرانی سال (ہجری شمسی) کے مہینے کا نام ''آذار'' نہیں بلکہ ''آذر'' ہے اور یہ ایرانی سال کا نواں مہینہ ہے جو عیسوی سال کے دو ماہ جنوری اور فروری کے درمیان آتا ہے اور موسم خزاں کا مہینہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس شعر میں ایرانی سال کے مہینے کا ذکر نہیں ہے بلکہ یونانی یا شامی سال کے مہینے کا ذکر موجود ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی محبت کے کھیت میں اپنی آنکھ بوئی اور اس سے نظارے یا دید کا سرمایہ حاصل کیا۔ مراد یہ ہے کہ ان سے محبت کرنے کے فیض میں مجھے وہ چیزیں دکھائی دیں جو عام آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

۱۴۰۔ خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است   اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

۱۴۱۔ کُشتۂ اندازِ مُلّا جامیم   نظم و نثرِ او علاجِ خامیم

۱۴۲۔ شعر لب ریز معانی گفتہ است   در ثنائے خواجہ گوہر سفتہ است

۱۴۳۔ ''نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست''

الفاظ معانی:

یثرب: مدینہ منورہ کا پرانا نام، خوشتر: زیادہ اچھی، خنک: اچھا، آنجا: وہاں، کشتہء: مارا ہوا، گوہر سفتن: موتی پرونا، نسخہ کونین: دونوں جہانوں کی کتاب، بندگان: غلام (جمع)، خواجہ: آقا۔

ترجمہ:

140۔ یثرب کی خاک دونوں جہانوں سے زیادہ اچھی ہے۔ کتنا اچھا ہے وہ شہر کہ وہاں دلبر ہے۔

141۔ میں مُلا جامی کے انداز پر مرمٹا ہوں۔ اس کی نظم ونثر میری خامیوں کا علاج ہے۔

142۔ اس نے معانی سے لبریز شعر کہے ہیں۔ آقا کی تعریف میں موتی پروئے ہیں۔

143۔ ''اگر دونوں جہان کتاب ہوں تو دیباچہ وہ ہیں۔ سارا جہان غلام اور آقا وہ ﷺ ہیں''۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ اقبال نے کہا کہ یثرب یعنی مدینہ منورہ کی خاک دونوں جہانوں سے زیادہ اچھی ہے۔ وہ شہر کتنا اچھا ہے جہاں ہمارے محبوب حضرت محمد ﷺ تشریف فرما ہیں۔ اگلے شعر میں علامہ محمد اقبال نے نعت گو صوفی ایرانی شاعر نورالدین عبدالرحمان جامی کی نعت سرائی کی تعریف کی ہے۔ مولانا جامی کا تعلق نویں صدی ہجری سے تھا۔ اقبال کہتے ہیں کہ میں فارسی زبان کے مشہور شاعر نورالدین عبدالرحمان جامی کے نعت گوئی کے انداز پر مرمٹا ہوں۔ ان کی نثر اور شاعری دونوں میری خامیوں کا علاج ہیں جن کے مطالعہ سے مجھے پختگی حاصل ہوئی ہے۔ انہوں نے معنی سے لبریز شعر کہے ہیں۔ حضور ﷺ کی شان میں شعر ایسے کہے ہیں جیسے موتی پروئے ہوں۔ مولانا جامی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضور ﷺ کے عشق سے سرشار تھے۔ ان کے نعتیہ اشعار میں ان کا یہی جذبہ کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ علامہ اقبال نے یہاں مولانا جامی کی ایک نعت کا شعر تضمین کیا ہے اور اپنے کلام کی زینت بنایا ہے۔ اس شعر میں مولانا جامی نے فرمایا ہے کہ اگر دونوں جہانوں کو ایک کتاب تصور کر لیا جائے تو اس کا دیباچہ حضرت محمد ﷺ ہیں۔ دنیا کی سب چیزیں غلام ہیں اور حضور ﷺ آقا ہیں۔

١٤٤۔ کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق — ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

١٤٥۔ کاملِ بسطام در تقلید فرد — اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

١٤٦۔ عاشقی؟ محکم شو از تقلیدِ یار — تا کمندِ تو شود یزداں شکار

١٤٧۔ اندکے اندر حرائے دل نشیں — ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیں

١٤٨۔ محکم از حق شو سوے خود گام زن — لات و عزّائے ہوس را سر شکن

١٤٩۔ لشکرے پیدا کن از سلطانِ عشق — جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق

١٥٠۔ تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرحِ اِنّیِ جَاعِلٌ سازد ترا

الفاظ معانی:

خیزد: اٹھتی ہے، صہبا: شراب، کامل بسطام: حضرت بایزید بسطامی، خوردن: کھانا، یزداں: اللہ تعالیٰ، اندکی: تھوڑی دیر کے لیے، نشیں: بیٹھ، ہجرت گزیں: ہجرت اختیار کر، گام زدن: قدم اٹھانا، لات و عزا: بتوں کے نام ہیں، سرشکن: توڑ دے، سلطان عشق: عشق کی طاقت، فاران: پہاڑ، شرح: تشریح، انی جاعل: کہ یقیناً میں بنانے والا ہوں، ساختن: بنانا۔

ترجمہ:

144۔ عشق کی شراب سے مختلف کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ تقلید بھی عشق کے ناموں میں سے ایک ہے۔

145۔ بسطام کے مردِ کامل نے ایک فرد (حضورِ اکرم ﷺ) کی تقلید میں خربوزہ کھانے سے گریز کیا۔

146۔ اگر تو عاشق ہے تو دوست کی تقلید میں پختہ ہو جا تاکہ تیری کمند اللہ تعالیٰ کو حاصل کر لے۔

147۔ کچھ مدت کے لیے دل کی غارِ حرا میں بیٹھ۔ اپنے آپ کو ترک کر اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کا راستہ اختیار کر۔

148۔ اللہ تعالیٰ سے پختگی پا کر اپنی طرف قدم بڑھا۔ ہوا و ہوش کے سب بت توڑ دے۔

149۔ عشق کی طاقت سے ایک لشکر پیدا کر اور عشق کے فاران پر جلوہ افروز ہو۔

150۔ تا کہ کعبہ کا خدا تجھے نوازے اور تجھے انی جاعل کی تشریح بنا دے۔

تشریح:

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ عشق کی شراب سے مختلف حالتیں اور کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ پیروی اور تقلید بھی عشق کی حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔ انسان اسی کی تقلید کرتا ہے جس سے عشق کرتا ہو۔ بسطام کے مرد کامل بایزید بسطامی کو حضرت محمد ﷺ سے اس قدر عشق تھا کہ انہوں نے خربوزہ کھانے سے اس لیے انکار کیا کہ انہیں معلوم نہیں ہوا کہ حضرت محمد ﷺ نے یہ پھل کس طرح کاٹا اور کس طرح کھایا۔ انھوں نے سوچا کہیں یہ نہ ہو کہ حضور ﷺ نے یہ پھل نہ کھایا ہو اور میں کھا کر تقلید سے روگردانی کر لوں۔ اگلے شعر میں علامہ اقبال قاری سے پوچھتے ہیں کہ کیا تو عاشق ہے؟ اگر تو عاشق ہے تو پھر حضرت محمد ﷺ کی مکمل طور پر پیروی کر اور اس پیروی میں پختہ ہو جا تا کہ اس پیروی پر عمل پیرا ہونے سے تیری کمند اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے۔ مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کی پیروی خدا تک رسائی کا وسیلہ بن جائے۔ اقبال کہتے ہیں کچھ دیر کے لیے دل کی غارِ حرا میں بیٹھ۔ پھر اپنی ذات بھلا کر اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کر۔ خود کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے مضبوط کر لے اور پھر اپنی ذات کی طرف قدم بڑھا۔ جب تجھے خدا کی رضا حاصل ہوگی تو ہوا و ہوس کے بتوں کو جو تیرے دل میں گھر کیے ہوں گے تو پاش پاش کر دے گا۔ جب یہ بت دل سے نکل جائیں تو انسان صحیح معنوں میں حق تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے۔ جو انسان خدا کو حقیقی معنوں میں پہچان لیتا ہے خدا اس کی قوت ایمانی کو مضبوط کر دیتا ہے۔ اقبال مزید فرماتے ہیں کہ اے انسان تو عشق کی طاقت سے ایک لشکر تیار کر لے جو ہوا و ہوس کے خلاف جہاد کرنے میں تیرا مددگار ہو۔ اس لشکر کے ساتھ تو عشق کے پہاڑ پر جلوہ افروز ہو جا اور اپنے جلووں سے ہر طرف روشنی پھیلا دے اور جہالت کے اندھیرے ختم کر دے۔ جب تو اپنے اندر یہ صفات پیدا کر لے گا تو پھر اللہ تعالیٰ تجھے "انــی جــاعــل" کی تصویر بنا دے گا۔ مراد یہ ہے کہ تجھے اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر دے گا۔ اس شعر میں "انی جاعل" کے ذریعے علامہ اقبال نے سورہ البقرۃ کی آیت نمبر 30 کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو یہ ہے: اِنِی جاعِلٌ فِي الارض خليفة۔ (یقیناً میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔)

(3) Javed Nama

خطاب بہ جاوید

(سخنے به نژادِ نو)

۱۔ ایں سخن آراستن بے حاصل است ۔۔۔ بر نیاید آنچه در قعرِ دل است!

۲۔ گرچه من صد نکته گفتم بے حجاب ۔۔۔ نکته دارم که ناید در کتاب!

۳۔ گر بگویم می شود پیچیده تر ۔۔۔ حرف و صوت اورا کند پوشیده تر

٤۔ سوزِ او را از نگاهِ من بگیر
یا ز آهِ صبح گاهِ من بگیر!

الفاظ معانی:

سخن: بات، سخن آراستن: سخن آرائی کرنا، قعرِ دل: دل کی گہرائی، گفتن: کہنا، ناید: نہیں آتا، گر بگویم: اگر میں کہوں، صبح گاہ: صبح کا وقت۔

ترجمہ:

جاوید سے خطاب (نئی نسل سے ایک بات)

1۔ یہ سخن آرائی بے حاصل ہے۔ جو کچھ دل کی گہرائیوں میں ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

2۔ اگرچہ میں نے سینکڑوں نکتے کسی پردے کے بغیر کہے۔ میرے پاس ایک نکتہ ایسا ہے جو کتاب میں نہیں آتا۔

3۔ اگر میں (اسے) بیان کروں تو وہ اور زیادہ پیچیدہ ہو جائے گا۔ حرف اور آواز اسے اور زیادہ پوشیدہ کر دیں گے۔

4۔ اس (نکتہ) کا سوز تو میری نگاہ یا میری صبح کی آہ سے لے۔

تشریح:

جیسا کہ اس کے عنوان ''خطاب بہ جاوید'' (جاوید سے خطاب) سے ظاہر ہے کہ علامہ اقبال نے یہ اشعار اپنے بیٹے جاوید اقبال کو مخاطب کر کے کہے ہیں۔ مگر یہ نئی نسل کے لیے پیغام کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان اشعار میں وہ اپنے بیٹے جاوید اقبال سے کہتے ہیں کہ گفتگو کی جو محفل میں آراستہ کر رہا ہوں وہ لا حاصل ہے کیونکہ جو کچھ میرے دل کی گہرائی میں ہے اسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اگرچہ میں سینکڑوں نکتے واضح طور پر بیان کر چکا ہوں مگر میرے ذہن میں ایک نکتہ اور ہے جو لکھنے میں نہیں آتا یعنی اس کی وضاحت تحریر کے ذریعے نہیں کی جا سکتی یا وہ کسی کتاب میں نہیں سما سکتا۔ اگر میں اس نکتے کو لفظوں کے پیرائے میں تحریر کروں یا بیان کروں تو وہ سمجھ آنے کی بجائے اور بھی پیچیدہ ہو جائے گا۔ مراد یہ ہے کہ میرے الفاظ اور میری آواز اسے اور زیادہ پوشیدہ کر دیں گے۔ اس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ تو اس کا سوز یا میری نگاہ سے حاصل کر یا پھر میری صبح کے وقت کی آہ سے حاصل کر۔ مراد یہ ہے کہ اس نکتے کا تعلق دل کے جذبوں سے ہے۔ جذبے الفاظ کے برتنوں میں نہیں سما سکتے یا الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کیے جا سکتے۔

۵۔ مادرت درسِ نخستیں با تو داد — غنچۂ تو از نسیم او کشاد!

٦۔ از نسیمِ او ترا ایں رنگ و بوست — اے متاعِ ما بہاے تو از وست

۷۔ دولتِ جاوید ازو اندوختی — از لبِ او لا الہ آموختی!

۸۔ اے پسر! ذوقِ نگہ از من بگیر — سوختن در لا اِلہ از من بگیر!

۹۔ لا الہ گوئی؟ بگو از روے جاں — تاز اندامِ تو آید بوے جاں!

۱۰۔ مہر و مہ گردد ز سوزِ لا الہ — دیدہ ام ایں سوز را در کوہ و کہ!

۱۱۔ ایں دو حرفِ لا الہ گفتار نیست — لا الہ جز تیغِ بے زنہار نیست!

۱۲۔ زیستن با سوزِ او قہّاری است
لا الہ ضرب است و ضربِ کاری است!

الفاظ معانی:

مادرت: تیری ماں، نخستیں: پہلا، کشادن: کھلنا، رنگ و بو: رنگ اور خوشبو، متاع: پونجی، بہاے تو: تیری قیمت، از وست: اس سے ہے، دولت جاوید: ہمیشہ رہنے والی دولت، اندوختن: حاصل کرنا، اکٹھا کرنا، آموختن: سیکھنا، اے پسر: اے بیٹے، بگیر: لے، سوختن: جلنا، اندام: جسم، مہر: سورج، مہ: چاند، کوہ: پہاڑ، کہ: کاہ یعنی تنکا، تیغ: تلوار، بے زنہار: بے رحم، زیستن: جینا۔

ترجمہ:

5۔ تجھے پہلا سبق تیری ماں نے دیا۔ تیری کلی اس کی بادنسیم سے کھلی۔

6۔ اس کی بادنسیم سے تو نے یہ رنگ و بو پائی۔ اے ہماری پونجی تیری قدر و قیمت اسی سے ہے۔

7۔ تو نے اسی سے ہمیشہ رہنے والی دولت اکٹھی کی، تو نے اس کے ہونٹوں سے لا الہ سیکھا۔

8۔ اے بیٹے، نظر کا ذوق مجھ سے لے۔ لا الہ میں جلنا مجھ سے حاصل کر۔

9۔ تو لا الہ کہتا ہے تو دل و جان سے کہہ تا کہ تیرے جسم سے روح کی خوشبو آئے۔

10۔ سورج اور چاند لا الہ کے سوز سے گردش کرتے ہیں۔ میں نے یہ سوز پہاڑ اور تنکے میں دیکھا ہے۔

11۔ یہ دو حرف لا الہ گفتار نہیں ہیں۔ لا الہ بے رحم تلوار کے سوا کچھ نہیں۔

12۔ اس کے سوز کے ساتھ جینا قہاری ہے۔ لا الہ ضرب ہے اور کاری ضرب ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ محمد اقبال نے اپنے بیٹے جاوید اقبال سے مخاطب ہو کر کہا ہے کہ تجھے پہلا سبق تیری ماں نے ''لا الـہ'' کا دیا ہے۔ اس کی بادنسیم سے تیرے وجود کی کلی کھلی ہے۔ اسی کے بادنسیم سے تجھ میں یہ رنگ و خوشبو ہے۔ یعنی آج تو جو کچھ ہے وہ اسی کی نشو و نما کا نتیجہ ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے بیٹے کے لیے متاع یعنی جمع پونجی کا استعارہ استعمال کرتے ہوئے اس سے کہا ہے کہ اے ہماری متاع تیری قدر و قیمت تیری ماں کی وجہ سے ہے۔ تو نے دین اور مذہب کی ہمیشہ رہنے والی دولت اسی سے حاصل کی ہے۔ اسی کے ہونٹوں سے تو نے پہلی مرتبہ لا الـہ سیکھا۔ اے بیٹے، اب تو مجھ سے ذوق نگاہ لے اور لا الـہ میں جلنا سیکھ۔ مراد یہ ہے کہ لا الہ تو نے اپنی ماں سے سیکھ لیا مگر اب اس کا جذبہ میری نگاہ سے لے۔ کیونکہ خالی زبان سے لا الـہ کہنے اور اس پر عمل نہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا فائدہ جب ہے کہ تو لا الـہ روح کی گہرائی میں ڈوب کر یا دل کی گہرائی سے کہے تا کہ تیرے جسم سے روح کی خوشبو آئے اور ظاہر کے ساتھ عمل بھی دکھائی دے۔ اقبال کہتے ہیں کہ چاند سورج کا نظام اسی لا الـہ سے چلتا ہے۔ وہی ایک اللہ ان سب کا خالق ہے اور ان کو چلانے والا بھی ہے۔ پہاڑ یعنی بڑی سے بڑی چیز سے لے کر ایک تنکے یعنی چھوٹی سے چھوٹی چیز کا خالق اور مالک بھی وہی ایک ہے۔ لا الـہ صرف الفاظ یا حروف نہیں ہیں۔ بلکہ ایک ایسی تیز تلوار ہے جو تمام قسم کے شرک کو بے رحمی سے کاٹ دیتی ہے۔ لا الہ کے جذبے کے ساتھ جینا قہاری ہے۔ کیونکہ یہ تمام باطل قوتوں پر قہر بن کر نازل ہوتا ہے۔ یہ ان پر ضرب ہے اور کاری ضرب ہے۔

۱۳۔ مومن و پیشِ کساں بستن نطاق ! — مومن و غداری و فقر و نفاق !

۱٤۔ با پشیزے دین و ملت را فروخت — ہم متاعِ خانہ وہم خانہ سوخت !

۱۵۔ لا الـہ اندر نمازش بود و نیست — نازہا اندر نیازش بود و نیست !

۱٦۔ نور در صوم و صلواتِ او نماند — جلوۂ در کائناتِ او نماند!

۱۷۔ آنکہ بود اللہ او را ساز و برگ — فتنۂ او حبِّ مال و ترسِ مرگ !

۱۸۔ رفت ازو آں مستی و ذوق و سرور — دینِ او اندر کتاب و او بگور!

الفاظ معانی:

پیش کسان: دوسروں کے سامنے، بستن: باندھنا، نطاق: غلامی کا کپڑا، پشیزے: بالکل معمولی چیز، سوختن: جلانا، متاع: جمع پونجی، صوم و صلوات: روزہ اورنماز، نماندن: نہ رہنا، ساز و برگ: ساز وسامان، حبِ مال: مال کی محبت، ترسِ مرگ: موت کا خوف، رفتن: جانا، گور: قبر۔

ترجمہ:

13۔ مومن اور دوسروں کے سامنے غلامی کرے! مومن اور غداری، مفلسی اور نفاق!

14۔ معمولی قیمت پر دین اور قوم کو بیچ دیا۔ گھر کا سامان اور گھر بھی جلا دیا۔

15۔ اس کی نماز میں لا الہ تھا اور اب نہیں ہے۔ اس کی نیاز مندی میں ناز تھا اور اب نہیں ہے۔

16۔ اس کے روزہ اور نماز میں نور باقی نہ رہا۔ اس کی کائنات میں جلوہ باقی نہ رہا۔

17۔ وہ جس کے لیے اللہ ہی سب کچھ تھا (اب) مال کی محبت اور موت کا ڈر اس کا فتنہ ہیں۔

18۔ اس سے وہ مستی، ذوق اور سرور جاتے رہے۔ اس کا دین کتاب میں رہ گیا اور وہ قبر میں پہنچ گیا۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ محمد اقبال کہتے ہیں کہ ہو مومن اور کمر پر غلامی کا کپڑا باندھے یعنی مومن ہو کر کسی کی غلامی قبول کرے یا غلامی کا طوق گلے میں ڈالے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مومن تو خدا کے علاوہ کسی کی بندگی یا غلامی نہیں کرتا۔ غداری، مفلسی اور نفاق بھی ایسی چیزیں ہیں جو مومن کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ آج کے مسلمان نے دین اور قوم کو نہایت معمولی چیز کے بدلے بیچ دیا ہے۔ اس نے نہ صرف اپنے گھر کا سامان بلکہ گھر کو ہی جلا دیا ہے۔ مسلمانوں کی نمازوں میں پہلے توحید کا رنگ تھا مگر اب نہیں رہا۔ اس کی جگہ دکھاوے اور ظاہر سازی نے لے لی ہے۔ مسلمانوں کی نیاز مندی میں ماضی میں ناز تھا مگر اب نہیں رہا۔ ماضی میں اس کی نمازوں اور روزوں میں نور تھا مگر اب نہیں رہا۔ اس کی کائنات میں حق تعالیٰ کے جلوے کی جھلک نہیں رہی۔ وہ مسلمان جس کی زندگی کا تمام تر دار و مدار اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا اب اس کا فتنہ مال کی محبت اور موت کا خوف ہے۔ یعنی اب وہ اللہ کی محبت کی بجائے مادی اور دنیاوی چیزوں کی محبت میں گرفتار ہے۔ ان چیزوں کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ مسلمانوں میں اللہ سے محبت کی مستی، ذوق اور سرور نہ رہا۔ اس کا دین کتاب یعنی قرآن میں بند ہو کر رہ گیا ہے جبکہ وہ خود قبر میں پہنچ گیا ہے۔ قبر میں پہنچنے سے مراد ہے کہ وہ جیتے جی مر گیا ہے اور چلتی پھرتی لاش ہے۔

۱۹۔ صحبتش با عصرِ حاضر در گرفت — حرفِ دیں را از دو پیغمبر گرفت

۲۰۔ آں ز ایراں بود و ایں ہندی نژاد — آں ز حج بیگانہ و ایں از جہاد!

۲۱۔ تا جہاد و حج نماند از واجبات — رفت جاں از پیکرِ صوم و صلوات

۲۲۔ روح چوں رفت از صلوات و از صیام — فرد ناہموار و ملت بے نظام!

۲۳۔ سینہ ہا از گرمیٔ قرآں تہی — از چنیں مرداں چہ امیدِ بہی!

۲۴۔ از خودی مردِ مسلماں در گذشت
اے خضر دستے کہ آب از سر گذشت!

الفاظ معانی:

عصر حاضر: موجودہ دور، گرفتن: لینا، ہندی نژاد: ہندی نسل، صوم و صلوت: روزہ اور نماز، تہی: خالی، بہی: بہتری، دست: ہاتھ۔

ترجمہ:

19۔ اس نے موجودہ دور کی صحبت اختیار کر لی۔ اس نے دین کی باتیں دو پیغمبروں سے سیکھیں۔

20۔ وہ (بہا اللہ) ایران سے تھا اور یہ (مرزا قادیانی) ہندوستانی نسل سے تھا۔ وہ حج سے بیگانہ تھا اور یہ جہاد سے۔

21۔ جب جہاد اور حج واجب نہ رہے تو روزہ اور نماز کے جسم سے روح نکل گئی۔

22۔ جب نماز اور روزہ کی روح جاتی رہی تو فرد نامناسب ہو گیا اور قوم بے نظام ہو گئی۔

23۔ سینے قرآن کی گرمی سے خالی (ہیں)۔ ایسے مردوں سے بہتری کی کیا اُمید۔

24۔ مسلمان مرد خودی سے گزر گیا۔ اے خضر ہاتھ تھام کیونکہ پانی سر سے گزر گیا۔

تشریح:

علامہ اقبال آج کے مسلمان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس نے موجودہ جدید دور کی صحبت اختیار کر لی۔ اس نے دین کی باتیں دو نام نہاد پیغمبروں مرزا حسین علی بہاء اللہ اور مرزا غلام احمد سے سیکھیں۔ مرزا حسین علی بہاء اللہ کا تعلق ایران سے تھا اور مرزا غلام احمد کا تعلق ہندوستانی نسل سے تھا۔ یہ دونوں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے ختم نبوت کے منکر تھے۔ ایک حج سے بیگانہ تھا اور دوسرے کے نزدیک جہاد کرنا غیر واجب تھا۔ ایران کے مرزا حسین علی بہاء اللہ نے بہائی فرقے کی بنیاد رکھی۔ اس نے حج اور تمام شریعت محمدی منسوخ کر دی۔ مرزا غلام احمد نے ہندوستان میں قادیانی فرقے کی بنیاد رکھی اور جہاد کو غیر ضروری قرار دیا۔ جب حج اور جہاد مسلمانوں کے لیے واجب نہ رہے تو روزوں اور نمازوں کے جسم سے روح نکل گئی۔ جب روزے اور نماز کے جسموں میں روح باقی نہ رہی تو معاشرے کا فرد نامناسب اور بے لگام ہو گیا اور قوم انتشار کا شکار ہو گئی۔ آج کے مسلمان کا سینہ قرآن سے خالی ہو گیا کیونکہ انہوں نے اسے غلاف میں لپیٹ کر گھروں میں تو رکھ لیا مگر اس کے احکامات کو اپنی عملی زندگی پر لاگو نہیں کیا۔ ایسے لوگوں سے بھلائی کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ آج کے مسلمانوں نے اپنی خودی سے منہ موڑ لیا۔ آخر میں وہ حضرت خضر علیہ السلام سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے خضر علیہ السلام ہمارا ہاتھ تھام کیونکہ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام سے اس لیے مدد طلب کی ہے کہ وہ ہی بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھانے والے ہیں۔

۲۵۔ سجدۂ کز وے زمیں لرزیدہ است — بر مرادش مہر ومہ گردیدہ است

۲۶۔ سنگ اگر گیرد نشانِ آں سجود — در ہوا آشفتہ گرد دہم چو دود!

۲۷۔ ایں زماں جز سربزیری ہیچ نیست — اندرو جز ضعفِ پیری ہیچ نیست!

۲۸۔ آں شکوہِ ربی الاعلی کجاست — ایں گناہِ اوست یا تقصیرِ ماست؟

۲۹۔ ہر کسے بر جادۂ خود تندرو — ناقۂ ما بے زمام و ہرزہ دو!

۳۰۔ صاحبِ قرآن و بے ذوقِ طلب
العجب ثم العجب ثم العجب!

الفاظ معانی:

کزوے: جس سے، مہر: سورج، مہ: چاند، گردیدن: گھومنا، گردش کرنا، آشفتہ گشتن: بکھر جانا، ہم چو: کی طرح، دود: دھواں، سر بزیری: سر جھکانا، ہیچ نیست: کچھ نہیں ہے، اندرو: اس کے اندر، جز: ماسوائے، ضعف: کمزوری، پیری: بڑھاپا، شکوہ: شان وشوکت، کجاست: کہاں ہے، تقصیر ما: ہمارا قصور، جادہ خود: اپنا راستہ، تندرو: تیز چلنے والا، ناقہء ما: ہماری اونٹنی، بی زمام: مہار کے بغیر، ہرزہ دو: آوارہ دوڑنے والی، ثم العجب: کیا عجیب بات ہے، صاحب قرآن: قرآن رکھنے والا۔

ترجمہ:

25۔ وہ سجدہ جس سے زمین لرزی ہے اور جس کی مراد کے مطابق چاند اور سورج نے گردش کی ہے۔

26۔ اگر پتھر اس سجدے کا نشان اپنے اوپر لے تو وہ دھوئیں کی طرح ہوا میں بکھر جائے۔

27۔ (وہ سجدہ) اِس زمانے میں سر جھکانے کے سوا کچھ نہیں۔ اِس میں بڑھاپے کی کمزوری کے سوا کچھ نہیں۔

28۔ رَبّی الاعلیٰ کی وہ شان وشوکت کہاں ہے۔ یہ اس کا گناہ ہے یا ہماری غلطی ہے۔

29۔ ہر کوئی اپنے راستے پر تیز دوڑنے والا ہے۔ ہماری اونٹنی مہار کے بغیر ہے اور آوارہ دوڑنے والی ہے۔

30۔ قرآن رکھتے ہیں اور طلب کے ذوق سے خالی ہیں۔ کیا عجیب بات ہے، کیا عجیب بات ہے۔

تشریح:

علامہ محمد اقبال ان اشعار میں پچھلے زمانے کے مسلمانوں اور موجودہ زمانے کے مسلمانوں میں موجود فرق کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتے ہیں وہ سجدہ جس سے ماضی میں زمین لرزا کرتی تھی اور وہ مسلمان جن کی منشا کے مطابق چاند اور سورج گردش کیا کرتے تھے وہ کہاں گئے۔ وہ سجدہ جس کا نشان سخت پتھر اگر خود پر لیتا تو وہ سخت پتھر دھویں کی طرح فضا میں بکھر جاتا۔ ماضی کے سجدے اور موجودہ زمانے کے سجدے میں فرق یہ ہے کہ موجودہ زمانے کا سجدہ سر جھکانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دل کی اتھاہ گہرائی سے اور ظاہری طور پر دکھاوے کے سجدوں میں یہ فرق ہوتا ہے۔ مراد یہ ہے آج کے سجدوں میں وہ پہلے جیسا خشوع وخضوع نہیں رہا۔ مسجدیں تو آباد ہیں لیکن دلوں میں وہ ایمان نہیں ہے جو عملاً کردار میں نظر آئے۔ موجودہ زمانے کے سجدوں میں بڑھاپے کی کمزوری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ربی الاعلیٰ کی وہ پہلے والی شان وشوکت کہاں چلی گئی۔ یہ اس کا گناہ ہے یا ہمارا قصور ہے؟ یقینی طور پر ہمارا قصور ہے کیونکہ ہم نے اس کی حقیقی روح کو نہیں سمجھا۔ اقبال مزید کہتے ہیں ہر کوئی اپنے راستے پر تیز دوڑنے والا ہے مگر ہماری اونٹنی مہار کے بغیر آوارہ دوڑنے والی ہے۔ یہاں اونٹنی استعارہ ہے قوم کے لیے یعنی ہماری قوم کے سامنے کوئی عظیم مقصد نہیں ہے بلکہ یہ فضول کاموں اور بے ثمر سرگرمیوں میں مشغول ہے۔ ان کے گھروں میں اللہ کا کلام قرآن تو موجود ہے مگر ان کے دل طلب کے ذوق سے خالی ہیں۔ قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے مگر آج کا مسلمان اس کی اہمیت سے غافل ہے اور یہ کتنی عجیب بات ہے۔

۳۱۔ گر خدا سازد ترا صاحب نظر — روزگارے را کہ می آید نگر!

۳۲۔ عقلہا بے باک و دلہا بے گداز — چشمہا بے شرم و غرق اندر مجاز!

۳۳۔ علم و فن، دین و سیاست، عقل و دل — زوج زوج اندر طواف آب و گل!

۳۴۔ آسیا آں مرز و بومِ آفتاب — غیربیں، از خویشتن اندر حجاب!

خـاصلـش راکـس نگیرد بادوجو!

۳۵۔ قـلـب او بـے وارداتِ نـو بـنـو

الفاظ معانی:

ساختن: بنانا، روز گاری: زمانہ، نگر: دیکھ، بے باک: بے خوف، بے گداز: سوز کے بغیر، زوج زوج: جوڑے جوڑے، آب و گل: پانی اور مٹی یعنی مادیت، آسیا: ایشیا، مرزوبوم: سرزمین، آفتاب: سورج، غیر بیں: غیروں کو دیکھنے والے، از خویشتن: اپنے آپ سے، حاصلش: اس کی فصل، بادوجو: دو جو کے بدلے۔

ترجمہ:

31۔ اگر خدا تجھے صاحب نظر بنا دے تو تو آنے والے زمانے کو دیکھ۔

32۔ عقلیں بے خوف ہیں اور دل سوز سے خالی ہیں۔ آنکھیں بے شرم ہیں اور مجاز میں غرق ہیں۔

33۔ علم وفن، دین وسیاست، عقل ودل، جوڑا جوڑا مادیت کے طواف میں لگے ہوئے ہیں۔

34۔ ایشیا، یہ سورج کی سرزمین دوسروں کو دیکھنے والی ہے اور اپنے آپ سے پردے میں ہے۔

35۔ اس کا دل نئی واردات سے خالی ہے۔ اس کی فصل کو کوئی دو جو (کے دانوں) کے بدلے بھی نہیں لیتا۔

تشریح:

اپنے بیٹے جاوید اقبال سے مخاطب ہو کر علامہ اقبال کہتے ہیں کہ اگر اللہ تجھے صاحب بصیرت اور صاحب نظر بنا دے تو آنے والے زمانے کو دیکھ۔ اس دور کے لوگوں کی عقلیں بے خوف ہوں گی اور ان کے دل سوز و گداز سے خالی ہوں گے۔ مراد یہ ہے کہ گستاخ اور بے باک ہوں۔ ان کے ذہنوں میں اللہ کا خوف نہیں ہوگا۔ ان کی آنکھوں میں شرم وحیا نہیں ہوگی۔ وہ مجازی حسن کی محبت میں غرق ہوں گے۔ علم وفن، دین وسیاست اور عقل ودل یہ سب مکتب جوڑے جوڑے مادیت کے طواف میں مشغول ہوں گے۔ ایشیا جو مشرق کی سرزمین ہے وہ مشرق جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے وہ مکمل طور پر غیروں کی طرف متوجہ ہے اپنے آپ کو بھلا رکھا ہے۔ اس کا دل نئی نئی واردات سے خالی ہے۔ جو کچھ اس کے دامن میں ہے اسے کوئی دو جو یا معمولی سی قیمت کے عوض خریدنے کو تیار نہیں ہے۔

۳۶۔ روزگـارش انـدریں دیـریـنـہ دیر — سـاکـن و یخ بستـہ و بے ذوق سیـر!

۳۷۔ صیـدِ مـلایـان و نـخـچیرِ مـلـوک — آہـوے انـدیشـۂ اولـنگ و لـوک!

۳۸۔ عـقـل و دین و دانـش و نـاموس و ننگ — بستـہ فتـراکِ لُـردانِ فـرنگ!

۳۹۔ تـاخـتـم بـرعـالـمِ افـکـارِ او — بـر دریـدم پـردۂ اسـرارِ او!

۴۰۔ درمیـانِ سیـنـہ دل خـوں کـردہ ام
تـاجـهـانـش را دگـرگـوں کـردہ ام

الفاظ معانی:

روزگارش: اس کی زندگی، دیرینہ: پرانا، دیر: بت خانہ، ساکن: رکا ہوا، صید: شکار، نخچیر ملوک: بادشاہوں کا شکار، آہو: ہرن، اندیشہ: عقل، لنگ و

لوک:لولالنگڑا،فتراک:شکار بند، لرُدانِ فرنگ:فرنگی لارڈز،تاختن:چڑھائی کرنا،دریدن:چاک کرنا،کردہ ام:میں نے کیا ہے۔

ترجمہ:

36۔ اس کی زندگی اس پرانے بت خانے میں رکی ہوئی، یخ بستہ اور جستجو کے ذوق سے خالی ہے۔

37۔ وہ ملاؤں اور بادشاہوں کا شکار رہا ہے۔اس کی عقل کا ہرن لولا لنگڑا ہے۔

38۔ اس کی عقل، دین، دانش، ناموس و ننگ کو فرنگی لارڈوں نے اپنے شکار بند سے باندھا ہوا ہے۔

39۔ میں نے اس کے افکار کی دنیا پر چڑھائی کی اور اس کے رازوں کا پردہ چاک کر دیا۔

40۔ میں نے سینے میں دل کو خون کر دیا ہے تب جا کر اس کی دنیا کو دگرگوں کیا ہے۔

تشریح:

علامہ محمد اقبال نے ان اشعار میں موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی حالت کی تصویر کشی اس طرح سے کی ہے کہ آج کا مسلمان اس پرانی دنیا میں جامد اور یخ بستہ زندگی گزار رہا ہے اور اس کا دل جستجو کے ذوق سے خالی ہے۔وہ نام نہاد ملاؤں، بادشاہوں اور حاکموں کا شکار ہوا ہے۔اس کی سوچ اور عقل کا ہرن لولا لنگڑا ہے۔اس میں تیز دوڑنے اور چوکڑیاں بھرنے کا دم خم نہیں ہے۔اس کی عقل، دین، ننگ و ناموس سب فرنگیوں کے شکار بند سے بندھے ہوئے ہیں۔میں نے مشرق میں رہنے والوں کے افکار پر حملہ کیا اور رازوں کا پردہ چاک کر دیا۔مراد یہ ہے کہ میں نے مسلمان امت کے لیے رازوں کا پردہ چاک کر دیا ہے۔میں نے اس قوم کے غم سے اپنے سینے کو خون کیا ہے تب جا کر میں نے ان کی دنیا بدلی ہے۔

٤١۔ من بطبعِ عصرِ خُود گفتم دو حرف — کردہ ام بحرین را اندر دو ظرف!

٤٢۔ حرفِ پیچا پیچ و حرف نیش دار — تا کنم عقل و دلِ مرداں شکار!

٤٣۔ حرفِ تہ دارے باندازِ فرنگ — نالۂ مستانۂ از تارِ چنگ!

٤٤۔ اصلِ ایں از ذکر و اصلِ آں ز فکر — اے تو بادا وارثِ ایں فکر و ذکر!

٤٥۔ آبجویم از دو بحر اصلِ من است — فصلِ من فصل است وہم وصلِ من است!

٤٦۔ تا مزاجِ عصرِ من دیگر فتاد
طبعِ من ہنگامۂ دیگر نہاد!

الفاظ معانی:

طبع:طبیعت،عصر خود:اپنا زمانہ، گفتم:میں نے کہے،بحرین:دو سمندر،ظرف:برتن،پیچا پیچ:پیچ دار،نیش دار:چبھنے والے،چنگ:ساز کا نام ہے، اصل:بنیاد،بادا:خدا کرے،آب:پانی،جو:ندی،دو بحر:دو سمندر،فصل:جدائی، دیگر:اور،نہادن:برپا کرنا۔

ترجمہ:

41۔ میں نے اپنے زمانے کے مزاج کے مطابق دو باتیں کہی ہیں۔میں نے دو برتنوں میں دو سمندر بند کر دیے ہیں۔

42۔ پیچ دار اور چبھنے والے حرف استعمال کیے ہیں تا کہ میں مردوں کی عقل اور دل شکار کر سکوں۔

43۔ فرنگیوں کے انداز میں تہ دار باتیں بھی کی ہیں اور چنگ (ساز) کے تار سے مستانہ نالے بھی بلند کیے ہیں۔

سے۔ خدا کرے کہ تو اس ذکر و فکر کا وارث بنے۔

44۔ اس کی بنیاد ذکر ہے اور اس کی بنیاد فکر ہے۔ خدا کرے کہ تو اس ذکر و فکر کا وارث بنے۔

45۔ میں پانی کی ندی ہوں اور میری بنیاد دو سمندر ہیں۔ میری جدائی، جدائی ہے اور وصال بھی ہے۔

46۔ جب میرے زمانے کا مزاج بدل گیا تو میری طبیعت نے بھی اور طرح کا ہنگامہ برپا کر دیا۔

تشریح:

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے کے مزاج کے مطابق دو باتیں کی ہیں اور دو سمندر دو کوزوں میں بند کر دیئے ہیں۔ مراد یہ ہے میری یہ دو باتیں سمندر جیسی وسعت رکھتی ہیں جنہیں میں نے مختصر اور جامع انداز میں بیان کیا ہے۔ البتہ میری یہ باتیں پیچ دار اور چبھنے والی ہیں۔ میں نے یہ روش اس لیے اختیار کی ہے تا کہ مردوں کی عقل اور ان کے دلوں کا شکار کر سکوں۔ میں نے فرنگیوں کے انداز میں تہ دار باتیں کی ہیں اور اپنے ساز سے مستانہ نالے بھی الاپے ہیں۔ عشق الٰہی کی بنیاد رب کا ذکر کرنے میں ہے اور عقل کی بنیاد فکر ہے۔ علامہ اقبال اپنے بیٹے جاوید اقبال کو دعا دیتے ہیں کہ اللہ کرے تو ان دونوں، ذکر اور فکر کی میراث کا وارث بنے۔ یہاں ذکر و فکر سے مراد عشق اور عقل ہے۔ اگلے شعر میں وہ اسی کی وضاحت کرتے ہیں کہ میں پانی کی ندی ہوں اور میرا سرچشمہ بھی دو سمندر عشق اور عقل ہیں۔ میری جدائی جدائی تو ہے مگر وصال بھی ہے۔ کیونکہ اللہ دکھائی نہیں دیتا اور شہ رگ سے زیادہ قریب بھی ہے۔ اقبال کہتے ہیں جب سے میرا زمانہ بدلا ہے میری طبیعت نے بھی اس طرح کا ہنگامہ کیا ہے اور زمانہ کے تقاضا کے مطابق ہنگامہ پیدا کیا ہے۔

۴۷۔ نوجوانان تشنہ لب، خالی ایاغ	شستہ رو، تاریک جاں، روشن دماغ!
۴۸۔ کم نگاہ و بے یقین و نا امید	چشمِ شاں اندر جہاں چیزے ندید!
۴۹۔ ناکساں منکر ز خود مومن بغیر	خشت بند از خاکِ شاں معمارِ دیر!
۵۰۔ مکتب از مقصودِ خویش آگاہ نیست	تا بجذبِ اندرونش راہ نیست!
۵۱۔ نورِ فطرت راز جانہا پاک شست	یک گلِ رعناز شاخِ او نرست!

الفاظ معانی:

تشنہ: پیاسا، ایاغ: جام، شستہ رو: دھلے چہرے، چشم شان: ان کی آنکھیں، خشت بستن: اینٹیں بنانا، دیر: بت خانہ، مقصود: مقصد، خویش: اپنا، پاک شستن: مکمل طور پر دھو دینا، گل رعنا: خوبصورت پھول، رستن: اگنا۔

ترجمہ:

47۔ نوجوانوں کے ہونٹ پیاسے اور ان کے جام خالی ہیں۔ چہرے دھلے ہوئے، روحیں تاریک اور دماغ روشن ہیں۔

48۔ کم نگاہ، بے یقین اور مایوس ہیں۔ ان کی آنکھوں نے دنیا میں کچھ نہیں دیکھا۔

49۔ (یہ) ناکس اپنے آپ سے منکر ہیں اور غیروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ بت خانے کا معمار ان کی مٹی سے اینٹیں بناتا ہے۔

50۔ مکتب اپنے مقصد سے آگاہ نہیں کیونکہ اس کی رسائی جذبوں کے اندر تک نہیں ہے۔

51۔ اس (مکتب) نے فطرت کے نور کو جانوں سے دھو دیا۔ اس کی شاخ سے ایک خوبصورت پھول نہیں کھلا۔

تشریح:

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ ہمارے نوجوانوں کے ہونٹ پیاسے ہیں اور جام خالی ہیں۔ یعنی ان کو عشق الٰہی کی شراب کی طلب تو ہے مگر ان کے جام میں

شراب موجود نہیں ہے۔ان نوجوانوں کے چہرے دھلے ہوئے ہیں اور صاف ستھرے ہیں۔ان کی روح تاریک ہے اور دماغ روشن ہے۔مراد یہ ہے کہ وہ روشن خیال تو ہیں مگران کی روحیں تاریک ہیں۔یہ بے بصیرت، ناامید اور بے یقین ہیں۔ان کی آنکھوں نے دنیا کے اندر کوئی چیز نہیں دیکھی کیونکہ جب انسان مادی چیزوں کی محبت میں گھر کر رہ جاتا ہے تو وہ بے بصیرت اور بے یقین ہو جاتا ہے۔اس کی آنکھیں معنوی چیزوں کو نہیں دیکھ پاتیں۔یہ نوجوان ادھوری شخصیت رکھتے ہیں۔یہ اپنی ہستی کے تو منکر ہیں مگر غیروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ان کی اسی خصلت کے باعث بت کدے کا معمار ان کی مٹی سے اینٹیں بناتا ہے یعنی ان کو اپنی مرضی کی شکل دیتا ہے۔مکتب اور مدرسہ اپنے مقصد سے آگاہ نہیں ہے۔اس لیے نوجوانوں کے اندر کے جذبوں تک اس مکتب کی رسائی نہیں ہو پاتی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مکتب نے ان کی شخصیت سازی نہیں کی بلکہ نوجوانوں کی جانوں سے فطرتی نور کو بالکل دھو دیا ہے۔جس کے نتیجہ میں اس مکتب کی شاخ سے کوئی بھی خوبصورت پھول نہیں کھلا۔مراد یہ ہے کہ مکتب کوئی خاطر خواہ شخصیت تربیت نہیں کر سکا۔

۵۲۔ خشت را معمارِ ما کج می نہد — خوے بط با بچۂ شاہیں دہد!

۵۳۔ علم تا سوزے نگیرد از حیات — دل نگیرد لذتے از واردات!

۵۴۔ علم جز شرحِ مقاماتِ تو نیست — علم جز تفسیرِ آیاتِ تو نیست!

۵۵۔ سوختن می باید اندر نارِ حس — تا بدانی نقرۂ خود را ز مس!

۵۶۔ علمِ حق اوّل حواس آخر حضور
آخرِ او می نگنجد در شعور!

الفاظ معانی:

خشت: اینٹ، کج نہادن: ٹیڑھا رکھنا، خوے بط: بطخ کی عادت، دادن: دینا، گرفتن: لینا، سوختن: جلنا، نار: آگ، حس: احساس، تابدانی: تا کہ تو جان سکے، نقرہ: چاندی، مس: تانبا، حضور: حاضری، آخر: انتہا، گنجیدن: سمانا۔

ترجمہ:

52۔ ہمارا معمار اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے۔وہ شاہین کے بچے کو بطخ کی عادت سکھاتا ہے۔

53۔ جب تک علم زندگی سے سوز حاصل نہ کرے، دل واردات سے کوئی لذت حاصل نہیں کرتا۔

54۔ علم تیرے مقامات کی شرح کے سوا کچھ نہیں۔علم تیری آیات کی تفسیر کے سوا کچھ نہیں۔

55۔ احساس کی آگ میں جلنا چاہیے تا کہ تو اپنی چاندی اور تانبے کے فرق کو جان سکے۔

56۔ اللہ تعالیٰ کا علم پہلے حواس سے ہے اور آخر میں حاضری ہے۔اس کی انتہا شعور میں نہیں سماتی۔

تشریح:

اس سے پچھلے اشعار میں علامہ اقبال نے مکتب کا ذکر کیا ہے کہ مکتب نے نوجوانوں کی شخصیت سازی نہیں کی۔اسی حوالے سے ان اشعار میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا معمار اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے۔وہ شاہین کے بچے کو بطخ کی عادت سکھاتا ہے۔یہاں معمار سے مراد مکتب کا استاد ہے اور نوجوانوں کے لیے شاہین کے بچے کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔جب ہمارا معمار یعنی استاد اینٹ ٹیڑھی رکھے گا تو پھر یہ دیوار جتنی مرضی اونچی ہو جائے وہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔شاہین آسمانوں کی بلندیوں میں محوِ پرواز رہتا ہے اور بطخ پر رکھنے کے باوجود پرواز کی صلاحیت نہیں رکھتی۔یعنی مکتب کے استاد کے تربیت کیے ہوئے نوجوان قوتِ پرواز

لذتوں سے آشنا نہیں ہوتا کیونکہ وہی دل واردات سے عاری ہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ علم جب تک زندگی سے سوز حاصل نہیں کرتا اس وقت تک دل واردات کی لذتوں کا احساس کرسکتا ہے جس میں سوز اور تڑپ ہو۔ علم اللہ کے مقامات کی تشریح اور اس کی بھیجی ہوئی آیات کی تفسیر کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اقبال نوجوانوں سے کہتے ہیں کہ تمہیں پہلے احساس کی آگ میں جلنا چاہیے تا کہ تم اپنی چاندی کو تانبے سے ممتاز کرسکو بالکل اسی طرح جیسے کٹھالی کو آگ میں رکھنے سے چاندی اور اس میں کی گئی ملاوٹ علیحدہ علیحدہ ہو جاتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ تم اپنے اچھے برے کی پہچان کرسکو اور سب سے بڑھ کر اپنی قدر و قیمت کا اندازہ کرسکو۔ اللہ تعالیٰ کا علم ابتداء میں حواس سے حاصل ہوتا ہے اور آخر میں مشاہدات سے حاصل ہوتا ہے۔ البتہ یہاں یہ موضوع قابل ذکر ہے کہ اللہ کے علم کی انتہا انسان کے شعور میں مکمل طور پر نہیں سما سکتی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کل ہے اور لامحدود ہے۔ جبکہ ہماری عقل محدود ہے۔ اس لیے ایک لامحدود چیز کا علم محدود عقل میں کیسے سما سکتا ہے۔

۵۷۔ صد کتاب آموزی از اہلِ ہنر	خوشتر آں درسے کہ گیری از نظر
۵۸۔ ہر کسے زاں مے کہ ریزد از نظر	مست می گردد باندازِ دگر!
۵۹۔ از دمِ بادِ سحر میرد چراغ	لالہ زاں بادِ سحر مَے در ایاغ!
۶۰۔ کم خور و کم خواب و کم گفتار باش	گردِ خود گردندہ چوں پرکار باش!
۶۱۔ منکرِ حق نزدِ ملا کافر است	منکرِ خود نزدِ من کافر تر است!

الفاظ معانی:

آموختن: سیکھنا، پڑھنا، خوشتر: زیادہ اچھا، زاں می: اس شراب سے، دم باد: ہوا کا جھونکا، مردن چراغ: چراغ کا بجھنا، ایاغ: جام، کم خور: کم کھا، کم خواب: کم سو، گردندہ: گھومنے والا، منکر حق: اللہ تعالیٰ کا منکر۔

ترجمہ:

57۔ تو اہلِ ہنر سے سینکڑوں کتابیں پڑھتا ہے۔ وہ سبق جو تو نگاہ سے لے وہ زیادہ اچھا ہے۔

58۔ ہر کوئی نگاہ سے ٹپکنے والی شراب سے مختلف انداز میں مست ہوتا ہے۔

59۔ سحر کی ہوا کے جھونکے سے چراغ بجھ جاتا ہے۔ لالہ سحر کی اس ہوا سے شراب کا جام بن جاتا ہے۔

60۔ کم کھا، کم سو اور کم گفتگو کرنے والا بن۔ پرکار کی طرح اپنے گرد گھومنے والا بن۔

61۔ اللہ تعالیٰ کا منکر مُلا کے نزدیک کافر ہے۔ اپنے آپ کا منکر میرے نزدیک زیادہ کافر ہے۔

تشریح:

علامہ اقبال اپنے بیٹے جاوید اقبال سے کہتے ہیں کہ تو علماء اور حکماء سے بہت سی علم کی کتابیں پڑھتا ہے مگر وہ سبق جو زبان کی بجائے نظروں سے دیا جاتا ہے وہ ان کتابوں کے سبق سے بہت بہتر ہے۔ جب مرشد کی نگاہ سے معرفت الٰہی کا فیض جاری ہوتا ہے تو ہر شخص اس سے اپنے ظرف کے مطابق اور اپنی صلاحیت کے مطابق روحانی فوائد حاصل کرتا ہے۔ یہاں علامہ اقبال نے اس بات کی ایک خوبصورت مثال کے ذریعے وضاحت کی ہے کہ جب نسیم سحر چلتی ہے تو کہیں اس سے کوئی دیا بجھ جاتا ہے۔ مگر یہی نسیم جب باغ سے گزرتی ہے تو پھر لالہ کا پھول کِھل کِھل کر شراب کے جام کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور مستی میں جھومتا ہے۔ علامہ اقبال اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کم کھا، کم سو اور کم گفتگو کرنے والا بن۔ پرکار کی طرح اپنے گرد گھومنے والا بن۔ یعنی ہر وقت اپنی

خودی کے استحکام کے لیے کوشاں رہ۔ اپنی خودی کی حفاظت کر اور کوئی کام ایسا نہ کر جس سے تیری خودی کو نقصان پہنچے یا وہ کمزور ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں ملا کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا منکر کافر ہے۔ جبکہ میرے نزدیک وہ شخص جو اپنی خودی کا منکر ہو وہ اور بھی زیادہ کافر ہے۔ ان مثالوں سے علامہ اقبال نے خودی اور خودشناسی کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔

۶۲۔ آن بانکارِ وجود آمد 'عجول' — ایں عجول، وہم ظلوم' وہم جہول!

۶۳۔ شیوۂ اخلاص را محکم بگیر — پاک شو از خوفِ سلطان و امیر

۶٤۔ عدل در قہر و رضا از کف مدہ — قصد در فقر و غنا از کف مدہ

۶۵۔ حکم دشوار است؟ تاویلے مجو — جز بقلبِ خویش قندیلے مجو

۶٦۔ حفظِ جاں ہا ذکر و فکرِ بے حساب — حفظِ تن ضبطِ نفس اندر شباب

الفاظ معانی:

عجول: جلد باز، ظلوم: ظالم، جہول: جاہل، شیوہ: طریقہ، محکم بگیر: مضبوطی سے پکڑ، از کف دادن: ہاتھ سے چھوڑنا، قصد: میانہ روی، قندیل: روشنی، حفظ: حفاظت۔

ترجمہ:

62۔ وہ ایک وجود کے انکار سے جلد باز بن گیا۔ یہ جلد باز ہے اور ظالم بھی ہے اور جاہل بھی ہے۔

63۔ اخلاص کے طریقے کو مضبوطی سے تھام۔ سلطان اور سردار کے خوف سے آزاد ہو جا۔

64۔ غصے اور رضا میں عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ غربت اور امارت میں میانہ روی ہاتھ سے نہ جانے دے۔

65۔ حکم دشوار ہے (مگر) اس کی تاویل نہ ڈھونڈ۔ اپنے دل کے علاوہ کوئی اور روشنی نہ ڈھونڈ۔

66۔ روحوں کی حفاظت بے حساب ذکر و فکر سے ہے۔ جسموں کی حفاظت جوانی میں ضبطِ نفس سے ہے۔

تشریح:

علامہ اقبال فرماتے ہیں وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا منکر ہے وہ ایک (اللہ) کے وجود سے انکار کر کے جلد باز بن گیا کیونکہ اس نے غور نہیں کیا اور جلد بازی سے کام لیا مگر وہ جو اپنے وجود کا منکر ہے وہ جلد باز ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ظالم بھی ہے کیونکہ اس نے صرف اپنے آپ پر ہی نہیں بلکہ انسانیت پر ظلم کیا اور جاہل بھی ہے کیونکہ علم تو سکھاتا ہی خودشناسی ہے۔ علامہ اقبال اپنے بیٹے جاوید اقبال سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تو اخلاص کے طریقے کو مضبوطی سے تھام اور اخلاص کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ بادشاہ اور امیر کے خوف سے دور رہ۔ اللہ کا ایک خوف تجھے دوسرے تمام خوفوں سے نجات دلا دے گا۔ تو غصے کی حالت میں ہو یا خوشی کی حالت میں ہو دونوں حالتوں میں عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑ۔ اسی طرح غریبی میں رہو یا امیری میں زندگی گزارو، میانہ روی کو ترک نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات بظاہر انسان کو مشکل لگتے ہیں مگر ان احکامات سے روگردانی کے لیے بہانے نہ بنا۔ کیونکہ اللہ کی اطاعت کے بغیر تو کوئی کامیابی حاصل نہیں کر پائے گا۔ اپنے دل کے سوا کسی اور سے روشنی نہ مانگ کیونکہ جب تیرا دل پاک ہو گا تو تجھے کسی اور روشنی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ روحوں کی حفاظت بے حساب ذکر و فکر سے ہے۔ مراد یہ ہے کہ تمہاری روح کی حفاظت اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنے میں ہے۔ اسی طرح جسموں کی حفاظت جوانی

میں اپنے نفس پر قابو پانے سے ہے۔فارسی میں کہتے ہیں: درجوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری (جوانی میں توبہ کرلینا تو پیغمبروں کا طریقہ ہے)۔

۶۷۔ حاکمی در عالمِ بالا و پست — جز بحفظِ جان و تن ناید بدست

۶۸۔ لذتِ سیراست مقصودِ سفر — گر نگہ بر آشیاں داری مپر

۶۹۔ ماہ گردد تاشود صاحب مقام — سیرِ آدم را مقام آمد حرام!

۷۰۔ زندگی جز لذتِ پرواز نیست — آشیاں با فطرتِ او ساز نیست!

۷۱۔ رزقِ زاغ و کرگس اندر خاکِ گور — رزقِ بازاں در سوادِ ماہ و ہور

الفاظ معانی:

حاکمی: حاکمیت،عالم بالا و پست: دنیااورآخرت،مقصود سفر: سفر کا مقصد،مپر: پرواز نہ کر،ماہ: چاند، گردیدن: گردش کرنا،ساز: سازگار،زاغ: کوا، کرگس: گدھ، گور: قبر،سواد: سرزمین،ہور: سورج۔

ترجمہ:

67۔ دنیااورآخرت میں حاکمیت جسم اورروح کی حفاظت کے بغیر نہیں آتی۔

68۔ سفر کا مقصد سیر کی لذت حاصل کرنا ہے۔اگر تو آشیانے پر نظر رکھتا ہے تو پرواز نہ کر۔

69۔ چاند گردش کرتا ہے تاکہ صاحب مقام بن جائے۔آدمی کی سیر کے لیے کہیں رکنا حرام ہے۔

70۔ زندگی پرواز کی لذت کے سوا کچھ نہیں۔آشیانہ اس کی فطرت کے لیے سازگار نہیں ہے۔

71۔ کوؤں اور گدھوں کا رزق قبر کی مٹی میں ہے۔بازوں کا رزق چانداورسورج کی سرزمین پر ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ محمد اقبال کہتے ہیں دونوں جہانوں، دنیااورآخرت میں حاکمیت جسم اورروح کی حفاظت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔اللہ کی قربت حاصل کرنے کے لیے اور اپنے نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے جسم اور روح دونوں کی حفاظت ضروری ہے۔انسان جب اپنے نفس پر قابو پا کر اللہ کی اطاعت اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا خلیفہ بنا دیتے ہیں۔اللہ کا خلیفہ اور نائب بن کر ہی کوئی انسان دونوں جہانوں کی حاکمیت حاصل کر پاتا ہے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ سفر کا مقصد سیر سے لذت حاصل کرنا ہے اور اگر تیری نگاہ آشیانے پر لگی ہے اور تو آشیانے میں بیٹھا رہنا چاہتا ہے تو پھر تو پرواز نہ کر کیونکہ تو اس پرواز سے لذت حاصل نہیں کر پائے گا۔وہ چاند کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ چانداس لیے گردش کرتا ہے کہ وہ بدر یعنی چودھویں کا چاند بن جائے۔اس کا مقام پہلے سے بہتر ہو جائے جبکہ آدمی کی سیر کے لیے کسی مقام پر رکے رہنا حرام ہے۔درحقیقت اقبال حرکت کا درس دیتے ہیں اوران کے نزدیک بے حرکت ہو جانا جیتے جی مرجانا ہے۔حرکت میں برکت ہے اور حرکت کرنے والا صاحب مقام بن جاتا ہے۔اسی موضوع کو ایرانی شاعرابتہاج سایہ نے کچھ یوں پیش کیا ہے:

آبی کہ بر آسود، زمینش بخورد زود

دریا شود آن رود کہ پیوستہ روان است

(وہ پانی جورک گیا (بے حرکت ہوگیا) اسے اس کی زمین اسے جلد پی جاتی ہے۔وہ دریا سمندر بن جاتا ہے جو مسلسل چلتا ہے)

اقبال کہتے ہیں کہ کوے اور گدھ کا رزق قبر کی مٹی میں ہے کیونکہ وہ مردہ خوار ہیں اور آسانی سے میسر آنے والے مردار پر اکتفا کر لیتے ہیں مگر شاہینوں اور بازوں کا رزق چاند اور سورج کی سرزمین پر ہے۔ وہ آسمان کی بلندیوں کو چھوتے ہیں اور تازہ شکار پکڑ کر کھاتے ہیں۔ اس شکار کو پکڑنے کے لیے انہیں تگ و دو کرنی پڑتی ہے اور وہ اس سے روگردانی نہیں کرتے۔ مراد یہ ہے کہ جدوجہد اور ہدف کو بلندر رکھنا زندگی میں بلند سے بلند مقام حاصل کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

۷۲۔ سِرِ دیں صدقِ مقال اکلِ حلال — خلوت و جلوت تماشائے جمال!

۷۳۔ در رہِ دیں سخت چوں الماس زی — دل بحق بربند و بے وسواس زی!

۷۴۔ سرّے از اسرارِ دیں برگویمت — داستانے از مظفر گویمت

۷۵۔ اندر اخلاصِ عمل فردِ فرید — پادشاہے بامقامِ بایزید

۷۶۔ پیشِ او اسپے چو فرزنداں عزیز — سخت کش چوں صاحبِ خود درستیز

الفاظ معانی:

سر: راز، صدق مقال: سچ بولنا، اکل حلال: حلال کھانا، جلوت: ہجوم، زی: زندگی بسر کر، گویمت: میں تجھے بتاتا ہوں، فرد فرید: بے نظیر شخص، پیش او: اس کے پاس، اسپی: ایک گھوڑا، چون فرزندان: بیٹوں کی طرح، سخت کش: سخت کوش، درستیز: جنگ میں۔

ترجمہ:

72۔ دین کا راز، سچ بولنے، حلال کھانے، خلوت اور ہجوم میں جمال کا نظارہ کرنے میں ہے۔

73۔ دین کے راستے میں ہیرے کی طرح سخت زندگی بسر کر۔ دل اللہ تعالیٰ سے لگا، اور وہم کے بغیر زندگی بسر کر۔

74۔ میں تجھے دین کے رازوں میں سے ایک راز بتاتا ہوں۔ مظفر (بادشاہ) کا ایک قصہ تجھ سے بیان کرتا ہوں۔

75۔ وہ اخلاص عمل میں بے نظیر شخص تھے۔ وہ بادشاہ تھے لیکن ان کا مقام بایزید بسطامی کے برابر تھا۔

76۔ ان کے پاس ایک گھوڑا تھا جو انہیں بیٹوں کی طرح عزیز تھا۔ وہ جنگ میں مالک کی طرح سخت کوش تھا۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ دین کا راز سچ بولنے اور حلال روزی کمانے اور کھانے میں ہے۔ اس کے علاوہ خلوت ہو یا جلوت، تنہائی ہو یا ہجوم دونوں حالتوں میں حق تعالیٰ کے جمال کا نظارہ کرنے میں دین کا راز چھپا ہے۔ دین کے راستے میں تو ہیرے کی طرح سخت رہ۔ مراد یہ ہے کہ بے خوف ہو کر زندگی گزار۔ ہیرے کے بارے میں مشہور ہے کہ ہیرا اتنا سخت ہوتا ہے کہ ہیرے کو کسی لوہے یا دھات کے اوزار سے نہیں بلکہ ہیرے سے ہی کاٹا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ دل اللہ تعالیٰ سے لگا اور ہر قسم کے وسوسے سے آزاد ہو جا۔ میں تجھے دین کے رازوں میں سے ایک راز بتاتا ہوں۔ مظفر بادشاہ کا ایک قصہ بیان کرتا ہوں۔ یہ بادشاہ اخلاص عمل میں لاثانی تھے اور ان کا رتبہ اور درجہ بایزید بسطامی کے برابر تھا۔ ان کے پاس ایک گھوڑا تھا جسے وہ بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ یہ گھوڑا میدان جنگ میں اپنے مالک سے زیادہ سخت کوش تھا۔

۷۷۔ سبزہ رنگے از نجیبانِ عرب — باوفا، بے عیب، پاک اندر نسب

۷۸۔ مردِ مومن را عزیز اے نکتہ رس — چیست جز قرآن و شمشیر و فرس؟

۷۹۔ من چہ گویم وصفِ آں خیر الجیاد — کوہ و رُوے آبہار فتے چو باد

۸۰۔ روزِ ہیجا از نظر آمادہ تر — تند بادے طایفِ کوہ و کمر!

۸۱۔ در تگِ او فتنہ ہائے رستخیز — سنگ از ضربِ سُمِ او ریز ریز

الفاظ معانی:

سبزہ: سبز کشمش رنگ، نکتہ رس: عقلمند، چیست: کیا ہے، فرس: گھوڑا، چہ گویم: میں کیا کہوں، خیر الجیاد: اصیل، رفتن: جانا، چو باد: ہوا کی طرح، روزِ ہیجا: جنگ کے دن، آمادہ تر: زیادہ تیار، طایف: طواف کرنے والا، کوہ و کمر: پہاڑ اور وادی، در تگ او: اس کی دوڑ میں، رستخیز: قیامت۔

ترجمہ:

77۔ وہ (گھوڑا) سبز رنگ کا خاص عربی نسل تھا۔ باوفا، بے عیب اور نسل میں پاک تھا۔

78۔ اے عقلمند، مردِ مومن کو قرآن، تلوار اور گھوڑے کے سوا کیا عزیز ہے۔

79۔ میں اس اصیل کا کیا وصف بیان کروں۔ وہ پہاڑوں اور پانیوں (دریاؤں) پر ہوا کی طرح گزر جاتا تھا۔

80۔ وہ جنگ کے روز نظر سے زیادہ تیار رہوتا۔ تیز ہوا کی طرح پہاڑ اور اس کی وادی کا طواف کرتا۔

81۔ اس کی دوڑ میں قیامت کے فتنے تھے۔ پتھر اس کے سم کی ضرب سے پاش پاش ہو جاتے۔

تشریح:

علامہ اقبال ان اشعار میں مظفر بادشاہ کے قیمتی گھوڑے کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ اعلیٰ عربی نسل کا سبز کشمش جیسے رنگ کا گھوڑا تھا۔ یہ گھوڑا باوفا، بے عیب اور نسل میں نہایت اعلیٰ پایہ کا تھا۔ علامہ اقبال قاری کو مخاطب کر کے کہتے ہیں اے عقلمند ایک مردِ مومن کو قرآن، تلوار اور گھوڑے کے سوا کیا چیز عزیز ہوتی ہے۔ ایک مومن ان چیزوں سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں اس اصیل گھوڑے کی کیا صفات بیان کروں۔ وہ اس قدر تیز رفتار تھا کہ پہاڑوں، وادیوں اور دریاؤں کے اوپر سے ہوا کی طرح تیزی سے گزر جاتا تھا۔ جنگ کے روز وہ نظر سے بھی زیادہ تیز ہو جاتا تھا۔ نظر کی رفتار کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ابھی آپ زمین کو دیکھ رہے ہوں تو اگلے لمحے سورج یا ستاروں کو دیکھ سکتے ہیں۔ نظر ایک لمحے میں زمین سے آسمان پر پہنچ جاتی ہے۔ اس کی برق رفتاری میں قیامت کے فتنے تھے۔ اس کے سموں کی ضرب سے سخت پتھر ریزہ ریزہ ہو جاتے تھے۔

۸۲۔ روزے آں حیواں جو انسان ارجمند — گشت از دردِ شکم زار و نزند

۸۳۔ کرد بیطارے علاجش از شراب — اسپ شہ را وارہاند از پیچ و تاب

۸۴۔ شاہِ حق بیں دیگرآں یکراں نخواست — شرعِ تقوےٰ از طریقِ ماجداست

۸۵۔ اے ترا بخشد خدا قلب و جگر
طاعتِ مردِ مسلمانے نگر!

الفاظ معانی:

انسان ارجمند: قابل قدر انسان، گشتن: ہونا، دردِ شکم: پیٹ درد، زار و نزند: بدحال اور غمگین، بیطار: جانوروں کا معالج، اسپ شہ: بادشاہ کا گھوڑا، وارہاندن: نجات دلانا، خواستن: چاہنا، طریق: طریقت، نگر: دیکھ۔

ترجمہ:

82۔ ایک روز وہ حیوان جو انسان کی طرح قابل قدر تھا۔ پیٹ درد سے نڈھال اور غمگین ہو گیا۔

83۔ جانوروں کے معالج نے اس کا شراب سے علاج کیا اور بادشاہ کے گھوڑے کو پیچ و تاب سے نجات دلائی۔

84۔ اس حق پرست بادشاہ نے پھر وہ (گھوڑا) اپنے پاس نہ رکھا۔ تقویٰ کی شرع ہماری طریقت سے جدا ہے۔

85۔ اللہ تجھے ایسا دل اور جگر عطا کرے، ایک مسلمان مرد کی اطاعت دیکھ۔

تشریح:

علامہ اقبال مظفر بادشاہ کے قیمتی گھوڑے کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک روز وہ اصیل گھوڑا جو انسانوں کی طرح قابل قدر تھا پیٹ درد سے نڈھال اور غمگین ہوگیا۔ جانوروں کے ایک معالج نے اس کا علاج شراب سے کردیا۔ یعنی دوا کے طور پر گھوڑے کو شراب پلادی اور یوں بادشاہ کے اس اعلیٰ گھوڑے کو پیٹ درد سے نجات مل گئی۔ اس حق پرست بادشاہ مظفر نے پھر وہ گھوڑا اپنے پاس نہ رکھا۔ کیونکہ گھوڑے کو علاج کی غرض سے شراب پلادی گئی تھی جو حرام ہوتی ہے۔ تقویٰ کا راستہ ہمارے راستے سے جدا ہے۔ بادشاہ نے پھر اس گھوڑے پر سواری نہ کی۔ اے بیٹے خدا تجھے زندہ دل اور جگر عطا فرمائے تو ایک مسلمان کی اطاعت کو دیکھ۔ بادشاہ کا یہ عمل حق پرستی اور اطاعت کی عظیم مثال ہے۔ خود شراب پینا تو بہت دور کی بات ہے، علاج کے طور پر قیمتی گھوڑے کو شراب پلانا بھی گوارا نہیں کیا۔

۸۶۔ دیں سراپا سوختن اندر طلب — انتہایش عشق و آغازش ادب!

۸۷۔ آبروے گل زرنگ و بوے اوست — بے ادب بے رنگ و بو، بے آبروست!

۸۸۔ نوجوانے راچو بینم بے ادب — روزِ من تاریک می گردد چو شب

۸۹۔ تاب و تب درسینہ افزاید مرا — یادِ عہدِ مصطفےٰ آید مرا!

۹۰۔ از زمانِ خود پشیماں می شوم — در قرونِ رفتہ پنہاں می شوم!

الفاظ معانی:

سوختن: جلانا، آید مرا: مجھے آتی ہے، قرون رفتہ: گزری ہوئی صدیاں، پنہاں شدن: چھپ جانا۔

ترجمہ:

86۔ دین، طلب میں اپنے آپ کو جلانے کا نام۔ اس کی انتہا عشق ہے اور آغاز ادب ہے۔

87۔ پھول کی آبرو اس کے رنگ اور خوشبو کی وجہ سے ہے۔ بے ادب رنگ اور خوشبو سے عاری ہے اور بے آبرو ہے۔

88۔ جب میں کسی نوجوان کو بے ادب دیکھتا ہوں تو میرا دن رات کی طرح تاریک ہو جاتا ہے۔

89۔ میرے سینے میں اضطراب بڑھ جاتا ہے۔ مجھے حضرت محمد ﷺ کا عہد یاد آ جاتا ہے۔

90۔ میں اپنے دور سے پشیمان ہو جاتا ہوں۔ گذشتہ صدیوں میں چھپ جاتا ہوں۔

تشریح:

دین کے بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ دین درحقیقت اللہ کی طلب اور خود کو اس رب کی جستجو میں جلانے کا نام ہے۔ اس کی ابتداء تو ادب ہے اور انتہا عشق ہے۔ اس لیے ادب کرنے والا عشق کی منازل طے کرتا ہے۔ پھول کی آبرو اس کے رنگ اور خوشبو سے ہوتی ہے۔ وہ نوجوان جو بے ادب ہوتا ہے وہ نہ رنگ رکھتا ہے اور نہ خوشبو رکھتا ہے۔ بلکہ وہ بے آبرو ہوتا ہے۔ اس کی معاشرے میں کوئی عزت نہیں ہوتی۔ علامہ اقبال بے ادب نوجوان کے بارے میں اپنے احساسات یوں بیان کرتے ہیں کہ جب بھی میں کسی نوجوان کو بے ادب دیکھتا ہوں تو میرا دن رات کی طرح تاریک ہو جاتا ہے۔ یعنی اسے بے ادب دیکھ کر میرے دل کو نہایت دُکھ ہوتا ہے۔ میرے دل میں سوز و گداز بڑھ جاتا ہے۔ مجھے حضرت محمد ﷺ کا وہ دور یاد آ جاتا ہے جب ادب کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا۔ نوجوانوں کو بے ادب دیکھ کر میں اپنے دور سے پشیمان ہو جاتا ہوں۔ اس لیے گذشتہ صدیوں میں پناہ لیتا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ گذشتہ صدیوں کے ادوار کو یاد کرتا ہوں۔

۹۱۔ سترِ زن یا زوج یا خاکِ لحد — سترِ مرداں حفظِ خویش از یارِ بد

۹۲۔ حرفِ بد را بر لب آوردن خطاست — کافر و مومن ہمہ خلقِ خداست!

۹۳۔ آدمیّت احترامِ آدمی — باخبر شو از مقامِ آدمی!

۹۴۔ آدمی از ربط و ضبطِ تن بہ تن — بر طریقِ دوستی گامے بزن!

۹۵۔ بندۂ عشق از خدا گیرد طریق — می شود بر کافر و مومن شفیق!

۹۶۔ کفر و دیں را گیر در پہنائے دل — دل اگر بگریزد از دل، وائے دل!

۹۷۔ گرچہ دل زندانیٔ آب و گِل است
ایں ہمہ آفاق آفاقِ دل است!

الفاظ معانی:

سترِ زن: عورت کا پردہ، زوج: خاوند، خاکِ لحد: قبر کی مٹی، حفظ خویش: اپنے آپ کو بچانا، بر لب آوردن: ہونٹوں پر لانا، ہمہ: سب، خلق خدا: اللہ کی مخلوق، طریق دوستی: دوستی کا راستہ، گام زدن: قدم بڑھانا، طریق: راستہ، پہنائے دل: دل کی وسعت، گریختن: گریز کرنا، آب و گل: جسم۔

ترجمہ:

91۔ عورت کا پردہ اس کا خاوند ہے یا قبر کی مٹی۔ مردوں کا پردہ اپنے آپ کو برے دوستوں سے بچانا ہے۔

92۔ بری بات ہونٹوں پر لانا خطا ہے۔ کافر اور مومن سب خدا کی مخلوق ہیں۔

93۔ آدمیت، احترام آدمی کا نام ہے۔ تو آدمی کے مقام سے باخبر ہو جا۔

94۔ آدمی دوسروں سے ربط و ضبط رکھنے سے ہے۔ دوستی کے راستے پر قدم بڑھا۔

95۔ عشق کا بندہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلتا ہے۔ وہ کافر اور مومن (دونوں) پر شفیق ہوتا ہے۔

96۔ کفر اور دین کو دل کی وسعت میں جگہ دے۔ دل اگر دل سے گریز کرے۔ تو ایسے دل پر افسوس ہے۔

97۔ اگرچہ دل جسم کی قید میں ہے (مگر) یہ سارے آفاق دل کے آفاق ہیں۔

تشریح:

عورت کے بارے میں علامہ محمد اقبال کہتے ہیں کہ عورت کا پردہ یا تو اس کا اپنا خاوند ہے اور یا پھر قبر کی مٹی ہے۔ یعنی عورت جب تک زندہ رہے اپنے خاوند کے پردے میں رہے۔ اسی طرح اقبال کے نزدیک مردوں کا پردہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو برے دوستوں کی صحبت سے بچائیں۔ بری باتیں کرنا یا بری باتیں منہ سے نکالنا خطا ہے۔ کافر اور مومن دونوں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ یعنی رب، رب العالمین ہے رب المسلمین نہیں۔ انسان کا احترام کرنا چاہیے کیونکہ انسانیت انسان کا احترام کرنے میں ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ تو آدمی کے مقام سے باخبر ہو جا اور اس کا مقام پہچان لے۔ آدمی کی آدمیت دوسرے انسانوں کے ساتھ اچھے روابط رکھنے میں ہے۔ اس لیے تو بھی دوستی کے راستے پر قدم بڑھا اور دوسروں کے ساتھ اپنے روابط کو اچھا رکھ۔ اسی ربط وضبط سے انسان کی آدمیت کا پتہ چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عشق رکھنے والا بندہ ہمیشہ اللہ کے راستے پر گامزن رہتا ہے۔ وہ کافر اور مومن دونوں کے ساتھ محبت اور احترام سے پیش آتا ہے۔ اس لیے تو بھی کفر اور دین کو اپنے دل کی وسعتوں میں جگہ دے۔ کلام اقبال کو سطحی طور پر پڑھنے والے بعض افراد کو علامہ اقبال کا یہ مصرع کھٹکتا ہے کہ کفر اور دین دونوں کو اپنے دل کی وسعتوں میں جگہ دے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اور مولانا روم دونوں کا عقیدہ یہ ہے کہ کافر اور مومن دونوں کے ساتھ روابط رکھنے میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی پیروی کرنی چاہیے یعنی جیسا خدا ان کو رویہ دیتا ہے ویسا ہمیں بھی دینا چاہیے۔ کافر ہو یا مومن خدا ان کو اپنی نعمتوں سے محروم نہیں رکھتا۔ دونوں کو زندگی، مال، دولت، اولاد اور دل کی مرادیں دیتا ہے۔ اس لیے ہمیں بھی خدا کی پیروی کرتے ہوئے ایک انسان ہونے کے ناطے دونوں کے ساتھ اپنا رویہ اچھا رکھنا چاہیے۔ اگر ایک انسان کا دل دوسرے انسان سے گریزاں ہو تو پھر ایسا دل افسوس کے لائق ہے۔ اگر چہ دل جسم کی قید میں ہے اور مادیت کا قیدی ہے مگر پھر بھی ساری کائنات دل کی کائنات ہے۔ اس لیے ہمیں کسی کا دل نہیں توڑنا چاہیے۔

۹۸۔ گرچہ باشی از خداوندانِ دہ | فقر را از کف مدہ، از کف مدہ

۹۹۔ سوزِ او خوابیدہ درجانِ تو ہست | ایں کہن مے از نیاکانِ تو ہست!

۱۰۰۔ در جہاں جز درد دل ساماں مخواہ | نعمت از حق خواہ و از سلطاں مخواہ!

۱۰۱۔ اے بسا مردِ حق اندیش و بصیر | می شود از کثرتِ نعمت ضریر!

۱۰۲۔ کثرتِ نعمت گداز از دل برد | ناز می آرد نیاز از دل برد!

۱۰۳۔ سالہا اندر جہاں گردیدہ ام | نم بچشم منعماں کم دیدہ ام!

۱۰۴۔ من فدائے آنکہ درویشانہ زیست
واے آں کو از خدا بیگانہ زیست!

الفاظ معانی:

خداوندان: مالک (جمع)، دہ: گاؤں، فقر: غربت، از کف دادن، ہاتھ سے دینا، مدہ: نہ دے، خوابیدہ: سویا ہوا، کہن می: پرانی شراب، نیاکان: بزرگ (جمع)، مخواہ: نہ چاہ، حق: اللہ تعالیٰ، بسا: بہت سے، حق اندیش: حق تعالیٰ کا سوچنے والے، بصیر: دیکھنے والے، ضریر: اندھے، از دل برد: دل سے لے جاتی ہے، ناز: فخر، گردیدہ ام: میں گھوما پھرا ہوں، منعمان: مالدار (جمع)، دیدہ ام: میں نے دیکھی ہے، زیستن: زندگی گزارنا، آں کو: وہ کہ جس نے۔

ترجمہ:

98۔ اگرچہ تو دیہاتوں کا مالک ہی کیوں نہ ہو۔ غربت کو ہاتھ سے جانے دے۔

99۔ اس کا سوز تیری جان میں سویا ہوا ہے۔ یہ پرانی شراب تیرے بزرگوں سے ہے۔

100۔ دنیا میں دردِ دل کے سوا کسی سامان کی طلب نہ کر۔ نعمت اللہ تعالیٰ سے مانگ بادشاہ سے نہ مانگ۔

101۔ بہت سے حق اندیش اور صاحب نظر نعمت کی کثرت سے اندھے ہو جاتے ہیں۔

102۔ نعمت کی کثرت دل سے گداز لے جاتی ہے۔ فخر لاتی ہے دل سے عاجزی لے جاتی ہے۔

103۔ میں سالہا سال دنیا میں پھرا ہوں۔ میں نے دولتمندوں کی آنکھوں میں نمی کم دیکھی ہے۔

104۔ میں اس پر قربان جس نے درویشانہ زندگی بسر کی۔ افسوس اس پر جس نے خدا سے بیگانہ رہ کر زندگی بسر کی۔

تشریح:

علامہ محمد اقبال ان اشعار میں اپنے بیٹے جاوید اقبال کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تو جاگیروں کا مالک ہی کیوں نہ ہو، تو غربت کو ہاتھ سے مت جانے دے۔ مراد یہ ہے کہ دولت اور مال واسباب کے ہوتے ہوئے بھی سادگی اپنا، نمود و نمایش کا راستہ نہ اپنا۔ اس اختیاری غربت کا سوز تیری جان میں سویا ہوا ہے۔ یہ پرانی شراب تیرے بزرگوں اور اسلاف کی عطا کردہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ سے لے کر، خلفاء، صحابہ، اولیاء اور علماء کرام نے غربت اور سادگی کی زندگی اختیار کی۔ بالخصوص حضرت محمد ﷺ جن کو پروردگار نے سب کچھ عطا کیا ان کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوتا تھا۔ اس لیے یہ اختیاری غربت ہمیں ہمارے بزرگوں سے ملی ہے۔ وہ عملی طور پر اس راستے پر رہے اور ہمیں اسی راستے پر رہنے کا درس دے گئے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں اگر تجھے کسی سامان کی طلب ہے تو پھر دردِ دل کی خواہش کر جو غریبوں اور مسکینوں کے دکھ درد کو محسوس کر سکے۔ نعمت اور دولت خدا سے مانگ۔ بادشاہ سے نہ مانگ کیونکہ وہ بیچارہ تو خود اس خالق اور مالک کا محتاج ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے بارے میں سوچنے والے اور بینائی رکھنے والے دولت آجانے پر اندھے ہو جاتے ہیں۔ دولت کی کثرت ان کے دل سے سوز و گداز کو دیمک کی طرح چاٹ لیتی ہے۔ دولت کی فراوانی انسانوں کے دلوں میں غرور اور فخر پیدا کرتی ہے۔ ان کے دلوں سے عاجزی اور نیازمندی محو کر دیتی ہے۔ علامہ اقبال اپنی زندگی کا تجربہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں سالہا سال دنیا کے مختلف علاقوں میں گھوما پھرا ہوں۔ میں نے دولتمندوں کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی بہت کم دیکھی ہے۔ وجہ وہی ہے جو بیان کی گئی ہے کہ دولت کی کثرت دلوں سے سوز و گداز ختم کر دیتی ہے۔ وہ کہتے ہیں افسوس ہے اس پر جس نے خدا سے بیگانہ ہو کر زندگی گزاری اور وہ عمر بھر خدا سے غافل رہا۔ جو اپنے حقیقی خالق اور مالک سے غافل ہو گیا اس نے اس زندگی سے کیا پایا۔

۱۰۵۔ در مُسلمانان مجو آن ذوق و شوق | آن یقین آن رنگ و بو، آن ذوق و شوق!

۱۰۶۔ عالمان از علمِ قرآن بے نیاز | صوفیان درّندہ گرگ و مودراز!

۱۰۷۔ گرچہ اندر خانقاہان ہاے و ہوست | کو جوانمردے کہ صہبا در کدوست!

۱۰۸۔ ہم مسلمانانِ افرنگی مآب | چشمۂ کوثر بجویند از سراب!

۱۰۹۔ بے خبر از سرِّ دین اند این ہمہ | اہلِ کین اند اہلِ کین اند این ہمہ!

۱۱۰۔ خیر و خوبی بر خواص آمد حرام | دیدہ ام صدق و صفا را در عوام!

۱۱۱۔ 'اہلِ دین را باز دان از اہلِ کین | ہم نشینِ حق بجو با او نشین'

۱۱۲۔ کرگساں را رسم و آئیں دیگر است
سطوتِ پروازِ شاہیں دیگر است!

الفاظ معانی:

مجو: تلاش نہ کر، درندہ گرگ، وحشی بھیڑیئے، مو دراز: لمبے بال والے، صہبا: شراب، در کدوست: کدو میں ہے، افرنگی مآب: افرنگ زدہ، اہل کیں: عداوت رکھنے والے، خواص: خاص لوگ، نشیں: بیٹھ، کرگساں: گدھ (جمع)، سطوت: شان۔

ترجمہ:

105۔ مسلمانوں میں وہ ذوق وشوق، یقین اور رنگ و بو تلاش نہ کر۔

106۔ علماء قرآن کے علم سے بے نیاز ہیں۔صوفی لمبے بالوں والے اور وحشی بھیڑیئے ہیں۔

107۔ اگرچہ خانقاہوں میں ہاؤ ہو کا شور ہے مگر وہ جوانمرد کہاں ہے جس کے کدو میں شراب ہے۔

108۔ مسلمان بھی افرنگ زدہ ہیں۔سراب سے کوثر کے چشمے کی جستجو کرتے ہیں۔

109۔ یہ سب دین کے راز سے بے خبر ہیں۔یہ سب عداوت رکھنے والے ہیں۔عداوت رکھنے والے ہیں۔

110۔ خاص لوگوں میں خیر وخوبی حرام ہے۔میں نے عام لوگوں میں سچائی اور صفائی دیکھی ہے۔

111۔ عداوت رکھنے والوں اور دین رکھنے والوں میں امتیاز کر۔حق تعالیٰ کا ہمنشین تلاش کر اور اس کے ساتھ بیٹھ۔

112۔ گدھوں کا رسم اور آئین اور ہے۔شاہین کی پرواز کی شان کچھ اور ہے۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ اقبال موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے بیٹے تو آج کے مسلمانوں میں ماضی کے مسلمانوں جیسا ذوق وشوق، یقین و ایمان اور رنگ و بو تلاش نہ کر۔آج ان میں یہ چیزیں سرے سے موجود ہی نہیں۔آج کے علماء قرآن کے علم سے لاپرواہی برتتے ہیں اور اس علم سے بے نیاز ہیں۔آج کے صوفی لمبے بالوں والے وحشی اور خونخوار بھیڑیئے ہیں۔انہوں نے ظاہر سازی سے کام لیا ہے عملی طور پر یہ بے رحم درندے ہیں۔ان کے مزاروں اور خانقاہوں میں ہائے وہو کا شور تو ہے مگر ان میں کوئی ایسا جواں مرد نہیں جس کے کدو میں شراب ہو۔کدو میں شراب ہونے سے مراد یہ ہے کہ قدیم زمانے میں جب شیشے کی بوتلیں نہیں ہوتی تھیں تو لوگ کدو میں سوراخ کر کے اس کا گودا نکال لیتے اور وہ خشک ہو جانے پر بوتل یا برتن کا کام دیتا تھا۔شراب سے مراد بھی دنیاوی حرام شراب نہیں بلکہ عشق الٰہی کی خالص شراب ہے۔یہاں علامہ اقبال پیغام یہ دینا چاہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی جواں مرد ایسا نہیں ہے جس کے پاس معرفت الٰہی کی شراب موجود ہو۔یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ علماء اور صوفیاء کے بارے میں جو کچھ علامہ اقبال نے فرمایا وہ تمام علماء اور صوفیا کے بارے میں ہرگز نہیں بلکہ صرف علماء سوا اور ظاہر ساز صوفیا کے بارے میں ہے۔آج کے وہ مسلمان جو انگریزی تہذیب وثقافت کے دلدادہ ہیں ان کی مثال کچھ ایسی ہے کہ وہ سراب سے حوض کوثر کی جستجو کر رہے ہیں۔مراد یہ ہے کہ انگریزی تہذیب وثقافت سراب کی طرح نظر کا دھوکہ ہے۔ظاہری چمک دمک رکھتی ہے اور اندر سے کھوکھلی۔ایسی ثقافت کی تقلید کر کے ان کو کیا ملے گا۔یہ جو ایسا کر رہے ہیں یہ سب دین کے راز سے بے خبر ہیں اور دین سے عداوت رکھنے والے ہیں۔آج کے مسلمانوں کے خاص لوگوں میں خیر وخوبی کی موجودگی حرام ہے یعنی ان میں خیر وخوبی سرے سے موجود ہی نہیں البتہ میں نے عام آدمیوں میں سچائی اور دل کی صفائی مشاہدہ کی ہے۔اس لیے میرے بیٹے تو دین رکھنے والوں اور دین سے عداوت رکھنے والوں کو پہچان اور ان میں امتیاز

کر۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمنشین تلاش کر اور اس کی صحبت اختیار کر۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے ہمنشین سے مراد اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور خاص بندہ کے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ کہ گدھوں اور شاہینوں میں واضح فرق موجود ہے۔ گدھوں کا طور طریقہ اور ہے اور شاہین کی پرواز کی شان کچھ اور ہے۔ گدھ مردہ خور ہیں اور شاہین تازہ شکار پکڑ کر کھاتا ہے۔ گدھ زمین پر مردہ جسموں پر بیٹھا دکھائی دیتا ہے جبکہ شاہین آسمانوں پر محوِ پرواز رہتا ہے۔

۱۱۳۔ مردِ حق از آسماں افتد چو برق | ہیزمِ او شہر و دشتِ غرب و شرق

۱۱۴۔ ما ہنوز اندر ظلامِ کائنات | او شریکِ اہتمامِ کائنات

۱۱۵۔ او کلیمؑ و او مسیحؑ و او خلیلؑ | او محمدؐ او کتاب او جبرئیل!

۱۱۶۔ آفتابِ کائناتِ اہلِ دل | از شعاعِ او حیاتِ اہلِ دل

۱۱۷۔ اول اندر نارِ خود سوزد ترا | باز سلطانی بیاموزد ترا

الفاظ معانی:

افتد: گرتا ہے، چوبرق: بجلی کی طرح، ہیزم او: اس کا ایندھن، دشت: صحرا، ہنوز: ابھی، ظلام کائنات: کائنات کے اندھیرے، آفتاب: سورج، نار: آگ، سوزد ترا: تجھے جلائے گا، بیاموزد ترا: تجھے سکھائے گا۔

ترجمہ:

113۔ مردِ حق آسمان سے بجلی کی طرح گرتا ہے۔ اس کا ایندھن مشرق اور مغرب کے شہر اور صحرا ہیں۔

114۔ ہم ابھی تک کائنات کے اندھیروں میں ہیں اور وہ انتظام کائنات میں شامل ہے۔

115۔ وہ کلیم علیہ السلام ہے، وہ عیسیٰ علیہ السلام ہے، وہ خلیل علیہ السلام ہے، وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، وہ کتاب ہے اور وہ جبریل ہے۔

116۔ وہ اہل دل کی کائنات کا سورج ہے۔ اس کی شعاعوں سے اہل دل کی زندگی ہے۔

117۔ وہ (مردِ حق) پہلے تجھے اپنی آگ میں جلائے گا، پھر تجھے سلطانی سکھائے گا۔

تشریح:

علامہ محمد اقبال ان اشعار میں اپنے بیٹے جاوید اقبال سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ مردِ حق آسمان سے بجلی کی طرح گرتا ہے اور اس کے ایندھن مشرق اور مغرب کے شہر اور صحرا ہیں۔ یہاں آسمان سے گرنے کا مطلب یہ ہے کہ مردِ حق آسمان سے بجلی کی طرح جھپٹتا ہے۔ مشرق سے مغرب تک کے تمام شہر اور صحرا اس کی دسترس میں ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہم ابھی تک کائنات کے اندھیروں میں گھرے ہوئے ہیں اور مردِ حق کائنات کے انتظام و انصرام میں شامل ہوتا ہے۔ وہ مردِ حق کلیم اللہ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یعنی یہ تمام پیغمبر مردِ حق ہونے کے معیار پر پورا اترتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید اور حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی مردِ حق کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں وہی کچھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کہا اور حضرت جبرائیل نے اسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ وہ مردِ حق پہلے تمہیں اپنی آگ میں جلاتا ہے اور پھر بادشاہی کرنا سکھاتا ہے۔ یعنی پہلے وہ اپنی آگ سے پاک کرتا ہے اور پھر بادشاہت کرنے کے گر سکھاتا ہے۔

۱۱۸۔ ما ہمہ با سوزِ او صاحب دلیم ‏ ورنہ نقشِ باطلِ آب و گلیم

۱۹۱۔ ترسم ایں عصرے کہ تو زادی دراں ‏ دربدن غرق است و کم داند ز جاں!

۱۲۰۔ چوں بدن از قحطِ جاں ارزاں شود ‏ مردِ حق در خویشتن پنہاں شود!

۱۲۱۔ ورنیابد جستجو آں مرد را ‏ گرچہ بیند رو بروآں مرد را!

۱۲۲۔ تو مگر ذوقِ طلب از کف مدہ ‏ گرچہ در کارِ تو اُفتد صد گرہ!

الفاظ معانی:

ما ہمہ: ہم سب، ترسم: میں ڈرتا ہوں، تو زادی: تو نے جنم لیا، دانستن: جاننا، ارزاں: سستا، کم قیمت: درخویشتن: اپنے آپ میں، پنہاں شدن: چھپنا، روبرو: سامنے، از کف مدہ: مت چھوڑ۔

ترجمہ:

118۔ ہم سب اس (مردِ حق) کے سوز سے صاحب دل میں وگرنہ ہم آب وگل کا باطل نقش ہیں۔

119۔ یہ زمانہ جس میں تو نے جنم لیا میں اس سے ڈرتا ہوں۔ یہ زمانہ بدن میں غرق ہے اور روح کے بارے میں کم جانتا ہے۔

120۔ جب روح کے قحط کی وجہ سے جسم کم قیمت ہو جاتا ہے تو مردِ حق اپنے اندر چھپ جاتا ہے۔

121۔ جستجو اس مرد کو تلاش نہیں کر پاتی اگر چہ اس مرد کو سامنے سے ہی کیوں نہ دیکھے۔

122۔ مگر تو طلب کے ذوق کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ تیرے کام میں چاہے سینکڑوں گرہیں آئیں۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ محمد اقبال اپنے بیٹے سے مردِ حق کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہم سب انسان کسی نہ کسی مردِ حق کے سوز سے صاحب دل ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہمارا پانی اور مٹی سے بنا یہ جسم بے سود ہے۔ اے میرے بیٹے جس زمانے میں تو نے جنم لیا مجھے اس زمانے سے خوف آتا ہے۔ خوف آنے کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگ بدن یعنی مادیات میں گم ہیں اور روح اور روحانیت سے بے خبر اور نا آشنا ہیں۔ جب ایسا ہو کہ جسم روح کے قحط سے کم قیمت ہو جائے تو پھر مردِ حق خود میں چھپ جاتا ہے۔ پھر جتنا مرضی تلاش کر لو جتنی مرضی اس کی جستجو کر لو کوئی فرد مردِ حق کو نہیں پا سکتا یا پہچان سکتا۔ چاہے وہ مردِ حق اس کی نظروں کے سامنے موجود ہی کیوں نہ ہو مگر میرے بیٹے تو پھر بھی طلب کا ذوق اپنے اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے چاہے تمہارے راستے میں سینکڑوں دشواریاں اور مشکلات کیوں نہ آئیں۔

۱۲۳۔ گر نیابی صحبتِ مردِ خبیر ‏ از اب و جد آنچہ من دارم بگیر!

۱۲۴۔ پیرِ رومی را رفیقِ راہ ساز ‏ تا خُدا بخشد ترا سوز و گداز

۱۲۵۔ زانکہ رومی مغز راداند زپوست ‏ پائے اُو محکم فتد در کوئے دوست!

۱۲۶۔ شرح او کردند و اور اکس ندید ‏ معنئ او چوں غزال از ما رمید

۱۲۷۔ رقصِ تن از حرفِ او آموختند ‏ چشم را از رقصِ جاں بردوختند!

الفاظ معانی:

مرد خبیر: باخبر آدمی، اب وجد: آباؤ اجداد، آنچه: جو کچھ، بگیر: لے لے، رفیق راہ: راستے کا ساتھی، مغز: گری، گودا، پوست: چھلکا، کوی دوست: دوست کا کوچہ، آموختن: سیکھنا۔

ترجمہ:

123۔ اگر تو باخبر مرد کی صحبت نہ پا سکے تو جو کچھ میرے پاس آباؤ اجداد سے ہے وہ لے لے۔

124۔ پیر رومی کو راستے کا ساتھی بنالے تا کہ تجھے خدا سوز و گداز عطا کرے۔

125۔ کیونکہ رومی مغز اور چھلکے میں امتیاز رکھتا ہے۔ اس کا پاؤں دوست کی گلی میں مضبوطی سے پڑتا ہے۔

126۔ لوگوں نے اس کی تشریح کی مگر اسے کسی نے نہ دیکھا۔ اس کے معانی ہرن کی طرح ہم سے جاتے رہے۔

127۔ لوگوں نے جسم کا رقص اس کی باتوں سے سیکھا۔ لیکن آنکھیں روح کے رقص سے بند کر لیں۔

تشریح:

علامہ اقبال اپنے بیٹے جاوید اقبال سے کہتے ہیں اگر تمہیں تلاش کرنے کے باوجود اپنے زمانے میں کوئی مرد حق یا باخبر آدمی نہ ملے اور تو اس کی صحبت اختیار نہ کر سکے تو پھر میرے پاس جو کچھ آباؤ و اجداد سے ملا ہے وہ لے لے۔ تو پیر روم یعنی مولانا جلال الدین رومی کو راستے کا ساتھ بنالے تا کہ تجھے خدا سوز و گداز عطا کرے۔ پیر رومی کو اس لیے راستے کا ساتھی بناؤ کہ وہ مغز اور چھلکے کے فرق کو سمجھتا ہے۔ اسے پتہ ہے کہ مغز کیا ہے اور خالی چھلکا کیا ہے۔ مولانا کا پاؤں دوست کی گلی میں مضبوطی سے پڑتا ہے۔ یہاں حق تعالیٰ کے لیے دوست کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ اقبال کی دانست میں مولانا روم ایک باخبر آدمی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اقبال جو مغربی مفکرین کو خاطر میں نہیں لاتے اور انہیں راہب دیرینہ اور گوسفند (بھیڑ) جیسے ناموں سے یاد کرتے ہیں جب مولانا کا ذکر کرتے ہیں تو انہیں مرد باخبر اور مرشد جیسے القابات سے نوازتے ہیں اور انہیں اپنا مرشد کہنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ لوگوں نے مولانا کے کلام (مثنوی معنوی) کی تشریح تو کی ہے مگر اس کے حقیقی معنی تک نہیں پہنچ پائے۔ وہ مولانا کو حقیقی معنوں میں نہیں پہچان پائے۔ ان کے کلام کے معنی ہم سے ہرن کی طرح دور بھاگ گئے۔ مراد یہ ہے کہ مثنوی معنوی میں موجود سوز و گداز اور اسرار کو کوئی نہیں پا سکا۔ مولانا کے کلام پر لوگوں نے دائرے میں گول چکر میں رقص کرنا تو سیکھ لیا۔ لیکن اپنی آنکھیں روح کے رقص سے بند کر لیں۔ حالانکہ مولانا کا کلام روح کو رقص میں لانے کا پیغام دیتا ہے جسم کو رقص میں لانے کا پیغام نہیں دیتا۔

۱۲۸۔ رقص تن در گردش آرد خاک را — رقصِ جاں برہم زندا فلاک را!

۱۲۹۔ علم و حکم از رقصِ جاں آید بدست — ہم زمیں ہم آسماں آید بدست!

۱۳۰۔ فرد ازوے صاحبِ جذبِ کلیم! — ملت ازوے وارثِ ملک عظیم!

۱۳۱۔ رقص جاں آموختن کارے بود — غیر حق را سوختن کارے بود

۱۳۲۔ تا ز نارِ حرص و غم سوزد جگر — جاں برقص اندر نیاید اے پسر

الفاظ معانی:

رقص تن: جسم کا رقص، آرد: لاتا ہے، برہم زدن: درہم برہم کرنا، افلاک: آسمان (جمع)، حکم: حکمت، بدست آمدن: حاصل ہونا، از وے: اس سے، جذب: جاذبیت، ملت: قوم، آموختن: سیکھنا، سوختن: جلانا، اے پسر: اے بیٹے۔

ترجمہ:

128۔ جسم کا رقص مٹی کو گردش میں لاتا ہے۔ روح کا رقص افلاک کو درہم برہم کرتا ہے۔

129۔ علم اور حکمت روح کے رقص سے حاصل ہوتے ہیں۔ زمین اور آسمان بھی حاصل ہوتے ہیں۔

130۔ فرد اس سے کلیم کی جاذبیت پا لیتا ہے قوم اس سے عظیم ملک کی وارث بن جاتی ہے۔

131۔ روح کا رقص سیکھنا مشکل کام ہے۔ غیر اللہ کو جلا دینا مشکل کام ہے۔

132۔ اے بیٹے، جب تک جگر، حرص اور غم کی آگ میں جلتا رہے، روح رقص میں نہیں آ سکتی۔

تشریح:

یہ بتانے کے بعد کہ لوگوں نے مولانا روم کے کلام سے مخصوص رقص تو سیکھ لیا مگر روح کا رقص نہیں سیکھا حالانکہ مولانا نے جسم کے رقص کی نہیں روح کے رقص کی بات کی ہے علامہ اقبال کہتے ہیں کہ جسم کا رقص کرنے سے زمین سے مٹی اڑتی ہے جبکہ روح کا رقص آسمانوں کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ جسم کے رقص سے نہیں بلکہ روح کے رقص سے علم اور حکمت حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے زمین اور آسمان دونوں میسر آتے ہیں۔ روح کے رقص سے انسان میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ جیسے جذبے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی سے کوئی قوم عظیم ملک کی وارث بنتی ہے۔ البتہ روح کا رقص سیکھنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ بہت مشکل کام ہے۔ حرص و ہوس اور مادیت پرستی کے بتوں کو دل سے نکال باہر کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اللہ کے سوا باقی تمام خواہشات کو جلا دینا کوئی آسان کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقابل موجود تمام باطل قوتوں کو جلا کر راکھ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ جب تک انسان کا جگر حرص اور غم کی آگ میں جلتا رہے گا اس وقت تک اس کی روح نہ رقص سیکھ سکتی ہے اور نہ رقص کر سکتی ہے۔

۱۳۳۔ ضعفِ ایمان است و دلگیری است غم — نوجوانا! نیمۂ پیری است غم!

۱۳۴۔ می شناسی؟ حرص فقرِ حاضر است — من غلام آنکہ بر خود قاہر است

۱۳۵۔ اے مرا تسکینِ جانِ ناشکیب — تو اگر از رقصِ جاں گیری نصیب

۱۳۶۔ سرِ دینِ مصطفی گویم ترا — ہم بقبر اندر دُعا گویم ترا!

الفاظ معانی:

ضعف: کمزوری، نیمہ پیری: نصف بڑھاپا، قاہر: قادر، جان ناشکیب: بے سکون روح، ہم: بھی۔

ترجمہ:

133۔ غم ایمان کی کمزوری اور دلگیری ہے۔ اے نوجوان، غم نصف بڑھاپا ہے۔

134۔ کیا تو جانتا ہے کہ حرص اس زمانے کی غربت ہے۔ میں اس مرد کا غلام ہوں جو اپنے اوپر قادر ہے۔

135۔ اگر تو روح کے رقص سے نصیب حاصل کرے تو میری بے صبر روح کو تسکین دے گا۔

136۔ میں تجھے حضرت محمد ﷺ کے دین کا راز بتا رہا ہوں۔ میں تمہیں قبر کے اندر سے بھی دعا دوں گا۔

تشریح:

ان اشعار میں علامہ اقبال اپنے بیٹے جاوید اقبال سے کہتے ہیں کہ غم بذات خود ایمان کی کمزوری اور دلگیری ہے۔ یہاں غم سے مراد مادی چیزوں کے حاصل نہ ہونے کا غم ہے۔ حدیث شریف ہے کہ غم آدھا بڑھاپا ہے۔ اے بیٹے کیا تو جانتا ہے کہ حرص آج کے زمانے کی سب سے بڑی غربت ہے۔ حرص میں مبتلا ہونے کے بعد اس کا سلسلہ کہیں نہیں رکتا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کا غلام ہوں جو اپنے آپ پر اختیار رکھتا ہے۔ اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے۔ اے میرے بیٹے تو میری بے قرار روح کے لیے تسکین کا باعث ہوگا اگر تو روح کے رقص سے اپنا نصیب حاصل کرے۔ اگر تو ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر میں تمہیں قبر کے اندر سے بھی دعا دوں گا۔ اسی روح کے رقص میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین کا راز ہے۔

---

4. Ghazaliyat

غزلیات

(۱)

۱۔ صورت نہ پرستم من، بتخانہ شکستم من
آن سیلِ سبک سیرم، ہر بند گسستم من

۲۔ دربود و نبودِ من اندیشہ گما نہا داشت
از عشق ہوید اشد، ایں نکتہ کہ ہستم من

۳۔ در دیر نیازِ من، در کعبہ نمازِ من
زنّار بدوشم من، تسبیح بدستم من

٤۔ سرمایۂ دردِ تو، غارت نتواں کردن
اشکے کہ ز دل خیزد، در دیدہ شکستم من

۵۔ فرزانہ بگفتارم، دیوانہ بہ کردارم
از بادۂ شوقِ تو ہشیارم و مستم من

الفاظ معانی:

پرستیدن: پوجنا، شکستن: توڑنا، سیل: سیلاب، سبک سیر: تیز رفتار، گسستن: توڑنا، بود و نبود: ہونا اور نہ ہونا، اندیشہ: عقل، ہویدا شدن: ظاہر ہونا، دیر: بتخانہ، دست: ہاتھ، زدل خیزد: دل سے اٹھ کر آئے، دیدہ: آنکھ، فرزانہ: دانا، گفتار: گفتگو، شوق تو: تیری چاہت۔

ترجمہ:

1۔ میں صورت نہیں پوجتا، میں نے بتخانہ توڑ دیا۔ میں وہ تیز رفتار سیلاب ہوں کہ میں نے ہر بند توڑ دیا۔
2۔ میرے ہونے اور نہ ہونے میں عقل مختلف گمان رکھتی تھی۔ یہ نکتہ عشق سے ظاہر ہوا کہ میں ہوں۔

3۔ بتخانے میں، میں نیازمند، کعبہ میں، میں نمازی، میرے کندھے پر زنار اور میرے ہاتھ میں تسبیح۔

4۔ تیرے درد کا سرمایہ غارت نہیں کیا جاسکتا۔ وہ آنسو جو دل سے اُمڈ کر آئے میں نے اسے آنکھوں میں توڑ دیا۔

5۔ میں گفتگو میں دانا ہوں، عمل میں دیوانہ ہوں۔ تیرے عشق کی شراب سے میں ہوشیار بھی ہوں اور مست بھی۔

تشریح:

علامہ محمد اقبال کی یہ غزل ان کے شعری مجموعے پیام مشرق سے لی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں صورت نہیں پوجتا، میں نے بتخانہ توڑ دیا۔ یعنی میں مادی دنیا کی صورتوں کو نہیں پوجتا کیونکہ میں نے مادیت کا بتخانہ ہی توڑ دیا ہے۔ عشق الٰہی کے باعث میں ایک تیز رفتار سیلاب کے ریلے کی شکل اختیار کر گیا ہوں۔ جس نے اپنے راستے میں آنے والے تمام بند توڑ دیئے۔ میرے ہونے اور نہ ہونے میں عقل مختلف گمان رکھتی تھی کیونکہ عقل کا کام ہے گمان پیدا کرنا اور بھول بھلیوں میں ڈالنا۔ میرے ہونے کا نکتہ تو عشق اور دل کے سیلاب جیسے جذبوں سے معلوم ہوا کہ میں موجود ہوں۔ مراد یہ ہے کہ جب عقل کی بھول بھلیوں کے باعث کوئی بامقصد کام نہ کر سکے تو اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ جب عشق اور دل کے جذبوں کو بنیاد بنا کر کوئی بڑا کام کرے تو وہ اپنے آپ کو اس دنیا سے منوا لیتا ہے اور جب تک دنیا ہے وہ لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ بتخانے میں تو میں نیازمند ہوں اور کعبہ میں نمازی ہوں۔ ہندوؤں کا مقدس دھاگہ "زنار" میرے کندھے پر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا نشان تسبیح میرے ہاتھ میں ہے۔ یعنی آج کے دور کے مسلمان کی زندگی کچھ ا[illegible] ہے۔ ایک پاؤں اِس طرف ہے تو دوسرا اس طرف ہے۔ وہ کوئی بامقصد زندگی نہیں گزار رہا۔ مگر تیرے دل میں جو سوز و گداز اور درد ہے اسے تو ختم یا تباہ نہیں جاسکتا۔ وہ آنسو جو دل میں موجود سوز و گداز کے باعث اُمڈ کر آتے ہیں میں نے ان کو آنکھوں میں توڑ دیا اور انہیں چھپا لیا۔ آخری شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ میں گفتگو میں دانا ہوں اور عمل میں دیوانہ ہوں۔ تیرے عشق کی شراب سے میں ہوشیار بھی ہوں اور مست بھی ہوں۔ اس شعر کے پہلے مصرع میں دو الفاظ "فرزانہ اور دیوانہ" اور دوسرے مصرع میں دو الفاظ "ہوشیار اور مست" متضاد ہیں۔ اِن متضاد الفاظ کو اپنے شعر میں لا کر علامہ اقبال نے صنعت تضاد استعمال کی ہے۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے ایک طرف تیرے عشق نے مجھے گفتگو میں ہوشیار کر دیا ہے تو دوسری طرف تیرے عشق میں مست ہونے کے باعث عمل میں دیوانگی کی حالت میں ہوں کیونکہ عشق کا دوسرا نام جنون ہے۔

(۲)

۱۔ از ما بگو سلامے آں ترکِ تند خورا
کآتش زد از نگاہے یک شہر آرزو را

۲۔ ایں نکتہ راشنا سد آں دل کہ درد مند است
من گرچہ توبہ گفتم نشکستہ ام سبورا

۳۔ اے بلبل از وفایش صد بار با تو گفتم
تو در کنار گیری، باز ایں رمیدہ بورا

٤۔ رمزِ حیات جوئی؟ جز در تپش نیابی
درقلزم آرمیدن ننگ است آبجورا

۵۔ شادم کہ عاشقاں را سوزِ دوام دادی
درماں نیافریدی آزارِ جستجورا

۶۔ گفتی مجو وصالم، بالا تراز خیالم
عذر نو آفریدی اشک بہانہ جورا

۷۔ از نالہ بر گلستاں آشوب محشر آور
تادم بہ سینہ پیچد مگذار ہائے وہو را

الفاظ معانی:

ترک: محبوب، ازما: ہماری طرف سے، بگو: کہہ، آتش زدن: آگ لگانا، جلانا، شناختن: پہچاننا، سبو: مٹکا، از وفایش: اس کی وفا کے بارے میں، گفتم: میں نے کہا، درکنار گرفتن: آغوش لینا، رمیدہ بو: جس کی خوشبو اڑ چکی ہو، جستن: ڈھونڈنا، تپش: تڑپ، نیافتن: نہ پانا، در قلزم: سمندر میں، آرمیدن: آرام کرنا، ننگ است: باعث شرم ہے، آبجو: ندی، شادم: میں خوش ہوں، سوز دوام: ہمیشہ رہنے والی تڑپ، آفریدن: پیدا کرنا، آزار: تکلیف، بہانہ جو: بہانہ ڈھونڈنے والا، آشوب محشر: قیامت کا ہنگامہ، پیچیدن: لپٹنا۔

ترجمہ:

1۔ ہماری طرف سے اس تیز مزاج محبوب کو سلام کہہ، کہ اس نے ایک نگاہ سے آرزو کے ایک شہر کو جلا ڈالا۔
2۔ اس نکتہ کو وہ دل پہچانے گا جو دردمند ہے۔ میں نے اگرچہ توبہ کا کہا (مگر) مٹکا نہیں توڑا ہے۔
3۔ اے بلبل میں نے سو بار تجھے اس کی وفا کا حال سنایا تو پھر اس اڑی ہوئی خوشبو والے کو سینے سے لگا لیتا ہے۔
4۔ تو زندگی کا راز ڈھونڈتا ہے؟ تڑپ کے سوا کہیں نہیں پائے گا، ندی کے لیے سمندر میں آرام کرنا باعث شرم ہے۔
5۔ میں خوش ہوں کہ تو نے عاشقوں کو ہمیشہ رہنے والی تڑپ بخشی۔ تو نے جستجو کی تکلیف کے لیے علاج پیدا نہیں کیا۔
6۔ تو نے کہا میرے وصال کی جستجو نہ کر میں خیال سے بلند تر ہوں۔ تو نے بہانہ ڈھونڈنے والے آنسوؤں کے لیے نیا بہانہ پیدا کر دیا۔
7۔ دکھ بھری پکار سے باغ پر قیامت کا ہنگامہ لے آ، جب تک سینے میں سانس چلتا ہے نالہ و فریاد نہ چھوڑ۔

تشریح:

اقبال کے مجموعہ کلام ''پیام مشرق'' کی اس خوبصورت غزل میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے اس تیز مزاج محبوب کو سلام کہہ کہ جس نے ایک نگاہ سے آرزو اور تمنا کے ایک شہر کو جلا ڈالا۔ اس شعر میں لفظ 'ترک'' استعمال ہوا ہے ترک کا لفظی مطلب تو ہے ایسا شخص جس کی نسبت ترکی سے ہو یا وہ ترکی کا رہنے والا ہو۔ مگر یہاں اس سے مراد محبوب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں ترکی سے غلام اور لونڈیاں ایران لائی جاتی تھیں جو شکل اور جسامت کے اعتبار سے خوبصورت ہوا کرتی تھیں۔ لوگ انہیں اپنا محبوب بنا کر گھروں میں رکھنے لگے اور یوں محبوب کو ترک کہا جانے لگا اور یہی اصطلاح اس دور کے شاعروں مثلاً حافظ کے کلام میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ جیسا کہ حافظ کے اس شعر میں ہے:

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندو اش بخشم سمر قند و بخارا را

دوسرے شعر میں اقبال کہتے ہیں میرے اس نکتے کو کوئی دردمند ہی سمجھ پائے گا کہ میں نے توبہ کا اعلان تو کر دیا مگر شراب کا مٹکا ابھی نہیں توڑا۔ یہاں شراب سے مراد شراب عشق ہے۔ یہ ایک بار لگ جائے تو پھر زندگی بھر چھوڑے سے بھی نہیں چھوٹتی۔ اس نکتے کو کوئی دردمند ہی سمجھ پائے گا یعنی ایسا شخص سمجھ

پائے گا جس کو یہ درد دامن گیر ہوا ہو۔ تیسرے شعر میں اقبال بلبل کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میں نے سو مرتبہ تجھے پھول کی وفا کا حال سنایا مگر تو پھر اسی اڑی خوشبو والے پھول کو سینے سے لگا لیتا ہے۔ یہاں عاشق کے لیے بلبل کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ اشارہ اسی نکتے کی طرف ہے کہ جب عاشق کو عشق دامن گیر ہو جائے تو وہ زندگی بھر عشق سے منہ نہیں موڑتا چاہے اسے محبوب کی بے وفائی کے بارے میں لاکھ آگاہ کیا جائے۔ اس کا اپنے دل پر اختیار نہیں ہوتا۔ چوتھے شعر میں اقبال قاری کو مخاطب کر کے سوالیہ انداز میں پوچھتے ہیں کہ کیا تو زندگی کا راز ڈھونڈتا ہے؟ کہ زندگی کیسے گزارنی چاہیے۔ تو وہ ہے عشق کا سوز اور تڑپ۔ علامہ اقبال ندی کی مثال دیتے ہیں کہ ندی کے لیے باعث شرم ہے اگر وہ سمندر میں رہ کر جوش و خروش نہ دکھائے اور بے حرکت ہو جائے۔ حرکت ہی زندگی کی علامت ہے اور ایک جگہ ٹھہر جانا موت ہے البتہ اس حرکت اور جنبش کو عشق سے زیادہ کوئی چیز ایجاد نہیں کر سکتی۔ پانچویں شعر میں وہ کہتے ہیں کہ میں اس بات پر خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے عاشقوں کو ہمیشہ رہنے والی تڑپ عطا کی اور اس تکلیف سے نجات کا کوئی علاج پیدا نہیں کیا۔ وگرنہ زندگی میں یہ جب و جوش نہ رہتا اور زندگی روکھی پھیکی ہو جاتی۔ چھٹے شعر میں اقبال اپنے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ تو نے کہا کہ میرے وصال کی جستجو نہ کر کیونکہ میں تو خیال سے بھی بالاتر ہوں۔ خیال ایک محدود عقل کی پیداوار ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے۔ مگر یہ کہہ کر بھی تو نے بہانہ ڈھونڈنے والے آنسوؤں کو ایک نیا بہانہ دے دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ تیرے وصال کے لیے اب بھی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں آخری شعر میں اقبال فرماتے ہیں کہ اے انسان تو نے اپنی آہوں اور نالوں سے اس باغ یعنی دنیا میں ہنگامہ برپا کر دے۔ جب تک تیرے سینے میں سانس ہے تو آہ و نالے کرتا رہ کیونکہ یہی آہ و نالے ایک سچے عاشق کی پہچان ہیں۔

(۳)

۱۔ آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی
در بیابانِ جنوں بردیؔ و رسوا ساختی

۲۔ جرمِ ما از دانہ، تقصیر او از سجدہ
نے بآں بیچارہ می سازی، نہ باما ساختی

۳۔ صد جہاں می روید از کشت خیال ما چو گُل
یک جہان و آں ہم از خونِ تمنّا ساختی

۴۔ پرتو حسنِ توُمی افتد بروں مانند رنگ
صورتِ مَے پردہ از دیوارِ مینا ساختی

۵۔ طرحِ نو افگن کہ ماجدّت پسند افتادہ ایم
ایں چہ حیرت خانۂ امروز وفردا ساختی!

الفاظ معانی:

خار: کانٹا، آشنا ساختن: آشنا کرنا، بردن: لے جانا، رسوا ساختن: رسوا کرنا، تقصیر: خطا، قصور، ساختن: سازگاری کرنا، می روید: اُگتا ہے، کشت: کھیتی، چو گل: پھول کی طرح، پرتو: عکس، بروں: باہر، مانند: کی طرح، دیوار مینا: صراحی کی دیوار، طرح نوافگن: نئی بنیاد ڈال، افتادہ ایم: ہم واقع ہوئے ہیں، امروز: آج، فردا: آنے والا کل، ساختن: بنانا۔

ترجمہ:

1۔ تو نے ہر کانٹے کو ہمارے قصے سے آشنا کر دیا، تو جنون کے بیابان میں لے گیا اور رسوا کر دیا۔

2۔ ہمارا جرم ایک دانہ، اس کی خطا ایک سجدہ، تو نہ اس بیچارے سے سازگار ہے اور نہ ہم سے راضی ہوا۔

3۔ ہمارے خیال کی کھیتی سے سینکڑوں جہاں پھولوں کی طرح اُگتے ہیں۔ تو نے ایک دنیا بنائی وہ بھی تمناؤں کے لہو سے۔

4۔ تیرے حسن کا عکس رنگ کی طرح باہر جھلکتا ہے تو نے شراب کی صورت کے آگے صراحی کی دیوار کا پردہ بنا دیا۔

5۔ کوئی نئی بنیاد ڈال کیونکہ ہم جدت پسند واقع ہوئے ہیں یہ تو نے کیا آج اور کل کا حیرت خانہ بنایا ہے۔

تشریح:

علامہ محمد اقبال کی یہ غزل ان کے شعری مجموعے ''پیام مشرق'' سے لی گئی ہے۔ اس غزل کے پہلے شعر میں اقبال اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تو نے ہر کانٹے کو ہمارے قصے سے آگاہ کر دیا۔ تو ہمیں جنون کے بیابان میں لے گیا یعنی خود جنون سے آشنا کرایا اور پھر خود ہی زمانے بھر کو اس سے آگاہ کر کے رسوا کر دیا۔ دوسرے شعر میں وہ کہتے ہیں کہ ہمارا جرم ایک دانہ تھا۔ یہاں دانہ سے مراد گندم کا دانہ ہے اور اشارہ حضرت آدم علیہ السلام کے گندم کا دانہ کھانے کی طرف ہے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔ اس کی خطا ایک سجدہ ہے یعنی ابلیس کی سزا ایک سجدہ نہ کرنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ میرے بندے کو سجدہ کر تو اس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی درگاہ سے دھتکار دیا۔ اقبال اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ تو نہ اس ابلیس بیچارے کے ساتھ سازگار ہے اور نہ ہی ہم سے راضی ہے۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال کر اس دنیا میں بھیج دیا اور ابلیس کو بھی اپنی درگاہ سے دھتکار کر اس دنیا میں بھیج دیا۔ تیسرے شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ ہماری عقل کی کھیتی پھولوں کے سینکڑوں جہاں اُگاتی ہے۔ ہم سینکڑوں قسم کے منصوبے اور راستے عقل سے سوچتے ہیں جب کہ اے اللہ تو نے ایک دنیا بنائی اور وہ بھی تمناؤں کے لہو سے یعنی اس دنیا میں ہر کوئی اپنی تمناؤں اور آرزوؤں کے مطابق زندگی نہیں گزار سکتا بلکہ خدا کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق گزارتا ہے جہاں بسا اوقات اس انسان کی اپنی آرزو یا تمنا نہیں ہوتی۔ چوتھے شعر میں علامہ اقبال اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ تیرا حسن رنگ کی طرح باہر دکھائی دیتا ہے حالانکہ تو نے اپنے آگے پردہ ایسے حائل کیا ہوا ہے جیسے شراب کی صورت کے آگے صراحی کی دیوار کا پردہ ہوتا ہے۔ یعنی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ عیاں بھی ہے اور آنکھوں کو بلا واسطہ دکھائی بھی نہیں دیتی۔ مگر غزل کے آخری شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ اے اللہ کوئی نئی بنیاد ڈال کوئی نئی دنیا بسا کیونکہ ہم انسان بنیادی طور پر جدت پسند واقع ہوئے ہیں۔ یہ تو نے کیا آج اور آنے والے کل کا حیرت خانہ بنایا ہے۔ یہاں آج سے مراد حال اور کل سے مراد مستقبل کے ہیں اس دنیا کے لیے حیرت خانہ کا استعارہ اس لیے استعمال کیا ہے کہ اس دنیا میں نت نئی اور عجیب چیزیں سامنے آتی ہیں اور رب نے نہایت عجیب و غریب چیزیں بنائی ہیں۔

(٤)

۱۔ تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا کہ مسلک شبیرم آرزوست

۲۔ از بہر آشیانہ خس اندوزیم نگر
باز ایں نگر کہ شعلہ در گیرم آرزوست

۳۔ گفتند لب بہ بند و ز اسرار ما مگو
گفتم کہ خیر انعرۂ تکبیرم آرزوست

۴۔ گفتند ہر چہ در دلت آید ز ما بخواہ
گفتم کہ بے حجابی تقدیرم آرزوست

۵۔ از روزگار خویش ندانم جز ایں قدر
خوابم ز یاد رفتہ و تعبیرم آرزوست

۶۔ کو آں نگاہ ناز کہ اوّل دلم ربود
عمرت دراز باد ہماں تیرم آرزوست

الفاظ معانی:

سنان: برچھی، بامن بیا: میرے ساتھ آ، شبیر: حضرت امام حسین علیہ السلام، بہر آشیانہ: آشیانے کے لیے، خس اندوزی: تنکے اکٹھے کرنا، نگر: دیکھ، باز: پھر، شعلہ در گرفتن: شعلے دامن میں لینا، گفتند: انہوں نے کہا، لب بہ بند: ہونٹ بند کر لے، اسرار ما: ہمارے راز، مگو: مت کہہ، نہ: نہیں، زما بخواہ: ہم سے مانگ لے، روزگار خویش: اپنے دن رات، ندانم: میں نہیں جانتا، جز ایں: اس کے سوا، کو: کہاں ہے، ربود: لے اڑنا، عمرت دراز باد: تیری عمر دراز ہو۔

ترجمہ:

1۔ تیر اور برچھی اور خنجر اور تلوار میری آرزو ہے۔ میرے ساتھ نہ آ کیونکہ شبیر علیہ السلام کا مسلک میری آرزو ہے۔

2۔ آشیانہ کے لیے میرا تنکے جمع کرنا دیکھ۔ پھر یہ دیکھ کر شعلوں کو دامن میں لینا میری آرزو ہے۔

3۔ انہوں نے کہا ہونٹ سی لے اور ہمارے راز بیان نہ کر۔ میں نے کہا نہیں نعرۂ تکبیر میری آرزو ہے۔

4۔ انہوں نے کہا جو کچھ تیرے دل میں آئے ہم سے مانگ لے۔ میں نے کہا تقدیر کی بے حجابی میری آرزو ہے۔

5۔ میں اپنے دن رات (زندگی) کے بارے میں نہیں جانتا ماسوائے اتنا کہ مجھے خواب بھول گیا ہے اور تعبیر میری آرزو ہے۔

6۔ کہاں ہے وہ نگاہِ ناز جو سب سے پہلے میرا دل لے اڑی۔ تیری عمر دراز ہو مجھے اسی تیر کی آرزو ہے۔

تشریح:

اقبال کے شعری مجموعے "پیامِ مشرق" کی غزل کے پہلے شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں۔ تیر، برچھی، خنجر اور تلوار میری آرزو ہے۔ مراد یہ ہے کہ میں جہاد کرنے کا آرزومند ہوں اللہ کی مدمقابل قوتوں کا مقابلہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا مسلک میری آرزو ہے۔ جس طرح انہیں شہادت نصیب ہوئی اسی طرح میں اللہ کے راستے میں شہید ہونا چاہتا ہوں۔ تو جسے اس دنیاوی دنیا سے پیار ہے تو میرے ساتھ نہ آ۔ غزل کے اس پہلے شعر میں علامہ اقبال نے تیر، سنان، خنجر اور شمشیر جیسے الفاظ استعمال کر کے مراعات النظیر کا استعمال کیا ہے۔ جب کسی شعر میں ایک دوسرے سے مناسبت رکھنے والے چند الفاظ اکٹھے لائے جائیں اور ان میں کسی قسم کا تضاد موجود نہ ہو تو اسے مراعات النظیر کہتے ہیں۔ دوسرے شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ تو دیکھ میں کس طرح آشیانے کے لیے تنکے جمع کرتا ہوں اور پھر یہ دیکھ کہ کس طرح شعلوں کو اپنے دامن میں سمیٹنا میری آرزو ہے۔ مراد یہ ہے کہ خدا کی راہ میں جب نصب العین بلند ہو تو پھر راستے میں درپیش مسائل، مشکلات اور نقصانات کے بارے میں نہیں سوچا جاتا اور ان کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اقبال فرماتے ہیں کہ مجھے کہا گیا کہ لب سی لوں اور رازوں کے بارے میں کوئی بات نہ کروں۔ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ میں نعرۂ تکبیر بلند کرنے کی آرزو رکھتا ہوں۔ نعرۂ تکبیر بلند کرنا میری آرزو ہے۔ نعرۂ تکبیر خاموشی سے بیٹھے رہنے کا نام نہیں بلکہ جذبات کے برملا اظہار کا نام ہے۔ اقبال کہتے ہیں مجھے کہا گیا کہ خاموش رہو۔ اس خاموش رہنے کے عوض

جو کچھ چاہیے وہ لے لو۔ میں نے کہا تقدیر سے پردہ اٹھانا میری آرزو ہے کیونکہ مردِ حق کسی تقدیر کا پابند نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ دوسروں کا محتاج رہنا پسند کرتا ہے۔ اگلے شعر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میں اپنی زندگی کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ میں نے جو خواب دیکھا تھا وہ تو مجھے بھول گیا ہے مگر میں اس خواب کی تعبیر کی آرزو رکھتا ہوں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک خاص مقصد کے لیے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ ہم وہ مقصد تو بھول چکے ہیں لیکن عملی طور پر وہ پیا بن کر دکھانا میری آرزو ہے۔ اس غزل کے آخری شعر میں اقبال کہتے ہیں کہ وہ نگاہ ناز کہاں ہے جس نے سب سے پہلے میرا دل چھینا۔ اللہ تعالیٰ تمھاری عمر دراز کرے۔ نظر کے اسی تیر کی میں آرزو رکھتا ہوں اور وہ تیر ہے حضرت محمد ﷺ کے نظرِ کرم کا تیر جو بگڑے کام سنوار سکتا ہے۔

(۵)

۱۔ چوں چراغِ لالہ سوزم درخیابانِ شما
اے جوانانِ عجم جانِ من و جانِ شما!

۲۔ غوطہ ہا زد در ضمیرِ زندگی اندیشہ ام
تا بدست آوردہ ام افکارِ پنہانِ شما

۳۔ مہر و مہ دیدم نگاہم برتر از پرویں گذشت
ریختم طرحِ حرم در کافرستانِ شما!

۴۔ تا سنانش تیز تر گرد دفر و پیچیدمش
شعلۂ آشفتہ بود اندر بیابانِ شما

۵۔ فکرِ رنگینم کند نذرِ تہی دستانِ شرق
پارۂ لعلے کہ دارم از بدخشانِ شما

۶۔ می رسد مردے کہ زنجیرِ غلاماں بشکند
دیدہ ام از روزنِ دیوارِ زندانِ شما

۷۔ حلقہ گردِ من زنید اے پیکرانِ آب و گل
آتشے در سینہ دارم از نیاگانِ شما!

الفاظ معانی:

چوں چراغ: چراغ کی طرح، سوختن: جلانا، اندیشہ ام: میری عقل، بدست آوردن: حاصل کرنا، مہر و مہ: سورج اور چاند، طرح ریختن: بنیاد رکھنا، آشفتن: بکھرنا، تہی دستان: خالی ہاتھ والے، پارہ لعل: لعل کا ٹکڑا، شکستن: توڑنا، دیدہ ام: میں نے دیکھا ہے، روزن: روشندان۔

ترجمہ:

1۔ اے عجم کے نوجوانو! میں اپنی اور تمھاری جان کو خیابان میں چراغ لالہ کی طرح جلا رہا ہوں۔

2۔ میری عقل نے زندگی کے ضمیر میں غوطے لگائے ہیں تب جا کر میں نے تمھارے پوشیدہ افکار حاصل کیے ہیں۔

3۔ میں نے سورج اور چاند دیکھا۔ میری نگاہ پروین سے بھی اوپر نکل گئی۔ میں نے تمھارے کافرستان میں حرم کی بنیاد رکھ دی۔

4۔ تمھارے بیابان میں شعلہ بکھرا ہوا تھا۔ میں نے اسے اکٹھا کیا تا کہ اس کی زبان اور زیادہ تیز ہو جائے۔

5۔ لعل کا وہ ٹکڑا جو تمہارے بدخشاں سے میں رکھتا ہوں اور جو میری فکر کو رنگین کرتا ہے، میں نے خالی ہاتھ مشرقیوں کے نذر کر دیا۔

6۔ ایک آدمی پہنچ رہا ہے جو غلاموں کی زنجیریں توڑ دے گا، میں نے تمہاری زندان کے روشندان سے دیکھا ہے۔

7۔ اے پانی اور مٹی کے پیکرو میرے گرد اکٹھے ہو جاؤ۔ میں سینے میں تمہارے اجداد کی آگ رکھتا ہوں۔

تشریح:

یہ غزل علامہ محمد اقبال کے شعری مجموعے ''زبورِ عجم'' سے لی گئی ہے۔ اس غزل کے اشعار کی شہرت کا دائرہ صرف پاکستان اور ہندوستان تک محیط نہیں رہا بلکہ اس کو ایران میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ خاص طور پر جب 1971ء میں خمینی صاحب کی زیرِ قیادت ایرانی انقلاب کی جدوجہد کا سلسلہ شروع ہوا تو اسے اپنا ارتقائی عمل پورا کرنے میں تقریباً نو سال کا عرصہ لگا۔ اس عرصہ میں لوگوں میں انقلاب کا جذبہ ابھارنے کے لیے نہ صرف جلسے جلوسوں میں بلکہ سڑکوں کے کنارے دیواروں پر علامہ اقبال کے یہ اشعار لکھے اور پڑھے جاتے رہے۔ یوں علامہ اقبال کے ان اشعار نے ایرانی انقلابیوں کا جوش اور ولولہ بڑھانے کے لیے موثر کردار ادا کیا۔ ان اشعار میں علامہ اقبال عجم کے نوجوانوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اے عجم کے نوجوانو میں اپنی اور تمہاری جانوں کو خیابان میں لالہ کے چراغوں کی طرح جلا رہا ہوں۔ میری عقل زندگی کے ضمیر میں غوطہ زن ہوئی تب جا کر میں نے تمہارے پوشیدہ افکار تک رسائی حاصل کی کہ تمہارا اصل درد کیا ہے۔ میں نے سورج اور چاند دیکھا اور میری نظر ستاروں سے بھی اوپر چلی گئی۔ مراد یہ ہے کہ میں نے زمین سے لے کر آسمان تک تمام عالم کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا تب جا کر میں نے تمہارے کافرستان میں حرم کی بنیاد رکھی۔ یہاں کافرستان سے مراد مادی دنیا اور حرم سے مراد معنوی باتیں ہیں۔ یعنی میں نے تمہاری مادی دنیا تک اپنے اشعار کے ذریعہ معنوی باتیں پہنچائیں۔ تمہارے مادیت کے بیابان میں جذبوں کا شعلہ پھیلا ہوا تھا۔ جب شعلہ پھیلا ہوا ہو تو اس کی حرارت کم میسر آتی ہے۔ میں نے اس شعلے کو اکٹھا کیا تا کہ وہ شعلہ زیادہ سے زیادہ حرارت دے اور تمہارے دل میں مادی چیزوں کی ہوا و ہوس کو جلا کر خاکستر کر دے۔ علامہ اقبال مزید کہتے ہیں کہ لعل کا وہ ٹکڑا جو میں نے تمہارے بدخشاں سے لیا تھا، میں اسی لعل کے ٹکڑے سے اپنی سوچ کو رنگین کرتا ہوں۔ بدخشاں کا علاقہ لعل کی کانوں کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں اسی لعل کے ٹکڑے کو میں اہل مشرق کے خالی ہاتھ رکھنے والوں کے حوالے کرتا ہوں یعنی وہ چیز جو میرے افکار کو تقویت بخشتی ہے وہ میں نے آپ (اہل عجم) کے آباؤ اجداد سے لی ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں مختلف مقامات پر بالخصوص مولانا روم اور بالعموم دیگر شعراء مثلاً سنائی، مولانا جامی وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میں نے اپنے افکار کو ان کے کلام سے جلا بخشی ہے۔ اب یہی لعل کا ٹکڑا یعنی قابل قدر افکار میں اہلِ مشرق کے خالی ہاتھوں پر رکھ رہا ہوں تا کہ وہ بھی اس سے اپنی سوچ کو منور کریں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں اے عجم کے نوجوانو! میں نے تمہاری زندان کے روشندان سے دیکھا ہے کہ وہ آدمی جو غلاموں کی زنجیریں توڑ دے گا وہ آ رہا ہے۔ یعنی وہ شخص آ رہا ہے جو غلامی کے دور کو ختم کر دے گا۔ اب آزادی کا دن زیادہ دور نہیں رہا۔ اے پانی اور مٹی سے بنے انسانو! میرے گرد جمع ہو جاؤ کیونکہ میرے سینے میں جو سوز اور جذبوں کی آگ ہے وہ آگ تمھارے آباؤ اجداد سے ہے۔ اب میں اسے تم تک پہنچا رہا ہوں۔

(c) Poems

نظمیں

1۔ حور و شاعر

۱۔ نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر کشائی
عجب این کہ تو ندانی رہ و رسمِ آشنائی

۲۔ ہمہ سازِ جستجوے ہمہ سوزِ آرزوے
نفسے کہ می گدازی، غزلے کہ می سرائی

۳۔ بنوائے آفریدی چہ جہانِ دلکشاے
کہ ارم بچشمم آید چو طلسم سیمیائی!

الفاظ معانی:

بادہ: شراب، میل داشتن: رغبت رکھنا، نظر کشودن: دیکھنا، ندانی: تو نہیں جانتا، رہ و رسم آشنائی: آشنائی کے طور طریقے، نفس گداختن: آہ بھرنا، غزل سرودن: غزل کہنا، آفریدن: پیدا کرنا، ارم: جنت، طلسم سیمیائی: خیالی چیزوں کو مجسم کر دینے والا جادو۔

ترجمہ:

1۔ نہ تو شراب سے میل رکھتا ہے، نہ میری طرف دیکھتا ہے۔ حیرت یہ ہے کہ تو آشنائی کے طور طریقے نہیں جانتا۔

2۔ ساری کی ساری جستجو کا ساز، ساری کی ساری آرزو کا سوز، ہر آہ جو تو بھرتا ہے، ہر غزل جو تو کہتا ہے۔

3۔ تو نے ایک نغمے سے اتنا دلکش جہاں بنا دیا کہ جنت مجھے نظر بندی کا عمل دکھائی دیتی ہے۔

تشریح:

علامہ اقبال کی یہ مشہور نظم ''حور و شاعر'' کے عنوان سے ان کے شعری مجموعے پیام مشرق میں شامل ہے۔ انہوں نے یہ نظم مشہور جرمن شاعر گوئٹے کی ایک نظم ''حور و شاعر'' کے جواب میں لکھی ہے۔ اس نظم کے پہلے حصے میں حور، شاعر سے مخاطب ہو کر کہتی ہے کہ نہ تو شراب خوری کا شوق رکھتا ہے اور نہ ہی تو میری طرف نظریں اٹھا کر دیکھتا ہے۔ عجیب ہے کہ تمہیں تو آشنائی کے طور طریقے بھی نہیں آتے۔ حور کہتی ہے، اے شاعر، ہر آہ جو تو بھرتا ہے اور ہر غزل جو تو کہتا ہے ان سب میں یا تو جستجو کا ساز ہے یا پھر آرزو کا سوز ہے۔ تو نے ایک نغمے یعنی شاعری سے ایسی دلکش دنیا پیدا کر دی ہے کہ اس کے سامنے مجھے جنت نظر بندی کا عمل دکھائی دیتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ خیالی چیزوں کو مجسم کر دینے والا عمل دکھائی دیتی ہے۔

شاعر

۱۔ دلِ رہرواں فریبی بہ کلامِ نیش دارے
مگر ایں کہ لذتِ او نرسد بہ نوک خارے

۲۔ چہ کنم کہ فطرت من بہ مقام در نسازد
دل ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے

۳۔ چو نظر قرار گیرد بہ نگار خوبروے
تپد آں زماں دلِ من پے خوبتر نگارے

٤۔ ز شرر ستارہ جویم، ز ستارہ آفتابے
سر منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے

۵۔ جو زبادۂ بہارے قدحے کشیدہ خیزم
غزلے دگر سرائم بہ ہوائے نو بہارے

٦۔ طلبم نہایت آں کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہ ناشکیبے بہ دل امید وارے

۷۔ دل عاشقاں بمیرد بہ بہشت جاودانے
نہ نوائے دردمندے نہ غمے نہ غمگسارے

الفاظ معانی:

دل رہرواں :مسافروں کا دل، فریبیدن :للچانا، کلام نیش دار :دل میں چبھنے والی باتیں، نوک خار :کانٹے کی نوک، چہ کنم :میں کیا کروں، درساختن: سازگاری کرنا، دل ناصبور :بے چین دل، چو صبا :صبا کی طرح، چو: جب، قرار گرفتن :ٹھہرنا، نگار: محبوب، تپیدن :تڑپنا، شرر: چنگاری، جستن: کھوجنا، سر منزلے :کسی منزل کا خیال، بمیرم :میں مرجاؤں گا، بادہ :شراب، قدحی :ایک جام، خیزم :میں اٹھتا ہوں، ہوائے نو بہارے :ایک نئی بہار کی آرزو، نہایت :انتہا، نگاہ ناشکیبی :ایک بے قرار نگاہ، بہشت جاودانے :ہمیشہ رہنے والی بہشت، نوا: پکار۔

ترجمہ:

1۔ تُو (دل میں) چبھ جانے والی باتوں سے مسافروں کا جی للچاتی ہے مگر یہ کہ ان (باتوں) کی لذت کانٹے کی نوک تک نہیں پہنچتی۔
2۔ میں کیا کروں کہ میری فطرت مقام کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ لالہ زار میں صبا کی طرح ایک بے چین دل رکھتا ہوں۔
3۔ جب نظر کسی خوبرو محبوب پر ٹھہرتی ہے، اس وقت میرا دل کسی خوب تر محبوب کے لیے تڑپتا ہے۔
4۔ میں چنگاری سے ستارہ کھوجتا ہوں۔ ستارے سے کوئی سورج، میں کسی منزل کا خیال نہیں کرتا کیونکہ رکنے سے مرجاؤں گا۔
5۔ جب ایک بہار کی شراب کا جام پی کر اٹھتا ہوں (تو) کسی نئی بہار کی آرزو میں ایک اور غزل کہنے لگتا ہوں۔
6۔ میں اس کی انتہا ڈھونڈتا ہوں جو کوئی انتہا نہیں رکھتا۔ ایک بے قرار نگاہ کے ساتھ، ایک امید لگائے دل کے ساتھ۔
7۔ ایک ہمیشہ رہنے والی بہشت میں عاشقوں کا دل مرجاتا ہے۔ نہ کسی دردمند کی پکار، نہ کوئی غم، نہ کوئی غمگسار

تشریح:

ان اشعار میں شاعر حور کے جواب میں کہتا ہے کہ اے حور، تو دل پر اثر کرنے والی باتوں سے مسافروں کا جی للچاتی ہے۔ یہاں مسافر کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ جنت میں جانے والے اس دنیا سے سفر کر کے اور کوچ کر کے جنت میں جاتے ہیں۔ مگر تیری ان کی ہوئی باتوں کی لذت کانٹے کی نوک جتنی چبھن یا درد نہیں رکھتی۔ ایک عاشق تو سوز و درد کا طلبگار ہوتا ہے۔ وہ باتیں جو سوز و درد نہ رکھتی ہوں وہ عاشق کو کیا لذت دیں گی۔ شاعر کہتا ہے میں کیا کروں میری فطرت کسی ایک مقام پر رکنے اور پڑاؤ کرنے سے گریزاں ہے۔ بالکل ایسے جیسے باد صبا لالہ زار میں اپنا آنا جانا تو جاری رکھتی ہے مگر وہاں کبھی رکتی نہیں۔ اسی طرح شاعر بھی حرکت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ جمود یا ٹھہراؤ اس کے لیے موت ہے۔ اس شعر میں علامہ اقبال نے باد صبا کی خوبصورت تشبیہ پیش کی ہے۔ اگلے شعر میں شاعر حور سے کہتا ہے کہ میری نظر جب کسی خوبصورت محبوب پر پڑتی ہے تو اس وقت میرا دل اس محبوب سے بھی زیادہ خوبصورت کے لیے تڑپتا ہے

جس کے باعث میں کسی ایک محبوب پر نظر نہیں رکھ پاتا۔ مجھے ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش رہتی ہے۔ میں جب کسی چنگاری کو دیکھتا ہوں تو مجھے ستارے کا خیال آتا ہے کہ کیوں نہ اس چنگاری سے کہیں زیادہ روشن چیز کو تلاش کروں اور جب ستارے کو دیکھتا ہوں تو دل میں خیال آتا ہے کیوں نہ کسی سورج کو تلاش کر لیا جائے۔ اس لیے میں کسی ایک منزل پر اکتفا نہیں کرتا۔ یوں بہتر سے بہتر کی جستجو کا سفر چلتا رہتا ہے۔ اگر میں اپنی اس فطرت کو چھوڑ کر ایک جگہ رک جاؤں تو میں مر جاؤں گا۔ کیونکہ حرکت میں زندگی ہے اور جو بے حرکت ہو جائے وہ جیتے جی مر جاتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں جب ایک بہار کی شراب کا جام پی کر اٹھتا ہوں تو میرے دل میں کسی نئی بہار کی آرزو اور جستجو مچلنے لگتی ہے۔ میں اس مستی میں ایک اور نئی غزل کہہ دیتا ہوں۔ شاعر کہتا ہے میں تو اس کی انتہا ڈھونڈتا ہوں جو کوئی انتہا نہیں رکھتا۔ جو کوئی انتہا نہیں رکھتا۔ وہ صرف اور صرف ایک ہے "اللہ تعالیٰ"۔ گویا شاعر بے قرار نظروں اور پر امید دل کے ساتھ اللہ کو تلاش کرتا ہے۔ جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو حاصل کرنا ہو اس کے اس مقصد کے سامنے جنت کی کیا حیثیت۔ اس لیے شاعر کہتا ہے کہ اس ہمیشہ رہنے والی بہشت میں عاشقوں کا دل مر جاتا ہے۔ شاعر جو سوز و درد و غم کا طالب ہے اس کے لیے اس جنت میں نہ کسی دردمند کی پکار ہے۔ نہ کوئی غم ہے اور نہ غم غمگسار ہے۔ اس لیے شاعر جنت کا نہیں جنت بتانے والے کا طالب ہے۔

2۔ طیارہ

۱۔ سر شاخ گل طائرے یک سحر — ہمی گفت باطائران دگر

۲۔ "نہ دادند بال آدمی زادہ را — زمیں گیر کر دند ایں سادہ را"

۳۔ بدو گفتم "اے مرغکِ باد سنج — اگر حرفِ حق با تو گویم مرنج

۴۔ ز طیّارہ ما بال و پر ساختم — سوے آسمان رہگذر ساختیم

۵۔ چہ طیارہ آں مرغ گردوں سپر — پر او ز بال ملک تیز تر

۶۔ بہ پرواز شاہیں، بہ نیر و عقاب — بچشمش ز لاہور تا فاریاب

۷۔ بگردوں خروشندہ و تند جوش — میانِ نشیمن چوماہی خموش

۸۔ خرد زآب و گل جبریل آفرید — زمیں رابگردوں دلیل آفرید"

۹۔ چوآں مرغِ زیرک کلامم شنید — مرا یک نظر آشنایانہ دید

۱۰۔ پَرش را بمنقار خارید و گفت — کہ "من آنچہ گوئی ندارم شگفت

۱۱۔ مگر اے نگاہِ تو برچون و چند — اسیر طلسم تو پست و بلند

۱۲۔ تو کارِ زمیں رانکو ساختی؟ — کہ با آسماں نیز پر داختی؟"

(سعدی رحمۃ اللہ علیہ

الفاظ معانی:

طائرے: ایک پرندہ، ہمی گفت: کہہ رہا تھا، دگر: اور، بال: پنکھ، آدمی زادہ: ابن آدم، زمین گیر: جو زمین سے نہ اٹھ سکے، سادہ: نادان، بدو: اس سے، مرغک: ننھا پرندہ، باد سنج: ہواؤں میں اڑنے والا، مرنج: خفا مت ہو، ساختن: بنانا، سوئے آسمان: آسمان کی طرف، رہگذر: راستہ، گردون سپر: آسمان سے اونچا اڑنے والا، ملک: فرشتہ، نیرو: زور، بچشمش: اس کی نظر میں، بگردون: آسمان میں، خروشندہ: شور کرنے والا، تند جوش: تیز جوش، چوماھی: مچھلی کی طرح، خروشندہ: شور کرنے والا، تند جوش: تیز جوش، چوماھی: مچھلی کی طرح، خرد: عقل، آفریدن: بنانا، زیرک: چالاک، شنیدن:

سننا، دیدن: دیکھنا، بمنقار: چونچ سے، خاریدن: کھجلانا، شگفت: حیرت، چون و چند: کیسے اور کتنے، کار زمیں: زمین کا کام، نکو ساختن: سدھارنا، پرداختن: مشغول ہو جانا۔

ترجمہ:

1۔ ایک صبح ایک پرندہ پھولوں کی ٹہنی پر دوسرے پرندوں سے کہہ رہا تھا۔

2۔ آدم زاد کو پنکھ نہیں دیئے گئے۔ اس نادان کو زمین سے لگا کر رکھا گیا۔

3۔ میں نے اس سے کہا ''اے ہواؤں میں اڑنے والے ننھے پرندے اگر میں تجھ سے حق بات کہوں تو برا نہ منانا۔

4۔ ہم نے طیارے کے روپ میں بال و پر بنالیے، آسمان کی طرف راستہ بنالیا۔

5۔ کیسا طیارہ، یہ آسمان سے اونچا اڑنے والا پرندہ، اس کے پر فرشتے کے پروں سے زیادہ تیز ہیں۔

6۔ یہ پرواز میں شاہین، زور میں عقاب، لاہور سے فاریاب اس کی نظر میں (ہے)

7۔ آسمان میں شور کرنے والا اور تیز جوش (ہے)، نشیمن (اپنے ٹھکانے) پر مچھلی کی طرح خاموش (ہے)۔

8۔ عقل نے پانی اور مٹی سے جبرائیل بنایا۔ زمین کے لیے آسمان کا راستہ دکھانے والا بنایا۔

9۔ جب اس دانا پرندے نے میری بات سنی تو مجھ پر آشناؤں کی سی ایک نظر ڈالی۔

10۔ اپنے پر کو چونچ سے کھجلایا اور بولا کہ جو کچھ تو کہہ رہا ہے مجھے اس پر حیرانی نہیں۔

11۔ مگر اے وہ کہ کیسے اور کتنے پر تیری نظر ہے (ہر) پست و بلند تیرے طلسم میں اسیر (ہے)۔

12۔ تو نے زمین کا کام سنوار لیا؟ کہ آسمان کی طرف بھی مشغول ہو گیا۔

تشریح:

نظم ''طیارہ'' علامہ اقبال کے مجموعہ کلام ''پیام مشرق'' سے لی گئی ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد بارہ ہے۔ یہ ایک تمثیلی نظم ہے جسے مکالماتی انداز میں مثنوی کی طرز پر تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک پرندہ دوسرے پرندوں اور خود شاعر سے گفتگو کرتا دکھائی دیتا ہے۔ پرندہ دوسرے پرندوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تو بال و پر عطا کیے ہیں جن کی مدد سے ہم محو پرواز رہتے ہیں۔ مگر انسان کو بال و پر نہیں دیئے اور اس نادان کو زمین سے لگا کر رکھا گیا ہے۔ شاعر نے جب پرندے کی بات سنی تو اس پرندے سے کہا اے ہواؤں میں اڑنے والے ننھے پرندے اگر میں تجھ سے حق بات کہوں تو ناراض مت ہونا حقیقت تو یہ ہے کہ ہم انسانوں نے طیارے کی صورت میں آسمان پر اڑنے والا پرندہ بنالیا ہے۔ اس کے پر فرشتوں سے بھی زیادہ تیز ہیں۔ یہ طیارہ پرواز کرنے میں شاہین سے زیادہ تیز ہے اور عقاب سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اس کی نظر لاہور سے فاریاب تک ہوتی ہے۔ فاریاب بلخ کے نزدیک دریائے جیحون کے مغربی کنارے پر واقع ایک شہر ہے جو قدیم ایران کے صوبہ خراسان میں تھا، اب قازقستان کے جنوبی علاقے میں قرار واقع ہے۔ یعنی جب یہ طیارہ پرواز کرتا ہے تو ایک وسیع علاقہ اس کی نظروں میں ہوتا ہے۔ جب یہ آسمان پر محو پرواز ہوتا ہے تو بہت شور کرتا ہے اور جب یہ اپنے نشیمن یعنی ایئر پورٹ پر ہوتا ہے تو مچھلی کی طرح خاموش ہوتا ہے۔ انسان کی عقل نے پانی اور مٹی سے ہوا میں پرواز کرنے والا جبرئیل بنایا ہے۔ زمین سے آسمان کا راستہ دکھانے والا بنایا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب اس عقلمند پرندے نے میری بات سنی تو مجھ پر آشناؤں جیسی ایک نظر ڈالی۔ اپنے پر کو چونچ سے کھجلایا اور بولا کہ اے انسان طیارے کے بارے میں تو جو کچھ کہہ رہا ہے مجھے اس پر حیرت نہیں ہے۔ مگر اے وہ انسان کہ کیسے اور کتنے پر تیری نظر ہے اور پست و بلند تیرے طلسم میں اسیر ہیں کیا تو نے زمین کا کام سنوار لیا ہے جو اب آسمان کی طرف بھی مشغول ہو گیا ہے۔

اس نظم میں علامہ محمد اقبال نے خوبصورت تشبیہات اور کنایوں کی مدد سے یورپ پر طنز کرتے ہوئے انسانوں کو آگاہ کیا ہے کہ مادی لحاظ سے دنیا کی یہ قومیں بے حد ترقی کر رہی ہیں لیکن معاشرتی لحاظ سے پسماندگی کا شکار ہیں۔ ان قوموں نے سورج کی شعاعوں اور چاند کی چاندنی کو تو اپنا غلام بنالیا ہے مگر اس دنیا سے بھوک، افلاس، بیماری، ظلم اور تعصب ختم نہیں کر سکے۔ یہ لوگ چاند اور دیگر ستاروں پر نئی دنیا بنانے میں تو مصروف ہیں مگر اس دنیا کے معاملات آج تک درست نہیں کر سکے۔ انہوں نے مادی آسودگی حاصل کر لی ہے مگر روحانی اعتبار سے اور اخلاقی اعتبار سے پستی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ آج کا انسان خود انسانیت کا دشمن بن گیا ہے۔

3۔ انقلاب

۱۔ خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

۲۔ شیخ شہر از رشتۂ تسبیح صد مومن بدام
کافران سادہ دل را برہمن زنّار تاب
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

۳۔ میر و سلطان نرد باز و کعبتین شان دغل
جان محکوماں زتن بردند و محکوماں بخواب!
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

٤۔ واعظ اندر مسجد و فرزند او در مدرسہ
آں بہ پیری کودکے ایں پیر در عہد شباب!
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

۵۔ اے مسلماناں فغاں از فتنہ ہائے علم و فن
اہرمن اندر جہاں ارزان و یزداں دیر یاب!
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

٦۔ شوخیِ باطل نگر اندر کمین حق نشست
شپر از کوری شبیخونے زند بر آفتاب!
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

۷۔ در کلیسا ابنِ مریم را بدار آویختند!
مصطفیٰ از کعبہ ہجرت کردہ با اُمّ الکتاب!
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

۸۔ من درون شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام
آنچناں زہرے کہ از وے مارہا درپیچ و تاب!
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

۹۔ ضعیفاں گاہ نیروے پلنگاں می دہند
شعلہ شاید بروں آید فانوس حباب!
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب!

الفاظ معانی:

خواجہ: صاحب، آقا، سازد: بناتا ہے، لعل ناب: خالص لعل، جفا: ظلم، دہ خدایان: گاؤں کے چوہدری، کشت: کھیت، دہقانان: کسان (جمع)، شیخ شہر: شہر کا عالم، رشتہ تسبیح: تسبیح کی لڑی، دام: جال، زنار: وہ دھاگہ جو عیسائی، یہودی یا ہندو گردن میں ڈالتے ہیں، بےخواب: سوئے ہوئے، کودک: بچہ، پیری: بڑھاپا، فغاں: افسوس، اہرمن: شیطان، یزداں: خدا، ارزاں: سستا، عام، شوخی: مذاق، گستاخی، کمین: گھات، حق: اللہ تعالیٰ، مارہا: سانپ (جمع)، گاہ: کبھی، نیروے پلنگاں: چیتوں کی طاقت، دادن: دینا، حباب: بلبلہ۔

ترجمہ:

1۔ آقا مزدور کی رگ کے خون سے خالص لعل بناتا ہے، گاؤں کے چوہدریوں کے ظلم سے کسانوں کے کھیت خراب (ہو گئے)، انقلاب! انقلاب! اے انقلاب

2۔ شہر کے عالم کی تسبیح کی لڑی سے سینکڑوں مومن جال میں (ہیں)، سادہ دل کافر برہمن کے زنار سے بل کھائے (ہیں)۔ انقلاب! انقلاب! اے انقلاب

3۔ سردار اور سلطان نرد کھیلنے والے اور ان کا کعبہ فریب (ہے)۔ وہ محکوموں کی جان تن سے نکال کر لے گئے اور محکوم نیند میں (ہیں)۔ انقلاب! انقلاب! اے انقلاب

4۔ واعظ مسجد کے اندر ہے اور اس کا بیٹا مدرسے میں (ہے)، وہ بڑھاپے میں بچہ ہے، یہ عہد شباب میں بوڑھا ہے، انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!

5۔ اے مسلمانو! علم و فن کے فتنوں پر افسوس، دنیا میں شیطان عام اور خدا دیر سے ملتا ہے۔ انقلاب! انقلاب! اے انقلاب۔

6۔ باطل کی گستاخی دیکھ کہ وہ حق کی گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ چمگادڑ اندھے پن کے باعث سورج پر شبخوں مار رہی ہے۔ انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!

7۔ کلیسا میں ابن مریم کو سولی پر لٹکا دیا! مصطفےٰ نے ام الکتاب کے ساتھ کعبہ سے ہجرت کی۔ انقلاب، انقلاب، اے، انقلاب

8۔ میں نے موجودہ زمانے کے شیشوں کے اندر دیکھا ہے۔ اس قدر زہر ہے کہ اس سے سانپ پیچ و تاب کھا جائیں۔ انقلاب! انقلاب! اے انقلاب

9۔ کمزوروں کو کبھی چیتوں کی طاقت دے دیتے ہیں، شاید بلبلے کے فانوس سے شعلہ باہر آئے، انقلاب! انقلاب! اے انقلاب!

تشریح:

علامہ محمد اقبال کی یہ نظم ''انقلاب'' ان کے شعری مجموعے ''زبور عجم'' سے لی گئی ہے۔ اس خوبصورت نظم میں انہوں نے نہ صرف معاشرتی برائیوں، زیادتیوں کی نشاندہی کی ہے بلکہ ان کا حل بھی بتایا ہے۔ یہ حل ہے ''انقلاب''۔ اس نظم میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ مالک یا آقا مزدور کے خون کی رگ

خالص لعل بناتا ہے۔ یعنی آقا مزدور کو اس کا حق نہیں دیتا بلکہ اس کی خون پسینے کی کمائی سے اپنے لیے قیمتی لعل و جواہرات خریدتا ہے۔ گاؤں کے مالکوں اور چوہدریوں کے ظلم سے کسانوں کے کھیت خراب ہو گئے ہیں۔ ان زیادتیوں کا علاج انقلاب ہے۔ شہر کے عالم کی تسبیح کی لڑی سے سینکڑوں مومن جال میں ہیں۔ یعنی شہر کے عالم سوا اپنی ظاہر سازی سے مومنوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ان میں تعصب اور فرقہ گرائی کا زہر بھرتے ہیں۔ اسی سے غیر مسلموں مثلاً ہندوؤں کے برہمن پنڈت انہیں اپنے مقدس دھاگے زنار سے دھوکہ دیتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ آج کے دور کے مسلمانوں کے عالم ہوں یا ہندوؤں کے پنڈت کوئی بھی مخلص نہیں ہے۔ مذہب کو پیسے کمانے کا وسیلہ بنایا ہوا ہے۔ اپنے مالی مفادات کے لیے نفرت کے بیج بوتے ہیں اور ان کا حل انقلاب ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ سرداروں اور بادشاہوں کو بھی اپنی رعایا سے کوئی دلچسپی نہیں وہ کھیل تماشے میں مصروف ہیں۔ یہاں اقبال نے کھیل ''نرد'' کا نام استعمال کیا ہے جو ایران میں اب بھی بہت زیادہ کھیلا جاتا ہے اور اسے اردو میں ''چوسر'' کہتے ہیں۔ ان سرداروں اور بادشاہوں کا کعبہ اور قبلہ چاہے وہ مکہ والا ہو یا یروشلم والا، دھوکہ اور فریب ہے۔ انہوں نے رعایا کو محکوم بنا کر رکھا اور ان کی جان تک نکال لی۔ مگر یہ محکوم رعایا خواب غفلت میں سوئی ہوئی ہے۔ اس مسئلہ کا حل بھی انقلاب ہے۔ اقبال مزید کہتے ہیں کہ واعظ مسجد میں ہے اور اس کا بیٹا مدرسے میں ہے۔ واعظ دوسروں کو مسجد میں تعلیم حاصل کرنے کا درس دیتا ہے جب کہ خود اس کا بیٹا مدرسے میں ہے۔ یہ واعظ جو بوڑھا ہو گیا ہے ابھی تک بچہ ہے۔ خام ہے اور پختہ نہیں ہوا۔ اس کا بیٹا عہد شباب میں بوڑھا ہو گیا ہے۔ اس میں نوجوانوں والا جذبہ اور ولولہ سرے سے نہیں ہے۔ ان چیزوں کا علاج بھی انقلاب ہے۔ اقبال مسلمانوں کو مخاطب کر کے علم و فن کے فتنوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا میں شیطان عام ہے ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ انسان کے لبادے اور حلیے میں شیطان موجود ہے لیکن اللہ کم ملتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آج کے دور میں شیطانیت کا دور دورہ ہے مگر انسانوں میں خدا خوفی بہت کم پائی جاتی ہے۔ حق اور باطل کی جنگ ازل سے چلی آ رہی ہے اور ابد تک جاری رہے گی مگر باطل کی گستاخی دیکھ کہ وہ حق کی گھات لگائے بیٹھا ہے۔ اسے بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ چمگادڑ اپنے اندھے پن کے باعث سورج پر حملہ آور ہو رہی ہے اور شبخون مار رہی ہے۔ اس مسئلہ کا حل بھی انقلاب ہے۔ اس دنیا میں لوگوں نے اتنی عظیم ہستیوں کے ساتھ وفا نہیں کی۔ کلیسا میں ابن مریم یعنی حضرت عیسیٰ کو سولی پر لٹکا دیا اور حضرت محمد ﷺ کو ام الکتاب یعنی قرآن پاک سے ساتھ کعبہ (مکہ) سے ہجرت کر کے مدینہ آنا پڑا۔ لوگوں کی سوچ تبدیل کرنے کے لیے انقلاب کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ میں نے موجودہ زمانے کے شیشوں کے اندر اتنا زہر دیکھا ہے کہ اس سے خود زہریلے سانپ بھی پیچ و تاب کھا جائیں۔ یہاں شیشوں سے مراد لوگوں کے دل ہیں جن میں نفرت اور تعصب کا زہر بھرا ہے۔ لوگوں کے دلوں کو انقلاب سے بدلا جا سکتا ہے۔ آخر میں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ کمزوروں کو بھی چیتوں کی طاقت دے دیتے ہیں کہ شاید بلبلے کے فانوس سے شعلہ باہر آئے۔ بلبلے کے فانوس سے شعلے کا باہر آنا بظاہر ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ مگر انقلاب سے اسے ممکن بنایا جا سکتا ہے۔

(d) Quartrains

رباعیات

(۱)

۱۔ سُرودِ رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟

۲۔ سر آمد روزگارِ این فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

الفاظ معانی:

سرود: گیت، رفتہ: گیا ہوا، باز آید: واپس آئے، سر آمدن: ختم ہونا، دانائے راز: راز جاننے والا۔

1۔ گزرا ہوا گیت واپس آئے یا نہ آئے؟ حجاز سے بادِ نسیم آئے کہ نہ آئے؟

2۔ اس فقیر کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب راز جاننے والا کوئی آئے کہ نہ آئے؟

تشریح:

اس رباعی میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے گزرے ہوئے زمانے کو یاد کر کے کہتے ہیں کہ عظمت کا وہ دور جو گزر گیا پھر آئے یا نہ آئے معلوم نہیں۔ اس دور کے لیے جب مسلمانوں کا طوطی بولتا تھا اقبال نے سرود رفتہ یعنی "گزرا ہوا گیت" کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ وہ بادِ نسیم جو ماضی میں حجاز سے چل کر یہاں آئی وہ بادِ نسیم پھر آئے یا نہ آئے۔ اس رباعی میں علامہ محمد اقبال نے محمد بن قاسم کے لیے "نسیم حجاز" کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ جس نے برصغیر میں اسلام متعارف کرایا اور اس علاقے کا نقشہ بدل دیا۔ مراد یہ ہے کہ اب حجاز کی طرف سے کوئی محمد بن قاسم آئے یا نہ آئے معلوم نہیں۔ اس فقیر کا زمانہ ختم ہو گیا۔ یہاں علامہ اقبال نے اپنے لیے فقیر کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں معلوم نہیں کہ اب کوئی راز جاننے والا آئے یا نہ آئے۔

(۲)

۱۔ من اندر مشرق و مغرب غریبم
کہ از یارانِ محرم بے نصیبم

۲۔ غم خود را بگویم با دل خویش
چہ معصومانہ غربت را فریبم!

الفاظ معانی:

من: میں، غریبم: اجنبی ہوں، بی نصیبم: بے بہرہ ہوں، دل خویش: اپنا دل، غربت: بے وطنی، فریبم: میں فریب دیتا ہوں۔

ترجمہ:

1۔ میں مشرق اور مغرب میں اجنبی ہوں کیونکہ محرم یاروں سے بے بہرہ ہوں۔

2۔ میں اپنے غم کو اپنے ہی دل سے بیان کرتا ہوں۔ کتنی معصومیت سے بے وطنی کو فریب دیتا ہوں۔

تشریح:

اس رباعی میں علامہ اقبال اس امر کا گلہ اور شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ مشرق اور مغرب کے اندر میں اجنبی اور پردیسی ہوں۔ کیونکہ نہ مشرق میں میرا کوئی محرم یار ہے اور نہ مغرب میں۔ جہاں انسان کا کوئی محرم یار نہ ہو وہاں انسان بے وطنی کا احساس کرتا ہے۔ البتہ یہاں محرم یاروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علامہ اقبال کے احساسات اور جذبات کو سمجھ سکیں، وہ کہتے ہیں کہ میں اپنے غموں کو اپنے ہی دل کے آگے بیان کر دیتا ہوں اور یوں کتنی معصومیت سے اس بے وطنی یعنی محرم یاروں کی کمی کو فریب دیتا ہوں۔

(۳)

۱۔ خدا آں ملتے را سروری داد
که تقدیرش بدست خویش بنوشت

۲۔ بہ آں ملت سروکارے ندارد
که دہقانش برائے دیگراں کشت

الفاظ معانی:

ملت :قوم، سروری :سرداری، دادن:دینا،نوشتن:لکھنا،بدست خویش :اپنے ہاتھ سے،دہقانش:اس کا کسان،برائے دیگراں :دوسروں کے لیے، کشتن:کاشت کرنا۔

ترجمہ:

1۔ اللہ نے اس قوم کو سرداری دی جس نے اپنی تقدیر اپنے ہاتھ سے لکھی۔

2۔ (اللہ تعالیٰ) اس قوم سے کوئی سروکار نہیں رکھتا کہ جس کے کسان نے دوسروں کے لیے کاشت کیا۔

تشریح:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس رباعی میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس قوم کو سرداری دی جس نے اپنی تقدیر اپنے ہاتھ سے لکھی۔ مراد یہ ہے کہ وہ قوم جو دوسروں کے سامنے غلامی اختیار نہ کرے اور اپنی خودی اور خودداری پر قائم رہے خدا اسے سرداری دیتا ہے۔ مگر وہ قوم جس کا کسان دوسروں کے لیے کاشت کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کوئی سروکار نہیں رکھتا یعنی وہ قوم جو اپنی خوداری کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتی اور دوسروں کی غلامی قبول کر لیتی ہے اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رہتی۔

(F) Translation of Simple Passage

سادہ پیراگراف کا ترجمہ

(1)

اردو

اسلامی حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال نے کہا: اسلام بحیثیت ایک نظام سیاست کے اصول توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریقہ ہے۔ اس کا مطالبہ وفاداری خدا کے لیے ہے نہ تخت و تاج کے لیے۔

فارسی

درحال توضیح دادن دولت اسلامی اقبال گفت: اسلام بعنوان یک نظام، جهت مبدل ساختن اصول توحید سیاست به یک عنصر زنده در زندگی ذهنی و احساساتی بشرها روش عملی است۔ تقاضای وفاداری او برای خدا است نه برای تخت و تاج۔

(2)

اُردو

مجھے فارسی زبان پسند ہے۔ فارسی میٹھی زبان ہے۔ فارسی شاعری بڑی دلکش ہے۔ علامہ اقبال اور غالب جیسے مشہور شعرا نے اس زبان میں شعر کہے ہیں۔ اس زبان میں علم و اخلاق کی اچھی باتیں ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ فارسی بول چال سیکھوں۔

فارسی

من زبان فارسی دوست دارم۔ فارسی زبان شیرین است۔ شاعری فارسی خیلی دلپذیر است۔ شعرای معروف مانند غالب و علامه اقبال در این زبان شعر سروده اند۔ دراین زبان سخنان خوب علم و اخلاق و جود دارند۔ دلم می خواهد فارسی گفتاری یادبگیرم۔

(3)

اردو

لاہور ایک تاریخی شہر ہے۔ یہ بہت پر رونق شہر ہے۔ اس کے علاوہ لاہور اپنے آثار قدیمہ کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ لاہور میں بہت سے تفریحی مقامات ہیں۔ جن میں شالامار باغ، بادشاہی مسجد اور شاہی قلعہ خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ لاہور کا سب سے مشہور بازار انارکلی بازار ہے۔

فارسی

لاہور یك شهر تاریخی است- این شهر خیلی پر رونق است- علاوه براین لاهور بعلت آثار باستانی خود خیلی معروف است- در لاهور جاهای تفریحی بسیار و جود دارد- از آنها باغ شالا مار، مسجد پادشاهی، قلعه شاهی دارای ارزش ویژه می باشند- معروف ترین بازار لاهور بازار انار کلی است-

(4)

اردو

اہل ایران فردوسی کو شاعری ملی کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایران کی تاریخ اور ثقافت کو زندہ کیا۔ رزمیہ مثنوی میں فردوسی استاد مانے جاتے ہیں اگرچہ ساٹھ ہزار اشعار میں انہوں نے خالص فارسی الفاظ لانے کی کوشش کی ہے اس کے باوجود اس میں بہت کم سخت اور ثقیل الفاظ آئے ہیں اور بہت کم تصنع کا گمان ہوتا ہے۔ شاہنامہ ایرانی تاریخ کی عظمت کا تذکرہ ہے۔

فارسی

اهل ایران فردوسی را شاعر ملی می گویند - چون وی تاریخ و فرهنگ ایران را زنده ساخت- در مثنوی رزمیه فردوسی بعنوان استاد شناخته می شود- اگرچه اوسعی کرده است که در ٦٠٠٠٠ شعر و اژگان فارسی ناب بیاورد باوجود آن در این کلمات سخت و دشوار خیلی کم آمده اندو گمان خیلی کم پدیدمی آید- شاهنامه تذکره عظمت تاریخ ایرانی است-

(5)

اُردو

سعدی شیرازی ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ایک دین دار گھرانے میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ اپنی جوانی میں بغداد چلے گئے اور مدرسہ نظامیہ میں علوم دینی وادبی حاصل کرنے لگ گئے۔ اس کے بعد عراق، بغداد، شام اور حجاز کا سفر کیا اور ساتویں صدی ہجری وسط میں شیراز واپس لوٹ آئے۔ 655 ہجری میں بوستان لکھی اور 656 ہجری میں گلستان لکھی۔ 691ء ہجری میں شیراز میں وفات پائی۔

فارسی

سعدی شیرازی در آغاز قرن هفتم هجری دریك خانواده متدین در شیراز متوله شد- در نوجوانی خود به بغداد رفت و در مدرسه نظامیه درکسب علوم ادبی و دینی مشغول گشت- بس از آن به عراق ، بغداد ، سوریه و حجاز مسافرت کردو در اواسط قرن هفتم هجری به شیراز برگشت- در ٦٥٥ هجری بوستان نوشت و در ٦٥٦هجری گلستان نوشت - در ٦٩١ هجری در شیراز رحلت کرو-

(6)

اُردو

برصغیر کی تاریخ کا جو دھارا اقبال کے خطوط نے متعین کیا اس پر ہندوستان کے مقدر کا فیصلہ ہوا اور اقبال کی فکر اور نظریے نے برصغیر کو پاکستان اور ہند کی

دو الگ مملکتوں میں تقسیم کر دیا۔ اقبال کے اس نظریے اور فکر کا اظہار عمومی طور پر ان کے تمام خطوط میں اور بالخصوص قائد اعظم کے نام خطوط میں واضح طور پر ہوا جس نے مسلم لیگی قیادت کو انگریز اور ہندو سیاست سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک واضح فکر اور جہت عمل عطا کی جس پر گامزن ہو کر انہوں نے ایک نئی اسلامی مملکت کا نقشہ جریدہ عالم پر دوام کر دیا۔

فارسی

جریان تاریخ شبه قاره که نامه های اقبال تعیین کردند بر آن تصمیم سر نوشت هند گرفته شد و فکر و نظریه اقبال شبه قاره را به دو مملکت جداگانه هندو پاکستان تجزیه نمود۔ اظهار این فکر و نظریه اقبال در همه نامه های وی بالعموم و در نامه های بنام قاید اعظم بالخصوص بطور مشخص بعمل آمد که آن پیشوایان حزب مسلم لیگ را برای مبارزه باسیاست هندو و انگلیس یك فکر و جهت عمل مشخص عطا کرد که ایشان بر آن گام زده نقشهٔ یك مملکت نو اسلامی را بر جریدهٔ عالم دوام کردند۔

(7)

اُردو

ایران اور امریکہ کے درمیان کشیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ ایران کے ترجمان نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ خطے میں جوہری جنگ کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ امریکہ پر یہ بھی الزام ہے کہ وہ علاقے کے ممالک میں تصادم کرانے کیلئے جھوٹی افواہیں پھیلا رہا ہے۔ ایران کی جانب سے بین الاقوامی پابندیوں کو جنگ کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شمالی کوریا کے جوہری توانائی کے پروگرام سے متعلق جو مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے وہ بھی امریکی مداخلت کا نتیجہ ہے۔

فارسی

درگیری میان ایران و آمریکا بیشتر افزایش یافته است۔ ترجمان ایران احتمال نشان داده است که در منطقه خطر جنگ هسته ای بیشتر گردیده است۔ بر آمریکا این نیز اتهام است که آن جهت ایجاد تصادم میان کشورهای منطقه دارد شایع های دروغی پراگنده می کند۔ از سوی ایران تحریم های بین المللی مترادف به جنگ قرار داده شده است۔ این نیز گفته شده است که مسئله ای که درباره برنامه نیروی اتمی کره شمالی ایجاد گردیده است، آن هم نتیجه دخالت آمریکا است۔

(8)

اُردو

امام غزالی فرماتے ہیں کہ زبان ویسے تو گوشت کا ایک ٹکڑا ہے مگر خدا کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ اس کا گناہ بھی سب سے زیادہ ہے اور عذاب بھی سب سے زیادہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے۔ زبان ہی گفتگو کا ذریعہ ہے۔ زبان نہ ہو تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ زبان ہی سے انسان کا علم اور اخلاق ظاہر ہوتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ انسان جب تک بولتا نہیں اس کے عیب اور ہنر چھپے رہتے ہیں۔ دنیا میں انسان نے جتنی ترقی کی وہ زبان کی بدولت ہی کی۔ زبان ہی انسان کو ذلیل و رسوا کرتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا "لوگوں کو ان کی زبان کی وجہ سے دوزخ میں آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔"

فارسی

امام غزالی می فرماید همینطوریکه زبان یك تکه گوشت است اما از نعمتهای خداوند یك نعمت بزرگ است۔ گناه این هم از همه بیشتر است و عذاب نیز۔ در این شکی نیست که زبان از نعمتهای خداوند یك نعمت بزرگ است۔ همین زبان ،وسیلهٔ گفتگو است۔ اگر زبان نباشد در انسان و حیوان هیچ فرق نیست۔ از همین زبان علم و اخلاق بشر پدید می آید۔ شیخ سعدی می فرماید که تاوقتیکه انسان صحبت نمی کند عیب و هنرش نهفته می ماند۔ درجهان بشر هر چقدر پیشرفت کرد آن بعلت همین زبان کرد۔ همین زبان انسان را ذلیل و رسوامی کند۔ حضور نبی کریمﷺ فرمود: "مردم را بدلیل زبان ایشان هیزم آتش دوزخ ساخته خواهد شد۔"

(9)

اُردو

میں مسلمانوں کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ جو بے انصافی برتی گئی مجھے اس کا ایسا ہی شدید احساس ہے جیسا مشرق قریب کی صورت حال سے واقف کسی شخص کا ہو سکتا ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اہل برطانیہ کو اب بھی اس وعدہ کے ایفا پر مائل کیا جا سکتا ہے جو انگلستان کی طرف سے عربوں سے کیا گیا تھا۔ مجھے مسرت ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ نے مسئلہ فلسطین کو حل طلب قرار دیا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا شدید اثر تمام دنیائے اسلام پر ہوگا۔

فارسی

من می خواهم به مسلمانان یقین بدهم که بی عدالتی که به عربها ورزیده شد من چنین احساس شدید آن دا رم که یك فرد آگاه و ضیف مشرق قریب می تواند داشته باشد۔ من امید قوی دارم که اهل انگلیس را اکنون هم می توان مایل به ایفای این قول کرد که از سوی انگلیس به عربها داده شده بود۔ من شادم که پارلمان برطانی مسئله فلسطین راحل طلب قرارداده است۔ این مسئله ای است که برسراسر جهان اسلام تاثیر عمیق خواهد گذاشت۔

(10)

اُردو

مسعود سعد پانچویں صدی کے آخر اور چھٹی صدی ہجری کے آغاز کے بڑے شاعر ہیں۔ ان کی پیدائش تقریباً 440 ہجری (1048ء) لاہور میں ہوئی۔ مسعود سعد غزنوی دور کے سیاسی لوگوں میں سے تھے۔ وہ دس سال سلطان ابراہیم اور پھر آٹھ سال سلطان مسعود بن ابراہیم کے دور حکومت میں قید رہے۔ قید کے دوران انہوں نے حبسیات لکھیں۔ 500 ہجری (1107ء) میں جو کہ مسعود سعد کی رہائی کا سال تھا، تب سے آخر عمر یعنی 515 ہجری تک سلاطین غزنوی کے دربار میں کتابدار کے عہدے پر فائز رہے۔

فارسی

مسعود سعد شاعر بزرگ فارسی پایان قرن پنجم و آغاز قرن ششم هجری است۔ تولدش حدوداً ۴۴۰ هجری (۱۰۴۸-م) در لاهور اتفاق افتاد۔ مسعود سعد از مردان سیاسی دوره غزنوی بود۔ او ده سال در زمان دولت سلطان ابراهیم و سپس هشت سال در دوره حکومت سلطان مسعود بن ابراهیم در زندان ماند۔ در دوران زندانی او شعر جسیه سرود۔ از سال ۵۰۰ هجری (۱۱۰۷-م) که سال رهایی مسعود سعد بود، تا پایان عمر یعنی ۵۱۵ هجری در دربار سلاطین غزنوی سمت کتابداری بر عهده داشت۔

Past Papers

سابقہ پرچہ جات

PUNJAB PUBLIC SERVICE COMMISSION
COMBINED COMPETITIVE EXAMINATION
FOR RECRUITMENT TO THE POSTS OF
PROVINCIAL MANAGEMENT SERVICE, ETC-2009

PERSIAN (OPTIONAL) PAPER-II

TIME ALLOWED: THREE HOURS

MAXIMUM MARKS: 100

سوال نمبر۱: مندرجہ ذیل اجزاء میں سے ایک جزو کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ کریں۔ **(10)**

(الف) نقلست که در زمستان شبی در آن خانه بودو بغایت سرد بودو اویخ فرو شکسته بود و غسلی کرده چون همه شب سرمابودو تا سحرگاه در نماز بود، وقت سحر بیم بود که از سرما هلاك گردد مگر خاطرش آتش طلب کرد پوستینی دید درپشت افتاده و در خواب شد۔ چون از خواب درآمد روز روشن شده بودو او گرم گشته بنگریست آن پوستین اژدهایی بود بادو چشم دو سکرۂ خون، عظیم هراسی درو پدید آمد گفت خداوندا این را درصورت لطف بمن فرستادی کنون درصورت قهرش می بینم طاقت نمی دارم، درحال اژدها برفت و دوسه بار پیش او روی در زمین مالید و ناپدید گشت۔

(ب) مال ازبهر آسایش عمرست نه عمر از بهر گرد کردن مال، عاقلی را پرسیدند نیك بخت کیست و بدبختی چیست؟ گفت: نیك بخت آنکه خورد و کشت و بدبخت آنکه مرد وهشت۔

مکن نماز بر آن هیچکس که هیچ نکرد
که عمر درسر تحصیل مال کرد و نخورد

سوال نمبر۲: درج ذیل میں سے ایک جزو کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ کریں۔ **(10)**

(الف) چون تفحص کردم از حال وی خبر آن هیچ دیگر نداشت و آن را ایثار ما کرد، پس آن زالی را گفتم مرامی شناسی؟ گفت نه، گفتم من حاتم ام، باید که شمابه قبیلۂ ما آیی تا مادرحق شما تکلفی واجب دارم و حق آن ضیافت بگزارم، آن زن گفت: جزابر مهمانی نستانیم و نان به بهانفروشیم، واز من هیچ قبول نکردند، من بدانستم که ایشان ازمن کریم ترند۔

(ب) واز عوام گروهی دیدم که علم رابر عمل فضل نها دندو گروهی عمل رابر علم و هردو باطل است از آنکه عمل بی علم عمل نباشد، عمل آنکه عمل گردد که موصول علم باشد تابنده بدان مرثواب حق را متوجه گردد، چون نماز که تانخست علم ارکان طهارت و شناخت آب و معرفت قبله و کیفیت نیت وارکان نماز نبود، نماز نبود۔ پس چون عمل بعین علم عمل گردد۔ چگونه جاهل آنرا از این جدا گوید؟ وآنان که علم رابر عمل فضل نهادندهم محال باشد، که علم بی عمل علم نباشد، ازآنکه آموختن و یاد داشتن و یاد گرفتن وی جمله عمل باشد

سوال نمبر۳: اجزائے زیر میں سے ایک جزو کا سلیس اردو یا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح کریں:۔ (10)

(الف)

کار پاکان راقیاس از خود مگیر — گرچه ماند درنبشتن شیر و شیر
جمله عالم زین سبب گمراه شد — کم کسی زابدال حق آگاه شد
این ندانستند از عمیٰ — هست فرقی درمیان بی منتها
هردو گون زنبور خوردند از محل — لیك شدزان نیش و زین دیگر عسل

(ب)

ای آدمها که برساحل نشسته شادو خندانید
یك نفر در آب دارد می سپاردجان
یك نفردارد که دست و پای دایم می زند
روی این دریای تندو تیره و سنگین که میدانید
آن زمان که مست هستید از خیال دست یابیدن به دشمن
که گر فتستید دست ناتوانی را
ناتوانایی بهتر را پدید آرید

سوال نمبر۴: مندرجہ ذیل میں سے ایک جزو کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح کریں۔ (10)

(الف)

ملك دل کردی خراب ازتیغ کین — وندر این ویرانه سلطانی هنوز
جان زبند کالبد آزاد گشت — دل به گیسوی توزندانی هنوز

(ب)

اگرهوای تماشای گلستان داری — بیا و عالم درخون تپیدنم بنگر
بهار من شو گل گل شگفتنم دریاب — بخلوتم برو ساغر کشیدنم بنگر

سوال نمبر۵: درج ذیل میں سے دو اجزا کا ترجمہ و تشریح کریں۔ (اردو یا انگریزی میں) (15+15)

(الف)

درنمی گنجد بجوعمان من — بحرها بایدپئی طوفان من
غنچه کز بالیدگی گلشن نشد — درخور ابربهار من نشد
برق هاخوابیده درجان منست — کوه و صحرا باب جولان منست

(ب)

غوطه ها زد در ضمیر زندگی اندیشه ام — تابدست آورده ام افکار پنهان شما
تاسنانش تیز گردد فرو پیچیدمش — شعله آشفته بود اندر بیابان شما
می رسد مردی که زنجیر غلامان بشکند — دیده ام از روزن دیوارزندان شما

(ج)

من اندر مشرق و مغرب غریبم — که ازیاران محرم بی نصیبم
غم خود رابگویم بادل خویش — چه معصومانه غربت را فریبم

(10)

سوال نمبر۶: ذیل کے پیرے کا فارسی زبان میں ترجمہ کریں۔
اسلامی حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال نے کہا: اسلام بحیثیت ایک نظام سیاست کے اصول توحید کو انسانوں کی جذباتی اور ذہنی زندگی میں ایک زندہ عنصر بنانے کا عملی طریقہ ہے، اس کا مطالبہ وفاداری خدا کے لئے ہے نہ تخت و تاج کے لئے

(20)

سوال نمبر۷: مندرجہ ذیل سوالوں میں سے صرف ایک کا جواب فارسی میں تحریر کریں۔

۱۔ ''سہ تار'' کے حوالے سے جلال آل احمد کی داستان نویسی پر مفصل نوٹ لکھیں

۲۔ شاھنامہ فردوسی کی تاریخی اہمیت کیا ہے؟ تفصیل سے بیان کریں

۳۔ حافظ کی غزل کی خصوصیات پر تبصرہ کریں۔

PUNJAB PUBLIC SERVICE COMMISSION
COMBINED COMPETITIVE EXAMINATION
FOR RECRUITMENT TO THE POSTS OF
PROVINCIAL MANAGEMENT SERVICE, ETC-2012

PERSIAN (OPTIONAL) PAPER-II

TIME ALLOWED: THREE HOURS **MAXIMUM MARKS: 100**

(10)

سوال نمبر1: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک اقتباس کا ترجمہ اردو یا انگریزی میں کریں۔

(الف) نقل است کہ گفت: شب ها فرصت می جستم تا کعبه را خالی یا بم از طواف و حاجتی خواهم- هیچ فرصت نمی یافتم تا شبی باران عظیم می آمد- برفتم و فرصت را غنیمت دانستم تا چنان شد که کعبه ماندو ابراهیم طواف کردم و دست در حلقه زدم و عصمت خواستم از گناه- ندائی شنیدم که عصمت می خواهی تو از گناه و همه خلق از من این می خواهند اگر من همه را عصمت دهم دریا های غفوری و عفاری و رحیمی و رحمانی من کجا رود و به کار آید-

(ب) گوهر اگر درخلاب افتدهم چنان نفیس است و غبار اگر به فلك رود همچنان خسیس است- استعداد بی تربیت دریغ است و تربیت نا مستعد ضایع- خاك برابراست-

چو کنعان راطبیعت بی هنربود پیمبر زادگی قدرش نیفزود
هنر بنمای اگر داری نه گوهر گل از خاراست و ابراهیم از آزر

(10)

سوال نمبر2: درج ذیل میں سے ایک جزو کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ کریں۔

(الف) بس چون عمل نه عین علم عمل گردد- چگونه جاهل آن را از عمل جدا گوید و آنان که عمل رابر عمل فضل نهادندهم محال باشد که علم بی عمل، علم نباشد از آنکه آموختن و یاد داشتن و یاد گرفتن وی جمله نیز عمل باشد- از آن است که بنده بدان مثاب است و اگر علم عالم به فعل و کسب وی نبودی وی راهیچ ثواب نبودی- واین سخن دو گروه است- جاهلی گوید ''قال نباید کار باید و دیگری گوید'' علم باید، عمل نباید''-

(ب) دیگران اهمیتی نمی دادند و یا ملتفت نمی شدندولی معلم حساب شان خیلی سخت گیر بود و از زمزمه او چنان بدش می آمد که عصبانی می شد و از کلاس قهرمی کرد- سه چهار بار التزامی داده بود که سر کلاس زمزمه نکند ولی مگر ممکن بود؟ فقط سال آخر دیگر کسی زمزمه آورا از ته کلاس نمی شنید- آن قدر خسته بود و آن قدر شب ها بیداری کشیده بود

که پاتا ظهر در رختخواب می ماند و پاسر کلاس می خوابید۔ ولی این داستان نیز چندان طول نکشید و بزودی مدرسه را ول کرد۔

سوال نمبر3: اجزائے ذیل میں سے ایک جزو کا ترجمہ اور تشریح اردو یا انگریزی میں کریں۔ (10)

(الف)
که یزدان ز ناچیز چیز آفرید — بدان تا توانایی آرد پدید
یکی آتشی برشد تابناک — میان آب و باد از بر تیره خاک
نخستین که آتش به جنبش دمید — ز گرمیش پس خشکی آمد پدید
چو این چار گوهر به جای آمدند — ز بهر سپنجی سرای آمدند
چنین است فرجام کار جهان — نداند کسی آشکار و نهان

(ب)
بیا که قصر امل سخت سست بنیاد است — بیار باده که بنیاد عمر بر باد است
غلام همت آنم که زیر چرخ کبود — ز هر چه رنگ تعلق پذیرد آزاد است
رضا بداده بده وز جبین گره بگشای — که بر من و تو در اختیار نگشاد است
نشان عهد و وفا نیست در تبسم گل — بنال بلبل بیدل که جای فریاد است

سوال نمبر4: ذیل میں دیئے گئے اشعار میں سے کسی ایک جزو کا ترجمہ تشریف اردو یا انگریزی میں کریں۔ (10)

(الف)
خبرم رسید امشب که نگار خواهی آمد — سر من فدای راهی که سوار خواهی آمد
بر لب آمده ست جانم تو بیا که زنده مانم — پس از ان که من نمانم به چه کار خواهی آمد
همه آهوان صحرا سر خود نهاده بر کف — به امید آنکه روزی به شکار خواهی آمد
به یک آمدن بردی دل و جان صد چو خسرو — که زید اگر بدینسان دو سه بار خواهی آمد

(ب)
به وادی که در آن خضر را عصا خفتست — بسینه می سپرم ره اگرچه پا خفتست
بدین نیاز که با تست، نازی رسدم — گدا به سایه دیوار پادشا خفتست
هوا مخالفت و شب تار و بحر طوفان خیز — گسته لنگر کشتی و ناخدا خفتست
درازی شب و بیداری من این همه نیست — ز بخت من خبر آرید تا کجا خفتست

سوال نمبر5: نیچے دیئے گئے اشعار میں سے صرف دو (۲) جزو کا ترجمہ و تشریح بزبان اردو یا انگریزی میں کریں؟ (15+15)

(الف)
در شبستان حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شب ها چشم او محروم نوم — تا به تخت خسروی خوابید قوم
وقت هیجا تیغ او آهن گداز — دیده او اشکبار اندر نماز
در جهان آئین نو آغاز کرد — مسند اقوام پیشین در نورد
از کلید دین در دنیا کشاد — همچو او بطن ام گیتی نزاد

(ب) چه کنم که فطرت من به مقام در نسازد
دل ناصبور دارم چو صبا به لاله زاری
زشرر ستاره جویم ز ستاره آفتابی
سر منزلی ندارم که بمیرم از قراری
طلبم نهایت آن که نهایتی ندارد
به نگاه ناشکیبی به دل امیدواری

(ج) گفتند هرچه در دلت آید زما بخواه
گفتم که بی حجابی تقدیرم آرزوست
از روزگار خویش ندانم جز اینقدر
خوابم زیاد رفته و تعبیرم آرزوست
کو آن نگاه ناز که اوّل دلم ربود
عمرت دراز باد همان تیرم آرزوست

سوال نمبر 6: مندرجہ ذیل اردو اقتباس کا ترجمہ فارسی زبان میں کریں۔ (10)

اہل ایران فردوسی کو شاعر ملی کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایران کی تاریخ اور ثقافت کو زندہ کیا۔ رزمیہ مثنوی میں فردوسی استاد مانے جاتے ہیں۔ اگرچہ ساٹھ ہزار اشعار میں انہوں نے خالص فارسی الفاظ لانے کی کوشش کی ہے اس کے باوجود اس میں بہت کم سخت اور ثقیل الفاظ آئے ہیں اور بہت کم تصنع کا گمان ہوتا ہے۔ شاہنامہ ایرانی تاریخ کی عظمت کا تذکرہ ہے۔

سوال نمبر 7: مندرجہ ذیل میں سے صرف ایک کا جواب اردو یا انگریزی زبان میں لکھیں۔ (20)

(الف) گلستان سعدی کے اسلوب تحریر پر مفصل نوٹ لکھیں۔

(ب) مولانا روم کی مثنوی کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار تفصیل سے کریں۔

(ج) حکیم الامت علامہ اقبال کی فارسی شاعری کا اجمالی جائزہ لیں۔

PUNJAB PUBLIC SERVICE COMMISSION
COMBINED EXAMINATION FOR RECRUITMENT TO THE POSTS OF PROVINCIAL MANAGEMENT SERVICE, ETC. - 2014
SUBJECT: PERSIAN (OPTIONAL)
PAPER - II

TIME ALLOWED: THREE HOURS **MAXIMUM MARKS: 100**

1۔ درج ذیل اقتباسات میں سے کسی ایک اقتباس کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ کریں۔ (10)

(الف) از ابراهیم ادهم پرسیدند: "سبب چیست که خدای تعالیٰ را میخوانیم و اجابت نمیکند" گفت: "از بهر آنکه خدای تعالیٰ را میدانید و طاعتش نمیدارید۔ رسول او رامی شناسید و متابعت سنت او نمیکنید و قرآن میخوانید و بر آن عمل نمیکنید و نعمت حق تعالیٰ میخورید و شکر او نمی گویید۔۔۔ میدانید که شیطان دشمن است با او عداوت نمی کنید بلکه با او می سازید و میدانید که مرگ هست و ساز مرگ نمی سازید و مادر پدر و فرزند را در خاک میکنید و از آن عبرت نمی گیرید۔۔۔ کسی که چنین بود و عاصی دعای او چگونه مستجاب شود،

(ب) آورده اند که سپاه دشمن بسیار بود و اینان اندك۔ جماعتی آهنگ گریز کردند این پسر نعره زد گفت: ای مردان بکوشید یا جامه زنان بپوشید"۔ سواران را بگفتن او تهور زیاد گشت و بیکبار حمله بردند۔ شنیدم که هم دران روز بردشمن ظفر یافتند۔ ملك سروچشمش بوسید و در کنار گرفت و هر روز نظرش بیش کرد تا ولیعهدش کرد۔ برادران حسد بردند و زهر در طعامش کردند ۔ خواهرش از غرفه بدید۔ پسر دریافت و دست از طعام باز کشید۔

2۔ درج ذیل اجزا میں سے کسی ایک جزو کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ کریں۔ (10)

(الف) پس بدان که از علم اندك، عمل بسیار توان گرفت و باید که علم مقرون عمل باشد۔ متعبدان بی فقه را باید به خر خراس مانند کرد که هر چند می گردد بر پی نخستین باشد و هیچ راهشان رفته نشود۔ از عوام گروهی را دیدم که علم را برعمل، فضل نهادند و گروهی عمل را برعلم و این هر دو باطل است۔ از آن که عمل بی علم عمل نباشد۔ عمل آنگاه عمل باشد که موصول علم باشد تا بنده بدان علم مر ثواب حق را متوجه گردد۔

(ب) آورده اند که در روزگار نوشیروان دو مرد بیامدند و بر درگاه او بایستادند۔ یکی بآواز بلند گفت "بدمکن و بدمیند یش" و یکی گفت: "نیکی کن و نیکی اندیش، تا تورا نیکی آید پیش ـ" نوشیروان فرمود: اولی را هزار دینار بدهید و دومی را دوهزار۔" خواص و ندیمان از ملك سوال کردند که "هر دو کلمه رایك معنی بود، درصلت و انعام ایشان تفاوت بچه سبب بود؟ گفت: "این یکی همه نیکی گفت و آن دیگری بدی یاد کرد، هیچ نیکی بهتر از دوستی نیکان و هیچ بدی بد تراز دوستی بدان نیست"

3۔ درج ذیل اجزا میں سے کسی ایک جزو کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح کریں۔ (10)

الف: ترا دانش و دین رهاند درست — در رستگاری ببایدت جست
وگردل نخواهی که باشد نژند — نخواهی که دایم بود مستمند
بگفتار پیغمبرت راه جوی — دل از تیرگیها بدین آب شوی
نبی آفتاب و صحابان چو ماه — بهم بستن یکدگر راست راه

ب: بنمای رخ که باغ و گلستانم آرزوست — بگشای لب که قند فراونم آرزوست
گفتی بناز بیش مرنجان مرا برو — آن گفتنت که بیش مرنجانم آرزوست
زین همرهان سست عناصر دلم گرفت — شیر خدا و رستم دستانم آرزوست

4۔ درج ذیل اجزا میں سے کسی ایک جزو کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح کریں۔ (10)

الف: جان زتن بردی و در جانی هنوز — درد ها دادی و دُرمانی هنوز
آشکارا سینه ام بشکافتی — همچنان در سینه پنهانی هنوز
ملك دل کردی خراب از تیغ ناز — وندرین ویرانه سلطانی هنوز
هر دو عالم قیمت خود گفته ای — نرخ بالا کن که ارزانی هنوز

ب: بیا که قاعدئه آسمان بگردانیم — قضا بگردش رطل گران بگردانیم

بگوشه ای بنشینیم و در فراز کنیم — بکوچه بر سره پاسبان بگردانیم

اگر ز شحنه بود گیرو دار نندیشیم — و گر ز شاه رسد ارمغان بگردانیم

اگر کلیم شود همزبان سخن نکنیم — وگر خلیل شود میهمان بگردانیم

5۔ درج ذیل تین اجزا میں سے کوئی سے دو اجزا کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح کریں۔ (30)

الف: بهر انسان چشم من شبها گریست — تا دریدم پردهٔ اسرار زیست

من که این شب را چومه آراستم — گرد پای ملت بیضاستم

ذره کشت و آفتاب انبار کرد — خرمن از صد رومی و عطار کرد

ب: نوجوانان تشنه لب، خالی اياغ — شسته رو، تاریك جان، روشن دماغ

ناکسان منکر ز خود مومن بغیر — خشت بند از خاك شان معمار دیر

مکتب از مقصود خویش آگاه نیست — تا بجذب اندرونش راه نیست

ج: تراش از تیشهٔ خود جادهٔ خویش — براه دیگران رفتن عذاب است

اگر کاری ز دست نادر آید — گناهی هم اگر باشد ثواب است

6۔ درج ذیل اردو اقتباس کا فارسی میں ترجمہ کریں۔ (10)

میں مسلمانوں کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ جو بے انصافی برتی گئی مجھے اس کا ایسا ہی شدید احساس ہے جیسا مشرق قریب کی صورت حالات سے واقف کسی شخص کو ہو سکتا ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اہل برطانیہ کو اب بھی اس وعدہ کے ایفا پر مائل کیا جا سکتا ہے جو انگلستان کی طرف سے عربوں سے کیا گیا تھا۔ مجھے مسرت ہے کہ برطانوی پارلیمنٹ نے مسئلہ فلسطین کو حل طلب قرار دیا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا شدید اثر تمام دنیائے اسلام پر ہوگا۔

7۔ درج ذیل سوالات میں سے کسی ایک سوال کا اردو یا انگریزی میں مفصل جواب لکھیں (20)

الف: سید علی بن عثمان ھجویری اور ان کی شہرۂ آفاق تصنیف، کشف المحجوب کے بارہ میں آپ کیا جانتے ہیں؟

ب: ''خواجہ حافظ شیرازی فارسی کے عظیم ترین غزل گو تھے''۔ اس قول سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: مفصل جواب دیجئے کہ مرزا غالب نے اپنے فارسی کلام کو اپنے اردو کلام پر کیوں ترجیح دی ہے؟

PUNJAB PUBLIC SERVICE COMMISSION
COMBINED COMPETITIVE EXAMINATION FOR RECRUITMENT TO THE POSTS OF PROVINCIAL MANAGEMENT SERVICES, ETC. - 2015
SUBJECT: PERSIAN (OPTIONAL) PAPER-II

Time Allowed: Three Hours **Maximum Marks: 100**

Note: Attempt All Questions.

۱۔ درج ذیل اقتباسات میں سے کسی ایک اقتباس کا اُردو یا انگریزی میں ترجمہ کریں: (10)

(ا) جوهر اگر در خلاب افتد همان نفیس ست -وغبار اگر برفلك رود،همان خسیس -استعدادِبی تربیت دریغ ست و تربیتِ نامستعد ضائع-خاکستر نسبتی عالی دارد که آتش جوهرِ علوی ست ولیکن چون بنفسِ خود هنری ندارد باخاك برابرست-وقیمتِ شکرنه از نی ست که آن خود خاصیتِ وی ست-

(ب) نتوانسته بود چنان ساز بزند که خودش رابه گریه بینداز د؛ یا مجالس مناسب نبود و مردمی که به اوپول می دادند و دعوتش می کردند، نمی خواستند، اشك های اور اتحویل بگیرند؛ و یا خود او از ترس این که مبادا سیم ها پاره شود، زخمه را خیلی ملایم ترو آهسته تراز آن چه که می توانست بالا و پایین می بُرد- این را هم حتم داشت- حتم داشت که تابه حال خیلی ملایم تروخیلی با احتیاط تر از آن چه که می توانسته ، تار زده و آواز خوانده-

۲۔ درج ذیل اقتباسات میں سے کسی ایک اقتباس کا اردو یا انگریزی میں ترجمہ کریں: (10)

(ا) حاتم الا صم گفت ، رضی الله عنه: " چهار علم اختیار کردم، از همه عالم برستم-"

گفتند: "کدام است آن؟ " گفت : " یکی آن که بدانستم خدای را تعالی برمن حقی است که جز من نتواند گزارد کسی آن را، به ادای آن مشغول گشتم - دوم آن که بدانستم که مرارزقی است مقسوم که به حرص من زیادت نشود، از طلب زیادتی برآسودم- سیم آن که بدانستم که مرا طالبی است- یعنی مرگ که ازوی نتوانم گریخت، اورا بساختم- چهارم آن که بدانستم که مرا خدای است جل جلاله، مطلع برمن ، ازوی شرم داشتم و ناکردنی رادست بداشتم-"

(ب) چون تفحص کردم از حال وی جز آن هیچ دیگر نداشت و آن را ایثار ما کرد، پس آن زال را گفتم مرا می شناسی؟ گفت نه ، گفتم من حاتم ام، باید که شما به قبیله ما آیی تا ما در حق شما تکلفی واجب دارم و حق آن ضیافت بگزارم، آن زن گفت: جزابر مهمانی نستانیم ونان به بها نفروشیم، واز من هیچ قبول نکردند، من بدانستم که ایشان از من کریم ترند-

۳۔ درج ذیل اجزا میں سے کسی ایک جزو کا ایک اُردو یا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح کریں: (10)

(ا)
یار مرا غار مرا عشق جگر خوار مرا
یار تویی غار تویی خواجه ! نگهدار مرا
نور تویی سور تویی دولت منصور تویی
مرغ کهِ طور توی خسته به منقار مرا
قطره تویی بحر تویی ، لطف توی قهر تویی
قند تویی زهر تویی، بیش میازار مرا

حجرهٔ خورشید تویی، خانهٔ ناهید تویی
روضهٔ امید تویی، بار بده یار مرا

(ب) سالها دل طلب جام جم از ما میکرد
وآنچه خود داشت زبیگانه تمنا میکرد
گوهری کز صدف کون ومکان بیرون است
طلب از گم شدگان لب دریا میکرد
مشکل خویش بر پیر مغان بردم دوش
کو بتایید نظر حل معما میکرد
گفتم این جام جهان بین بتو کی داد حکیم
گفت آن روز که این گنبد مینا میکرد
گفت آن یار کزو گشت سر دار بلند
جرمش آن بود که اسرار هویدا میکرد

۴۔ درج ذیل اجزا میں سے کسی ایک جزو کا اُردو یا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح کریں: (10)

(ا) ابر می بارد و من می شوم از یار جدا
چون کنم دل به چنین روز ز دلدار جدا
ابر و باران و من و یار ستاده به وداع
من جدا گریه کنان، ابر جدا، یار جدا
سبزه نوخیز و هوا خرم و بستان سر سبز
بلبلِ روی سیه مانده ز گلزار جدا
حسنِ تو دیر نپاید چوز خسرو رفتی
گل بسی دیر نماند چو شداز خار جدا

(ب) بیا و جوش تمنای دیدنم بنگر
چواشک از سر مژگان چکیدنم بنگر
زمن بجرم طپیدن کناره می کردی
بیا بخاک من و آرامیدنم بنگر
شنیده ام که نه بینی و نا امید نیم
ندیدن تو شنیدم، شنیدنم بنگر
دمید دانه و بالید و آشیان گه شد
در انتظار هما دام چیدنم بنگر

۵۔ درج ذیل اجزا میں سے تین اجزا کا اُردو یا انگریزی میں ترجمہ اور تشریح کریں: (30)

(ا)
سجده ی کزوی زمین لرزیده است
بر مرادش مهر و مه گردیده است
سنگ اگر گیرد نشان آن سجود
در هوا آشفته گردد هم چو دود
این زمان جز سر بزیری هیچ نیست
اندرو جز ضعف پیری هیچ نیست
آن شکوه ربی الاعلی کجاست
این گناه اوست یا تقصیرِ ماست

(ب)
دل رهروان فریبی به کلام نیش داری
مگر این که لذت او نرسد به نوکِ خاری
چه کنم که فطرتِ من به مقام در نسازد
دلِ ناصبور دارم چو صبا به لاله زاری
چو نظر قرار گیرد به نگارِ خوبرویی
تپد آن زمان دل من پیِ خوب تر نگاری
زشرر ستاره جویم زستاره آفتابی
سرِ منزلی ندارم که بمیرم از قراری

(ج)
تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا که مسلک شبیرم آرزوست
از بهر آشیانه خس اندوزیم نگر
باز این نگر که شعلهٔ در گیرم آرزوست
گفتند "لب ببند و زاسرارِ ما مگو"
گفتم که "خیر! نعره تکبیرم آرزوست"
گفتند "هرچه در دلت آید ز ما بخواه"
گفتم که "بی حجابی تقدیرم آرزوست"

(د)
ما که از قید وطن بیگانه ایم
چون نگه نورِ دو چشمیم و یکیم
از حجاز و چین و ایرانیم ما

شبنم یک صبح خندانیم ما
مست چشم ساقی بطحا ستیم
درجهان مثل می و مینا ستیم
امتیازات نسب را پاک سوخت
آتش او این خس و خاشاک سوخت

۶۔ درج ذیل اُردو اقتباس کا فارسی میں ترجمہ کریں: (15)

سعدی شیرازی ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں ایک دیندار گھرانے میں شیراز میں پیدا ہوئے۔ اپنی جوانی میں بغداد چلے گئے اور مدرسہ نظامیہ میں علوم دینی و ادبی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد عراق، بغداد اور شام کا سفر کیا اور ساتویں صدی ہجری کے وسط میں شیراز واپس لوٹ آئے۔ ۶۵۵ھ میں بوستان لکھی اور ۶۵۶ھ میں گلستان لکھی۔ گلستان سعدی کا مقام اخلاقی ادب میں بہت اہم ہے اور یہ فارسی نثر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ سعدی شیرازی نے ۶۹۱ ہجری میں شیراز میں وفات پائی۔

۷۔ درج ذیل سوالات میں سے کسی ایک سوال کا اردو یا انگریزی میں مفصل جواب لکھیے۔ (15)

(i) مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و فن پر مفصل نوٹ لکھیے۔

(ii) عمر خیام کی رباعی گوئی پر مفصل نوٹ لکھیے۔

(iii) شاعر مشرق علامہ اقبال کی فارسی شاعری کا مفصل جائزہ لیجیے۔
